انوکٹس
"نہ وہ شخص غالب تھا نہ مغلوب۔۔ وہ انوکٹس تھا۔"
شمائم ملک

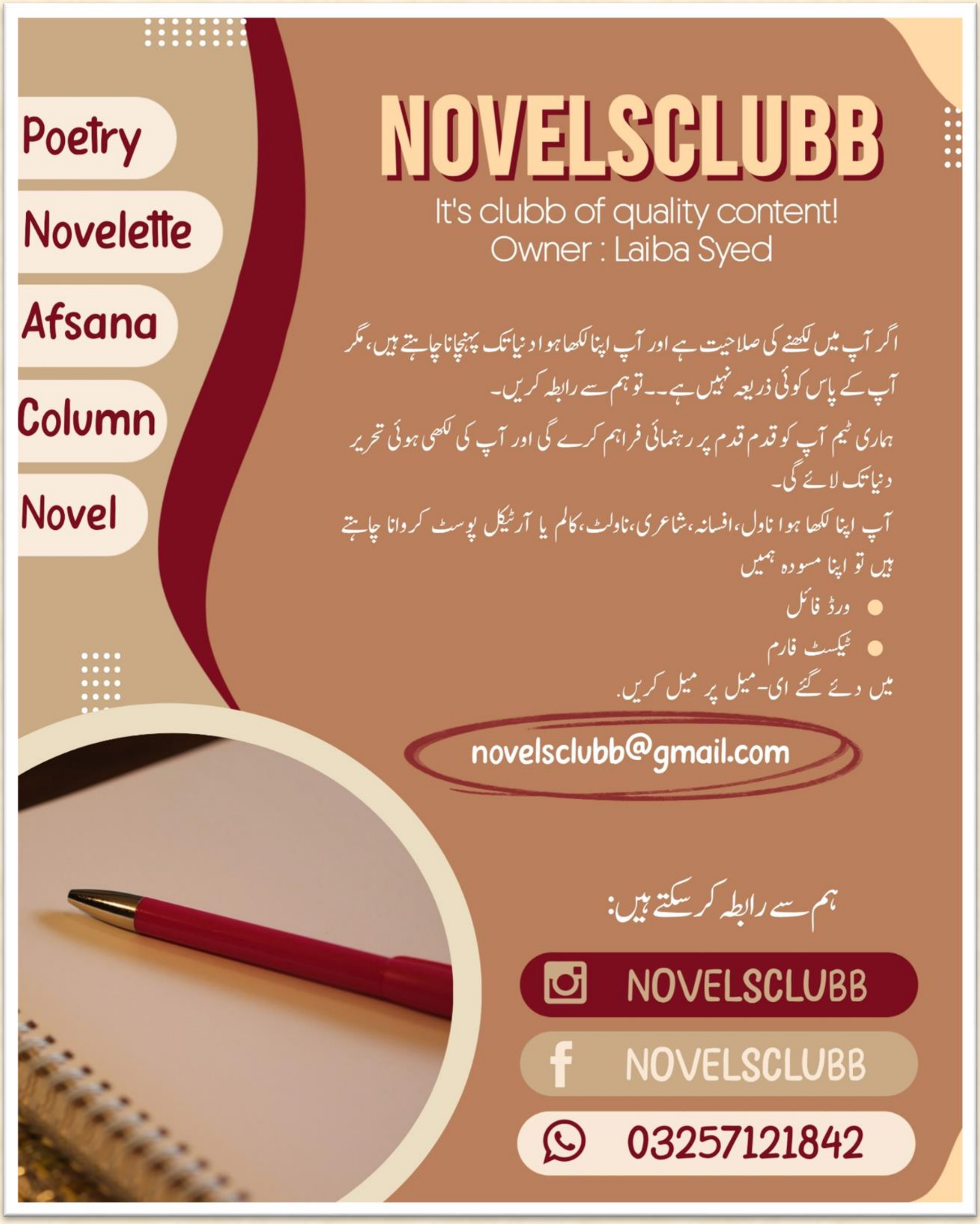
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

انو کٹس

از قلم

شمائم ملک

Clubb of Quality Content!

انتساب:

میری پہلی کتاب، انو کٹس، میری والدہ کے نام جو اندھیرے میں ایک جگنو کی مانند میری راہنمائی کرتی ہیں۔ جن کے دم سے میں ہوں اور جو میرے لئے میرا سب کچھ ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

حصہ اول: تصور

باب: ۱

راولپنڈی، پاکستان۔

تاریخ تھی ۲ دسمبر۔دن تھا ہفتے کا۔

صبح کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ہر طرف موت جیسی خاموشی طاری تھی۔نہ جانے یہ کون سی جگہ تھی' ویران، سنسان، اور اجنبی۔آس پاس صرف بوسیدہ کھنڈرات کھڑے تھے جیسے وقت کے بے رحم ہاتھوں نے ان پر گرد بٹھادی ہو۔

آسمان سُرمئی اور سیاہ امتزاج کی صورت میں بادلوں کا گھر بنا ہوا تھا۔سیاہ بادل تیز طوفان کا پتہ دیتے تھے۔

بائیں جانب کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو اسی لمحے وہ شخص چونک کر ہوش میں آیا۔

رسیوں میں جکڑا ہوا، زخموں سے چور... ہونٹوں پر جما ہوا خون اور چہرے پر سوکھے آنسوؤں کے نشان۔ چہرہ مٹی سے لتپت تھا۔ حلق خشک اور بند بند محسوس ہو رہا تھا۔ اس میں سے آواز کا گزر گزشتہ چند گھنٹوں سے نہ ہونے کے برابر تھا۔ کیونکہ سامنے کرسی پر براجمان وہ ہیبت ناک شخصیت اُسے کچھ کہنے کا موقع ہی کہاں دے رہی تھی؟

نووارد شخص نے کسی گہرے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے چہرے پر ایک ماسک تھا جس سے اسنے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا اور اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا رکھے تھے۔

Clubb of Quality Content

جمال کی بھوری آنکھیں بے اختیار اس شخص کی رعب دار آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔ یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ کل سے لے کر اب تک یہ کئی بار ہو چکا تھا اور ہر بار وہ خوف سے نظریں جھکا لیتا تھا۔

"کیوں میرا ضبط آزمارہے ہو، جمال؟ خود پر کچھ رحم کھاؤاور میرا وقت مزید ضائع مت کرو۔" آواز اتنی گرجدار تھی جیسے زخمی جمال کا پورا جسم کسی نے زور سے جھنجوڑ دیا ہو۔ وہ اپنے جسم کو پیچھے گھسیٹ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں سے دبی دبی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔

"اگلے پانچ منٹ میں اگر مجھے مطلوبہ سوال کا جواب نہ ملا... تو خدا کی قسم تم اپنی دوسری ٹانگ سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔" سر ایک طرف کرتے ہوئے وہ ایک ادا سے اُسے کہہ رہا تھا۔

جملہ مکمل کر کے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اب وہ ایک سرخ مار کر نکال رہا تھا۔ روشنی کی مدھم سی جھلک مار کر کی چمکتی ہوئی دھات پر پڑی تو جمال کا دل ڈوبنے لگا۔

"فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے..." اس نے کرسی سے آہستہ آہستہ اٹھتے ہوئے کہا۔ "یا تو میرے سوالوں کے جواب دے دو..." ایک لمحے کا توقف ••• اور پھر وہ کرسی زور سے ٹھوکر مارنے پر کچھ پیچھے کو ہوئی۔ "یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا خوف سے لرزتے جمال کے سامنے زانوں کے بل بیٹھ گیا۔اس کی گہری نظریں جمال کے چہرے پر جمی تھیں جیسے اس کی روح تک جھانک رہی ہوں۔

ایک ابرو اٹھاتے ہوئے اس نے سوالیہ نظروں سے جمال کو دیکھا۔ مگر جواب نہ پا کر اس نے مار کر کی مدد سے اس کے زخم پر دباؤ ڈالا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مقابل کا ضبط آزمار ہا تھا۔اس کی بائیں ٹانگ سے خون ایک مرتبہ پھر سے بہنے لگا۔اس کا گہرا زخم پھر سے ہرا ہو گیا۔

یہ زخم اُسے تب آیا تھا جب کل شام اس نے اِس شخص کی گرفت سے بھاگنے کی کوشش کی۔ جب مقابل کا ضبط آزمایا گیا تو اُس نے غصے میں آکر ایک دم سہی نشانہ باندھتے ہوئے اُس کی ٹانگ پر گولی چلادی۔اور گولی ابھی تک ٹانگ کے اندر ہی دھنسی ہوئی تھی۔خون کو روکنے کے لئے ٹانگ پر ایک کپڑا باندھ دیا گیا تھا لیکن کوئی بھی دوا نہ لگائی گئی تھی جس کی وجہ سے اس کا جسم ابھی تک تکلیف سے دوچار تھا۔

جمال کراہتے ہوئے سیدھا ہوا۔اس کے لبوں سے دبی دبی چیخ بر آمد ہوئی۔اپنی ٹانگ پر نظریں جماتے وہ اپنا سر مسلسل نفی میں ہلا رہا تھا۔اس کے چہرے پر آئیں پسینے کی بوندیں صاف واضح تھیں۔

لمحے بھر کے لئے مقابل کی آنکھوں میں چمک دوڑی... جیسے وہ مسکرا رہا ہو۔پھر اچانک چہرے پر سایہ سا لہرایا اور آنکھوں میں پہلے والی سنجیدگی در آئی۔

"میں نے تمہیں مہلت دی تھی،جمال۔چوبیس گھنٹے دیئے تھے۔مگر تم مجھے سخت اقدامات اٹھانے پر مجبور کر رہے ہو۔"کن اکھیوں سے جمال کو دیکھتا ہوا وہ سیدھا ہوا۔اتنے میں اُسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ایک آدمی چلتا ہوا اُس تک آرہا تھا۔اُس کا حلیہ بھی اسی کی طرح تھا۔وہ اس کے پاس آکر رکا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔پھر وہ آدمی وہاں سے چلا گیا۔

ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر واضح تھی۔اُسے کوئی خبر ملی تھی۔"تم صاحبِ اولاد ہو، جمال؟"آواز دھیمی اور پر سکون تھی۔

"نہیں!" جمال کی آواز دھاڑ میں بدل گئی۔ "میرے بچوں کو کچھ نہ کرنا! خدا کے لیے..." اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ گڑگڑانے لگا۔ آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے داڑھی میں جذب ہونے لگے۔ "میرا کل اثاثہ صرف میری بیٹیاں ہیں!"

وہ شخص اب آہستہ آہستہ کھڑا ہو چکا تھا۔ روشنی نے اس کی آنکھوں میں پھیلی پراسرار مسکراہٹ کو مزید نمایاں کر دیا۔

"اگر اگلے چند لمحوں تک جواب میرے کانوں تک نہ پہنچا تو..." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں نے اگر ان کا نام بتا دیا تو وہ مجھے مار دیں گے..." جمال کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں کی دہلیز پر لرز رہے تھے۔ "میرے بچوں کو بھی نہیں چھوڑیں گے..." بے بسی اور خوف نے اس کی سانسوں کو بوجھل کر دیا تھا۔ وہ چہرہ جھکائے... اپنے آنسو اندر اتارنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"اوہو، جمال..." وہ شخص تمسخر سے ہنسا۔ پھر آگے جھکا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے... اگر تم نے میرے سوال کا جواب نہ دیا تو تم اور تمہاری اولاد میرے ہاتھوں سے زندہ بچ جاؤ گے؟" اس نے سر جھٹکا۔ جیسے جمال کی سوچ پر افسوس کر رہا ہو۔

دو لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ وہ شخص جمال کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے خاموشی سے اس کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ اُسے جمال کے رد عمل کا انتظار تھا۔ چند سیکنڈز کے بعد اُس نے سرخ مارکر کا ڈھکن اتارا اور ہاتھ میں جکڑ لیا۔ مارکر سے ٹپکتا خون اب اس کے ہاتھوں پر لگ چکا تھا۔

Clubb of Quality Content!

"تمہارا مسئلہ بھی میں ہوں اور مسئلے کا حل بھی۔" وہ آہستگی سے بولا۔ "مجھے تمہارے منہ سے صرف سچ سننا ہے۔" اس نے کن اکھیوں سے جمال کی طرف دیکھا جیسے اس کے چہرے سے سچ کھینچ لینا چاہتا ہو۔ لیکن جمال فرش پر نظریں جمائے مسلسل سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

چند لمحوں کے سکوت کے بعد جمال نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ مقابل کی نظریں اس کی ہر حرکت پر جمی ہوئی تھیں۔ "میں آپ کو سب بتا دوں گا۔ بس ایک وعدہ کیجیے مجھ سے..."

"کیسا وعدہ؟" آواز میں نرمی تھی لیکن لہجے میں کچھ ایسا تھا جو خوف کی ایک سرد لہر چھوڑ گیا۔

"میرے بعد میری اولاد کو آپ کچھ نہیں کریں گے۔"

جمال کی بات پر اس نے ایک ابرو اُچکائی۔ پھر سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔ تمہاری اولاد کو کوئی کچھ نہیں کرے گا... یہ میرا تم سے وعدہ ہے اور میں..." وہ رکا، سرخ مار کر کا ڈھکن زمین پر پھینکا جو ایک خشک آواز کے ساتھ لڑھک گیا۔

"...وعدہ خلاف نہیں ہوں۔"

وہ شخص اب کچھ آگے کو ہوتے جمال کے پاس زمین پر بیٹھ چکا تھا۔ جمال کے بالکل قریب۔

"اگر میں ان کا نام بتادوں تو میری آپ سے التجا ہے کہ میرے بچوں کی حفاظت کیجیے گا۔"

وہ خاموشی سے چند لمحے جمال کو دیکھتا رہا۔ پھر ایک سرسری سی نگاہ اس کے بھیگے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ "ٹھیک ہے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

جمال نے لرزتے ہوئے چہرہ اوپر اٹھایا۔ لب ملے، کچھ کہا۔۔۔ کچھ ایسا جسے سن کر سامنے بیٹھے شخص کے ہونٹوں پر ایک دلکش مگر خطرناک مسکراہٹ پھیل گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ سر کو ہلکا سا جھکائے آنکھوں سے مسکرا رہا تھا۔

"وہی جواب۔۔۔ جو میں سننے کا منتظر تھا۔" اس نے آہستہ سے کہنا شروع کیا۔ "تم جانتے ہو جمال۔۔ ایک شخص سب سے زیادہ بے بس کب ہوتا ہے؟" وہ لمحے بھر کو رکا۔

پھر مارکر کی نوک کو جمال کے خون آلود کرتے کے قریب لے جاکر مدھم لہجے میں بولا۔

"جب بات اس کے گھر والوں پر آتی ہے۔" سیاہی نے کپڑے پر ایک نشان چھوڑا۔

"اور جانتے ہو سب سے زیادہ غصے میں کب ہوتا ہے؟" اب کی بار اس نے جمال کی آنکھوں میں جھانکا جیسے وہاں سے کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "جب بات اس کی انا پر آتی ہے۔ اور تبھی وہ غلطیاں کرتا ہے۔ تم اس شطرنج کی بازی کا اصل مہرا تھے، جمال۔ تمہارے بعد اب بازی پلٹ جائے گی۔" لمحے بھر کے لیے وہ رکا۔

اب وہ جمال کے کرتے پر کچھ لکھنے کے بعد مارکر کو واپس جیب میں رکھ چکا تھا۔

جمال بے اختیار زار و قطار رو رہا تھا۔

کیونکہ وہ جانتا تھا۔ اب اس کی موت زیادہ دور نہیں۔

اب سے کچھ ہی لمحوں میں... وہ بے جان ہو کر یہاں پڑا ہو گا۔

چند لمحوں کے لیے وہ رکا۔ "سو دن سنار کے۔۔۔ ایک دن لوہار کا۔"

Clubb of Quality Content

اور پھر...

گولی چلنے کی آواز گونجی۔

جمال اب سچ میں زمین پر گر چکا تھا۔

وہ شخص اطمینان سے اٹھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پستول کو واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ایک آخری نظر جمال کے بے سدھ پڑے جسم پر ڈالنے کے بعد وہ مڑا۔

کھنڈر سے کچھ فاصلے پر رکتے ۰۰ چہرے سے ماسک نیچے کرتے۔۔اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔

ہوا کے جھونکے سے اس کے بال چہرے پر بکھر گئے۔

اس نے نرمی سے انہیں ہٹایا اور ماسک واپس چہرے پر جما لیا۔

پھر جیب سے فون نکالا۔

اسکرین پر ایک تصویر عیاں ہوئی۔

آنکھیں اس پر جم گئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اور ہونٹوں پر ایک مصنوعی مسکراہٹ در آئی۔

"میرے تم سے بہت سے حساب نکلتے ہیں۔"

چند گھنٹے پہلے۔

اسلا م آباد، پاکستان۔

تاریخ تھی ایک دسمبر، دن تھا جمعے کا۔

یہ منظر تھا ایک خاکی رنگ کی اونچی عمارت کا۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی چھائی ہوئی تھی۔ عمارت کے آس پاس لگے بلند اور تگڑے درختوں کے پتے مسلسل جھلملا رہے تھے۔ اس کے بیرونی حصے میں ہر منزل پر کم سے کم دو کمروں کی بتیاں روشن تھیں۔ وہ عمارت کوئی عام عمارت نہیں تھی۔ وہ ایک نشریاتی ادارہ تھا۔ ایک نیوز چینل ہاؤس۔ اس کے داخلی دروازے کے اوپر گہرے نیلے رنگ کی تختی لگی ہوئی تھی جس پر سفید رنگ میں 'یونیوز' لکھا نظر آتا تھا۔

یونیوز کی صرف یہی نہیں بلکہ بہت سی برانچز تھیں۔ عمارت کے کم از کم دس فلور تھے۔ ہر فلور پر چار کمرے آمنے سامنے بنے ہوئے تھے۔ سوائے ایک فلور کے۔ وہ دسواں فلور تھا اور

کچھ اونچائی پر تھا۔ ہر وقت خالی رہتا تھا۔ اکثر ادھر کیمروں کے نئے اسٹاک لا کر رکھے جاتے تھے۔ یہاں پر روشنی بھی کم سے کم ہی ہوتی تھی۔

ٹاپ فلور کے اوپر روف یعنی چھت تھی۔ جس پر مختلف جگہوں پہ خراب مشینری رکھی گئی تھی۔ یہاں بہت کم لوگوں کا آنا جانا ہوتا تھا۔

دروازے سے نکلتے ہی چھت پر اگر آپ کا پہلا قدم پڑے تو آپ کو گہرے سبز رنگ میں کھڑی دیوار دکھے گی۔ جو کہ تھی بھی لمبائی میں بقیہ دیواروں سے چھوٹی۔ جہاں سے سامنے کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔

اس دیوار کے پیچھے کوئی چھپا ہوا تھا۔ وہ شخص یونیوز کی عمارت کی چھت پر موجود تھا۔ عین سامنے تین مزید عمارات منظر میں اضافہ کرتی تھیں۔ پہلی اور آخری سفید رنگ کی تھیں۔ جبکہ درمیانی گہری پستہ۔

Clubb of Quality Content

نووارد شخص نے اسی پیچ والی عمارت کے کسی ایک فلور پر آنکھیں ٹکار کھی تھیں۔اس کے چہرے کا آدھا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔سیاہ گھنگریالے بال اس کے ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔چہرے پر پڑتے دیوار کے سائے کے باوجود آنکھیں عیاں تھیں۔

باقی حصہ دیوار سے ڈھکا ہوا تھا۔اس نے سیاہ رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ دائیں ہاتھ کی کلائی میں سیاہ رنگ کی گھڑی موجود تھی اور کان میں ایئر پیس لگا رکھا تھا۔

ٹِکٹکی باندھے اس کی نگاہیں ایک ہی دشا کو گھیرے ہوئی تھیں۔ وہ آنکھیں۔۔۔ گہرے سُرمئی رنگ کی تھیں۔ سُرمئی اور سائرن آئز۔وہ رنگ عام سُرمئی رنگ سے کافی مختلف تھا۔جیسے طوفان سے پہلے کا آسمان۔

وہ وہاں پیٹ کے بل لیٹ کر دوربین کو ان آنکھوں پر لگائے ہوئے تھا۔اس کی نظروں کے زاویے میں اس کا ساتواں فلور تھا۔کمرہ نمبر ۲۰۵۔وہ ایک بلند و بالا ہوٹل تھا۔یہ ہوٹل اس قدر مہنگا تھا کہ یہاں صرف اعلیٰ طبقہ ہی قیام کر سکتا تھا۔نچلے اور متوسط طبقے کے لیے تو یہاں دن گزارنا بھی ایک خواب جیسا تھا۔

اس نے ہاتھوں میں تھامی ہوئی دوربین پر لگا فوکس کرنے والا پہیہ گھمایا تا کہ سامنے کا منظر ٹھیک سے دیکھ سکے۔اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔وہ اپنی شارپ نظروں سے ہر چیز کا معائنہ کر رہا تھا۔

کمرہ نمبر ۲۰۵ روشن تھا۔اس میں پھیلی سفید روشنی باہر تک امنڈ رہی تھی۔وہاں دو آدمی کرسیوں پر بیٹھے گفتگو میں مشغول تھے۔وہ ان کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

اس نے دائیں کان میں موجود ایئر پیس پر انگلی سے دُباؤ ڈالا تو سپیکر آن ہوا۔"سیونتھ فلور، فورتھ روم(seventh floor, fourth room)۔میری نظر ٹارگٹ پر ہے۔" وہ گویا ہوا۔اس کی آواز میں کچھ مختلف سا ٹھہراؤ۰۰۰ایک گہرائی تھی۔ایئر پیس میں مقابل کی آواز آئی تو اس نے دوبارہ اُسے کلک کیا۔"ہی از آرمڈ۔(he is armed)"(اس کے پاس اسلحہ ہے۔)

کمرے سے آتی روشنی میں اُسے ان میں سے ایک شخص اب کچھ فاصلے پر نظر آیا۔اس شخص کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا جس میں کوئی شربت نما چیز موجود تھی لیکن گلاس میں کون سا شربت تھا وہ جان پانا مشکل تھا۔وہ دھیرے دھیرے اُسے ہونٹوں سے لگاتا گھونٹ حلق سے نیچے اتار رہا تھا۔اس کی مخالف سمت میں بیٹھا شخص کسی بات پر قہقہ لگا رہا تھا۔

سُرمئی آنکھوں کے سامنے منظر دھندلایا تو اس نے دوربین ہٹائی اور کچھ لمحے گزرے تو پھر لگالی۔وہ آدمی اب قہقہ لگاتے ہوئے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

ناولز کلب

جب اگلے پانچ سیکنڈ بھی وہ آدمی جیب کو ٹٹولتا رہا جیسے صحیح وقت کا انتظار کر رہا ہو۔تو اس کا شک یقین میں بدلا۔"میرے تین تک گننے پر قدم بڑھا دینا۔"سنائپر گویا ہوا۔اس کی آواز میں ایک اطمینان تھا۔ایک سکون تھا۔

"ایک..."وہ پل بھر کے لیے ٹھہرا۔"دو... تین۔"اُس کی دھاڑ پر کمرہ نمبر ۲۰۵ کا دروازہ کھلا اور تین آدمی اندر داخل ہوئے۔انھوں نے ایک جیسی وردی پہن رکھی تھی۔ان میں سے دو درمیانے قد کے حامل تھے اور ایک اونچے قد کاٹھ کا تھا۔

کمرے میں موجود صوفے پر بیٹھے ہوئے پہلے شخص کے ہاتھ سے پانی کا گلاس سرکتا ہوا زمین پر جا گرا۔ وہ گلاس بہت سی کرچیوں میں بٹ چکا تھا۔ وہ شخص ان تینوں کے آنے سے پہلے ہی اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا۔ دراصل یہ شخص جس کا نام اسلم شاہد تھا، ایک امیر اور جانا مانا بزنس مین تھا۔ اس کے مقابل بیٹھا شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کو بیہوش کر کے بلڈنگ کو دھماکے سے اڑا دے۔ یہ سارا پلان اسلم کی ہی وجہ سے بنایا گیا تھا تاکہ اُسے راستے سے ہٹایا جا سکے۔

اسلم کا جسم بے سدھ صوفے پر پڑا تھا۔ جب دوسرے شخص کو وردی میں ملبوس آدمیوں کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے ریموٹ کو ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا جیب سے نکال لیا۔ وہ ایک سوسائڈ بومبر تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ ریموٹ کا بٹن دباتا۔۔ ایک گولی کمرے کے شیشوں کو چیرتی ہوئی سیدھا اس کے ہاتھ میں پیوست ہوگئی۔ خون کی پھوار اس کے ہاتھ سے نکلی تو وہ آدمی کراہتا ہوا زمین پر جا گرا۔ تینوں آدمیوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اُسے اوپر اٹھایا اور دو تین مکے مارنے کے بعد اُسے ہتھکڑی پہنائی۔

پھر ایک نے آگے کو ہوتے زمین سے بم کا ریموٹ اٹھایا اور کرسی کے نیچے پڑی اس کی گن بھی اٹھالی۔ ہتھکڑی پہنانے کے بعد اس نے اس سوسائڈ بومبر کو گردن سے پکڑا اور اپنے ساتھ کمرے سے باہر لے گیا۔ جب کہ پیچھے ٹھہرے آخری شخص نے ایمبولینس کو کال کر کے اسلم صاحب کو ہسپتال پہنچانے کا انتظام کیا۔ پھر اپنا رخ مخالف سمت میں خاکی عمارت کی چھت پر پیٹ کے بل لیٹے اُس سُرمئی آنکھوں والے شخص کی طرف کیا اور اُس کو تھمبز اپ دیا۔ اب وہ پستہ رنگ کی عمارت صحیح معنوں میں ایک دم محفوظ تھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہ گولی جو اس دہشت گرد کے ہاتھ میں لگی تھی وہ خاکی رنگ کی عمارت کی چھت پر موجود اسی شخص کی سنائپر سے چلی تھی۔

وہ ایک دم پکا نشانہ باندھتا تھا اور گنز کو کھلونوں کی طرح استعمال کرتا تھا۔ اس کے ہر عمل میں ہاتھ کی صفائی نظر آتی تھی۔ اُس کے کسی بھی کام میں غلطی کی گنجائش باقی نہ رہتی تھی۔ کیونکہ وہ ایک ماہر پولیس آفیسر تھا' اپنے ایریا کا ایس ایچ او۔ المیر خلیل۔

وہ دھیرے دھیرے ایستادہ ہوا۔ہاتھ میں تھامی ہوئی سنائپر کو اس نے کچھ فاصلے پر رکھے سیاہ ڈبے میں ڈال دیا۔اس نے دائیں ہاتھ کی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ایک ہاتھ سے پیشانی پر بکھرے بال پیچھے کو سرکائے۔

وہ پیشے سے اسنائپر شوٹر نہیں تھا۔لیکن اُسے ہر قسم کی گن چلانے کا فن آتا تھا۔

ناولز کلب

اب چلتے ہیں ابھی سے ٹھیک تین گھنٹے پہلے پیش آئے واقعے کی طرف۔المیر خلیل تھانے کے اندر ایک پرانی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔کمرے میں خاموشی تھی۔بس پنکھے کی گھوں گھوں اور پرانے کیس کے دستاویزات کے اوراق کی کھڑ کھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

اس کے سامنے پھیلی فائلیں شہر کے جرائم کی داستان سناتی تھیں۔اغوا، چوریاں، اور ان کہے قتل۔وہ ان سب کیسز کو حل کر چکا تھا۔وہ پیشانی پر پھیلے اپنے سیاہ بالوں کو ایک طرف کرتے ہوئے ایک رپورٹ کی سطریں غور سے پڑھ رہا تھا۔

اس کی سرمئی آنکھوں میں وہی گہری سنجیدگی تھی جو ہر وقت اس کی آنکھوں میں گھر کیے رہتی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔جب اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف موجود ایک شخص کی سہمی ہوئی آواز آئی۔"ایک شخص آج رات سرین ہائٹس ہوٹل پر خودکش حملہ کرنے والا ہے۔ہوٹل میں جگہ جگہ۔۔ہر فلور پر بومبز رکھے گئے ہیں۔"

اس بلڈنگ کے پاس ایک اور تھانہ بھی واقعہ تھا جس کے کچھ اہلکار ایس ایچ او المیر خلیل کے کہنے پر عمارت کے اندر داخل ہوئے اور حالات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ حقیقتاً عمارت کے ہر فلور پر ایک بم لگایا گیا تھا جو کہ صرف ایک ہی ریموٹ سے ٹریگر ہو سکتے تھے۔

وقت اتنا کم تھا کہ بم ناکارہ بنانے والے دستے کو بلانے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوتا اگر بومبر ریموٹ سے انہیں ٹریگر کر دیتا۔

جب المیر کو اس بات کی بھنک پڑی تو اس نے اپنے ہاں سے تین اہلکار عمارت کی جانب روانہ کیے۔ ان میں سے ایک نے ریسیپشن پر جا کر ہوٹل میں آنے جانے والے لوگوں کی فہرست کا جائزہ لیا۔ اسلم شاہد کا نام ان لوگوں میں دیکھ کر اُسے کچھ کھٹکا۔

ان سب لوگوں میں ایک وہی شخص تھا جس پر حملہ کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے المیر خلیل نے ہوٹل میں لگے کیمروں کی فوٹیج غور سے دیکھنے کا حکم دیا۔ فوٹیج دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اسلم صاحب ساتویں فلور پر رکے ہوئے تھے۔

ناولز کلب

یہ خبر جب المیر تک پہنچی تو وہ فوراً اپنی کرسی سے اٹھا۔ جو ایک تیز آواز کے ساتھ پیچھے سرکی۔
سرین ہائٹس کوئی عام ہوٹل نہ تھا۔ یہ ایک وسیع و عریض عمارت تھی۔ کئی منزلیں، درجنوں کمرے اور بے شمار داخلے۔ یہ بات واضح تھی کہ خطرہ بڑا تھا اور وقت بہت کم۔

وہ سیدھا جائے وقوعہ کی طرف روانہ ہوا۔ پولیس کی گاڑی کے سائرن بند تھے۔ ہوٹل کے قریب پہنچتے ہی اس نے فوری طور پر انہی تین اہلکاروں کو ساتویں فلور کی طرف بھیجا تاکہ وہ اندرونی تلاشی لیں۔ مگر خود المیر نے ایک الگ حکمت عملی اپنائی۔

ہوٹل کے سامنے ایک نیوز چینل ہاؤس کی عمارت تھی۔ جس کی چھت سے پورے ہوٹل کا نظارہ ممکن تھا۔وہیں سے المیر نے نگرانی کا فیصلہ کیا۔

عمارت کی چھت پر جھکتے ہوئے اس نے سامنے ہوٹل کے داخلی دروازے، بالکونیاں،اور ارد گرد کی سرگرمیوں پر دوربین کی مدد سے نظریں جمادیں۔ ہر لمحہ بوجھل تھا۔ہر حرکت شک کی نظر سے دیکھی جارہی تھی۔

ناولز کلب

وہ جانتا تھا کہ اگر ذرا سا بھی لمحہ ضائع ہوا تو انجام تباہ کن ہو سکتا ہے۔المیر خلیل کا شک غلط بھی ہو سکتا تھا۔ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ وہ دہشت گرد اسلم صاحب کے کمرے میں موجود نہ ہوتا پر المیر کو اپنی ججمنٹ پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ المیر خلیل کے اندازے کبھی غلط نہیں ہو سکتے تھے۔

اس کے سیاہ بال ہوا میں ہلکے ہلکے اڑ رہے تھے۔اور پیشانی پر پسینے کے قطرے نمایاں تھے۔ سرمئی آنکھوں میں ایک تیز چمک تھی۔وہ جانتا تھا وہ کیا کر رہا ہے اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس

کے ایک غلط قدم سے نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔پر وہ المیر خلیل تھا۔زبان سے زیادہ اس کا دماغ چلتا تھا۔

..—.ʘʘ.—..

اب منظر تھا کچھ گھنٹے بعد کا جب ایک دسمبر کی تاریخ گزر چکی تھی اور اگلے دن کا آغاز ہو گیا تھا۔گھڑی رات کے سوا بارہ بجا رہی تھی۔وہ یونیوز کی عمارت میں داخل ہوئی۔لفٹ کا بٹن دباتی وہ اس میں سوار ہوئی۔لبوں پر وہی مسکراہٹ تھی جو روز ہوا کرتی تھی۔اس نے ہلکے نیلے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور شانوں پر سفید رنگ کا دوپٹہ نفاست سے اوڑھا ہوا تھا۔

اپنے کام کے اوقات کے خلاف۔۔آج اُسے رات گئے ورک پلیس پر رک کر کچھ آرٹیکلز پر کام کرنا تھا۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ اس میں سے باہر آئی۔ وہ اس وقت پانچویں فلور پر موجود تھی۔ آس پاس سے گزرتا ہر شخص اُسے تعظیماً سلام کر رہا تھا اور وہ مسکرا کر جواب میں حال احوال پوچھ رہی تھی۔ بھورے بال، جو کہ کھلے ہونے کی وجہ سے اس کی کمر سے نیچے تک آتے تھے، اب چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ جنھیں وہ جوڑے میں ہولے ہولے قید کرنے کی کوشش میں مشغول تھی۔

اس کے ہونٹوں سے تھوڑا فاصلے پر ٹھوڑی سے تھوڑا اوپر ایک چھوٹا سا تل تھا۔ زرد مائل سپید رنگت میں ایسی نفاست تھی جیسے تراشے ہوئے سنگِ مرمر پر ہلکی دھوپ پڑی ہو۔ دودھیا رنگت پر چھوٹی سی ناک اور گلابی ہونٹ اس کے چہرے کی معصومیت کو نکھارتے تھے۔

اس کی آنکھیں مختلف تھیں، شہد رنگ آنکھیں۔ آنکھوں کا شہد رنگ اکثر سورج کی کرنوں میں سنہرا نظر آتا تھا۔ جیسے امن کا پیغام لائی ہوں۔

وہ وقار اور خود اعتمادی کی مجسم تصویر تھی۔ چھوٹی سی ناک، تیکھے نقوش اور پر سکون مگر بااثر انداز' ایسا امتزاج جو چاہے بنا کسی لفظ کے ہو، مگر اپنی موجودگی کا احساس ضرور دلا دے۔ اس کی مکمل شخصیت جیسے امن اور سکون پر قائم تھی۔ لیکن اس کی حرکتیں کچھ الگ ہی کہانی سناتی تھیں۔

اشفا امین ایک خوش مزاج اور زندہ دل لڑکی تھی۔ وہ نرم دل کی حامل تھی۔ ہر کسی پر رحم کرنے والی انسان۔ اس کا خوشگوار رویہ اور شائستہ اندازِ گفتگو ہر محفل میں اسے نمایاں مقام دلاتا تھا۔ وہ چھبیس سالہ حسین و باوقار صحافی تھی۔ جس نے گزشتہ تین سالوں میں صحافت کو ایک نئی جہت اور اعلیٰ معیار سے روشناس کروایا تھا۔ اور معیار بھی ایسا جو اُسے اکثر مشکل میں ڈال دیتا تھا۔ کوئی بھی نیوز چینل اُسے نوکری دینے سے ڈرتا تھا کیونکہ وہ اپنے کارناموں کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔

یہی وہ پہلی لڑکی تھی جو بنا اجازت کے چند سال پہلے ایک کرائم سین میں داخل ہو گئی تھی۔ اس بات نے سوشل میڈیا پر بہت ادھم مچائی تھی۔اس کرائم سین کا کیس جس ایس ایچ او کے پاس تھا ۱۰۰ اس کی اِس سے خوب جھڑپ ہوئی تھی۔

وہ شرارتی نگاہوں سے ہر چیز کو جانچتی تھی اور پھر عمل درآمد لاتی تھی۔اشفا امین کو ایسے ذرائع سے خبریں ملا کرتیں تھیں کہ اکثر اس کے ساتھ کام کرنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

وہ اپنی یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر احمد مرزا کے لئے کام کرتی تھی۔ آج سے چند سال پہلے ہی انہوں نے یہ نشریاتی ادارہ کھولا تھا۔اس کا ماننا تھا کہ اگر وہ آج ایک کامیاب اور باصلاحیت صحافی ہے تو اس میں سر احمد مرزا کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔وہ نہ صرف ایک شفیق استاد تھے بلکہ ایک بہترین دوست بھی تھے۔انھوں نے اُسے صحافت سے روشناس کروانے کے لئے کچھ اصولوں سے اس کا تعارف کروایا تھا۔

کل اصول آٹھ تھے پر اُسے پہلے دو ہی یاد تھے جن کے مطابق اُسے ہار نہیں ماننی تھی اور جگہ یا موقع محل دیکھے بغیر آگے بڑھتے رہنا تھا۔ بیشک اُس نے اصولوں کے الفاظ میں تھوڑا ردو بدل کیا تھا پر تھوڑی سی تبدیلی سے کیا ہی ہو جائے گا، ہے نا؟

اشفا کی خاص بات یہ تھی کہ کوئی جرم ہونے بھی نہ پاتا کہ خبر اس کے کانوں تک پہنچ جاتی اور کرائم سین پر سب سے پہلے پہنچنے والی بھی وہی ہوتی۔ اس کی ٹیم میں ایک کیمرہ مین اور ایک ذاتی معاون مومن علی شامل تھا۔ مومن کی لاپرواہی اکثر مشکلات کھڑی کر دیتی۔ مگر اشفا اسے نوکری سے نکالنے کا سوچتی بھی نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ کہتی۔ "مومن علی ایک عظیم شخص ہے۔ وقت آنے پر یہ میری سب سے بڑی طاقت ثابت ہو گا۔" لیکن فی الحال تو وہ سب سے بڑی کمزوری ثابت ہو رہا تھا اور دور دور تک اُس کے خود کو طاقت ور ثابت کرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

حال کی طرف آئیں تو اس عمارت میں دو استقبالیہ کاؤنٹر تھے۔ ایک سب سے نچلے فلور پر اور دوسرا پانچویں فلور پر۔ کیونکہ اس فلور پر ان کے باس احمد مرزا کا آفس تھا تو استقبالیہ عملہ باس اور ایمپلائز کے درمیان پیغام رسائی کا کام کرتا تھا۔ اشفا کا کمرہ بھی اسی فلور پر تھا۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ اپنے کمرے تک پہنچی۔ڈور نوب کو گھما کر اس نے دروازہ کھولا۔سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر بتیاں جلائیں اور پھر اپنا پرس اور فون ایک ایک کر کے میز پر رکھ دیا۔اس کمرے میں وہ اور مومن دونوں آمنے سامنے بیٹھتے اور کام کرتے تھے۔

اس عمارت کے ہر کمرے میں دو سے تین لوگ ہر وقت موجود رہتے تھے سوائے احمد مرزا کے کمرے کے۔جہاں صرف وہ خود ہی بیٹھتے تھے۔

کرسی کو پیچھے کرتے وہ بیٹھ گئی۔اب اس کے سامنے اس کا لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا۔وہ اس پر ایک نیوز اپڈیٹ کر رہی تھی جو کہ آرٹیکل کی شکل میں اسی نے انٹرنیٹ پر ڈالنی تھی۔اس کی نازک انگلیاں مسلسل لیپ ٹاپ کے کیبورڈ پر چل رہی تھیں۔پھر اس نے میز سے اپنا فون اٹھایا اور مومن کو میسیج کیا کہ اپنے ہمراہ دو کافی کے کپ بھی لے آئے جو کہ دونوں وہی پینے والی تھی۔

・・—・୭୧・—・・

مال روڈ سے مختصر فاصلے پر کچھ بچے کرکٹ کھیل رہے تھے جب ایک نے چھکا مارا تو بال تھوڑے فاصلے پر واقعہ کھنڈر کے اندر جا پہنچی۔سب بچوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کیونکہ یہاں بہت کم لوگوں کا آنا جانا ہوتا تھا۔سال میں کوئی ایک عدد انسان یہاں چکر لگا لیتا تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

لیکن وہ بچے اس بات سے خوفزدہ نہیں تھے۔انہیں خوف اس بات سے آرہا تھا کہ یہ جگہ آسیب زدہ تھی۔مال روڈ پر تعمیر ہوئے گھروں میں رہنے والے باشندوں میں پچاس فیصد ان بچوں کے والدین تھے اور سب نے بچوں کو اس بات سے ڈرا رکھا تھا کہ اس کھنڈر میں کوئی آسیب رہتا ہے پر بچے یہ بات نہیں جانتے تھے کہ اس بات میں کوئی حقیقت نہ تھی۔

"بال تو نے پھینکی۔۔اب لینے بھی تو ہی جائے گا۔" بال کروانے والے نے بلے باز سے کہا تو وہ ڈر کر پیچھے ہوا۔باقی بچوں کی طرح اس کی عمر بھی چھ سے آٹھ سال ہی تھی۔

"نہیں میں نہیں جاؤں گا۔۔" وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے گویا ہوا۔

"میں بھی دیکھتا ہوں ۰۰ کیسے نہیں جائے گا تو۔" ابھی وہ بچہ اس روتے ہوئے بچے کی طرف بڑھتا جب ان کی ٹیم کا کپتان آگے کو آیا جو کہ محض آٹھ سال کا تھا۔

"کوئی وہاں نہیں جائے گا۔ میں جاؤں گا۔" وہ ان میں سب سے بڑا تھا۔ شاید اسی لئے اس نے یہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس کا قد باقی بچوں کے مقابلے میں اونچا تھا اس لئے وہ دس سال تک کا لگتا تھا۔ وہ اب چلتا ہوا کھنڈر کی داخلی جگہ پر پہنچا۔ اندر قدم رکھا تو وہ بال کچھ دوری پر پڑی تھی۔ وہ کیچڑ سے لت پت تھی کیونکہ کچھ دیر پہلے ہی تیز بارش ہوئی تھی۔

Clubb of Quality Content

تمام خیالات کو جھٹکتے ہوئے وہ کچھ آگے کو گیا۔ بال کے پاس پہنچا تو جھک کر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا جب اس کی نظر ایک کپڑے پر پڑی۔

کپڑا سرخ رنگ میں نہایا ہوا تھا۔ وہ اس سرخ رنگ کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ خون ہے۔ چیخنے چلانے کی بجائے اس نے ایک بھی سیکنڈ کی دیر کیے بنا بال اٹھائی اور وہاں سے بھاگ نکلا۔

باہر آیا تو بال کو اس نے دوسرے بچوں کی طرف اچھال دیا اور خود دوڑتا ہوا اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا گھر چند قدموں کی دوری پر تھا اس لئے وہ جلد پہنچ گیا۔ کچھ اوپر کو ہوتے اس نے دروازے پر دستک دی اور دروازے سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

قریب پندرہ سیکنڈز کے بعد گھر کے اندر سے ایک عورت باہر نکلیں جو کہ اس کی والدہ تھیں۔ انھوں نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی اپنے بچے کو پایا جو کہ زرد پڑتے رنگ کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ اس کے تاثرات دیکھتے ہی سمجھ گئی تھیں کہ کچھ تو انہونی ہوئی ہے۔

"کیا ہوا، حمزہ؟" انھوں نے اپنے بچے کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے فکر مندی سے سوال کیا۔

حمزہ نے کچھ گھبراتے ہوئے تھوک نگھلا۔ "امی، وہ نا۔۔۔ وہ نا میں ادھر گیا تو وہاں ناخون تھا۔۔۔ بہت سارا خون۔" اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

Clubb of Quality Content!

"کہاں گئے؟ کہاں دیکھا خون؟" انھوں نے خوف سے آنکھیں پوری کھول لیں۔ وہ خود بھی اب حمزہ کی بات سن کر کافی پریشان نظر آرہی تھیں۔

"وہ جن جگہ پر، امی۔" کیونکہ اس کے والدین اس کھنڈر کو جن جگہ کہتے تھے اس لئے اسے بھی یہی کہنے کی عادت تھی۔

"کھنڈر میں؟ تمہارا وہم ہو گا، بیٹا۔ وہاں تو کوئی آتا جاتا بھی نہیں ہے۔" ماں کو اس کی بات پر یقین نہ آتے دیکھ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"نہیں میں نے دیکھا تھا۔" وہ اب ضدی سا ہوتا رونے کے سے انداز میں اسرار کر رہا تھا۔ والدہ بچے کی حالت کو مزید نظر انداز نہ کر پائیں۔

"اچھا رکو۔۔ تمہارے پاپا سے بات کرتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر بچے کو اپنے ساتھ لئے گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔

Clubb of Quality Content!

اب وہ بچہ اپنے والدین کے ساتھ اسی جگہ پر کھڑا تھا جہاں اس نے وہ خون آلود کپڑا دیکھا تھا۔ والد صاحب کچھ حیرانی سے ایک طرف ہو کر کھڑے تھے۔ کیونکہ سامنے ہی ایک خون سے لت پت سفید کُرتا رکھا ہوا تھا۔

زمین پر اور کہیں بھی خون کے نشانات نہیں تھے۔ والد صاحب نے اپنی اہلیہ کو بیٹے کے ساتھ گھر جانے کا کہا اور خود جیب سے فون نکالتے ایک نمبر پر کال ملائی۔

"ہیلو، ایس ایچ او المیر خلیل صاحب؟"

••—•۞•—••

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اپنی سُرمئی آنکھیں اخبار پر گاڑھے ••ایک آرٹیکل کو بہت غور سے پڑھ رہا تھا۔ ایک ایک لائن کو پڑھنے کے بعد وہ طنزاً اپنی ابرو اچکاتا اور پھر سر نفی میں ہلاتا۔ آرٹیکل پولیس فورس کے ایک پرانے کیس پر شائع کیا گیا تھا جو کہ اب تک حل نہ ہو پایا تھا۔ چند جملوں پر مشتمل اس آرٹیکل میں پولیس فورس کی نااہلی کو نشانہ بنایا گیا تھا۔

اخبار کو ایک طرف سے پورا کھولتے اس نے کچھ صفحے پلٹے۔ ہر صفحے پر ہی ایک پورشن پولیس کی شان میں لکھا گیا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ کس کی کارستانی ہوسکتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک الگ سی چمک در آئی۔

دروازے پر ہولے سے دستک دیتے درمیانے قد اور بھوری آنکھوں والے احمد مرزا کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ ایک پچپن سے ساٹھ سالہ شخص تھے اور یونیوز کے مالک تھے۔

احمد مرزا چلتے ہوئے اپنی مخصوص نشست پر آبیٹھے۔ وہ گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھے۔ ان کی نظر سامنے بیٹھے المیر خلیل پر پڑی جو ہاتھ میں پکڑے اخبار کو بہت دلچسپی سے پڑھ رہا تھا۔

ناولز کلب

"کیسے ہو،المیر ؟"بھاری آواز میں مقابل کا حال پوچھا۔پھر اپنی شرٹ کی باہر والی جیب سے نیلے رنگ کا پین نکال کر میز پر رکھا۔سُرمئی آنکھیں اسی پل ہاتھ میں تھامے کاغذ سے ہٹیں۔ آنکھوں میں چھائی چمک غائب ہو گئی۔اس نے نظریں احمد مرزا کے چہرے پر ٹھہرالیں۔

"زندہ ہوں، سر ••• "آواز ہمیشہ کی طرح سنجیدگی میں ڈوبی ہوئی تھی۔پھر بولا۔"آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔"احمد مرزا نے سر اثبات میں ہلایا۔

"تمہیں مجھے تھینک یو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اپنی ہی سوسائٹی کے بچے ہو۔اتنا تو کر ہی سکتا ہوں تمہارے لئے۔۔"انھوں نے مسکرا کر کہا۔پھر دوبارہ گویا ہوئے۔"کیا منگواؤں تمہارے لئے ••• چائے یا کافی ؟"انہوں نے ہاتھ ٹیبل پر رکھے ٹیلیفون کی طرف بڑھایا۔

"نو نیڈ، سر۔ گھر جا کر تھوڑی دیر آرام کروں گا۔ آپ کے تعاون کا شکریہ۔" وہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ کرسی کو ہاتھ سے پیچھے کرتے اس نے احمد مرزا کی طرف دیکھ کر سر اثبات میں ہلایا اور پھر ایک آخری نگاہ میز پر رکھے اخبار پر ڈالی اور چپ چاپ پیروں پر مڑ گیا۔

وہ اس کمرے سے نکلا تو اس کا فون بجا۔ جیب سے اپنا فون نکالتے وہ اس کی اسکرین پر آیا میسج پڑھ رہا تھا۔ اسی پل اُسے اپنی سیاہ شلوار قمیض پر کسی پانی جیسی چیز کے گرنے کا احساس ہوا۔ وہ کچھ گرم سا تھا۔ اُسے اپنی جلد جلتی ہوئی محسوس ہوئی تو اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔

Clubb of Quality Content!

لمحے بھر کے لئے نگاہوں کا تصادم ہوا۔ نظروں کے ٹکرانے پر المیر خلیل کی آنکھیں مدھم ہوئیں۔ آنکھوں کا رنگ اسی پل میں گہرا سیاہ ہوا۔ وہ وہیں اپنے پیروں پہ جم گیا۔ اُسے مقابل سے اس طرح ملنے کی قطعاً امید نہیں تھی۔

تین سال بعد وہ اشفا امین کو یوں آمنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ تین سال پہلے ایک کرائم سین پر اشفا نے ہنگامہ برپا کیا تھا•• یہ سوچ آتے ہی المیر نے لب بھینچ لئے۔ وہ اسے دیکھتا تھا تو اُسے لگتا تھا کہ کائنات کے تمام ترالٹے کارنامے کرنے کی صلاحیت ایک ہی شخص میں رکھ دی گئی ہے۔

اس کو دیکھتے ہی اس کا پارہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتا۔ وہ حرکتیں ہی ایسی کرتی تھی کہ سامنے والا اپنے پیدا ہونے پر افسوس کرنے لگتا تھا۔

مقابل منہ کھولے کھڑی تھی جیسے یقین نہ آرہا ہو کہ اس کے ہاتھ سے کافی گری بھی تو کس کی قمیض پر گری۔ اپنی شہد رنگ آنکھوں میں الجھن لئے وہ پریشانی سے اس سُرمئی رنگ آنکھوں والے شخص کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنے سالوں بعد اس کو دیکھ رہی تھی؟ اُسے یاد نہ تھا۔ وہ بس اتنا جانتی تھی کہ اس شخص کو دیکھتے ہی اس کے غم تازہ ہو جاتے تھے اور کام بگاڑنے کی صلاحیت زیادہ ہو جاتی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ اس کے چہرے پر چھائے تاثرات پڑھ رہی تھی۔ سُرمئی آنکھوں والے کوپ نے اپنے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ وہ ہر وقت شاید ایسے ہی رہتا تھا۔ المیر کو دیکھتے ہی یا اس کا خیال ذہن میں آتے ہی اس کے ذہن کے کسی گوشے میں ٹام اینڈ جیری شو والا ٹام نمودار ہو جاتا تھا۔ وہ ٹام کی طرح ہر وقت غصے میں رہتا تھا اور یہ جیری کی طرح کام بگاڑنے میں لگی رہتی تھی۔

مقابل کا چہرہ بتا رہا تھا کہ ابھی وہ ایسی ڈانٹ لگائے گا کہ اِس کی اگلی سات پشتیں یاد رکھیں گی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ جانتی تھی کہ وہ غصے کا کچھ تیز تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اب اگر اپنی صفائی میں کچھ کہے گی تو المیر کے غصے کو ہوا مل جائے گی۔ لیکن پھر بھی انسانیت کے ناطے اشفا نے کچھ بولنے کے لئے لب کھولے۔ وہ اپنے دفاع میں کچھ تو کہنا چاہتی تھی۔

"سوری۔۔وہ میں۔"اس سے پہلے کہ وہ اس سے معافی مانگتی وہ سر جھٹکتا ہوا اپنے پیروں پر مڑ گیا اور وہاں سے چلتا گیا۔ وہ وہاں کھڑی اس کی پشت دیکھتی رہی۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ طوفان کی طرح آتا تھا اور چھاؤں کی طرح چلا جاتا تھا۔ وہ اُس کے اس رویے سے چونکی نہیں تھی۔ وہ اُسے اچھے سے جانتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

رات کا سناٹا گہرا ہو چکا تھا۔ سڑکوں پر ویرانی چھائی تھی اور ہوا میں عجیب سی خاموشی رچی ہوئی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر میں سورج نکلنے والا تھا اور ہر طرف روشنی پھیلنے والی تھی۔ المیر تھکا ماندہ جب گھر کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں اس کی گاڑی نے ساتھ چھوڑ دیا۔ پہلے تو اس نے خود ہی مسئلہ سمجھنے کی کوشش کی۔ مگر معاملہ پیچیدہ نکلا۔

گاڑی ٹھیک کروانے میں پورا ایک گھنٹہ نکل گیا۔جب کہیں رات کے ساڑھے تین بجے وہ گھر پہنچا تو پورا مکان سنسان پڑا تھا۔جیسے نیند نے ہر شے کو اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔

گاڑی کی چابیاں لاپرواہی سے درمیانی میز پر پھینکیں اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا باورچی خانے کی طرف بڑھا۔ابھی بتی جلائی ہی تھی کہ فرش پر ایک جاندار کو دیکھ کر وہ کچھ لمحوں کے لیے ٹھٹک گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پہلے تو اس کے ذہن میں کئی خیالات ایک ساتھ دوڑنے لگے۔لیکن پھر منظر واضح ہوا۔فرش پر اور کوئی نہیں بلکہ اس کا بھائی،وہاج خلیل،مزے سے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔سامنے کھانے کی ٹرے سجی ہوئی تھی اور وہ ہر لقمے کے ساتھ ہاتھ فضا میں بلند کر کے اپنی ہی خوش خوراکی پر واہ واہ کر رہا تھا۔

وہاج المیر کا سب سے چھوٹا اور سب سے شرارتی بھائی تھا۔گھر میں جو بھی انہونی ہوتی،اس کے پیچھے اس کی کوئی نہ کوئی کارستانی ضرور ہوتی۔وہ اکیس سالہ جوان خون تھا۔جس کے چہرے پر ہو بہو اپنے والد کی شباہت جھلکتی تھی۔

بھوری آنکھیں،اونچی ناک،دودھیا رنگت،اور ہلکی سی داڑھی۔جو اس کی عمر میں وقار کا اضافہ کرتی تھی۔

وہ خوش مزاج اور مزاحیہ تھا۔ہنسنے ہنسانے میں کمال رکھتا تھا۔یونیورسٹی میں قدم رکھے اسے ابھی صرف ایک سال ہی ہوا تھا۔کچھ مہینوں تک تو بھائی کو پولیس آفیسر بنتا دیکھ کر اس کے دل میں بھی یہ تمنا جاگی تھی کہ وہ بھی اسی راہ پر چلے گا۔لیکن جیسے ہی المیر کی راتوں کی ڈیوٹی دیکھی۔تو فوراً ہی توبہ کرلی۔

گھر والوں کی شدید مخالفت کے باوجود اس نے ڈیٹا سائنٹسٹ بننے کا فیصلہ کیا تھا۔اور آج کی تاریخ میں اسی فیلڈ میں بری طرح فیل ہو رہا تھا۔

"وجی کے بچے!" المیر کی آواز گونجی تو وہاج نے چونک کر گردن موڑی۔ پھر اطمینان سے ایک انگلی ہونٹوں پر رکھ کر گویا ہوا۔ "دھیرے بولیں، کوئی سن لے گا!"

المیر نے آگے بڑھ کر اس کے کان کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ "اللہ کے بندے! لائٹ تو جلا لیتے۔ بے دھیانی میں اگر میرا پیر تم پر آ جاتا تو؟"

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہاج نے کندھے اچکائے اور معصومیت سے کہا۔ "اللہ کا بندہ ہوں جیسا کہ آپ نے ابھی کہا۔ اللہ کو پیارا ہو جاتا اور کیا!" پھر اگلا نوالہ منہ میں ڈال لیا۔ جیسے یہ معمولی سی بات ہو۔

المیر کو بے اختیار ہنسی آئی۔ مگر فوراً ہی چہرے پر سختی طاری کرتے ہوئے پوچھا۔ "حد ہوتی ہے لاپرواہی کی، وجی! اتنی رات گئے کر کیا رہے ہو تم؟"

اس سوال پر وہاج نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ جیسے سامنے والے نے نہایت ہی ناگوار بات کر دی ہو۔ پھر انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ "ہاکی کھیل رہا ہوں، بھائی۔"

المیر نے پہلے تو اس کے بے تکے جواب پر خود کو سنجیدہ رکھنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ اگلے ہی لمحے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"یہ سب چھوڑو۔ پانچ منٹ کے اندر کھانا ختم کرو اور سیدھا بستر پر نظر آؤ مجھے۔" حکم صادر ہوا۔

وہاج نے فوراً چہرے پر معصومیت سجالی۔ جیسے کوئی معصوم ہرنی شکاری کے سامنے آن کھڑی ہو۔ "لیکن بھائی۔۔۔ آج فٹبال لیگ کا سیمی فائنل ہے!" آنکھیں جھپک جھپک کر کہا۔

المیر نے اس کی حرکت پر ہنسی ضبط کرتے ہوئے ہاتھ باندھ لیے۔ "اچھا؟ میں تو بھول ہی گیا تھا! ایک کام کرو کھانا جلدی ختم کرو۔ پھر ٹی وی آن کرو۔ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔ "

یہ سنتے ہی وہاج نے نوالے کی رفتار تیز کر دی۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کا سخت مزاج بھائی اپنا ارادہ ہی نہ بدل لے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر کے کمرے کی دیواروں کا رنگ بھی اس کی آنکھوں کی مانند سُرمئی اور سیاہ تھا۔ جیسے اس کی شخصیت میں ایک سنجیدگی اور ٹھہراؤ تھا۔ ویسے ہی اس کا کمرہ بھی نظم وضبط اور نفاست کا مکمل نمونہ تھا۔ ہر چیز اپنی مخصوص جگہ پر رکھی جاتی اور کسی بھی شے کو بے ترتیبی کی اجازت نہ تھی۔

پورے گھر میں اگر کوئی کمرہ بے حد صاف ستھرا ہوتا تو وہ المیر خلیل کا ہی تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہاج خلیل کا زیادہ تر وقت اپنے کمرے کی بجائے اپنے بڑے بھائی کے کمرے میں گزرتا تھا۔ اپنے کمرے کو وہ خود عجیب و غریب رنگوں میں رنگوا چکا تھا۔جامنی اور پیلے رنگ کے امتزاج نے اسے کچھ مضحکہ خیز بنا دیا تھا اسی لیے وہ وہاں کم ہی جاتا تھا۔جب دل چاہتا۔۔چپکے سے المیر کے کمرے میں گھس کر بستر پر لمبی تان کر لیٹ جاتا۔المیر کو اپنے چھوٹے بھائی کی یہ حرکت نہایت بچکانہ مگر بے حد پیاری لگتی۔اسی لیے وہ کبھی بھی اسے منع نہیں کرتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔اندر داخل ہوتے ہی پیچھے مڑے بغیر پاؤں سے دروازہ بند کیا اور کندھے پر ڈالی ہوئی جیکٹ بیڈ پر پھینک کر گن نکال کر الماری کے لاکر میں رکھ دی۔یہ اس کی عادت تھی کہ وہ اپنی گن کبھی بھی کھلی جگہ پر نہیں چھوڑتا تھا۔

الماری کا دروازہ بند کرنے کے بعد بستر پر رکھی آسٹریلین کرکٹ ٹیم کی جرسی اور ٹراؤزر اٹھائے۔ پھر نہانے کے لیے باتھ روم میں چلا گیا۔

محض دس منٹ بعد وہ فریش ہو کر باہر نکلا۔ ایک نظر دیوار پر لگی گھڑی پر ڈالی۔ چار بج چکے تھے۔ پھر الماری کھولی تاکہ پولیس یونیفارم دیکھ سکے کہ کسی نے استری کر دیا ہے یا نہیں۔ یونیفارم نہ پا کر گہری سانس خارج کی اور ماتھے پر آئے بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اب خود ہی یونیفارم استری کرنا ہو گا۔۔۔" خود سے بڑبڑاتے ہوئے لانڈری روم کی طرف بڑھا۔

دھلے ہوئے کپڑوں میں سے اپنا یونیفارم نکالا۔استری اسٹینڈ پر رکھا۔اور جلدی جلدی استری کرنے لگا۔پانچ منٹ میں یونیفارم پریس ہو چکا تھا۔اسے احتیاط اور ترتیب سے صوفے پر رکھتے ہی وہ اپنی ماں کے کمرے کی طرف چل دیا۔

نرمی سے دروازہ کھولا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا بیڈ کے قریب پہنچا۔آئمہ خلیل گہری نیند میں تھیں۔المیر نے جھک کر ان کے گال کو نرمی سے چھوا اور محبت سے پیار دیا۔ایک نظر برابر میں سوئے اپنے والد خلیل محمد پر ڈالی اور پھر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔

خلیل محمد کے رعب ودبدبے سے پورے گھر میں سب ہی دبے دبے رہتے۔خاص طور پر المیر۔وہ اپنے والد سے کم ہی بات کرتا تھا۔یہاں تک کہ اکثر ہفتوں ملاقات نہ ہو پاتی۔صبح والد کے جاگنے سے پہلے ہی تھانے روانہ ہو جاتا اور رات گئے واپسی کے باعث ان سے آمنا سامنا کم ہی ہوتا۔

اپنی ماں کے بعد المیر اپنی چھوٹی بہن عالیہ سے بے حد محبت کرتا تھا۔ان سوچوں کو جھٹکتے ہوئے المیر عالیہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔دروازہ کھولا تو بہن کو اوندھے منہ سوتے پایا۔ بچپن ہی سے وہ اسی پوزیشن میں سونے کی عادی تھی۔المیر مسکرایا۔پھر آہستگی سے آگے بڑھا اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔اب بخار نہیں تھا۔پچھلے دنوں کے مقابلے میں وہ کافی بہتر لگ رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

عالیہ اپنی ماں کے بعد سب سے زیادہ اپنے بڑے بھائی سے محبت کرتی تھی۔اسی لیے جب المیر اسے دوا دینے آتا۔تو بھائی کی محبت دیکھ کر ضد ترک کر دیتی اور خاموشی سے دوا لے لیتی۔

المیر نے اس کے چہرے پر بکھرے سیاہ بالوں کو نرمی سے پیچھے کیا اور برابر میں رکھی ڈائری پر نظر ڈالی۔ شاید وہ کوئی نئی کہانی لکھ رہی تھی۔ پہلے ارادہ کیا کہ دیکھے۔ مگر پھر خود کو روکتے ہوئے دھیرے سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

کمرے سے نکلتے ہی دیوار پر لگی ایک تصویر پر نظر ٹھہر گئی۔ یہ بچپن کی ایک یادگار تصویر تھی۔ جس میں عالیہ نے پیلے رنگ کی فراک پہن رکھی تھی۔ جبکہ المیر نے بھوری قمیض اور جینز۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اپنی چھوٹی بہن پر فخر کرنا المیر کی پرانی عادت تھی۔ اور جب سے عالیہ کی کتاب کی اشاعت کا سنا تھا اس کی خوشی دوگنی ہو گئی تھی۔

ایک آخری مسکراہٹ کے ساتھ جیب میں ہاتھ ڈالا۔اور پھر سیڑھیاں اتر کر اس شیطان یعنی اپنے چھوٹے بھائی وہاج کی طرف روانہ ہو گیا۔

··—·••·—··

اگلی صبح وہاج اٹھا تو وہ ایک دم پُر سکون تھا۔اُسے اپنے پرچے کی بالکل بھی فکر نہیں تھی۔وہ آرام سے ہر کام کر رہا تھا جیسے اگر وہ کمرہ امتحان میں نہ پہنچا تو پرچہ اس کے بغیر شروع نہیں ہو پائے گا۔

جبکہ اس کا بڑا بھائی المیر خلیل پچھلے چالیس منٹ سے گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔اس کی مشکل سے دو گھنٹے کی نیند ہو پائی تھی اور پھر اٹھتے ہی اُسے ایک ایسی خبر ملی جس نے اس کے غصے کو ہوا دے دی۔المیر فریش ہو کر کمرے سے نکلا تو آئمہ خلیل

نے اُسے بتایا کہ آج وہاج کا پرچہ ہے۔یہ سن کر المیر کے اعصاب تن گئے۔وہاج خلیل جانتا تھا کہ صبح اس کا پرچہ ہے اس کے باوجود اس نے صبح فجر تک فٹبال کا میچ دیکھا تھا اور شاید اسی لئے اپنے بڑے بھائی کو اس بات سے ناواقف رکھا تھا کیونکہ اُسے علم تھا کہ المیر اُسے میچ دیکھنے نہیں دے گا۔

پچھلے کچھ لمحوں میں وہ وہاج کو کبھی ٹیرس پر تو کبھی باغیچے میں تو کبھی ہال میں دیکھ چکا تھا۔ابھی سے دو منٹ پہلے وہ ٹیرس پر کھڑا ہو کر بیگ سے کوئی کاغذات نکال رہا تھا جب اچانک کچھ کاغذات ہوا کی وجہ سے نیچے زمین پر جا گرے اور کچھ اس کے ہاتھ میں ہی رہ گئے۔اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ پر ڈالی اور دوسری نیچے گرے کاغذات پر۔

پھر اُسے ہنسی آئی اور وہ کھل کر ہنسا۔یہ بات اُسے کافی حد تک مزاحیہ لگ رہی تھی جبکہ نیچے کھڑا اس کا بڑا بھائی۔۔اس منظر کو دیکھ کر ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

وہاج کی اگلی نظر المیر پر پڑی تو وہ فوراً چپ ہوا۔ بتیسی اندر کی اور ہونٹ آپس میں پیوست کر لئے۔ بھائی ابھی تک گھر پر ہی ہیں؟ ایک آخری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے کاغذ لینے نچلی منزل پر گیا۔

وہاں گیا تو اس نے ایک ایک کر کے سارے کاغذات اٹھائے اور بیگ میں ڈالے۔ پھر اپنے بھائی کو دیکھا جو کچھ ہی فاصلے پر ایسے کھڑا تھا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

"آج آپ نے کام پر نہیں جانا؟" پہلے تو اس نے سوچا سوال نہ ہی کرے لیکن پھر عادت سے مجبور ہو کر کر ہی لیا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"اس نے وہاج کے بے تکے سوال پر اُسے گھور کر دیکھا۔المیر کے وے آف ورکنگ(way of working)کو لے کر کوئی بھی اس سے کبھی سوال نہیں کرتا تھااور نہ ہی وہ کسی کو اس بات کی اجازت دیتا تھا۔

"میں تو۔۔ایسے ہی۔۔۔"کہتے کہتے وہ جملہ ادھورا چھوڑ گیا کیونکہ آج المیر کا موڈ معمول سے کچھ مختلف معلوم ہوتا تھا۔رہتا تو وہ روز ہی غصے میں تھا لیکن آج وہ اپنی سُرمئی آنکھوں سے بھی آگ کے گولے برسا رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"باتیں مت بناؤ۔آج تمہیں یونیورسٹی میں خود چھوڑ کر آؤں گا۔جلدی جاؤاور کپڑے بدل کر آؤ۔"ایک غصیلی نگاہ اس کے جامنی ٹراؤزر شرٹ پر ڈالتے وہ چہرے کا رُخ دوسری طرف کر گیا۔

وہاج نے اس کے انداز پر کندھے اچکائے پھر سر کو جھٹکتے ہوئے واپس گھر کے اندر چلا گیا۔ بیگ صوفے پر پھینکتے وہ دو دو سیڑھیاں چھوڑتے ہوئے دوسری منزل پر پہنچا اور پھر اپنے کمرے کا دروازہ دھپ کی آواز سے کھولا اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔

الماری میں سے ہلکے سبز رنگ کی شرٹ نکالتے اس نے پیچھے بستر پر پھینکی، پھر الماری میں رکھی سفید رنگ کی پینٹ نکال کر کندھے پر ڈال لی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اگلے پندرہ منٹ کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔المیر خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا اور وہاج نظریں ادھر ادھر دوڑا رہا تھا۔اسی لمحے اس کے شیطانی دماغ کی بتی جل

اٹھی۔اس نے سامنے موجود ڈیش بورڈ پر رکھا اپنے بھائی کا فون اٹھایا۔فون تو لاکڈ تھا لیکن کیمرا آسانی سے کھل سکتا تھا۔

اس نے کیمرا کھول کر اپنا چہرہ غور سے دیکھا پھر ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کھسکایا۔یہ عمل کرتے ہوئے وہ بار بار بغل میں بیٹھے المیر کو دیکھ رہا تھا۔وہ المیر کی بات بات پر بال پیچھے کرنے کی عادت سے واقف تھا۔اسی لئے اُسے تنگ کرنے کے لئے وہ اس کی نقل کر رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اپنی سائرن آنکھوں کو سڑک پر گاڑھے وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔اس کی نظر اپنے بھائی کی حرکتوں پر پڑی۔سر کو دائیں بائیں ہلاتے ہوئے اس نے گہرا سانس لیا۔وہ یہ بات جانتا تھا کہ وہاج کا موڈ کچھ خراب ہو گیا تھا۔کیونکہ آج معمول سے تھوڑا ہٹ کر وہاج کو اگزام سے ایک گھنٹہ پہلے یونیورسٹی جانا پڑ رہا تھا۔اس لئے اس کے چہرے پر اداسی چھا چکی تھی۔وہ ایسا ہی تھا۔اُسے غصہ آتا تھا تو وہ بدلے میں غصہ نہیں کرتا تھا۔صرف اور صرف اگلے بندے کو تارے تپانا شروع کر دیتا تھا۔

گاڑی ایک مخصوص موڑ تک آئی تو اس نے گاڑی کو تھوڑا اسائڈ میں کرتے باقی گاڑیوں کے ساتھ کھڑا کر دیا۔المیر کچھ بھی کہے بغیر گاڑی سے اتر گیا جبکہ وہاج نے اس کا فون واپس جگہ پر رکھ دیا۔

وہ بینک جانے کے لئے رکا تھا۔شاید اُسے پیسے نکلوانے تھے۔اس بینک پر وہ کافی عرصے کے بعد آرہا تھا کیونکہ عموماً یہ جگہ اس کے راستے میں نہیں پڑتی تھی۔

بھائی کو گاڑی سے اترتا دیکھ۔۔وہاج نے المیر کی طرف سے رخ موڑ کر دوسری طرف کر لیا اور پھر سڑک پر آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھنے لگا۔

مزید پانچ منٹ گزر چکے تھے المیر ابھی بھی بینک کے اندر ہی تھا۔اے ٹی ایم مشین میں کچھ خرابی تھی جس کی وجہ سے اس کا کریڈٹ کارڈ باہر آنے میں وقت لے رہا تھا۔ایک اکتائی ہوئی نگاہ اس نے مشین پر ڈالی پھر کچھ بٹنوں پر انگلیاں چلاتے اس نے انہیں دبایا۔اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا کیونکہ آج اُسے ہر چیز کے لئے انتظار کرنا پر رہا تھا۔اُسے جلدی تھانے بھی پہنچنا تھا۔

اُس نے اپنے دونوں ہاتھ مشین کے ارد گرد رکھے۔اس پر کچھ زور ڈالتے اس نے مشین کو زور سے جھنجھوڑا۔اس کے ہاتھوں کی رگیں اسی پل ابھریں۔اگلے ہی لمحے کارڈ فوراً سے باہر آ گیا۔کارڈ کو باہر نکالتے اس نے اُسے والٹ میں ڈالا۔اپنا رخ دروازے کی طرف کرتے ابھی وہ اُسے کھولتا جب باہر سے ایک آواز آئی۔

"بھائی صاحب، کہیں آنکھ تو نہیں لگ گئی آپ کی؟"

وہی آواز۔آواز میں وہی تاثیر۔وہ اس آواز کو لاکھوں میں پہنچان سکتا تھا۔وہ آواز سب آوازوں سے جدا تھی۔پہلے تو وہ کچھ چونکا کیونکہ اتنے سالوں میں ان کا آمنا سامنا ممکن نہ ہو پایا تھا اور پھر اچانک جیسے ہوا میں کچھ تبدیلی آگئی تھی اور ان کے راستے ایک مرتبہ پھر سے ٹکرا رہے تھے۔

اس شخص نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔"استغفراللہ۔"منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اُس نے دروازہ کھولا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

نظریں نیچے کرتے ہوئے وہ اُس کے پاس سے خاموشی سے گزرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔اس نے قدم زمین پر رکھا تو وہ سامنے ہی بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنے کھڑی تھی۔اس نے سر پر ڈھیلا سا دوپٹہ لے رکھا تھا۔

کل سے یہ دوسری دفعہ تھی کہ یہ دونوں یوں مل رہے تھے۔المیر کی آنکھیں اس کے چہرے پر ٹھہریں۔ چہرے پر آئے تاثرات اُسے بتا رہے تھے کہ وہ کافی اُکتائی ہوئی دکھ رہی تھی۔ چہرے سے نظریں ہٹاتے وہ اس کے قریب سے بنا کچھ کہے گزر گیا۔وہ صبح صبح اپنا موڈ مزید خراب نہیں کروانا چاہتا تھا۔

وہ اس بات سے واقف تھا کہ اشفا کے راستے میں یہی بینک پڑتا ہے۔کچھ سال قبل تک تو وہ اسی بینک پر آتی رہی تھی اور اکثر دونوں کا آمنا سامنا بھی ہو جاتا۔اسی وجہ سے المیر خلیل نے اس جگہ کا رخ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔آج تین سال بعد وہ پہلی دفعہ یہاں آیا تھا۔

وہ اس کے پاس سے گزرا تھا۔بنا اُسے دیکھے ۱۰۰ اشفا امین کو پتا چل چکا تھا کہ گزرنے والے کو وہ اچھے سے جانتی ہے۔

اس نے نظریں اٹھائیں اور اس کی پشت پر ٹھہرا لیں۔اس کی شہد رنگ آنکھیں کچھ ثانیے کے لئے پھیلیں۔وہ کل سے دیکھ رہی تھی کہ المیر اس کی کسی بھی بات یا حرکت کا کوئی رد عمل نہیں دے رہا تھا۔سالوں بعد ہی صحیح پر اُسے کچھ تو کہنا چاہیے تھا ناشفا سے۔

پچھلے کچھ سالوں میں بہت کچھ بدل چکا تھا اور اس بہت کچھ میں المیر خلیل تو شاید پورا کا پورا بدل چکا تھا۔ورنہ وہ اشفا کی طرف سے آتی ہر اینٹ کا جواب پتھر سے ضرور دیتا تھا۔

اپنے کندھوں کو اُچکاتے...وہ چہرے کے زاویے بگاڑتی بینک کی طرف بڑھ گئی۔

المیر گاڑی میں آکر بیٹھا تو وہاج نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ایک ابرو اُچکاتے اس نے سوال کرنے کا سوچا لیکن پھر زبان بند رکھنا ہی ضروری سمجھا۔وہ صبح صبح اپنے بھائی کے منہ سے جھڑتے پھولوں کا پہلا شکار نہیں بننا چاہتا تھا۔

اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور مطلوبہ جگہ کی طرف دوڑادی۔

مال روڈ، راولپنڈی۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ جگہ کو چاروں طرف سے بند کر دو۔ کم سے کم اہلکار لے کر وہاں پہنچنا تاکہ میڈیا تک فی الحال یہ خبر نہ پہنچ سکے۔" سُرمئی آنکھیں کلائی پر بندھی گھڑی پر گاڑھ رکھی تھیں۔ رعب دار لہجے میں بات کرتے ہوئے اس نے اپنے خاص آدمی محمت جہانگیر کو حکم دیا۔

المیر محمت پر خود سے بھی زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ اس کا ہر حکم سب سے پہلے محمت تک پہنچتااور پھر وہاں سے باقی اہلکاروں تک منتقل ہوتا تھا۔

محمت ایک درمیانے قد کا حامل ٠٠ بھوری آنکھوں والا جوان مرد تھا۔تھانے میں المیر خلیل کے بعد سب سے زیادہ اسی کی سنی جاتی تھی۔

"شیور سر۔ سلیم اور کفیل۔۔دونوں جائے واردات پر پہنچ چکے ہیں۔میں کچھ ہی فاصلے پر ہوں بس پہنچنے لگا ہوں۔"اس کا جواب سنتے المیر نے فون بند کر دیا۔اب اُسے بھی کرائم سین کے لئے نکلنا تھا۔

میز سے اپنا والٹ اٹھاتے وہ کرائم سین کی طرف جانے کا ارادہ کرتے ہوئے تھانے سے باہر نکل گیا۔

بیس منٹ کے بعد وہ کرائم سین کے باہر موجود تھا۔ڈیش بورڈ سے اپنا فون اٹھاتے اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگاتے وہ گاڑی سے نکل آیا۔

مال روڈ کے ایک سنسان گوشے میں وہ پرانی عمارت موجود تھی جواب صرف ایک کھنڈر بن چکی تھی۔ کبھی اس جگہ پر کسی کے دن، مہینے یا سال گزرے ہوں گے لیکن وقت کے ساتھ سب کچھ بکھر گیا تھا۔

Clubb of Quality Content

دیواریں پرانی اور کمزور ہو چکی تھیں۔ چھت کا کچھ حصہ گر چکا تھا اور دروازے اپنی جگہ سے ڈھیلے پڑ چکے تھے۔پلستر جگہ جگہ سے جھڑ چکا تھا اور کھڑکیاں خالی آنکھوں کی طرح خاموشی سے گھور رہی تھیں۔

عمارت کے آس پاس درخت اُگ آئے تھے۔ جن کی شاخیں دیواروں سے ٹکرا کر ہوا کے ساتھ ہلتی تھیں۔ کچھ جگہوں پر گھاس نے زمین کو ڈھانپ رکھا تھا۔ دسمبر کی بارشوں نے فرش کو گیلا کر دیا تھا اور کئی حصے نم ہو گئے تھے۔ بوندوں کے نشان اب بھی موجود تھے اور ہوا میں نمی کی ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔

خاموشی نے اس جگہ کو گھیر رکھا تھا۔ در و دیوار جیسے کچھ کہنے کی کوشش کرتے تھے۔ کہیں سے کبھی درختوں کی سرسراہٹ یا پانی کے ٹپکنے کی آواز آتی جو اور بھی گہرا سناٹا پیدا کرتی۔

Clubb of Quality Content!

مال روڈ سے صرف چند قدم دور، یہ کھنڈر الگ ہی دنیا لگتا تھا۔ نہ کوئی آتا، نہ کوئی جاتا۔ بس ٹھہرا ہوا وقت تھا اور اس وقت میں بنی یادیں تھیں۔

وہ اس جگہ میں داخل ہوا تو ٹھنڈی ہوا کے ایک جھونکے نے اس کا استقبال کیا۔ باقی جگھوں کے مقابلے میں یہ جگہ کچھ زیادہ ہی ٹھنڈی تھی۔ وہ مزید چند قدم آگے بڑھا تو اس کی نظر محمت کے ہاتھوں میں پکڑے سفید کرتے پر پڑی۔ خستہ حال عمارت کے سامنے ہی میدان پر خون کی چھینٹے موجود تھے۔ شاید یہیں سے کُرتا اٹھایا گیا تھا کیونکہ اور کہیں بھی خون کے نشان نہیں تھے۔

محمت کے ساتھ دو اہلکار بھی تھے جو جگہ کا جائزہ باریک بیني سے لے رہے تھے۔ المیر نے ہاتھوں پر داستانے چڑھائے اور کُرتے کی طرف بڑھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا محمت کے پاس آیا۔ آنکھوں پر سے چشمہ ہٹاتے ١٠٠س نے کرتے کو تھاما۔ وہ اب اُسے پلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ کرتے پر جگہ جگہ خون کے دھبے موجود تھے۔ اور خون کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے خون تازہ ہو۔

اس نے اس کو آستینوں سے پکڑا اور آنکھوں کے قریب کیا تو اُسے اس کے کونے پر کچھ لکھا ہوا دکھا۔ اے اا۔ اس نے تحریر دیکھتے ہوئے نظریں اس پر گاڑھ لیں۔ یہ کیا لکھا ہوا تھا اور اس کا مطلب کیا ہو سکتا تھا؟ یہ تحریر سرخ مارکر سے لکھی گئی تھی کیونکہ صرف مارکر ہی اس طرح سے پھیل سکتا تھا جیسے ابھی پھیلا ہوا تھا۔ حیران کن بات تو یہ تھی کہ خون آلود کُرتا موجود تھا پر لاش کا نام و نشان کہیں بھی نہ تھا۔

اس نے کرتے کو ایک طرف زمین پر رکھا اور فون نکال کر اس کی ایک تصویر کھینچی۔ پھر محمت کو اس پر سے فنگر پرنٹ سیمپلز لینے اور اُسے فورینسک پہنچانے کا حکم دیتے ہوئے وہ آگے پیچھے کا جائزہ لینے لگا۔

کچھ ہی فاصلے پر ایک کرسی بھی پڑی تھی۔ اس کے نزدیک ہی سلیم اور کفیل دونوں اہلکار زانوں کے بل زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھا تو باقی دونوں کی طرح زانوں پر بیٹھ گیا۔

کرسی جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔اس کی حالت ایسی تھی جیسے بہت زیادہ استعمال میں لائی گئی ہو یا جگہ جگہ پھینکی گئی ہو۔اس نے کرسی پر ہاتھ پھیرا۔۔دھیرے دھیرے لکڑی پر انگلیاں پھیرتے ہوئے اُسے جیسے کسی خیال نے آن گھیرا تھا۔ایک نظر کرسی پر ٹھہراتے اُس نے سلیم کی طرف دیکھا۔

"کرسی تو ایک دم خشک ہے۔"اپنی شہادت کی انگلی سے لکڑی کو چھوا۔سلیم نے جواب میں کندھے اچکائے۔

"آپ کو کیسے پتا چلا سر؟"کفیل نے سوال کیا۔

"ہاتھ لگانے سے۔۔"اس نے سوالیہ نظروں سے کفیل کو دیکھا۔اتنے بے تکے سوالات اسی کے تھانے کے اہل کار کر سکتے تھے۔ پھر سر جھٹکتے ہوئے اس نے کرسی کے کونوں پر ہاتھ پھیرا۔

اُسے اس بات کا اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ یہ کوئی عام لکڑی سے نہیں بنی تھی۔ یہ خاص شیشم سے بنائی گئی تھی۔ شیشم کی بنائی ہوئی چیزیں عموماً مہنگی ہوتی ہیں اور گھروں میں رکھی جاتی ہیں تو پھر گھروں میں رکھی جانے والی کرسی کسی نے یہاں لا کر کیوں رکھ دی؟اس کے ذہن میں سو قسم کے سوالات دوڑنے لگے۔

Clubb of Quality Content

ان سوالات میں سے سب سے حیران کن سوال یہ تھا کہ رات کو رفتار پکڑتی بارش نے اس کھلے میدان کو پانی سے نہلا دیا تو پھر یہ کرسی کیسے خشک رہ گئی؟ایسا بھی نہ تھا کہ بارش تھمنے کے بعد ہوا چلی تو اسے خشک کر گئی۔ کیونکہ اس بات سے وہ اچھے سے واقف تھا کہ شیشم کو سوکھنے میں کبھی دن، کبھی ہفتے تو کبھی مہینے لگ جاتے ہیں۔

اس کے دماغ میں یہاں پیش آنے والا واقعہ کچھ خاص بیٹھ نہ پا رہا تھا۔ جس طرح کی حالت اس کھنڈر کی تھی۔۔ المیر اس بات کا اندازہ اچھے سے لگا رہا تھا کہ یہ ماجرہ کچھ اور ہی ہے۔

وہ سیدھا ہوا تو اس نے اپنا یونیفارم جھاڑا۔ پھر محمت کی طرف بڑھ گیا جو کرتے کو احتیاط سے اویڈنس بیگ میں ڈال رہا تھا۔ "آس پاس کے لوگوں سے تفتیش کی؟"

محمت نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی سر۔ سب سے پوچھ گچھ ہو چکی ہے پر کوئی ایسی گواہی نہیں مل پائی جس سے ہم یہاں پیش آئے واقعے کو ٹھیک سے سمجھ سکیں۔"

Clubb of Quality Content!

"اور گارڈ؟"مزید ایک سوال کیا۔ محمت نے اویڈنس بیگ کو احتیاط سے تھاما اور پھر زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "یہاں پر دو گارڈز ہوتے ہیں۔ایک رات ایک بجے سے دو پہر کے ایک بجے تک اور دوسرا دوپہر کے سوا ایک سے رات کے بارہ بجے تک۔"

"تو پھر رات کی ڈیوٹی کرنے والے گارڈ نے کچھ تو دیکھا ہو گا نا؟"محمت نے کندھے اچکائے۔

"رات بھر ڈیوٹی کرنے والا گارڈ غائب ہے۔دکان داروں کے مطابق وہ صبح فجر کی اذان کے بعد سے نظر نہیں آ رہا۔ہاں البتہ دوسرا گارڈ ابھی آنے ہی والا ہو گا۔"المیر نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"آئے تو مجھے اطلاع ضرور دینا۔"وہ کہتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف پوچھ گچھ کرنے کے ارادے سے بڑھ گیا۔

کھنڈر کے باہر آس پاس قریب میں کوئی دکان نہ تھی بلکہ سب، کچھ فاصلے پر واقعہ تھیں۔ جس نے بھی یہاں کرائم کیا تھا۔۔اس کا دماغ کافی تیز تھا۔اس بات کا اندازہ یہ باخوبی لگا سکتا تھا۔

جگہ کے اوپر کہیں بھی کوئی کیمرا نہ تھا کہ آنے جانے والوں کا پتا چل سکتا۔اپنی سُرمئی آنکھیں اطراف میں گھماتے ہوئے اس کی نظر ایک دکان پر پڑی۔اس کے اوپر ہی دائیں طرف کونے میں ایک کیمرا موجود تھا جس کا رخ ایسی سمت میں تھا کہ بہت زیادہ تو نہیں پر شاید جائے واردات کا کچھ حصہ ضرور نظر آجاتا۔

وہ دکان کی طرف بڑھ گیا۔ دکان کافی چھوٹی معلوم ہوتی تھی جیسے ٹک شاپ ہو۔ دکان دار ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔ فیروزی اور سیاہ رنگ کا رومال کندھے پر ڈالے وہ دانتوں میں تیلی مار رہا تھا۔

"سلام صاحب.. کچھ چاہیے آپ کو؟" سامنے موجود پولیس کی وردی میں سُرمئی آنکھوں والے جوان لڑکے کو دیکھ کر اس نے تیلی فوراً زمین پر پھینکی اور پھر سیدھا ہوتے ہوئے گویا ہوا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آپ کی دکان کے اوپر جو کیمرا لگا ہوا ہے وہ آپ کا ہے؟" اپنے مخصوص رعب دار انداز میں اس نے سوال کیا تو مقابل نے تھوک نگلا۔ المیر کو اس سب کی عادت تھی۔ اس کو دیکھ کر اچھے اچھوں کی زبان لڑکھڑانے لگتی تھی۔

"ج۔جی جی، سر۔ میرا ہے۔" اس نے جواب دیا تو المیر کچھ آگے کو ہوتا اس سے گویا ہوا۔

"فوٹیج دیکھنی ہے مجھے اس کی۔"

"سر، آپ ہمارے غریب خانے میں آؤ۔ یہاں آکر بیٹھو۔ میں ابھی دکھاتا ہوں۔" چھوٹی سی دکان کے بیچ میں ایک اسٹول رکھا ہوا تھا جس کی طرف وہ اشارہ کر رہا تھا۔

ناولز کلب

المیر نے اس کی بات سن کر قدم اس کی دکان کی طرف بڑھائے اور دکان دار سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ دکان دار اپنے فون پر کچھ کھول رہا تھا۔ ایک دو کلکس کے بعد اس نے اپنا فون اُسے تھما دیا جس پر کیمرے کی فوٹیج کی ریکارڈنگ تھی۔

ریکارڈنگ کی رفتار کو بڑھا کر اس نے رات کے ایک بجے سے ریکارڈنگ دیکھنا شروع کی۔ ایک سے دو کے درمیان کسی کا بھی پیدل آنا جانا نہیں تھا۔ یا تو لوگ بائیکس پر آجا رہے تھے یا

گاڑیوں پر۔اور ان میں سے کوئی بھی شک کے دائرے میں نہیں آتا تھا۔ریکارڈنگ کی رفتار کو مزید بڑھاتے اب وہ ڈھائی سے تین کے درمیان کی ریکارڈنگ دیکھ رہا تھا۔

اس آدھے گھنٹے میں بھی کوئی ایسا منظر اُسے دیکھنے کو نہ ملا جس سے وہ کسی نتیجے پر پہنچ پاتا۔اب باری تھی تین سے چار کے درمیان کے منظر کی جو کہ اسکرین پر دکھ رہا تھا۔ تین سے ساڑھے تین تک کسی کا بھی کھنڈر کے آس پاس آنا جانا نہ ہوا تھا۔پھر قریب تین پچاس تک ایک بائیک آکر کرائم سین سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔بارش کی وجہ سے فوٹیج کافی دھندلی تھی لیکن اس کے باوجود یہ دیکھا جاسکتا تھا کہ بائیک کی نمبر پلیٹ غائب تھی۔

ریکارڈنگ میں اس پر بیٹھا شخص اترا۔اس نے ہاتھ اوپر کر کے ہیلمنٹ کی طرف بڑھائے کہ اچانک۔

"ریکارڈنگ بند کیسے ہو گئی؟"اس نے حیرانی سے سامنے والے سے پوچھا۔ جس نے جواب میں خود بھی حیران ہوتے ہوئے موبائل کی اسکرین کی طرف دیکھا۔

"صاحب.. لگتا ہے کیمرا بارش کی وجہ سے خراب ہو گیا ہو گا۔"اس نے معصومیت سے اندازہ لگایا تو المیر نے آنکھیں چھوٹی کر کے موبائل کی طرف دیکھا۔

"پہلے بھی کبھی خراب ہو چکا ہے کیا؟"اسکرین پر انگلیاں چلاتے ہوئے شاید وہ بقیہ ریکارڈنگ کو ڈھونڈ رہا تھا۔

"ہاں صاحب دو سے تین دفعہ ہوا تھا۔"اس کے جواب پر المیر نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔"کیمرا خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے یا تم خود کرتے ہو؟"

"صاحب، خود ہی ہو جاتا ہے۔ مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔" المیر نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا اور دکان سے باہر کی طرف نکلا۔

باہر آیا تو اُسے محمت کے ساتھ ایک آدمی دکھا جس نے گارڈز کا یونیفارم پہن رکھا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ ان تک پہنچا۔ اہلکار نے المیر کی طرف دیکھا تو تعارف کروایا۔ "سر۔۔ یہ وہ دوسرا گارڈ ہے۔"

"آئی سی (I see)..." اپنی سائرن آئز سے وہ اس شخص کو سر تا پیر پر کھ رہا تھا جیسے اس پر ڈالی گئی ایک ہی نظر سے اُسے بہت کچھ معلوم پڑ جائے گا۔

"بتاؤ سر کو جو ابھی کہہ رہے تھے تم۔" وہ گارڈ سے گویا ہوا تو گارڈ نے ایس ایچ او کی طرف دیکھا۔

"سلام صاحب۔ میں تنویر ہوں۔ یہاں پر دن سے رات تک ڈیوٹی کرتا ہوں۔" وہ گویا ہوا۔

"پھر رات سے دن تک نجیب یہاں کی ڈیوٹی دیتا ہے جی۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"نجیب کا پورا نام؟" المیر نے سوال کیا تو تنویر فوراً بولا۔ "نجیب حسن نام ہے جی اس کا۔ پچھلے کچھ دنوں سے اُسے شہر سے باہر کسی کام کے سلسلے میں جانا تھا۔ کہہ رہا تھا اگلے ہفتے نکلے گا تو میں اس کی جگہ تین دن کے لیے ڈیوٹی دے دوں۔ پھر جب تنخواہ ملے گی تو وہ تین دن کے پیسے دے دے گا مجھے۔ لیکن شاید وہ رات کو ہی مطلوبہ کام کے لئے نکل گیا۔"

"اگر اس نے اگلے ہفتے کام سے جانا تھا تو رات میں کیوں نکلا؟" مقابل نے کندھے اچکا دیئے۔

"نہیں معلوم۔" المیر نے چند سیکنڈز کے لئے جیسے کچھ سوچا اور پھر سوال کیا۔ "شہر سے باہر یعنی اسلام آباد میں کام تھا اسے؟" گارڈ نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں جی... لاہور جانا تھا اس نے کام کے سلسلے میں۔" اس کے جواب پر اُس نے سر ہلایا اور پھر محمت کو لے کر کچھ فاصلے پر جا کھڑا ہوا۔

"پتا کرو یہ جگہ کس کے نام پر ہے۔ اور اس گارڈ سے نجیب حسن کا فون نمبر لے لو۔ آخری لوکیشن ٹریک کرو اس کی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے نکل گیا جبکہ المیر خلیل واپس کرائم سین کے اندر داخل ہو گیا۔

Clubb of Quality Content!

وہ اپنے گھر کے زینوں پر بیٹھی کافی کی چسکیاں لے رہی تھی۔اس نے ہلکے سبز رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور کاندھوں پر اسی رنگ کا دوپٹہ پھیلا رکھا تھا۔اپنی گود میں رکھے لیپ ٹاپ پر وہ تیزی سے انگلیاں چلا رہی تھی۔

وہ ایک آرٹیکل لکھ رہی تھی۔وہ آرٹیکل چار مہینے پہلے ہوئی ایک واردات پر مشتمل تھا جو کہ ایک بنگلے پر ہوئی تھی۔یہ کیس آیا تو کسی اور ایس ایچ او کے انڈر تھا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد اُسے خبر ملی کہ یہ کیس المیر خلیل کو سونپ دیا گیا۔ٹھیک اس کے پانچ دنوں کے بعد کیس کریک ہو گیا تھا اور مجرموں کو فرار ہونے کا موقع بھی نہ مل پایا تھا۔اس کیس کے سولو ہونے کی دھوم ہر جگہ مچی تھی۔ہر کوئی المیر کی بہادری کے قصے سنا رہا تھا۔

کیس کریک کیسے ہوا؟ کیا کیا واقعہ پیش آیا؟ پولیس مجرموں تک کیسے پہنچی؟ یہ سب منظرِ عام پر نہیں آیا تھا۔اور اسی چیز پر وہ پچھلے چند ہفتوں سے آرٹیکل لکھ رہی تھی۔چونکہ اشفا بہت

سے ایسے لوگوں کو جانتی تھی جن کو اندر کی خبریں ہوتی تھیں اس لئے اس آرٹیکل کو لکھنے اور اس کی جانکاری اکھٹی کرنے کا ذمہ اسے دیا گیا۔

پہلے تو اس نے انکار کر دیا۔ وہ المیر خلیل یا اس کی کسی بھی چیز سے وبستگی نہیں رکھنا چاہتی تھی اور نہ ہی اس کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی لیکن احمد مرزا کے مسلسل اصرار نے اُسے اسیر کر ہی ڈالا۔

احمد مرزا کو پتا تھا کہ ان کے چینل میں المیر کو اچھے سے صرف اشفا جانتی ہے اور موصوف المیر خلیل جیسی الٹی کھوپری کی مالک بھی ہے اس لئے انھوں نے یہ آرٹیکل اس کے ذمے لگا دیا۔

حالانکہ المیر خلیل احمد مرزا کے سامنے پلا بڑھا تھا۔ جس سوسائٹی میں احمد مرزا رہتے تھے اُسی سوسائٹی میں خلیل محمد اپنی فیملی کو لے کر شفٹ ہوئے تھے اور اب تو قریب اٹھارا برس ہونے کو تھے۔

جب احمد مرزا اس سوسائٹی میں نئے آئے تھے تب یہاں چند گھر ہی بنے تھے۔ خلیل منزل تب ان میں شامل نہ تھی۔

پھر چند سالوں بعد احمد مرزا صاحب نے یہاں ایک نیوز چینل کھولنے کا سوچا۔ تب ایک خاکی رنگ کی عمارت تعمیر ہو رہی تھی۔ جیسے ہی عمارت بنی تو مرزا صاحب نے اُسے اچھی قیمت میں خرید لیا اور اب اسی عمارت میں یونیوز واقعہ تھا۔ اور ایسی ہی کئی عمارتوں میں یونیوز کے اینکرز بیٹھتے تھے۔ بہت ہی کم عرصے میں یونیوز نے بہت زیادہ ترقی حاصل کرلی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کامیابی کی بلندیوں پر اڑنے والا وہ چینل آج بنا محنت کے یہاں تک نہیں پہنچا تھا بلکہ احمد مرزا صاحب کی دن رات محنت کی بدولت یہ ممکن ہو پایا تھا۔ اس دوران مرزا صاحب نے دو سے تین یونیورسٹیوں میں پڑھایا بھی تھا۔ اپنی ٹیچنگ کے آخری چند سال انھوں نے اشفا کی یونیورسٹی میں پڑھاتے ہوئے صرف کیے تھے اور وہاں سے ہی وہ اشفا کو جانتے تھے۔

جب اشفا یونیورسٹی سے گریجویٹ ہوئی تو اس میں ایک ماہر صحافی بننے کی وہ تمام صلاحیتیں موجود تھیں جو احمد مرزا صاحب کو چاہئے تھیں۔اس لئے انھوں نے اشفا کو جاب آفر کی اور اس نے قبول کرلی۔

اب حال کی طرف بڑھیں تو کیس کی جانکاری میں ابھی بھی بہت سے لوپ ہولز تھے جنھیں وہ جاننے کی کوشش کررہی تھی۔اس کے علاوہ بھی وہ ایک کیس پر آرٹیکل لکھ رہی تھی۔جو کہ کمپنی کی طرف سے انٹرنیٹ پر اپلوڈ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ وہ تمام جانکاری وہ اپنی مرضی سے لوگوں تک پہنچاتی تھی۔اسی طرح کے بہت سے کیسز کے آرٹیکلز اس نے انٹرنیٹ پر ڈالے تھے۔ان آرٹیکلز کے حرفِ آخر میں وہ اپنا نام نہیں لکھا کرتی تھی۔اس طرح پڑھنے والا اس بات سے بے خبر رہتا تھا کہ ان سب کا لکھاری ہے کون آخر۔

آج وہ کام پر گئی تو احمد مرزا نے اُسے آج کا دن آف دے دیا۔ وہ اس بات سے اچھے سے واقف تھے کہ اشفا امین پچھلے کچھ ہفتوں سے مسلسل ان تھک محنت کا مظاہرہ کر رہی ہے جس کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے نیچے پڑے گہرے سیاہ حلقے صاف واضع تھے۔

وہ گھر آئی تو اس نے چند منٹ آرام کیا پھر لیپ ٹاپ لے کر یہاں آگئی۔ آرٹیکل میں ابھی بھی ایسی بہت سی پیچیدگیاں تھیں جن کو لے کر اس کا دماغ کچھ زیادہ ہی استعمال ہو رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سب سے زیادہ عجیب بات تو یہ تھی کہ کیس پانچ دن کے اندر اندر کریک کیسے ہو گیا؟ مانا المیر خلیل ایک اچھا کوپ تھا لیکن ایسا بھی کچھ خاص نہیں تھا اس میں کہ ہزاروں لوپ ہولز سے بھرا ہوا کیس وہ باآسانی اور وقت پر سولو کر لے۔

منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے فون اٹھتا گیا تو وہ فوراً بولی۔ "مومن، یہ مسٹر ہٹلر خلیل صاحب کے گزشتہ حل شدہ

کیس کے بارے میں جو جانکاری نکالنے کے لیے میں نے تمہیں کہا تھا۔اس کا کیا بنا؟"بے دھیانی میں فون کو کان سے لگائے وہ اسکرین پر کچھ پڑھ رہی تھی۔

"مومن سے کیا پوچھ رہی ہو.... مجھ سے ہی پوچھ لیتیں۔"

بھاری آواز کانوں کے پردوں سے ٹکرانے پر اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔یا خدایا...!اس نے فون کو کان سے ہٹاتے اسکرین کو دیکھا جہاں مومن کی جگہ المیر کا نام جگمگا رہا تھا۔

کتنی ذہین تھی وہ کہ اس کے بارے میں سوچتے سوچتے اسی کو کال ملا ڈالی تھی۔"وہ..وہ.." جب کوئی بہانہ اس کے دماغ میں نہ آیا تو اس نے کال ہی کاٹ دی۔

وہ دل کی دھڑکنوں کو خاموش کروانے میں لگ گئی۔اس کی انگلیاں کتنی فالتو چلتی تھیں۔دل کیا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔

جب اچانک اس نے فون کی اسکرین پر آیا احمد مرزا کا میسیج پڑھا۔

وہ تھانے سے گھر جانے کے لیے نکلا۔ وہ تھکاہارا بائیک چلا رہا تھا۔ صبح سے اس نے کچھ کھایا بھی نہیں تھااور جسم تو ایسے نڈھال ہو رکھا تھا جیسے کتنی ہی دیر مزدوری کر کے آ رہا ہو۔ بائیک بھی اس سے مشکل سے چل پا رہی تھی۔

اُسے اپنے گندمی رنگ چہرے پر پانی گرتا ہوا محسوس ہوا۔ ہیلمنٹ تو وہ چہرے سے اتار چکا تھا اور تھانے میں ہی کپڑے بھی تبدیل کر چکا تھا۔ بارش کی ٹھنڈی بوچھار اس کے چہرے پر ہوئی تو اس کے سیاہ رنگ بال بھیگنے لگے۔ پانی کے قطرے اس کے بالوں سے ہوتے اس کے ماتھے تک آ رہے تھے اور پھر وہاں سے ہوتے ہوئے رخسار پر بکھر رہے تھے۔ بارش سے تو اس کی پرانی دشمنی تھی۔ اُسے بارش بالکل پسند نہیں تھی۔

اپنی سُرمئی آنکھیں سڑک پر گاڑھے وہ ایک طرف بائیک کو کھڑا کر تا رک گیا۔ کچھ ہی فاصلے پر یونیوز کی عمارت تھی اور اس سے ایک سڑک پیچھے ایک کالونی تھی جہاں اس کا گھر تھا۔

وہ مکمل طور پر بھیگ چکا تھا پر وہ فلحال گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔

پیشانی پر بکھرے اپنے سیاہ رنگ بال اس نے پیچھے کیے اور بائیک سے اتر کر کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھیگنا تو نہیں چاہتا تھا پر ہوا میں سانس لینا اُسے سکون پہنچا رہا تھا۔ جب بارش نے رفتار پکڑی تو اس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے بائیک کے ساتھ لٹکی ہوئی ایک درمیانے سائز کی سُرمئی چھتری اتار لی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس چھتری کو کھولتا وہ اپنا رخ سامنے والی سڑک کی طرف کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس کی سُرمئی رنگ آنکھیں ہر چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اُس کے اندر کہیں ایک طوفان تھا جس سے وہ روز لڑتا تھا۔ اور ایسے میں اُسے گھر سے باہر رہنا اچھا لگتا تھا۔

انسان کو کوئی چیز اتنا نہیں تھکاتی جتنا کوئی فیصلہ یا فیصلے کے نتیجے کا ملال تھکا دیتا تھا۔اس کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔وہ جب بھی اُسے دیکھتا تھا تو اُس کے ذہن میں سو قسم کے سوالات دوڑتے تھے۔اسی لئے وہ کوشش کرتا تھا کہ اس کا اشفا امین سے سامنا نہ ہو۔پر اب تو ہو گیا تھا۔وہ سب کچھ لوٹ آیا تھا جسے وہ دھیرے دھیرے بھول رہا تھا۔

جب کل اس کی آنکھیں شہد رنگ آنکھوں سے ملیں تو اس ایک لمحے میں المیر کے ذہن میں کتنے ہی واقعے روائنڈ ہوئے تھے۔وہ اس سے نفرت کرتا تھا۔شدید نفرت۔لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ایک فیصلے کی وجہ سے کسی کی زندگی برباد ہو جائے۔

لیکن وہ کیا کرتا؟اُسے اس لڑکی میں اور اپنی فیملی میں سے کسی ایک کو چننا تھا۔وہ اپنے عزیزوں کو سب سے پہلے رکھتا تھا اسی لئے وہ اشفا امین کی مدد نہیں کر سکا۔اس کے ایک بیان کی وجہ سے اشفا اور اس کی چھوٹی بہن کی زندگی منٹوں میں بدل گئی۔وہ گواہی نہیں دے سکا۔وہ کسی اپنے کے خلاف گواہی نہیں دے سکا۔

وہ اُس وقت صرف ایک معصوم چھوٹا سا بچہ تھا جس کی فیملی اسی وقت سنبھلنا شروع ہوئی تھی۔ وہ کیسے خود ہی سب کچھ خراب کر سکتا تھا؟ وہ بھی تب جب سب کچھ ٹھیک ہو رہا تھا۔

لیکن اس بات کا ملال اُسے ہمیشہ رہنے والا تھا کہ وہ اُس روتی ہوئی اشفا کی مدد نہیں کر سکا۔ وہ دوستی کا رشتہ نہیں نبھا سکا جو اُسے نبھانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ پھر بھی اس سے نفرت کرتا تھا۔ ان سالوں میں ایک دفعہ بھی وہ سکون سے نہیں رہ سکا تھا اور اس کی وجہ صرف اشفا کا وہ آنسوؤں سے لتپت چہرہ تھا اور وہ الزامات تھے جن سے اسے اپنے کسی قریبی کو باعزت بری کروانا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اسی آسمان کے تلے اگر ہم کچھ فاصلے پر نظریں ٹھہرائیں تو ہمیں وہ شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی کچھ ہٹ کر کھڑی دکھے گی۔ کچھ دیر پہلے ہی تیز بارش کی وجہ سے احمد مرزا نے سب

لڑکیوں کو جلدی گھر پہنچنے کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن ان سب اور اس میں یہ فرق تھا کہ وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں پر آئی تھیں اور اشفا آج ہی چھٹی کی خبر سنتے گاڑی کو مکینک کے ہاں کھڑا کر آئی تھی۔ لیکن جب کچھ ہی دیر بعد مرزا احمد نے دوبارہ ایک کام کے سلسلے میں اُسے ورک پلیس پر بلایا تو اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی قِسمت ہی خراب ہے۔

بارش کچھ پل کے لئے تھمتی تو دوبارہ رفتار پکڑ لیتی۔ وہ پریشانی کے عالم میں فٹ پاتھ پر رکھی بینچ پر بیٹھنے کی بجائے اس کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ بارش چونکہ اچانک برسنے لگی تھی اس لئے وہ اپنے ساتھ چھتری بھی نہ لا پائی تھی۔

حالانکہ وہ اس بات سے واقف تھی کہ بارش کسی بھی وقت ہو سکتی ہے پر چھتری لانا اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ وہ چاہتی تو عمارت میں کسی بھی شخص سے چھتری لے سکتی تھی پر اُسے سڑک پار کر کے عمارت تک جانا عذاب لگ رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

اُسے بارش بہت پسند تھی لیکن ابھی وہ اس میں بھیگنا افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ بینچ کے پاس ایک بھاری بھر کم سا درخت تھا جس کے سائے تلے وہ کھڑی تھی۔پتوں پر پڑتی بارش۔۔ بوندوں کی شکل اختیار کر کے ہر گزرتے سیکنڈ کے بعد اس کے چہرے پر گر رہی تھی۔ وہ اتنے مہینوں میں پہلی دفعہ اس بینچ کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی ورنہ تو کام کے بوجھ کی وجہ سے یہاں سے وہاں نہ ہو پاتی تھی۔

پچھلے آدھے گھنٹے سے اس نے رائڈ بک کی ہوئی تھی پر رائیڈر صدا کا سست انسان تھا جو کہ دس منٹ کی دوری پر ہونے کے باوجود تیس منٹ لگا چکا تھا اور اب نا جانے کتنا وقت مزید اشفا نے اس کے انتظار میں نکالنا تھا۔

وہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی سیاہ گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔اُسے وقت پر گھر پہنچنا تھا کیونکہ وہ بارہ گھنٹوں سے مسلسل جاگ رہی تھی۔گھر گئی بھی تھی لیکن نا جانے اُسے کیا سوجھی کہ اس نے آرام کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی تو اس نے اس پر غور کیا۔ رائیڈر کو ابھی یہاں آنے میں سات منٹ لگنے تھے۔ وہ اسلام آباد کی ایک ایسی سڑک پر موجود تھی جہاں اس کا اکثر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ خود تو وہ راولپنڈی میں رہتی تھی پر اتنی دور آنا اس کی مجبوری تھی۔ چونکہ کام جو یہاں کرتی تھی۔

ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کرتی ۰۰ وہ ایک پیر پر کھڑی ہو گئی۔ اس کا دوسرا پیر تو جیسے کام کرنا ہی بند کر گیا تھا۔ وہ اب بس گھر جا کر اپنے بستر پر لیٹنا چاہتی تھی۔ اپنے خیالوں میں ہی گم وہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی جب اُسے سڑک کے پار ایک شخص کھڑا نظر آیا۔

وہ شخص کافی جانا پہچانا تھا۔ وہ اُسے جانتی تھی۔ شاید کچھ مہینوں پہلے سے یا پھر چند سال پہلے سے یا پھر بچپن ہی سے۔ بارش کی پھوار میں اُسے اس کا چہرہ دھندلا دھندلا دکھ رہا تھا۔ وہ شخص اشفا کی طرف نہیں آ رہا تھا۔ وہ آتا بھی کیوں؟ کوئی وجہ ہی نہیں تھی اس کے یہاں آنے کی۔

اس آدمی کے ہاتھ میں ایک سُرمئی رنگ کی چھتری تھی۔اشفا کی نظر اس چھتری کے رنگ پر مرکوز ہوگئی۔وہ رنگ اس کی آنکھوں جیسا تو نہ تھا پر اس رنگ کو دیکھ کر اُسے اس کی آنکھیں ہمیشہ یاد آجایا کرتی تھیں۔

کچھ لمحوں کے لیے اُسے لگا جیسے اُس نے اسے دیکھا لیکن پھر اس نے یہ سوچ کے جھٹک دیا کہ اس کا وہم تھا۔اتنی تیز بارش میں سڑک کے اِس پار کا منظر کیا ہی نظر آنا تھا اس شخص کو۔

Clubb of Quality Content!

تین سال پہلے تک وہ شخص روز اسی جگہ آتا تھا اور وہ روز اسی بینچ پر بیٹھتی تھی۔کبھی کبھی کسی کولیگ کے ساتھ تو کبھی محض ٹھنڈی فضا میں ہوا لینے کی غرض سے۔وہ ہمیشہ سڑک کے اُس پار کھڑا ہوتا تھا۔بہت دور۔اشفا جب بھی اُس کی موجودگی سے آگاہ ہوتی تو نظریں ہر جگہ گھما لیتی لیکن اُسے نہ دیکھتی۔

وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ اُسے اس شخص سے شدید چڑ تھی۔ اکثر اس جذبے کو اس کا ذہن نفرت کا نام دینے کی کوشش کرتا لیکن اُسے نفرت لفظ بہت حقیقت سے ہٹ کر لگتا تھا۔ وہ اس سے تو کیا کسی بھی چیز یا انسان سے نفرت نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ نفرت کے لیے بنی ہی نہیں تھی۔

اپنے فون کی اسکرین پر ایک دفعہ پھر سے وقت دیکھا تو ابھی بھی رائیڈر کو آنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ وہ تھک ہار کر بینچ پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اب بارش اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔ اس کے ٹھنڈے قطرے اس کو ٹھنڈک پہنچا رہے تھے۔ اتنے وقت میں وہ پہلی دفعہ مسکرائی۔

ابھی وہ مسکرا ہی رہی تھی کہ اتنے میں ایک چھوٹا سا بچہ بھاگتا ہوا اس کے قریب آیا۔ پہلے تو اس اچانک افتاد پر وہ چونکی لیکن پھر حیرانی سے بچے کی طرف دیکھا۔

"باجی جی!" اس نے اُسے پکارا۔ وہ بچہ سات سے آٹھ سال کا تھا۔ سانولا سا رنگ تھا اور گھنگریالے بال تھے۔ اشفا نے ایک ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا، ارحم۰۰۰ غبارے اڑ گئے کیا تمہارے؟ اوہو۰۰۰ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم ابھی تک یہیں ہو۔ میرے پاس پانچ سو روپے باقی ہیں۔ کیا اس سے تمہارے نقصان کی بھرپائی ہو جائے گی؟" وہ اُسے کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر افسوس سے اُس بچے کی طرف دیکھ رہی تھی جو کہ ایک غبارے بیچنے والا معصوم سا ارحم نامی بچہ تھا۔

ارحم کی پھولی ہوئی سانسیں دیکھ کر اشفا نے اُسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "دوڑ کر کیوں آئے؟ کتنی بار منع کیا ہے کہ بھاگا مت کرو۔ پھول گیا نا سانس۔ انہیلر ہے تمہارے پاس؟" وہ الجھتی ہوئی اس سے سوال کر رہی تھی۔ اس معصوم سے بچے کو سانس کی بیماری تھی اس لئے وہ اتنی پریشان ہو گئی تھی۔

"باجی۔۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔میں آپ کو یہ دینے آیا تھا۔"اس نے کہتے ہی اشفا کی گود میں ایک چھتری رکھ دی۔"ارحم۔۔تم اپنی چھتری مجھے کیوں دے رہے ہو؟مجھ سے زیادہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔"

"باجی،یہ میری تو نہیں ہے۔میری ہوتی تو میں آپ کو دیتا؟"اشفا کا منہ اس کی بات پر کھل گیا۔یہ بات تو وہ مانتی تھی کہ ارحم ایک نمبر کا کنجوس بچہ تھا۔وہ صرف اپنا فائدہ دیکھ کر کسی کے کام آتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تو کیا چوری کر کے لائے ہو؟"ذہن میں آیا شک فوراً سے زبان پر بھی آگیا۔ارحم پہلے اپنے ننھے ہاتھ ہونٹوں پر رکھ کر زور سے ہنسا پھر چہرہ نفی میں ہلاتے بولا۔"آپ کے لیے میں چوری کیوں کروں گا،باجی؟یہ چھتری نہ میں نے چوری کی ہے اور نہ ہی یہ میری ذاتی چھتری ہے۔بلکہ یہ تو مجھے اس شخص نے دی ہے۔"اس نے سڑک کی دوسری طرف اشارہ کیا لیکن وہاں تو کوئی نہیں تھا۔

"کس نے؟ وہاں تو کوئی نہیں ہے۔" الجھن کا شکار ہوتے ہوئے اس نے ارحم سے پوچھا۔

"وہاں تو وہ کچھ وقت پہلے کھڑا تھا۔ اب تک تو جا چکا ہو گا۔ اچھا باجی، میں جا رہا ہوں گھر... ماں انتظار کر رہی ہو گی۔" وہ وہاں سے اٹھ گیا لیکن۔۔۔ "تو پھر تمہارے غبارے؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"غبارے تو وہ اللہ کا بندہ سارے خرید کر لے گیا۔" اس کے سوال کا جواب دیتا ہوا وہ اپنی مطلوبہ سمت میں رخ موڑ گیا اور کچھ ہی لمحوں میں وہاں سے غائب ہو گیا۔

Clubb of Quality Content

وہ کچھ حیرانی سے گود میں رکھی چھتری کو دیکھتے ہوئے سڑک پر نظریں گھمانے لگی۔ تب ہی وہ اُسے نظر آیا۔ وہ دھیرے دھیرے سڑک کے اس پار چل رہا تھا۔ بارش کی رفتار میں وہ صرف اتنا ہی دیکھ پائی تھی کہ المیر خلیل فٹ پاتھ پر چہل قدمی کر رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں سُرمئی رنگ کی چھتری تھی۔ اشفا نے سر جھٹکتے ہوئے چہرہ مخالف سمت میں کر لیا۔

دماغ کہہ رہا تھا کہ یہ اس نے نہیں دی پر دل ہر طرح سے آمادہ تھا کہ یہ اسی کی حرکت ہے۔

باب:۲

تاریخ تھی ۲۴ دسمبر۔دن تھا پیر کا۔

وہ شخص سیاہ ماسک پہنے خاموشی سے جھیل کے کنارے کھڑا تھا۔اس کے ارد گرد سات افراد مستعد کھڑے تھے۔ہر کوئی اپنی مخصوص پوزیشن سنبھالے ہوئے تھا۔سب نے سیاہ سرپوش جیکٹس پہن رکھی تھیں۔جن کی پشت پر ایک سے سات تک اعداد درج تھے۔مگر ان سب میں ایک جیکٹ الگ تھی۔جس کے پیچھے نمبر گیارہ درج تھا۔یعنی ایجنٹ ایلیون۔

ایجنٹ ایلیون کی دائیں جانب ۱۰۰ اس کے سب سے قریب کھڑے شخص کی جیکٹ پر ے کا ہندسہ نمایاں تھا۔گویا وہ اس کا سب سے خاص آدمی تھا۔

سب کے چہرے ماسک کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔اور ہر ایک کی کلائی پر ایک سیاہ گھڑی بندھی تھی۔اگر کوئی راہ چلتا شخص ان پر نظر ڈالتا تو با آسانی اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ کسی خفیہ ایجنسی کے افراد ہیں۔مگر جھیل کے کنارے واقعہ اس سنسان مقام سے گنے چنے لوگ ہی واقف تھے۔عام طور پر یہاں کوئی آتا جاتا بھی نہ تھا۔شاید اسی لیے اس جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا۔

ایجنٹ ایلیون نے اپنی کلائی ذرا بلند کی اور دھوپ کی کرنوں میں اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔سورج کی روشنی اس کی آنکھوں پر اس انداز میں پڑ رہی تھی جیسے وہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

گھڑی صبح کے ساڑھے سات بجا رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں اطمینان تھا یا شاید طوفان سے پہلے کی خاموشی۔اس نے سر ہلا کر کسی کو اشارہ کیا۔

فوراً ایک لکڑی کی میز اس کے سامنے لا کر رکھ دی گئی۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد تمام ایجنٹس ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ایجنٹ ایلیون آگے بڑھا۔ میز کے قریب جا کر آستینیں اوپر چڑھائیں۔ اور دونوں ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیے۔

"آج سے ٹھیک ایک مہینے اور تین دن بعد تاریخ ہو گی سات جنوری۔ ہم سب کے پاس صرف ایک مہینہ اور تین دن ہیں۔ مشن میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔" یہ کہہ کر اس نے ایجنٹ فور کو اشارہ کیا۔

ایجنٹ فور، جو کندھے پر ایک بیگ لٹکائے کھڑا تھا، آگے بڑھا اور وہ فیروزی رنگ کا بیگ میز پر رکھ کر خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔ ایجنٹ ایلیون نے بیگ کی زپ کھولی اور ایک ایک کرکے کچھ سامان میز پر رکھ دیا۔

عام طور پر بیگ سے ہتھیار برآمد ہوتے تھے لیکن آج اس کے برعکس کچھ چیزیں میز پر رکھی گئی تھیں۔ سامان میں مختلف چیزیں موجود تھیں جیسے ایک انگھوٹی جس پر سفید رنگ کا موتی لگا ہوا تھا۔ ایک طرف کرکے ایک پلاسٹک کا باؤل اور کانچ کا گلاس رکھا گیا تھا۔ تھوڑے

فاصلے پر ایک بھورے رنگ کا رومال رکھا ہوا تھا جس پر بہت باریکی سے آر لکھا ہوا تھا اور اُس کے اوپر ایک تصویر رکھی ہوئی تھی۔

"ان چھ چیزوں کو کام میں کیسے لانا ہے یہ مجھے تم لوگوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم لوگ اچھے سے جانتے ہو کہ یہ اویڈنس ہے۔ایسا اویڈنس جو ہم نے پلانٹ کرنا ہے اور کہاں کرنا ہے ۰۰ اس کی جانکاری اکھٹی کرنے کا زمہ میرا ہے۔ یہ مجھ پر چھوڑ دو۔" سب نے ایک ساتھ سر ہلایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مال روڈ کے کیس کو حل کرتے ہوئے المیر خلیل کو دو دن ہو گئے تھے۔ مگر اب تک تحقیقات میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہو سکی تھی۔ واحد سراغ جو اس کے ہاتھ لگا ۰۰ وہ ایک نام تھا۔جمال۔

یہ انکشاف تب ہوا جب مقتول کے خون میں لت پت کُرتے کو فارینزک لیب بھیجا گیا۔ ماہرین نے جب خون کے دھبوں کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی پینتالیس سے پچاس سال کے مرد کا خون تھا۔ جس کا بلڈ گروپ بی پوزیٹو تھا۔

جب کُرتا دوبارہ پولیس کی تحویل میں آیا تو محمت کی نظر اس کے کنارے پر کسی غیر واضح سی عبارت پر پڑی۔ تحریر دھندلی تھی۔ جیسے وقت کے ساتھ ساتھ مدھم ہو گئی ہو۔ مگر جب اس نے بغور جائزہ لیا تو ایک نام واضح ہوا جو کہ جمال تھا۔

یہ نام کسی دھاگے کی مدد سے کپڑے پر سیا گیا تھا۔ جمال نامی کوئی کپڑوں کا برانڈ یا چھوٹی موٹی دکان بھی نہیں تھی کہ یہ کُرتا وہاں سے خرید و فروخت کیا گیا ہو۔

پھر خبر فوراً المیر کو دی گئی۔ جیسے ہی اسے اس تفصیل کا علم ہوا۔ وہ اپنی کرسی سے ذرا آگے جھکا۔۔ آنکھوں میں ایک نئی چمک ابھری اور اس نے فوری احکامات جاری کر دیے۔

"محمت، جہاں تک مجھے مردانہ کپڑوں کے حوالے سے علم ہے...یہ کُرتا کافی مہنگا معلوم ہوتا ہے۔یعنی اس پر یہ کڑھائی عام مردانہ کپڑوں پر بہت کم پائی جاتی ہے۔اس کے ذریعے مقتول کو ڈھونڈنے میں آسانی ہو گی۔ تم فوراً اس کُرتے کو مری روڈ پر بنے کپڑوں کے کارخانوں میں لے کر جاؤ۔اگر وہاں سے کوئی مثبت جواب نہ ملا تو یقیناً کسی اونچی دکان سے اسے خریدا گیا ہو گا۔میں تمہیں دو سے تین دکانوں کا پتہ ٹیکسٹ کرتا ہوں۔یہاں جا کر ایک دفعہ چیک کر لینا۔"کام تھا تو کافی مشکل تھا۔اسی لئے اسی لئے اس نے دو تین دکانیں مخصوص کر دی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

محمت اور چند اہلکار فوراً کام پر لگ گئے۔کارخانوں میں گھومتے ••• کپڑے کی دکانوں کے چکر لگاتے۔آخر کار المیر کی ہی بتائی گئی ایک دکان کے مالک نے دعویٰ کیا کہ اس نے یہ کُرتا فروخت کیا تھا۔مگر جب اس پر سیئے گئے نام "جمال" کے متعلق پوچھا گیا تو اس کا جواب حیران کن تھا۔

"یہ میرے سپلائرز کا کام نہیں ہے۔ جس نے یہ کُرتا سیا ہے۔اسی نے یہ نام اس پر تحریر کیا ہو گا۔"

المیر کے شک کو مزید تقویت ملی۔اس کا یقین بڑھ چکا تھا کہ مقتول یا تو پیشے سے درزی تھا یا اس کا کوئی قریبی شخص سلائی کڑھائی جانتا تھا۔

مگر ایک نیا سوال سر اٹھا رہا تھا۔

"لیکن سر، اگر ایسا ہے بھی تو ہم اسلام آباد اور راولپنڈی میں رہنے والے سینکڑوں جمال میں سے یہ کیسے معلوم کریں کہ مقتول کون تھا؟"محمت نے الجھن بھرے انداز میں پوچھا۔

المیر نے اپنی آنکھیں تنگ کر کے سوچ میں ڈوبے انداز میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھورا۔ پھر گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

"مال روڈ اور اس کے آس پاس رہائش پذیر جتنے بھی جمال نامی افراد ہیں۔۔مجھے ان سب کی تفصیلات درکار ہیں۔ تم سب کے پاس بیس منٹ ہیں۔ فوراً کام پر لگ جاؤ۔"

حکم صادر ہوتے ہی کمرے میں ایک ہلچل مچ گئی۔ پولیس اہلکار جلدی جلدی اپنے متعلقہ کام کی طرف متوجہ ہو گئے۔

محمت دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ المیر کی آواز نے اسے روک لیا۔

"محمت... کرائم سین سے ملنے والے فنگر پرنٹس کو ڈیٹا بیس میں میچ کروایا؟"

محمت ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ اس کی پیٹھ ایس ایچ او صاحب کی طرف تھی اور چہرے پر الجھن کے آثار صاف واضع تھے۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ وہ المیر خلیل کا کام کیسے بھول گیا تھا؟ خود کو ڈانٹ کے لئے تیار کرتا وہ المیر کی طرف رُخ کر گیا۔ چہرہ اٹھا کر جھجھکتے ہوئے المیر کی طرف دیکھا۔

"سر...وہ...بھول گیا تھا میں۔"

المیر نے گہرا سانس لیا جیسے اپنی بے چینی کو قابو میں کر رہا ہو۔ پھر اس نے سخت مگر پر سکون لہجے میں کہا۔ "کل صبح جب میں تھانے میں داخل ہوں••• تو سب سے پہلے مجھے فنگر پرنٹس کے رزلٹ چاہئیں۔اب جاؤ اور اپنا کام کرو۔"

محمت نے فوراً اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔

المیر کچھ دیر کرسی پر بیٹھا رہا۔ کمرے میں ہلکی سی خاموشی چھائی رہی۔اس کا ذہن کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر جیسے ہی کسی خیال کی بجلی کوندی۔اس نے فون اٹھا کر ایک نمبر سے اپنی طرف آئی لوکیشن دیکھی۔

ایک جھٹکے سے وہ اٹھا اور جلدی سے میز پر پڑی گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا تیزی سے باہر نکلا۔اس کے چہرے پر سنجیدگی نمایاں تھی۔اور آنکھوں میں کسی نئے سراغ کی تڑپ تھی۔

مال روڈ کے اندھیرے میں کوئی راز چھپا ہوا تھا اور المیر اسے جاننے کے لیے بے قرار تھا۔

پندرہ منٹ کے بعد وہ ایک گھر کے باہر کھڑا تھا۔ چھوٹے سے مکان کی دیواروں پر بھورا پینٹ تھا جو جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ کھڑکیاں بند تھیں۔اور باہر کوئی خاص چہل پہل نہیں تھی۔ المیر نے ایک نظر دروازے پر ڈالی۔ پھر گیٹ کی گھنٹی کا بٹن دبا کر چند قدم پیچھے لے گیا۔

Clubb of Quality Content!

کلائی میں بندھی سیاہ گھڑی پر وقت دیکھا۔اور پھر دوبارہ دروازے کی طرف متوجہ ہوا۔ چند لمحے گزرے تو اندر سے کسی کے چلنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

"کون؟" دروازے کے پیچھے سے ایک نرم سی آواز ابھری.... شاید کسی بچی کی تھی۔

المیر نے نیچے جھک کر دروازے کے نچلے حصے میں بنے ایک چھوٹے سے سوراخ سے اندر جھانکا تو اُسے ایک چھوٹی سی بچی کی جھلک دکھی۔ جو معصومیت سے آگے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ سیدھے کھڑے ہو کر نرم لہجے میں پوچھا۔ "بیٹا، آپ کے والد گھر پر ہیں؟"

چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ جیسے بچی نے اندر کسی سے مشورہ کیا ہو یا کچھ بات کی ہو۔ پھر آواز آئی۔ "جی نہیں ۔۔ ابو گھر پر نہیں ہیں۔ آپ کل آنا۔"

المیر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ بچی دروازے سے ہٹ چکی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ کوئی اور بھی اس کے قریب ہی موجود ہے۔

چند ہی لمحوں بعد اندر سے کسی اور کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ نسبتاً بھاری قدم۔ المیر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے فون نکالا اور ایک نمبر ڈائل کر دیا۔

جیسے ہی نمبر ملا۔۔ دروازے کے اُس پار کسی کا فون زور زور سے بجنے لگا۔

المیر نے آنکھیں چھوٹی کر کے دروازے کی درزوں سے جھانکنے کی کوشش کی۔ پھر اگلے ہی پل ایک زوردار لات ماری تو دروازہ دھڑام سے کھلا۔ اندر کھڑا آدمی گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ مگر المیر اس سے زیادہ تیز تھا۔

ایک جھٹکے میں آگے بڑھا۔ اس شخص کی گردن کے پچھلے حصے کو دبوچ کر اسے اپنی طرف گھمایا۔

"نجیب حسن۔۔۔" اس کا نام لیتے ہی المیر کی سرمئی آنکھیں مزید سخت ہو گئیں۔ "مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہارے گھر کو لاہور بھی کہتے ہیں۔"

نجیب کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں لہرائیں۔ "ج...جی؟"

المیر نے جواب دینے کی بجائے ایک زوردار جھٹکے سے اس کے گھٹنوں کے پیچھے لات ماری۔ جس سے وہ سیدھا زمین پر زانوں کے بل جا گرا۔ خود کو مکمل طور پر گرنے سے بچانے کے لئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ لئے۔

"تنویر کو یہی کہا تھا نا تم نے کہ تم شہر سے باہر یعنی لاہور جا رہے ہو؟" المیر کی آواز میں برف جیسی ٹھنڈک تھی۔

نجیب کے ہونٹ کانپے۔ "ک... کون تنویر؟"

المیر نے تھکے ہوئے انداز میں گہرا سانس لیا جیسے اب کسی بھی لمحے صبر کا دامن چھوٹ جائے گا۔ "ایک اور جھوٹ اگر اس زبان سے نکلا تو گن کی چھ کی چھ گولیاں تمہارے بھیجے میں اتار دوں گا۔"

اس نے اپنی ریوالور نکال کر نجیب کے سر پر تان دی۔

نجیب کی آنکھوں میں وحشت دوڑ گئی۔ "میں-میں-میں... کچھ نہیں جانتا۔ مجھے جانے دو!" المیر نے اس کی بات کا کوئی بھی جواب دیے بغیر ریوالور کا پچھلا حصہ اس کے کندھے پر دے مارا۔

Clubb of Quality Content!

"مجھے ہاتھوں کو استعمال میں لانے پر مجبور نہ کرو۔"

نجیب کی سانسیں تیز ہو چکیں تھیں۔ "صاحب۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔"

"دسمبر کی دوسری تاریخ کو تم ڈیوٹی پر تھے یا نہیں؟" المیر کا لہجہ سرد تھا۔

"مج... مجھے جانے دو!" نجیب نے ہاتھ جوڑنے کی کوشش کی۔ مگر اگلے ہی پل المیر کا مکا اس کے بائیں گال پر جا لگا۔

وہ زمین پر گرا تو اس کے ہونٹوں سے خون رسنے لگا۔

"دسمبر کی دوسری تاریخ کو تم ڈیوٹی پر تھے یا نہیں؟" المیر نے ایک بار پھر سخت لہجے میں سوال دہرایا۔

Clubb of Quality Content

"تھا۔۔۔میں تھا۔۔۔" نجیب نے بمشکل کہا۔اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اس رات کیا کیا انجام پایا تھا اس کا جواب ادھر ہی دو گے یا تھانے لے جا کر تھوڑی خاطر کروں تمہاری؟" اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔مقابل کو تو یوں لگنے لگا جیسے کسی بھی وقت اس کا دل حلق کو آن پہنچے گا۔

نجیب کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔سچ بولنے کا کڑوا گھونٹ اُسے بھرنا تھا۔

ابھی وہ پوری بات بتاتا جب اس کا فون زوں زوں کی آواز کرتا بجنے لگا۔اس پر جگمگاتے نام پر اس کی نظریں ٹھہر گئیں۔

"راحم رضا احمد۔"

نعروں کا شور ہر طرف چھایا ہوا تھا۔اطراف سے ایک گونج کانوں کو چیرتی ہوئی بلند ہو رہی تھی۔نرم گیلی گھاس پر دوڑنے کی آوازیں اسٹیڈیم کے آخر تک جارہی تھیں۔

میدان میں لگی سیٹیں سولہ سے پچیس سالہ مرد حضرات سے بھری ہوئی تھیں۔ہر ایک کے سینے میں دھڑکتا دل سو کی سپیڈ سے بھاگ رہا تھا۔کچھ ہاتھ باندھے تو کچھ ہاتھوں کو آپس میں جوڑے بیٹھے تھے۔

ایسا سنسنی خیز مقابلہ راولپنڈی کے اسٹیڈیم میں کم سے کم ہی منظرِ عام پر آتا تھا۔

Clubb of Quality Content

تماشائیوں کی نظریں دو افراد پر ٹھہری ہوئی تھیں۔بلال آفریدی اور راحم رضا احمد۔پیلی جرسی والی ٹیم کا کوچ بلال آفریدی تھا جبکہ مخالف ٹیم یعنی گہرے نیلے رنگ کی جرسی پہنے کھلاڑیوں کے ساتھ راحم رضا احمد اپنے ٹیلنٹ کا نظارہ کروا رہا تھا۔

دراصل بلال آفریدی سے ایک زبردست جھڑپ کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں ٹیموں کا مقابلہ ہو گا۔عام طور پر تو کوچ نہیں کھیلتے تھے پر اس دفعہ اصولوں میں تبدیلی دیکھی جاسکتی تھی۔

مقابلے سے عین دو دن پہلے کوچ کے پیر میں موچ آگئی جس کے باعث راحم کو اُسے ریپلیس کرناپڑا۔

وہ عموماً اپنی پسندیدہ ٹیم کو سائڈ لائنز سے سپورٹ کرتا تھا لیکن آج قسمت نے اُسے ٹیم کے ساتھ ہی میدان میں اتار دیا تھا۔مخالف ٹیم رعب دار نظروں کے ساتھ میدان میں پیر مار رہی تھی جبکہ وہ اور اس کی ٹیم کے کھلاڑی مسکراتی نظروں سے مقابلے کا جائزہ لے رہے تھے۔

وہ فٹبال کا بہت بڑا شوقین تھا۔اکثر دوستوں کے ساتھ میچ کھیلنے گھر کے نزدیک واقعہ میدان میں نکل جاتا۔

کھیل کا آغاز ہوئے چند لمحے بیتے تھے کہ بلال نے پھرتی دکھائی۔وہ بال کو پیروں میں ایسے گول گول گھمارہا تھا جیسے میدان کے ایک ایک حصے سے واقف ہو۔

کچھ لمحوں کے تعاقب کے بعد اس نے ایک شاندار گول کیا جس کے ساتھ ہی میدان میں اس کے نام کی گونج دوڑ گئی۔لوگ اپنی نشستوں سے اچھل پڑے۔

زور و شور اور نعروں کی اس فضا کے زیرِ اثر اس نے ایک اور گول داغا اور اس کے ساتھ ہی مخالف ٹیم دباؤ میں آگئی۔وہ ترچھی نظروں سے راحم کو دیکھنے لگا۔اُسے یقین تھا کہ یہ مقابلہ تو اس کے ہی حق میں فیصلہ کرے گا۔

نیلی جرسی پہنے وہ شخص خاموش نظروں سے ہر عمل کا نظارہ کر رہا تھا۔ایک ایک حرکت پر اس کی نگاہ تھی۔

پہلا ہاف ختم ہوا تو پہلی ٹیم دو گولوں کی برتری کے ساتھ مطمئن کھڑی تھی۔دوسری ٹیم کے کھلاڑی تھکی تھکی نظروں سے یہاں سے وہاں دیکھ رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

لیکن وہ شخص خاموش تھا۔اس کے عمل میں امن کی پکار تھی۔وہ جانتا تھا کہ اصل کھیل وہی ہوتا ہے جو اختتام کے قریب کھیلا جاتا ہے۔اُسے ہار کو جیت میں بدلنے کا فن بخوبی آتا تھا۔

دوسرا ہاف شروع ہوا تو اب کی بار دوسری ٹیم کے کھلاڑی پہلے سے زیادہ چست دکھ رہے تھے۔ایک کھلاڑی نے بال پاس کی تو وہ راحم کے قدموں میں آرکی۔اس نے ایک طائرانہ نگاہ پورے گراؤنڈ پر ڈالی اور اس کے ساتھ ہی اپنا اور اپنی ٹیم کا پہلا گول داغا۔

ناولز کلب

آنکھیں لگائے بیٹھے وہ تماشائی ایک مرتبہ پھر خوشی سے جھومنے لگے۔ہوا میں جھنڈے بلند کر لئے گئے۔سیٹیوں اور کھلکھاریوں میں تالیوں کی آوازوں نے ماحول پر راج کرنا شروع کر دیا۔

کھیل جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا ویسے ویسے وقت اپنے اختتام کو چھو رہا تھا۔بلال اور اس کی ٹیم وقت ضائع کرنے کی تگودو میں آگے پیچھے ٹانگیں مار رہے تھے۔دونوں ٹیموں کے گول برابر تھے۔

نہ ان سے گول ہو رہا تھا اور نہ ہی وہ دوسری ٹیم کو کرنے دے رہے تھے۔

ایک لمحے کے لئے راحم کے اعصاب پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ہر قسم کی آواز بند ہو گئی۔ سورج کی کرن اس کی آنکھوں میں پڑی اور اسی لمحے اس نے مخالف کھلاڑی کے پیروں میں سے بال کھینچی اور نیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔

محض دو منٹ باقی تھے۔ وہ رفتار کو بڑھاتے نیٹ کی طرف لپکا۔ اس کا ہر قدم تماشیوں کی دھڑکنوں کو بڑھا رہا تھا۔ فضا میں پھیلا تناؤ اب کافی حد تک بلندی کو پکڑ چکا تھا۔

سب دل کے مقام پر ہاتھ رکھے ۰۰ آنکھیں پھاڑ کر اُس کی ایک ایک حرکت کو جانچ رہے تھے۔ تپتے سورج کی کرنوں کا اثر کم ہوا اور ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اُس کے چہرے پر گھر کرنے لگا۔ اس کے زرد چہرے کو ٹھنڈی ہوا اور دل کو سکون فراہم ہوا۔

دو قدم کی دوری تھی اور اس کے ساتھ ہی اس نے بال کو زوردار لات ماری۔ جس کے نتیجے میں بال جالی کو چیرتی ہوئی آر پار ہو گئی۔ وقت یہیں پر اختتام کی سوئی پر آن پہنچا تھا اور نیلی ٹیم میدان مار گئی تھی۔

سب ہی نوجوان دوڑ لگاتے ہوئے میدان میں آ گئے۔ صرف اپنی ٹیم کے ہی نہیں بلکہ مخالف ٹیم کے کھلاڑی بھی خوشی سے جھوم رہے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ مخالف کیوں خوش ہوں گے؟ وہ آدمی ہی ایسا تھا•• کوئی اس سے ناخوش کیسے ہو سکتا تھا؟

اس کی دودھیا رنگت تھی۔ صاف شفاف چہرہ تھا۔ اس کے بائیں گال میں ایک گڑھا نمودار ہوا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بہت پیارا لگتا تھا۔ اس کے نقوش پر کشش تھے اور اس کی مسکان پر اثر تھی۔ وہ راحم رضا احمد تھا۔ ہزاروں لوگوں کے دلوں پر راج کرنے والا اے ایس پی۔

بھورے بالوں کو اس نے ہیڈ بینڈ میں قید کر رکھا تھا۔ وہ گراؤنڈ میں اپنی جیت کا جشن منانے کی بجائے گھٹنوں کے بل بیٹھا اپنے جوگرز کے تسمے باندھ رہا تھا۔

سب لڑکے آکر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔تسمے باندھنے کے بعد اس نے نظریں اوپر اٹھائیں۔وہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔اس کی مسکان خوبصورت اور میٹھی تھی۔

اس کی آنکھیں سبز تھیں۔مگر وہ سبز رنگ کسی درخت کے پتے جیسا سادہ نہ تھا۔وہ ایک چمکتے ہوئے زمرد کی مانند تھیں۔جن میں روشنی پڑتے ہی ایک جادو سا بکھر جاتا۔

جب راحم ہنستا۔۔اُس کی آنکھوں میں شرارت ناچتی۔اور زمرد کی وہ چمک اور بھی گہری ہو جاتی۔ان میں کوئی پُراسرار گہرائی نہیں تھی۔۔بلکہ زندگی سے بھرپور وہ چمک تھی جو آس پاس کے ماحول کو بھی روشن کر دیتی تھی۔

دراز قد رکھنے والا وہ فٹبال کا شوقین شخص ۰۰ دراصل ایک انیتس سالہ پولیس آفیسر تھا۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کے تمام تھانے اس کے انڈر آتے تھے۔اس کے ماتحت آفیسر زراحم کے غصے سے زیادہ اس کی مسکراہٹ سے ڈرتے تھے۔کیونکہ وہ ہنستے ہنستے نوکری سے فارغ کر دیتا تھا۔

"مبارک ہو۔ جیت گئے تم۔ مگر کوئی خاص کارنامہ نہیں کیا تم نے..." دوسری ٹیم کے کوچ نے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر تذکرہ کیا تو اس نے ابرو اُچکائی اور پھر چہرہ نیچے کرتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔ راحم یہ بات اچھے سے جانتا تھا کہ بلال آفریدی کو کہیں نہ کہیں اطمینان تھا کہ چونکہ اصل کوچ زخمی ہے اس لئے یہ مقابلہ تو وہی جیتنے والا تھا لیکن شاید وہ راحم رضا احمد کو ابھی اچھے سے جانتا نہیں تھا۔

"کہیں رونے تو نہیں والے؟ دیکھو رونا نہیں.. تم تو سادہ برداشت نہیں ہوتے۔ نا جانے روتے ہوئے کیسے لگو گے۔" اس کی آواز بھاری تھی جیسے بنی ہی حکم دینے کے لیے ہو۔ ساتھ میں ایک مسکراتی ہوئی نگاہ اس نے بلال پر ڈالی۔

اس کے شانہ بشانہ ایستادہ نوجوان ہنسی دبانے کے چکروں میں تھا۔

مخالف ٹیم کے کوچ کے پاس سے ہٹنے کے بعد اس نے سبز آنکھوں میں چمک لے کر اپنی پسندیدہ ٹیم کی طرف دیکھا۔ وہ سب بھاگ کر اس کی طرف آئے اور اُسے گلے سے لگا لیا۔

اس کے چہرے کی مسکراہٹ ابھی بھی وہیں تھی۔اس شور و غل میں ہر طرف اس کے نام کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔ایک آخری نگاہ دوسرے کوچ پر ڈالی جس نے اپنے چہرے کے زاویے بگاڑ رکھے تھے۔

اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ اندر تک سرشار ہوا تھا۔اُسے دلی تسکین پہنچی تھی۔اپنا رخ اس کی طرف سے موڑنے سے پہلے اس نے شرارت سے آنکھ دبائی اور پھر مڑ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

راحم رضا احمد اپنے گھر کے اندر داخل ہو چکا تھا۔گھڑی دوپہر کے دو بجا رہی تھی۔اس نے دھیرے سے اپنی نانی کے کمرے کا دروازہ کھولا تو گلِ نسترن کی لطیف مہک نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔گلِ نسترن، جسے انگریزی میں "وائلڈ روز" کہا جاتا ہے، اپنی خوشبو اور نزاکت میں بے مثال تھا۔ادا صاحبہ کو پھولوں سے خاص شغف تھا۔جب بھی وہ گھر سے باہر جاتیں ۰۰ان کی نظر سب سے پہلے کسی نہ کسی پھول پر جا ٹھہرتی۔شاید یہی وجہ تھی کہ وہ ہر قسم کے پھول کا نام اور ان کی خوشبو پہچاننے میں ماہر تھیں۔

ادا صاحبہ اور زہرہ ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔ عمر کے اس حصے میں پہنچ کر۔۔جب تنہائی انسان کی سب سے بڑی دشمن بن جاتی ہے۔زہرہ کا ان کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔

ادا صاحبہ •• باوجود اس کے کہ وہ اب کافی ضعیف ہو چکی تھیں۔ حسن و نفاست کی جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ وہ دکھنے میں ایک گڑیا کی مانند تھیں۔ دودھیا رنگت، نیلی آنکھیں، اور ایسی دلکشی جو وقت کے ساتھ بھی مدھم نہ ہوئی تھی۔

ناولز کلب

اکیاسی برس کی عمر کے باوجود ان کی ذہنی چستی حیران کن تھی۔جوانی میں ان کا حسن بے مثال تھا۔ جیسے کھلتا ہوا کوئی تازہ پھول۔

لیکن ان کی خوبصورتی میں پہلی دراڑ اس وقت پڑی۔جب ان کی جوان بیٹی کا گھر اجڑ گیا۔زخم اس وقت مزید گہرا ہو گیا۔۔جب وہی بیٹی اپنے بچوں کو ان کے حوالے کر کے دوسری شادی کر کے کہیں اور جا بسی۔

راحم کو آج بھی وہ دن یاد تھا جب اس کی ماں •• نمرہ بیگم، اور اداصاحبہ کے درمیان سخت بحث ہوئی تھی۔ نمرہ بیگم نے جب اپنی دوسری شادی کی خبر دی تو اداصاحبہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ خود کو روک نہ سکیں اور ان کا ہاتھ بے ساختہ اٹھ گیا۔ ایک زوردار تھپڑ نمرہ بیگم کے رخسار پر ثبت ہو گیا۔

اور پھر •• محض ایک ہفتے بعد •• نمرہ بیگم یہ گھر چھوڑ چکی تھیں۔ پیچھے کیا رہ گیا تھا؟ بس ایک کاغذ کا ٹکڑا۔۔۔

ناولز کلب

جس پر تحریر تھا۔ "بچوں کو نانی کے پاس چھوڑنا میری مجبوری ہے۔۔۔"

جب نو سالہ راحم نے وہ تحریر پڑھی۔۔ تو اس کا ننھا سا دل دکھ سے بھر گیا۔ کیا وہ اور زہرہ ماں کے لیے بوجھ بن گئے تھے؟ کیا انہوں نے ماں کو اتنا رنج پہنچایا کہ ان کو اپنی اولاد ایک مجبوری لگنے لگی؟

وہ پورا ایک ہفتہ خود کو کمرے میں بند کیے روتا رہا۔نانی نے لاکھ سمجھایا۔لاکھ دروازے پر آکر آوازیں دیں۔لیکن اس نے کسی کی نہ سنی۔آخر کار جب ادا صاحبہ نے ممتا کے بھرپور واسطے دیے تو وہ دروازہ کھولنے پر مجبور ہو گیا۔

نانی نے اسے سینے سے لگایا، پیار کیا، اور سمجھایا کہ اسے اپنی چھوٹی بہن کے لیے مضبوط ہونا ہو گا۔

اور اُس دن سے ادا صاحبہ ان دونوں کے ہمراہ راحم اور زہرہ کے گھر میں رہ رہی تھیں۔

Clubb of Quality Content

تب سے لے کر آج تک ۲۰ ان بہن بھائی نے والدین کی شفقت کے بغیر زندگی کے بیس سال گزار دیے تھے۔ان بیس سالوں میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔زہرہ کے پسندیدہ رنگ سے لے کر اس کے خواب اور پیشے کے انتخاب تک۔۔۔

چوبیس سالہ زہرہ، جو کبھی ڈاکٹر بننے کے خواب دیکھا کرتی تھی۔اب کمپیوٹر سائنس کے آخری سال میں تھی۔راحم نے لاکھ سمجھایا•• لاکھ اصرار کیا کہ وہ اپنے بچپن کا خواب پورا کرے۔مگر زہرہ نے کامیابی کا راستہ اور راستے کی منزل بدل لی تھی۔

آخر میں راحم نے اس کی ضد کے آگے ہار مانتے ہوئے اسے گھر کے قریب ایک اچھی یونیورسٹی میں داخلہ دلوادیا۔

اپنی سوچوں کو جھٹک کر وہ اب بیڈ کے پاس زمین پر بیٹھ چکا تھا۔خاموشی سے اپنی جان سے پیاری بہن اور نانی کو دیکھ رہا تھا۔اور بے شمار خیالات اس کے دماغ میں طوفان برپا کیے ہوئے تھے۔

اگر وہ شہید ہو گیا تو؟

یہ دونوں عورتیں کس کے سہارے جیئیں گی؟

کیا اس نے زہرہ پر وہ توجہ دی جو اسے دینی چاہیے تھی؟

بچپن میں کہتا تھا کہ وہ اپنی بہن کے لیے ایک محل جیسا گھر بنائے گا۔۔۔

اگر وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو؟

سوچوں کے ہجوم میں۔۔آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ مگر ضبط ایسا کہ ایک بھی قطرہ رخسار پر نہ گرنے دیا۔ راحم رضا احمد کو کمزور لوگوں اور کمزوریوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ ہمیشہ کھل کر جینے پر یقین رکھتا تھا۔

ہولے سے زمین سے اٹھا۔ نانی کے قریب گیا۔ انہیں کسی معصوم بچے کی مانند گہری نیند میں سکون سے سوتے پایا۔ وہ اکثر دوپہر کے وقت سو جایا کرتی تھیں۔ جبکہ زہرہ یونیورسٹی سے کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی اور کھانا کھا کر سو چکی تھی۔ جھک کر ان کے ماتھے پر نرمی سے بوسہ دیا۔ پھر بہن کے قریب آیا۔ زانوں کے بل بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جیسے برسوں کی دعا اس لمس میں سمو دی ہو۔

پھر خاموشی سے کمرے کا دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔

گاڑی کو جھٹکے سے روکتے۔۔وہ چند لمحے یوں ہی خاموشی سے سڑک کے کنارے دیکھتی رہی۔اگر صبر کی کوئی دوا ہوتی تو وہ آتے ہوئے کھالیتی لیکن افسوس۔۔۔!المیر خلیل سے سامنا کرنے کے لیے اُسے صبر کے ساتھ ساتھ ہمت کی بھی ضرورت تھی۔

پھر دوپٹے کو نفاست سے درست کرتے ہوئے باہر نکلی۔شہد رنگ آنکھیں اطراف میں دوڑائیں اور ایک ہی نظر میں ساری جگہ کا احاطہ کرلیا۔

ابھی کچھ ہی دیر پہلے وہ سکون کی نیند سوئی تھی جب اس کی نیند میں خلل ڈالتا ہوا اس کا فون بج اٹھا۔آگے احمد مرزا کی چھ مسڈ کالز کے ساتھ ایک میسیج دیکھ کر اس نے بیس منٹ اپنی قسمت کو کوستے ہوئے نکالے تھے۔

اس وقت وہ مال روڈ پر کھڑی تھی۔آس پاس چند دکانیں تھیں اور کچھ مکان بھی واقعہ تھے۔ مال روڈ پر رش تھا اسی لئے اس نے گاڑی مطلوبہ جگہ سے ہٹا کر کھڑی کی تھی۔کلائی میں بندھی جامنی پٹے والی گھڑی پر وقت دیکھتے ہی ناگواری سے سر نفی میں ہلایا۔

ہر دن کی طرح آج بھی مومن علی آنے میں وقت لگا رہا تھا۔ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کرتے اس نے فوراً فون نکال کر مومن کو پیغام بھیجا۔

"آگیا باجی!" دائیں طرف سے آواز بلند ہوئی تو اُس نے اُس سمت دیکھا۔

Clubb of Quality Content!

سامنے مومن اور کیمرا مین ہانپتے کانپتے چلے آ رہے تھے۔چہرے تو دونوں نے یوں بنا رکھے تھے جیسے گھر سے یہاں تک پیدل آئے ہوں۔

"آگئے آپ۔۔۔جوس منگواؤں آپ کے لیے؟" زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

"جی نہیں باس۔۔۔ خالہ نے آج آلو کے پراٹھے بنائے تھے۔ میرا تو پیٹ بھر گیا... لیکن اب آپ اتنا اصرار کر رہی ہیں تو۔۔۔"

"اگر پانچ منٹ میں کیمرا اسیٹ نہ کیا تو تمہاری زندگی میں ایسا سنسنی خیز موڑ لاؤں گی کہ تمہاری اگلی رپورٹ ہسپتال کے بستر سے آئے گی!" اشفا نے دانت پیسے اور تیز قدموں سے کرائم سین کی طرف بڑھ گئی۔

"روجر، باس!" مومن نے فوراً سلیوٹ مارا اور گاڑی کی ڈِگی سے سامان نکالنے لگا۔

Clubb of Quality Content!

اشفا نے مال روڈ کے سنسان گوشے پر پہنچ کر سرسری نظر دوڑائی۔ جہاں پولیس کی پیلی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ کیمرا مین اس کے پیچھے تھا اور مومن پھولے ہوئے سانس کے ساتھ پیچھے لپکا تھا۔ "باس۔۔ اتنی تیز چلیں گی تو میں خود بریکنگ نیوز بن جاؤں گا!"

اشفا نے گھور کر اسے دیکھا۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ ایک شناسا قامت پر پڑی۔ پولیس کی وردی۔۔ سیاہ گھنگریالے بال اور چہرے پر ہمیشہ کی سی سختی۔

ایس ایچ او المیر خلیل اپنی مخصوص تیوری چڑھائے کھڑا تھا۔اُسے یوں آمنے سامنے دیکھ کر لمحے بھر کے لئے اس نے اپنی نظریں اس شخص پر ٹکالیں۔اتنے عرصے بعد آج جا کر وہ اس سے بات کرنے والی تھی۔

کون المیر کیسا المیر ؟اُسے کچھ یاد نہ تھا۔اُسے یاد تھا تو صرف وہ واقعہ جو ہر بار یاد آنے پر اُس کی المیر کو لے کر نفرت میں اضافہ کر دیتا تھا۔

چہرے پر پھیلی سنجیدگی ایک پل میں بدلی اور مسکراہٹ کا روپ لے گئی۔جو مزا اُسے المیر کو تپانے میں آتا تھا وہ سنجیدہ رہنے میں کیسے آسکتا تھا۔

"آج یا میں یا یہ ۰۰ !"اشفاز یرِلب بڑبڑائی اور مومن کو آنکھوں سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

المیر خلیل اس وقت جگہ جگہ لگے انگلیوں کے نشانات کا باریک بینی سے جائزہ لے رہا تھا۔وہ فنگر پرنٹ پاؤڈر سے نشان ابھار کر انہیں شیشے کی سلائیڈ میں محفوظ کر رہا تھا۔وہ یہ چاہتا تھا کہ کرتے پر موجود انگلیوں کے نشان اور کرسی پر موجود نشانات کو میچ کروایا جائے تاکہ پولیس فورس کسی نتیجے پر پہنچ سکے۔

یہاں سے ملنے والی ہر شے کو تحقیقات کے لئے تھانے پہنچا دیا گیا تھا۔اسی لئے المیر خلیل کو جہاں جہاں انگلیوں کے نشانات موجود ہونے کا خدشہ لاحق ہوتا۔۔وہ وہاں سے انہیں اٹھا لیتا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کیس پیچیدہ تھا۔مگر ایک سوال تو واضع تھا کہ کوئی جرم کہیں کیا گیا تھا اور اس کے ثبوت کسی اور جگہ چھوڑ دیے گئے تھے۔وہ انہی خیالات میں گم تھا کہ ایک شناسا مگر شرارت بھری آواز نے اس کے دھیان کو منتشر کر دیا۔

"ایس ایچ او صاحب..." وہ نہیں پلٹا۔اُسے لگا وہ پلٹے گا تو پتھر کا ہو جائے گا۔

اشفا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک قدم آگے بڑھایا۔"ایک منٹ دیں گے؟"

المیر کے قدم اس کی آواز پر زنجیر ہوئے تھے۔وہ لڑکی کچھ ہی فاصلے پر کھڑی تھی۔ مجبوراً اُسے پلٹنا پڑا۔ہمیشہ کی طرح اس لڑکی کے چہرے پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی اور اس کی شہد رنگ آنکھیں چمک رہی تھیں۔اس کے چہرے سے نظریں ہٹاتے المیر نے ترخ کر اُسے ایک مرتبہ پھر سے دیکھا۔اس کے اعصاب تنے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اشفا نے پلکیں جھپکائیں۔چہرے پر معصومیت سجا کر وہ گویا ہوئی۔"شاید آپ بھول رہے ہیں تو میں آپ کو بتاتی چلوں کہ میں ایک جرنلسٹ ہوں اور کرائم سین پر زیادہ تر جرنلسٹ تحقیقات کی غرض سے آتے ہیں۔"

المیر نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔"تم جانتی ہو میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔ تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ پولیس کی تفتیش میں مداخلت مت کیا کرو۔۔ تمہیں پتا ہے نا کرائم سین میں قدم رکھنا منع ہے۔"

اشفا نے کندھے اچکائے۔"مسٹر...اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے دو منٹ مجھے دے دیں گے تو میں یہاں سے چلی جاؤ نگی۔ مختصر سے چند سوالات ہیں میرے پاس۔"

المیر نے تیوری چڑھائی۔"تمہارے سوال ہمیشہ سر درد بن جاتے ہیں۔"

Clubb of Quality Content!

اشفا نے بمشکل ہنسی روکی۔"لیکن آپ تو بڑے دلیر اور ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں۔اتنی جلدی غصہ کیوں آجاتا ہے؟"دلیر تک تو ٹھیک ہے پر ٹھنڈے مزاج کے مالک؟وہ بھی ایس ایچ او صاحب؟اوہوں۔سوچتے ہوئے اس نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔

المیر نے ناگواری سے سر جھٹکا۔"مجھے غصہ تمہاری حرکتوں پر آتا ہے! پچھلے کیس میں جو ہنگامہ برپا کیا تھا وہ کم تھا کہ یہاں بھی آ ٹپکیں؟"

اشفانے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں "اوہ.... تو آپ کو یاد ہے؟ مطلب میں واقعی آپ کی یادداشت پر اثر ڈال رہی ہوں۔"

المیر نے اُسے کن اَکھیوں سے دیکھا۔ "یہ یادداشت پر اثر نہیں۔۔اعصاب پر حملہ ہے.."

اشفا اس کے الفاظ کے چناؤ پر چہرہ جھکا کر ذرا سا ہنسی۔ پھر کچھ فاصلے پر کھڑے مومن کو آنکھوں سے اشارہ کیا۔ "مومن سر کو پانی پلاؤ...شاید کچھ ٹھنڈے ہو جائیں۔ اتنی شدید ٹھنڈ میں بھی منہ سے آگ نکال رہے ہیں۔"

المیر نے فوراً گھور کر اسے دیکھا۔ "تم یہاں سے جا رہی ہو یا نہیں؟"

اشفانے ہونٹ بھینچے پھر نفی میں سر ہلایا۔

المیر نے اس کی حرکت پر سُر مئی آنکھیں چھوٹی کرتے اُسے دیکھا۔"جو بھی تحقیق کرنی ہے یہاں سے باہر جا کر کرو۔"

"باہر کس سے تحقیق کروں؟آپ تو یہاں ہیں نا۔"منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے رخ مخالف سمت کی طرف کر لیا۔

تنے ہوئے انداز میں وہ وہاں سے باہر نکلی۔ایک طرف کھڑی ہو کر پھر دل میں سوچنے لگی۔کرپٹ آفیسر!پتا نہیں خود کو کیا سمجھتے ہیں۔پھر غصے سے پیر زمین پر مارا۔"میں تو آؤں گی۔سو بار آؤں گی!یہ ہوتے کون ہیں مجھے یہاں سے نکالنے والے؟"پھر وہ بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے جانے لگی۔

کچھ آگے بڑھی تو چہرے کے زاویے بگاڑتے ہوئے اس نے مومن کی طرف دیکھا جو چہرہ لٹکائے کھڑا تھا۔المیر اور اشفا کی ذاتی دشمنی میں وہ بیچارہ ہمیشہ خوار ہو جاتا تھا۔

"تب ہی میں کہوں ۰۰ میری ہر الٹی حرکت کو نظر انداز کیسے کر رہے ہیں ایس ایچ او صاحب۔ اصل میں تو انہوں نے ایک ہی بار میں بھڑاس نکالنی تھی جو انہوں نے نکال دی۔ اوہوں! مجال ہو جو یہ آدمی تین سال کے عرصے میں بدل جائے۔ جس رفتار سے یہ منہ سے آگ کے گولے برساتے ہیں ۰۰ ان کا اور ڈریگنز کا مقابلہ ہونا چاہیے۔" مومن نے جواب میں کندھے اچکا دیئے۔ اب مومن بیچارہ کیا ہی کر سکتا تھا۔

·· — ·ʚɞ· — ··

ناولز کلب

وہی سہ پہر کا وقت تھا۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اور ہسپتال کی راہداریوں میں چہل قدمی کی ہلکی ہلکی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ہر دن کی طرح آج بھی ہسپتال کی سب سے بہترین ماہر امراضِ نفسی۔۔ مہوین امین کے کمرے کے باہر مریضوں کا ہجوم تھا۔

ہسپتال میں سات ماہرینِ نفسیات تھے۔ مگر مہوین کی قابلیت سب سے نمایاں تھی۔ وہ نہ صرف مریض کے چہرے کے تاثرات بلکہ اس کے خیالات بھی جیسے ایک نظر میں پڑھ لیتی تھی۔

مہوین امین پچیس سالہ باوقار اور ذہین لڑکی تھی۔ وہ اپنی بہن کی طرح دودھیا رنگت کی حامل تو نہ تھی۔ مگر اس کی گندمی رنگت میں ایک خاص کشش تھی جو لوگوں کو بے اختیار متوجہ کر لیتی تھی۔ اس کے بھورے بالوں میں سنہری چمک نمایاں تھی۔ اور جب روشنی ان پر پڑتی تو یوں محسوس ہوتا جیسے ان میں ہلکی سی سرخی کی جھلک ہو۔

مہوین کے چہرے کی سب سے خوبصورت خصوصیت اس کے بائیں گال پر بنا وہ ننھا سا تل تھا۔ جو بالکل اس کی ماں جیسا تھا۔ حقیقتاً، وہ اپنی ماں کا عکس تھی۔ جھیل سی گہری آنکھوں اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ۔ نرم دل، سلجھی ہوئی اور گہرائی سے سوچنے والی یہ لڑکی اپنی سنجیدگی اور ٹھہراؤ کی بدولت سب سے منفرد سمجھی جاتی تھی۔

صبح آٹھ بجے سے شام پانچ بجے تک... اس کے کمرے کے باہر مریضوں کی بھیڑ جمع رہتی تھی۔ مہوین اپنی فطری ذہانت اور نفسیات پر مہارت کی بدولت کسی بھی شخص کو ذہنی تناؤ سے چند ہی ہفتوں میں آزاد کروا دیتی تھی۔ اس کی ملاقات روزانہ مختلف نوعیت کے

مریضوں سے ہوتی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک تمام مریض صرف اسی سے علاج کروانے میں دلچسپی رکھتے۔

بچپن ہی سے مہوین کو لوگوں کے مسائل سننے اور ان کی مدد کرنے کا شوق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی بہن اشفا نے اسے ماہرِ امراضِ نفسی بننے کا مشورہ دیا۔ مہوین کو اس دنیا میں اشفا سے بڑھ کر کوئی عزیز نہ تھا۔ اس لیے اس نے کسی تذبذب کے بغیر نفسیات کے میدان کو اپنا لیا۔

آج بھی حسبِ معمول... مریضوں کی لمبی قطار میں ایک شناسا چہرہ موجود تھا۔ مگر اس بار وہ چہرہ پہلے سے زیادہ زرد، تھکا ہوا اور نڈھال لگ رہا تھا۔ عالیہ اِشفاق... جس کی حالت پچھلے مہینے کے مقابلے میں مزید بگڑ چکی تھی۔

مہوین نے گہری نظر اس پر ڈالی۔ اس کے چہرے کی پژمردگی اور آنکھوں کے گرد گھیرے حلقے دیکھ کر دل میں اٹھتی ایک ٹیس محسوس کی۔ عالیہ حد سے زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ مہوین نے اس کے قریب بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔

"کیسی ہیں آپ، عالیہ ؟"اس نے نرمی سے مخاطب کیا۔

سامنے بیٹھی لڑکی نے بمشکل پلکیں اٹھائیں۔اس کی بھوری آنکھیں سوجن کے باعث مزید بوجھل محسوس ہورہی تھیں۔اور چہرے پر ایک عجیب سی بے یقینی کی کیفیت طاری تھی۔ گویا وہ کسی اور دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔

"عالیہ...میں آپ سے بات کررہی ہوں۔کیا آپ ٹھیک ہیں؟"مہوین نے نرمی سے سوال دوہرایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

عالیہ کے خشک لب تھوڑے سے ہلے۔پھر کچھ توقف کے بعد...اس کے ہونٹوں سے مدھم بکھری بکھری آواز نکلی۔"میں...میں؟ہاں میں...میں ٹھیک ہوں۔"

مہوین نے اس کی کمزور،ٹوٹی ہوئی آواز سنی تو دل میں ایک اضطراب سا جاگا۔یہ وہ عالیہ نہیں تھی جو چند ماہ پہلے امید سے اس کے پاس آئی تھی۔

"عالیہ۔۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کیا آپ سچ میں بہتر محسوس کر رہی ہیں؟" مہوین نے نرمی اور تحمل سے سوال کیا۔

عالیہ نے دھیرے دھیرے اپنی نظریں پورے کمرے میں دوڑائیں، جیسے وہ خود کو کسی اجنبی جگہ پر محسوس کر رہی ہو۔ اس کی آنکھیں ایک ایک چیز سے ہو تیں بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

دیواروں پر لگے نفسیاتی خاکے، کتابوں کی سجی ہوئی الماری، اور دھیما سا روشن کمرہ۔ ہر چیز سے ہو تیں اس کی بھوری آنکھیں پھر اس شناسا چہرے پر آ ٹھہریں۔

چند لمحوں تک وہ خاموشی سے مہوین کے چہرے کو تکتی رہی۔ اس کی خالی نظریں مہوین کو بتا رہی تھیں کہ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر پھر... اچانک اس نے اپنی نظریں جھکا لیں اور اپنی گود میں رکھے ہوئے پرس پر مرکوز کر دیں۔

مہوین نے بغور اس کے چہرے کے تاثرات کا مشاہدہ کیا۔ عالیہ کے اس غیر معمولی رویے نے اس کی الجھن کو مزید بڑھادیا تھا۔ وہ اس وقت عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس کا یوں خاموشی سے کمرے کا جائزہ لینا۔ پھر مہوین کو دیکھنا اور بلاوجہ نظریں جھکا لینا... سب کچھ غیر معمولی تھا۔

مہوین کے ذہن میں بے شمار سوالات گردش کرنے لگے۔ وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر مقابل کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ کسی بھی سوال کا اطمینان بخش جواب دے سکتی۔

"میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔" عالیہ کی نظروں کے حصار میں ابھی بھی وہ پرس تھا۔

مہوین نے اس کی ہچکچاہٹ محسوس کرلی تھی۔ مگر کسی اندرونی خوف یا جھجک کے باعث وہ کھل کر اظہار نہیں کر پا رہی۔ مہوین آہستہ سے زانوں کے بل اس کے قریب آکر بیٹھ گئی اور نرمی سے بولی۔ "یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، عالیہ۔ مجھے واقعی اچھا لگا کہ آپ مجھ سے ملنے آئیں۔"

اس نے خوش مزاجی سے عالیہ کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ مگر عالیہ کا دھیان اب بھی اپنے پرس کی جانب تھا۔

اُس نے نرمی سے اس کی مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کی۔ "کیا آپ کے پرس میں کچھ ہے؟ آپ میرے لیے کچھ لائی ہیں؟"

عالیہ نے فوراً سر ہلایا اور مختصر سا جواب دیا۔ "ہاں۔"

اس کے انداز میں ایک عجیب بے چینی تھی جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو مگر الفاظ کا انتخاب نہ کر پا رہی ہو۔

عالیہ کی یہ حالت دیکھ کر مہوین کا دل مزید پریشان ہو گیا۔ وہ سوچنے لگی اگر وہ اس قدر منتشر خیالات کی شکار ہو چکی ہے تو گھر میں اس کی حالت کیسی ہوتی ہو گی؟ کیا اس کے گھر والے اس کا خیال رکھتے ہیں؟ اگر رکھتے ہیں تو پھر یہ اکیلی یہاں کیوں آتی ہے؟

وہ اس بات سے اچھے سے واقف تھی کہ عالیہ ڈپریشن کا شکار ہے اور اسی ڈپریشن کی کھوج میں مہوین اس سے ہر ملاقات پر نئے سے نئے سوالات کرتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عالیہ کو ایک پیدائشی بیماری تھی جس کے باعث عالیہ کی زبان بول چال کے دوران لڑکھڑانے لگتی تھی۔

"کیا لائی ہیں؟" مہوین نے محتاط انداز میں پوچھا۔

عالیہ نے آہستگی سے اپنا ہاتھ بیگ کی جانب بڑھایا۔ اس کے لرزتے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر مہوین نے اپنی نظریں اس کی ہر حرکت پر جما دیں۔ وہ جانتی تھی کہ کچھ ذہنی مریض اچانک خطرناک رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔ اگرچہ عالیہ سے ایسی کوئی توقع نہ تھی۔ پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔

چند لمحے گزرے۔ عالیہ نے بیگ کی زپ کھولی اور اس میں سے کچھ نکالنے لگی۔ مہوین بغور دیکھ رہی تھی۔ عالیہ کے ہاتھ میں آخر کار ایک کتاب نمودار ہوئی۔ نارنجی اور بھورے رنگ کی ایک کتاب۔ جو زیادہ بڑی تو نہ تھی مگر خاصی چوڑائی کی حامل تھی۔

عالیہ نے دھیرے سے کتاب مہوین کی طرف بڑھائی اور اس نے فوراً اسے تھام لیا۔

جیسے ہی اس کی نظر کتاب کے سرورق پر پڑی۔اس کی بھوری آنکھوں میں ایک چمک سی ابھری۔غلاف پر نمایاں سنہرے حروف میں "نو وے آؤٹ" (no way out)لکھا تھا۔اور اس کے عین نیچے عالیہ کا نام درج تھا۔صرف عالیہ۔

مہوین کی بھوری آنکھوں میں خوشی کی ایک لہر ابھری۔اس نے کتاب اپنے برابر میں رکھی میز پر رکھی اور عالیہ کے دونوں ہاتھ تھام کر مسکرا کر بولی۔"آپ کی پہلی کتاب شائع ہو گئی... میں بہت خوش ہوں، عالیہ۔آپ کو مبارک ہو..."

اس نے عالیہ کی آنکھوں میں ایک چمک دیکھی۔مگر وہ چمک جلد ہی نمی میں بدل گئی۔

"کیا ہوا...آپ خوش نہیں ہیں؟"مہوین نے نرمی سے پوچھا۔

عالیہ نے چند لمحے خاموشی اختیار کی۔ شاید خود کو بولنے پر آمادہ کر رہی تھی۔ پھر چند سیکنڈ بعد دھیرے سے بولی۔ "کتاب... میں نے اس کی اشاعت رکوادی تھی۔"

اس نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "کیوں؟"

عالیہ نے سر جھکا کر دائیں طرف پڑی کتاب کو دیکھا۔ پھر سامنے بیٹھی مہوین کو۔

"پتا نہیں..." اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر کے مہوین کی طرف دیکھنے لگی۔ "میں نے... میں نے صرف ایک ہی کتاب شائع کروائی تھی اور وہ یہی ہے جو میں نے آپ کو دی ہے۔"

"لیکن آپ نے اپنے پاس کیوں نہیں رکھی؟" مہوین نے فوراً سوال کیا۔ مگر پھر خود ہی سنبھل گئی۔ وہ عالیہ کی حالت دیکھ کر سمجھ چکی تھی کہ ابھی زیادہ سوالات کرنا مناسب نہیں۔

اتنے میں اس کے ہونٹوں سے کچھ مدھم الفاظ نکلے۔"یہ کتاب اس تک پہنچادینا...اس سے کہنا کہ میری پہلی تحریر انوکٹس کے نام۔"الفاظ مدھم سی آواز میں ادا ہوئے۔

ماہرِامراضِ نفسی جھک کر قریب آئی۔تب جاکر اس نے سنا۔"کس تک؟"مہوین نے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے تو جیسے کچھ سنا ہی نہ تھا۔اس کی نظریں ایک ہی نقطے پر جمی رہ گئیں جیسے اس کا ذہن کام کرنا چھوڑ گیا ہو۔اس کا سر جو مسلسل ہل رہا تھا۔یک دم رک گیا۔

Clubb of Quality Content

مہوین نے نرمی سے اس کے ماتھے پر آئے پسینے کو اپنے رومال سے صاف کیا اور پینک کیے بغیر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔وہ چاہتی تھی کہ عالیہ خود کو محفوظ محسوس کرے۔کہ اس کے دل میں چھپا خوف کچھ کم ہو۔مگر...

مہوین تو محض ایک ماہرِامراضِ نفسی تھی۔

"میں...میں جارہی ہوں اب۔"اس کی ویران آنکھیں وحشت کا سایہ چھلک رہی تھیں۔اس کے چہرے پر آیا پسینہ اس کی مضر حالت کو بیان کررہا تھا۔

ان کے سیشن ہمیشہ دو گھنٹے کے ہوتے تھے۔مگر آج وہ اتنی جلدی کیوں جانا چاہ رہی تھی؟

"عالیہ، کیا آپ مجھے اپنے کسی عزیز کا فون نمبر دے سکتی ہیں؟"وہ ہر بار عالیہ سے اس کے گھر والوں کا نمبر مانگتی۔مگر ہمیشہ انکار ہی ملتا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں...مجھے جانا ہوگا۔"

یہ کہہ کر عالیہ فوراً کھڑی ہو گئی۔مہوین بھی اس کی غیر متوقع حرکت پر چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ایک آخری بار•• عالیہ نے اپنی کتاب پر نظر ڈالی۔پھر تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

پیچھے کھڑی مہوین کی آنکھوں میں ہزاروں سوال گردش کر رہے تھے... جن کا جواب ملنا اب بہت ضروری تھا۔

..—.⟡.—..

رات کے گہرے سائے خلیل منزل کی دیواروں پر پھیل رہے تھے۔ سرد ہوا درختوں کے پتوں کو ہلکی ہلکی سرسراہٹ میں مبتلا کر رہی تھی اور مدھم روشنی میں خلیل منزل اپنی مکمل شان و شوکت کے ساتھ کھڑی تھی۔

Clubb of Quality Content

اونچے درختوں اور خوشبو بکھیرتے پھولوں میں گھرا یہ مکان محلے کے دیگر گھروں سے نمایاں تھا۔ باہر گیٹ پر ہمیشہ کی طرح دو محافظ چوکس کھڑے تھے۔ اندرونِ خانہ کم از کم پانچ ملازمین اپنی ذمہ داریوں میں مصروف تھے۔ گھر کے اندرونی حصے کا حسن محلوں کی یاد دلاتا تھا۔ نیچے کی منزل پر چار کمرے تھے جبکہ اوپر کی منزل پر چھ وسیع کمرے۔ مگر سب سے خوبصورت کمرہ المیر کا تھا۔ جو اپنی نفاست اور ترتیب کے باعث منفرد تھا۔

پوری خلیل منزل میں ایک مستقل خوشبو بسی رہتی تھی۔ موتیے کے پھولوں کی مہک۔ جو ہر راہدار، ہر کونے کو اپنی مہک سے لطافت بخشتی تھی۔

رات کے دس بجے راحم رضا احمد خلیل منزل کے باہر جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ نیلی شرٹ کے ساتھ گہرے نیلے رنگ کی پینٹ پہنے... وہ دروازے پر نظریں جمائے کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ ایک خاص سی چمک تھی جو بتا رہی تھی کہ آج وہ بے حد خوش ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اور خوش ہوتا بھی کیوں نہ؟ آج وہ اپنی منکوحہ سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔

جس لمحے وہ اس گھر میں قدم رکھتا۔ اس کے ذہن سے ڈیوٹی کی الجھنیں، تفتیش کا دباؤ اور دن بھر کے تھکا دینے والے معاملات سب پسِ پشت چلے جاتے۔

یہاں وہ صرف راحم تھا۔ایک عزیز،ایک داماد،ایک دوست،ایک بھائی۔وہ جانتا تھا کہ اس گھر کے ہر فرد کا دل اس کے لیے اتنا ہی نرم تھا جتنا المیر کے لیے۔

اس کی آمد پر خلیل منزل میں زندگی کے رنگ بکھر جاتے۔ قہقہے گونجتے،ہنسی خوشی کی باتیں ہوتیں۔سب سے سنجیدہ فرد خلیل محمد بھی اس مجلس کا حصہ ہوتے۔مگر اگر کوئی غیر حاضر ہوتا تو وہ صرف المیر خلیل ہوتا۔یا تو اپنی ڈیوٹی پر یا کسی اور مصروفیت میں گم۔

مگر آج کا دن مختلف تھا۔گزشتہ جمعہ کو اس کا خلیل منزل میں آنا ناممکن ثابت ہوا تھا اسی لیے جیسے ہی اُسے دو لمحے فراغت کے ملے تو اُس نے یہاں کا رُخ کر لیا۔

آج المیر بھی اس محفل کا حصہ بن رہا تھا۔

راحم نے ایک خوشگوار سانس لی اور اپنے خیالات سے باہر نکلا۔کیونکہ دروازہ کھل چکا تھا۔

سامنے وہاج کھڑا تھا۔وہاج نے ایک پل بھی ضائع کیے بغیر راحم کو گلے سے لگالیا۔وہاج کے لیے راحم اورالمیر میں کبھی کوئی فرق نہیں رہا تھا۔وہ پیچھے ہٹا تو مسکرا کر راحم کی طرف دیکھا۔سلام دعا کرنے کے بعد پھر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"آئیں...سب آپ ہی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

راحم نے قدم اندر رکھے اور جیسے ہی وہ لاؤنج میں پہنچا۔۔اس کی نظر صوفے پر بیٹھے المیر پر پڑی۔ہمیشہ کی طرح المیر نے آسٹریلین کرکٹ ٹیم کی جرسی پہن رکھی تھی۔یہ ایک پرانی بحث تھی۔المیر آسٹریلیا کو سپورٹ کرتا تھا جبکہ راحم کے دل میں نیوزی لینڈ کے لیے نرم گوشہ تھا۔مگر ظاہری طور پر وہ پاکستان کا حمایتی بنا رہتا تھا۔

"خیریت ہے؟خوش نظر آرہے ہو۔"راحم صوفے پر آبیٹھا۔ایک بازو المیر کے کندھے پر رکھ دیا۔راحم کے لیے المیر کو تنگ کرنا ایک مشغلہ تھا۔وہ المیر کی مستقل سنجیدگی کو زہر سے بھی برا سمجھتا تھا۔

المیر نے سکون سے جواب دیا۔ "آ گئے آپ میری خوشیوں کو نظر لگانے؟"

راحم رضا کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ "بس اللہ کا شکر ہے... آپ سے محبت مجھے آپ کی طرف کھینچ لاتی ہے۔" شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر اس نے ارد گرد نظریں دوڑائیں جیسے کسی کو تلاش رہا ہو۔

مگر وہ کہاں تھی؟ نظر کیوں نہیں آ رہی تھی؟

"عجیب و غریب چیزیں ہی کھینچتا ہوں میں، پتا نہیں کیوں؟" ایک طائرانہ نگاہ اس پر ڈالی۔

مقابل کی بات پر ہنستے ہوئے راحم نے چاروں اور دیکھا اور پھر ساتھ بیٹھے ہوئے کو۔ جو اپنے فون پر کسی گیم میں مصروف تھا اور ساتھ ہی ساتھ راحم سے لڑ بھی رہا تھا۔ راحم تھوڑا جھکا اور المیر کے کان میں سرگوشی کی۔ "بیوی کہاں ہے میری؟"

اس کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک تھی۔ ایک ایسی چمک جسے المیر خوب پہچانتا تھا۔

"سانس تو لے لو، راحم۔ ابھی تو آئے ہو۔"

ذرا سی بھاری زنانہ آواز تھی۔ جب فضا میں پھیلی تو راحم کے چہرے کی رنگت ایک لمحے میں بدلی۔ وہ فوراً سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم، آنٹی!" اس کی ساس، آئمہ خلیل... اپنے کمرے کی راہداری میں کھڑی تھیں۔ اور خدا ہی جانتا تھا کہ راحم ان سے کتنا ڈرتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر نے سر جھٹک کر راحم کو دیکھا۔ جواب بالکل مؤدب انداز میں کھڑا تھا۔ اپنی ساس کے سامنے انسان کے روپ میں آتے اُسے عموماً ایک سیکنڈ لگتا تھا۔

آئمہ خلیل نے نرمی سے مسکرا کر جواب دیا۔ "وعلیکم السلام، بیٹا۔ کیسے ہو؟"

"اللہ کا شکر ہے، آنٹی۔"

راحم کی بے ساختہ شرافت دیکھ کر المیر نے نفی میں سر ہلایا۔یہ وہی راحم تھا جو کچھ لمحے پہلے المیر کی ٹانگ کھینچ رہا تھا اور اب جیسے ایک فرماں بردار داماد میں بدل چکا تھا۔اگر گھر والے اسے تھانے میں اپنے اصل روپ میں آتا دیکھ لیتے تو حقیقتاً بیہوش ہو جاتے۔

آئمہ خلیل نے راحم سے چند رسمی باتیں کیں۔جبکہ المیر خاموشی سے صوفے سے اٹھا اور زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

المیر زینے چڑھتے ہی سیدھا اپنے کمرے کے سامنے آرکا۔اس کے بالکل برابر والے دروازے پر "عالیہ خلیل" کے نام کی ایک خوبصورت تختی لگی تھی۔اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور نرمی سے پکارا۔

"عالیہ بچے، میں اندر آجاؤں؟"

اس کے لہجے میں دنیا جہاں کی شفقت تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں ایک خاص سی چمک بھی۔

اندر بیڈ پر بیٹھی عالیہ خلیل اپنے مخصوص انداز میں ڈائری سنبھالے کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ وہ ایک لکھاری تھی اور لکھاریوں کے لیے خیالات کا سمندر ہمیشہ ہی متلاطم رہتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی ڈائری کبھی خود سے جدا نہیں کرتی تھی۔

دستک سن کر وہ چونکی۔ پھر نرمی سے بولی۔ "جی بھائی، آ-آ جائیں۔"

Clubb of Quality Content!

اس کی آواز میں وہی مانوس دھیما پن تھا۔ وہی معصومیت جو عالیہ کی پہچان تھی۔ مگر پچھلے کچھ مہینوں سے وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ طبیعت اکثر ناساز رہتی اور وہ زیادہ تر اپنے کمرے تک ہی محدود ہو چکی تھی۔

المیر دروازہ کھول کر اندر آیا تو نظر سیدھا اپنی بہن پر جا ٹھہری۔ جو پہلے کی نسبت کہیں زیادہ لاغر دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا دل بے اختیار سکڑ گیا۔ پچھلے دو ہفتوں میں وہ اسے ہر ممکنہ

ڈاکٹر کے پاس لے جا چکا تھا۔ مگر ہر جگہ سے ایک ہی جواب ملتا۔ "بچی کو ٹینشن ہے اور کچھ نہیں۔ خوراک میں ناغوں کی وجہ سے کمزور ہے۔"

مگر المیر جانتا تھا کہ مسئلہ صرف اتنا نہیں تھا۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عالیہ گزشتہ گیارہ ماہ سے اپنی کتاب مکمل کرنے کی دُھن میں دن رات ایک کیے بیٹھی تھی۔ وہ اکثر کھانے پینے تک کا ہوش کھو دیتی۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے چہرے پر پژمردگی چھا گئی تھی اور سب سے زیادہ وہ اس وہم میں مبتلا رہتی کہ "اگر اس کی کتاب شائع ہونے کے بعد کسی نے نہ خریدی تو؟ اگر وہ ایک اچھی لکھاری نہ بن سکی تو؟"

ہر بار المیر ہنستے ہوئے اسے ایک ہی جواب دیتا۔ "تو میں خود جا کر سب کو زبردستی کتابیں بیچوں گا اور پیسے بھی وصول کر کے آؤں گا!"

"کیسی ہے میری چھوٹی سی لیا؟" وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔ نظر عالیہ کے ہاتھ میں تھامے قلم پر تھی جو مستقل چل رہا تھا۔ وہ اُسے پیار سے لیا کہتا تھا۔

"ٹھیک ہوں المیر بھائی... آپ آج جلدی آ-آ گئے؟" عالیہ نے نظر اٹھا کر اپنے بھائی کو دیکھا۔ بھوری آنکھوں میں تھکن واضح تھی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے دیکھ کر المیر نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"ہاں۔ آج کام جلدی ختم ہو گیا تو میں آ گیا۔ سوچا اپنی گڑیا کے ساتھ وقت گزاروں گا۔" المیر کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ مگر آنکھوں میں ایک عجیب سی امید۔ وہ چاہتا تھا کہ عالیہ جلد از جلد بہتر ہو جائے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اگر آ-آج کی طرح ہفتے کا ہر دن ہ-ہی مصروفیت سے آزاد ہوتا تو کتنا م-مزہ آتا نا، بھائی؟" عالیہ کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اور یہ دیکھ کر المیر کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

"بچّے... آئی ایم سوری۔" المیر نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ "یہ جو کیس آیا ہوا ہے نا... یہ میرا بہت وقت لے رہا ہے۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں۔ جیسے ہی یہ کیس حل ہوا میں فوراً تمہیں لاہور لے جاؤں گا اور کتابیں دلاؤں گا۔ ٹھیک ہے؟"

المیر نے اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر سر خم کیا۔ وہ ایسا کرتے ہوئے عالیہ کو بہت کیوٹ لگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے بھائی... لیکن پلیز کو شش ک- کریں کہ کیس جلدی ح- حل ہو جائے۔ میں آپ کے ساتھ بہت سا وقت گزارنا چاہتی ہوں۔" عالیہ کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ ابھری۔ جو کئی دنوں بعد المیر کو دیکھنے کو ملی تھی۔

"اوکے۔ لیکن ابھی تو تم سے ملنے کوئی اور آیا ہے..." المیر کی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھری۔ وہ عالیہ کو نیچے بھیجنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔

"کون آیا ہے بھائی؟" عالیہ نے الجھ کر پوچھا۔

"وہی جسے مشکل سے میں اپنا بہنوئی مانتا ہوں!" المیر نے ناک چڑھائی۔ عالیہ اس کے انداز پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اچھا... تبھی میں س-سوچوں آپ آج اتنی جلدی ڈ-ڈیوٹی سے گھر کیسے آ-آ گئے۔یقیناً راحم نے آپ کو گ-گن پوائنٹ پر گھر جلدی آنے کی د-دھمکی دی ہو گی، ہے نا؟"

"اتنا کریڈٹ نہ دیا کرو اسے۔میں خود آیا ہوں تم سے ملنے۔۔"المیر نے مصنوعی ناراضی دکھائی جبکہ عالیہ اس کے دائیں ہاتھ میں پہنی انگوٹھی اتارنے میں مصروف ہو گئی۔

یہ اس کی پرانی عادت تھی۔المیر کی انگوٹھیاں اسے بے حد پسند تھیں۔اور وہ ہمیشہ باتوں میں الجھا کر کوئی نہ کوئی انگوٹھی اتار ہی لیتی تھی۔

المیر نے ہلکا سا سر جھٹکا۔"اچھا اب میں نیچے جا رہا ہوں۔تم بھی آ جاؤ۔ماما نے بریانی بنائی ہے اور بابا بھی آفس سے آ چکے ہیں۔وہاج مووی ڈھونڈ رہا ہے۔پھر ہم سب ساتھ بیٹھ کر دیکھیں گے۔"

یہ سننا تھا کہ عالیہ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ جیسے کسی کا ذکر اُسے ناگوار گزرا ہو۔المیر نے فوراً نوٹ کیا تھا۔

وہ کچھ کہنے کے لیے لب کھولنے ہی والا تھا کہ عالیہ نے تیزی سے سر ہلایا۔بیڈ سے اتری اور بنا کچھ کہے باتھروم میں گھس گئی۔

المیر دروازے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

یہ رویہ... یہ ہچکچاہٹ... یہ خوف...

یہ سب نارمل نہیں تھا۔

المیر نے ایک گہری سانس لی۔عالیہ سے سچ نکلوانے کا ایک آخری حربہ باقی تھا۔جو کہ وہ جلد ہی آزمانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

لاؤنج میں ہلکی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جس کی نرمی ماحول کو ایک گہری سی سکون بخش خاموشی دے رہی تھی۔ دیوار کے ساتھ رکھے ہوادار پردے ہر سیکنڈ بعد ہلکی سی جنبش کے ساتھ سرسراتے۔

پورے کمرے میں بریانی کی خوشبو رچی بسی تھی۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی ڈائننگ ٹیبل پر رکھی گئی تھی۔ خوشبوؤں کے اس امتزاج میں موتیے کے تازہ پھولوں کی مہک بھی شامل تھی۔ جو دروازے کے پاس رکھی کانچ کی پلیٹ میں رکھے تھے۔

مووی شروع ہو چکی تھی۔ سب ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھے۔ مگر راحم کی نظریں سیڑھیوں پر ٹکی تھیں۔ عالیہ ابھی تک نیچے نہیں آئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ پھر بھی دل بے چین تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور چہرہ واپس اسکرین کی طرف کر لیا۔

ابھی کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ راحم کے ساتھ آکر ایک وجود بیٹھا۔اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔وہ اپنی بیوی کو اس مہک سے پہچانتا تھا۔موتیے کے پھولوں کی لطیف مہک۔وہی مخصوص مہک جو اس کے قریب ہونے کا پتا دیتی تھی۔راحم کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیسی ہو،عالیہ؟"راحم نے چہرے پر مسکان سجائے نہایت پُر سکون انداز میں پوچھا۔کچھ فاصلے پر بیٹھے المیر کی نظریں عالیہ پر ٹک گئیں۔جواب کچھ بہتر لگ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسے ہیں؟"عالیہ نے نرمی سے پوچھا۔

"اب ٹھیک ہوں۔"راحم کے مختصر جواب کا مطلب شاید عالیہ کو سمجھ نہیں آیا۔لیکن وہ پھر بھی مسکرا دی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content!

راحم نے اب چہرہ اس کی طرف موڑ لیا تھا۔وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ کہیں پیچھے رہ گئے تھے۔ نظریں اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔وہ کتنی کمزور، کتنی بیمار لگ رہی تھی۔ دودھیا رنگت رکھنے والی وہ لڑکی...جو کبھی چمکتی دمکتی نظر آتی تھی۔اب پھیکی پڑ چکی تھی۔

اس کے چہرے کی تازگی جیسے کہیں کھو گئی تھی۔جیسے کسی نے جینے کی امید ہی چھین لی ہو۔ لیکن راحم رضا کو عالیہ خلیل بنا خوبصورتی کے بھی قبول تھی۔اس کے لیے یہ چہرہ نہیں۔یہ رشتہ اہم تھا۔

"دن بہ دن خوبصورت ہوتی جا رہی ہو۔"عالیہ کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"طنز کر رہے ہیں؟"بھوری آنکھیں راحم کی سبز مائل آنکھوں سے ملیں۔

"میں تم پر طنز کر سکتا ہوں؟"راحم کے لیے دنیا میں سب غلط ہو سکتے تھے۔مگر عالیہ نہیں۔ وہ سب کو برا بھلا کہہ سکتا تھا بلکہ کہتا بھی تھا پر عالیہ کو نہ وہ کچھ کہتا تھا نہ ہی کسی کو کہنے دیتا تھا۔

"آپ نے مجھے کتاب شائع ہونے کی مبارک باد نہیں دی۔" اس نے جیسے بات کا رخ بدل دیا۔ شاید وہ اس گفتگو کو مزید طول نہیں دینا چاہتی تھی۔

"جب کتاب میرے ہاتھ میں آئے گی۔ تب مبارک باد دوں گا۔ شادی کے کارڈ کے ساتھ۔"

"کس کی شادی کا کارڈ؟" عالیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہاری اور میری۔ ہماری شادی اور کس کی؟" راحم کے لہجے میں ایک عجیب سا اطمینان تھا۔ مگر عالیہ کی آنکھوں میں اس مدھم روشنی میں بھی ایک ان کہی سی اداسی جھلکنے لگی۔ یہ کس بات کا دکھ تھا؟ کیا وہ اس رشتے سے خوش نہیں تھی؟ کیا یہ صرف ایک سمجھوتا تھا؟

راحم کے ذہن میں یہ سوال اکثر آتے تھے۔ وہ جب بھی عالیہ کی شرائط کو یاد کرتا۔ اس کے دل میں وسوسے جنم لینے لگتے۔ کیا وہ واقعی اس رشتے پر خوش تھی؟ کیا یہ سب اس کی اپنی مرضی سے ہوا تھا؟ جب عالیہ نے آگے پڑھنے کی شرط رکھی اور پھر پہلی کتاب شائع ہونے

تک کا انتظار کرنے کی دوسری شرط سامنے آئی تو راحم کے ذہن میں سب سے پہلا آنے والا خیال یہی تھا کہ ایسا تو نہیں کہ عالیہ خوش نہیں تھی اس رشتے سے؟ روز صبح راحم کی جب آنکھ کھلتی تو سب سے پہلا خیال اس کے ذہن میں یہی آتا تھا۔ وہ نماز میں بھی یہی دعا کرتا تھا جو بھی فیصلہ ہوا ہے وہ عالیہ کی مرضی کے مطابق ہوا ہو۔

"راحم؟" عالیہ کی آواز پر وہ خیالات کی دنیا سے باہر آیا۔

"ہوں؟"

"وقت کسی کے لیے نہیں تھمتا، نا؟" راحم نے بغور اسے دیکھا۔ سوال سنجیدہ تھا۔

"میرے لیے تو تھم جاتا ہے۔ جب بھی میں تمہیں اپنے سامنے پاتا ہوں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اتنا مختصر... مگر اتنا گہرا جواب کہ عالیہ کی مسکراہٹ ایک پل میں آئی تھی اور ساتھ ہی غائب ہو گئی۔ وہ شاید کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر وقت نہیں تھا ان باتوں کا۔

"راحم، آپ ہمیشہ میرا خیال رکھیں گے نا؟" اس کی آنکھوں میں امید تھی۔ ایک التجا تھی۔

"یہ کیسا سوال ہے؟ تم میری دنیا ہو لڑکی، اور میں اپنی دنیا کا خیال نہ رکھوں تو تف ہے مجھ پر۔"

"وعدہ کریں.. آپ میرے بھائی کا ساتھ بھی کبھی نہیں چھوڑیں گے۔" عالیہ جانتی تھی کہ راحم وعدے نبھانے والوں میں سے تھا۔

"پکا وعدہ۔ میں تمہارا اور تمہارے بھائی کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔"

کمرے میں بریانی کی خوشبو اب بھی پھیلی ہوئی تھی۔ مگر عالیہ کے دل کو جو سکون ملا تھا وہ کسی بھی خوشبو سے بڑھ کر تھا۔

مووی اپنے اختتام کو پہنچی تو راحم کی بہن زہرہ کی کال آگئی۔نانی کی شوگر کی دوا ختم ہو چکی تھی۔اور چونکہ وہ جلدی سو جاتی تھیں۔اس لیے راحم نے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔سب سے مل کر وہ فارمیسی کی طرف روانہ ہونے کے لیے خلیل منزل سے باہر نکلا۔گھر تو قریب ہی تھا۔مگر فارمیسی کچھ فاصلے پر تھی۔اس لیے جلدی نکلنا بہتر سمجھا۔

اس کے پیچھے المیر اور وہاج بھی اسے چھوڑنے باہر آگئے۔وہ دونوں ہمیشہ کی طرح بے تکلف انداز میں کھڑے تھے۔مگر راحم کے اندر کچھ اور ہی چل رہا تھا۔ان سے ہاتھ ملا کر اس نے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔لیکن اسی لمحے اسے اپنی پشت پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی۔وہ فوراً پلٹا۔

سامنے ہی وہ اپنے کمرے کے ٹیرس پر کھڑی تھی۔عالیہ۔

یہ شاید پہلی بار ہوا تھا کہ وہ یوں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ورنہ اکثر تو وہ خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر ہی نہ آتی تھی۔ اور آج... آج وہ کھڑی تھی۔۔

راحم نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی خوشی تھی۔ کچھ لمحوں کے لیے وقت جیسے تھم سا گیا۔ ہاتھ ہوا میں ہی رہ گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ عالیہ کیسا ردعمل دے گی۔

لیکن عالیہ کی نظریں اسی پر جمی تھیں۔ پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد... عالیہ نے بھی ہاتھ ہلا دیا۔

Clubb of Quality Content!

راحم کو ایک تسکین سی محسوس ہوئی۔ مگر عالیہ کی کیفیت اس سے الگ تھی۔ وہ ہمیشہ راحم کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر ہمیشہ؟ ہمیشہ بہت بڑا لفظ تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ لوگ ہمیشہ نزدیک رہنے کے لئے نہیں ہوتے۔ کچھ رشتے ہمیشہ قائم نہیں رہتے۔ کچھ چیزیں ہمیشہ محفوظ نہیں رہتیں۔ کچھ لوگ ہمارے لئے اور ہم ان کے لیے نہیں ہوتے۔

راحم کے چہرے پر ایک مدھم اور مطمئن مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ لیکن جانے سے پہلے ایک آخری نظر عالیہ پر ڈالنا نہ بھولا۔

وہ اسے بھولتا ہی کہاں تھا؟

••—•ʚɞ•—••

اب منظر خلیل محمد کے کمرے کا تھا۔ آئمہ خلیل شیشے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کو جوڑے میں سمیٹ رہی تھیں۔ جب خلیل صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین تھے۔ جن کا کاروباری دنیا میں بڑا نام تھا۔ روایت جیولرز.. جو ان کے اجداد سے چلا آرہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ پراپرٹی کے کاروبار سے بھی وابستہ تھے اور ان دونوں شعبوں میں بے پناہ منافع کی بدولت خاندان کے امیر ترین فرد شمار ہوتے تھے۔

خلیل محمد ایک وجیہہ مرد تھے۔ درمیانے قد اور دودھیا رنگت کے ساتھ ان کی شخصیت میں ایک دبدبہ تھا۔ جس کے باعث ان کی اپنی اولاد بھی ان سے مرعوب رہتی تھی۔ دوسری طرف ان کی اہلیہ، آئمہ خلیل، سانولی مگر دلکش نقوش کی مالک تھیں۔ ان کی خوش اخلاقی اور خوش مزاجی ہر محفل میں انہیں نمایاں کر دیتی۔ وہ ہمیشہ سنور کر رہنے کی قائل تھیں۔ ان کا ماننا تھا کہ عورت کا حسن ہی اس کی اصل دولت ہوتا ہے۔ اس لیے اسے ہمیشہ آراستہ رہنا چاہیے۔ آج بھی ان کی چوتھی انگلی میں ایک قیمتی ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی جو وہ روز بدل بدل کر پہنا کرتی تھیں۔ گلے میں سونے کا ہار ہمیشہ کی طرح ان کی گردن کی زینت بنا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

خلیل صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو آئمہ خلیل نے فوراً ان کے چہرے پر پھیلی الجھن کو بھانپ لیا۔ وہ آکر بیڈ پر بیٹھ گئے اور جوتے اتارنے لگے۔ آئمہ خلیل بھی ان کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔

"خیریت ہے، خلیل؟ آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔" انہوں نے ابرو اچکاتے ہوئے شوہر کی طرف دیکھا۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس عالیہ کی صحت کو لے کر فکر مند ہوں۔ جلد ہی اس کی شادی ہے۔ مگر اس نے جیسے اپنا خیال رکھنا چھوڑ دیا ہے۔" خلیل صاحب نے پیشانی مسلتے ہوئے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"میں نے بات کی تھی اس سے۔ مگر اس کا کہنا ہے کہ وہ ٹھیک ہے۔ کہتی ہے کہ روز نئی کہانیاں اور پلاٹ سوچنے کی وجہ سے کھانے پینے پر دھیان نہیں دے سکی۔ اسی لیے کمزور ہو گئی ہے۔" آئمہ بیگم نے دھیرے سے کہا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تم ایک کام کرو۔ کل دوبارہ بات کرو اس سے۔ دیکھو کہیں کوئی اور مسئلہ تو نہیں۔" خلیل صاحب نے گہری سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نہ صرف اس سے بات کروں گی بلکہ سمجھانے کی بھی پوری کوشش کروں گی۔" آئمہ بیگم نے تسلی دی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

عالیہ کو کمرے میں بھیجنے کے بعد وہ کچھ لمحے یونہی ہال میں بیٹھا رہا۔اس کی سُرمئی آنکھیں سامنے رکھے ٹی وی پر مرکوز تھیں۔اسکرین پر نا جانے کیا چل رہا تھا اس کا دھیان اس کی طرف نہ تھا۔وہ کہیں اور ہی گم تھا۔اس کے ہاتھ میں ٹی وی کا ریموٹ تھا جسے وہ کاؤچ کی ہتھی کے حصے پر مسلسل مار رہا تھا۔اس عمل سے نکلتی ٹھک ٹھک کی آواز زیادہ اونچی تو نہیں تھی پر کچھ فاصلے پر بیٹھے وہاج کو ضرور تنگ کر رہی تھی۔

"بھائی۔۔خیریت ہے؟"اس نے المیر کو پکارا۔المیر نے جب جواب میں کوئی حرکت نہ کی تو وہاج چونکا۔کچھ آگے کو ہوتے اس نے اپنے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

"برادر۔۔۔؟"اس نے دھیرے سے اُسے پھر سے پکارا تو المیر نے جھٹکے سے اپنی دائیں جانب دیکھا۔"ہاں...کیا ہوا؟"

"عجیب بات ہے۔یہی سوال میں نے ابھی آپ سے کیا۔کوئی بات ہوگئی ہے کیا؟"المیر کو خاموش رہنے کی عادت تھی۔وہ زیادہ سے زیادہ خاموش ہی رہتا تھا۔لیکن اس میں ایک بات منفرد تھی کہ اکثر خاموش رہنے والے دوسرے لوگوں کی طرح وہ گھنٹوں بیٹھ کر کثرتِ خیال نہیں کرتا تھا۔اُسے بے جا غور و فکر کرنے کی عادت نہیں تھی۔لیکن خلافِ معمول اُسے گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر وہاج نے خیریت معلوم کرنی ضروری سمجھی۔

"نہیں...کچھ نہیں ہوا۔میں عالیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا بس۔تم چھوڑو مجھے بتاؤ کیا کر رہے ہو؟"اس نے وہاج کے ہاتھوں میں ایک البم پکڑی دیکھی تو سوال کیا۔

Clubb of Quality Content!

"ماما بابا کی شادی کی تصویریں دیکھ رہا ہوں۔آپ بھی دیکھیں گے؟"المیر نے اس کی بات پر سر جھٹکا۔

"کتنی بار دیکھو گے؟"وہاج اپنی پیدائش سے لے کر اب تک شاید یہ البم ساٹھ دفعہ دیکھ چکا تھا۔اُسے اپنی والدہ بنی سنوری ہوئیں بہت خوبصورت لگتی تھیں۔اس لئے وہ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔

"بس ایک اور بار..." وہ کہتے ہوئے مسکرایا۔البم کا ایک حصہ پلٹا تو وہ اس پر ایک تصویر دیکھ کر مسکرایا۔

اس تصویر میں اس کی ماں ایک چھوٹے سے برآمدے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔انھوں نے سرخ رنگ کا کام والا جوڑا پہن رکھا تھا۔چہرے پر ہلکا سا میک اپ اور کلائیوں میں سونے کے کنگن موجود تھے۔

"بھائی... یہ دیکھیں..."اس نے البم المیر کی طرف بڑھائی۔ایک تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے اس نے المیر کو اس طرف متوجہ کیا۔

المیر کی نظر آئمہ خلیل پر پڑی۔وہ واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔انہیں دیکھ کر وہ مسکایا۔اثبات میں سر ہلاتے اس نے وہاج کو دیکھا جو کہ اسی تصویر کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

المیر کو دکھانے کے بعد ابھی اس نے البم اپنی طرف کی جب المیر نے اُسے دوسرے کونے سے تھام لیا۔"ایک منٹ...ایک منٹ..."اُس نے البم اُس سے لے کر ہاتھوں میں تھامی۔

اُس کی نظریں ایک بار پھر سے تصویر پر مرکوز تھیں۔ لیکن اس دفعہ وہ آئمہ خلیل کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کے پیچھے رکھی کچھ کرسیوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کرسیاں...کچھ جانی پہچانی تھیں۔

اس نے پہلے انہیں کہاں دیکھا تھا؟ وہ سوچ میں ڈوب چکا تھا کہ اچانک اس کا ذہن ایک طرف گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے بالکل ایسی ہی شیشم سے بنی کرسی کرائم سین پر دیکھی تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ کرسی انہی میں سے ایک تھی تو غلط نہ ہوگا۔ یہ بات تو المیر اچھے سے جانتا تھا کہ سالوں سے فرنیچر اور لکڑی کا تمام سامان خلیل محمد ایک ہی بڑھئی سے بنواتے آرہے ہیں۔ وہ آدمی لکڑی کا کام اپنے ہاتھوں سے کرتا تھا اور اس کام میں بہت ماہر تھا۔

وہ کل اس آدمی سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہوئے کاؤچ سے اٹھ کھڑا ہوا اور البم جاتے جاتے وہاج کو پکڑا گیا۔

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ آسمان پر ہلکی چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور گلی میں چھوٹی چھوٹی روشنیاں جل رہی تھیں۔ وہ درمیانے سائز کا ایک صاف ستھرا مکان تھا۔ جس کی بیرونی دیواروں پر اسکن کلر کا رنگ کیا گیا تھا اور ان ہی میں سے ایک پر رحمان امین کے نام کی تختی بھی لگی ہوئی تھی۔ گھر سنگل فلور پر مشتمل تھا اور اس میں تین کمرے.. ایک کشادہ برآمدہ اور ایک چھوٹا سا کار پورچ اور لان تھا۔ جہاں کچھ گملے رکھے ہوئے تھے۔ گھر کے اندر سادگی اور نفاست کا امتزاج نظر آتا تھا۔

برآمدے میں ایک بڑی ایل ای ڈی نصب تھی۔ جس کے سامنے ایک آرام دہ صوفہ سیٹ پڑا تھا۔ مگر اس وقت مہوین امین صوفے کی بجائے زمین پر بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے ٹی وی پر انگلینڈ اور ساؤتھ افریقہ کے درمیان ایک سنسنی خیز میچ جاری تھا۔ انگلینڈ کو فتح حاصل کرنے

کے لیے گیارہ گیندوں پر اٹھائیس رنز درکار تھے۔اور میچ کی شدت نے اُسے بے چین کرر کھا تھا۔

اگر کرکٹ کی بات کی جائے تو اشفاامین کو کرکٹ دیکھنے کا زیادہ شوق نہیں تھا۔وہ تو محض اپنی چھوٹی بہن کی پسندیدہ ٹیم ۔۔انگلینڈ کو سپورٹ کرنے کے لیے بیٹھ جایا کرتی تھی۔

مگر مہوین کو بچپن ہی سے کرکٹ سے بے پناہ لگاؤ تھا۔انگلینڈ کا کوئی بھی میچ ہوتا تو وہ اپنی تمام ترا پائنٹمنٹس کینسل کر کے میچ دیکھنے بیٹھ جاتی۔اس کا ماننا تھا کہ اگر ذہن کا زیادہ تر حصہ کرکٹ میں الجھا ہو تو مریض کا علاج کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔آج بھی اس نے اپنی چار بجے کے بعد کی دوا پائنٹمنٹس منسوخ کر دی تھیں۔

"چوبیس گیندوں سے ایک بھی باؤنڈری نہیں ہوئی...آج اگر ہار گئے تو قسم کھا کر کہہ رہی ہوں کہ آئندہ کرکٹ نہیں دیکھوں گی!"مہوین نے مایوسی سے چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا۔

برآمدے میں خاموشی اور اداسی کا سا ماحول تھا۔

"پلیز..اس دفعہ کسی پرانی چیز کی قسم کھالینا۔اس بہانے نئی آجائے گی۔"اشفا کی شہد رنگ آنکھوں میں شرارت تھی۔

"آپی...!"مہوین نے ناراضی سے بہن کو دیکھا۔

"جی آپی کی جان۔۔بولیے؟"اشفا نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔ مگر مہوین نے منہ پھلا لیا۔

مہوین کی ناراضی دیکھ کر اشفا نے ایک نظر اپنی بہن پر ڈالی اور دوسری ٹی وی کی سکرین پر جس پر انگلینڈ کی فتح کے کوئی امکان دور دور تک نظر نہیں آرہے تھے۔ساتھ میں بیٹھی مہوین کی نظر اپنے بیگ پر پڑی تو اسے اچانک کچھ یاد آگیا۔آج کا واقعہ اس کے ذہن میں تازہ ہو گیا۔عالیہ کے ساتھ اس کا سیشن حد سے زیادہ سنجیدہ اور عجیب تھا۔وہ ہر بار کوشش کرتی کہ عالیہ کو ہنستا ہوا دیکھے یا کم از کم اپنے کسی رشتے دار کا نمبر ہی دے دے۔

کچھ سوچ کر مہوین تھوڑی آگے ہوئی اور ہاتھ بڑھا کر بیگ اٹھالیا۔ایک نظر ٹی وی پر ڈالی اور دوسری بیگ پر۔ زپ کھولی اور وہی بھورے غلاف والی کتاب نکال کر بہن کے سامنے رکھ دی۔

اشفا نے کتاب کا غلاف دیکھ کر دلچسپی لی۔ ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھایا۔ غلاف پر ایک پنجرا بنا ہوا تھا جس کے اندر سرخ اور سیاہ رنگ کا پرندہ قید تھا۔ شاید بلبل تھی۔ کتاب کا نام دیکھ کر اس کے ماتھے پر ہلکی شکنیں ابھریں۔ نو وے آؤٹ؟ آج سے پہلے تو کسی بھی بکسٹور پر اس نے اس نام کی کوئی کتاب نہیں دیکھی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کہاں سے لی یہ کتاب؟" اشفا نے کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"چوکا ہو جائے.. چوکا ہو جائے...!" مہوین بڑبڑاتے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ کیونکہ اب میچ یا تو جیت کی طرف جانے والا تھا یا ہار کی طرف۔

اسکرین پر انگلینڈ کے بلے باز نے چوکا لگانے کی کوشش کی۔ مگر فیلڈر نے بال روک لی۔ زمین پر بیٹھی مہوین نے سر پکڑ لیا۔انگلینڈ میچ ہار چکا تھا۔بلکہ یوں کہنا بہتر ہو گا کہ وہ پورے ٹورنامنٹ سے باہر ہو چکا تھا۔

"میں بھی کس کو سپورٹ کرنے بیٹھ گئی...اوہوں۔"اس نے افسوس کا اظہار کیا۔ پھر کتاب کی طرف دیکھا۔"اچھا آپی..یہ کتاب مجھے ایک مریضہ نے دی ہے۔اتنا مجھے اس کی حالت نے پریشان نہیں کیا۔جتنا اس کا مجھے یہ کتاب دینا عجیب لگا ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیوں؟"اشفا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپی۔۔مہینے میں ایک ناں ایک مریض میرے پاس ایسا ضرور آتا ہے جو اینزائٹی یا ڈپریشن کا شکار ہوتا ہے۔ایسے مریضوں کو میں دو مہینے کا فالو اپ لکھ کر دیتی ہوں اور اکثر وہ دو کی بجائے ایک ہی مہینے میں بہتر محسوس کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اس بار..."اس کے چہرے پر الجھن نمایاں تھی۔

"اس بار کیا؟" اشفا نے دلچسپی لی۔

"اس بار ایسا نہیں ہو سکا۔ پانچ مہینوں سے ایک مریضہ میرے پاس آ رہی ہے...اور ہر مہینے اس کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ آج گھر آنے سے پہلے اس کے ساتھ میرا چھٹا سیشن تھا۔ پچھلے مہینے کی نسبت اس کی کیفیت زیادہ پیچیدہ ہو چکی ہے۔"

"کوئی ماضی کا صدمہ؟" اشفا نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

"اس نے اپنے بارے میں واضع الفاظ میں کبھی بات نہیں کی۔ مجھے یاد ہے جب اس کا میرے ساتھ پہلا سیشن تھا تو اس نے مجھے ایک کہانی سنائی تھی۔ اس دن سے لے کر آج تک اس نے کبھی اپنا ذکر نہیں کیا۔ وہ مجھے اس کہانی کے کرداروں کے جذبات، احساسات اور حقائق سے آگاہ کرتی رہتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ ان کرداروں میں سے کسی ایک سے گہری وبستگی رکھتی ہے یا ان میں سے ایک ہی خود ہے۔ اس کی حالت نے مجھے بہت بے چین کیا ہوا ہے۔ نہ جانے کس اذیت کا شکار ہے وہ۔" مہوین نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"کہانی... کیسی کہانی؟" اشفا نے گہری نظروں سے بہن کو دیکھا۔

"آپی آپ جانتی ہیں میں ایک مریض اور اپنے درمیان ہوئی گفتگو کو آؤٹ نہیں کر سکتی..." مہوین نے مسکراتے ہوئے اُسے جواب دیا۔ اشفا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "آپی یاد آیا۔ آج جب اس نے مجھے یہ کتاب دی تو اس نے دیتے وقت کچھ کہا بھی تھا۔ کیا تھا وہ؟ ہاں... یہ کتاب اس نے کسی انوکٹس کے نام لکھی ہے۔ انوکٹس کیا ہوتا ہے؟" مہوین کے لہجے میں تشویش تھی۔

"انوکٹس یعنی ناقابلِ شکست۔ انوکٹس ایک لاطینی لفظ ہے۔ صدیوں پہلے ایک انگریز شاعر نے اس لفظ پر انگریزی میں ایک نظم لکھی تھی۔ بس اسی وجہ سے اس لفظ سے بہت زیادہ تو نہیں پر کچھ لوگ واقف ہیں۔" اس نے کتاب پر نظریں ٹھہرا رکھی تھیں۔

"کافی عجیب لفظ ہے۔ آج سے پہلے کبھی نہیں سنا میں نے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

اشفا نے اس کے چہرے پر چھائے الجھن کے تاثرات دیکھے۔ "بس یہی کہا تھا اس نے؟"

"ہاں...بس..."مہوین کی بات ادھوری رہ گئی۔ پھر اچانک اس کے دماغ میں ایک جھماکا ہوا۔
"اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کتاب اُسے دے دینا۔"

"کسے دے دینا؟" اشفا نے چونک کر سوال کیا تو مہوین نے کندھے اچکائے۔

"پوچھا تھا میں نے پر اس نے بتایا نہیں۔" اشفا نے اس کے جواب پر سر اثبات میں ہلایا پھر کتاب کے غلاف پر نظریں جماتے کسی گہری سوچ میں مبتلا ہو گئی۔ "ہو سکتا ہے جس کے نام لکھی ہے...یعنی انوکٹس کے...اسی کو دینے کے لئے کہنا چاہ رہی ہو۔"

"چھوڑیں آپی۔ صبح اس پر غور کریں گے۔" مہوین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور سہارا لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ کچن کی طرف بڑھ گئی جبکہ اشفا کتاب کو دیکھتے ہوئے الجھ چکی تھی۔

علیم رضا کا گھر خلیل محمد کے گھر کے بالکل سامنے تھا۔ یہ پشتینی مکان جو باہر سے سفید رنگ کا تھا اور دو منزلوں پر مشتمل تھا۔۔ علیم رضا کو اپنے والد سے وراثت میں ملا تھا۔ راحم کو پیدا ہوئے انیتس سال ہو چکے تھے اور وہ تب سے اسی گھر میں مقیم تھا۔

گھر بظاہر سادہ مگر نفاست سے تعمیر کیا گیا تھا۔ کہ کوئی بھی دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ سالوں پرانا ہے۔ اندرونی حصے میں پہلی منزل پر دو کمرے تھے جبکہ دوسری منزل پر تین کمرے موجود تھے۔ پورے گھر میں مختلف قسم کے پھولوں کے گملے رکھے گئے تھے۔ جو ہر وقت گھر کو مہکائے رکھتے تھے۔

خلیل محمد اور علیم رضا کی دوستی ویسی ہی تھی جیسی آج کی تاریخ میں راحم اور المیر کی تھی۔ وہ دونوں بچپن سے ایک ساتھ تھے۔ ایک ہی اسکول اور پھر ایک ہی کالج سے پڑھے تھے صرف گریجویٹ مختلف یونیورسٹیوں سے ہوئے۔

المیر خلیل کی پیدائش سے پہلے خلیل محمد کو ایک دوست نے فرانس میں کام کے سلسلے میں بلایا تو انہوں نے اپنی زندگی کے چند سال وہاں سونے کے کاروبار میں گزارے۔المیر کی پیدائش فرانس کے شہر پیرس کے ایک نامی گرامی ہسپتال میں ہوئی تھی۔جب یہ خبر پاکستان میں موجود علیم رضا تک پہنچی تو انہوں نے اپنے نام سے ملتا جُلتا نام خلیل محمد کے پہلے بیٹے کے لیے تجویز کیا جو خلیل محمد کو فوراً پسند آ گیا۔

المیر کی پیدائش کے بعد خلیل محمد نے کاروبار میں خوب منافع حاصل کیا۔اسی دوران انہوں نے پیسے جوڑ کر علیم رضا کی طرف پاکستان بھیجے۔جنہوں نے ان کے لیے اپنے ہی محلے میں ایک مکان خرید لیا۔جہاں آج خلیل محمد رہائش پذیر تھے۔

اس کے چند مہینوں بعد جب خلیل محمد پاکستان واپس آئے، تو کچھ وجوہات کی بنا پر انہوں نے اس نئے مکان کو کرائے پر دے دیا اور اپنے پرانے محلے میں رہنے لگے۔لیکن علیم رضا کی اچانک وفات کے بعد خلیل محمد نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے نئے گھر میں منتقل ہو جائیں گے تا کہ راحم اور زہرہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کر سکیں۔ارادہ تو ان کا یہی تھا کہ جلد از جلد اپنے نئے

گھر میں قدم رکھیں پر قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں نئے گھر میں منتقل ہونے میں چند سال لگ گئے۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ ہر جگہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اس وقت اسلام آباد کی ایک سڑک پر موجود تھے۔ المیر اپنی بائیک کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا جبکہ راحم اپنی گاڑی کے بانٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

Clubb of Quality Content

ہوا میں ہلکی خنکی محسوس کی جاسکتی تھی اور کافی حد تک دھند بھی آسمان پر بسیرا کیے ہوئے تھی۔ شلوار قمیض میں ملبوس المیر خلیل اور راحم رضا ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے آئس کریم کھا رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے ہی راحم اکیلے صدر سے خریدی گئی کون آئس کریم کے مزے اڑا چکا تھا۔ اور جناب پھر سے المیر کے ساتھ آئس کریم کھانے آ گئے تھے۔

المیر چاکلیٹ فلیور پسند کرتا تھا اور راحم کو ونیلا پسند تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ ایک مسکرانے کو فرض سمجھتا تھا تو دوسرا مسکرانے کو جرم۔ ایک کا پسندیدہ رنگ سیاہ تھا تو دوسرے کا سفید۔ ایک اپنے حسنِ سلوک سے لوگوں کا دل جیتنا جانتا تھا اور دوسرا اس ہر معاملے سے دوری اختیار کرنا ہی بہتر سمجھتا تھا جس سے کسی کی دلی وابستگی ہو۔ ایک دل تھا تو دوسرا دماغ۔ ایک کا ہاتھوں سے زیادہ دماغ چلتا تھا تو دوسرے کے دماغ سے زیادہ ہاتھ۔ ان کی مثال ایسی تھی جیسے کاربن اور آکسیجن۔ جو کہ ساتھ مل کر سب کے لیے فائدہ مند تھے۔

باتوں میں سے باتیں نکلیں تو المیر کو آج کے واقِعات یاد آئے۔ "کرائم سین سے اٹھائے گئے فنگر پرنٹس کو ڈیٹابیس سے میچ کیا تھا محمت نے۔ کوئی گزشتہ کریمینل ریکارڈ نہیں ملا یعنی کُرتے پر موجود انگلیوں کے نشان ہمارے کسی پرانے مجرم کے نہیں ہیں۔ اب نیشنل ڈیٹابیس کے دفتر میں میچ کروانے کے لئے دیا ہوا ہے۔ بس ایک اور سوراغ مل جائے..."

"ہوں۔۔۔ محمت نے جس دوسرے گارڈ کے گھر کی لوکیشن کے بارے میں پتا کروایا تھا اس سے ملاقات ہو گئی؟" چیچ بڑھ کر آئس کریم منہ میں ڈالی۔

"میرا اندازہ ٹھیک تھا۔ وہ شہر چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ گھر جا کر تھوڑی سی ہاتھوں کی صفائی دکھائی اور اس نے سب کچھ اگل دیا۔" آئس کریم کا کپ اس نے اپنے ہاتھ سے ہوا میں اچھالا اور پاؤں اوپر کر کے اُسے لات ماری جس سے کپ دور جا گرا۔ "مرڈر کی رات اس نے گولی چلنے کی آواز سنی تھی لیکن کرائم سین سے نہیں بلکہ اس کی دائیں جانب سے۔ جس نے وہاں وہ کُرتا اور کرسی پلانٹ کیے ہیں اس نے اُسے دھمکایا تھا تب ہی نجیب حسن رات و رات فرار ہو گیا۔ کوئی گہرا ثبوت تو نہیں مل پایا اس لئے اب ایک ایک کر کے پورے مال روڈ کی چھان بین کروں گا۔"

"نجیب نے اس دھمکانے والے کا کوئی اسکیچ نہیں بنوایا؟" اس نے سوال کیا۔

"کہتا ہے اندھیرا بہت تھا۔ کچھ خاص دیکھ نہیں پایا وہ۔"

"اور جائے واردات کے مالک کا کچھ پتا چلا؟" المیر نے نفی میں سر ہلایا۔ محلے والوں سے سوالات کرنے پر معلوم ہوا کہ جگہ جب سے کھنڈر کی شکل اختیار کیے ہوئی ہے تب سے یہاں کسی کا آنا جانا نہیں ہوا۔ نہ ہی کسی انسان کو یہ کہتے سنا کہ یہ جگہ اس کی ملکیت ہے۔ لیکن یہ بات حیران کن تھی کہ ایک اتنا بڑا پلاٹ جس پر کبھی عمارتیں اور دکانیں ہوا کرتی تھیں۔ آج اس کا کوئی مالک ہی نہ تھا۔

"میں نے ایک بندہ اس کام پر لگا دیا ہے۔ جلد ہی جگہ کے مالک کا پتا چل جائے گا۔" وہ رکا پھر جیسے ایک خیال نے اُسے بولنے پر مجبور کر دیا، "اچھا، المیر... عامر علی کے کیس میں بہت عرصے کے بعد ایک لیڈ ملی ہے۔ میں چاہتا ہوں جمال کے کیس کے ساتھ ساتھ تم اس میں بھی میری مدد کرو۔ جب تک کیس کی مکمل طور پر معلومات نہیں مل جاتیں کیس کے دوبارہ کھلنے کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔" آئس کریم ختم کرنے کے بعد اس نے کپ گاڑی کے بونٹ پر رکھ دیا اور خود وہاں سے نیچے اتر گیا۔

"ہاں ضرور لیکن میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں؟" گاڑی کے اندر سے پانی کی بوتل نکال کر وہ اُس سے پانی پی رہا تھا۔ اُسے عادت تھی آئس کریم کھانے کے بعد پانی پینے کی۔

"تمہیں فرانس جانا ہو گا۔فرانس کے دیہات میں واقعہ روکا مادور میں تمہیں ایک آدمی ملے گا۔ولیم نام کا۔وہ ایک خبری ہے۔تم اُسے نہیں ڈھونڈو گے۔وہ تمہیں ڈھونڈے گا۔تم نے بس میری بتائی ہوئی لوکیشن پر پہنچ کر اُسے سگنل دینا ہے۔"چونکہ المیر کی پیدائش فرانس میں ہوئی تھی اس لیے وہ راحم کے لیے بہترین انتخاب تھا۔المیر ہر دو تین سالوں میں ایک دفعہ فرانس ضرور جاتا تھا اس لیے وہ اچھی طرح اس کے ایک ایک علاقے سے واقف تھا۔

"لیکن تمہیں اس خبری کی خبر کہاں سے ملی؟"زیادہ چونکا دینے والی بات المیر کے لیے یہ تھی۔

Clubb of Quality Content!

"اس بات کو چھوڑو بس دسمبر کی کسی بھی تاریخ کو تمہیں فرانس جانا پڑ سکتا ہے۔اس لئے تیار رہنا۔"اس کے پوچھے گئے سوال کو ٹالتے ہوئے وہ بات کا رخ بدل گیا تھا۔

"شیور۔"وہ جانتا تھا راحم اُسے اس کے سوال کا جواب نہیں دے گا اس لیے اس نے مزید بات کو طول دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

تاریخ تھی پانچ دسمبر۔دن تھا منگل کا۔

نیند میں ڈوبی شہدرنگ آنکھیں بند تھیں۔سورج پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا پر اس کی کرنیں اشفاامین کے کمرے کی کھڑکیوں سے اندر نہیں آپا رہی تھیں۔اب ایسا کیوں تھا؟ کیونکہ کھڑکیوں کے آگے پڑے پردے گہرے سبز رنگ کے تھے۔اب اتنے گہرے رنگ سے تو مشکل ہی سے روشنی اندر آسکتی تھی اور اس کا علاج بھی اس نے کر رکھا تھا۔اس نے پردوں پر جگہ جگہ اخباریں چپکار کھی تھیں۔مہوین بارہا اُسے پردوں کی جگہ کھڑکی پر اخبار لگانے کا مشورہ دے چکی تھی لیکن اشفا کو اخبار ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لگانا دنیا کا سب سے مشکل کام لگ رہا تھا۔

اس کے گھر کے پاس ہر ہفتے ایک آدمی اخبار بیچنے آتا تھا اور اس میں بہت سی ایسی باتیں ہوتی تھیں جو اس کے کام آجایا کرتی تھیں۔اسی لیے وہ اخبار خریدتی تھی۔

وہ ہلکی سی کسمسائی۔ فون سے آتی آواز اس کی نیند میں خلل پیدا کر رہی تھی۔ پچھلے چند منٹوں سے اس کے فون سے مسلسل وائبریشن کی آواز آ رہی تھی۔ کوئی اُسے میسیجز کر رہا تھا۔

فون کچھ دیر یوں ہی وائبریٹ ہوتا رہا۔۔۔ اُس کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں کہ ایک زوردار آواز پر وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ وہ آواز الارم کی تھی جو اُس نے رات میں سونے سے پہلے فون پر لگایا تھا۔ کوئی اور ٹیون ہوتی تو شاید وہ کبھی نہ اٹھتی لیکن اس نے خاص پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز کو الارم کے طور پر لگایا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آنکھوں کو مسلتے ہوئے اس نے منہ کے زاویے بگاڑے۔ رات میں آرٹیکل پر کام کرتے ہوئے کب اُسے اتنا وقت ہو گیا کہ تین بج گئے وہ نہیں جانتی تھی۔ اسی وجہ سے اس کی صرف چار گھنٹے کی نیند ہو پائی تھی۔ جس کے باعث اشفا کا سر چکرا رہا تھا۔

اپنے اوپر سے کمبل ہٹاتے اس نے جمائی لی اور پھر آنکھوں کو پورا کھولنے کی کوشش کی۔ رات کو مسلسل لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھنے کی وجہ سے اب اس کی کمر میں شدید درد ہو رہا تھا۔

کراہتے ہوئے اس نے اپنے پیر بستر سے نیچے ٹھنڈے فرش پر رکھے اور کچھ لمحے یونہی بیٹھی رہی۔

ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے وہ اپنے قدموں پر زور ڈالتی کھڑی ہوئی۔ سامنے دیوار پر لگے شیشے میں اپنا عکس دیکھ کر لمحے بھر کے لیے اُسے حیرانی ہوئی۔ اس کا رنگ کافی پھیکا پڑ چکا تھا اور آنکھوں کے نیچے ہلکے کافی واضع تھے۔ چہرے پر آتے اپنے گھنگریالے بالوں کو پیچھے کرتے اس نے انہیں کیچر میں مقید کیا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ باتھروم کی طرف بڑھ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پانچ منٹ بعد وہ باتھروم سے نکلی۔ اب اس کا رُخ الماری کی طرف تھا۔ اُسے کھول کر وہ کپڑے ڈھونڈنے میں مصروف ہو گئی۔ نارنجی رنگ کی شلوار قمیض نکال کر اس نے الماری کے پاس دھری ہوئی کرسی پر کپڑے رکھ دیئے اور الماری کو احتیاط سے بند کیا۔

کپڑے بدلنے کے بعد.. اس نے بیڈ سے اپنا فون اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ مہوین اکثر اس کے سو کر جاگنے سے پہلے ہی نکل جایا کرتی تھی اور آج بھی وہ پہلے ہی نکل گئی تھی۔

ان کے پاس ایک ہی گاڑی تھی جو کہ اشفا استعمال میں لاتی تھی۔ اکثر وہی مہوین کو لفٹ دے دیا کرتی تھی لیکن معمول کے مطابق مہوین اپنی ایک فیلو کولیگ کے ساتھ ٹیکسی پر ہسپتال آیا جایا کرتی تھی۔

ابھی وہ گاڑی میں بیٹھی ہی تھی کہ اس کا فون بجنے لگا۔ چہرہ بائیں جانب موڑے بغیر اس نے نظر ساتھ والی نشست پر پڑے اپنے فون پر ڈالی۔ اسکرین پر جگمگاتا نام دیکھ کر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ہاتھ بڑھا کر اس نے فون اٹھایا اور کان سے لگالیا۔ "کیسی ہو اشفا؟" مقابل کی آواز سن کر اشفا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"آج صبح صبح کیسے یاد کرلیا مجھے آپ نے، راحم بھائی؟" لہجے میں خوشی واضح تھی۔

اشفاامین اور راحم رضا احمد کی ملاقات چند سال پہلے ہوئی تھی۔اشفا یہ بات تو جانتی تھی کہ راحم المیر کا سب سے قریبی دوست تھا لیکن اس سے زیادہ اشفا کو خوشی اس بات کی تھی کہ راحم عالیہ کا شوہر تھا۔راحم عالیہ کے لئے ایک دم پرفیکٹ تھا۔جیسے فیری ٹیلز میں قید ہوئی شہزادیوں کو بچانے کے لئے ایک بالکل مختلف لیکن پرفیکٹ لڑکا جاتا ہے ویسے ہی عالیہ کے لئے راحم کا انتخاب اُسے پرفیکٹ لگتا تھا۔

اشفااور راحم کی حرکتیں عموماً ایک جیسی ہوتی تھیں صرف ان کے نتیجے علیحدہ نکلتے تھے۔راحم کام کرتا تھا تو کام اکثر بگڑ جاتا تھا لیکن اشفا کام بگاڑ دیتی تھی اور وہ بھی اس نوعیت کا کہ سدھارنے سے بھی نہ سدھر پائے۔

یہ دونوں ایک دوسرے کے بہت کام آتے تھے جیسے آج راحم نے اشفا کو ایک چھوٹی سی فیور دینے کے لئے فون کیا تھا۔

"کافی دنوں سے کسی جاسوسہ نے مجھے کال کر کے مجھ سے فیور نہیں مانگی تو میں نے سوچا میں خود ہی اُس کی مدد کر دوں۔"آواز میں شرارت تھی۔

Clubb of Quality Content

"آئی سی۔۔۔ کیسی فیور؟" اس نے فون اسپیکر پر کرتے ہوئے اُسے ڈیشبورڈ پر رکھ دیا اور خود دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ وہیل کو تھاما۔

"میں نے سنا ہے تمہاری competitor پریس کمپنی تمہیں tough time دے رہی ہے؟" اشفا ہولے سے ہنسی۔

"آپ اچھے سے جانتے ہیں کہ اشفا کو کوئی بھی tough time نہیں دے سکتا۔" بہت ہی فخر کے ساتھ جملہ ادا کیا۔

"سوائے المیر خلیل کے۔" راحم کی زبان سے الفاظ ادا ابھی ہوئے ہی تھے کہ اشفا نے گاڑی کو فوراً بریک لگائی۔

"صبح صبح کس کا نام لے رہے ہیں، راحم بھائی۔ کچھ رحم کریں مجھ غریب پر۔ ویسے ہی آج کل ان کا چہرہ روز بہ روز دیکھنا پڑ رہا ہے۔" اُلجھتے ہوئے کہا تو مقابل زور سے ہنسا۔

"مذاق کر رہا ہوں۔۔۔ کون المیر؟ کیسا المیر؟ میں تو کسی المیر کو نہیں جانتا۔" اس نے کہا تو اشفا مسکرائی۔ لیکن اچانک اسپیکر سے ایک آواز ابھری۔ کسی نے کچھ کہا۔

"یاد کر رہا ہوں تجھے۔ پانی پی لے ابھی ہچکی آجائے گی۔" اسپیکر سے کچھ فاصلے سے آواز آئی تھی۔ راحم شاید کسی اور سے بات کر رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" اشفا نے سوال کیا تو راحم کا جواب آیا۔ "کچھ نہیں۔۔۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟ ہاں! مال روڈ کے کیس میں نئی پیش رفت ہوئی ہے۔ بہت سی چیزیں منظرِ عام پر آئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم جلدی سے مال روڈ پر آجاؤ۔" راحم رضا احمد اس کی مدد کر رہا تھا وہ بھی بنا کسی مفاد کے؟

"اور بدلے میں آپ کو کس کی معلومات درکار ہے؟" وہ اس کو اتنا تو نہیں جانتی تھی پر جتنا جانتی تھی اس سے یہ اندازہ اس نے بخوبی لگا لیا تھا۔

"وہی۰۰ جس کی معلومات میں نے تم سے پچھلے ہفتے لی تھی۔ میں چاہتا ہوں تم اُسے ٹریک کرنے میں میری مدد کرو۔" گاڑی کو پھر سے سٹارٹ کرتے اب اس نے یوٹرن لے لیا تھا۔ اسلا آباد کی طرف جانے والی سڑک پر گاڑی ڈالنے کی بجائے اب اس نے گاڑی کا رُخ صدر کی طرف کر لیا تھا۔

"عامر علی کا کیس؟ ٹھیک ہے... آپ مجھے بتا دیں میں آپ کے کس کام آسکتی ہوں۔" گاڑی کی رفتار اب کافی حد تک وہ بڑھا چکی تھی۔

"وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم کرائم سین پر پہنچو۔ المیر ایک کام سے جا رہا ہے۔ اس کے واپس آنے سے پہلے کوشش کرو کہ تحقیقات مکمل کر لو۔" اس نے اُسے مشورہ دیا۔

"میں کوشش تو کر رہی ہوں پر سڑکوں کی مرمت ہونے کے باعث رش میں پھنس چکی ہوں۔ لیکن چلیں ایک دو گاڑیاں ٹھوک کر ان کے بیچ سے نکلنے کی کوشش کرتی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"ہاں جلدی کرو اس سے پہلے کہ المیر آ جائے۔"

"انہوں نے آنا ہے تو آ جائیں۔ میں بھی کونسا ڈرتی ہوں ان سے۔" تڑخ کر کہا تو راحم نے جیسے اسپیکر کے اس پار سے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کی۔

"میں جانتا ہوں تم نہیں ڈرتیں۔ لیکن میں تو ڈرتا ہوں نا۔ اس لئے جلدی آ جاؤ۔" اشفا کے چہرے پر مسکراہٹ ایک دفعہ پھر سے چھا چکی تھی۔

"آپ سو سے الٹی گنتی شروع کریں۔۔ آپ جیسے ہی مائنس زیرو پوائنٹ زیرو زیرو زیرو زیرو ون پر پہنچیں گے... میں سامنے کھڑی آپ کو نظر آؤں گی۔" مزے سے کہا تو راحم ہنسا۔

"تمہاری غلط فہمی ہے کہ مجھے ون سے پیچھے گنتی آتی ہو گی۔ میتھس کے سبجیکٹ میں آتے تو میرے صفر ہی تھے لیکن اکثر ایک بھی موجود ہوتا تھا۔ کبھی صفر کے اس پار تو کبھی اُس پار۔" راحم کی بات پر اشفا نے ایک ابرو اُچکائی۔

"شکر ہے ایک میں ہی نالائق نہیں ہوں اس دنیا میں۔" سامنے ٹریفک کی بتیاں سبز ہو چکی تھیں لیکن گاڑیاں رش کی وجہ سے پچھلے تین منٹ سے اسی جگہ پر پھنسی ہوئی تھیں۔

اس کی بات پر راحم دھیمے سے ہنسا پھر بولا۔ "تم جلدی سے پہنچو۔ میں ذرا آس پاس کے لوگوں سے پوچھ گچھ کر لوں۔" کال کٹی تو اشفا نے گہرا سانس لیا کیونکہ اشارہ کھل کر ایک دفعہ پھر سے بند ہو چکا تھا پر رش تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

اگر اُسے اپنا فائدہ نظر نہ آ رہا ہوتا تو کبھی بھی رش والی جگہ پر اپنی گاڑی نہ پھنساتی لیکن وہ کیا کرتی؟ اتنا اچھا موقع تھا اور المیر خلیل بھی نہیں تھا۔ وہ ایسے کیسے اسے ہاتھ سے جانے دے سکتی تھی؟

··—·୭ଓ·—··

مال روڈ سے کچھ دوری پر ایک کشادہ دکان واقعہ تھی۔اس میں ہر طرز کا فرنیچر پایا جاتا تھا۔
سُرمئی آنکھوں پر سیاہ چشمہ ٹکائے وہ کانچ کا دروازہ کھولتے ہوئے دکان کے اندر داخل ہوا۔

ہمیشہ کی طرح دکان میں موجود کاؤنٹر کے اس پار ایک سفید بالوں والا ادھیڑ عمر شخص بیٹھا ہوا تھا۔اس شخص نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی تو فوراً سر اٹھایا۔اس کی نظر خلیل محمد کے بیٹے المیر خلیل پر پڑی۔وہ اُسے کافی سالوں بعد دیکھ رہا تھا۔

"المیر پُتر... کیسا ہے میرا شیر ؟"خوش اسلوبی سے وہ المیر تک آیا اور اُسے گلے سے لگا لیا۔

Clubb of Quality Content

"زندہ ہوں، انکل۔آپ سنائیں۔۔آپ کیسے ہیں ؟"وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ المیر سے جُدا ہوا۔

"اللہ کا کرم ہے بیٹا۔آج آپ ادھر کیسے ؟"اپنے دوست کی جگہ المیر کو دیکھ کر اُسے تعجب ہوا تھا۔

"انکل میری بہن کی شادی ہے نا۔عالیہ کی۔میں نے اس کے لئے ایک تحفہ لیا ہے۔میں چاہتا ہوں وہ تحفہ ایک لکڑی کے باکس میں رکھ کر اُسے دوں۔"کچھ لمحے وہ رکا جیسے سامنے والے کو بات سمجھنے کا موقع فراہم کررہا ہو۔"اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"اچھا بیٹا جی... کیسا ڈبہ چاہیے آپ کو؟"اس نے سوال کیا تو المیر نے ہاتھ میں پکڑے فون کی اسکرین پر پہلے سے کھولی ہوئی تصویر اس کے سامنے کی۔

تصویر میں ایک بھورے رنگ کا باکس تھا جو کہ عام انگھوٹیوں کی ڈبیوں سے سائز میں کچھ بڑا تھا۔اس کی کناریوں پر پھول بنے ہوئے تھے اور پھولوں کے اوپر سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے موتی لگے ہوئے تھے۔

بڑھئی نے دیکھا تو اثبات میں سر ہلایا۔"بالکل ایسا ہی ڈبہ میں آپ کو تیار کردوں گا۔آپ جمعے تک اٹھالینا یہاں سے۔"

المیر نے کچھ سوچا۔ پھر اچانک جیسے اُسے کچھ یاد آیا۔ "ہاں۔۔انکل مجھے ایک اور بھی کام تھا آپ سے۔"

بڑھئی نے ابرو اُچکائی تو المیر نے دوبارہ فون کی اسکرین پر ایک تصویر کھولی۔ "آپ کو یاد ہوگا آپ نے یہ کرسی بنائی تھی ماما کی شادی پر۔ جیسا کہ میں نے بتایا۔ عالیہ کی شادی ہو رہی ہے۔ اس کے شوہر نے ایک کام میرے ذمہ لگایا ہے۔ وہ کام یہ ہے کہ اچھی سی کرسیوں کے سیٹ کا ڈیزائن دے دوں اُسے۔ آپ یہ تصویر دیکھیں۔۔۔" اسکرین پھر سے اس کے سامنے کی۔

"ہاں بیٹا جی... یہ میں نے ہی بنایا ہے۔" المیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تو کیا آپ کو لگتا ہے کہ اسی ڈیزائن میں یہ کرسیاں کوئی اور بھی بنا سکتا ہے؟"

بڑھئی کچھ پل سوچتا رہا پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں بیٹا جی۔ یہ کرسی شیشم کی لکڑی سے بنی ہے اور اس پر کام بہت باریکی سے کیا گیا ہے۔ ویسے تو یہ ڈیزائن کسی دوسرے بڑھئی کے پاس ہوگا ہی نہیں لیکن اگر ہوا بھی تو وہ بنا نہیں سکے گا کیونکہ میں ہی جانتا ہوں اس کو بنانے میں مجھے کتنا وقت لگا تھا اور کتنی اذیت اٹھانی پڑی تھی۔"

"تو مطلب پورے پاکستان میں صرف ایک یہی چیئرز کا سیٹ ہے جو کہ ہمارے پاس رہ چکا ہے؟"اس نے سوال کیا تو بڑھئی مسکرایا۔

"جی بیٹا۔۔۔آپ ٹینشن نہ لو یہ ڈیزائن کسی بھی دوسرے کے پاس نہیں ہوگا۔البتہ اب آپ یہ کہو کہ میں یہی ڈیزائن آپ کو دوبارہ بنادوں تو ایسا ناممکن ہے۔"اس نے صاف انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کرنے کا عادی نہیں تھا اب۔

"نہیں نہیں انکل۔آپ بس مجھے وہ باکس بنادیں۔بہت شکریہ۔"وہ کہتے ہوئے سر کو خم کرتے وہاں سے نکل آیا۔

اب ایک بات تو صاف تھی کہ وہ کرسی اسی کے گھر سے لی گئی تھی۔لیکن سب سے زیادہ پریشان کن بات تو یہ تھی کہ ایک کرائم سین پر اس کے گھر کی کرسی پہنچی کیسے؟اور کب؟

مال روڈ پر کرائم سین سے کچھ دوری پر اس نے اپنی گاڑی ایک جھٹکے سے روکی۔ایڑیاں رگڑ رگڑ کر وہ بیس منٹ بعد مطلوبہ جگہ پر پہنچی تھی۔اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور کافی حد تک گھٹن بھی محسوس کر رہی تھی۔گاڑی میں پیٹرول کم ہونے کے باعث اس نے ائیر کنڈیشنر بھی نہیں چلایا تھا۔

یہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس نے مومن علی کو اطلاع کر دی تھی کہ ٹائم سے جائے واردات پر پہنچ جائے۔اور اسی لئے آج اس کی توقعات کے برعکس مومن علی اور کیمرا مین، دونوں جائے واردات کے باہر کھڑے شاید اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

دھڑام کی آواز کے ساتھ گاڑی کا دروازہ بند کرتے وہ کرائم سین کی طرف بڑھی۔کرائم سین پر پیلی پٹیاں ابھی بھی اپنی جگہ پر موجود تھیں۔

چلتے چلتے وہ مومن تک آئی تو مومن نے دایاں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے اُسے سلام پیش کیا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ وہ ہر ملاقات پر یونہی کرتا تھا اور بعد میں اشفا سے ذلیل بھی ہوتا تھا۔ آنکھوں کو گھماتے ہوئے وہ اس کے پاس سے گزری اور جاتے جاتے جائے واردات کے بیرونی حصے کی طرف اشارہ کیا۔ مومن اس کا اشارہ فوراً سمجھ گیا اور کام پر لگ گیا۔

کرائم سین کی پیلی پٹیوں کو کچھ اوپر کی طرف اٹھاتے وہ گزری۔ اپنی شہد رنگ آنکھیں اطراف میں گھماتے ہوئے اس نے اس ایک شخص کو تلاشنا شروع کیا۔ جہاں جہاں اس کی نظر جا رہی تھی۔ وہاں وہاں اُسے پولیس اہلکار ہی نظر آرہے تھے پر ان میں المیر خلیل کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔

Clubb of Quality Content

مسکراتے ہوئے اس نے ایک قدم کچھ دوری پر ہٹ کر کھڑے اہلکار کی طرف بڑھایا۔ وہ درمیانے قد کا حامل تھا۔ اشفا چہرے پڑھنے میں مہارت رکھتی تھی۔ چہرے پڑھنا اور تاثرات سمجھنا اس کا روز کا کام تھا۔ اسی لئے جب اس نے اس اہلکار کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اشفا کے تمام سوالات کے جواب دے سکتا ہے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس تک آئی۔ پولیس اہلکار فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ چند لمحے وہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ چہرے کی زاویے بگاڑتے اس نے گردن ادھر اُدھر گھمائی جب اس کی نظر عقب سے آتے سُرمئی آنکھوں والے ایس ایچ او پر پڑی۔ یہ کہاں سے آ گئے؟ ابھی تو نہیں تھے۔ خفگی سے آنکھیں میچتے اس نے چہرہ فوراً آگے کی طرف کر لیا۔

دوسری طرف محمت جہانگیر ابھی بھی فون پر ہی مصروف تھا جب اچانک محمت کی نظر نزدیک کھڑی لڑکی پر پڑی تو وہ فوراً سیدھا ہوا۔ اس کے گلے میں لٹکا ہوا کارڈ دیکھ کر محمت سمجھ گیا تھا کہ وہ ایک صحافی ہے۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ تو اشفا امین تھی۔

اس نے فون پر موجود شخص سے بعد میں بات کرنے کا کہہ کر کال منقطع کی اور اشفا کی جانب متوجہ ہوا۔

"سر کیا میں آپ کے قیمتی وقت کے چند لمحے لے سکتی ہوں؟" شہد رنگ آنکھوں میں امید لیے اس نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

محمت اس وقت کافی مصروف تھا لیکن اس کو انکار کرنا نہیں آتا تھا۔ سو اس نے مسکرا کر سر ہلایا اور ہاتھ کے اشارے سے اشفا کو ساتھ لے کر سایہ دار جگہ پر آن پہنچا۔ ادھر پہنچتے ہی اشفا نے کیمرا مین کو اپنی طرف بلایا تو وہ بھاگتا ہوا آیا۔

"کیا جاننا ہے آپ کو؟" اس کے سوال پر اشفا نے فوراً ہاتھ میں پکڑا نوٹ پیڈ کھولا۔

"مال روڈ پر پیش آئے واقعے کو تین دن گزر چکے ہیں۔ عوام جاننا چاہتی ہے کہ پولیس کی تحقیقات کہاں تک پہنچی ہے؟" کیمرا مین نے کیمرے کا رخ محمت کی جانب کر دیا۔

محمت نے بولنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ اچانک ایک بھاری ہاتھ اس کے کندھے پر آ ٹکا۔ ہاتھ کے وزن سے ہی اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بھاری بھرکم ہاتھ کس انسان کا ہو سکتا ہے۔

"محمت تم اپنا کام مکمل کرو۔ یہ میں سنبھال لوں گا۔" وہ مخصوص رعب دار آواز تھی۔ اشفا کے کانوں میں وہ آواز پڑی تو اس کا دل زور سے دھڑکا۔ چہرے پر پسینہ آہستہ آہستہ اپنا بسیرا کر رہا تھا۔ وہ کل کی طرح اُسے پھر سے چند باتیں سنا کر فارغ کرنے والا تھا۔ ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کرتے اُس نے نظریں اہلکار پر ہی مرکوز رکھیں۔

"آپ کیا کہہ رہے تھے؟" اشفا نے مسکرا کر اس سے سوال کیا جیسے یاد دلانا چاہ رہی ہو۔

"وہ میں..." اس سے پہلے کہ وہ بولتا۔ المیر کے ہاتھ کا وزن بڑھتا ہوا محسوس کرتے اس کی زبان تالو سے جا چپکی۔

اس سے کچھ ہی فاصلے پر موجود المیر نے اپنی مٹھی سختی سے بھینچ لی۔

"میں کہہ رہا ہوں نا۔ میں کر لوں گا۔" اس بار آواز میں سختی واضح تھی۔ المیر خلیل کو انکار سننے کی عادت نہیں تھی اور اشفا امین کو انکار کے علاوہ کچھ کہنے کی عادت نہیں تھی۔

Clubb of Quality Content

"اور میں نے کہا ناکہ ہم ان صاحب کا ہی انٹرویو لیں گے۔ تو سر.. آپ کیا کہہ رہے تھے؟"
اشفا نے جان بوجھ کر "سر" پر زور دیا اور ہاتھ سے محمت کو بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

مجھے ایس ایچ او صاحب کہتی ہے اور اسے سر؟ اوہوں۔ المیر نے دل میں سوچا اور سرمئی آنکھوں کو اشفا کے چہرے پر گاڑھ دیا۔ جہاں ایک چیلنج واضح تھا۔

"محمت، تم جا رہے ہو یا۔۔۔؟" المیر نے دھمکی آمیز لہجہ استعمال کیا تو محمت نے فوراً سر جھکایا اور ایک پل کے لیے بھی اشفا کی جانب دیکھے بغیر تیز قدموں سے وہاں سے نکل گیا۔

Clubb of Quality Content

اب وہاں صرف تین لوگ رہ گئے تھے۔ المیر، اشفا اور کیمرا مین۔ مومن داخلی دروازے کی تصویریں لینے میں مصروف تھا۔

المیر خلیل کی نظریں کچھ پل کے لیے اشفا امین کے چہرے پر ٹھہریں۔ وہ اس کے چہرے کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کا مرکز اس کی شہد رنگ آنکھیں بنی تھیں جو دھوپ میں سنہرے رنگ میں رنگ جاتی تھیں اور چھاؤں میں واپس اپنے اصلی روپ میں آ جاتی

تھیں۔اشفا کے چہرے میں سب سے خوبصورت اس کی آنکھیں ہی تھیں۔یہ بات سب جانتے تھے۔

المیر کی نظریں اشفا کی آنکھوں سے سرکتی ہوئیں اس کے چہرے پر موجود اس واحد تل پر جا ٹھہریں جو اس کے ہونٹوں سے کچھ فاصلے پر تھا۔شاید یہ تل اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔آج سے پہلے اس نے اشفا کو غور سے دیکھا ہی کب تھا؟ بچپن میں بھی اس نے بہت کم وقت اس کے ساتھ گزارا تھا۔اور تین سال پہلے تک جب جب اس کی ملاقات اس سے ہوتی تھی تو وہ غصے سے اسے جھٹک دیا کرتا تھا۔یہی سوچتے ہوئے اس کی نظریں بے ساختہ پورے چہرے پر پھیل گئیں اور اسے اندازہ ہوا کہ اشفا کے چہرے پر بس یہی ایک تل تھا۔

وہ باقی لڑکیوں سے کچھ مختلف تھی۔وہ المیر خلیل کو چیلنج کرتی تھی اور المیر خلیل کو challenges بہت پسند تھے۔

اپنے خیالات سے باہر نکلا تو چند لمحے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ کافی دیر سے اشفا کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے فوراً نظریں ہٹا کر زمین پر ٹھہرا لیں۔وہ ایسا تو نہ تھا۔۔۔آخری بار اس نے کسی کے

چہرے کو اتنے غور سے کب دیکھا تھا؟ اس نے نظریں زمین سے اٹھا کر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر مرکوز کر لیں۔

"پوچھو کیا پوچھنا ہے؟" المیر نے غیر متوقع طور پر نرم لہجے میں کہا۔ مگر اس کی نظریں اب بھی گھڑی پر جمی تھیں۔

اشفا نے اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ سنے تو ذہن میں بے شمار سوالات دوڑنے لگے۔ ایک کے بعد ایک سوال ابھرا۔ مگر اس نے سب کو جھٹک دیا۔ شاید اس لیے کہ وہ ذاتی نوعیت کے تھے یا شاید اس لیے کہ وہ جانتی تھی اگر کچھ ایسا پوچھا جو المیر کو ناگوار گزرا تو وہ اُسے کھری کھری سنا دے گا۔

ویسے تو وہ المیر کو غصہ دلانے کا کوئی بھی موقع رائیگاں جانے نہ دیتی تھی پر اس دفعہ وہ جانتی تھی کہ جواب لیے بغیر احمد مرزا کے پاس گئی تو اچھی بھلی عزت افزائی کروانے کے بعد "ایک اچھا صحافی کیسے بنتے ہیں" کے موضوع پر دو گھنٹے کا لیکچر الگ سے سننے کو ملے گا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مال روڈ کیس میں پولیس کی تحقیقات کہاں تک پہنچی ہے۔۔؟ یہ جاننا چاہیں گے ایس ایچ او المیر خلیل سے۔" کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے اشفا نے کہا۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں تو بتایئے؟"

"کیس کی تفصیلات خفیہ ہیں۔ اس لیے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ پولیس جلد ہی مقتول اور قاتل، دونوں کو سامنے لے آئے گی۔ مجرم زیادہ دن فرار نہیں رہ سکے گا۔"

وہی اندازِ بے نیازی، وہی آنکھوں میں سختی، وہی گمبھیر آواز۔ کیا یہ شخص کبھی مسکراتا نہیں تھا؟

اشفا نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے تنے ہوئے انداز کو دیکھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس کے لبوں پر ایک دھیمی مگر شرارت بھری مسکراہٹ ابھری۔ یہ مسکراہٹ ہمیشہ اسی وقت آتی تھی جب اشفا امین کے ذہن میں کوئی خطرناک خیال آتا تھا۔ "پولیس فورس نے عامر علی کے

کیس میں بھی یہی کہا تھا۔لیکن عامر علی کے مجرم تو آج تک نہیں ملے۔اس بارے میں کیا کہنا ہے آپ کا؟"

تیر کمان سے نکل چکا تھا۔دل کی بات زبان پر آہی گئی تھی۔وہ ایسے کئی سوال اس سے کرنا چاہتی تھی۔ایسا نہیں تھا کہ اُسے آج ہی یہ سارے سوالات یاد آرہے تھے۔وہ سالوں سے ان سوالات کو اپنے اندر دبائے بیٹھی تھی۔کچھ سوال دنیا والے جاننا چاہتے تھے اور کچھ ذاتی نوعیت کے تھے جو اُسے سالوں سے تنگ کیے ہوئے تھے۔اُسے بہت سے سوالات کے جواب آج تک نہیں ملے تھے اور وہ جانتی تھی کہ ان کے جواب صرف المیر خلیل کے پاس تھے۔وہ صرف صحیح موقع کی تلاش میں تھی۔

لیکن دوسری طرف اس کو پولیس فورس سخت ناپسند تھی اور اس کی وجہ صرف وہ خود ہی جانتی تھی۔مگر جب سے المیر خلیل نے پولیس فورس جوائن کی تھی۔۔حالات میں نمایاں بہتری آچکی تھی۔

عامر علی کا کیس سات سال پرانا تھا۔تب المیر ایک طالب علم تھا۔جبکہ اسے پولیس فورس جوائن کیے ہوئے محض چار سال ہوئے تھے۔اس کے آنے کے بعد پولیس کے اندرونی معاملات میں بڑی تبدیلیاں آئی تھیں۔خاص طور پر رشوت لینے کا سلسلہ تقریباً ختم ہو چکا تھا۔

المیر اور دیگر تھانوں کے ایس ایچ اوز عوام کی بہتری کے لیے سر گرم تھے۔اگر کوئی اہلکار رشوت لیتا ہوا پکڑا جاتا تو فوراً ارحم رضا تک خبر پہنچتی اور اگلے ہی دن وہ شخص نوکری سے فارغ ہو جاتا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اشفا امین المیر خلیل کی ایمانداری کی قائل تو تھی۔مگر کہتی نہیں تھی۔گزشتہ چار سالوں میں ہونے والے اسی سے زائد کیسز میں المیر خلیل کی نگرانی شامل رہی اور یہ بات سب جانتے تھے کہ جو کیس المیر کے ہاتھ آتا وہ کیس ایک ہفتے کے اندر اندر حل ہو جاتا۔اور مجرم اپنے انجام کو پہنچ جاتا تھا۔

"جو سوال میں مناسب سمجھتا ہوں.. صرف ان ہی کے جواب دیتا ہوں۔" المیر کا لہجہ سخت تو نہ تھا۔ مگر نرم بھی نہ تھا۔ "اگر آپ کے سوالات مکمل ہو چکے ہوں تو مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔"

"لیکن ابھی تو آپ نے ٹھیک سے کسی سوال کا جواب دیا ہی نہیں۔۔۔" اشفا کی آنکھوں میں ہلکی سی مایوسی جھلکی۔ شاید نیوز چینل کا دباؤ تھا یا شاید اب تک کوئی ٹھوس جواب نہ ملنے کی پریشانی۔ جو بھی تھا۔۔ اس نے اشفا کو بے چین کر رکھا تھا۔ راحم ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ المیر کے آنے سے پہلے اپنی تحقیقات وقت رہتے مکمل کر لے۔

"جتنا ضروری تھا اتنی معلومات فراہم کر چکا ہوں۔" مگر جیسے ہی اس کی نظر اشفا کے چہرے پر پڑی وہ ایک پل کو رک گیا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ ہلکے اور ان میں چھلکتی افسردگی کوسوں دور سے بھی دکھ جاتی۔

مایوسی کے آثار واضح تھے۔

وہ مدد کرنا چاہتا تھا۔ مگر ایس پی صاحب کی جانب سے حکم صادر ہوا تھا کہ کیس کی تفصیلات کم سے کم میڈیا تک پہنچنی چاہیں۔

پہلے تو اس نے وہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔ مگر پھر ایک لمحے کو رک کر دوبارہ اشفا کی طرف رخ کر لیا۔

"اگر کوئی نئی لیڈ ملی تو تمہیں پتا چل جائے گا۔" کیونکہ تمہیں تو سب پتا ہوتا ہے۔ وہ کہتے کہتے رکا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ کہہ کر وہ پلٹا اور تیز قدموں سے وہاں سے نکل گیا۔

پیچھے اشفا بس اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

"الہام تھوڑی ہوں گے مجھے.. کوئی بتائے گا نہیں تو پتا کیسے چلے گا؟"غصے سے چہرہ سخت ہوا۔ اس نے پیر زور سے زمین پر مارااور کیمرا امین کے ہمراہ مومن کی طرف بڑھ گئی۔

••—•ʚɞ•—••

اب منظر تھاوہاج کی یونیورسٹی کا۔شام کے پانچ بج رہے تھے لیکن وہاج خلیل کو گھر جانے سے ڈر لگ رہا تھا۔دو گھنٹے پہلے ہی اُسے کیلکیولس میں لئے اپنے نمبروں کی سن گن کہیں سے لگی تھی۔خبر کے مطابق وہ کیلکیولس میں دس نمبروں سے فیل ہو گیا تھا۔

Clubb of Quality Content!

اس وقت وہ کمپیوٹر لیب میں ایک کونے میں رکھی ایک میز کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔سر کے اوپر ایک کتاب رکھی ہوئی تھی اور ہاتھ میں انڈے والا بر گر اٹھا رکھا تھا۔اُسے اکثر پریشانی کے عالم میں بھوک زیادہ لگتی تھی۔

"اب تو بھائی نہیں چھوڑیں گے۔مجھے پنکھے کے ساتھ الٹا لٹکادیں گے۔"آنکھوں سے نہ نکلنے والے آنسوؤں کو ڈرامائی انداز میں صاف کرتے ہوئے وہ اپنے دوست سے گویا ہوا۔

"تو تمہیں کس نے کہا تھا صرف گیس پیپر حل کر کے امتحان دینے آجاؤ؟" وہاج نے منہ کا زاویہ بگاڑ کر اپنے دوست کی طرف دیکھا۔

"چل اٹھ..." ایک چٹکی بجاتے دوست کو کھڑا ہونے کا اشارہ کیا۔ "وہ ہے دروازہ۔ نکل جا ادھر سے۔ اس سے پہلے کہ میں تیری شکل کا نقشہ بگاڑ دوں۔" اس کا دوست آنکھیں گھماتا ہوا لیب سے باہر نکل گیا۔

وہ گیا تو اس نے دروازے کی طرف گھور کر دیکھا۔ "اس کو تو یہاں سے نکال دیا ہے پر اب گھر جا کر نمبر بتانے پر بھائی جو مجھے جوتیاں مار مار کر گھر سے باہر نکالیں گے۔ اس کا کیا؟"

برگر کا آخری لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے کتاب کو سر کے اوپر سے نیچے اتارا اور کچھ سوچتے ہوئے اپنا فون جیب سے نکالا۔ پھر ایک نمبر ملاتے اس نے میز سے ٹیک لگا لی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

فون کو کان کے ساتھ لگایا تو دوسری طرف سے آواز ابھری۔ "ہاں بولو۔" وہاج نے مقابل کی آواز سن کر آنکھیں چھوٹی کیں۔

"عالیہ آپی، آپ کی آواز کو کیا ہو گیا ہے؟ بالکل المیر بھائی جیسی لگ رہی ہے۔" وہ ہلکا سا ہنسا۔

"میں المیر بھائی ہی بات کر رہا ہوں۔" ہنسی غائب ہوئی۔ وہاج کا چلتا منہ بند ہوا۔ اس کا دل بھی پل بھر کے لئے رک گیا۔ آنکھیں پھیلیں جیسے ابھی باہر آ جائیں گی۔

فون کو اچانک سے کان سے ہٹایا۔ گیا وجی بچے تو آج۔ سوچتے ہوئے اس نے فون کی اسکرین کی طرف دیکھا جہاں المیر کا نام جگمگا رہا تھا۔ عالیہ کا نمبر ملانے کی بجائے اس نے المیر کا نمبر ملا دیا تھا اور اب اس بات کا اسے شدت سے دکھ ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم، برادر۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔" جلدی جلدی میں یہی الفاظ اس کی زبان سے ادا ہو پائے تھے۔

"مجھے خط لکھ رہے ہو جو ایسے بات کر رہے ہو، وجی؟" مقابل کی بھاری آواز میں الجھن واضع تھی۔

"خط تو میں لکھوں گا وہ بھی ہسپتال کے بستر سے اپنی امی کو جب المیر بھائی میری دونوں ٹانگیں توڑ کر میرے ہاتھوں میں پکڑا دیں گے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"اونچا بولو، وجی۔ آواز نہیں آرہی۔" المیر نے کہا تو وہاج سیدھا ہوا۔

"برادر، آپ سے ایک سوال پوچھوں؟" نہ جانے وہاج کو کیا سوجی تھی کہ وہ شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال رہا تھا۔

"ہاں۔" ایک لفظی جواب سن کر وہاج کچھ آگے کو ہو کر بیٹھ گیا۔

"بھائی، جب ایک اکیس سال کے بچے کو گھر سے باہر نکالا جاتا ہے تو کیا اُسے ساتھ میں کچھ کھانے پینے کے لیے دیا جاتا ہے؟"

"پہلی بات، اکیس سال کا لڑکا بچہ نہیں ہوتا اور دوسری بات، وہاج تم پھر سے فیل ہو گئے؟" مقابل کی آواز میں بیزاری آرام سے محسوس کی جا سکتی تھی جیسے اُسے کہیں نہ کہیں پتا تھا کہ وہ فیل ہو جائے گا۔

"اس کو بولتے ہیں اصل پیار۔ دیکھا! میں نے ابھی بات بتائی ہی نہیں اور آپ نے بنا سنے ہی جان لی۔" بات کو ٹالنے کا ارادہ رکھتے اس نے سرسری سا ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"میز کے نیچے سے باہر نکلو فوراً۔" پہلے تو وہاج اس جملے پر ہنسا لیکن پھر اس کی بھوری آنکھیں پھیلیں۔ ہنسی چہرے سے غائب ہو گئی اور حلق خشک ہو گیا۔

وہاج نے نظریں اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں اس کا لمبا چوڑا سا بھائی کھڑا تھا۔ اس نے سُرمئی رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور اپنی سُرمئی نگاہوں سے وہاج کو ایسے گھور رہا تھا جیسے ابھی کے ابھی اس کے چودہ طبق روشن کر دے گا۔

وہ جانتا تھا کہ المیر کو یہاں دعوت دینے کا کارنامہ کس کا تھا۔اس کو بعد میں دیکھنے کا سوچ کر اس نے اپنی توجّہ المیر پر واپس مرکوز کرلی۔

وہاج آگے کو کھسکتا ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔کپڑوں کو جھاڑتے ہوئے اس نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر ایک ڈری سہمی سی مسکان چہرے پر سجالی۔

"اللہ آپ کے قدم مبارک کرے،بھائی۔کیسے آنا ہوا؟"کچھ گھبراتے ہوئے اس کی زبان سے الفاظ ادا ہوئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"بارات لے کر آیا ہوں تمہاری۔گھر چلو نکاح پڑھاتا ہوں تمہارا۔"اور ایک ہی غصیلی نگاہ سے وہ وہاج کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

"بھائی۰۰۰اللہ کی قسم کھائیں سب کے سامنے نہیں ماریں گے۔۔"اس کی معصومیت دیکھ کر المیر خلیل نے سر جھٹکا۔

"سب کے ساتھ ہی بیٹھ کر امتحان دیا تھا ناں۔ پھر سب کے سامنے عزت افزائی کروانے میں کیسی شرم؟" المیر بھی کہاں اُسے ایسے جانے دینے والا تھا۔

"بھائی، وہ دیکھیں اشفا آپی..." وہاج نے المیر کے پیچھے اشارہ کیا۔ المیر فوراً سے پلٹا اور اس کے رُخ اس طرف کرنے کی دیر تھی کہ وہاج بھاگتا ہوا آیا اور اس کے پاس سے نکل کر باہر کی طرف دوڑ گیا۔

جبکہ پیچھے کھڑے المیر خلیل نے اس کے جھوٹ پر لب بھینچ لئے اور پھر خاموشی سے وہاج کے پیچھے چل دیا۔

Clubb of Quality Content

••—•ʚɞ•—••

تاریخ تھی گیارہ دسمبر۔ دن تھا پیر کا۔

سورج کی کرنیں کھڑکی سے ہوتیں سیدھی سُرمئی آنکھوں میں پڑیں۔ پیٹ کے بل لیٹا ہوا المیر خلیل، چہرے کا رُخ کھڑکی کی طرف کیے گہری نیند کے مزے لے رہا تھا۔ جب سورج کی روشنی کی شدت بڑھی تو وہ کروٹ لے کر سیدھا ہوا۔ سیاہ گھنگریالے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ہاتھ سے بال پیچھے کھسکائے اور پھر وہی بازو سر کے نیچے رکھ لیا۔

کھڑکی کھلی ہونے کے باعث تیز ٹھنڈی ہوا چلی تو المیر نے... جو اپنے اوپر کمبل کے نام پر ایک پتلی سی چادر لیے ہوئے تھی... فوراً ہوا کے رخ کے حساب سے اسے اپنے اوپر سے سرکتے ہوئے محسوس کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

گندمی رنگت پر دھوپ پڑی تو آنکھوں کے آگے لال رنگ ابھرا۔ جیسے اکثر بند آنکھوں کے سامنے روشنی کی وجہ سے سرخ عکس نمایا ہوتا ہے۔ المیر نے اپنے جبڑے بھینچ لیے۔ اس کے چہرے کی رگیں نمایاں ہو گئیں۔

نیند سے بوجھل سُرمئی آنکھیں دھیرے دھیرے کھلیں۔پلکیں جو آپس میں جڑی ہوئی تھیں علیحدگی اختیار کر گئیں۔چہرہ ایک پل میں سنجیدگی میں ڈھلا۔بنا حرکت کیے المیر خلیل کچھ سیکنڈز یونہی بے جان لیٹا رہا۔

بیشک وہ غیر معمولی وجاہت کا حامل تھا۔اس کی شخصیت میں ایسی فریفتگی تھی کہ پسِ پردہ ہو کر بھی وہ عیاں تھا۔

وہ جہاں بھی جاتا۔۔بنا کچھ بولے ہی بہت کچھ کہہ دیتا تھا۔لوگوں کی نظریں اور تعریفیں اُسے کبھی بھی متاثر نہیں کرتیں تھیں۔بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اسے کچھ بھی متاثر نہیں کر سکتا تھا۔

المیر مزید کچھ منٹوں کے لیے یونہی سیدھا لیٹا رہا۔جیسے دماغ میں خیالات کی جنگ چل رہی ہو۔پھر اچانک کروٹ لی اور پیٹ کے بل لیٹ گیا۔جس کے باعث سیاہ شرٹ۔۔جس کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے..اچانک سے بے ترتیب ہوگئی۔

دسمبر کے مہینے میں جب ہوا تیز ہوتی ہے اور ٹھنڈ شدت پکڑ لیتی ہے۔المیر خلیل کا کہنا تھا کہ اسے ٹھنڈ محسوس نہیں ہوتی۔اسی لیے ابھی بھی اس نے اپنی شرٹ کی آستینیں اوپر چڑھا رکھی تھیں اور نتیجتاً اُس کی کلائیوں سے لے کر ہاتھوں تک سفر کرنے والی رگیں تنی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

خیالوں نے جیسے رُخ بدلا اور المیر خلیل جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔دائیں طرف تکیے کے نیچے پڑا ہوا اپنا فون باہر نکالا اور اس کی اسکرین پر وقت دیکھا۔ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا اور ایک بھی سیکنڈ کی دیر کیے بنا قدم ٹھنڈی زمین پر رکھ دیے۔بھاری قدم اٹھاتا اب وہ باتھ روم میں فریش ہونے کی غرض سے داخل ہو چکا تھا۔

دس منٹ میں المیر خلیل پولیس کی وردی میں کمرے میں لگے شیشے کے سامنے کھڑا تھا۔ کنگھی اب ہاتھ میں لیے وہ دھیرے دھیرے بال اس کی مدد سے سیٹ کر رہا تھا۔بالوں کو سیٹ کرنے کے بعد اس نے الماری کی طرف قدم بڑھائے۔الماری کھولی اور اس میں سے اپنی پسندیدہ چیز نکالی۔گن... جس کے بغیر اس کا دن نہیں گزرتا تھا۔

اس کو احتیاط سے بیلٹ کے ساتھ لگے ہولسٹر میں رکھ دیا۔اب وہ صحیح معنوں میں ڈیوٹی کے لیے تیار تھا۔پولیس کی وردی المیر پر ایسی لگتی جیسے بنی ہی اسی کے لیے تھی۔اگر المیر خلیل کو سات جنموں میں کسی پیشے کا انتخاب کرنا پڑتا تو وہ پولیس آفیسر بننے کو ہی ترجیح دیتا۔

جمال نامی شخص کے کیس کو منظرِ عام پر آئے آج نو دن ہو گئے تھے۔ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ کیس مزید سنجیدگی اختیار کرتا جارہا تھا۔المیر خلیل نے اس کی تہ تک پہنچنے کے لیے ہر ممکن حربہ آزمالیا تھا لیکن آج کیس نے ایک نیا رنگ اختیار کیا تھا۔اس میں نئی پیش رفت ہوئی تھی۔

المیر خلیل حسبِ معمول ساڑھے سات بجے تھانے میں موجود تھا۔ناشتہ تو وہ روز ہی نہیں کرتا تھا۔بس تھانے پہنچ کر ایک کپ چائے لے لیتا اور اسی پر آدھا دن نکال دیتا۔مگر آج کا دن معمول سے کچھ مختلف تھا۔کیونکہ آج المیر... محمت اور چند اہلکاروں کے ساتھ ایک جگہ تحقیقات کے لیے جانے والا تھا۔

اپنے سامنے پڑی میز سے ایک ایک کر کے اپنا ضروری سامان اٹھایا۔ایک آخری نظر دیوار پر لگی گھڑی پر ڈالی اور بھاری قدم اٹھاتا ہوا تھانے سے باہر نکل آیا۔

سامنے کھڑی پولیس کی گاڑی میں المیر مسافری نشست سنبھال چکا تھا۔محمت جہانگیر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔اور دو اہلکار پچھلی نشستوں پر آکر بیٹھ گئے تھے۔

محمت نے گاڑی اسٹارٹ کی اور مطلوبہ مقام کی طرف بڑھنے لگا۔گاڑی کی رفتار روڈ پر پڑتے ہی شدت اختیار کر گئی۔محمت جہانگیر گاڑی چلا کم اور اڑا زیادہ رہا تھا۔یہی وجہ تھی کہ المیر یا تو خود گاڑی چلاتا یا پھر محمت کو چلانے کے لئے دیتا۔کیونکہ اس طرح وہ مطلوبہ جگہ پر وقت سے پہلے پہنچ جاتے تھے۔

بیس منٹ کا سفر صرف دس منٹ میں طے کر کے اب وہ خستہ حال مکان کے سامنے کھڑے تھے۔

سب اس وقت مال روڈ پر واقع ایک پرانے مکان کے بیرونی حصے کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔آگے پیچھے سے معلومات اکٹھی کرنے کے بعد محمت کو یہ خبر ملی تھی کہ ایک جمال نامی شخص اسی جگہ رہتا ہے۔اور حیرت انگیز طور پر وہ ایک درزی بھی تھا۔یہ سن کر المیر کو یقین تو نہ آیا۔مگر شک ضرور ہوا کہ شاید یہ وہی جمال ہے جس کی انہیں تلاش ہے۔

اسی شک کو یقین میں بدلنے کے لیے سب نے مکان کی طرف قدم بڑھائے۔حسبِ معمول سب سے آگے المیر خلیل ہی تھا۔چند قدم آگے بڑھانے کے بعد وہ اچانک رک گیا۔
دھیرے سے پیچھے مڑا اور چہرہ اہلکاروں کی طرف کر لیا۔

Clubb of Quality Content

"ہماری یہاں آمد کی خبر میڈیا تک نہیں جانی چاہیے۔"اس نے اپنی مخصوص رعب دار آواز میں کہا تو اہلکار فوراً سے ایک ساتھ بولے۔"جی سر!"

المیر نے اثبات میں سر ہلایا اور دوبارہ مکان کی طرف بڑھ گیا۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی بدبو نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ فوراً سب نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیے۔ المیر نے محمت کو اشارہ کیا کہ وہ اوپر کی منزل کی طرف جائے۔ دو آفیسرز کو دائیں جانب جانے کا حکم دیا اور خود بائیں طرف بڑھ گیا۔

بائیں جانب ایک چھوٹا سا کچن تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک مختصر سا کمرہ۔ المیر کچن میں داخل ہوا تو ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ کچھ برتن زمین پر پڑے تھے۔ کچھ شیلف پر ٹوٹے پھوٹے رکھے تھے۔ جہاں جہاں وہ قدم رکھ رہا تھا۔ اسے اپنے جوتوں کے نیچے کانچ کی کرچیاں محسوس ہو رہی تھیں۔ کچن کا حال کچھ ایسا تھا جیسے یہاں کوئی شدید جھگڑا ہوا ہو۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

المیر نے ایک نظر پورے کچن میں دوڑائی۔ پھر ایک ایک دراز کھول کر اس میں موجود ہر چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ کچھ خاص نظر نہ آیا۔ مگر جیسے ہی اس کی نظر فرش پر پڑی، اس کا دھیان ایک مخصوص جگہ پر ٹھہر گیا۔ وہ کانچ کے ٹکڑے جن پر ہلکے سے سرخ دھبے نمایاں تھے۔

وہ پہلے چند سیکنڈز کے لیے خاموش کھڑا رہا۔ پھر آہستگی سے جھکا۔ دستانے چڑھائے اور احتیاط سے وہ کانچ کا ٹکڑا اٹھایا جس پر خون لگا ہوا تھا۔

یہ کوئی عام کانچ نہیں تھا۔ یہ کیس کے لیے سب سے اہم ثبوت ثابت ہو سکتا تھا۔

اس نے کانچ کے ٹکڑے کو احتیاط سے اویڈنس بیگ میں رکھا۔ پھر وہ مزید ثبوت اکٹھے کرنے کی غرض سے کچن سے نکل کر آگے بڑھ گیا۔

کچن کی ہر چیز کو باریک بینی سے جانچنے کے بعد المیر خلیل اب کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرہ چھوٹا سا تھا۔ جگہ جگہ پرانا سامان بے ترتیبی سے رکھا ہوا تھا۔ فرش پر گرد کی موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ جو اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی کہ یہاں کافی عرصے سے صفائی نہیں ہوئی۔

دیواروں پر نمی کے واضح نشان تھے اور دیواروں کے کونے پر جگہ جگہ مکڑی کے جالے بنے ہوئے تھے۔ شاید یہ اسٹور روم تھا۔

المیر نے پورے کمرے کا بغور جائزہ لیا۔ ہر شے پر نظریں دوڑائیں۔ پر ایسا کچھ نہ تھا جو اس کی تحقیقات میں مدد دے سکتا۔ مایوسی کی بجائے اس کے چہرے پر تجسس مزید گہرا ہو گیا۔ وہ ایک لمحے کو رکا۔ گہرا سانس لیا اور پھر فیصلہ کن انداز میں داخلی دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

گھر کے پچھلے حصے میں ایک کھلا پلاٹ موجود تھا۔ جس کی طرف اس نے اپنا رخ کر لیا۔ بھاری قدم اٹھاتا.. وہ آہستہ آہستہ مطلوبہ جگہ پر پہنچا۔ پلاٹ دکھنے میں کھنڈر نما ہی تھا۔ اجڑا ہوا اور بے رنگ۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کی نظر سب سے پہلے زمین پر پڑی۔ جہاں مٹی جگہ جگہ سے گہری اور کہیں کہیں ہلکی تھی۔ گھاس بے ترتیب انداز میں جمی ہوئی تھی۔

المیر نے اپنا پاؤں مٹی پر رکھا تو اسے فوراً احساس ہوا کہ پچھلے کچھ دنوں میں ہونے والی موسلادھار بارشوں کے سبب مٹی خاصی نرم ہو چکی ہے۔ اس کا تجربہ اسے یہی بتا رہا تھا کہ اگر یہاں کوئی آیا ہو گا تو یقیناً اس کے قدموں کے نشان باقی ہوں گے۔

وہ کچھ دیر زمین پر جھکا۔ ہاتھ سے مٹی کو چھوا اور پھر گہری نظروں سے اس کا معائنہ کرنے لگا۔

اچانک اس کی نظر ایک مخصوص نشان پر جا رکی۔ یہ جوتوں کے نچلے حصے کے نشان تھے۔ جو واضح طور پر کسی مرد کے جوتوں کے لگ رہے تھے۔

المیر نے محتاط انداز میں ان نشانات کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ قدم بہ قدم ان کے پیچھے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ میدان کے وسط میں پہنچا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔ اس نے غور سے پورے میدان کا جائزہ لیا۔ مگر یہاں کی مٹی میں ایک بات غیر معمولی تھی۔ کچھ جگہیں باقی مٹی کی طرح گیلی نہیں تھیں۔ بلکہ خشک نظر آ رہی تھیں۔

یہ کیسے ممکن تھا؟

جیسے ہی اس کی نگاہ مزید باریک بینی سے اس مخصوص حصے پر پڑی۔اس نے ایک اور عجیب چیز محسوس کی۔ مٹی ایسے خشک تھی جیسے یہاں کچھ رکھا گیا ہو اور پھر عین وقت پر اسے ہٹا دیا گیا ہو۔

المیر کے دماغ میں سوالات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔کیا یہاں کچھ دفن تھا؟ یا پھر مٹی کے اوپر کوئی اور چیز رکھی گئی تھی جس کے بائیس مٹی خشک رہ گئی تھی؟ جیسے کہ شیشم کی کرسی۔۔جگہ کی حالت المیر کو بتا رہی تھی کہ یہاں کچھ نہ کچھ تو ایسا انجام پایا ہے جو جمال کے کیس سے وبستگی رکھتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ جمال کو اسی جگہ پر رکھا گیا تھا اور اگر المیر حق پر ہے تو قاتل کافی شاطر تھا کیونکہ اس جگہ پر خون کی ایک بھی بوند نہیں تھی۔ جتنی صفائی سے یہاں سے ثبوت مٹائے گئے تھے اس سے تو صاف واضع ہوتا تھا کہ A 11 کوئی عام بندہ نہیں ہے۔

یہ خالی میدان اُسے چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ اس کا اندازہ ٹھیک ہے لیکن المیر الفاظ سے زیادہ ثبوتوں پر یقین رکھتا تھا۔اُسے ثبوت چاہیے تھے۔

ساری پولیس فورس مل کر جمال کی لاش ڈھونڈ رہی تھی جبکہ المیر خلیل کو ابھی بھی پوری طرح سے یقین نہیں آیا تھا کہ جمال مر چکا ہے۔ایک خون آلود کُرتا کسی کی موت کی گواہی کیسے دے سکتا تھا؟

لیکن فی الحال المیر کے پاس صرف ایک ہی ثبوت تھا۔ جوتوں کے نشان۔اس نے بڑی احتیاط سے ان نشانات کو پلاسٹک کاسٹ میں محفوظ کر لیا۔نشانوں کی ساخت اور ناپ دیکھ کر وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ کسی چالیس یا پچاس سالہ مرد کے جوتے ہو سکتے ہیں۔کیا یہ جمال کے تھے؟

Clubb of Quality Content!

اس نے آخری بار پلاٹ پر ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی۔یہاں سے مزید کچھ حاصل نہ ہونے کے بعد اس نے اگلی ممکنہ جگہ کی تفتیش کا فیصلہ کر لیا۔اس کا ارادہ آس پاس کے دکانداروں سے تحقیق کرنے کا تھا۔

اس نے قدم واپس گھر کی طرف بڑھادیے اور وہاں سے کچھ فاصلے پر واقع ایک چھوٹی سی ٹک شاپ پر اس کی نظر ٹھہری۔

اپنی جیب سے فون نکال کر وقت دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔اب وہ روڈ پر تھا۔ دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہا تھا۔ کہ اچانک...

اس کی نظر سامنے سے آتے ایک ٹرک پر پڑی۔

ٹرک کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز تھی۔ لمحے بھر کے لیے منظر دھندلا سا محسوس ہونے لگا۔

سب کچھ اتنی تیزی میں ہوا کہ المیر کو اپنے دفاع میں حرکت کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

اگلے ہی لمحے ــــــ

"دھپ!"

المیر پوری شدت سے زمین پر گرا تھا۔ مگر وہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ٹرک اس کو چھو بھی نہ سکا تھا اور قریب سے گزر بھی گیا تھا۔

وہ بچ گیا تھا؟

کیسے؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کے ہاتھ زمین پر جمے ہوئے تھے۔ گھٹنے جیسے کسی بھی وقت جواب دینے والے تھے۔ پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ سر چکرا رہا تھا جیسے کسی نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہو۔

کچھ لمحوں کے لئے وہ وہیں سڑک پر پڑا رہا۔ جسم کو لگنے والا جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ اس نے پور پور کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سمجھ پاتا۔ کراہنے کی آواز سن کر وہ چونکا۔

المیر نے سر اٹھا کر دائیں جانب دیکھا۔ جہاں ایک لڑکی روڈ پر گری ہوئی تھی۔

وہ ٹھٹک گیا۔

یہ کون تھی؟

پریشانی کے عالم میں وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔اس لمحے اس کی توجہ صرف اور صرف اس لڑکی پر مرکوز تھی۔

وہ بھی منہ کے بل گری ہوئی تھی۔اس کے جسم پر ایک سرخ دوپٹہ ڈھیلا پڑا تھا۔جو اس کے سر سے ہوتا ہوا کمر تک پھیلا ہوا تھا۔

اس نے میری جان بچائی؟

یہ سوال اس کے ذہن میں گونجا۔اور ایک لمحے کے لیے وہ ساکت ہو گیا۔

دھیرے دھیرے وہ اس کے قریب جھکا جیسے اس کا چہرہ دیکھنا چاہتا ہو۔

اور جیسے ہی وہ لڑکی ہلکی سی کراہتی ہوئی سر اٹھانے لگی،المیر کی نظریں اس کے چہرے پر جا ٹھہریں...

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اور پھر۔۔۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

باب ۳

اشفاامین احمد مرزا کے دفتر میں بیٹھی تھی جب اُسے کہیں سے اڑتی اڑتی خبر ملی کہ پولیس اہلکار تحقیقات کے لیے مال روڈ کے ایک مخصوص مکان کے باہر جمع ہیں۔ بلاشبہ خبریں اُسے آسانی سے مل جایا کرتی تھیں۔

اشفا کی آنکھوں میں چمک دوڑ گئی۔ وہ فوراً کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے میز پر رکھا اپنا فون اٹھایا۔ "صبح صبح ایس ایچ او صاحب کا چہرہ دیکھنے کا دل نہیں کرتا۔ لیکن اب کیا کروں؟ مجبوری ہے۔"

Clubb of Quality Content

فون کالاک کھول کر اس نے مومن کو ایک مسڈ کال دی اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے دفتر سے باہر نکل گئی۔

جیسے ہی وہ باہر آئی۔ فوراً اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چابی گھمائی۔ ایک ہاتھ اسٹیئر نگ پر اور دوسرا گیئر پر رکھتے ہوئے اس نے مہارت سے گاڑی موڑی اور مال روڈ کی طرف روانہ ہو گئی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

پندرہ منٹ بعد وہ اپنی منزل پر موجود تھی۔ مگر گاڑی کو آس پاس کی دکانوں کے قریب پارک کرنے کی بجائے کچھ فاصلے پر لے گئی۔

گاڑی سے اترتے ہی اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ لوکیشن کے مطابق وہ صحیح جگہ پر تھی۔ مگر واضح طور پر کوئی مکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ چند لمحے وہ یونہی کھڑی رہی پھر آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔

وہ چلتی گئی اور راستے میں آئے ایک پتھر کو زور سے ٹھوکر ماری۔ اُسے راستوں میں پڑے پتھر برے لگتے تھے۔ اُسے اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے اپنی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز سے نفرت تھی۔

دائیں طرف ایک سنسان سی گلی دکھائی دی تو وہ اسی طرف چل پڑی۔ دکانیں ختم ہو چکی تھیں اور سامنے ایک پرانا مکان نمودار ہوا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مکان کے گیٹ پر پہنچ کر اس نے ہر طرف نگاہ دوڑائی۔ سامنے کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور آہستہ قدموں سے اندر داخل ہو گئی۔

اندر قدم رکھ کر اس نے فوراً فون نکالا اور ریکارڈنگ آن کر دی۔ اس کی ٹیم تو ابھی نہیں پہنچی تھی مگر ایسا موقع ہاتھ سے جانے دینا نری بے وقوفی ہوتی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر یہاں اسے کسی

ایک اہلکار نے بھی دیکھ لیا تو وہ منظر قیامت سے کم نہ ہوگا پر کیا کرتی اُسے بونس یہاں تک کھینچ ہی لایا تھا۔

آج صبح ہی احمد مرزا صاحب نے اس کیس کی زیادہ معلومات لانے والے کو بونس دینے کا اعلان کیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ مومن کا فائدہ بھی کروانے والی تھی۔ وہ اس طرز سے چھوٹے دل کی مالک نہیں تھی۔۔اپنے فائدے کے لئے دوسروں کا حق نہیں مارتی تھی۔

اس کو داخل ہوتے ہی سب سے پہلے فرش پر بکھری کانچ کی کرچیاں دیکھنے کو ملیں۔ کہیں پر مٹی تھی تو کہیں پر کانچ۔ جیسے کچھ ٹوٹنے کے بعد جلدی میں یہاں سے ہٹایا گیا ہو اور پیچھے چھوٹی چھوٹی کرچیاں باقی رہ گئی ہوں۔

وہ احتیاط سے دائیں طرف بڑھ گئی جہاں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ وہ آج سے پہلے کسی بھی کرائم سین میں اس طرح چھپ چھپا کر داخل نہیں ہوئی تھی۔ ہمیشہ دھڑلے سے داخل ہوتی تھی۔

اس کے دماغ کا ہر حصہ اُسے الٹیمیٹم دے رہا تھا کہ یہ صحیح نہیں ہے لیکن وہ یہ سوچ کر اس خیال کو جھٹک رہی تھی کہ صرف ایک دو کمروں کی ریکارڈنگ کرے گی اور پھر چلی جائے گی۔

کمرے میں کوئی خاص سامان نہیں تھا۔بس جگہ جگہ مٹی نظر آرہی تھی۔ مٹی پر جوتوں کے نشان دیکھ کر اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے بھی اس کمرے میں کوئی آچکا ہے۔

کمرے کے کونے میں ایک پرانی الماری کھلی ہوئی تھی۔وہ اندر سے بالکل خالی تھی۔ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے اچھی طرح صاف کیا گیا ہو۔

ایک آخری نظر چاروں اور دوڑاتے مزید تفتیش کی غرض سے وہ کمرے سے باہر کی طرف چل دی۔

ابھی وہ بائیں جانب بڑھنے ہی والی تھی کہ اس کے فون کی گھنٹی بجی۔فون کو فوری طور پر سائلنٹ پر کرتے اس نے اسکرین کو دیکھا۔اسکرین پر مومن کا نام دیکھ کر اس نے فوراً گال اٹھائی۔

"ہا۔۔۔آپ۔۔۔۔آوا۔۔"مومن کی آواز بری طرح کٹ رہی تھی۔

"مومن..آواز آرہی ہے؟"وہ قدرے اونچی آواز میں بولی۔مگر دوسری طرف خاموشی تھی۔پھر اچانک سے ذہن میں جھماکا ہوا کہ اگر ایک اور دفعہ آواز نکالی تو کوئی نہ کوئی جان جائے گا کہ پولیس کے علاوہ بھی یہاں کوئی موجود ہے۔

وہ فون ہاتھ میں لیے داخلی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔نیٹ ورک کا مسئلہ تھا۔مکان ایسی جگہ کس سیانے نے بنایا ہے؟ہاتھ کی پشت سے پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے سوچا۔

باہر آکر بھی نیٹ ورک نہیں ملا تو اس نے روڈ کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔وہ وقت برباد نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اشفا کو ہمیشہ خوش رہنے کی عادت تھی مگر اگر کوئی اس کا کام بگاڑ دیتا تو اسے بے حد غصہ آتا تھا۔ وہ خود کسی کے معاملے میں مداخلت نہیں کرتی تھی۔ اس لیے چاہتی تھی کہ کوئی اس کے کام میں بھی مداخلت نہ کرے۔ لیکن مومن علی ہو اور سکون سے اسے کام کرنے دے... ایسا ہو سکتا ہے بھلا؟

ابھی اس نے روڈ پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک لمحے کو ٹھہر گئی۔

Clubb of Quality Content!

"مومن ۰۰۰ اب آواز آ رہی ہے؟" جواب ندارد۔ مایوس ہو کر اس نے کال کاٹ دی اور مومن کا میسج دیکھا۔

پہلا میسج:

(باجی، گاڑی رش میں پھنسی ہوئی ہے۔ آدھے گھنٹے میں پہنچوں گا۔)

دوسرا میسج، آدھے گھنٹے بعد:

(باجی، ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔)

تیسرا میسج، کچھ ہی لمحوں پہلے:

(باجی، میسج دیکھ لیں۔ بس یہی بتانے کے لیے کال کر رہا تھا۔)

اشفا نے فون نیچے کیا اور کچھ دیر خالی نظروں سے زمین کو گھورتی رہی۔

"مجھے یہ بتانے کے لیے کال کر رہا تھا کہ میں اس کا میسج دیکھ لوں؟ لوگ میسج کرتے ہیں کال کرنے کے لیے اور اس کو دیکھو۔ یا خدایا! کون سی منحوس گھڑی تھی وہ... جب میں نے اسے اپنا اسسٹنٹ منتخب کیا تھا؟" اس نے دانت پیسے۔

ابھی وہ غصے کے سمندر میں ڈوب کر چہرے کے زاویے بگاڑ ہی رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر سڑک کے بیچوں بیچ کھڑے ایک شخص پر جا ٹھہری۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس آدمی کی پشت اس کی طرف تھی۔اس کے سیاہ گُھنگریالے بال ہی اس کی شناخت کے لیے کافی رہے تھے۔

المیر خلیل۔

پہچاننے میں اُسے ایک پل بھی نہ لگا۔دل میں جیسے خطرے کی گھنٹی بجی۔اس نے فوراً وہاں سے پلٹنے کا سوچا مگر اسی لمحے اس کی نظر ایک تیز رفتار ٹرک پر پڑی جو پوری رفتار سے سیدھا المیر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

المیر اپنی ہی سوچوں میں گم۔۔خطرے سے یکسر بے خبر وہاں کھڑا تھا۔

اشفا کا دل ایک لمحے کو رک سا گیا۔سانس بے ترتیب ہوئی۔

Clubb of Quality Content

جہاں تک اُسے یاد تھا۔۔یہ سڑک تو پچھلے چند ہفتوں سے بند تھی تو پھر یہاں ٹرک کہاں سے آگیا تھا؟اور مزید حیران کن بات یہ تھی کہ ٹرک میں بیٹھا ڈرائیور سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھ کر ہارن بھی نہیں بجا رہا تھا جیسے اُسے اوپر پہنچانے کی ہی غرض سے آیا ہو۔

وہ اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی۔ایک لمحے کے لئے تو جیسے اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا۔دل زوروں سے دھڑکنے لگا۔

اس نے بغیر کچھ سوچے فوراً اپنا بیگ زمین پر پھینکا۔مگر اس سے پہلے فون احتیاط سے اس میں رکھ دیا۔ پھر وہ پوری قوت سے المیر کی طرف دوڑی۔

اس سے پہلے کہ ٹرک المیر کو روند ڈالتا۔اشفا نے اسے زور سے دھکا دیا۔خود بھی ٹرک کے سامنے سے ہٹی تو توازن کھو بیٹھی اور اس کا پاؤں بری طرح مڑ گیا۔جس کی وجہ سے وہ بھی المیر کی طرح سڑک کے کنارے جا گری۔

جب اس کا جسم پکی سڑک سے ٹکرایا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اُسے بلند عمارت سے دھکا دے دیا ہو۔ایک شدید جھٹکے نے اس کے پورے بدن کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

سر میں ایک کرار اور درد اُبھرا جیسے کوئی ہتھوڑا برسا ہو۔ جسم کے ہر حصے میں درد کی لہر دوڑ گئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور پھر ایک عجیب سی دھند نے بسیرا کر لیا۔

کچھ لمحے وہ یونہی بے حس و حرکت سڑک پر پڑی رہی۔ پھر کسی کے قریب ہونے کا احساس ہوا۔ نیم وا آنکھوں سے اُس نے سامنے جھکے اُس شخص کو دیکھا۔اس کی شہد رنگ آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ ناقابل برداشت تکلیف کے باعث۔

دھند کو چیر کر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے آنکھیں زور سے کھولیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

المیر خلیل زانوں کے بل اس کے سامنے جھکا بیٹھا تھا۔اس کی سر مئی آنکھوں میں حیرت، تشویش اور ایک ان کہی سی پریشانی جھلک رہی تھی۔اس کے ہونٹ سوجے ہوئے تھے۔جن سے ہلکا سا خون رس رہا تھا۔دائیں رخسار پر ایک خراش تھی۔وہاں پر بھی زخم آیا تھا۔

اس نے دو سے تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔پھر پوری طرح آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

المیر کے ماتھے پر بھی چوٹ آئی تھی مگر اُس کی نظریں اب بھی بے حرکت اشفا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔وہ دھیرے دھیرے اٹھ بیٹھی۔

المیر کی آنکھوں میں حیرت کا سمندر تھا کہ جیسے وہ اب تک یقین نہیں کر پا رہا ہو کہ ایک رپورٹر۔۔جسے وہ اکثر نظر انداز کرتا تھا، آج اس کی زندگی بچا گئی تھی۔

اشفا کو سمجھ نہ آیا کہ آیا اِس خیال نے المیر کو حیرت میں ڈال رکھا ہو گا یا اُس خیال نے ڈالا ہو گا کہ اُسے بچانے والی اور کوئی نہیں بلکہ اشفا امین تھی جس سے وہ سخت نفرت کرتا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اشفا کے کانوں میں آخر کار وہ آواز پڑی۔ ابھی الفاظ ادا ہوئے ہی تھے کہ زخمی حالت میں بیٹھی وہ شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی کراہتے ہوئے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ یوں اچانک اٹھنے سے اس کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اُسے لگا وہ اب کسی بھی وقت گر پڑے گی لیکن ایسا نہ ہوا تھا۔

اشفا کو اٹھتے دیکھ المیر نے بھی اپنے جسم میں جان ڈلتی ہوئی محسوس کی۔ وہ بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور ایک ہاتھ بڑھا کر اشفا کو پکڑ لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ اُسے سہارا دے رہا تھا•• یہ بات اشفا امین کے لئے ہضم کرنا بہت مشکل تھی۔ وہ اس سے دور ہٹی جیسے اُسے کرنٹ لگ گیا ہو۔

"جب دکھتا نہیں ہے تو پولیس فورس کیوں جوائن کر لی؟ دیکھیں آپ کی وجہ سے مجھے کتنے زخم آئیں ہیں۔ خدانخاستہ اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو؟ ساتھ میں میرا نیا سوٹ بھی خراب کر دیا!" اشفا کی آواز کپکپا رہی تھی۔ مگر یہ کپکپاہٹ بھی اس کی تیز زبان کو لگام نہ دے سکی۔

اشفا کی بات سنتے ہی اس کاپ نے جبڑے بھینچ لئے۔ وہ تو بھول ہی گیا تھا کہ مقابل زبان دراز ہونے میں یکتا تھی۔ وہ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر فوراً چند قدم پیچھے لے گیا۔ اس کے ماتھے سے بہتا خون اب ناک تک پہنچ چکا تھا۔ مگر اس وقت اسے اس خون کی پرواہ نہیں تھی۔

"تو تمہیں کس نے کہا تھا مجھے بچانے آؤ؟"

وہ تو پھر پولیس والا تھا۔ تنے ہوئے انداز اور تیز چلتی زبان اُسے سخت ناپسند تھی۔

Clubb of Quality Content!

اِشفا جو پہلے ہی شدید غصے میں تھی۔۔ یہ سن کر مزید بپھر گئی۔ اس کا دل چاہا کہ اپنے جسم میں اٹھتی ٹیسیوں اور درد کو ایک لمحے کے لئے بھول جائے اور یہیں المیر خلیل سے حساب برابر کر لے۔

"ایک تو جان پر کھیل کر آپ کو بچایا اور اُلٹا آپ مجھے ہی سنا رہے ہیں؟!" اس کے لہجے میں بے یقینی اور خفگی واضح تھی۔

لو اب اس احسان کی سوئی پوری زندگی میرے سر پر لٹکی رہے گی۔ سوچ کر مقابل نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

اشفا کی آنکھوں میں غصے کے ساتھ ساتھ بے بسی بھی در آئی۔ اس کا چہرہ تکلیف اور ناراضی کی عکاسی کر رہا تھا۔ آج سے پہلے اس نے اس طرح کبھی اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالی تھی۔ مگر المیر کی طرف ٹرک کو بڑھتے دیکھ کر نا جانے اسے کیا ہوا تھا کہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر وہ دوڑ پڑی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کے لرزتے لہجے کو سنا تو وہ پریشان ہوا۔ المیر نے اس کا احساس کرتے ہوئے مزید تلخ ہونے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے ہاتھ جیب میں ڈالا اور وہاں سے ایک سیاہ رنگ کا رومال نکالا۔

"لاؤ ہاتھ دو۔" کہہ کر وہ اشفا کے قریب آیا۔پہلے تو اس نے اچھی طرح سوچا کہ اُسے یہ رومال اس کی تحویل میں دینا بھی چاہیے یا نہیں؟ مگر پھر اس کا ہاتھ تھاما اور رومال اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

وہ جو ابھی کچھ کہنے کے لئے منہ کھول ہی رہی تھی اپنے ہاتھ میں اچانک سے سیاہ رومال کو دیکھا تو اس کی آنکھیں دنگ رہ گئیں۔وہ تو سمجھ رہی تھی کہ المیر خلیل دوسری نظر ڈالے بغیر جگہ تبدیل کر لے گا۔وہ وہاں کھڑا تھا۔آنکھوں میں پریشانی لئے اُسے دیکھ رہا تھا اور اپنا سیاہ رومال اُسے تھما بھی چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اُس نے ایک نظر اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر ڈالی جس میں رومال تھا اور دوسری نظر سامنے کھڑے خوبصورت سُرمئی آنکھوں والے مرد پر جو اپنے چہرے سے بہتے خون کی پرواہ کیے بغیر اشفا کے زخم کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

اشفا نے المیر خلیل کا یہ روپ دیکھا ہی کہاں تھا؟

"کیا ہوا؟"المیر کی آواز نے اُسے خیالات سے باہر نکالا۔آواز پر وہ چونکی پھر اپنی شہد رنگ آنکھیں سُرمئی آنکھوں سے ملائیں۔وہ اتنا پریشان کیوں دکھ رہا تھا؟وہ لڑ کیوں نہیں رہا تھا؟ کہیں اس کے سر پر گہری چوٹ تو نہیں آگئی تھی؟

وہ اس کے چہرے پر آئے سائے کو دیکھ کر الجھا۔کچھ فاصلے پر ہوا اور پھر اس کے چہرے کو دیکھنے کے لئے کچھ نیچے کو ہوتا اب اس کی آنکھوں کے برابر آگیا۔اشفا امین قد میں المیر خلیل کے کندھے سے تھوڑا نیچے تک آتی تھی۔کاش قد کی طرح زبان بھی چھوٹی ہوتی تو پاکستان کا بہت فائدہ ہو جاتا۔خیال ذہن میں ابھرا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے اس کے سوال کے جواب میں فوراً سر نفی میں ہلایا۔المیر کو اس کا اچانک یوں چپ کر جانا عجیب لگا۔وہ مزید پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔اس کے سر پر تو نہیں لگ گئی کہیں؟اس نے دل میں سوچا۔

وہ دونوں ہر طرح سے مختلف ہونے کے باوجود بالکل ایک جیسے تھے۔

"میں مدد کروں؟" ہاتھ سے رومال کی طرف اشارہ کیا۔اس کی نظریں اس کے زخمی ہاتھ پر تھیں۔ وہ اشفا کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ اس کا ہاتھ زخمی تھا اس لئے وہ صحیح سے رومال استعمال میں نہیں لا پا رہی تھی۔اب اگر اس کو زیادہ زخم آ گئے تو ہسپتال لے کر جانا ہوگا اور اس میں کافی پیسے لگ جائیں گے۔پہلے ہی میں اپنا فون توڑ چکا ہوں۔اور بابا تو پیسے کبھی نہیں دیں گے۔یہ سوچتے ہوئے اس نے رومال اس سے واپس لینا چاہا پر اشفا ہاتھ پیچھے کر گئی۔

"میں کر لوں گی۔" دھیمے لہجے میں کہا اور دھیرے سے رومال ہاتھ پر باندھ لیا۔المیر جانتا تھا وہ رومال چہرے کے نزدیک ہرگز نہیں لے کر جائے گی۔

نفرت کی آگ تھی...دونوں طرف برابر لگی تھی۔

"وہ...تم۔۔خود گاڑی چلا کر یہاں تک آئی ہو؟" بہت سوچ کر سوال کیا تو اشفا نے ایک ابرو اُچکائی۔وہ سوال کرتے ہوئے نظریں چُرا رہا تھا۔

"جی۔" ایک لفظی جواب سن کر المیر نے سر جھٹکا۔

"میں گھر چھوڑ دوں تمہیں؟" اب تو اُسے یقین ہو گیا تھا کہ مقابل کے سر پر گہری چوٹ آئی تھی۔

اسی لمحے آسمان پر بجلی چمکی۔ اشفا نے پلکیں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جو گہرے نیلے رنگ میں ڈھل چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے تھمنے والی بارش کی بوچھاڑ پھر سے رفتار پکڑنے کو تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرائی۔ پہلے آسمان سے ایک قطرہ گرا۔ پھر دوسرا گرا اور پھر بارش نے اپنے اصل روپ میں برسنا شروع کر دیا۔ آسمان سے گرتا ہر قطرہ اُسے سکون پہنچا رہا تھا اور پھر سردیوں کی بارشیں تو اس کی پسندیدہ تھیں۔

لیکن ابھی بارش سے لطف اندوز ہونے کا وقت نہیں تھا۔ وہ ٹھیک سے اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہوئے واقعے نے اس کو اندر سے دہلا کر رکھ دیا تھا۔

"نہیں ۔۔۔ آپ رہنے دیں۔ میں چلی جاؤں گی۔" نظریں اپنے پیروں پر ٹھہرا لیں۔

"بارش ہونے والی ہے اور تمہارے گھر کے آس پاس کی سڑکیں بھی اکھڑی ہوئی ہیں۔ میں چھوڑ دیتا ہوں۔" اس نے اپنی بات کو دوہرانا ضروری سمجھا۔ وہ اس کو اکیلے بارش میں کیسے بھیج دیتا جبکہ وہ جانتا تھا کہ اشفا گاڑی کو گاڑی نہیں جہاز سمجھ کر چلاتی ہے۔

"گھر کے آس پاس کی سڑکوں کو نئے سرے سے بنے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں پر خیر یہ بات آپ کو کیسے پتا ہو گی؟ آپ کے گھر کی کوئی سڑک میرے گھر کے راستے میں تھوڑی پڑتی ہے۔" اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکان در آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں واضع طور پر اداسی دیکھی جاسکتی تھی۔

Clubb of Quality Content!

مقابل جواباً کچھ کہہ نہ سکا۔ اُسے اشفا کے لہجے نے پریشان کر دیا تھا۔ شاید وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس سے شکایت کر رہی تھی۔

ایک نظر اٹھی اور اگلے ہی پل پھر زمین پر جا ٹھہری۔ وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا پر الفاظ کا چناؤ اُسے اس وقت کا سب سے مشکل کام لگ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ مسکرا کر بہت کچھ باور کروا گئی تھی۔ وہ اس سے ناراض تھی اور کیوں تھی یہ بات اُس کے علم میں تھی۔

وہ مخصوص وجہ ہمیشہ سے جانتا تھا پر نظرانداز کرتا آرہا تھا۔ اُسے چیزوں کو پیچیدہ بنانا دنیا کا سب سے کٹھن کام لگتا تھا۔ وہ بیٹھ کر بات نہیں کر پاتا تھا۔ کیونکہ اُسے انسانوں کو منانا نہیں آتا تھا۔

"ضدمت کرو۔۔ میرے ساتھ چلی جاؤ۔ گاڑی محمت تمہارے گھر چھوڑ دے گا۔" ابھی کے لئے اُسے یہی کہنا مناسب لگا۔ وہ اپنے سامنے کھڑی تھکی ہاری لڑکی سے اب کیا ہی بحث کرتا۔

بارش نے جیسے اسی پل رفتار پکڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ٹھنڈے ٹھنڈے قطرے ان دونوں کے چہروں پر پڑے۔ دونوں کی نظریں بیک وقت آسمان کی طرف اٹھیں۔ کچھ لمحے وہیں ٹھہر گئیں اور پھر کچھ لمحوں کے تعاقب کے بعد ایک مرتبہ پھر سے ملیں۔

بارش سے ذہن ہٹا تو اس شخص کی باتوں پر آٹھہرا جو پولیس کی وردی پہنے پوری شان سے اس کے سامنے ایسے کھڑا تھا جیسے زخم تو اُسے چھو کر بھی نہ گزرے ہوں۔

"محمت۰۰۰؟ اوہ، وہ محمت۔ وہ اونچا لمبا سا، ہے نا؟" المیر نے سختی سے جبڑا بھینچ لیا۔ وہ کہاں سے اونچا تھا؟ چہرے پر رگیں نظر آنے لگیں۔ ایک اکتائی ہوئی نگاہ اپنے سامنے موجود لڑکی پر ڈالی اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ایک کام کرتے ہیں! میں محمت کے ساتھ گھر چلی جاتی ہوں اور آپ میری گاڑی گھر لے آنا۔ ٹھیک ہے نا؟" ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان تھی جو اس کی بے حد خوشی کی عکاسی کر رہی تھی۔ اُسے سُرمئی آنکھوں والے کاپ کو جلانے میں بہت مزا آتا تھا۔

"ہر گز نہیں! محمت کے اور بھی بہت سے کام ہیں۔" ہونٹ اب بھی بھینچ رکھے تھے۔

"اور آپ کے؟" اس کے بے تکے سوال پر المیر نے ابرو اچکا کر اس کو گھورا۔

"میرے بھی بہت سے کام ہیں لیکن یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم گاڑی کو جہاز سمجھ کر چلاتی ہو۔ تمہیں اس موسم میں اکیلے کیسے جانے دوں؟" وہ کہنا کچھ اور چاہتا تھا پر کہہ نہیں سکا۔

نہ وہ محبت کا اظہار ٹھیک سے کر پاتا تھا اور نہ ہی نفرت کا۔ جب بھی اس لڑکی کا خیال اس کے ذہن کی اسکرین پر نمودار ہوتا تو وہ سوچتا تھا کہ وہ سامنے آئے گی تو یہ کہوں گا وہ کہوں گا۔ لیکن وہ جب روبرو آتی تھی تو وہ سب بھول جاتا تھا۔

Clubb of Quality Content

پتا نہیں مقابل میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ وہ المیر خلیل کو نفرت کے قابل نہیں لگتی تھی۔

دوسرا سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ اس شخص کو اوور شیئر کرنا ٹھیک سے آتا ہی نہیں تھا۔ وہ کسی کا خیال بھی رکھے تو ایسے رکھتا تھا کہ حق بھی ادا ہو جائے اور سامنے والے کو محسوس بھی نہ ہو۔

اکثر زندگی میں کچھ مراحل ایسے آتے ہیں جہاں ہم ولنربل(vulnerable)یعنی خود کو کمزور محسوس کرتے ہیں۔ایسے میں ہم کسی کا سہارا مانگتے ہیں اور وہ سہارا ہمیں صرف وہی شخص لگتا ہے جو اس وقت ہمارے سب سے قریب ہوتا ہے۔کمزوری کے عالم میں انسان اگلے شخص کو بہت کچھ بتا دیتا ہے جو اُسے نہیں کہنا چاہیے۔دوسرے الفاظ میں وہ ضرورت سے زیادہ اپنے آپ کو ایک کھلی کتاب کی طرح بنا دیتا ہے جسے ہر کوئی آسانی سے پڑھ سکتا ہے یعنی زیادہ اوور شیئر کر دیتا ہے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

پھر جب انسان اس فیز سے نکلتا ہے تو اُسے سوچ آتی ہے کہ اُسے وہ سب نہیں کہنا چاہئے تھا۔خود کے بارے میں ضرورت سے زیادہ نہیں بتانا چاہیے تھا اور اسے امپلس شیئرنگ(impulse sharing)کہا جاتا ہے۔اس فیز کا تعلق دماغ اور روح سے ہوتا ہے۔یہ ایک فطری عمل ہوتا ہے۔اس فطری عمل پر قابو پانے کے لئے سب سے پہلے انسان کو اپنے جذبات اور احساسات قابو میں رکھنے آنے چاہیے ہیں۔

کسی شخص کے ساتھ کچھ بھی شیئر کرنے سے پہلے ذہن میں آنے والا پہلا سوال یہ ہونا چاہیے کہ کیا سامنے والے کو یہ سب بتانے کے بعد وہ خود چین سے سو سکے گا؟ کیا اگلے شخص کو فرق پڑے گا؟ کیا یہ ساری باتیں اپنے اندر رکھنا اتنا ہی مشکل ہے اس کے لئے؟ جب آپ یہ تین سوال خود سے کرتے ہیں تو آپ اس فیز سے باآسانی خود کو نکلتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔

اسی چیز سے بچنے کے لئے المیر خلیل اپنے آپ کو ایک بند کتاب کی طرح رکھنا پسند کرتا تھا جس تک ہر کوئی رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

کن آکھیوں سے مقابل کے چہرے کا جائزہ لیا۔وہ چاہتی تو کچھ پل مزید اُسے تارے تپا سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مان گئی تو المیر نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔وہ تو جیسے جیل سے رہا ہوا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چوٹیں اتنی گہری تو نہیں ہیں لیکن پھر بھی کسی ڈاکٹر کو چیک کروا دینا۔" ٹیٹنس کا انجیکشن لگوانے کا مشورہ اس کی زبان پر ہی رہ گیا۔ وہ اُسے کہنا تو چاہتا تھا پر وہ جانتا تھا کہ اس کی بہن بھی ایک ڈاکٹر ہے۔ اس لئے اس طرف سے وہ بے فکر تھا۔

اس نے جواباً بس سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ اب بس گھر جانا چاہتی تھی۔ بستر پر لیٹ کر کچھ دیر آنکھیں بند کرنا چاہتی تھی۔ پہلے اس نے سوچا المیر کو بھی ہسپتال جانے کا کہے لیکن پھر خیال ترک کر دیا۔ میں کیوں خیال کروں؟ خود اچھے بھلے سمجھ دار ہیں۔

دوسری طرف وہ اب اپنا رخ گاڑی کی طرف کر چکا تھا جو کہ کافی فاصلے پر کھڑی تھی۔ ہاتھ سے اشفا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ قدم اب تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اور اشفا امین اس کے پیچھے چلنے کی بجائے اس کے شانہ بشانہ چل رہی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد اس نے گاڑی اشفا کے گھر کے سامنے لا کر روکی تھی۔ وہ اشفا کی وجہ سے سارے راستے آرام سے ڈرائیو کرتا آیا تھا۔ اپنے بائیں ہاتھ سے گاڑی کو ان لاک کیا کیونکہ دایاں ہاتھ کچھ سن سا ہو رکھا تھا۔

اشفا نے ایک نظر اپنے ساتھ بیٹھے المیر پر ڈالی جس کے چہرے پر خون کی بوندیں جم گئی تھیں۔

اس نے جب اسکی نظریں خود پر محسوس کیں تو اپنا چہرہ اس کی طرف موڑ لیا۔ سُر مئی آنکھوں میں سوال تھا۔۔ دھیرے سے ابرو اُچکائی۔ ساتھ بیٹھی لڑکی کچھ الجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا اشفا اُسے گھر کے اندر آنے کی دعوت ضرور دے گی جیسے وہ ہمیشہ دیا کرتی تھی۔

لیکن ہمیشہ رویے اور انسان ایک سے کہاں رہتے ہیں؟

المیر کو آج بھی وہ دن یاد تھا جب وہ آخری دفعہ اس گھر کے باہر یوں ہی کھڑا تھا۔ اس بات کو شاید چھ سال ہو گئے تھے یا شاید اس سے بھی زیادہ۔ جب بھی وہ رسماًان کے لیے کوئی چیز

لے جاتا تھا تو وہ المیر کو گھر کے اندر آنے کی دعوت ضرور دیتی تھی۔ لیکن وہ ہر دفعہ انکار کر دیا کرتا تھا۔ آج تک اُسے اس انکار کی وجہ خود بھی معلوم نہ ہو پائی تھی یا شاید معلوم تھی بس وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

آخری دفعہ بھی وہ بیس سالہ اشفا سے لڑ کر غصے میں اس کے گھر کے پورچ سے نکلا تھا۔ المیر کے نزدیک اس وقت بھی وہ ٹھیک تھا اور آج بھی وہ ٹھیک تھا۔

"میں آپ کو اندر آنے کی دعوت نہیں دوں گی کیونکہ اگر آپ گھر کے اندر آ گئے تو کہیں آپ کے پیروں میں لگی مہندی نہ اتر جائے۔" مزے سے کہا تو المیر اپنے خیالوں سے باہر نکلا۔ جب اس کی بات کا مطلب سمجھ میں آیا تو اُس نے اُسے غصے سے دیکھا۔

"ویری فنی۔ اب جلدی جاؤ بھی۔ میرے اور بھی بہت کام ہیں۔" ہاتھ سے اشارہ کیا گیا۔

تھینک یو ویری مچ۔" آنکھیں مٹکا مٹکا کر کہا تو المیر نے آنکھیں گھمائیں۔

"واٹ ایور۔"

اس سے اسی جواب کی توقع کی جاسکتی تھی۔اسی لئے اس نے پچھلی سیٹ سے اپنا بیگ اٹھایا اور دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل گئی لیکن اس سے پہلے پیچھے مڑنا نہ بھولی۔

"سڑک دھیان سے پار کیجئے گا۔اب ہر کوئی اشفاامین تو نہیں ہوتا ناں۔" وہ چلی گئی تو اس نے تاسف میں سر ہلایا۔

"ہر کوئی المیر خلیل بھی نہیں ہوتا کہ تمہیں برداشت کر لے۔" زیرِلب بڑبڑایا۔

••—•—••

اس کی مال روڈ سے واپسی دوپہر کے دو بج کر چند منٹ پر ہوئی تھی۔چہرے پر خون ویسے ہی جم چکا تھا۔زخم ابھی بھی تازے تھے۔محمت نے اُسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی ضد کی

لیکن اس کے لاکھ اسرار پر بھی وہ نہ مانا۔ یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ "بعد میں ان چوٹوں کا کچھ کروں گا۔ ابھی بہت کام ہے۔"

وہ سب کچھ نظر انداز کر دیتا تھا جب اُسے کام ہی کام ہر جگہ نظر آتا تھا۔ وہ اپنی نوکری اور پروفیشن سے بہت زیادہ وفادار تھا۔ اسے ڈیوٹی کے آگے کچھ نہیں دکھتا تھا۔ اپنا آپ بھی نہیں۔

حال پر نظر ڈالیں تو اس وقت المیر خلیل تھانے میں اپنی مخصوص نشست سنبھالے ہوئے تھا۔ سامنے موجود میز پر دو تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ دونوں ہی خود میں ایک کہانی تھیں۔ وہ ایک پر نظر ٹکاتا تو گہری سوچ میں جا پہنچتا۔ پھر دوسری تصویر کو دیکھتا تو اُسے کیس کا رُخ مڑتا ہوا نظر آتا۔

"سلیم۔۔ گھر میں کچھ ایسا نظر آیا جس سے forced entry کا شک دماغ سے نکالا جا سکے؟" وہ اپنے ایک قابل آفیسر سے مخاطب ہوا۔

"سر۔۔۔ہر جگہ کانچ پھیلا ہوا تھا۔مزید تو ایسا کچھ نہیں دکھا جس کے باعث میں یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ کہہ سکوں۔"تصویر پر ٹھہری آنکھیں کچھ پل کے لئے چھوٹی ہوئیں۔باقی کیسز کی نسبت اس کیس نے اُسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

"اس گارڈ کے علاوہ کوئی اور ہے جس نے کچھ دیکھا ہو؟"کچھ فاصلے پر کھڑا اسلیم جو چند کاغذات کو پر کھ رہا تھا۔ان کو اپنے میز پر رکھتا۔اس کی طرف آیا۔پھر سامنے رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں سر۔۔آس پاس موجود دکان داروں اور گھر والوں۔۔۔سب ہی سے تحقیقات کی جا چکی ہے۔کسی نے کچھ نہیں دیکھا۔آج مال روڈ کے اختتام پر واقعہ ایک دکان کے مالک سے بھی بات ہوئی تھی۔اس نے بھی کوئی خاص جواب نہیں دیا۔"المیر نے میز پر رکھا پین اٹھایا۔پین کی مدد سے ایک تصویر پر گول دائرہ بنایا۔

"اور سی سی ٹی وی؟"اب وہ پین کی مدد سے تصویر کی الٹی طرف کچھ لکھ رہا تھا۔

"پورے مال روڈ پر ایک ہی کیمرا ہے اور وہ کرائم سین سے کافی فاصلے پر ہے جس کے باعث اس جگہ کی کوئی فوٹیج نہیں ہے۔" عجیب بات تھی۔۔ جہاں لوگوں نے دکانوں کی حفاظت کے لئے جگہ جگہ کیمرے لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہاں مال روڈ پر کوئی ایک کیمرا بھی نہیں تھا؟

"اور آس پاس کے لوگوں سے اس گھر کے لوگوں کے بارے میں کچھ پتا چلا؟" مطلوبہ الفاظ لکھنے کے بعد اس نے پین میز پر واپس رکھ دیا۔

"سر، ہمسایوں کے مطابق ۔۔۔ گھر کا سربراہ جمال احمد نامی شخص ہے۔ وہ وہاں پچھلے کئی سالوں سے رہائش پذیر ہے۔ لوگوں کے مطابق اس کی دو بیٹیاں ہیں جن کی عمر آٹھ سے نو سال ہے۔" المیر نے کرسی کی کے ساتھ کمر ٹکالی۔ اب وہ سکون سے مقابل کی بات سن رہا تھا۔

"آخری بار جمال کو کب دیکھا گیا تھا؟" مزید سوال کیا۔

"سر، ایک دسمبر کی صبح۔ جمال اپنی بیٹیوں کو اسکول چھوڑنے کے لئے گھر سے نکلا تھا اور تب ہی سے نہ اسکا کچھ پتا ہے نہ ہی اس کی اولاد کا۔" المیر نے دایاں ہاتھ ماتھے پر رکھا اور اُسے دھیرے دھیرے مسلنے لگا۔

"جسے بھی جمال کا چہرہ اچھے سے یاد ہو۔ اسکیچ آرٹسٹ کو بلوا کر اسکیچ بنوالو..." ابھی وہ بات جاری رکھتا لیکن میز پر رکھا اس کا ٹوٹا ہوا فون بجنے لگا۔ فون کی اسکرین پر محمت کا نام دیکھ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے سلیم کو آگاہ کیا اور کال اٹھالی۔

"سر، آپ نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ ادھر سے کسی دوسری جگہ کے لئے نکل رہی ہیں۔" فون سے محمت جہانگیر کی آواز آئی۔ المیر ابھی بھی پر سکون تھا۔

"ٹھیک ہے..." کچھ سیکنڈز کے لیے وہ رکا پھر بولا۔ "تم نے خون ٹیسٹنگ کے لئے دیا؟" المیر کی بات سن کر مقابل کی آنکھوں میں الجھن در آئی۔

"جی سر... لیکن میڈم؟" اس نے پریشانی کے عالم میں المیر سے سوال کیا۔

"جانے دو۔ تم آجاؤ واپس۔" یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔ سامنے بیٹھے سلیم پر نظر گئی تو وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے اُسے کام پر لگنے کا اشارہ کیا۔ سلیم اٹھ کھڑا ہوا اور واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔

المیر نے جیسے ہی فون میز پر رکھا۔ تب ہی اُسے دراز قد کا حامل اے ایس پی راحم رضا احمد دور سے آتا ہوا نظر آیا۔ سب ہی اہلکاروں نے اُسے سلام پیش کیا اور دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گئے۔ راحم رضا نے سیاہ شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ وہ اکثر پولیس کی وردی نہیں پہنتا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں دو چائے کے کپ تھامے وہ المیر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس کے نزدیک آکر اس نے ایک کپ اس کے سامنے رکھ دیا اور دوسرا کپ اپنے ہونٹوں سے لگاتا••• وہ آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس نے چائے کا ایک گھونٹ لیا اور نظر المیر کے چہرے پر ٹھہر گئی۔ ہر گھونٹ کے ساتھ وہ المیر کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ مقابل راحم کا برتاؤ دیکھ کر جھنجھلایا۔

"کیا؟"جب مزید کچھ سیکنڈز کے لئے راحم کی نظریں المیر کے چہرے سے نہ ہٹیں تو المیر نے تنگ آکر اس سے سوال کیا۔

سبز رنگ آنکھیں چمکیں۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ نے بسیرا کر لیا۔ ساتھ ہی ساتھ بائیں گال میں گڑھا واضع ہوا۔"چہرے کی مرمت ہی کروانی تھی تو پہلے بتاتے... میں کر دیتا۔ دشمن سے کروانے کی کیا ضرورت تھی؟"

المیر نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ راحم بات کم کرتا تھا پہلے اُسے اچھے سے گول گول گھما لیتا تھا۔

"کیا مطلب؟"اس نے کپ کو لبوں سے لگایا۔

"وہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ کیا مطلب تم مار کھا کر آرہے ہو اور کسی نے ویڈیو بھی نہیں بنائی؟" چہرے پر معصومیت اور آنکھوں میں اداسی سجائے اس نے اطراف میں کام پر لگے اہلکاروں کی طرف خفگی سے دیکھا۔

"کون مار کھا کر آرہا ہے؟ کیا بول رہے ہو تم؟" المیر مزید الجھن کا شکار ہوا۔

"تم نہیں مار کھا کر آرہے اشفا امین سے؟" سوال پر المیر خلیل کی آنکھیں پھیلیں۔

"نہیں۔ تمہیں کس نے کہا؟" مشکوک نظروں سے المیر نے اپنے آفیسرز کو دیکھا۔

"تمہارے چہرے نے۔" دائیں ہاتھ سے اس کے زخمی چہرے کی طرف اشارہ کیا۔

"بیچ میں اشفا کہاں سے آگئی؟" اس نے ایک ابرو اچکائی۔

"وہ پیچ میں تھوڑی آئی ہے۔وہ تو ہمیشہ سے تھی، نہیں؟"شرارتی مسکراہٹ اب بھی وہیں تھی۔

"کیا مطلب؟ کچھ سمجھا نہیں میں۔"اس نے چائے کا کپ سائڈ پر رکھ دیا۔

"آئے گی سمجھ۔بس تھوڑا وقت لگے گا۔"کپ کو میز پر رکھ کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔اُسے المیر سے آج ہوئے حادثے کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔المیر کے وفادار اہلکار الف سے لے کر یے تک پوری کہانی اُسے فون پر ہی سنا چکے تھے۔

Clubb of Quality Content

راحم کچھ دوری پر کھڑے سلیم کے پاس گیا اور اُسے کچھ کہا۔سلیم چند قدم اٹھاتا آگے بڑھا اور وہاں لگی الماری سے ایک ڈبہ نکال کر پیچھے کھڑے راحم کو تھما دیا۔

وہ ڈبہ فرسٹ ایڈ باکس تھا۔راحم ڈبہ اٹھا کر المیر کی طرف آیا اور اُسے اس کے سامنے رکھ دیا۔ ایک ہی جھٹکے میں اُسے کھول کر اُس میں سے اسپرٹ اور روئی نکال کر میز پر رکھی۔

ڈبہ بند کر کے پھر اُس نے دائیں جانب رکھ دیا اور سپرٹ کو روئی پر لگا کر روئی اس کے ہاتھ کی طرف بڑھائی۔ المیر نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔ سب اہلکاروں کو منع کر کے اس نے مشکل سے جان چھڑوائی تھی لیکن راحم کو کون انکار کرتا؟ وہ سنتا تھوڑی تھا کسی کی۔

"اتنا بڑا آفیسر ایک دوائی سے ڈر رہا ہے؟" سبز آنکھیں اس کی ہتھیلی پر گاڑھ رکھیں تھیں جس پر وہ دھیرے دھیرے دوا لگا رہا تھا۔

"بچپن سے ٹوموفوبیا ہے مجھے۔ تم اچھے سے جانتے ہو۔" المیر نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں جیسے جو ہو رہا تھا اُس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے پر یہ تم میرے دس ہزار کب واپس کر رہے ہو؟ پچھلے تین مہینوں سے کنگال ہوا بیٹھا ہوں۔ کچھ ترس ہی کھا لو مجھ غریب پر۔" راحم نے المیر کی ہتھیلیوں پر دوا لگانے کے بعد چہرے پر روئی رکھی۔

Clubb of Quality Content

"ہیں ہیں ہیں ۔۔۔ ؟ کون سے دس ہزار اور میں نے کب لیے ؟" راحم یہ بات اچھے سے جانتا تھا کہ پیسوں کا سن کر المیر کی جان جاتی تھی۔

"ابھی تو بتایا میں نے ۔۔۔ تین مہینے پہلے ادھار لیا تھا تم نے مجھ سے۔" اب وہ اس کے ماتھے پر دوا لگا رہا تھا۔

"یہ کب ہوا، بھئی ؟" المیر کا دھیان بس راحم پر اور اس کی پیسوں والی بات پر تھا۔ وہ اس وقت ذہن پر زور ڈال کر تین مہینے پہلے ستمبر میں ہوئے تمام مخصوص واقِعات کو ذہن میں دوہرا رہا تھا۔

"ہواناں۔ بالکل ہوا۔ تم نے اور میں نے جب ڈھابے پر ناشتہ کیا تھا اور تم نے پیلے رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔" راحم کو المیر کے چہرے پر اُلجھن کے آثار دیکھ کر بہت ہنسی آئی پر خود پر قابو رکھا۔

Clubb of Quality Content!

"پیلے رنگ کی۰۰۰؟میرے پاس سوائے سیاہ، سُرمئی اور بھوری شرٹس کے کسی دوسرے رنگ کی ایک بھی شرٹ نہیں ہے۰۰۰" وہ پریشانی کے عالم میں ماتھے پر شکنیں ڈالے اپنے دوست کو دیکھے گیا۔"تم جھوٹ کہہ رہے ہو ناں؟"

"ہاں بالکل۔" جواب پر اس کا منہ کھل گیا۔

"لیکن ابھی تو-" اُس نے بات کاٹی۔" جھوٹ تھا۔ دل کیا تو جھوٹ بول دیا۔" راحم کو مسلسل دانت نکالتے دیکھ کر المیر خلیل کا پارا ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔

Clubb of Quality Content

"کیا مطلب؟ تم نے جو اتنی لمبی کہانی سنائی وہ جھوٹی تھی؟" المیر کی آنکھیں غصے سے پھیل گئیں۔ اس کی آنکھوں میں دھیرے دھیرے اترتا خون دیکھ کر راحم کو بہت مزا آرہا تھا۔

"ہاں ناں۰۰۰اگر میں تمہیں جھوٹی کہانی نہ سناتا تو تم میری باتوں میں اُلجھ کر چُپ چاپ دوائی لگوا لیتے؟"

"مکار انسان! میرا اتنا قیمتی وقت تم نے باتوں میں ضائع کروا دیا۔" اپنے زخمی ہاتھوں کو وہ بغور دیکھ رہا تھا۔ اتنی جلدی دو الگ جانے پر اُسے حیرت بھی ہو رہی تھی۔

"اوہو۔۔! معذرت وزیرِ اعظم صاحب۔ گستاخی معاف کیجئے گا۔ میں تو بھول ہی گیا تھا کہ اب آپ بہت مصروف ہوتے ہیں۔" روئی کو کچرا دان میں پھینکتے ہوئے اس نے فرسٹ ایڈ باکس بند کر دیا۔

"اب ہر کوئی تمہاری طرح فارغ تو نہیں ہوتا ناں۔" المیر جانتا تھا کہ راحم کی مصروفیت ان دنوں کچھ زیادہ نہ تھی۔

"آپ تو کہیں گے۔ آپ کو اب مجھ سے بہتر لوگ جو مل گئے ہیں۔" روٹھی ہوئی بیوی کی طرح جب راحم نے المیر کی طرف دیکھا تو المیر کی ہنسی چھوٹی۔

Clubb of Quality Content

"تم تو میرے بھائی ہو۔ تم سے آگے بھلا مجھے کوئی ہو سکتا ہے؟ تمہارے لئے تو میں جان بھی دے سکتا ہوں۔" المیر کے لیے راحم صرف ایک دوست نہ تھا۔۔ ایک بڑا بھائی تھا۔ وہ راحم سے دور ہونے کا کبھی تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

"جان نہیں چاہئے۔ بس ایک ہزار کا نوٹ چاہیے۔" سبز آنکھوں میں معصومیت تیر نے لگی۔ المیر نے بل کھاتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"اے ایس پی ہو کر ۱۰۰۰ ہزار کا نوٹ نہیں ہے تمہارے پاس؟" سوال تو کافی سنجیدہ تھا۔ راحم نے دنیا بھر کی معصومیت کے ساتھ پہلے اپنی داڑھی پر ہاتھ مارا پھر اپنے جگری یار کو دیکھا۔

"یار ساری سیلری نانی کو دے دیتا ہوں۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اچھا چلو ایک ہزار نہیں دو ہزار دے دو۔" نانی کو پیسے دینے والی بات المیر کے علم میں تھی اور اس کو لے کر وہ اکثر راحم کو چڑھایا کرتا تھا۔

اس نے جیب سے پانچ ہزار کا نوٹ نکالا جو اس نے یہاں آتے ہوئے راستے میں ایک بینک سے نکلوایا تھا۔ راحم کو پیسے دیتے ہوئے اس نے اپنے فون پر وقت دیکھا۔

"وہ فائلز رکھی ہیں۔ چیک کروان کو۔ میں وہاج کی یونیورسٹی اسے لینے جارہا ہوں۔" اس نے میز سے اپنا فون اٹھایا اور فائلز کی طرف اشارہ کیا۔

وہ وہاں سے نکل گیا جبکہ پیچھے راحم اپنے مخصوص انداز میں المیر کی کرسی پر بیٹھ گیا اور پیر میز پر رکھ لئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہاج خلیل یونیورسٹی کی کینٹین میں بیٹھا چسکوں کے ساتھ گلابی چائے پی رہا تھا جب اس کا فون بجا۔ فون کی گھنٹی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے چائے کے کپ کو لبوں سے لگایا۔ وہ چائے کا شوقین تھا۔ اُسے چائے پینے کی عادت اپنے بڑے بھائی سے لگی تھی۔

اس وقت وہاج نے نیلی جینز پر سفید رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی اور بالوں کو ٹوپی میں قید کیا ہوا تھا۔

فون ایک بار پھر سے بجا تو اس نے اکتا کر ایک نگاہ اپنے ساتھ بیٹھے دوست پر ڈالی اور اگلی نگاہ فون کی اسکرین پر۔ اسکرین پر فلیش ہوتا نام دیکھ کر چائے اس کے ہونٹوں سے نکلتی ہوئی ٹیبل پر گر گئی۔ ہاتھ سے منہ صاف کرتے ہوئے اس نے فوراً فون اٹھایا اور کان سے لگالیا۔

"ج۔۔جی بھائی؟" گھبراتے ہوئے الفاظ ادا کیے۔ زبان ہلکی سی لڑکھڑائی۔

Clubb of Quality Content!

"باہر آجاؤ۔" فون کی دوسری طرف سے سنجیدہ آواز آئی تو اس کے پسینے چھوٹ پڑے۔ اپنے دوست کی طرف دیکھا جو اسی کے تاثرات دیکھ کر دانت نکال رہا تھا۔

"کیوں بھائی... باہر کیا ہے؟" بھائی سے سو قسم کے مذاق وہ صرف گھر کی چار دیواری میں کیا کرتا تھا۔ گھر سے باہر اس کا بھائی باقی سب کی طرح اس کے لئے بھی ایک پولیس آفیسر تھا۔

"لینے آیا ہوں تمہیں۔ باہر آؤ۔" کہتے ہی مقابل نے کال کاٹ دی۔ وہاج نے ایک ہاتھ منہ پر پھیرا۔ چہرے پر آئے پسینے کو ہٹایا۔

"چل یار میں چلتا ہوں۔ بھائی آگئے ہیں۔" دوست کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

چند منٹوں کے بعد وہ یونیورسٹی کے باہر کھڑی اپنی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ اس نے ایک نظر ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان اپنے غصیلے بھائی پر ڈالی جو ہر دفعہ کی طرح آج بھی اپنے سیاہ رنگ بالوں کو ہاتھوں سے سیٹ کر رہا تھا۔

"السلام و علیکم، برادر۔" المیر نے چہرے کا رُخ اس کی طرف کیا اور دھیرے سے سر ہلایا۔

"و علیکم السلام۔ کیسا رہا دن؟" وہاج نے مسکرا کر اپنے بھائی کی طرف دیکھا جو شاید آج پہلی دفعہ اس سے یہ سوال کر رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بہت اچھا تھا۔ آپ لینے آئے تو اور بھی اچھا ہو گیا۔" المیر نے اس کی بات پر دھیرے سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ جانتا تھا کہ وہاج کی مکھن کی فیکٹری تو ہر وقت ہی چالو رہتی تھی۔

گاڑی میں اندھیرے کی وجہ سے وہاج کی نظر المیر کے زخمی چہرے کو جانچ نہ سکی۔ لیکن سورج کی روشنی گاڑی کے شیشے سے ہوتی جب المیر کے ہاتھ پر پڑی تو زخم واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔

وہاج نے پریشان ہوتے ہوئے جیب سے فون نکالا اور فلیش لائٹ کھول کر المیر کے ہاتھ پر لگائی۔ ہاتھ کی اوپری جلد اکھڑی ہوئی تھی۔ اس نے المیر سے زخم کے متعلق سوال کرنے کی غرض سے لائٹ اس کے چہرے پر لگائی تو اپنے بڑے بھائی کا زخمی چہرہ دیکھ کر وہ الجھن کا شکار ہوا۔

"بھائی، یہ کیسے ہوا؟" اس نے پریشانی کے عالم میں اُسے دیکھا اور شہادت کی انگلی المیر کے چہرے کی طرف بڑھا دی۔ اب وہ اس کے ماتھے پر آئے زخم کو چھو رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ ہو جاتا ہے۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ اب یوٹرن لینے کی غرض سے اسٹیئرنگ وہیل کو بہت صفائی سے ایک ہاتھ کی مدد سے گھما رہا تھا۔

"کسی سے جھگڑ کر آئیں ہیں کیا۔۔۔۔؟ اوہ نو! راحم بھائی سے لڑائی تو نہیں ہو گئی؟" اس نے آنکھیں پھیلائیں تو المیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہ ہی میں جھگڑ کر آرہا ہوں اور نہ ہی میری راحم سے لڑائی ہوئی ہے۔" وہاج کی سوالیہ نظریں اب بھی اس کے چہرے پر ہی مرکوز تھیں۔

Clubb of Quality Content

"تو پھر یہ کیسے ہوا؟" اس نے فون سے نکلتی روشنی کو بند کیا اور فون ڈیشبورڈ پر آرام سے رکھ دیا۔

"کیس کی تحقیقات کرنے مال روڈ کے ایریا میں گیا تھا۔ وہاں جو عالمگیر روڈ ہے؛ مال روڈ کی بائیں جانب۔۔ بس وہیں چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔" اب بھی وہاج کو مکمل جواب نہ ملا تو اس نے روٹھے ہوئے انداز میں اپنے بھائی کو دیکھا۔

"کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟" اس کی آواز میں بھاری پن المیر بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ المیر جانتا تھا وہاج اس دنیا میں پیسے کے بعد جتنی محبت اس سے کرتا ہے اتنی شاید ہی کسی سے کرتا ہو۔

"میں فون پر وقت دیکھ رہا تھا۔ بس دھیان نہیں رہا اور اتنے میں ٹرک آ گیا۔" پھر سے مختصر سا جواب پا کر وہاج نے منہ کا زاویہ بگاڑا۔

"اچھا۔۔؟ پھر بچ کیسے گئے؟" وہاج نے مزے سے سوال کیا تو المیر نے اُسے ایک گھوری سے نوازا جیسے پوچھنا چاہ رہا ہو کہ کہنا کیا چاہتے ہو؟ اس نے المیر کے تاثرات دیکھتے ہوئے فوراً اپنے جملے پر غور کیا۔ "میرا مطلب... آگے کیا ہوا؟"

Clubb of Quality Content

"اس سے پہلے کہ تصادم ہوتا۔۔ کسی نے مجھے سائڈ پر کھینچ لیا تھا۔بس اس شخص کا اور میرا توازن برقرار نہ رہ سکا اور ہم دونوں زمین بوس ہو گئے۔تب ہی یہ چوٹیں آئیں مجھے۔"اس سے نظریں ہٹا کر وہ سڑک پر نظر پھر سے جما چکا تھا۔اپنے گھر کی طرف جاتی سڑک پر گاڑی ڈالنے کی بجائے اس نے گاڑی راولپنڈی کی طرف لے لی تھی اور یہ بات وہاج نوٹ کر چکا تھا۔

"اوہ۔۔۔ چلیں شکر ہے اللہ کا جس نے آپ کو بچا لیا۔گھر جا کر ماما سے کہوں گا کہ صدقہ دے دیں۔"وہاج نے مسکرا کر کہا اور دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔لیکن اگلے ہی پل جیسے اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔

"بھائی۔۔۔ آپ نے ابھی کہا کہ عالمگیر روڈ پر آپ کے ساتھ یہ حادثہ ہوا؟"الجھی ہوئی نظروں سے اس نے اپنے بھائی کی جانب ایک بار پھر سے رُخ کیا۔

"ہاں۔"جواب سن کر وہاج نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔"لیکن بھائی اُس سڑک کو نئے سرے سے بنانے کے لئے حکومت نے اُسے دو ہفتہ پہلے ہی بند کر دیا تھا۔"

Clubb of Quality Content

"ہاں تو؟"المیر یہ بات جانتا تھا اس لئے اس نے ایک سر سری سی نگاہ وہاج پر ڈالی اور ابرو اُچکائی۔

"تو بھائی۔۔۔آپ خود سوچیں جب سڑک ہی بند تھی تو وہاں پر ٹرک کیسے آیا؟"اس نے الجھتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا۔اس کو جب اس کا سوال سمجھ میں آیا تو وہ بے چین ہوا۔

سوال کافی مناسب اور سوچا جانے والا تھا۔یہ بات المیر کے دماغ میں کیوں نہ آپائی تھی؟وہ عالمگیر روڈ اور آس پاس کی سڑکوں کے بند ہو جانے سے ناواقف نہ تھا۔حکومت نے سڑکیں بند تو کر دی تھیں پر کام ابھی شروع نہ کیا تھا۔وہاج کا سوال درست تھا۔اگر سڑک ہی بند تھی تو پھر ٹرک وہاں کیسے آیا؟ایسا بھی ممکن نہ تھا کہ المیر کے ساتھ یہ واقعہ کسی دوسری سڑک پر انجام پایا ہو۔اُسے اچھے سے یاد تھا کہ سڑک کی شروعات میں عالمگیر روڈ کا ہی بورڈ لگا ہوا تھا۔

المیر کے ذہن میں اس وقت سو قسم کے سوالات چل رہے تھے۔وہ کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کے دماغ میں آنے والے ہزاروں سوالات میں سے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ کیا کسی

نے اس پر حملہ کرنے کی یا اُسے جان سے مارنے کی کوشش کی تھی ؟اور اگر ایسا تھا تو آج اشفا نے اس پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔

سڑک پر اوندھے منہ گرنے کی وجہ سے وہ ٹرک کی نمبر پلیٹ تو نہ دیکھ پایا تھا پر آس پاس لگے سی سی ٹی وی کیمرے چیک کروانے کے خیال کو اس نے ذہن کے ایک گوشے میں محفوظ کر لیا اور اس بارے میں بعد میں کچھ کرنے کا سوچتے ہوئے اپنے ذہن کو تمام تر خیالات سے آزاد کر دیا تاکہ سکون سے گاڑی کو منزل تک پہنچا سکے۔

"بھائی ہم کہاں جا رہے ہیں؟"المیر خیالوں کی دنیا سے نکل کر جب ہوش میں آیا تو اُس کے کانوں میں وہاج کے سوال کی گونج پڑی۔

"ماما کہہ رہی تھیں کہ سردی کے موسم کے لیے تمہارے پاس کپڑے کم ہیں۔اس لیے آج تم اور میں شاپنگ کرنے جا رہے ہیں۔"اس نے دھیمے لہجے میں وہاج کو جواب دیا۔جواب سن کر وہاج کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔آنکھوں میں شرارت واضح تھی۔

"چلیں ٹھیک ہے، میاں جی۔۔۔۔ جیسا آپ کو ٹھیک لگے۔" آنکھیں مٹکا مٹکا کر بولا اور ساتھ ہی شرٹ کے کالر سے آدھا چہرہ ڈھک لیا جیسے شرما رہا ہو۔

المیر نے اس کی بات پر اور پھر انداز پر دھیرے سے سر ہلایا۔

اگلے دن کی صبح المیر خلیل مال روڈ کے اسی کھنڈر کے باہر کھڑا تھا جہاں کچھ دنوں پہلے واردات ہوئی تھی۔ جائے واردات سے پیلی رنگ کی پٹیاں ہٹادی گئی تھیں اور ایک ہفتہ پہلے ہی سارے ثبوت تھانے پہنچا دیے تھے۔

وہ اس جگہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس نے بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ سیاہ بال ہمیشہ کی طرح ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ آج وہ پولیس کی وردی میں نہیں آیا تھا۔

اس کی نظر دور سے آتے محمت پر پڑی جس نے ہاتھ میں ایک کاغذ اٹھار کھا تھا۔وہ چند قدم چلتا اس تک آیا۔اس کو دیکھ کر المیر نے اثبات میں سر ہلایا پھر ہاتھ بڑھایا تو محمت نے ایک کاغذ اُسے تھما دیا۔

کاغذ پر لکھی تحریر کو اپنی نظروں کا مرکز بناتے وہ اب اُسے بغور پڑھ رہا تھا۔اس کے کنارے پر دستخط دیکھ کر اس نے ایک ابرو اُچکائی۔

"سر کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟"اس کی نظریں المیر کے چہرے پر مرکوز تھیں جس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کچھ نہ کچھ تو ضرور جانتا تھا۔

"بہت اچھے سے۔"

آدھے گھنٹے بعد وہ ایک وسیع اور عمدہ مکان کے باہر موجود تھے۔جو کہ راولپنڈی کی نامی گرامی ہاؤسنگ سوسائٹی میں واقع تھا۔

یہاں عموماً صرف امیر لوگ ہی گھر خرید سکتے تھے۔ اعلیٰ طبقہ زیادہ تعداد میں ادھر پایا جاتا تھا۔ریٹائرڈ آفیسر زاور حاضر نوکری آفیسر ز اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں مختلف مکانوں میں رہائش پذیر تھے۔

اب حال کی طرف قدم بڑھائیں تو گھر کا دروازہ پہلے سے ہی یکسر کھلا تھا۔المیر آنکھوں میں ہمیشہ کی سی سختی لئے محمت سے ایک قدم آگے تھا۔

گھر کے اندر داخل ہو کر اس کی نظر سب سے پہلے گھر کے اندرون پر پڑی۔گھر کے بیچوں بیچ ایک فانوس لگا ہوا تھا جس سے نکلتی روشنی گھر کے اطراف کو روشن کیے ہوئے تھی۔دائیں جانب دو کمرے تھے اور بائیں جانب ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ایک ہی طویل نگاہ میں اس نے گھر کو اچھے سے پرکھ لیا تھا۔

جس شخص کے لئے آج وہ یہاں آیا تھا وہ فانوس کے عین نیچے رکھے نارنجی رنگ کے صوفے پر براجمان تھا۔ سفید رنگ بال اور داڑھی اس شخص کے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں سگار تھا اور بایاں ہاتھ مسلسل ہوا میں رقص کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔۔۔ وہ موسیقی سن رہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر ٹی وی بند کر دیا۔ آدمی نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں۔ کچھ پل کو تو وہ الجھا پھر اس نے اپنے تاثرات نرم کیے۔

ناولز کلب

"کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟" اس نے ٹانگ پر ٹانگ رکھی۔ اس کے چہرے پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

المیر خلیل چلتا ہوا اس کی مخالف سمت میں رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اپنے دونوں ہاتھ صوفے پر پھیلاتے ہوئے.. اس نے بھی ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔ "یہ بات تم بتاؤ مجھے۔ کیا تم نے کچھ ایسا کیا ہے کہ تمہیں مجھے جاننے کی ضرورت پڑے؟"

مقابل نے آنکھیں تنگ کرتے اُسے ایسے دیکھا جیسا کسی پرانی شناسائی کو تلاش رہا ہو۔"تم جانتے ہو تم اس وقت کس کے گھر میں ہو؟"لہجہ دھمکی آمیز تھا۔

المیر کے ہونٹوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ پھیلی۔"گھر کی صاف صفائی اور تمہاری شکل دیکھ کر تو یہی لگ رہا ہے کہ کم از کم تم اس کے مالک نہیں ہو سکتے۔"طائرانہ نگاہ گھر کے اندرون پر ڈالی۔اس کی بات پر محمت کی بتیسی باہر آئی۔"چلو اب کام کی بات پر آتے ہیں۔مال روڈ پر حلوائی کی دکان کے سامنے ایک زمین ہے۔کیا وہ تمہاری ہے؟"

اس شخص کی نظریں المیر کی ہر حرکت پر جمی ہوئی تھیں۔"ہاں۔"ایک لفظی جواب جس نے اس کو سر اثبات میں ہلانے پر مجبور کر دیا۔

اس نے محمت کو اشارہ کیا اور محمت نے جیب سے فون نکال کر کسی کو پیغام بھیجا۔پھر گھر کی دوسری منزل کی طرف بڑھ گیا۔اس شخص نے چہرہ موڑ کر پولیس کی وردی میں ملبوس آفیسر کو دیکھا تو پل بھر کے لیے چہرے پر سایہ آیا۔

"کون ہو تم اور میرے گھر میں کیا کر رہے ہو؟" ٹانگ پر سے ٹانگ ہٹائی۔ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں وہ ہوں جس نے ایک مدت پہلے تمہارے گھریبان کو پکڑا تھا۔ تمہیں پکڑنے کی تڑپ اور قسمت آج مجھے تم تک دوبارہ لے آئی، رمیض۔" وہ بھی صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس آدمی کے تاثرات پل میں بدلے۔ وہ اُسے پہچان گیا تھا۔ "قسمت؟ اوہوں۔۔ ہمیں قسمت نے نہیں ملوایا۔" پھر اس نے ہلکا سا قہقہ لگایا۔ "اشفا امین کیسی ہے؟" اس کا لہجہ سن کر المیر کا خون کھولا۔

وہ جھٹ سے اس تک آیا۔ اس کو گھریبان سے پکڑتے ہوئے اس نے ایک ہی جھٹکے میں صوفے پر گرا دیا اور پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اس کے بالوں کو پکڑ کر اس کا سر پیچھے کی طرف کھینچا۔

Clubb of Quality Content

"اس کا نام دوبارہ اس غلیظ زبان سے لینے کی غلطی بھی مت کرنا۔ تمہارے مرحوم باپ سے تمہارا ملن کروادوں گا۔ میں ویسے بھی تمہیں مارنے کے بہانے ڈھونڈرہا ہوں۔" اس کی سُرمئی آنکھیں اب کافی حد تک سرخ ہو گئی تھیں۔

اس نے تکلیف سے آنکھیں میچتے ہوئے مسکان ہونٹوں پر سجالی۔ "تم مجھے کسی بھی کیس میں اندر نہیں کر سکتے، المیر صاحب۔ میں رمیض جابر ہوں۔ جتنی تمہاری عمر ہے اس سے کئی زیادہ تو میرے خریدے ہوئے وکیل عدالتوں میں پھر رہے ہیں۔"

اس نے ایک ابرو اُچکائی پھر اس کے بال چھوڑ کر پیچھے ہوا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سر اثبات میں ہلاتے ہوئے وہ مزید کچھ قدم پیچھے لے گیا۔

"محمت؟" اس کو نیچے آتا دیکھ اس نے اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"جی سر؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"گاڑی میں ڈالو اس حرام خور کو۔اس کی تمام دکانیں سیل کر دو۔اب صرف اسے موت کا فرشتہ ہی مجھ سے بچا سکتا ہے۔" وہ وہاں سے باہر آگیا جبکہ پیچھے موجود رمیض جابر نے لب بھینچ لئے۔

"چل اٹھ۔" اس کو گھریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اُسے اپنے ساتھ لئے گھر سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کمرے میں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔چاروں اور گلاب کی ہلکی ہلکی مہک پھیلی ہوئی تھی۔دائیں طرف ایک جھولنے والی کرسی رکھی تھی جس پر وہ نیلی آنکھوں والی ضعیفہ بیٹھی تھیں۔

ان کے سامنے والی دیوار پر ایک سفید بورڈ لگا ہوا تھا جس پر سیاہ مارکر سے بڑا بڑا مرڈر مسٹری (murder mystery) لکھا ہوا تھا۔اس کے نیچے ایک جریان خاکہ بھی بنا ہوا تھا۔

ان ضعیفہ کے ہاتھ میں اسی سیاہی کا مار کر اٹھایا ہوا تھا اور اُسے وہ مسلسل اپنی انگلیوں کے درمیان گھما رہی تھیں۔

ان کا چہرہ کسی بھی نشان سے خالی تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کی آنکھیں، دودھیا رنگت اور بھوری لمبی چُٹیا ان کی خوبصورتی کو بڑھاتی تھی۔ وہ ادا صاحبہ تھیں...

دراصل ادا صاحبہ جوانی میں انگریزی کی پروفیسر رہ چکی تھیں۔ اس لئے ان کا انگریزی کتابوں میں چھپے قتل کے معموں سے پرانا تعلق واسطہ تھا۔ وہ ہر ہفتے ایک نیا کیس لے کر بیٹھ جایا کرتی تھیں اور آج بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس دفعہ جس کیس نے ان کی توجہ حاصل کی تھی وہ کسی ناول سے وبستگی نہیں رکھتا تھا۔

اس کیس کو ٹھیک سے سمجھتے ہوئے آج انہیں دو دن ہو گئے تھے۔

کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھلا تو وہ قدم قدم چلتا ہوا ان تک آیا۔ پہلے ان پر نظر ڈالی پھر سامنے لگے بورڈ پر۔

کن آنکھوں سے نانی کے چہرے کا بغور جائزہ لیا گیا۔ چہرہ معاملے کی سنگینی کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ زانوں کے بل نانی کے پاس زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

"نانی۔۔"اس نے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ نانی کے علاوہ کوئی بھی راحم رضا احمد کو خاموش نہیں کروا سکتا تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

چند لمحوں کے لئے سناٹے نے کمرے میں بسیرا کر لیا۔ پھر آواز آئی۔"عرصہ پہلے ایک گھر میں آگ لگ گئی۔ ماں آگ میں جل کر مر گئی اور باپ ہسپتال میں دو گھنٹوں کے لئے آئی سی یو میں رہا اور پھر دم توڑ گیا۔"

سیاہ مار کر ابھی بھی انگلیوں کے درمیان گھوم رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے تعاقب کے بعد پھر سے بولیں۔"جس وقت گھر میں آگ لگی۔۔ وہاں ان کی دو بیٹیاں بھی موجود تھیں۔"

جھولتی ہوئی کرسی پل کے لئے رکی۔ "دونوں بچیاں بچ گئیں۔پڑوسیوں نے ان کو آگ سے زندہ سلامت نکال لیا۔لیکن۔۔"

"لیکن کیا؟"راحم نے تجسّس سے پوچھا۔

"لیکن ان میں سے ایک آگ لگنے کی وجہ جانتی ہے۔اگر یہ کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ وہ آگ لگانے والے کو جانتی ہے۔"راحم نے ماتھے پر شکنیں سجالیں۔

"تو پھر کیس سولو کیسے نہیں ہوا؟"اس نے سوال کیا۔

"ہونے نہیں دیا گیا۔"وہ اب مارکر پاس پڑے ٹیبل پر رکھ چکی تھیں۔وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کس نے حل نہیں ہونے دیا؟"مزید ایک سوال۔

"یہی پتا لگانا ہے۔ خیر... تم بتاؤ، ٹھیلے والی بریانی لائے ہو؟" انھوں نے بڑی صفائی سے موضوع بدلا۔

راحم سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "نانی، بریانی نہیں تھی۔ آج ٹھیلے والا نہیں آیا۔"

نانی نے مڑ کر نواسے کی طرف دیکھا۔ "پانچ سو نکالو میرے۔ میں زہرہ کو کہہ دوں گی کہ آتے ہوئے اپنی یونیورسٹی سے لے آئے۔"

راحم کا منہ پورا کھل گیا۔ "نانی پانچ سو ہی تو ہیں۔ رہنے دیں نا۔" چونکہ وہ پانچ سو روپے خرچ کر چکا تھا اس لئے اب کیا ہی واپس کرتا۔

انھوں نے چہرے کے زاویے بگاڑے پھر اس کی طرف دیکھا۔ "زہرہ کہاں ہے۔ اب تک آئی کیوں نہیں گھر؟"

"بس آتی ہی ہو گی...." اس کا فون اچانک بجنے لگا تو اس نے جیب سے نکال کر کان سے لگایا۔

"ہاں، المیر ؟" مقابل نے دوسری طرف سے کچھ کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔"

··—·◌◌·—··

سیدھے سیاہ بال، سیاہ آنکھیں اور دودھیا رنگت رکھتا وہ چہرہ لیپ ٹاپ میں سر دیئے ہوئے تھے۔ اس نے آنکھوں پر سے چشمہ ہٹایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"یہ پریزنٹیشن ہے ؟" آواز پتلی باریک تھی۔ لہجہ تھکا تھکا تھا۔

گروپ کے سب ہی لوگوں نے سر ایک ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔ پھر مایوسی سے ان کے چہروں کو تکتی گئی۔

"سر نے پریزنٹیشن بنانے کے لئے کہا تھا۔ فیملی سر ٹیفکیٹ نہیں۔ تم سب نے اپنے بلڈ گروپ.. گھر کا پتہ اور فون نمبر تک ڈال دیا۔امی ابو کا نام رہ گیا ہے۔ بِسمِ اللہ کرو۔"

"تو یہ سب نہیں لکھنا ہوتا؟" ایک نے سوال کیا۔

"ظاہر ہے۔ خیر چھوڑو یہ پہلی اور آخری پریزنٹیشن ہے جو میں بنا کر دے رہی ہوں۔ آئندہ غلطی نہیں ہونی چاہیے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ تھی زہرہ رضا احمد۔ راحم رضا احمد کی چھوٹی بہن۔ جسے صرف گنے چنے لوگ ہی سکھاتے تھے۔

وہ کسی بھی سنگین معاملے سے دور رہتی تھی۔ اُسے لڑائی جھگڑا کرنے کی عادت نہیں تھی۔ لیکن جب وہ جھگڑتی تھی تو سامنے والے کو رونے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اپنی یونیورسٹی میں میڈم کے لقب سے مشہور وہ لڑکی سب کو پریزنٹیشن بنا کر دیتی تھی۔
جونیئرز سے لے کر سینیئرز تک ہر شخص اس سے ڈرتا تھا۔

••—•ʚɞ•—••

اس کا سر مسلسل دائیں سے بائیں ہل رہا تھا۔اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندیں نمایاں ہوئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اپنی زندگی کے بہت ہی ان چاہے لمحات خواب کی صورت میں اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم نے سنا نہیں؟اس کی ایک غلطی کی وجہ سے اس کے ماں باپ مر گئے۔"وہ دن۔وہ چند لمحے جن میں اشفا امین بہت بری طرح سے ٹوٹی تھی۔

"انھوں نے کچھ نہیں کیا۔اشفا کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ بچہ اور اس بچے کے الفاظ۔۔اُس کا دل بہت بری طرح دکھا گئے تھے۔

"تمہاری وجہ سے میری جوان بہن مر گئی۔" اس کا ماموں چیخ چیخ کر ہسپتال کی راہداری میں سب کو سنا رہا تھا۔

"اپنی غلطی کسی دوسرے کے سر نہ ڈالو اشفا۔تم ایک منحوس لڑکی ہو۔" اس کا سانس اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں تم سے شدید نفرت کرتا ہوں۔آئندہ میرے سامنے مت آنا۔" اس کی آنکھیں کھل گئیں۔وہ گھبراتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔اس کا سانس مسلسل اوپر نیچے ہو رہا تھا۔وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتی سانس بحال کرنے کی کوشش میں تھی۔

ہاتھ بڑھا کر اس نے کانپتی انگلیوں سے میز پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا اور اُسے ہونٹوں سے لگا لیا۔پانی پی کر اُس نے گلاس واپس رکھ دیا۔

آج کتنے ہی سالوں بعد یہ سارے واقعات خواب کی صورت میں اُس کے ذہن پر نقش ہو رہے تھے۔

لیکن اس کے لیے یہ سب نیا نہیں تھا۔ بچپن سے لڑکپن تک یہ خواب۔۔ یہ واقعات اُسے ڈراتے تھے۔اُسے خوفزدہ کر دیتے تھے۔ لیکن اب اُسے اس سب کی عادت تھی۔ بچپن سے یہی تو ہو رہا تھا اُس کے ساتھ۔عادت تو پڑنی ہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

راحم رضا احمد جس وقت تھانے میں داخل ہوا تب المیر خلیل چائے کا کپ لبوں سے لگائے ایک فائل پڑھ رہا تھا۔اس نے ہمیشہ کی طرح اپنی مخصوص نشست سنبھالی ہوئی تھی۔ایک نظر فائل پر تھی تو دوسری آس پاس کام کرتے اہلکاروں پر۔

وہ پولیس کی وردی میں ملبوس تھا۔ تھانے میں قدم رکھتے اپنے دوست پر جب اس کی نظر پڑی تو اس نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔

راحم اس تک آیا۔ "اتنی جلدی میں کیوں بلایا مجھے؟" کرسی کھینچ کر وہ اس کی مخالف نشست پر بیٹھ گیا۔

ایک اہلکار کو اشارہ کرتے وہ راحم کی طرف متوجہ ہوا۔ "رمیض جابر کو مال روڈ کے کیس میں اٹھالیا ہے۔ تم چاہو تو اس سے تفتیش کر سکتے ہو۔" المیر چاہتا تو خود بھی تفتیش کر سکتا تھا لیکن رمیض جابر کی چلتی زبان المیر کے ہاتھوں سے اس کی موت کی سب سے بڑی وجہ بن سکتی تھی۔ کیونکہ رمیض کو عادت تھی فضول بولنے کی اور المیر کو اگلے کی زبان بند کرنے کی۔

"اوہ۔۔ ریٹائرڈ اے ایس پی رمیض جابر کو تم نے گھر سے اٹھالیا؟" راحم کو حیرانی ہوئی تھی۔

"ہوں۔ وہ پلاٹ اسی کا ہے۔ چوبیس گھنٹے ہیں ہمارے پاس۔ چوبیس گھنٹوں میں ہم نے اس پر جرم ثابت کرنا ہے۔ لیکن یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو... الزام میں ثابت کرلوں گا۔" راحم چہرہ جھکا کر دھیرے سے مسکرایا۔

"صرف کیس کی وجہ سے اٹھایا ہے یا وہ بچپن۔۔؟" راحم المیر کی اس سے نفرت کی وجہ اچھے سے جانتا تھا۔ المیر کتنے ہی سالوں سے رمیض کو زندہ سلامت پکڑنے کے چکر میں تھا اور اس دفعہ تو جیسے قسمت نے خود اُسے اس کے حوالے کر دیا تھا۔

"حساب برابر تو میں کر کے رہوں گا۔" اہلکار چائے کی پیالی لینے آیا تو اس نے اُسے پیالی تھما دی۔

راحم کرسی سے اٹھا۔ "جیل میں ہے یا کمرہ تفتیش میں؟" المیر نے شہادت کی انگلی سے دائیں طرف اشارہ کیا جہاں کمرہ تفتیش تھا۔

وہ سر اثبات میں ہلاتا ہوا اس طرف بڑھ گیا۔

کمرہ تفتیش کے باہر دو اہلکار کھڑے تھے۔انہوں نے اس کو دیکھ کر سلام پیش کیا اور ایک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

اے ایس پی صاحب کمرہ تفتیش میں داخل ہوئے۔کچھ فاصلے پر ایک میز رکھی ہوئی تھی اور اس کے اس پار ایک کرسی پر وہ سفید داڑھی والا ریٹائرڈ اے ایس پی بیٹھا ہوا تھا۔

وہ مخالف سمت میں رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔اس کی نظر ایک مرتبہ اس اہلکار پر بھی پڑی جو ان دونوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔راحم نے ایک ابرو اُچکائی۔کیا المیر کو راحم پر بھروسہ نہیں تھا جو اس نے اپنا ایک آدمی کمرے میں کھڑا کر رکھا تھا؟سر کو ہلاتے ہوئے وہ پھر سے مقابل کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں یہاں کا اے ایس پی راحم رضا احمد ہوں۔"اس نے ہاتھ بڑھا کر سامنے رکھے ریکارڈر کا بٹن دبایا تاکہ بیان ریکارڈ کر سکے۔"اپنا نام بتاؤ۔"

رمیض نے اکتائے ہوئے تاثرات چہرے پر سجائے ہوئے تھے۔"رمیض جابر۔"اس نے سر ہلایا۔

"کیا کام کرتے ہو تم؟"اس نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔"میں اسلا آباد اور راولپنڈی کا اے ایس پی رہ چکا ہوں۔ پچھلے چند سالوں سے جوتوں کی کچھ فرینچائز چلا رہا ہوں۔"

"ہوں....مال روڈ پر جو زمین ہے وہ تمہارے نام پر ہے؟"راحم کچھ آگے کو ہوا۔

Clubb of Quality Content!

"ہاں۔"اس کی نظر ایک مرتبہ پھر سے اس اہلکار پر اٹھی جو آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے یوں کھڑا تھا جیسے کمرے میں سورج نکل آیا ہو۔

"تمہارے پلاٹ سے پولیس کو ایک خون آلود کُرتا ملا ہے۔کیا تم جانتے ہو وہاں کیا ہوا ہے؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"پلاٹ میرا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں جو ہوتا ہے وہ میں کرواتا ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر مسکان ابھری۔

"دو دسمبر رات دو بجے سے چار کے درمیان تم کہاں تھے؟"

رمیض نے پشت کرسی کے ساتھ ٹکالی۔ "گھر پر تھا۔" جواب فوراََ سے آیا تھا۔

"اس اسٹیٹمینٹ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی الیبائی ہے تمہارے پاس؟" اہلکار کا فون بجا۔ راحم نے آنکھیں سکیڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"مجھ پر الزام ثابت کرنے کے لئے ثبوت ہے تمہارے پاس؟" جس جگہ پر آج راحم تھا وہاں کسی زمانے میں رمیض رہ چکا تھا۔ راحم کہیں نا کہیں جانتا تھا کہ وہ یہ سوال ضرور کرے گا۔

"اے ایس پی تم ہو یا میں؟" اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا تو سامنے والے نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اپنے وکیل سے بات کرنی ہے۔" وہ کہتے ہوئے کرسی سے اٹھا۔ راحم نے اُسے سر تا پیر دیکھا پھر ہاتھ سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں ایک پولیس والا ہوں اور پولیس فورس اکڑ نکالنے میں مہارت رکھتی ہے۔۔ یہ بات تم اچھے سے جانتے ہو۔ اگر میں یہاں سے اٹھ گیا تو میرا ہاتھ تمہارا چہرہ لال کر دے گا۔ اس لیے واپس بیٹھ جاؤ۔" وہ اطمینان سے گویا ہوا۔ رمیض کچھ لمحے راحم کو تکتا رہا پھر چپ چاپ کرسی پر واپس بیٹھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اہلکار کا فون پھر سے بجا۔ راحم نے غصیلی نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کی سبز آنکھوں میں غصہ دیکھ کر اہلکار چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس نے سر جھٹکا۔ پتا نہیں کیسے کیسے لوگوں کو نوکری پر رکھا ہوا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اُسے کسی بات کا احساس ہوا۔ کمرہ تفتیش میں فون لانا منع تھا۔ یہ بات تو ہر اہلکار جانتا تھا۔ تو پھر اس کو اس بات کی خبر کیسے نہیں تھی؟

وہ فوراً کرسی سے اٹھا۔ کمرے کا دروازہ کھول کے باہر آیا۔ اس نے آس پاس نظریں گھمائیں۔

وہ اہلکار اتنی جلدی کہاں غائب ہو گیا تھا؟ اور وہ دونوں پہرے دار کہاں تھے؟

دائیں طرف دیکھا تو وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھے گپوں میں مشغول نظر آئے۔ "جو اہلکار کمرے کے اندر تھا وہ کہاں ہے؟"

دونوں نے ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھا پھر ایک ساتھ سر دائیں بائیں ہلایا۔
"اے ایس پی صاحب، اندر تو کوئی اہلکار نہیں تھا۔ سر کے حکم کے مطابق تفتیش کے دوران کوئی بھی اہلکار کمرے میں نہیں ٹھہر سکتا۔" ان میں سے ایک نے وضاحت پیش کی۔

راحم کے ماتھے پر شکنیں نموادار ہوئیں۔وہ کمرے کی طرف اشارہ کرتے خود المیر کی طرف بڑھا۔

اس کو ہڑبڑاہٹ میں اپنی طرف بڑھتے دیکھ المیر چونکا۔"ایک آدمی ابھی پولیس کی وردی میں یہاں سے باہر کی طرف بڑھا ہے۔کسی نے دیکھا اُسے؟"پہلے المیر کو اور پھر باقی پولیس فورس کو دیکھا۔

وہ فوراً اُٹھا۔کرسی کو پیچھے کرتے وہ تھانے کے داخلی دروازے کی طرف لپکا۔باہر آ کر اس نے اطراف میں نظریں گھمائیں۔پھر محمت کو دائیں جانب جانے کا اشارہ کیا اور خود دوسری طرف بھاگا۔

روڈ کے اس پار یا اُس پار کوئی بندہ یا بندے کی ذات نہیں تھی۔بس ایک چھوٹی سی گلی اندر کی طرف جاتی تھی جو تھانے سے کچھ فاصلے پر تھی۔المیر اس گلی میں قدم رکھ گیا۔

اس نے بالوں کو ماتھے سے پیچھے کی طرف کھسکاتے آگے پیچھے دیکھا۔شاید وہ شخص بھاگ نکلا تھا۔

"وہ جو کوئی بھی تھا...بہت دلیر تھا،المیر۔وہ جس بہادری اور شاطر دماغی کے ساتھ پولیس کی وردی پہنے میرے سامنے کھڑا تھا۔۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسے میرا بھی ڈر نہیں تھا۔" راحم ادھر سے اُدھر چکر کاٹ رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"وہ کمرہ تفتیش تک پہنچا کیسے اور وہ وہاں کرنے کیا آیا تھا؟اگر تو وہ رمیض کا بندہ ہوتا تو اُسے چھڑوانے کی کوشش ضرور کرتا۔"المیر نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ہاتھ کی پشت پر رگیں نمایاں ہوئیں۔

"یہ تو تم اپنے جانباز سپاہیوں سے پوچھو کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی اتنی آسانی سے تھانے میں آ جا کیسے سکتا ہے۔"اس نے محمت کی طرف اشارہ کیا جو کمپیوٹر پر سی سی ٹی وی کیمرا کی فوٹیج نکال رہا تھا۔

راحم ٹھیک کہہ رہا تھا۔ان کے ہوتے ہوئے ایک نووارد شخص اہلکار بن کر تھانے میں آیا تو آیا کیسے؟

"سر۔۔یہ دیکھیں۔"وہ محمت کی طرف متوجہ ہوا۔کمپیوٹر کی اسکرین پر ایک آدمی دکھائی دیا جس نے پولیس کی مخصوص ٹوپی پہن رکھی تھی۔چونکہ تھانے میں کوئی بھی یہ ٹوپی نہیں پہنتا تھا اس لئے وہاں موجود سب ہی ریکارڈنگ دیکھ کر پہچان گئے کہ وہی وہ بہروپیا تھا۔

وہ المیر کے تھانے میں آنے سے آدھا گھنٹہ پہلے داخل ہوا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو پائی۔

المیر نے ریکارڈنگ دیکھ کر سر جھٹکا۔ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچتے اس نے غصے سے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھا۔"تم لوگ سو رہے ہوتے ہو؟"چند اہلکاروں نے تھوک نگلا۔

"سروہ۔"محمت کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیئے بغیر وہ اس کی بات کاٹ گیا۔"چلو تھانے میں وہ داخل ہوا تو ہوا پر تم نکموں میں سے کسی ایک نے بھی اس کی شکل دیکھ کر اندازہ نہیں لگایا کہ یہ تم لوگوں کے ساتھ پولیس فورس میں کام کرتا ہے یا نہیں؟"

سب نے سہم کر پہلے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر راحم کو جواب کرسی پر بیٹھ کر دانت نکال رہا تھا۔"میرے ہاتھوں میں خارش ہو رہی ہے۔ تم کہو تو آج ہی دو تین کو فارغ کر دوں؟"

ناولز کلب
Club of Quality Content

اس نے اس کی بات پر سر جھٹکا اور پھر اپنے اہلکاروں کی طرف متوجہ ہوا۔"تم لوگوں کے پاس لاسٹ وارننگ ہے یہ۔ اگر اس کے بعد ایسی کوئی حرکت مجھے دکھی تو یاد رکھنا کام سے نکال دوں گا۔"ساتھ اشارہ راحم کی طرف کیا جس نے اپنے موتیوں جیسے دانت نکالتے ہوئے اہلکاروں کو دیکھ کر ایک آنکھ دبائی۔

المیر اس وقت شدید غصے میں تھا۔اس کی آنکھیں سرخ ہو رکھی تھیں۔یہ جو کوئی بھی تھا اس کام میں شاید کافی ماہر تھا۔جس دلیری سے وہ تھانے میں آیا اور پھر جس پھرتی سے وہاں سے رفو چکر ہوا...المیر کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ کوئی عام انسان نہیں تھا۔

••—•ƏƐ•—••

چہرے سے نکلی داڑھی موچھ اتارنے کے بعد اُس نے نالی میں پھینک دیئے۔جیب سے فون نکال کر اُس نے کان کے ساتھ لگایا اور گن واپس بیلٹ میں لگالی۔

Clubb of Quality Content!

"میرا اندازہ ٹھیک تھا۔اس کے پاس کوئی الیبائی نہیں ہے۔"

••—•ƏƐ•—••

اسی دن کی شام جب رمیض جابر کے گھر کی اچھے سے تلاشی لی گئی تو پولیس فورس کو ایک سرخ رنگ کا مارکر ملا جس پر خون کی چھینٹیں موجود تھیں۔

اس کے علاوہ جوتوں کے ریک سے سیاہ رنگ کے بوٹ ملے۔ نقشِ پا جب پلاٹ سے ملنے والے جوتوں کی چھاپ سے ملایا تو جواب مثبت ملا۔ یعنی اس پلاٹ پر رمیض موجود تھا۔ وہ جمال کے گھر کے پاس آ جا چکا تھا اور اس سے پولیس نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ جمال کو جانتا بھی ہو گا۔

بوٹ کو ڈی این اے ٹیسٹنگ کے لئے بھیجا تو ان پر سے اسی کا ڈی این اے برآمد ہوا۔

ہر جگہ کی اچھے سے چھان بین کرنے کے بعد جب اہلکار باغیچے کی طرف آئے اور زمین میں جھانکنے والے ریڈار کو کام میں لایا گیا تو مشین بول پڑی۔ پھر چند اہلکاروں نے مل کر اس جگہ سے مٹی ہٹانی شروع کی۔

زمین کی تہ سے ایک ڈھانچہ برآمد ہوا۔ وہ کہنے کو ایک مکمل ڈھانچہ نہیں تھا۔ انسانی جسم کے کچھ اعضا تھے۔

چونکہ لاش بری طرح سے جلی ہوئی تھی اس لئے ڈی این اے بہت مشکل سے حاصل کیا گیا تھا۔

ڈی این اے ٹیسٹنگ کے بعد پتا چلا کہ ڈھانچہ ایک مرد کا تھا جس کی عمر چالیس سے پچاس سال تھی۔اور بلڈ گروپ بی پوزیٹو تھا۔پھر مزید ٹیسٹوں کے بعد یہ بخوبی واضع ہو گیا تھا کہ وہ لاش جمال کی ہی تھی جسے بری طرح سے آگ میں جُھلسا دیا گیا تھا۔پھر اس کو سچائی کی شکل دینے کے لئے مزید غور و فکر بھی کیا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اب رمیض پر کیس ثابت ہو گیا تھا۔

رمیض کو بات کی بھنک پڑی تو اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا کہ اس کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسے پھنسایا جا رہا تھا لیکن کیس کا handler المیر خلیل تھا۔وہ تو ہمیشہ سے اس تاک میں تھا کہ کسی طرح رمیض جابر اس کے شکنجے میں آئے۔اس لئے بغیر کسی تردّد کے رمیض کے خلاف ایف آئی آر کاٹ دی گئی۔

اب صرف اُسے عدالت میں پیش ہونا تھا۔ لیکن چونکہ وہ رمیض کی چال سے بہت پہلے ہی واقف ہو گیا تھا اس لئے اس نے باآسانی بازی پلٹ دی۔ اگر وکیل رمیض کی مرضی کے تھے تو جج المیر کا چنا ہوا تھا۔

اس کا کیس ایسے جج کے پاس آیا جو المیر کو بہت اچھے سے جانتا تھا۔ اس لئے اس دفعہ رمیض کا بچنا بہت مشکل تھا۔

پیچھے رہ گئی تھیں جمال کی دو بیٹیاں جن کا ابھی تک کوئی اتا پتہ نہیں تھا۔ اُسے دھمکانے سے لے کر مارنے تک ہر حربہ آزمایا پر اس نے بچیوں کے متعلق کچھ نہ بتایا۔

اس نے پھر کیس کو الف سے اسٹڈی کرنا شروع کر دیا۔

جتنی آسانی سے یہ کیس حل ہوا تھا اس کے لیے ہضم کرنا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ پھر وہ کرسی کیا تھی؟

رمیض سے اس کی جان پہچان اس کے والد کے توسط سے تھی۔ پھر سالوں بعد جب رحمان امین اور ان کی اہلیہ سحر امین کا کیس سامنے آیا تو المیر اس کو مزید اچھے سے جان گیا اور اس کا اصلی چہرہ پہچان بھی گیا۔

پر اس کے اپنے ہی گھر کی کرسی کا اس کیس سے کیا تعلق تھا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

تاریخ تھی پندرہ دسمبر۔ دن تھا جمعہ کا۔

خلیل منزل میں ہر جگہ چہل پہل ہو رہی تھی۔ گھر کو ہر قسم کے پھولوں سے سجایا جا رہا تھا اور پورے گھر کی اچھے سے صفائی کروائی جا رہی تھی۔ آج کا دن خلیل منزل میں رہنے والوں کے لئے بہت اہم تھا۔ گھر میں ہر کسی کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھرے ہوئے تھے

کیونکہ آج راحم رضا کی نانی اداصاحبہ راحم اور عالیہ کی شادی کی تاریخ طے کرنے کی غرض سے تشریف لا رہی تھیں۔

پیلے اور سفید رنگ کی ملی جُلی روشنی میں چمکتی دھمکتی خلیل منزل کو ایک دلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا۔ گھر کے کونوں میں رکھے گئے پرانے گلدانوں اور پھولوں کو ہٹا کر نئے گلدان اور پھول رکھے گئے تھے۔ گھر میں اگر ایک طرف پھولوں کی خوشبو تھی تو دوسری طرف باورچی خانے سے آتی کھانوں کی مہک بھی کچھ کم نہ تھی۔

جہاں دیسی کھانے بنائے گئے تھے وہاں اداصاحبہ کے لئے پرہیزی کھانا بھی بنایا گیا تھا۔ نمکین ڈشز کے ساتھ ساتھ میٹھے میں کھیر اور سوجی اور گاجر کا حلوہ بھی تیار کروایا گیا تھا۔

اگر اس وقت کوئی باہر والا انجان شخص گھر میں داخل ہوتا تو اس کے لئے یہ فرق کرنا مشکل ہو جاتا کہ خلیل منزل میں شادی کی تقریب منعقد ہو رہی تھی یا صرف شادی کی تاریخ رکھی جا رہی تھی۔

ہر دن کی طرح آج بھی آئمہ خلیل نے خود کو زیورات سے آراستہ کر رکھا تھا۔نیلے رنگ کی ساڑھی جس پر ہلکے سنہرے رنگ کا کام ہو رکھا تھا۔۔پہن رکھی تھی۔دونوں ہاتھوں کی درمیانی انگلیوں میں ہیرے کی انگھوٹیاں اور کلائیوں میں سونے کے کنگن پہن رکھے تھے۔ کندھوں سے تھوڑا نیچے کو آتے بال انھوں نے بڑی صفائی سے پھیلا رکھے تھے۔وہ صحیح معنوں میں خلیل محمد کی بیوی لگ رہی تھیں۔

"نفیسہ کہاں ہے؟اُسے میں نے کہا تھا مہمان خانے کی صفائی کروائے۔۔۔کہیں دیکھا تم نے اُسے؟"ایک اور کام والی سے مخاطب ہوتے ہوئے آئمہ خلیل نے اپنی خاص نوکرانی نفیسہ کے متعلق پوچھا۔

Clubb of Quality Content

خلیل منزل میں کام کرنے والے نوکروں سے لے کر چوکیداروں تک۔ہر شخص نفیسہ کی زیرِ نگرانی رہتا تھا۔تمام کام والے گھر کا خیال رکھتے تھے اور وہ ان کے انجام دیے گئے کاموں پر نظر رکھتی تھی۔وہ ایک ہٹی کٹی پچپن سالہ پکے رنگ کی عورت تھی۔جس کے غصے سے محلے کے تمام لوگ ڈرتے بھی تھے اور اچھے سے واقف بھی تھے۔

"میڈم جی وہ نفیسہ باجی۔۔اوپر والی منزل پر ہیں۔"کام والی بتا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

آئمہ خلیل چائے کا کپ لے کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔کپ کو ہونٹوں سے لگاتے وہ گھر کی ہر چھوٹی چیز سے لے کر ہر کونے کو جانچ رہی تھیں۔ابھی سے کچھ ہی ٹائم کے بعد رضا فیملی نے یہاں موجود ہونا تھا۔یہی ذہن میں رکھتے ہوئے صبح سویرے ہی سب نوکروں کو کام پر لگا دیا گیا تھا۔

انہوں نے صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے المیر کو میسیج کیا کہ آج وقت پر گھر آجائے۔المیر نے آگے سے اوکے تو لکھ دیا پر ابھی بھی ان کو اس کے حوالے سے شبہات تھے۔

"وجی!"بیٹھے بیٹھے ایک آواز وہاج خلیل کو بھی لگائی۔پانچ منٹ بعد بھی جب وہاج کی کوئی آواز نہیں آئی تو آئمہ خلیل چائے کا کپ میز پر رکھتیں اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اب منظر کچھ یوں تھا کہ وہاج کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔دیواروں پر ہوئی پیلی اور جامنی رنگ کی پینٹ دور سے دیکھی جا سکتی تھی۔کمرے کے اندر ہی واقعہ باتھروم کا بھی دروازہ کھلا ہوا تھا۔زمین پر لوشن کی کھلی ہوئی بوتل گری ہوئی تھی۔۔جس میں سے بہتا ہوا آدھا لوشن زمین کی زینت بن چکا تھا۔

داخلی دروازے کے سامنے ہی سرخ رنگ کا تولیہ گرا ہوا تھا جس پر وہاج کی ایک سبز رنگ کی شرٹ پڑی ہوئی تھی۔بیڈ کی چادر ساری زمین پر تھی۔آئمہ خلیل کچھ قدم بڑھا کر جب اس کے بیڈ کے پاس پہنچیں تو انہیں نیلے رنگ کے کانچ کے ٹکڑے نظر آئے۔کچھ آگے کو ہوتیں وہ ان کو بغور دیکھنے لگیں۔ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ سر پر رکھ لیا۔

"وجی!!تم نے اپنے بابا کا پسندیدہ واس توڑ دیا؟" وہ غصے سے چلائیں۔کمرے کی حالت دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ یہاں انسان نہیں بلکہ حیوان رہائش پذیر ہے۔آئمہ خلیل نے کمرے کے اطراف میں نظریں گھمائیں لیکن وہاج ان کو کہیں بھی نہ دکھا۔ایک اکتائی ہوئی نگاہ پورے کمرے پر ڈالی جب انکی نظر اوپر چھت پر ٹھہر گئی۔

"ہائے اللہ!"خوف سے آنکھیں کھل گئیں۔وہ حقہ بقاسی چھت پر لگے پنکھے کی طرف دیکھنے لگیں۔اوپر کے منظر نے ان کو ایک دم ساکت کر دیا۔ان کی زبان تالو سے جا چپکی۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں پر اپنے بیٹے کے کارنامے نے انہیں خاموش کروا دیا تھا۔

"ہائے مام!"آئمہ خلیل نے آواز سنتے ہی سر نیچے جھکایا تو بیڈ کے نیچے سے نکلا ہوا سر دیکھا جو وہاج خلیل کا تھا۔وہ بیڈ کے نیچے ٹھنڈے فرش پر لیٹا ہوا تھا اور وہیں سے سر کا تھوڑا سا حصہ واضح تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"وجی!!اسی وقت نکلو باہر ورنہ تمہارے بابا کو شکایت کر دوں گی۔"انھوں نے دھمکی دی پر وہاج پر تو جیسے اثر ہی نہ ہوا تھا۔وہ ابھی بھی مسکراتے ہوئے کچھ فاصلے پر کھڑی اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

"مام،آج سے میں بیڈ کے نیچے سونے والا ہوں۔کیا گرم ماحول ہے۔ویسے بھی خلیل صاحب ہیٹر لگانے نہیں دیتے۔اس لئے آج سے شہنشاہ خلیلو دین اکبر کا بیٹا وہاج اپنے لیپ ٹاپ

کے ساتھ بیڈ کے نیچے سوئے گا۔" اس نے ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور اسی سے اپنے پاس زمین پر پڑے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔

"اگر تمہارا لیپ ٹاپ یہاں ہے۔۔۔" آئمہ خلیل نے زمین پر موجود لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا اور پھر سے بولیں۔ "۔۔۔ تو اوپر پنکھے پر کس کا لیپ ٹاپ ہے؟" خوف سے پنکھے کی طرف دیکھا۔

"اچھا وہ۔۔۔ وہ تو المیر بروکا ہے۔" ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا گیا۔ پھر دونوں ہاتھ بیڈ کے ایک کونے پر رکھتے ہوئے وہ باہر نکلا۔

"المیر کا لیپ ٹاپ وہاں کیا کر رہا ہے؟" وہ وہاج کو خفگی سے دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ وہ اپنی شرٹ جھاڑ رہا تھا جس پر ہلکی ہلکی گرد لگ چکی تھی۔

Clubb of Quality Content

"مام، دراصل میں فزکس کے ایک پراجیکٹ پر کام کررہاہوں۔وہ جولیپ ٹاپ آپ کو پنکھے پر دکھ رہاہے نا•••"شہادت کی انگلی سے پنکھے کی طرف اشارہ کیا۔"•••وہ میں نے ایکسپیریمنٹ کرنے کے لئے رکھاہے۔اب سے کچھ ہی سیکنڈ کے بعد میں اس پر ایک دھن لگاؤں گااور پھر پنکھا چلادوں گا۔پنکھا چلنے کے کچھ ہی سیکنڈز کے بعد لیپ ٹاپ کو دیوار سے دے مارے گا۔بس پھر میں نے اس کا ٹائم آف ڈیتھ نوٹ کرناہے اور کام ختم۔"

"تمہارادماغ خراب ہے وجی؟المیر کالیپ ٹاپ ہے یہ!اس کو پتا چلا تو وہ تمہاری ٹانگیں توڑ دے گا۔"ان کو اس وقت وہاج پر شدید غصہ آرہاتھا۔ایسا نہیں تھا کہ وہ وہاج کے experimentsسے واقف نہیں تھیں۔وہ ہر دوسرے دن ایک نیا باوال کھڑا کرتا تھا جس کے بعد گھر میں ایک الگ قسم کی مووی چلتی تھی۔جس کی بدولت وہاج کی دھلائی پورے زور وشور سے محلے میں گونجتی تھی۔

"ارے مام•••ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ بروکا پرانا لیپ ٹاپ ہے۔"مسکرا کر کہااور ایک ہاتھ ماں کے کندھے پر رکھا۔

"پرانا ہے تو؟ المیر نئے لیپٹاپ کو نقصان پہنچانے پر تمہاری صرف ایک ٹانگ توڑے گا۔ یہ تو پھر اس کا پسندیدہ ہے۔ پرانا ہے تو کیا ہوا؟ تم جانتے ہو وہ اپنی چیزوں سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اور کافی سالوں سے سنبھالی ہوئیں چیزیں تو اُسے بہت عزیز ہیں۔" اپنے بیٹے کا ایک کان زور سے پکڑا۔

"ارے مام چیزوں سے نہیں ۰۰۰ انسانوں سے محبت کرنی چاہیے ہے۔ واہ و جی کیا بات کر دی ۰۰۰ مام میرا کان چھوڑیں ذرا۔۔" ایسے کہا جیسے جلدی میں ہو۔ "۱۰۰۰ ابھی جا کر آپی کو یہ لائن بتا کر آتا ہوں۔ شاید وہ اپنی اگلی ناول میں شامل کر لیں۔"

Clubb of Quality Content

"بخش دو اُسے بھی اور المیر کے لیپٹاپ کو بھی۔ ابھی اور اسی وقت اپنے کمرے کی حالت سدھارو۔" وہ حکم دیتی ہوئیں وہاں سے نکل گئیں جبکہ پیچھے کھڑا اوہاج چہرے پر مایوسی سجائے اپنی ماں کی دور جاتی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔

"یہ لوگ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ میں ایک بڑا آدمی بنوں، اوہوں۔ جتنا ٹیلینٹیڈ میں ہوں نا، اگلا سر وہا جک نیوٹن تو بن ہی جاؤں گا۔" خود کو تسلی دیتے ہوئے اپنا کندھا فخر سے تھپتھپایا اور دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔

··—·໑ɞ·—··

آج کا دن راحم رضا کے لئے بہت اہم تھا۔ ویسے تو روز ہی راحم رضا کے چہرے سے مسکان نہیں جاتی تھی پر آج تو جیسے خوشی نے اس کے ہر تاثر میں بسیرا کر لیا تھا۔ آج وہ حد سے زیادہ مسکرا رہا تھا۔ اور مسکراتا بھی کیوں نا؟ اس کی شادی کی تاریخ آج ہی کے دن طے ہو رہی تھی۔

صبح ہی سے راحم ہر آتے جاتے شخص کو خوشی کے مارے مسکرا مسکرا کر دیکھ رہا تھا اور بدلے میں ہر شخص ہی اس کے رویے سے پریشان ہو رہا تھا۔ چونکہ راحم رضا مذاق مذاق میں نوکری سے فارغ کر دیتا تھا اسی لئے آج اس کا حد سے زیادہ اور وہ بھی بار بار مسکرانا ایک بھی اہلکار

سے ہضم نہیں ہو پارہا تھا۔سب ہی ایک نگاہ راحم پر ڈالتے اور دوسری المیر پر۔جو چائے کا کپ لبوں سے لگائے آرام سے راحم کے کارناموں کو ملحظہ فرما رہا تھا۔

"راحم مت کرو یار ۰۰۰ان سب کو اپنا کام کرنے دو۔کیوں ڈرا رہے ہو انہیں؟"کچھ قدموں کے فاصلے پر موجود المیر خلیل نے اس سے کہا۔

"کیا اتنا برا لگ رہا ہوں مسکراتے ہوئے؟"راحم نے آنکھیں پھیلا لیں اور ایک ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرا۔

Clubb of Quality Content!

"تم جب بھی مسکراتے ہو نا تو کسی ایک نا ایک اہلکار کو نوکری سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔" آنکھیں پہلے زمین پر جمائیں پھر راحم کو دیکھا۔

"نہیں۔۔آج کسی کی چھٹی نہیں ہو گی۔آج میں بہت خوش ہوں۔"فاصلہ طے کرتے اب راحم المیر کے سر پر کھڑا تھا۔"تم سے جلنے کی بدبو بھی آ رہی ہے۔"

"یہ تو سال کا سب سے بڑا جوک ہو گیا۔ میں کیوں جلوں گا۔۔ وہ بھی تم سے؟" تیوری چڑھا کر اور آنکھیں گھما کر جواب دیا۔

"تم جل رہے ہو کیونکہ اب تم سے زیادہ ٹائم میں اپنی بیگم کے ساتھ گزاروں گا۔" راحم کی بات پر المیر نے سر نفی میں ہلایا۔

ابھی وہ بات کا جواب دیتا کہ سلیم المیر کے پاس آیا اور سامنے پڑے میز پر کچھ فائلز رکھ دیں۔ یہ فائلز راحم نے ہی منگوائیں تھیں۔ چونکہ وہ آج بہت خوش تھا اس لئے اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج کچھ پرانے حل نہ ہوئے کیسز کی فائلز کو پڑھے گا۔

سلیم فائلز رکھ کر واپس مڑ گیا۔ المیر نے فائلز کو دیکھا تو ان پر پڑی گرد دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ راحم پرانے کیسز کو کھولنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

"

آپ جناب تو عامر علی کے کیس کو کھولنے کا ارادہ رکھتے تھے ناں۔ پھر یہ سب کیوں؟ کہیں اس شخص نے خبری کا غلط پتہ تو نہیں دے دیا؟"

"اس کی ٹینشن تم نالو ۱۰۰۰ اس کی بھیجی ہوئی معلومات اور پتہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ آخر کو اتنی۔ میرا مطلب ہے اتنا قابل انسان ہے وہ۔" کہتے کہتے راحم کی زبان پھسلی تو وہ فوراً سنبھل گیا۔

"راحم تم پھر اشفا سے مدد لے رہے ہو؟" اس نے ایک اکتائی ہوئی نگاہ اپنے دوست پر ڈالی۔

Clubb of Quality Content!

"اشفا.. کون اشفا؟" راحم نے انجان بنتے ہوئے المیر کی طرف ابرو اچکا کر دیکھا۔ "تم مجھے بیوقوف سمجھتے ہو کیا؟ دنیا جہاں کی تمام تر خبریں صرف اور صرف اسی کے پاس ہوتی ہیں۔"

"میں نے تو نام لیا ہی نہیں اور جناب کو پہلے ہی خبر ہو گئی۔ سب خیریت ہے نا، المیر صاحب؟" راحم کی مسکراہٹ پھیلی تو المیر نے سر پکڑ لیا۔

"بکواس نہ کرو۔ کتنی بار کہا ہے اس سے مدد نہ لیا کرو۔ تمہیں یاد ہے ناں اس نے کیا کیا تھا؟" وہ اب کچھ سال قبل ہوئے واقعے کو یاد کرتے ہوئے اُس سے کہہ رہا تھا۔

"یار اس وقت بچی تھی وہ۔ تم اتنے سال پہلے ہوئے واقعے کو کب تک دل و دماغ میں جگہ دیے رکھو گے؟ اب بھول بھی جاؤ۔" وہ اُسے سمجھا رہا تھا۔

"کیسے بھول جاؤں؟ اُس نے میرے دل کے سب سے قریب بندوں میں سے ایک پر الزام عائد کیا تھا۔ اور کوئی چھوٹی بچی نہیں تھی وہ۔ بیس سال کی تھی۔ آٹھ سال کی عمر میں جب اس نے ان پر الزام لگایا تو میں نے کچھ نہیں کہا۔ یہی سوچا کہ ابھی چھوٹی ہے۔ لیکن بارہ سال بعد اس نے پھر وہی حرکت دوہرائی۔"

"تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ اس پر بھی ایک الزام لگا تھا بلکہ ایک بہت بڑا الزام لگا تھا جس کے نیچے وہ آج تک سانس لے رہی ہے۔ جس الزام نے اس پر اتنا وزن ڈال دیا ہے لیکن وہ لڑکی روئی تک نہیں۔ اس نے ایک آنسو تک نہیں بہایا۔"

"تو میں کون سا انکار کر رہا ہوں اس بات سے، یار؟ میں جانتا ہوں اس پر وہ الزام تھا بلکہ میں اس بات کا گواہ ہوں۔"

"تمہاری گواہی کوئی معنے نہیں رکھتی۔ تمہیں تو کچھ سہی سے یاد بھی نہیں ہے۔" اس نے فائل کھولی۔

"سات جولائی دو ہزار سات کی شام مجھے بہت دھندلی یاد ہے۔ بہت سے پہلو ایسے ہیں جو آج تک مجھے سمجھ نہیں آئے..." وہ کچھ لمحوں کے لیے رکا جیسے ماضی میں پہنچ گیا ہو۔

Clubb of Quality Content

"امین فیملی کے کیس میں بہت سی پیچیدگیاں تھیں۔۔ یہ بات سب ہی جانتے ہیں لیکن زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ اس کیس کو ہفتے بعد ہی ایسے بند کر دیا گیا جیسے کبھی کھلا ہی نہ تھا۔" اس نے سبز آنکھیں فائل پر گاڑھ رکھی تھیں۔

"میں وہاں موجود تھا، راحم ... جب وہ سانحہ ہوا تب میں وہاں موجود تھا۔ میں نے کسی کو وہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ بلکہ میں نے بابا سے بھی اس بات کا ذکر کیا تھا لیکن کیس کی تفتیش

کے دوران بابا نے اس بات کا ایس ایچ او نواب منیر کو بتایا ہی نہیں اور پھر رمیض جابر نے کیس بند کر دیا۔" وہ الجھا ہوا تھا۔ پریشانی اس کی نظروں میں صاف واضع تھی۔

"شاید ان کو لگا ہو کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے یا شاید وہ تمہیں کسی چیز سے پروٹیکٹ کر رہے ہوں۔" اس نے جیسے تسلی دینی چاہی۔

"پروٹیکٹ اور وہ بھی مجھے؟ وہ ہر معاملے میں اپنا فائدہ اور نقصان دیکھتے ہیں۔ آئی ایم شیور اپنا نام نشر ہونے سے بچانے کے لیے انھوں نے میرا نام نہیں لیا ہو گا۔" اس نے سر کو جھٹکا۔

Clubb of Quality Content!

"تم انکل سے اتنا خفا کیوں رہتے ہو، المیر؟ بیشک وہ زبان کے تلخ ہیں پر دل کے برے نہیں ہیں۔" راحم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ بابا اپنا منافع دیکھے بغیر کسی بھی انسان سے نہ محبت کرتے ہیں اور نہ ہی نفرت کرتے ہیں۔" اس کی آنکھوں کی مایوسی مقابل سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔

"وہ ایک کاروباری بندے ہیں ۱۰۰ اگر وہ نفع نقصان دیکھ بھی لیتے ہیں تو اس میں برائی کیا ہے؟" راحم جیسے المیر سے کچھ اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"چھوڑو یار۰۰۰ عامر علی کے کیس کا کیا بنا؟" اس نے موضوع پل میں بدل ڈالا۔ راحم نے سبز آنکھیں سکور کر المیر خلیل کو دیکھا پھر دائیں بائیں سر ہلایا۔

"ہو سکتا ہے ایک دو دنوں تک تمہیں فرانس جانا پڑے۔ تیاری پکڑ لو۔ ویسے بھی جمال کا کیس تو نمٹا لیا ہے۔ رہی بات اس کی اولاد کی تو ان کو بھی جلد ڈھونڈ لیں گے۔" المیر نے اثبات میں سر ہلایا اور فائلز اٹھا کر راحم کے منہ کے آگے رکھ دیں۔

المیر خلیل گھر میں داخل ہوا تو رات کے دس بج رہے تھے۔اُسے یاد تھا کہ آئمہ خلیل نے اُسے جلدی گھر آنے کی تلقین کی تھی۔وہ گھر جلدی آنا تو چاہتا تھا پر اچانک سے جمال کی بچیوں کے حوالے سے ایک لیڈ ملی تو اُسے کچھ وقت تھانے میں ہی گزارنا پڑا۔اُس لیڈ کی تفتیش کے لئے اس نے سلیم اور محمت کو ایک شخص کے گھر بھیجا جو کہ مال روڈ پر واقعہ ایک دکان کے مالک کے مطابق تقریباً روز ہی جمال کے گھر آتا جاتا تھا۔

سلیم اور محمت جب اس شخص کے گھر پہنچے تو انہیں وہ شخص نہ ملا جس کی تلاش میں وہ وہاں گئے تھے۔اس کی جگہ انہیں اس کی بہن ملی جو کہ پینتیس سے چالیس برس کی لگتی تھی۔ خاتون نے زیادہ تو کچھ نہیں پر اتنا ضرور بتایا کہ جمال ان کے گھر آتا جاتا رہتا تھا اور یہ بھی بتایا کہ وہ ایک چھوٹا موٹا درزی تھا۔

خاتون سے جب اس کے بھائی کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ اسکا بھائی قریب تین دنوں سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد سلیم نے المیر کو کال کر کے آگاہ کیا اور المیر نے سلیم کو اسکیچ آرٹسٹ کے ذریعے خاتون سے جمال اور اس کی بچیوں کا اسکیچ بنوانے کا حکم دیا۔

پھر قریب آدھے گھنٹے بعد اسکیچ جب بن گیا تو اُسے المیر کے فون پر شیئر کر دیا گیا۔اس نے اسکیچ کو تمام تھانوں میں بھجوادیا۔دس بجنے میں جب دس منٹ باقی تھے تو المیر گاڑی لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ سفر میں تھا کہ محمت کا جمال کے گھر سے ملنے والے کانچ پر لگے خون سے مُتعلّق میسیج آیا۔وہ خون جمال ہی کا تھا۔

اب منظر کچھ یوں تھا کہ وہ خلیل منزل کے لاؤنج میں بیٹھا پانی پی رہا تھا۔گھر میں چاروں طرف خاموشی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پانی پیتے ہوئے المیر کا ذہن اپنی بہن عالیہ کی طرف گیا جس کی شادی کے دن اب طے ہو چکے تھے۔وہ آج خوش تو تھا پر اُسے افسوس بھی تھا کہ وقت پر گھر پہنچ نہیں سکا۔

آج سے کچھ ہی ہفتوں کے بعد عالیہ کی شادی تھی۔

"صبح خود ہی عالیہ سے سوری بھی کرلوں گا اور مبارک باد بھی دے دوں گا۔" ہم کلام ہوتے ہوئے وہ صوفے سے اٹھا۔ ابھی وہ سیڑھیوں کی طرف ہی بڑھ رہا تھا جب اس کا فون بجا۔ اس نے فون جیب سے نکالا تو راحم کا میسیج اسکرین پر چمکتا ہوا نظر آیا۔

"پرسوں صبح تمہاری آٹھ بجے کی فلائٹ بک کردی ہے میں نے۔ چھ بجے ائیر پورٹ پر ہی ملوں گا تم سے۔ اور ہاں۔۔ تمہارا کریڈٹ کارڈ میرے پاس ہے۔ فلائٹ بک کرنی تھی اس لئے تمہارے والٹ سے نکال لیا تھا۔ آئی ہوپ تمہیں آگ تو لگی ہو گی۔ اللہ حافظ۔" المیر کا خون کھولا جب اس نے راحم کی طرف سے آیا ہوا وائس میسیج سنا۔ اس کا دل چاہا ابھی کے ابھی راحم کا منہ توڑ دے لیکن اس کا جسم شدید تھکان کا شکار تھا۔ اس لیے اس نے نیند پوری کرنا ضروری سمجھا اور آہستہ آہستہ ہر سیڑھی چڑھتے ہوئے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

اگلے روز کی ایک حسین اور خوش گوار شام چھائی تو آسمان پر بادلوں کا بسیرا ہو گیا۔ ہلکی ہوا اور بارش کی نرم پھوار اور پھر کافی سے اٹھتی گرما گرم مہک اس کے دھیان کو منتشر نہیں ہونے دے رہی تھی۔

وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ ایک نازک سا سلور کا ہار اس کی گردن کی زینت بنا ہوا تھا اور دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں اس نے دو سو روپے کی عام سی انگھوٹی پہن رکھی تھی جس کا نگ سرخ رنگ کا تھا۔

اُسے مہنگے زیورات نے کبھی بھی اپنی طرف مائل نہیں کیا تھا۔ ایک مہینے میں وہ اتنا تو کما ہی لیتی تھی کہ سونے کی کوئی چیز بنوا سکے لیکن اُسے ان سب چیزوں کا شوق کبھی تھا ہی نہیں۔

اُسے صرف عام خوبصورت اور نازک انگھوٹیاں اور ہار اپنی طرف راغب کرتے تھے۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ اگر پیسے جوڑے بھی تو ایک نئی گاڑی کے لیے رکھنا شروع کر دے۔

بھورے بال جو ہوا کی وجہ سے مسلسل اس کے چہرے پر آرہے تھے۔۔اس کی خوبصورتی میں اضافہ کررہے تھے۔وہ ایسے خاموش، کام میں مگن،لبوں پر چھوٹی سی مسکان سجائے بلا کی خوبصورت لگتی تھی اور سیاہ رنگ تو پھر اس پر ایسے جچتا تھا جیسے بنا ہی اس کے لئے ہو۔

اس کی پتلی انگلیاں لیپٹاپ کے کیبورڈ پر مسلسل چل رہی تھیں۔آرٹیکل کا ایک نیا موضوع اس کے ہاتھ آیا تو اس نے خوشی خوشی اس پر لکھنا شروع کردیا۔

کچھ ہی دیر پہلے اُسے کہیں سے اڑتی اڑتی خبر ملی تھی کہ مال روڈ کا کیس حل ہو گیا تھا۔لیکن جب اس نے مجرم کا نام سنا تو اس کے رونگٹھے کھڑے ہو گئے۔وہ اس شخص کو کیسے بھول سکتی تھی جس نے اُسے اٹھارہ سال پہلے دھکے مار کر تھانے سے نکالا تھا۔

"اے لڑکی! خود ہی اپنے ماں باپ کو مار کر اب یہاں بین کرنے آگئیں؟ یہ تھانہ ہے۔ تمہارے باپ کا گھر نہیں۔نکلو یہاں سے!" وہ آواز اس کے کانوں میں آج بھی گونجتی تھی۔ وہ الزام اس کے سر میں آج بھی درد کرتا تھا۔

رمیض سے اس کی نفرت آج بھی اسی جگہ موجود تھی۔

ایک آٹھ سال کی بچی پر ایک کے بعد ایک الزام لگتا گیا اور کسی نے کچھ نہیں کیا۔ سب اپنے آپ کو بچانے میں لگے رہے اور کسی نے اشفا امین سے نہیں پوچھا کہ اس کا دل کتنے حصوں میں بٹا تھا؟ اس کی جان کتنی بار حلق میں آن پہنچی تھی؟ اس کی آنکھیں کتنی مرتبہ نم ہوئی تھیں؟ اُس کے سینے میں کب کب ٹیس اٹھی تھی؟

کسی کو اس کا دکھ۔۔اس کا درد نظر نہیں آتا تھا۔ سب کو صرف اس کے چہرے کی مسکان اور لہجے کی پُرجوشی نظر آتی تھی۔

کسی کو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ اٹھارہ سال سے وہ لڑکی کس طرح زندگی گزار رہی تھی۔ کہ اس نے ایک حساس بچی سے ایک عورت بننے تک کا سفر کیسے کاٹا تھا۔

کوئی اس سے کچھ نہیں پوچھتا تھا۔ سب فرض کر لیتے تھے۔

Clubb of Quality Content

ہر کوئی۔

المیر خلیل بھی۔

بھوری آنکھیں مسلسل نیچے زمین پر بیٹھے اس مرد کو تک رہی تھیں جو کب سے اس سے معافی مانگ رہا تھا۔ وہ کہہ بھی رہی تھی کہ اس نے معاف کر دیا پر وہ تھا کہ سنتا ہی نہیں تھا۔

Clubb of Quality Content!

"تم جب تک مجھے دل سے معاف نہیں کرو گی تب تک میں ادھر سے نہیں اٹھوں گا۔" وہ کسی بچے کی مانند ضد کر رہا تھا۔

عالیہ باغیچے کی وسط میں رکھی سفید کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور المیر اس کے سامنے نیچے نرم گیلی گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کب سے اُسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور وہ تھا کہ اُس کی مسکراہٹ کو سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔

"میں نے۔۔کیا نا معاف۔یقین کیسے دلاؤں؟"اپنے ٹوٹے ہوئے الفاظ کو وہ مشکل سے جوڑ جوڑ کر ادا کر رہی تھی۔

مقابل نے سوچتے ہوئے انگلی سر پر رکھی پھر بولا۔"اچھا اپنی کتاب کی کوئی منفرد بات بتاؤ۔"

وہ قلیل لمحات سوچ وچار کرتے نکل گئے کہ اس نے چہرہ اوپر کیا۔"میری...ک-کتاب... انوکٹس کے لئے ہے۔میں نے اس میں ایک نظم بھی لکھی ہے۔انگریزی میں۔"

Clubb of Quality Content!

"انوکٹس...یعنی مضبوط انسان.. لیکن انوکٹس ہی کے لئے کیوں؟"

"آپ کتاب پڑھیں گے تو جان جائیں گے۔"

اس ایک پل میں عالیہ کا دل کیا کہ زور زور سے رونے لگے۔چیخے، چلائے لیکن آواز کسی کو نہ جائے۔

اپنے بھائی کو سب کچھ بتادے۔اُسے اپنے اندر چھائے سناٹے کی وجہ بتادے۔اپنے چہرے کی بے رونکی کو دور کرنے کا حل بتادے۔لیکن۔۔

لیکن وہ چاہ کر بھی اُسے کچھ نہیں بتاسکتی تھی۔وہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے بھائی کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔جس جس شخص سے وہ محبت کرتی تھی وہ وہ شخص اس سے دور ہو جاتا تھا۔وہ المیر سے دوری برداشت نہیں کر سکتی تھی۔وہ جانتی تھی کہ اگر ایسا ہوا تو وہ مر جائے گی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"عالیہ؟"اس نے اُسے پکارا تو وہ خیالات سے نکلی۔"ایک بات پوچھوں تم سے؟ تمہیں ماما کی قسم جھوٹ مت بولنا۔"

ماما کی قسم جھوٹ مت بولنا۔الفاظ ابھی بھی گونج رہے تھے۔ماما کی قسم کیا نہ بولنا؟اُسے سر میں درد ہوا۔

"پچھلے کچھ مہینوں سے تم پریشان ہو۔ تم بہت کمزور ہو گئی ہو۔ایسا کیا ہوا ہے جس نے تمہیں اس حال تک پہنچا دیا ہے؟ تم بیمار بھی نہیں ہو۔ تم کچھ بتاتی بھی نہیں ہو۔ تم جانتی ہو نا میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا۔ تمہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے تمہارا دل زندگی سے اُکتا گیا ہے۔ جیسے تم نے جینا چھوڑ دیا ہے۔آخر تمہیں کیا بات اندر ہی اندر کھائے جارہی ہے؟ مجھے بتاؤ میں حل نکال لوں گا۔ پلیز مجھ سے شیئر کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔ میں تمہیں اس سے زیادہ بری حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ یہ سب تصور کرنا ہی میرے لئے موت کے مترادف ہے۔" وہ اُسے نہیں سن رہی تھی۔ وہ تو ابھی بھی اس ایک جملے پر اٹکی ہوئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کا ایک دل کیا المیر کے سینے سے لگ جائے اور رو رو کر اس سے پوچھے کہ ماں کی خاطر اُسے کھو کیسے سکتی تھی وہ؟ ماں کی خاطر وہ اپنے بھائی کی جان کا سودا کیسے کر سکتی تھی؟ ماں اور بھائی میں سے وہ ماں کو کیسے چن سکتی تھی؟

آنسوؤں کا گلا گھونٹتے اس نے انہیں اپنے اندر اتارا۔ وہ جانتی تھی کہ یہاں اس نے ایک آنسو بہایا تو المیر ساری رات اس کے پاس بیٹھا رہے گا اور تب تک اس کے پاس سے نہیں اٹھے گا جب تک اس کا دل ہلکا نہیں ہو جاتا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ جانتے ہیں نا کہ میں نے نکاح کے بعد رخصتی کی پیشکش پر یہ شرط رکھی تھی کہ اپنی پہلی کتاب کی اشاعت کے بعد ہی شادی کا سوچوں گی؟" المیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بس اسی کی ٹینشن ہے کہ ش-شادی سے پہلے کتاب شائع ہو جائے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر کی آنکھوں میں امید چھلکی۔ "سچ مچ؟" وہ جانتا تھا کہ عالیہ اپنی ماں کی جھوٹی قسم کبھی نہیں اٹھائے گی۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ المیر نے ایک پُر سکون سانس ہوا کے سپرد کی۔

"میں نے تم سے ایک اور بھی بات کرنی ہے۔" وہ مسلسل نیچے دیکھ رہا تھا جیسے بات کرتے ہوئے کترا رہا ہو۔عالیہ کی مسکراہٹ نے اُسے اپنی بات اس کے سامنے رکھنے کی اجازت دی۔ "مجھے چند دنوں کے لئے فرانس جانا ہے ایک کیس کے سلسلے میں۔ تو میں۔۔ چلا جاؤں؟" وہ اتنی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"جانا بہت۔۔ ضروری ہے کیا؟" اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"ہاں لیکن اگر تم منع کرو گی تو نہیں جاؤں گا۔" اور وہ ایسا ہی کرنے والا تھا۔

Clubb of Quality Content!

"کتنے دنوں کے لیے؟" المیر نے کندھے اچکائے۔ "ہو سکتا ہے ایک ہفتہ لگ جائے یا پھر ایک مہینہ۔" "ایک مہینہ؟ ایک مہینے کے لئے وہ اپنے بھائی سے دور کیسے رہ سکتی تھی۔

کچھ لمحوں کے لیے خاموشی نے انہیں چاروں اور سے گھیر لیا۔ پھر وہ بولی۔ "ٹھیک ہے چ- چلے جائیں۔۔ لیکن وعدہ کریں ک- کہ جلد لوٹیں گے۔" المیر اتنے وقت میں پہلی دفعہ دل

کھول کر مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ ایسی تھی کہ سامنے والے کو دیوانہ کر دے۔اُسے اس طرح جکڑ لے کہ پھر راہِ فرار نہ ملے۔

"ٹھیک ہے۔میں جلد لوٹوں گا اور ہاں۔۔میری واپسی کے ایک دن بعد ہی ہم لاہور بھی چلیں گے۔" وہ اس سے کیا اپنا وعدہ کیسے بھول سکتا تھا۔عالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ اگلے آدھے گھنٹے تک یونہی باتیں کرتے رہے۔المیر بولتا رہا اور عالیہ بس اس کی باتوں پر مختصر سا تبصرہ کر دیتی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"بھائی آپ س-سے ایک بات۔۔پوچھوں؟" بہت شدت سے اس کے دل نے اُسے کہا کہ وہ آج اُس سے یہ سوال کر ہی ڈالے۔

"ایک کیوں؟ سو پوچھو۔" عالیہ کی بھوری آنکھوں میں چمک دوڑی۔لیکن سوال ایسا تھا کہ المیر کا موڈ بری طرح سے خراب ہو سکتا تھا۔کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے سوال کیا۔"اشفا۔۔وہ کیسی ہے؟"

المیر کی سُرمئی آنکھیں اس کے ذکر پر پل میں گہرا رنگ اختیار کر گئیں۔"جیسی پہلے تھی۔" عالیہ کو اس جواب میں اس کے سوال کا جواب کہیں نہ ملا۔

"دکھنے میں کیسی ہے؟"چونکہ وہ اشفا سے آخری دفعہ تب ملی تھی جب وہ آٹھ برس کی تھی تو اُسے ہمیشہ سے تجسّس رہا تھا کہ وہ کیسی دکھتی ہوگی۔

المیر کو سمجھ نہ آیا کہ موصوف کے چہرے کو کیسے بیان کرے۔آنکھوں میں خفگی لئے وہ عالیہ کی طرف دیکھنے لگا۔"میں کیسے بتاؤں؟"

"کچھ ہلکا ہلکا بتادیں۔"بہن کی فرمائش کو ٹال بھی نہیں سکتا تھا۔

کیا اشفا امین کے چہرے کو بیان کرنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا اس پل میں المیر خلیل کو لگ رہا تھا؟

Clubb of Quality Content

اس نے تھوک نگلا۔ "وہ۔۔اس کی آنکھیں۔۔اس کی آنکھیں شہد رنگ ہیں۔اور اس کے چہرے پر ایک ہی تل ہے۔" وہ پہلے تو رک رک کر بولا لیکن پھر رفتار سے جملہ ادا کر دیا۔

"اور اس کے بال؟" اس نے فوراً سے پوچھا تو المیر الجھا۔وہ اس کے بالوں کو کیسے بیان کرتا؟ وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ اس کے بال خوبصورت تھے۔

"جیسے سب کے ہوتے ہیں۔ جیسے تمہارے ہیں۔" وہ واضع الفاظ میں "خوبصورت" نہیں کہہ سکتا تھا اس لئے بہن کے ہی بالوں کا حوالہ دینا ضروری سمجھا۔

Clubb of Quality Content

"وہ اتنی بری بھی نہیں ہے جتنا آپ اُسے سمجھتے ہیں۔" اُس کے الفاظ نے المیر کو ایک گہری سانس لینے پر مجبور کر دیا۔ "تمہیں کیسے پتا؟ تم تو اس سے اتنے سالوں میں ملیں بھی نہیں۔ مجھ سے پوچھو۔۔" باقی کا جملہ ادھوا چھوڑ دیا۔

"مانا میں اس سے ک-کافی سالوں سے نہیں ملی پر میں جانتی ہوں وہ بہت اچھی ہو گی اور اس ک-کے لئے مجھے اس سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔"اس نے المیر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر آتے سائے نے اُسے پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا تھا۔"اور ویسے بھی وہ آپ کی-"

المیر اٹھ کھڑا ہوا۔"مجھے ایک کام یاد آ گیا ہے۔تم اندر چلی جاؤ موسم خراب ہے۔"پھر وہ وہاں سے چل دیا۔

پیچھے عالیہ سر ہلاتی رہ گئی۔وہ اشفا کے معاملے میں ہمیشہ اسی طرح کرتا تھا۔ہر اس محفل کو چھوڑ دیتا تھا جہاں اس کا ذکر ہو۔

Clubb of Quality Content

شام کب رات میں بدلی کام میں مگن اس لڑکی کو احساس ہی نہ ہو سکا۔جب بارش کے ٹھنڈے قطروں نے رفتار پکڑی تو اُسے احساس ہوا کہ وقت بہت زیادہ ہو گیا تھا۔اپنا سامان اٹھا کر وہ عمارت سے باہر آ گئی۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ چھتری لانا بھول گئی تھی۔وہ سُرمئی رنگ کی چھتری جو اُسے اس رات بارش میں ارحم نے دی تھی۔۔اس کے گھر میں اُس کے کمرے کے دروازے کے ساتھ زمین پر ہی پڑی رہ گئی تھی۔

اس دن کی طرح گاڑی تو وہ آج بھی نہیں لائی تھی۔گاڑی کا کچھ کام تھا اس لئے اس نے اُسے مکینک کے ہاں کھڑا کر دیا تھا۔

سوچا تو اس نے یہی تھا کہ ٹیکسی سے آجائے گی لیکن رات کے دس بجے ٹیکسی میں بیٹھنا بھی اس کے لیے معیوب تھا۔وہ اوبر کرنا چاہتی تھی پر اس کے موبائل فون کو بند ہوئے دو گھنٹے ہو گئے تھے۔

وہ گم سم سی بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔پانی کے ٹھنڈے ٹھار قطرے اُسے کانپنے پر مجبور کر رہے تھے۔اُسے یقین تھا کہ اگر دو منٹ اور ادھر بیٹھے گی تو یقیناً بیمار پڑ جائے گی۔

وہ بینچ سے اٹھی تاکہ واپس عمارت میں جاکر کسی کا فون لے سکے۔اس نے ایک سڑک پار کی۔ دوسری سڑک پر پہنچی تو فٹ پاتھ کے پاس کھڑی ہوگئی۔آتی جاتی گاڑیوں کی رفتار سڑک سے اڑتے پانی کے چھینٹوں کو اس کے کپڑوں پر گرا رہی تھی۔

آج ہی اس نے نیا سوٹ پہنا تھا اور آج ہی اس سوٹ کا ستیاناس ہوگیا تھا۔اس نے دل میں سوچا۔

دائیں اور بائیں جانب دیکھ کر جب اس نے کسی بھی گاڑی کو اپنی طرف آتے نہ پایا تو بہت ہمت کر کے ایک قدم آگے بڑھایا۔

پھر اُسے ایک تیز رفتار بائیک کی اپنی جانب بڑھنے کی آواز آئی اور ساری آوازیں بند ہوگئیں۔اس نے چہرہ موڑ کر ادھر دیکھا جہاں سے وہ بائیک آ رہی تھی۔اس کو اتنی بھی فرصت نہ ملی کہ چیخ مار سکتی۔

اس نے آنکھیں میچ لیں۔لیکن۔۔کوئی تصادم نہ ہوا۔

کچھ لمحوں کے تعاقب کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھیں سُرمئی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ سیاہ بال ماتھے پر ہمیشہ کی طرح بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر سیاہ رنگ کا ہیلمنٹ پہن رکھا تھا۔

اس نے بائیک عین اس کے سامنے لا کر روک دی۔

اشفا کا دل چاہا کچھ اٹھا کر اس کے سر میں مار دے۔

"رک کیوں گئیں؟ سامنے آکر کھڑی ہو جاؤ۔ ایک میری ہی بائیک ملی ہے تمہیں اپنی جان دینے کے لئے؟" تیز بارش میں اس کی آواز اُسے مزید کانپنے پر مجبور کر گئی تھی۔ لوگ لفظوں سے پھول جھڑتے تھے اور یہ تھا کہ پتھر مارتا تھا۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔

پھر جیسے المیر کو کچھ سوجا اور اس نے اپنی بائیک کے ساتھ لگی چھتری اس تک بڑھائی۔

وہ سڑک کے کنارے کھڑے تھے اس لئے آنے جانے والی گاڑیوں کے لئے دشواری کا سبب نہیں بن رہے تھے۔

اشفا نے پہلے اس کی طرف دیکھا پھر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا جس میں ہو بہو ویسی ہی سُرمئی رنگ کی چھتری تھی جو دو ہفتے پہلے اُسے ارحم نے لا کر دی تھی۔

اس نے چپ چاپ اس کے ہاتھ سے چھتری لے لی اور کھول کر اپنے اوپر کر لی۔ ایک دفعہ بس کپکپاہٹ ختم ہو جائے پھر بتاتی ہوں میں ان کو۔ دل میں سوچا۔

"اب جاؤ۔۔ سڑک پار کرو جلدی سے۔ میں دیکھ رہا ہوں۔" وہ کہنا چاہتی تھی کہ اگر کسی گاڑی نے اُسے ٹکر مارنی بھی ہوئی تو وہ مار کر چلی جائے گی۔ اس کے دیکھنے سے کیا ہو گا؟

وہ آگے بڑھی۔ "سڑک کے اس پار جا کر کھڑی ہو جاؤ۔ آتا ہوں میں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس نے ایک ابرو اُچکائی۔ پھر بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئی۔ احتیاط سے سڑک کے اس پار پہنچی تو رُخ سامنے کی طرف کر لیا جہاں وہ ابھی بھی کھڑا تھا۔

المیر نے جب اُسے باحفاظت ادھر کھڑا پایا تو اپنی بائیک لے کر آگے نکل گیا۔

وہ چھتری لے کر ایک درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ قریب دس منٹ گزر چکے تھے لیکن المیر خلیل کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ ہر گزرتے سیکنڈ کے ساتھ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ چہرے کے زاویے بگاڑتی ہوئی اپنے پیروں پر مڑی کہ عمارت تک جا سکے۔ کہ اتنے میں سیاہ رنگ کی ایک گاڑی اس کے پاس آ کر رک گئی۔ اس نے غور کیا تو المیر خلیل کو اس میں بیٹھے پایا۔

المیر نے ہاتھ سے اُسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ مسکرائی۔پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گاڑی کے اندر بیٹھ گئی۔چھتری اس نے پچھلی سیٹ پر رکھ دی اور خود نظریں سامنے مرکوز کر لیں۔

یہاں سے اس کا گھر چالیس منٹ کے فاصلے پر تھا۔بیس منٹ کا فاصلہ خاموشی میں کٹا۔نہ اشفا کچھ بولی نہ المیر نے کچھ کہا۔

جب خاموشی اشفا کے اعصاب پر اثر ڈالنے لگی تو وہ تنگ پڑی۔"عالیہ کیسی ہے؟"

فضا میں پھیلا تناؤ کچھ کم ہوا۔المیر نے چہرہ ہلکا سا موڑ کر نظر ساتھ بیٹھی لڑکی پر ڈالی۔"ٹھیک ہے۔"

"اور وہاج؟"المیر نے اسٹیرنگ وہیل پر رکھے ایک ہاتھ سے گاڑی موڑی۔دوسرے ہاتھ سے ماتھے پر بکھرے بال ہٹائے۔"ٹھیک ہے وہ بھی۔"

وہ کچھ لمحے اس شخص کو یونہی تکتی رہی۔وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ خود کیسا ہے۔لیکن اُسے یہ خاموشی کچھ بولنے نہیں دے رہی تھی۔

"مہوین کیسی ہے؟"اشفا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔"ٹھیک ہے۔"

"اور تم؟"

فضا میں کچھ تبدیلی آگئی۔اشفا نے پہلو بدلا۔اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اس کی آواز اس کے کانوں تک آرہی تھی۔

وہ آج اتنے سالوں بعد اس سے ہوتی اس گفتگو کو طول دے رہا تھا۔"میں کیا؟"

"کچھ نہیں۔"وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تو اشفا نے گھور کر اُسے دیکھا۔پھر اس نے اپنا سر جھٹکا۔

اگلے دس منٹ بھی سناٹے کی نظر ہو گئے۔اشفا نے اپنا سر سیٹ کے ساتھ ٹکالیا۔وہ بہت تھک چکی تھی۔اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا رخ اس کی طرف کر لیا۔

"رمیض جابر ایک اے ایس پی ہو کر کسی کا قتل کیسے کر سکتا ہے؟"وہ اچھے سے جانتی تھی کہ المیر اُسے ٹھیک سا جواب نہیں دے گا پر وہ خود کو روک نہ سکی۔

"جیسے سب کرتے ہیں۔"اشفا نے برا سا منہ بنایا۔یہ اتنا کم کیوں بولتا تھا؟ایسے لگتا تھا جیسے اس کے گلے میں فلٹر فٹ کیے گئے تھے تاکہ لمبے جملے ادا نہ ہو پائیں۔

Clubb of Quality Content

گاڑی گھر کے پاس پہنچ گئی تھی۔اس نے جھٹکے سے گاڑی روکی۔چہرہ سامنے ہی رکھا۔

"آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"المیر نے اس کی طرف دیکھا۔"مجھے تم سے کیوں کام ہو گا؟"

اس نے کندھے اچکائے۔"اتنے سالوں میں پہلے تو کبھی آپ کو مجھے گھر ڈراپ کرنے کا خیال نہیں آیا۔۔"اور بات بھی صحیح تھی۔

"تم بھول رہی ہو۔میں تمہیں پہلے بھی گھر اتار چکا ہوں۔"اشفا گہری سوچ میں پڑ گئی کہ جب اُسے اچانک یاد آیا کہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔کچھ ہی دن پہلے تو اس نے اشفا کو طوفانی بارش میں گھر چھوڑا تھا۔

"اوہ۔"اس کی زبان سے یہی نکل پایا۔"ہاں جی۔اوہ۔۔"اسی کے لہجے میں کہا تو اشفا نے اُسے گھور کر دیکھا پھر بنا کچھ بولے اس نے پچھلی سیٹ سے اس کی سُرمئی چھتری اٹھائی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ چھتری تو کم از کم چھوڑ جائے لیکن پھر وہ چپ کر گیا۔پہلے والی بھی اسی کے پاس تھی اور اب دوسری پر بھی اُس نے قبضہ کر لیا تھا۔قبضہ گروپ کہیں کی۔اس نے دل میں سوچا۔

پھر گاڑی اپنی منزل کی طرف دوڑا دی۔

وہ چار لوگ ایک تنگ سے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے کے داخلی دروازے کے سامنے موجود دیوار پر ایک بڑی سی ایل سی ڈی لگی ہوئی تھی جس پر جی پی ایس کھلا تھا۔

ایجنٹ ایلیون ٹانگ پر ٹانگ رکھے کرسی سے اپنی پشت ٹکائے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ہی تین کرسیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر وہ تین لوگ براجمان تھے۔

ایجنٹ ایلیون کے ایک ہاتھ میں رومال تھا اور دوسرے ہاتھ میں گن تھی جسے وہ صاف کر رہا تھا۔ "رمیض جابر کو frame کرنا تو بہت آسان نکلا۔" ایجنٹ سیون نے گفتگو کا آغاز کیا۔

گن صاف کرتے اُس کے ہاتھ تھمے۔ "کوئی بھی کام آسان نہیں ہوتا۔ کام کرنے کا طریقہ اس کو آسان بناتا ہے۔" سب نے ایک ساتھ سر اثبات میں ہلا یا۔

"آپ نے بہت صفائی سے اُسے اس کے انجام تک پہنچا دیا لیکن اگر کسی نے اس کی بیل کروا دی تو؟" ایجنٹ فور نے اپنے شبہات کو اس کی نظر کرنا ضروری سمجھا۔

"تم میرے کام کرنے کے طریقے کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے ہو کیا؟" گرجدار آواز نے اُسے تھوک نگھلنے پر مجبور کر دیا۔

"نہیں۔۔" اس نے ہڑبڑاہٹ کا شکار ہوتے سر نفی میں ہلایا۔ "گڈ۔ ابھی ایسا کوئی انسان پیدا نہیں ہوا جو میری جیت کو ہار میں بدل دے۔ رمیض کو کسی نا کسی طریقے سے ایک نا ایک دن اپنے انجام کو تو پہنچنا ہی تھا۔"

"پولیس کے حوالے کرنے کے علاوہ کون سا دوسرا طریقہ اپنایا جا سکتا تھا؟" ایجنٹ ون کچھ آگے کو ہوا۔

"موت۔دوسرا طریقہ صرف موت ہوتا پر میں نے ایسا نہیں کیا۔میں ایک calculatedانسان ہوں۔اس لئے مجھے ہر چیز اپنے حساب سے اور ٹھیک وقت پر ہی اچھی لگتی ہے۔"اس نے سیاہ رومال اپنی جیب میں رکھااور گن کچھ فاصلے پر موجود میز پر رکھ دی۔

وہ دھیرے دھیرے ایستادہ ہوا۔اپنے پیروں پر مڑااور ایل سی ڈی تک آیا۔اسکرین پر دکھتے جی پی ایس پر باآسانی دو سرخ نشان دیکھے جا سکتے تھے۔اس نے اس پر بنے ان میں سے ایک سرخ نشان پر شہادت کی انگلی رکھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"یہ نشان ہمیں المیر خلیل کا پتا بتائے گا۔یہ اس کی بائیک کی لوکیشن سے آگاہ کرے گااور یہ۔۔"اس نے انگلی لے جاکر دوسرے نشان پر رکھی جو اس سے کچھ ہی فاصلے پر تھی۔ "۔۔ہمیں اس کی گاڑی کی لوکیشن بتائے گا۔"

پھر وہ آکر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔"رمیض جابر سلاخوں کے پیچھے ہے۔یہ بات اس تک پہنچ تو گئی ہی ہوگی۔اب آہستہ آہستہ اس کے سہولت کار غائب ہوں گے۔یا تو اس ملک سے یا پھر

اس عالمِ فانی سے۔وہ جیسے جیسے قدم اٹھائے گا اتنا ہی اپنے وجود کو زمین کے اندر دھنسا ہوا پائے گا۔ہم اس کی ہر چال ناکام بنا دیں گے پر۔۔"آنکھیں ایک جگہ مرکوز کر لیں۔"المیر خلیل پر نظر رکھنا۔وہ اس کے بے حد قریب ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب چہارم

باب ۴

تاریخ تھی سترہ دسمبر۔ دن تھا اتوار کا۔

پیرس، فرانس

پیرس ••• جسے ایک دوسرے نام سے بھی جانا جاتا ہے، محبت کا شہر •••• جہاں سے کہانیوں کی اِبتدا ہوتی ہے۔ جہاں کہانیاں اپنے اختتام کو پہنچتی ہیں۔ جہاں لوگ یادیں بنانے آتے ہیں۔

اگر پیرس کے ہوائی اڈے یعنی شارل ڈی گال کی بات کی جائے تو یہ اس شہر کا سب سے بڑا ائیرپورٹ ہے جو کہ روشنیوں سے بھرپور نظر آتا ہے۔ ہر رنگ، ہر زبان اور ہر پہچان کے لوگ اپنے ملکوں سے یہاں کی پرواز بھرتے ہیں۔

ائیرپورٹ پر ہر راہداری ••• ہر گیٹ اور ہر نشست پر کوئی نہ کوئی یاد مسافروں کے انتظار میں آنکھیں لگائے بیٹھی ہوتی ہے۔ یہاں کی خوبصورتی میں اکثر وقت تھم سا جاتا ہے۔

روشنیوں کے زیرِاثر آس پاس کا ماحول مدھم ہونے لگتا ہے۔ ہر کسی کے چہرے سے اٹھتی کھلکاریوں کی چمک ہر سو جگمگانے لگتی ہے۔

یہ وہ شہر ہے جہاں اکثر کہانیوں کے رُخ بدل جاتے ہیں۔ داستانیں شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہیں یا کبھی نہ ختم ہونے کے لئے ابتدائی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

المیر کی پیرس آمد کوئی نئی بات نہیں تھی۔ یہاں اس نے جنم لیا تھا۔۔۔اس سرزمین سے وہ اچھے سے واقف تھا۔ یہاں کے ایک ایک شہر اور گاؤں۔۔۔ایک ایک خطے سے اس کی واقفیت تھی۔

المیر خلیل کو فرانس میں سب سے زیادہ کیا چیز پسند تھی؟ اس کی خوبصورتی؟ لوگ؟ زبان؟ نہیں! اس کے لئے فرانس کی خاموشی بہت پُر سکون تھی۔ جیسے ایگیزہائم، گورد، ریک ویئر، ویزے لے جیسی جگہیں تھیں جہاں خوبصورتی تو تھی پر خاموشی اور سکون بھی تھا۔ فرانس

میں ایک ایسی جگہ بھی موجود ہے جہاں المیر ہر دورے پر ضرور جاتا تھا۔وہ جگہ اس کی پسندیدہ تھی۔

المیر کا دل جب بھی تنگ پڑتا تھا تو وہ فرانس کا رخ کرتا۔اکثر تو وہ گھر والوں کو اطلاع دیئے بغیر ائیر پورٹ پر پہنچ جاتا اور جہاز میں بیٹھ کر راحم یا عالیہ کو باخبر کر دیتا۔اس کے لئے فرانس کسی خواب سے کم نہ تھا۔وہ اس ملک کو بالکل ویسے ہی چاہتا تھا جیسے ایک چھوٹا بچہ نئی خریدی گئی کسی چیز کو۔

وہ پاکستان سے اپنے ساتھ صرف ایک ہی بیگ لایا تھا جسے اس نے اس وقت روڈ پر رکھا ہوا تھا اور خود وہ ٹیکسی کا انتظار کر رہا تھا۔پاکستان سے آنے والا جہاز پیرس کی سرزمین پر اترتا گیا تب ہی المیر نے ٹیکسی بک کروادی۔

اُسے ائیر پورٹ کی ٹیکسی کچھ خاص پسند نہیں تھی۔اس لئے ہمیشہ اوبر ہی کر لیا کرتا۔وہ اس وقت پارکنگ ایریا میں کھڑا تھا۔یہاں مختلف طرز کی گاڑیاں تھیں جو کہ پاکستان میں بہت کم پائی جاتی تھیں۰۰۰ان کے ساتھ ساتھ بہت سی ٹیکسیاں بھی موجود تھیں۔

وہ اس وقت سیاہ شرٹ اور سیاہ ہی جینز اور اس پر خاکی رنگ کی جیکٹ میں ملبوس تھا۔ دوسری طرف اپنی سُرمئی آنکھوں پر سیاہ رنگ کا چشمہ اور کلائی میں سیاہ رنگ کی راڈو کی گھڑی پہنے ہوئے تھا۔

جیکٹ کی اگلی جیب میں اس نے ایک پین پرفیوم رکھا ہوا تھا۔ جس پر درج سلطان دکھائی دیتا تھا۔ ایسے کئی پرفیومز اُسے راحم کی نانی ادا بیگم نے تحفے میں دیئے۔ اُسے اس کی خوشبو سب سے الگ لگتی تھی اس لئے وہ کہیں بھی جاتا تو اس کو ساتھ لے کر جانا نہ بھولتا۔

Clubb of Quality Content

پیرس کی کھلی اور خوشنما فضا میں المیر کو سکون کا سانس آرہا تھا۔ فرانس میں وہ صرف المیر تھا۔ ایک چھوٹا سا بچہ.. جس نے آنکھ کھولتے ہی اسی ملک کو دیکھا۔ یہاں وہ صرف ایک مسافر تھا۔ ایک ایسا مسافر جو کہ منزل کی تلاش میں نہیں تھا۔

اکثر تو وہ پیرس کی سڑکوں پر رکھی کرسیوں پر گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ فرانس کی زبان فرینچ تو اُسے آتی ہی تھی ۱۰۰۰ اس لئے جب بھی وہ یہاں بیٹھتا ایک عدد اخبار بھی پڑھ ہی لیتا تھا۔

فرانس کے شہریوں کے بارے میں ایک بات بہت مشہور ہے کہ وہ ناخوشگوار لوگ ہیں۔اور اس بات سے المیر سو فیصد زحمت رکھتا تھا۔لیکن کیونکہ المیر یہاں کی زبان سے اچھی طرح سے واقف تھا اس لئے اُسے کسی قسم مشکل سے نہ گزرنا پڑتا۔

وہ جب بھی پیرس آتا۔۔۔ ایک ہی ہوٹل میں قیام کرنا پسند کرتا۔پیرس کا ہوٹل دی اوبوسوں(hotel d'Aubusson)پیرس کے دل میں۔۔ایک ایسی جگہ پر واقع ہے جو بیک وقت پُر سکون بھی ہے اور دلکش بھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جیسے ہی آپ اس ہوٹل میں قدم رکھتے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔ سترویں صدی کی ایک خوبصورت حویلی جواب ایک شاندار ہوٹل کا روپ دھار چکی ہے۔ لکڑی کی پرانی چھتیں۔۔۔آتش دان۔۔۔اور خاموش راہداریاں آپ کو ایک الگ ہی جہاں کی سیر کرواتی ہیں۔

یہاں کا ماحول نہایت پُر سکون ہے۔ جیسے خاص طور پر ان لوگوں کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہو جو شور سے دُور، آرام دہ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ کمروں کی سادگی اور نفاست میں ایک خاص انداز ہے۔ نہ بہت زیادہ، نہ بہت کم۔ بس جتنا ہونا چاہیے، بالکل ویسا۔

اگر صبح کی دھوپ میں آپ اندرونی صحن (courtyard) میں بیٹھ کر کافی پینا چاہیں یا شام کو جاز بار میں ہلکی موسیقی کے ساتھ وقت گزارنے کا دل چاہے تو ہر لمحہ ایک یادگار تجربہ بن جاتا ہے۔

یہ ہوٹل اُن لوگوں کے لیے ہے جو صرف پیرس دیکھنے نہیں ••• محسوس کرنے آتے ہیں۔ یہ جگہ آپ کو شہر کی ہلچل سے تھوڑا الگ لے جاتی ہے۔ مگر اتنا بھی نہیں کہ آپ لوو میوزیم، سیئن دریا یا چھوٹی کیفے گلیوں تک نہ جا سکیں۔ سب کچھ بس چند قدم کی دوری پر ہے۔

اگر آپ پیرس میں دل سے جینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہوٹل دی او بوسوں شاید وہی جگہ ہے جہاں سے یہ سفر شروع ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے المیر تمام طرز کے بنائے گئے ہوٹل جو کہ خوبصورتی سے بیشک بھرپور تھے۔۔ ان پر اس ہوٹل کو فوقیت دیتا تھا۔

وہ گرینڈ لکس رومز جو کہ اعلیٰ طرز اور عالی شان تھے۔۔انہی میں سے کسی ایک میں قیام کیا کرتا تھا اور آج بھی یہی ہونے والا تھا۔

اس ہوٹل کے مالک اور مینیجر اُسے اچھی طرح جانتے تھے کیونکہ کچھ سال قبل جب خلیل محمد آخری دفعہ یہاں آئے تو انھوں نے اس ہوٹل کے مالک کو جاتے جاتے تحفے میں ایک سونے کی چین دی تھی۔وہ کوئی عام چین نہیں تھی۔۔بلکہ کافی مہنگی تھی۔ہوٹل کے مالک کو وہ تحفہ اتنا پسند آیا کہ اس نے اگلے ایک سال کے لئے خلیل فیملی کا اس ہوٹل میں رہنا براہ راست کر دیا۔لیکن اتفاق سے المیر یا خلیل صاحب دونوں میں سے کسی کا بھی فرانس آنا نہ ہوا۔اس کے بعد المیر جب بھی فرانس آیا خلیل محمد کے اسرار پر اس نے اسی ہوٹل کو منتخب کیا۔

ابھی المیر اپنی سوچوں میں ڈوبا ہی ہوا تھا کہ سرخ رنگ کی گاڑی۔۔الفارومیو جیولیا(alfa romeo giulia)اس کے منہ کے سامنے آکر رکی۔اس کی عادت تھی وہ اسی گاڑی میں سفر کرنا پسند کرتا تھا۔اس نے سڑک پر پڑا اپنا بیگ اٹھایا اور بھاری بھاری قدم اٹھاتا گاڑی کے اندر بیٹھ گیا۔

"بونژور مونسئور(bonjour monsieur)۔"ڈرائیور نے فرنچ میں اُسے سلام کیا تواس نے اثبات میں سر ہلایا۔"سالو(salut)۔"جس کا مطلب تھا ہیلو۔

ڈرائیور نے اندرونی عقبی آئینے سے پیچھے بیٹھے المیر کو مسکرا کر دیکھا اور گاڑی مقام کی طرف دوڑادی۔گاڑی جیسے جیسے پیرس کی خوبصورت سڑکوں سے گزرتی گئی ویسے ویسے المیر کو اپنے ہر سفر کی طرح اس سفر میں بھی ماضی کے وہ چند لمحات جنہیں وہ اکثر فرصت میں ذہن میں دوہراتا تھا۔۔۔ یاد آ گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس کی فرانس سے بے پناہ محبت کی وجہ کوئی اور بھی تھی۔وہ وجہ چند ہی لوگ جانتے تھے۔ سننے والوں کے لئے تو کافی افسردہ تھی مگر اس کے لئے نہیں۔اُسے وہ غم غم نہیں لگتا تھا۔

جہاں پاکستان نے اُسے وہ سب کچھ دیا تھا جس کی خواہش ہمیشہ سے اُس کے اندر تھی وہیں پاکستان نے اُس سے وہ ایک چیز چھینی تھی۔جو سب خواہشات کو ملا کر بھی اُس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ نہیں سکتی تھی۔ فرانس اس غم کا مداوا کرتا تھا۔

اس غمگیں سفر میں فرانس کا صرف اتنا سارول تھا کہ وہ ایک چیز اُسے فرانس میں مل جایا کرتی تھی جس کی تلاش میں وہ پاکستان میں مارا مارا پھرتا تھا۔

وہ غم۔۔وہ تکلیف اس کے سینے کو کھوکلا کر چکی تھی۔یادھانی پر اس کے ذہن کو سن کر دیتی تھی پر وہ غم کا اظہار نہیں کر پاتا تھا۔شاید اس کے اظہار کا طریقہ ہمیشہ سے خاموشی اختیار کرنا ہی رہا تھا۔

جب بھی اس کا دل اداس ہوتا تو وہ یہاں کا رُخ کرتا تھا۔اس نے کچھ مخصوص گھنٹے یہاں کی ایک جگہ گزارنے ہوتے تھے اور اسے سکون مل جایا کرتا تھا۔وہ مختصر گھنٹے اس کے لئے ہزاروں دنوں سے زیادہ اہم ہوتے۔جب بھی اس کا دل بھاری ہوتا وہ بغیر کچھ کہے۔۔۔بغیر کچھ سنے ادھر آجایا کرتا۔

گاڑی ایک مخصوص سڑک سے گزری تو اُسے وہ ایک چیز یاد آئی جو وہ ہمیشہ یہاں آکر خاموشی میں کھایا کرتا تھا۔ پھر کچھ ہی منٹوں کے بعد اُس کی گاڑی ہوٹل کے سامنے رکی۔ اس نے ایک گہری نگاہ ہوٹل کے اطراف میں دوڑائی اور آنلائن بل دے کر وہ گاڑی سے اتر گیا۔

سامنے ہی ایک اونچی سی عمارت تھی۔ وہ اس عمارت کو بخوبی پہچانتا تھا۔ کچھ پل وہ یونہی کھڑا آس پاس کے منظر کو آنکھوں میں اتارنے لگا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ چہرے پر اطمینان لئے وہ اپنا بیگ اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے ہوٹل میں داخل ہوا۔

ہمیشہ کی طرح ہوٹل کے ریسیپشن پر ایک سرخ رنگ بالوں والی لڑکی کھڑی تھی جس کا نام ایریل تھا۔ وہ اس لڑکی کو اچھے سے جانتا تھا۔ اس کی دودھیا رنگت تھی۔ نیلی آنکھیں تھیں اور چہرے پر ہمیشہ کی طرح ایک مسکان بسیرا کیے ہوئے تھی۔

وہ ہوٹل کی راہداری میں داخل ہوا۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ریسیپشن کے پاس جا پہنچا۔ ایریل نے ایک نظر اوپر دیکھا تو ایک خوبصورت سی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا۔

"Hello, sir. You are finally here."(سلام سر، آخر آپ آہی گئے۔)چونکہ المیر انگریزی بول سکتا تھااس لئے ایریل ہمیشہ اس سے انگریزی میں بات کرتی تھی اس طرح اُسے خود بھی آسانی ہوتی تھی۔

المیر نے اس اُنیس سالہ لڑکی کو مسکرا کر دیکھا جو اُسے ہمیشہ سر یا بھائی کہہ کر بلاتی تھی۔وہ اپنے ہر دورے پر اس کو کوئی نہ کوئی چیز ضرور تحفے میں دے کر جاتا۔اُسے ایریل بالکل عالیہ کی طرح لگتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"How are you?"(کیسی ہو؟)سوال کیا۔وہ مسکرا کر المیر کو دیکھتی اثبات میں سر ہلانے لگی۔"I am fine, sir. How have you been?"(میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسے ہیں؟)

المیر کو آخری دفعہ فرانس آئے دو سال ہو گئے تھے۔اکثر تو وہ ہر چھ مہینے بعد چکر لگالیتا تھا پر اس دفعہ مصروفیت نے اُسے ایسا گھیرا تھا کہ اُسے وقت ہی نہ ملا تھا۔

"I have been doing good. Room number?" (میں ٹھیک ہوں۔روم نمبر؟)اُسے زیادہ بات کرنے کی عادت نہیں تھی ۰۰ایریل اس بات سے واقف تھی۔اس نے ایک پل بھی ضائع کیے بغیر کمرے کی چابی المیر خلیل کو تھمادی جس پر روم نمبر ۷ا لکھا ہوا تھا۔

اس نے چابی کو انگلی میں پھنسایا اور گول گول گھماتے ہوئے ماتھے پر آئے بالوں کو دوسرے ہاتھ سے پیچھے کی طرف کیا۔پھر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

Clubb of Quality Content

کمرہ نمبر ۷ا کی راہداری کافی کشادہ تھی۔ایک طرف ایک چھوٹا سا سرخ گلاب کا پودا رکھا ہوا تھا اور دوسری طرف چابی کا ریک دیوار پر لگا ہوا تھا جس پر المیر نے اپنی جیکٹ اور کمرے کی چابیاں لٹکا رکھی تھیں۔

اب کمرے میں داخل ہوں تو دائیں طرف دیوار پر ایک سنہرے فریم کا شیشہ اور بالکل اس کے سامنے ایک بیڈر کھا ہوا نظر آتا ہے۔ بیڈ کی دونوں طرف دو کرسیاں بھی موجود ہیں۔

کمرہ کافی کشادہ اور سفید پینٹ میں سجا ہوا تھا۔ کمرے میں ایک اور کمرہ بھی تھا جو کہ باورچی خانہ تھا۔ اس کی کچھ ہی دوری پر باتھروم تھا۔

وہاں ایک طرف ٹی وی تھا اور ایک طرف کمپیوٹر ٹیبل پر کمپیوٹر رکھا ہوا تھا۔ کمپیوٹر کی فرمائش بھی المیر خلیل کی ہی طرف سے تھی۔ اس کا جب بھی فرانس چکر لگتا تھا تو وہ ایک نہ ایک نیا ریسٹورنٹ ضرور ٹرائی کرتا تھا اور اس کے لیے اُسے google maps کی ضرورت پڑتی تھی جو کہ وہ موبائل فون کی جگہ کمپیوٹر پر کھولنا پسند کرتا تھا۔

المیر خلیل کمرے میں آتے ہی پینٹ شرٹ کو تبدیل کرتا سفید شلوار قمیض پہن چکا تھا۔ قمیض کی آستین نیچے کرتا باتھروم سے باہر نکلا۔ وہ وضو کر کے نماز پڑھنے کی غرض سے جائے نماز بچھا گیا۔ نماز کی نیت کرتے اس نے ہاتھ باندھے اور اللہ اکبر کے لیے ہاتھ بلند کرتا وہ نماز

میں مشغول ہو گیا۔ چاہے کتنی بھی سخت ڈیوٹی کیوں نہ ہوتی۔ المیر خلیل نماز نہیں چھوڑتا تھا۔ کبھی تھانے میں تو کبھی سائٹ پر وہ کوئی نہ کوئی جگہ نماز کے لئے ڈھونڈ ہی لیتا۔

وہ سلام پھیر کر اب جائے نماز پر دعا کے لئے ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔ کچھ وقت کے لئے کمرے میں خاموشی چھاگئی۔ بس گھڑی کی چلتی سوئیوں کی آوازیں کمرے میں قائم ہوئے خول کو توڑ رہی تھیں۔

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی دعا طویل ہوتی جا رہی تھی۔ اکثر تو وہ فراغت میں بیٹھا یہی سوچا کرتا تھا کہ وہ خدا سے کیا مانگے؟ سب کچھ تو تھا اس کے پاس۔ دنیا کی ہر آسائش جس کی چاہ ایک شخص کو ہوتی ہے، وہ اس کے پاس موجود تھی۔

المیر خلیل کے پاس دنیا تھی لیکن جب دلی اور ذہنی سکون ہی نہ تھا تو وہ دنیا کا کیا کرتا؟ پچھلے کئی سالوں سے وہ نماز میں صرف سکون قلب مانگ رہا تھا۔

اُسے خود پر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا۔ وہ بوجھ چند سال پرانا نہیں بلکہ بہت پرانا تھا۔ پچھلے سالوں میں پیش آنے والے واقِعات کے نتیجے میں اُس کا دلی سکون تو کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔

"بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔" دعا کے آخر میں کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ جائے نماز کو تہ کرتے اس نے اُسے صوفے پر رکھ دیا اور خود کمپیوٹر کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

کیبورڈ پر کچھ ٹائپ کرتے اس نے کسی کی طرف ایک پیغام بھیجا تھا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فوراً جواب آگیا۔ مقابل کو پھر سے ایک اور پیغام بھیجتے اس نے اپنا فون اٹھایا اور اسکرین پر وقت دیکھتے ہوئے اس نے فون کو بیڈ پر پھینک دیا۔

المیر خلیل راحم رضا سے ایک لاپتہ سوفٹویئر کے ذریعے بات کر رہا تھا۔ یہ ایسا سوفٹویئر تھا جس سے انسان کی لوکیشن ٹریک نہیں کی جاسکتی تھی اور نہ ہی اس کا آئی پی ایڈریس معلوم کیا جا سکتا تھا۔ چونکہ وہ ایک کیس کی تفتیش کے لئے آیا تھا اس لئے ایسے حالات میں وہ خود تک آتا ہر راستہ ہمیشہ بند رکھتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"4600-1900-18" میسج دیکھ کر وہ چونکا نہیں تھا۔وہ اور راحم اکثر کوڈ ورڈز میں ہی بات کیا کرتے تھے۔انہیں اس چیز کی ٹریننگ دی گئی تھی۔

بات ختم کرنے کے بعد وہ کرسی پیچھے کرتا کھڑا ہوا۔بیڈ کی دائیں طرف پہنچ کر اس نے احتیاط سے بیڈ کے اوپر رکھا گدا اوپر کو اٹھایا اور اس کے نیچے رکھا ایک انویلوپ نکال کر کرسی پر اچھال دیا پھر گدا واپس بیڈ پر رکھ دیا۔

بیڈ کی چادر کو ٹھیک سے بچھاتے۔۔وہ کرسی پر رکھے انویلوپ کی طرف بڑھ گیا۔خاکی رنگ کے لفافے کو ایک طرف سے چیرتے ہوئے اس نے اس میں ہاتھ ڈال کر برنر فون نکالا جو کہ اکثر مشنز پر استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے ذریعے کالر کی لوکیشن ٹریس کرنا مشکل ہوتا ہے۔

فون کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے لفافے کو چورا چورا کر کے کچرا دان میں پھینک دیا۔ایک نظر پورے کمرے میں دوڑاتے ہوئے وہ بیڈ پر ایک طرف لیٹ گیا۔ایک بازو سر کے نیچے رکھا اور دوسرے سے ماتھے کو مسلتے ہوئے وہ تھکن سے آنکھیں موند گیا۔

پاکستان کے شہر اسلا آباد میں اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ یہ منظر تھا ایک ایسی جگہ کا جہاں ایک میز رکھی ہوئی تھی اور میز کے اوپر ایک لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔ لیپ ٹاپ کے نزدیک ایک تھرماس رکھی ہوئی تھی جس میں بلیک کافی موجود تھی اور ساتھ میں ایک سبز رنگ کا درمیانے سائز کا کپ۔

لیپ ٹاپ پر مسلسل چلتی اس کی انگلیاں کچھ پل کو تھم گئیں۔ سبز آنکھیں ایک تصویر پر جا ٹھہری تھیں۔ اس نے آج سے پہلے اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔ کیا یہ اشفا امین کی رشتے دار تھی یا اس کی بہن تھی؟ نہیں بہن کیسے ہو سکتی ہے۔ اشفا تو اکلوتی بیٹی ہے نا؟ اور یہ لڑکی اشفا سے کتنی مختلف تھی۔ پھر بہن کیسے ہو سکتی تھی؟

اشفا کی پروفائل پر لگی تصویر جس میں وہ ایک لڑکی کو گلے لگائے کھڑی تھی۔۔ راحم کو سوچ میں ڈال چکی تھی۔ کتنے ہی سالوں سے وہ اشفا کو جانتا تھا۔ المیر اور اشفا کی لڑائیاں آج سے

کہیں سال پہلے بھی ہوا کرتی تھیں اور کچھ مہینوں سے تو دونوں طرف سے امن تھا۔ وہ اشفا کو اکثر آتے جاتے دیکھا کرتا تھا۔

اشفا اس کے لئے بالکل زہرہ کی طرح تھی۔ اس لئے اشفا سے اس کی بول چال وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی اور آج اشفا کی ہی مدد سے وہ المیر کی ملاقات ایک خبری سے کروانے والا تھا۔ اتنے سالوں سے اشفا کو اچھے سے جاننے کے باوجود راحم رضا اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا••• اُسے بہت حیرت ہوئی تھی۔

اشفا امین تھی تو ایک معمولی سی صحافی پر اس کے تعلقات ایسے لوگوں سے تھے جن کو ہر پل کی خبر ہوا کرتی تھی۔ کس وقت، کس جگہ کیا واقعہ پیش آیا، وہ یہ سب کچھ جانتے تھے اور ان کے ذریعے اشفا امین با آسانی کرائم سینز پر پہنچ جایا کرتی تھی۔ راحم بہت سے کیسز میں اشفا سے مدد لے چکا تھا جس کی خبر آج تک المیر کو نہ ہو پائی تھی۔ راحم نے بس ایک ہی کیس میں اشفا سے لی گئی مدد سے المیر کو آگاہ کیا تھا اور وہ دن تھا اور آج کا دن تھا راحم رضا نے دوبارہ المیر کے سامنے اشفا سے لی گئی مدد کا ذکر بھی نہ کیا تھا۔

ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے المیر کو ایک میسیج چھوڑا۔ وہ المیر کو اس بات سے آگاہ کر چکا تھا کہ خبری اپنی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ چکا ہے۔ مقابل نے آگے سے اوکے لکھا۔ وہ صبح چھ بجے سے جاگ رہا تھا اور اب تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اچھل کر بیڈ پر سو جائے کہ اگلے دو دن بھی سویا رہے۔

・・—・෴・—・・

فرانس

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر خلیل راحم کی بتائی ہوئی جگہ پر ٹھیک گیارہ بجے موجود تھا۔ حالانکہ راحم کو المیر سے ملاقات کے لیے خبری نے کل کا وقت دیا تھا لیکن جب المیر خلیل اپنے کمرے میں سکون کی نیند سو رہا تھا تب ہی راحم کا میسیج آیا کہ ولیم یعنی خبری نے ملاقات کے اوقات میں تبدیلی کر دی تھی۔ المیر کو غصہ تو بہت آیا تھا کیونکہ اُسے نیند پوری کیے بغیر کام کرنا زہر کی طرح لگتا تھا البتہ وہ چپ چاپ ملاقات کی غرض سے جلدی جلدی کیب بک کرواتا چھ گھنٹے کے بعد روکا مادور پہنچ پایا تھا۔

یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ المیر خلیل کی نیند مکمل طور پر غائب ہو گئی تھی۔ چائے پیے بغیر تو اس کا دن نہیں نکلتا تھا اور سو کر اٹھنے کے بعد سب سے پہلے اُسے چائے کی طلب ہوتی تھی لیکن آج معمول سے ہٹ کر اس کی زندگی میں پہلی دفعہ ایسے واقِعات انجام پا رہے تھے۔

وہ اس وقت پلازہ دی لا کاریٹا کی بیرونی جگہ پر موجود تھا۔ وہ ایک بھوری رنگ کی بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ بھوری شرٹ اور سفید جینز میں ملبوس المیر خلیل مسلسل ہاتھ میں پکڑے اخبار کو ٹِکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ آس پاس موجود لوگوں کے لیے وہ اخبار پڑھنے میں مصروف تھا لیکن یہ بات المیر ہی جانتا تھا کہ اس وقت فرنچ زبان میں پبلش ہوئی اس اخبار کو پڑھنے میں اس کو بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی۔

اطراف میں لگی اسٹریٹ لائٹس کافی حد تک روشنی میسر کر رہی تھیں لیکن وہ کسی بھی شخص کا چہرہ ٹھیک سے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ جب اگلے پانچ منٹ تک بھی کوئی سیگنل نہ ملا تو المیر خلیل نے اپنی جیب سے برنر فون نکالا اور ولیم کو ایک مسڈ کال دی۔

راحم رضا کے مطابق ولیم کی پہچان ایک سرخ رنگ کی ٹوپی تھی جو ولیم سڑک پر رکھ کر چلا جائیگا اور پانچ منٹ کے بعد المیر اس جگہ پر پہنچ کر اس کا انتظار کرے گا۔

المیر نے اطراف میں نظریں گھمائیں تو اُسے کچھ ہی دوری پر ایک سرخ ٹوپی نظر آئی۔ وہ مزید چار منٹ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اٹھا۔ وہ آدھے گھنٹے سے ایک چیونگ گم چبا رہا تھا۰۰۰ اس نے وہی چیونگ گم منہ سے نکالا اور اُسے برنر فون کے ہارڈ ویئر میں لگا دیا۔ اب برنر فون مکمل طور پر برباد ہو چکا تھا اور وہ کسی بھی طرح کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بہت ہی احتیاط سے اُسے جیب میں ڈالا اور سرخ ٹوپی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

Clubb of Quality Content!

بھورے رنگ کی شرٹ کی اگلی جیب میں لگا سیاہ چشمہ نکال کر اس نے آنکھوں پر سجا لیا۔ اس چشمے کی مدد سے وہ نائٹ ویژن یعنی رات کے اندھیرے میں لوگوں کو ٹھیک سے دیکھ سکتا تھا۔ چہرہ گھمائے بغیر اس نے باآسانی نظریں ادھر اُدھر پھیریں۔

سب کچھ ٹھیک تھا پر ایک چیز اُسے عجیب لگی تھی۔ ایک شخص سڑک کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پیچھے ایک درخت تھا۔ ایک عام انسان کو اس کے اس انداز میں کچھ بھی عجیب نہ

لگتا پر چونکہ یہ کام المیر خلیل انجام دے رہا تھا اس لیے اُسے اس آدمی کی موجودگی کافی حد تک شک میں مبتلا کر چکی تھی۔

اب سوال یہ تھا کہ اُسے کیسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ آدمی مشکوک ہے؟ المیر خلیل نے اس بات کا اندازہ اس طرح سے لگایا تھا کہ وہ آدمی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ لوگ اکثر درخت کے نیچے تب ہی بیٹھتے ہیں جب کڑکتی دھوپ ان کے چہرے پر پڑتی ہے لیکن ادھر تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ رات کے اس پہر اس آدمی کے لئے الگ سے سورج نکلتا تھا کیا؟

دوسری عجیب بات جو المیر کے شک کو یقین میں بدل چکی تھی وہ اس آدمی کی کلائیوں میں موجود پانچ سے چھ کلائی بند تھے۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں تین تین انگھوٹیاں بھی موجود تھیں۔ المیر اس بات سے اچھے سے واقف تھا کہ فرانس کے شہری کلائی میں ایک عدد گھڑی کے علاوہ کچھ بھی پہننا پسند نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ اس آدمی کے ہاتھ میں فون اٹھایا ہوا تھا جس پر وہ مسلسل کچھ لکھ رہا تھا۔ لیکن جن نظروں سے وہ کبھی فون کو تو کبھی آگے پیچھے دیکھ رہا تھا۰۰۰اس سے اُس نے آخذ کیا تھا کہ وہ شخص گھبرایا ہوا ہے۔

مزید کچھ دیر انتظار کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس نے اپنا رخ دائیں جانب کر لیا۔ وہاں ایک گلی تھی جو سنسان تھی اور ہر طرف اندھیرا چھا رکھا تھا۔ المیر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس گلی میں داخل ہوا۔

گلی میں لگی ایک بتی کے نیچے سے جب اس کا گزر ہوا تو پھیلتی ہوئی روشنی میں اُسے کسی شخص کا سایہ نظر آیا۔ اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۰۰۰اس کا اندازہ ٹھیک تھا۔ کوئی شخص المیر کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ گلی کی نکڑ پر پہنچا تو ٹھہرا۔ وہ شخص ٹھیک اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ جانتا تھا اُسے کیا کرنا ہے۔ کلائی میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ پھر ہاتھ سے ماتھے پر آئے بال پیچھے کیے۔ اس گلی کے اختتام پر دو راستے تھے۔۔ یا تو وہ دائیں جانب جا سکتا تھا یا بائیں جانب جا سکتا تھا۔

اس نے اپنی جینز کے آگے والی جیب سے دوسرا برنر فون نکالا جو اس نے احتیاطاً یہاں آتے ہوئے لے لیا تھا۔

کوئی بھی تاثر دیے بنا المیر نے اپنا رخ دائیں جانب اس گلی سے نکلتی ایک دوسری گلی کی طرف کر لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ تعاقب کار گلی میں تاریکی کا فائدہ اٹھاتے المیر پر حملہ کرتا۰۰۰ المیر نے پھرتی دکھائی۔

ابھی وہ اس پر حملہ کرتا کہ المیر نے پیچھے دیکھے بغیر پنٹ کی بیلٹ میں دھنسا چھوٹا سا چاقو نکالا اور بڑی مہارت کے ساتھ اس آدمی کے پیٹ میں پیوست کر دیا۔

سب کچھ اتنی ہڑبڑاہٹ میں ہوا کہ خون کی پھوار زمین پر گری اور اس کے ساتھ ہی وہ آدمی بھی زمین پر ڈھے گیا۔

وہ آدمی وہی مشکوک شخص تھا جو سڑک پر کچھ ہی دیر پہلے بیٹھا ہوا تھا۔اس کے منہ سے خون رس رہا تھا۔ایک اکتائی ہوئی نگاہ اس پر ڈالتے المیر نے اس کی ٹانگ پر ایک زوردار لات ماری۔اس افتاد پر اس شخص کی کراہتی ہوئی آواز گلی میں بلند ہوئی اور ساتھ ہی وہ اپنے حواس کھو بیٹھا۔

اس کا بے سُدھ جسم دیکھ کر المیر نے ایک ابرو اُچکائی۔ کتنی جلدی بیہوش ہو گیا تھا۔ایک آخری نگاہ اس پر ڈالتے پھر اس نے اپنا رُخ مخالف سمت میں کر لیا۔ان کی اس ملاقات کے بارے میں کوئی تو تھا جو دشمن کو پہلے ہی خبر دے چکا تھا۔

Clubb of Quality Content!

وہ بائیں جانب تیز قدمی سے بڑھ رہا تھا۔اُسے یقین تھا کہ کوئی نا کوئی یہاں بھی اس کے پیچھے ضرور آئے گا۔

گلی میں کچھ لمحے خاموشی چھا گئی۔المیر اپنے آس پاس سے آتی تمام آہٹوں کو اس سناٹے میں بہت غور سے سن رہا تھا۔بہت قریب سے کسی نل سے پانی کے قطرے زمین پر گرنے کی آواز آرہی تھی۔کچھ فاصلے سے کسی شاپر کے ہلنے کی آہٹ بھی اس کے کانوں میں پڑی۔

پھر کچھ ہی سیکنڈز کے بعد اُسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو اُس کا یہ اندازہ بھی درست نکلا۔وہ آدمی یہاں اکیلا نہیں آیا تھا۔

اب المیر کو قدموں کی آہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آدمی اس سے کچھ ہی فاصلے پر چل رہا ہے۔اس آدمی نے کسی ایک بازو کی کلائی میں گھڑی پہن رکھی تھی۔المیر خلیل کی سننے کی حس کافی قابلِ تعریف تھی۔وہ بصارت سے زیادہ سماعت پر یقین رکھتا تھا۔

ناولز کلب

جیسے ہی وہ آدمی اس کے پیچھے لپکا۔۔۔المیر اپنے پیروں پر پورا مڑا اور ایک زوردھاڑ گھونسہ اس کے جبڑے پر دے مارا۔ایک لات اس کے پیٹ میں ماری جس کے باعث وہ بری طرح سے زمین بوس ہوا۔اس کے گرتے ہی المیر نے بائیں جانب دوڑ لگائی۔وہ مجبوری کے تحت بھاگ رہا تھا۔راحم رضا احمد کی طرف سے خاص حکم صادر ہوا تھا کہ پلان ناکام ہونے کی صورت میں المیر فوراً فرار حاصل کر لے وہ بھی بنا کسی کو نقصان پہنچائے۔

وہ اپنی رفتار بڑھاتے ہوئے ایک گھر کے باہر پہنچا۔ گھر سے نیچے آتی لوہے کی سیڑھیوں پر اس نے زور سے اپنا ہاتھ جمایا اور اس کی مدد سے خود کو اوپر کرتے وہ سیڑھیوں سے گھر کی چھت پر چڑھ گیا۔

چھت پر آنے کے بعد اس نے برنر فون سے ایک کال پولیس کو کی اور دوسرا میسیج راحم کو کیا۔ وہ راحم کو اس ٹریپ سے آگاہ کر چکا تھا۔ پھر اس نے برنر فون ہوا میں اچھالا۔ وہ زور سے نیچے گرا اور کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس چھت کو پھلانگتے ہوئے ایک اور گھر کی چھت پر پہنچا اور پھر ایسی کئیں ہی چھتیں پار کرتے ہوئے وہ بڑی مہارت سے مین روڈ پر قدم استوار کر چکا تھا۔

سڑک پر قدم رکھا تو اس نے جلدی سے ڈبل روڈ کراس کیا۔ پھر وہاں ایک درخت کے نیچے رکھا پارسل اس نے ہاتھ میں اٹھایا اور بنا رکے مسلسل چلتا گیا۔ پارسل کو پھاڑ کر اس میں سے

اس نے شرٹ نکالی اور ایک ہی جھٹکے میں بھوری شرٹ کو اپنے جسم سے جدا کرتے اس نے پارسل سے نکالی شرٹ پہن لی اور اتاری ہوئی کو ایک طرف پھینک دیا۔

وہ شرٹس تبدیل کر کے دشمنوں کو چکمہ دینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔اب جو شرٹ اس نے پہن رکھی تھی وہ گلابی رنگ کی تھی۔وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے ٹیکسی اسٹینڈ تک پہنچا اور فوراً ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

گلابی رنگ کی شرٹ کا آئیڈیا کس کا ہو سکتا ہے وہ اچھے سے جانتا تھا۔

Clubb of Quality Content

ٹیکسی میں بیٹھتے ہی اس نے ڈرائیور سے لیموزن کی طرف گاڑی لے جانے کو کہا اور خود سیٹ سے پشت ٹکاتے سر سیٹ کے اوپر رکھ دیا اور ہاتھ سے ماتھا سہلانے لگا۔

دو گھنٹے بعد وہ رات کے اندھیرے میں لیموژ پہنچ چکا تھا۔ڈرائیور کو ساٹھ یورو تھماتے ہوئے وہ گاڑی سے باہر نکلا۔ان دو گھنٹوں کے سفر میں وہ ایک منٹ کے لیے بھی سو نہ پایا تھا۔وہ بس اسٹیشن کے پاس ہی اترا تھا۔

وہ اس بات سے واقف تھا کہ لیموژ میں ٹیلیفون بوتھ بہت کم ہیں۔اسی لیے وہ بس اسٹاپ پر رکا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صرف یہاں ہی اسے ٹیلیفون بوتھ ملے گا۔

وہ بس اسٹیشن میں داخل ہوا تو اپنا رخ ٹیلیفون بوتھ کی طرف کر لیا۔ٹیلیفون بوتھ کا دروازہ کھول کر اندر گیا۔اس نے ایک سینٹ ڈالا اور ٹیلیفون کان سے لگا لیا۔ایک نمبر ملایا اور آگے پیچھے دیکھنے لگا۔کچھ ہی سیکنڈز میں مقابل نے کال اٹھالی۔المیر چند منٹ صرف ہاں نہ میں جواب دیتا رہا پھر اس نے کال کاٹ دی۔

وہ اس وقت راحم کو کسی بھی طرح سارے معاملے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی وہ کسی بھی طرح کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔چند سیکنڈز وہ یونہی بُت بنا کھڑا رہا پھر اس نے ایک اور نمبر ملایا اور ملا کر چھوڑ دیا۔وہ نمبر ایک کافی شاپ کا تھا۔وہ کافی شاپ پیرس میں ہی واقعہ

تھی۔المیر کافی دفعہ اس کافی شاپ جاتا رہا تھا لیکن ایک روز المیر کا جھگڑا اس کے مالک سے ہو گیا اور وہ دن تھا اور آج کا دن تھا کہ المیر خلیل نے وہاں کا رخ دوبارہ کبھی نہ کیا۔

ٹیلیفون پر کافی شاپ کا نمبر ملانے کی بھی وجہ یہی تھی کہ اگر المیر کے یہاں سے نکلنے کے بعد اس کا پیچھا کرتے ہوئے کوئی آئے تو آخری دفعہ ڈائل کیا ہوا نمبر غلط نکلے اور وہ گمراہ ہو جائے۔اُسے پتا تھا کہ کافی شاپ کا نمبر ملنے کے بعد دشمن سیدھا وہاں کا رخ کریں گے اور المیر خلیل کو یہ بات مضائقہ خیز بھی نہ لگی تھی۔اگر اس چکر میں شاپ کے مالک کی تھوڑی سی دھلائی ہو بھی گئی تو اس میں آدھے کسٹمرز کا بھلا ہی ہوگا۔ایک تبسم مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

Clubb of Quality Content!

وہ پیچھے کو مڑتا چپ چاپ ٹیلیفون بوتھ سے باہر نکل گیا۔اب اگلے دن کا آغاز ہو گیا تھا۔تاریخ اٹھارہ دسمبر تھی اور موسم نہایت خوش گوار تھا۔المیر کچھ فاصلے پر جا ٹھہرا۔وہ اب سوچ رہا تھا کہ پہلے کچھ کھا لے یا پہلے آرام کر لے۔بھوک تو اس کو کافی گھنٹوں سے لگی ہوئی تھی اور ابھی پیرس پہنچنے کے لئے اُسے مزید کچھ گھنٹوں کا سفر کرنا تھا۔

قیام کرنے کے خیال کو اس نے ذہن سے نکال دیا۔ وہ جانتا تھا اس شہر میں سب سے اچھا کھانا کہاں ملتا ہے لیکن وہ پھر بھی لیموژ کے ایک چھوٹے سے علاقے میں جانے کا ذہن بنا چکا تھا۔

وہ اپنے ہوٹل روم میں واپس آیا تو صبح ہو چکی تھی۔ راحم سے رابطہ ہو چکا تھا۔ خبری تک خبر پہنچ چکی تھی۔ وہ جانتا تھا اب خبری سے اس کی ملاقات ناممکن تھی۔ کوئی تو تھا جو ان کی اس ملاقات کے بارے میں جانتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے ٹھوکر مار کر کمرے کا دروازہ بند کیا اور بستر کی طرف قدم بڑھاتے۔۔ نڈھال پڑتے جسم کے ساتھ وہ اس پر گر پڑا۔ اس کے سر میں اٹھتی ٹیسوں نے اُسے آنکھیں میچنے پر مجبور کر دیا۔

وہ کچھ پل ایسے ہی آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔اُسے اس وقت چائے کی طلب ہو رہی تھی یہاں عالیہ ہوتی تو چائے بنا کر دیتی۔اپنے ہاتھ کی چائے تو اُسے زہر کی طرح لگتی تھی لیکن عالیہ کہتی تھی وہ چائے بے حد خوش ذائقہ بناتا ہے۔

سر کے نیچے سے بازو نکال کر آنکھوں پر رکھ لیا۔

اُسے اس وقت صرف اور صرف عالیہ کا خیال آ رہا تھا۔وہ اس سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ جلد واپس آئے گا۔اس نے تو اُسے لاہور لے جانے کا بھی وعدہ کرر کھا تھا پر کیا کرتا کام میں اتنا مصروف وہ شاید ہی کبھی ہوا تھا جتنا ان دنوں کاموں نے اُسے گھیر رکھا تھا۔

وہ لیٹے ہوئے ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ کل یا پرسو کی فلائٹ سے پاکستان واپس چلا جائے جب اس کا فون بجنے لگا۔آنکھوں پر سے بازو ہٹایا اور سر تھوڑا اوپر کو اٹھاتے پاس پڑے فون کی سکرین پر جگمگاتا "راحم رضا احمد "کا نام دیکھا۔وہ اپنا ذاتی فون کمرے میں ہی چھوڑ گیا تھا۔

اس نے سر واپس سے بستر پر رکھتے فون اٹھایا اور کان سے لگالیا۔"انھوں نے اٹھائی ہماری کال، خدا کی قدرت ۔۔۔ کبھی ہم خود کو دیکھتے ہیں کبھی اپنے فون کو۔"فون کے اسپیکر سے باہر آتی راحم رضا احمد کی بھاری آواز نے المیر خلیل کو آنکھیں گھمانے پر مجبور کر دیا۔

"فرمایئے؟"اکتائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے المیر نے فون اسپیکر پر ڈال کر کان کے پاس رکھ دیا۔وہ جانتا تھا راحم رضا نے اب کال کر ہی دی ہے تو کال لمبی جائے گی۔

"منہ سے پھول جھڑنے کے موڈ میں ہیں شاید آپ۔میں ایک کام کرتا ہوں بعد میں کال کر لیتا ہوں۔"المیر نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ہونٹ بھینچ لئے۔وہ اگر اس وقت نیند کی وادیوں میں گم نہ ہوتا تو بتاتا اس کو۔

"مجھے ایک دفعہ پاکستان آنے دو۔۔۔ تمہاری ساری شاعری نکال کر ہاتھ پر رکھوں گا۔تمہیں پتا ہے صبح سے اچھی سی چائے بھی نصیب نہیں ہوئی۔جہاں سے ناشتہ کیا وہاں سے چائے کے نام پر صرف ایک کپ نصیب ہوا تھا وہ بھی بدمزہ۔"مقابل یہ سن کر کھل کر ہنسا۔

"آپ کی حالت تو ترس کھانے لائک ہے...المیر صاحب۔میں آپ کے اس غم میں برابر کا شریک ہوں۔میں نے بھی کل سے اچھی سی چائے نہیں پی۔"اس نے آواز میں ٹھہراؤ لاتے جواب دیا تو المیر ایک ٹھنڈی آہ بھرتے رہ گیا۔

"جناب آپ کے لئے اسپیشل چائے لے کر آؤں گا۔مجھے آنے دو بس آپ ایک دفعہ۔"اس نے طنزاً کہا تو راحم دوبارہ ہنسنے لگا۔

"کب آرہے ہیں آپ پھر؟"اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آج کچھ ہی دیر میں باربیزون کے لئے نکلوں گا اور کل کی فلائٹ سے پاکستان میں لینڈ کروں گا۔"اس نے جمائی لی۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟مجھے لگا تم کچھ دن ادھر ہی رہو گے۔"اسے حیرت ہوئی۔

"ارادہ تو یہی تھا پر ۰۰ "وہ کچھ پل کے لیے خاموش ہو گیا۔"میں واپس آنا چاہتا ہوں ۰۰ عالیہ کے لئے۔میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اُسے لاہور لے کر جاؤں گا۔"

"اور جمال کی بیٹیوں کا کیس؟"

"ایک ہفتے کی ہی تو بات ہے۔عالیہ کے لئے تو میں یہ نوکری بھی چھوڑ سکتا ہوں۔یہ تو پھر صرف ایک کیس ہے۔"

"میں پریٹنڈ کروں گا کہ میں نے یہ بات بالکل بھی نہیں سنی۔لیکن ٹھیک ہے ۰۰ میری بھی عالیہ سے کچھ دنوں سے ملاقات نہیں ہو پائی۔اپنی بیوی کو دیکھے زمانہ ہو گیا ہے۔کل تمہیں ائیر پورٹ سے لے کر تمہارے گھر ساتھ ہی چلوں گا اس سے ملنے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔پھر اس کے سامنے ہی آپ کی حوصلہ افزائی بھی کر لوں گا۔"اس نے کہا۔

راحم زور سے ہنسا۔"سسرال میں میری بہت عزت ہے۔"

المیر اس کی بات پر مسکرایا۔"ہاں جانتا ہوں۔"

"المیر، ایک بات پوچھوں؟"کچھ سیکنڈز گزرے تو راحم نے دوبارہ اُسے مخاطب کیا۔

"ہوں..."

"وہ خوش ہے نا؟"اس کے سوال کو سمجھنے کے لئے اُسے ایک سیکنڈ بھی نہ لگا تھا۔

المیر چند لمحے خاموش رہا۔اُسے سمجھ نہ آیا کہ راحم کو کیا جواب دے۔وہ اچھے سے اس بات سے واقف تھا کہ جب سے عالیہ اور راحم اس بندھن میں بندھے تھے تب سے ہی عالیہ نے کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھائی تھی۔وہ راحم کے ذکر پر ایسے مسکراتی تھی جیسے دکھاوا کر رہی

ہو۔وہ نہیں جانتا تھا کہ آخر اس بات میں کتنی سچائی تھی۔اُسے لگتا تھا شاید عالیہ سچ میں خوش ہو پر کہتی نہ ہو۔

وہ جانتا تھا اس کی بہن شرمیلی ہے۔اس لئے اس نے اس طرف سے ہمیشہ بے فکر رہنے کو ترجیح دی۔ لیکن اب المیر کے خیالات بدل گئے تھے۔عالیہ کا بدلتا ہوا رویہ المیر کو الجھن میں ڈال رہا تھا۔وہ اُس سے اکثر باتوں ہی باتوں میں اس کی مرضی پوچھتا تھا لیکن وہ ہمیشہ "میں خوش ہوں" کہہ دیتی تھی۔ پچھلے کئی مہینوں سے عالیہ کا زرد پڑتا رنگ اُسے پریشانی میں ڈالے ہوئے تھا۔وہ جانتا تھا عالیہ کے عجیب برتاؤ کے پیچھے کوئی وجہ ضرور تھی۔

"ہاں وہ بہت خوش ہے۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"اس کا لہجہ کافی سنجیدگی اختیار کر چکا تھا۔موضوع کافی سنگین تھا۔وہ عالیہ کو لے کر راحم رضا کے جذبات سے بھی واقف تھا اور ان کی بہت قدر کرتا تھا۔

"بس ایسے ہی۔۔" اسپیکر کے اس پر سے آنے والی آواز کچھ پل کے لئے بند ہو گئی۔ہر طرف خاموشی چھا گئی۔المیر کتنے ہی سیکنڈز انتظار کرتا رہا کہ راحم کچھ کہے۔

راحم نے ایک گہرا سانس لیا۔"وہ کہتی نہیں ہے نا۔میں ڈرتا ہوں۔"آواز میں اتنی معصومیت تھی کہ المیر کا دل چاہا راحم اس کے سامنے ہوتا اور وہ اُسے گلے سے لگا لیتا۔"تمہارے ڈرنے کے دن بھی مجھے قریب آتے نظر آرہے ہیں۔"

المیر اس کی بات پر دھیرے سے مسکرایا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ ایسے بکھری جیسے پہلی دفعہ مسکرا رہا ہو۔

راحم اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔اُسے تو لگا تھا کہ المیر جواب میں چند اعلیٰ شان الفاظ کہے گا لیکن اُسے خاموش پا کر راحم نے حیرانی سے آنکھیں پھیلا لیں۔

"یا اللہ رحم! کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟المیر خلیل اپنی شادی کے ذکر پر بھڑک نہیں اٹھا...."اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی۔

المیر نے سر نفی میں ہلایا۔"نیند آرہی ہے مجھے۔سونے جا رہا ہوں۔"

"مجھے تو لگ رہا ہے میں ابھی بھی سو رہا ہوں۔ یا تو میں کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"تم پچھلے جنم میں کہیں رشتے کروانے والی آنٹی تو نہیں تھے؟ باتیں بہت بناتے ہو تم خدا کی قسم۔ چلو اب میں سونے جا رہا ہوں۔۔ کل ملتے ہیں پھر۔"

"اچھا بات تو...." اس سے پہلے وہ کوئی اور بات کرتا المیر نے فون رکھ دیا۔ راحم نے ایسے تو اُسے چھوڑنا نہیں تھا۔

Clubb of Quality Content

باربیزون، فرانس کے جنوب مشرق میں واقع، پیرس سے تقریباً 60 کلو میٹر دور ایک سناٹا خیز مگر فن سے لبریز گاؤں ہے۔ یہ گاؤں فوریٹ آف فونٹینبلو (Forêt de Fontainebleau) کے دامن میں واقع ہے۔

انیسویں صدی کے درمیانی دور میں باربیزون ایک ایسا گاؤں شمار ہوا جہاں فنکاروں نے جنم لینا شروع کیا۔ جہاں ہر طرز کے فنکار پائے جاتے تھے وہاں تھیوڈور روسو نے اس دنیا میں قدم رکھا اور خود کو بطور ایک ماہر مصور کے متعارف کروایا۔

یہاں ہر قسم کا مصور پایا جاتا ہے۔ ہر دور میں گزرے مصوروں نے فنکاری کو ایک نئے معیار سے متعارف کروایا۔ جن کے کارنامے آج بھی عجائب گھروں میں اپنے رنگ بکھیرنے میں مشغول نظر آتے ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باربیزون کے ایک علاقے میں وہ بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنے گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر سیاہ رنگ بال بکھرے ہوئے تھے۔ دونوں ہاتھ جوڑے وہ دعا مانگ رہا تھا۔ وہ کسی کی مغفرت کی دعا مانگ رہا تھا۔ دعا مانگ کر اس نے ہاتھ چہرے پر پھیرے۔ اس کی آنکھوں میں آئے آنسو ایک پل کو چہرے پر آنے کو بیتاب ہوئے پر وہ انہیں اپنے اندر کھینچتا گھٹنے کے بل اٹھ بیٹھا۔

تھوڑے سے فاصلے پر رکھے سرخ گلاب کا شاپر ہاتھ میں تھامتے اب وہ دوسرے ہاتھ سے پھول نکالتا قبر پر ڈال رہا تھا۔اس کی سُرمئی آنکھ میں سے ایک قطرہ ٹوٹ کر پھول کی ایک پتی پر گرا۔وہ بے سُدھ سا ہوتا پیچھے ہو کر بیٹھے گیا۔اس کی آنکھیں ضبط کی وجہ سے لال ہو رہی تھیں۔

کچھ وقت پہلے ہی قبر کی اچھے سے صفائی کر چکا تھا۔آس پاس حد سے زیادہ اُگتی گھاس کو کافی حد تک کاٹ کر چھوٹا کر چکا تھا۔ایک ہاتھ سے چہرے پر سے پسینہ صاف کیا جو کہ آنسوؤں کے ساتھ مل چکا تھا۔ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کرتے ۰۰۰ وہ خاموشی سے اس قبر کو دیکھے گیا۔

Clubb of Quality Content!

آج کتنے سالوں کے بعد وہ رویا تھا۔اُسے یہاں آکر رونا پسند نہیں تھا پر آج نہ جانے ایسا کیا ہوا تھا کہ المیر کا دل بہت اداس تھا۔اس کا دل گھبرا رہا تھا۔اُسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔اپنے سر کو جھنجھوڑتے ہوئے وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

قبرستان سے باہر کو آیا تو اس کی نظر اس جگہ جار کی جہاں اُس نے ٹیکسی والے کو کچھ دیر ٹھہرنے کا کہا تھا۔وہ ٹیکسی لے کے جا چکا تھا یعنی اب المیر خلیل کو مزید کچھ دیر یہاں رک کر اگلی ٹیکسی کا انتظار کرنا تھا۔

وہ ایک نظر اطراف میں پھیرتے۰۰۰دائیں جانب رکھی بینچ کی طرف چل دیا۔وہ نیلے رنگ کی بینچ پر بیٹھ گیا۔آج کچھ معمول سے ہٹ کر وہ شلوار قمیض پہن کر آیا تھا۔چونکہ اس کا دل اداس تھا اس لئے جو بھی کپڑے اُسے اپنے سوٹ کیس میں نظر آئے۰۰۰اس نے وہ خاموشی سے پہن لئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہاں بیٹھے بیٹھے اس کے ذہن میں ہزاروں خیالات جنم لے رہے تھے۔اس کا دماغ آج ہر منفی سوچ کو جکڑے ہوئے تھا۔ایک طرف اس کا ذہن اپنے والد کی طرف جاتا تھا جو کہ ہر چیز سے بے غم تھے۔انہیں اپنے گھر یا گھر میں رہنے والوں سے جیسے کوئی واسطہ ہی نہ تھا تو دوسری طرف اُسے اپنی بہن کی پریشانی الجھا دیتی۔وہ عالیہ کو لے کر بہت پریشان تھا۔وہ کسی سے اس بات کا ذکر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے دل و دماغ میں گھر کرتی ہر سوچ کی خبر وہ راحم کو دیتا تھا۔کچھ باتیں ایسی ہوتی تھیں جن کو وہ راحم سے کر دیتا تھا اور کچھ باتیں وہ اس سے بھی نہ کر پاتا۔عالیہ کے متعلق اس کی پریشانی بھی انہی باتوں میں سے ایک تھی۔اب راحم اور عالیہ کا رشتہ ایسے موڑ پر آ گیا تھا جہاں المیر کوئی بھی غلط اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

ان ساری پریشانیوں سے نکلنے کے لئے کچھ وقت سکون سے سوچنے کو وہ فرانس کا رُخ کیا کرتا تھا لیکن اس دفعہ...اس دفعہ بہت کچھ مختلف تھا۔وہ اپنے دل پسند ملک میں آ کر بھی سکون سے بہت دور تھا۔اس کا دل کہیں بھی راحت حاصل نہیں کر پا رہا تھا۔دو دن سے وہ صحیح سے سویا بھی نہیں تھا اور پھر اس نے اپنی بہن کے ہاتھ کی چائے بھی تو نہیں پی تھی۔

کل سب سے پہلے گھر جا کر عالیہ کے ہاتھ کی چائے پیوں گا۔اس نے دل میں سوچا اور دھیرے سے مسکرایا۔ایک ہاتھ سے ماتھے پر بکھرے بال پیچھے کو سرکائے۔

وہ جہاں عالیہ کی فکر میں دوچار ہوا رہتا تھا وہیں عالیہ کا خیال اس کے چہرے پر مسکان لے آتا تھا۔اس کی چھوٹی بہن اس کی آدھی دنیا تھی۔اپنی آدھی دنیا تو وہ بہت پہلے ہی کھو چکا تھا اور اب جو آدھی دنیا اس کے پاس رہ گئی تھی وہ ناجانے کس بات کو لے کر خفا خفا سی تھی۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس دفعہ گھر جا کر عالیہ سے دوٹوک بات کرے گا۔اتنے وقت سے وہ عالیہ کی ہر بات اس کے ہر انداز کو نظرانداز کر رہا تھا پر اب بہت ہو گیا۔وہ اپنی بہن کو مزید خاموش اور گم سم نہیں دیکھ سکتا تھا۔

پرسوں بھی جب اس نے عالیہ سے اس کی پریشانی کے متعلق پوچھا تھا تو عالیہ کا جس طرح رنگ اڑا تھا وہ اس کی نظروں سے چھپا نہیں تھا۔

ان ہی خیالوں میں کہیں گم وہ آنکھیں بند کیے باربیزون کے موسم کو محسوس کر رہا تھا جب اُسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔آنکھیں جھٹ سے کھول کر اُس نے اپنے بغل میں بیٹھے ایک دراز قد کے آدمی کو دیکھا۔اس نے سفید رنگ کی پینٹ پر پیلے رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ آنکھوں پر چشمہ لگا رکھا تھا۔اپنے بازو پر گھڑی اور اسی ہاتھ کی درمیانی انگلی پر

ایک نیلے رنگ کی انگھوٹی بھی موجود تھی۔اس آدمی کے ہاتھ میں ایک اخبار تھی۔وہ اس میں نظر گاڑھے کچھ پڑھ رہا تھا۔دیکھنے میں تو وہ کم عمر کا حامل ہی معلوم ہوتا تھا۔

اس سے نظر ہٹا کر المیر نے اپنی پشت کو بینچ سے ٹکایا اور فون کھول کر ٹیکسی بک کر دی۔ ٹیکسی کو آنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے اس لیے اس نے سر کو ہلکا سا پیچھے کرتے آنکھیں بند کر لیں۔کچھ لمحے یونہی خاموشی چھائی رہی... پھر اچانک تسلسل ٹوٹا۔

"المیر خلیل، رائٹ؟" اپنے نام کی پکار پر اس نے آنکھیں کھولیں۔چند لمحے اُسے لگا کہ شاید ٹیکسی ڈرائیور نے اُسے پکارا لیکن وہاں کوئی نہ تھا سوائے اُس ایک آدمی کے جو اس کے ساتھ بینچ پر بیٹھا تھا۔یہ آدمی اس کو جانتا تھا؟

"جی...؟" سوالیہ نظروں سے اس نے اپنے ساتھ بیٹھے آدمی پر نظریں جما لیں۔لیکن اس کے برعکس اس آدمی کی نظریں اب بھی اس کے ہاتھ میں موجود اخبار پر تھیں۔وہ آدمی المیر سے انگریزی میں بات کر رہا تھا اور المیر بھی اُس میں ہی جواب دے رہا تھا۔

"آپ مجھے نہیں جانتے پر میں آپ کو جانتا ہوں۔" اس کی آواز بہت گہری تھی ایسے جیسے تقریروں کے لیے بنی ہو۔ نہ اس کی شکل جانی پہچانی تھی اور نہ ہی اس کی آواز۔ المیر خلیل چہرے کبھی نہیں بھولتا تھا۔ اسی لیے اُسے یقین تھا کہ وہ اس آدمی سے پہلے کبھی نہیں ملا۔

"کیا مجھے آپ کو جاننا چاہیئے؟" وہ غیر ارادی طور پر اس آدمی سے اکھڑے ہوئے انداز میں بات کر رہا تھا۔ اُسے اس سے کچھ خاص اچھی وائبز نہیں آ رہی تھیں۔

"نہیں۔۔۔" وہ آدمی ہنسا جیسے المیر سے ایسی بات کی توقع نہ ہو۔ "ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں لیکن میں آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔" یہ آدمی اتنی عجیب باتیں کیوں کر رہا تھا؟

"بہت خوب۔" وہ اس سے مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے مختصر جواب دے کر اس سے جان چھڑوانی چاہی۔

"یہ نہیں پوچھیں گے کہ میں آپ کے بارے میں کیا جانتا ہوں؟"المیر چہری نیچے کو کرتا دھیرے سے مسکرایا۔"کیا مجھے پوچھنے کی ضرورت ہے؟"جواب میں ایک اور سوال سن کر اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"نہیں..."مسکراہٹ ابھی بھی برقرار تھی۔"آج صبح ہی میرا والٹ کھو گیا۔اُس میں میری امی کی ایک تصویر تھی۔بہت پرانی۔شاید دس سال پرانی۔"المیر نے الجھتے ہوئے دماغ کے ساتھ اس آدمی کو دیکھا۔

"آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟"اس کے سوال میں کہیں الجھن تھی تو کہیں حیرت تھی۔

"جب میرا والٹ کھو گیا تو میں ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔اس وقت مجھے احساس ہوا کہ کسی چیز کے کھو جانے کا غم کسی چیز کے نہ ملنے کے غم سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔"اپنی شہادت کی انگلی سے اس نے اپنی ناک پر ٹکایا ہوا چشمہ آنکھوں کے ساتھ لگایا۔

"آپ موٹیویشنل اسپیکر ہیں ؟"المیر کے ذہن میں گھومتا سوال زبان پر آیا۔مقابل نے چہرہ اس کی جانب کیااور پھر سر نفی میں ہلایا۔

"تو پھر فضول کا گیان کیوں بانٹ رہے ہیں ؟"وہ تپا ہوا تھااور اس بات کا اندازہ اس کے لہجے سے لگایا جا سکتا تھا۔"یہ گیان نہیں ہے••• یہ حقیقت ہے،المیر خلیل۔"

"ہوں... جس نے آپ کو میرا نام بتایا۔اُس نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ مجھے بکواس سننے کی عادت نہیں ہے ؟"اس نے غصیلے لہجے میں کہااور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔اس سے زیادہ وہ اس شخص یا کسی بھی شخص کی بات نہیں سن سکتا تھا۔

اس کی ٹیکسی آ چکی تھی اس لیے اس نے ٹیکسی کی طرف قدم بڑھائے۔یہاں سے ٹیکسی تک کا فاصلہ طے کرتے ہوئے اس کے دماغ میں پیچھے بیٹھے شخص سے اپنی ملاقات کا واقعہ گھوم رہا تھا۔اس آدمی کا برتاؤ عجیب تھا لیکن اس وقت المیر کو اور بھی بہت سے کام تھے اس لیے اس نے اس کی سوچ کو ذہن سے جھٹکا اور چپ چاپ ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گیا۔

اُس گھر کے باہر تختی لگی ہوئی تھی جس پر رحمان امین لکھا ہوا تھا۔وہ تختی سنہرے رنگ کی تھی۔جب وہ دونوں بہنیں اس گھر میں شفٹ ہوئی تھیں تو اسے اشفا نے ہی ادھر لگوایا تھا۔ اس گھر میں آئے انہیں کافی عرصہ ہو گیا تھا۔یہ گھر ان کا ذاتی گھر نہ تھا۔وہ ہر مہینے اس کا کرایہ بھرتی تھیں۔

اشفا آٹھ اور مہوین سات سال کی تھی جب وہ ادھر پہلی دفعہ آئی تھیں۔یہاں کا کرایہ اس وقت صرف دو ہزار تھا۔اس زمانے کے حساب سے تو کافی کم لگتا ہے پر اُس وقت اتنا کرایہ بھی بہت زیادہ تھا۔وہ دونوں اتنے پیسے تو نہیں کما سکتی تھیں اسی لئے کبھی نَنھیال تو کبھی دادھیال سے کچھ رقم آجایا کرتی تھی۔

جب وہاں سے بھی پیسے آنے بند ہو گئے تو پیسے ایک خفیہ ذرائع سے آتے تھے۔اشفا جانتی تھی وہ پیسے کون بھیجتا تھا پر ذکر نہیں کرتی تھی۔

کچھ ہی سالوں میں جب اشفا تیرہ برس کی ہوئی تو اس نے محلے کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ پھر پیسے آنا بند ہو گئے اور اشفا گھر کا کرایہ خود ہی بھرنے لگی۔ گھر کا سارا خرچ بھی وہ خود ہی اٹھایا کرتی تھی۔

یونیورسٹی جانے تک ان کے اخراجات اتنے نہیں تھے کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے پڑتے۔ اشفا کو اسکالرشپ پر یونیورسٹی میں داخلہ ملا۔ لیکن لیپ ٹاپ لینے کے لئے کافی پیسے درکار تھے۔ اسی وجہ سے اشفا کے ساتھ ساتھ مہوین نے بھی ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا۔

جب باری آئی مہوین کے داخلے کی تو سب ہی یونیورسٹیز میں اس کا نام آتو گیا پر اسکالرشپ ہولڈرز کی فہرست میں نہ آسکا۔ اس لئے مہوین کو ایک سال ضائع کرنا پڑا۔ اگلے سال اس کا نام ایک اچھی مشہور یونیورسٹی میں اسکالرشپ ہولڈرز کی فہرست میں آیا جہاں سے اس نے ایم بی اے کیا۔

اس دوران ان کے اخراجات ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھنے لگے۔اشفا جانتی تھی کہ صرف ٹیوشن پڑھانے سے اتنے پیسے نہیں آسکتے کہ گھر بھی چل سکتا اور کرایہ بھی ٹائم سے دینے ہو جاتا اس لئے اس نے ایک ٹیکنالوجی کی کمپنی میں کام کرنا شروع کر دیا۔

اس کمپنی میں اشفا ڈیٹا اینٹری اور ویب ڈیویلپمٹ کے شعبے میں کام کرتی رہی۔پہلے تو چند مہینے اس نے ان کے کورسز کیے پھر ہی ان کی جاب اچھے سے کر سکی۔ پھر جیسے ہی اُسے احمد مرزا کے ہاں نوکری ملی تو اس نے یہاں کام کرنا چھوڑ دیا۔

ناولز کلب

احمد مرزا کی پریس کی کمپنی میں اُسے بہت سی سہولیات ملی تھیں۔آنے جانے کے لئے گاڑی بھی فراہم کی گئی تھی۔اب قریب چار سال ہونے کو آئے تھے اور اشفا اتنے عرصے میں بہت زیادہ تو نہیں پر اتنی ترقی ضرور حاصل کر چکی تھی کہ اس نے اپنے استعمال کے لیے ایک چھوٹی گاڑی خرید لی تھی۔

امین ہاؤس کے سامنے ہی ایک گہرے نیلے رنگ کا گھر تھا۔وہ دو منزلوں کا گھر دکھنے میں کافی خوبصورت اور کشادہ تھا۔وہ شخص دوسری منزل پر واقعہ ایک کمرے کے ٹیرس پر کھڑا تھا۔

اس کے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا کپ تھا اور اپنے دائیں کان میں ایئر بگ لگا رکھا تھا۔ ساتھ میں اپنی نظریں کافی کے کپ پر مرکوز رکھیں۔

وہ مسلسل کچھ بول رہا تھا۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ چند لمحے گزرے تو اس کے چہرے پر ایک مسکان بکھری۔ وہ ہولے سے مسکرایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے نظریں اوپر اُٹھائیں۔ اس کی آنکھیں نیلے رنگ کی تھیں۔ اس کا چہرہ دودھیا مائل تھا جو کہ ہر قسم کے نشان سے پاک تھا۔

"آرٹسٹ ہوں سر، کوئی جادوگر نہیں۔ اب آپ کی وائف کی تصویر ہو بہو پینٹ نہیں کر سکا تو جان لیں گے کیا آپ میری؟" آواز مردانہ اور انداز مزاحیہ۔

کال پر مقابل کے الفاظ سن کر وہ کھل کر ہنسا۔ اس کی نیلی آنکھیں ڈوبتے ہوئے سورج کی نارنجی اور پیلی کرنوں کے زیرِ اثر چمکیں۔ "دیکھیں میں پیسے لئے بغیر کام نہیں کرتا۔ جتنے پیسے آپ نے دیئے تھے اتنے میں یہی کر سکتا تھا۔"

"ٹھیک ہے آپ مجھ پر کیس کر دیں۔ بلکہ میں آپ کو پولیس کا نمبر دیتا ہوں۔ کہیں گے تو تھانے بھی میں ہی چھوڑ آؤں گا۔اور کچھ ؟" جب مقابل کی دھمکیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو اس نے اکتا کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے آپ ساری رقم نکلوالیں مجھ سے۔ میں اپنا ایڈریس ٹیکسٹ کرتا ہوں آپ کو۔ شام تک آجائیے گا۔ مجھے کل لاہور کے لیے بھی نکلنا ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ مقابل کو مزید غصہ آیا اور اس نے کال کاٹ دی۔ سیفان یامین نے کال کاٹتے ہی مسکراتے ہوئے کپ پیچھے رکھی میز پر رکھا اور دونوں ہاتھ سامنے ریلنگ پر رکھ لئے۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

سیفان یامین، پینتیس سالہ نیلی آنکھوں والا وہ شبیہ مرد ایک اعلیٰ درجے کا آرٹسٹ تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ ہنر تھا جو کسی دوسرے آرٹسٹ کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ وہ رنگوں کو ایسے استعمال کرتا تھا جیسے کوئی دوسرا آرٹسٹ نہیں کر سکتا تھا۔

جہاں آرٹ اس کا جنون تھا وہاں پیسے کمانے کے لیے وہ بینک میں نوکری کرتا تھا۔

وہ قریب ایک گھنٹے پہلے کسی دوسرے شہر میں ہونے والے آرٹ ایگزیبیشن کا دورامار کر آیا تھا۔۔۔ بقول اسکے۔ جہاں اُس نے ایک ہفتے کا اسٹے بھی کیا تھا۔

ریکنگ سے اپنے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس نے اپنا رخ کمرے کی طرف کیا۔اس کا کمرہ سفید رنگ کے پینٹ میں نہایا ہوا تھا۔اس کے کمرے کی ہر دیوار پر پانچ سے چھ پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔ہر پینٹنگ میں ایک رنگ نمایا تھا۔ سرخ رنگ۔اُسے سرخ رنگ بہت پسند تھا۔

اپنے کان سے ایئربڈ نکال کر اس نے بیڈ پر رکھا اور خود چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ باہر نکل گیا۔ باہر آیا تو دھیرے دھیرے زینے اترتا وہ آنکھوں کو زمین پر مرکوز کیے ہوئے۔۔۔ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔زینے اتر کر وہ گھر سے باہر نکل آیا۔

وہ باہر آیا تو اس کی نظر سب سے پہلے اپنی بائیک پر پڑی۔وہ دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنی بائیک سے کرتا تھا۔

وہ اس کے پاس پہنچا۔اس کے ہاتھ میں ایک سفید رنگ کا کپڑا تھا۔وہ اس کپڑے کی مدد سے بائیک صاف کرنے والا تھا۔وہ زانوں کے بل زمین پر بیٹھا۔ہاتھ بڑھا کر ابھی اس نے کپڑا بائیک کی باڈی پر رکھا ہی تھا جب اس کی نیلی آنکھیں بائک کی ٹوٹی ہوئی ٹیل لائٹ پر جا ٹھہریں۔وہ کچھ پیچھے کو ہوتا اپنی جان سے پیاری بائیک کو غور سے دیکھنے لگا۔

اس نے ٹیل لائٹ کو دیکھنے کے بعد بائیک کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا۔باقی سب کچھ تو ٹھیک تھا پر ٹیل لائٹ ٹوٹی ہوئی تھی۔وہ جانتا تھا یہ کون کر سکتا ہے۔وہ مسکراتا ہوا اپنے گھر سے باہر کو آیا۔روڈ کراس کر کے وہ سامنے والے گھر کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا۔اس کی عادت تھی وہ گھر کی بیل نہیں بجاتا تھا۔وہ دروازے پر ہمیشہ دستک دیتا تھا۔

••—•๑๑•—••

اشفا نے دروازہ کھولا۔سامنے ہی وہ نیلی آنکھیں لئے ایک ہاتھ دیوار پر جمائے کھڑا تھا۔اس کے ہونٹوں پر ایک مسکان تھی۔آنکھوں میں وہی ہمیشہ والی چمک تھی۔

"سلام قبول کیجئے گا، محترمہ۔" وہ کہتے ہوئے اس کے پاس سے گزرتا گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ قدم اٹھاتا ہوا صوفے کے پاس پہنچا اور آرام سے وہاں بیٹھ گیا۔

"اجازت لیے بغیر گھر میں آنے والوں کا سلام قبول نہیں کیا کرتی میں۔" وہ بھی اس کے پیچھے آگئی۔

"دو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی؟" اس نے صوفے سے ٹیک لگاتے، اپنا بازو پیچھے رکھا اور آنکھیں اشفا کے چہرے پر ٹھہرا لیں جواب اس کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

Clubb of Quality Content

"کیا مطلب؟" اس نے ایک ابرو بھی اچکا لی۔

"میری بائیک کی ٹیل لائٹ اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکی ہے۔ کیا آپ اس بات پر تھوڑی روشنی ڈالنا پسند کریں گی، محترمہ؟" یہ سنتے ہی اشفا کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ اُسے تو لگا تھا کہ سیفان دوسرے شہر سے تھکا ہوا آیا ہے تو ابھی کچھ اور دن گھر کے اندر ہی گزارے گا جیسے وہ اکثر کرتا تھا۔

"اوہو بہت برا ہوا۔ تم پہلے بتاتے تو میں افسوس کرنے آجاتی۔ مرحوم بہت اچھے تھے۔ کیسے ہوا یہ سب؟" اس نے لہجے میں دنیا بھر کی معصومیت سجائے اس سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ یہی جاننے تو میں یہاں آیا ہوں۔ میری بائیک چند دن پہلے آپ ہی تفریح کے لئے لے کر گئی تھیں نا، محترمہ؟" اس نے محترمہ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اشفا نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے اُسے دیکھا۔ وہ اُسے شرم دلا رہا تھا۔ وہ اور یہ الگ بات تھی کہ اشفا کو شرم آ نہیں رہی تھی۔

"نہیں تو، محترم۔۔۔ یہ کب ہوا؟" اس کو صاف انکار کرتے دیکھ کر وہ چہرہ ایک طرف کرتے ہولے سے ہنسا۔

"دیکھ لیں۔۔۔ ایک آرٹسٹ سے جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔" اس نے پر سکون انداز میں کہا تو وہ مسکرائی۔

"دھمکی دے رہے ہیں؟" اشفا نے سوال کیا تو سر نفی میں ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ پچھلی دیوار پر لگی اپنی ایک پینٹنگ کے پاس چلتا ہوا گیا اور وہیں رک گیا۔ وہ پینٹنگ اس نے مہوین کو اس کی سولہویں سالگرہ پر دی تھی۔

یہ پینٹنگ اس کی باقی بنائی گئی پینٹنگز سے منفرد تھی۔ اس میں ہر جگہ نارنجی رنگ پھیلا ہوا تھا۔ کچھ جگہوں پر سرخ اور پیلے رنگ کے دھبے تھے اور ان کے درمیان ایک تاج تھا۔ ایک سنہرے رنگ کا تاج۔

یہ تصویر اُسے ہمیشہ سے ہی بہت بھاتی تھی۔ وہ جب بھی ان کے گھر آتا تو اکثر اس تصویر کو گھورتا رہتا جیسے سوچ رہا ہو کہ اتنی اعلیٰ طرز کی تصویر بنا کیسے لی اس نے۔ اس سفید رنگ کے بورڈ کے نچلے حصے میں گہرے نیلے مارکر سے سیفان کے نام کا سگنیچر بھی تھا جیسے وہ اکثر ہر پینٹنگ کے نیچے کیا کرتا تھا۔

وہ اُسے دیکھنے کے بعد چہرہ پیچھے کو موڑتے صوفے پر بیٹھی پیلے رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی کو دیکھنے لگا۔ اُسے کتنے ہی سال ہو گئے تھے اس لڑکی کو

جانے۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ اس گھر میں آتا جاتا رہتا تھا۔ وہ اس گھر میں مکین ان دو لڑکیوں سے اچھے سے واقف تھا۔ اُسے ان کے ہر اچھے برے کام کا علم ہوتا تھا کیونکہ وہ سیفان یامین تھا۔ محلے کا سب سے شاطر باشندہ اور اشفا اور مہوین کا پڑوسی۔

"دھمکی سے یاد آیا ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے ایک شخص مجھے فون پر دھمکا رہا تھا۔ کہتا ہے اس کی وائف کی شکل میری بنائی گئی پینٹنگ میں موجود عورت سے نہیں ملتی۔" اس نے ایسے انداز میں بتایا کہ اشفا کی ہنسی چھوٹی۔

"تم نے کیا جواب دیا؟" وہ فوراً آپ سے تم پر آتی بڑی دلچسپی سے اس سے پوچھنے لگی۔

"جواب کیا دینا تھا؟ میں نے بس اتنا کہا کہ اب آپ کو اپنی ہی وائف پسند نہیں آرہی تو اس میں میرا کیا قصور۔ انکل نے نازیبا الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیے۔ پھر تم تو جانتی ہو۔ مجھ سے تو ایسے لوگوں سے بات ہی نہیں ہوتی۔" اس نے اپنی شرٹ کا کالر جھٹکا۔

"اوہ تو یہ کہو ناں کہ تم ڈر گئے!"اس نے سیفان کو چھیڑا تو بدلے میں اس نے اُسے ایک گھوری سے نوازا۔

"سیفان یامین نام ہے میرا ۱۰۰۰ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔" چہرے کے زاویے بگاڑے۔"سوائے مکان مالک کے۔ چار دنوں سے تمہارے گھر کے چکر لگا رہا ہے بیچارہ۔ کچھ تو خدا کا خوف کر لو۔"

"ہر مہینے کرایہ بڑھا دیتا ہے۔ بارہا کہہ چکا ہوں کہ آج کل حالات ٹائٹ ہیں۔ لیکن وہ کیا ہے ناں لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔" چہرے پر آئے سنجیدہ تاثرات کو ایک پل میں مٹاتا وہ سکون سے اشفا کے بغل میں رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"آپ کے گھر میں مہمانوں سے چائے پانی پوچھنے کا رواج ختم ہو گیا ہے؟"اس نے اشفا کے چہرے پر نظریں مرکوز کر لیں۔

"اب جو آئے دن منہ اٹھا کر آجائیں انہیں مہمان تو نہیں ناں کہتے۔"اس نے اس پر طنز کیا تو وہ کھل کر ہنسا۔

"اچھا چلو گھر کا فرد ہی سمجھ کر کچھ کھلا پلا دو، سنگ دل عورت۔"اس کی بات پر اشفا کے اعصاب تن گئے۔اپنے پاس رکھا تکیہ اٹھا کر سیفان کی طرف اچھال دیا جو کہ جواب میں سیفان نے بڑی مہارت سے پکڑ لیا۔

"عورت تو میں ہوں پر سنگ دل کس کو کہا؟اگر میں سنگ دل ہوتی تو تمہاری بائیک کی ہیڈ لائٹ کبھی ٹھیک نہ کرتی۔"کہتے کہتے جب اس کی زبان سے سچ نکل گیا تو اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"اوہ۔۔۔تو تم نے ہی میری بائیک پر زور آزمائی کی ہے۔ صحیح صحیح بتاؤ کہاں ٹھوک کر آئی ہو؟"اس نے مسکراتے ہوئے اس سے سوال کیا تو اشفا نے معصومیت سے اس کی طرف دیکھا۔

"یار فروٹ لینے کے لئے میں نے ایک بلیک ہونڈا سٹی کے پیچھے بائیک پارک کی تھی۔ فروٹ لیتے ہوئے آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ مجھے تھوڑا سا غصہ بھی آیا ہوا تھا۔ پھر جب میں بائیک نکالنے لگی تو میں نے دیکھا کہ اس کے پیچھے بھی کسی نے سُرمئی رنگ کی مہران کھڑی کردی تھی۔" وہ سانس لینے کے لئے رکی۔ "دس منٹ کھڑے ہو کر انتظار کیا پر کوئی گاڑی ہٹانے آیا ہی نہیں تو مجبوراً مجھے بائیک ان کے بیچ سے نکالنی پڑ گئی۔ بس اسی چکر میں بائیک آگے پیچھے سے دونوں گاڑیوں سے ٹکرا گئی۔ اب بتاؤ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"بالکل محترمہ ۔۔۔ آپ کا نہیں میرا قصور ہے۔ ہر دفعہ میری بائیک کہیں ناں کہیں ٹھوک کر آجاتی ہو اور ایک میں ہوں جو سبق حاصل نہیں کرتا۔ آئندہ مانگو بائیک تم میری ۔۔۔ بتاؤں گا تمہیں۔" اس نے خفگی سے اُسے دیکھا تو اشفا خاموش ہو گئی۔

"ایسے تو پھر ایسے ہی صحیح۔ آئندہ یہاں مت آنا۔" اس نے ناراضی کا اظہار کیا تو مقابل اپنی آنکھوں سے مسکرا دیا۔

"ہر دفعہ ایسے ہی کہتی ہو اور پھر میرے لئے اپنے گھر کا دروازہ بھی کھول دیتی ہو۔" اس نے ابرو اچکائی۔ ہلکی سی مسکان کے ساتھ کہا تو اشفا نے آنکھیں سکور کر اُسے دیکھا۔

"میرے اندر کامن کرٹسی نام کی ایک چیز ہے جو مجھے کسی بھی انسان کے ساتھ برابر تاؤ نہیں کرنے دیتی۔ لیکن میں بھی کس کو یہ بتا رہی ہوں جسے کرٹسی کے اسپیلنگ بھی نہیں آتے ہوں گے۔" اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"جاہل نہیں ہوں۔ انگلینڈ کی پیدائش ہوں۔۔ ہلکا نہیں لینا مجھے۔"

"انگلینڈ میں پیدا ہونے سے پڑھے لکھے ہونے کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے؟ پہلے بتاتے میں وہیں پیدا ہو جاتی۔ اتنی پڑھائی تو نہ کرنا پڑتی۔"

"نہیں تم پھر بھی جاہل ہی رہتیں۔" اونچا سا قہقہہ لگایا۔ پھر سامنے والی لڑکی کو سنجیدہ دیکھ کر وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ اس کی نیلی آنکھیں سامنے والی دیوار پر لگی گھڑی پر ٹھہر گئیں۔ "تین بج گئے۔۔ تم نے آج کام پر نہیں جانا؟"

"جانا تو تھا پر کچھ خاص دل نہیں چاہ رہا۔اچھا سنو... تم بیٹھو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لے کر آتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا ابھی یہی خیال ہے۔" وہ اس کی بات پر مسکراتی ہوئی وہاں سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

·· —·••·— ··

فائرنگ رینج کی تیز گونجتی ہوئی آوازوں کے بیچ اُس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کی گلوک ۱۹ تھی۔ وہ مسلسل فائرنگ رینج میں لگے بورڈ پر جو کہ شیشے کے اس پار تھے ••• فائرنگ کر رہا تھا۔ اس کی سبز رنگ آنکھیں ٹارگٹ پر گڑھی ہوئی تھیں۔ وہ ہر مہینے کی طرح آج بھی فائرنگ رینج سکون لینے آیا تھا۔ وہ راحم رضا تھا۔ وہ نارمل کیسے ہو سکتا تھا؟

اپنے ہونٹوں پر ایک خوبصورت سی مسکان سجائے وہ پستول سے گولیاں چلا رہا تھا۔ان دنوں وہ بہت خوش تھا۔ایک طرف اس کے دماغ میں اس عورت کا خیال تھا جو اس کے خدا نے اُسے سونپی تھی اور دوسری طرف اسی عورت کی پریشانی اُسے کھائے جا رہی تھی۔

جب سے عالیہ اور راحم کی شادی کی تاریخ طے پائی تھی تب سے عالیہ نے اُسے ایک بھی مسیج نہیں کیا تھا۔راحم نے اُسے بارہا کالز کی تھیں پر وہ تھی کہ اس کی کال کا جواب بالکل بھی نہیں دیتی تھی۔

ناولز کلب

جب عالیہ کی طرف سے ذہن ہٹتا تو وہ جمال کے کیس کے بارے میں سوچنے لگتا۔اس کی بیٹیوں کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چل پایا تھا۔وہ تھوڑی دیر میں محمت کو کال کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس نے ایک اور دفعہ گولی چلائی تو وہ سیدھی ٹارگٹ پر بنے سرخ پوائنٹ پر جا لگی۔اس کے بازوؤں کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔چہرے سے پسینہ بہہ رہا تھا اور ہاتھ بھی پسینے سے شرابور

تھے۔اپنی شرٹ کا کونا ہلکا سا اوپر کو اٹھاتے اس نے اپنے چہرے سے گرتا ہوا پسینہ صاف کیا اور گن سامنے موجود میز پر رکھ دی۔

ہاتھ میز پر رکھے تولیے سے صاف کرتے اس نے اُسے ایک طرف رکھ دیا اور احتیاط سے پینٹ کی جیب سے اپنا فون نکالا۔فون پر عالیہ کا نمبر کھولتے ہوئے اس نے ڈائل کیا اور فون کان کے ساتھ لگایا۔وہ دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ کال اٹھا لے۔

اس کے ذہن کے کسی گوشے میں ایک سوال گونج رہا تھا۔وہ اس سوال کا جواب عالیہ سے چاہتا تھا لیکن فی الحال وہ عالیہ سے اس کے حال احوال پوچھنے کے لئے کال کر رہا تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ عالیہ اس سے ناراض تھی یا اُسے کسی بات نے ناراض کر رکھا تھا۔وہ بس اتنا جانتا تھا کہ اس نے عالیہ سے بات کرنی تھی اور ہر صورت میں کرنی تھی۔

دو دفعہ بیل گئی اور تیسری بیل پر مقابل نے کال اٹھا لی۔راحم کے چہرے پر چھائی الجھن فوراً سے مسکراہٹ میں بدل گئی جیسے اس کی ساری تھکان ایک جھٹکے میں اتر گئی ہو۔

"السلام علیکم، عالیہ۔ کیسی ہو؟" بے حد خوشی کے باعث اس کے چہرے پر کھلکاریاں بکھرنے لگیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خوشی سے اچھل پڑتا۔

"ج...جی میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ بات کرتے ہوئے اکثر ہچکچا جاتی تھی۔ راحم کو اس کا ہچکچانا بہت پسند تھا۔

"ٹھیک؟ ایک دم فٹ ہوں۔" اس کے گال پر ایک گڑھا نمودار ہوا۔

"آپ نے کسی خاص وجہ کے تحت کال کی تھی؟" وہ جیسے جلد از جلد کال بند کر دینا چاہتی تھی۔ راحم نے نفی میں سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو کہ ابھی فون مت رکھنا۔

"کیا میں تمہیں بغیر کسی وجہ کے کال نہیں کر سکتا؟" اس کی آنکھوں میں امید چھلکنے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ آگے سے مثبت جواب ہی اُسے سننے کو ملے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کر سکتے ہیں۔" اس کے مختصر جوابات اکثر راحم کو اداس کر دیتے تھے۔ وہ اُسے سمجھ نہیں پاتا تھا۔ ہر ملاقات پر اُسے یہی بات الجھن میں ڈالے رکھتی تھی۔

"تو پھر تم نے مجھے ایک بھی کال یا میسیج کیوں نہیں کیا؟" وہ ڈر کر اُس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو رہا تھا کہ کہیں مقابل اُس کی بات کا غلط مطلب نہ لے لے۔

"آپ مصروف ہوتے ہیں ناں۔" کہیں نہ کہیں راحم جانتا تھا کہ وہ اُسے یہی جواب دینی والی تھی۔ وہ کھل کر ہنسا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ہاں، ہوتا تو ہوں••• پر اتنا بھی نہیں کہ تمہیں جواب نہ دے سکوں۔" وہ جانتا تھا وہ چاہے جتنے بھی جملے عالیہ کی شان میں کہہ دے••• آگے سے عالیہ کا جواب کبھی بھی اس کے حق میں نہیں ہونا تھا۔

"مجھ میں ایسا کیا ہے؟"اس کی آواز میں کہیں حیرانی تھی اور کہیں الجھن۔راحم نہیں جانتا تھا کہ کیا سوچ کر عالیہ نے اس سے اتنا عجیب سوال کیا تھا پر وہ اُسے جواب دینا چاہتا تھا اور نہایت ہی طویل جواب دینا چاہتا تھا۔

"کیا نہیں ہے تم میں؟سب کچھ تو ہے جو ایک اچھے انسان میں ہونا چاہیئے۔"وہ بتا رہا تھا اور وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔

"جیسے کہ؟"اس نے پوچھا۔راحم حیران ہوا۔وہ کال بند کرنے کی بجائے بات طویل کر رہی تھی۔اس کا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے سے باہر آجائے گا۔

"جیسے کہ ... تم سب سے الگ ہو۔نہیں بلکہ یہی بات میں تمہیں ایک مثال کے ذریعے سمجھاتا ہوں۔فرض کرو تمہارے گھر کے باہر پھولوں کا ایک باغیچہ ہے۔اس میں ہر قسم کا پودا موجود ہے۔تمہاری نظر سب سے پہلے کس پھول پر جا ٹھہرے گی؟"اُسے یقین تھا عالیہ کو اس کی بات سمجھنے میں وقت لگے گا۔

"شاید۔۔ شاید سرخ گلاب؟" وہ اس جواب سے مطمئن تو نہیں تھی پر اگر وہ کسی باغیچے میں موجود ہوتی تو اس کی نظروں میں گلاب کو ہی نمایاں حیثیت حاصل ہوتی۔

" صحیح جواب! ہر انسان کو پہلی نظر میں سرخ گلاب ہی پسند آتا ہے۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ دنیا میں اسی فیصد لوگ سرخ گلاب سے واقف ہیں اور بہت ہی کم ایسے ہوتے ہیں جو باقی پھولوں کو ان کے نام۔۔۔ ظاہری شکل یا مہک سے پہچانتے ہوں۔ صرف پھولوں کے متعلق معلومات رکھنے والے لوگ ہی ان کی شناخت کر سکتے ہیں۔" جملہ مکمل کرتے ہی وہ خاموش ہو گیا جیسے اُسے بولنے کا موقع دے رہا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"پر۔۔۔ اس بات کا مجھ سے کیا تعلق؟" وہ الجھی۔ اس کی آواز میں الجھن کو محسوس کرتے ہوئے راحم مسکرانے پر مجبور ہو گیا۔

"تعلق؟ یہ مثال بنی ہی تمہارے لئے ہے۔ جانتی ہو کیسے؟ نہ تم گلاب ہو، نہ تم سوسن ہو اور نہ ہی تم کوئی بھی ایسا پھول ہو جو ظاہری طور پر لوگوں کو بھا جائے۔ تم موتیے کا پھول ہو۔ جانتی

ہو موتیے کا پھول باقی پھولوں سے منفرد اور بالاتر کیوں ہوتا ہے؟"اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"کیوں ہوتا ہے؟"عالیہ کی معصومیت بھری آواز سن کر اس کا دل زوروں سے دھڑکا۔ راحم چند لمحے اس کی آواز کی گونج اپنے کانوں میں گھومتی ہوئی محسوس کرتا رہا۔

پھر وہ ایک لمحے کو پیچھے ہوا اور میز سے اپنی پشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔"موتیے کی خوشبو اُسے سب سے الگ بناتی ہے۔ جب ہم ایک باغیچے میں داخل ہوتے ہیں جہاں ہر طرف ہر رنگ کا پھول موجود ہوتا ہے تو ہمیں ظاہری طور پر خوبصورتی چھلکنے والے پھول بہت پسند آتے ہیں۔ اس دوران ہم اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ فضا میں سب سے زیادہ مہک کس پھول کی ہوتی ہے۔ وہ پھول جو سب سے ڈھکا چھپا ہوتا ہے اور اس کی مہک بھی سب سے الگ اور میٹھی ہوتی ہے وہ موتیے کا پھول ہوتا ہے۔ تم ہو وہ موتیے کا پھول ۰۰۰ تم سب سے الگ ہو پر سب سے نمایاں ہو۔"

فون کے دوسرے طرف موجود لڑکی اگر ابھی اس کے سامنے ہوتی تو شاید وہ اس کے تاثرات کا اندازہ اچھے سے لگا سکتا۔اس نے ایک گہرا سانس لے کر ہوا کے سپرد کیا۔راحم کو لگا جیسے وہ ناراض ہو گئی ہو یا اُسے راحم کی مثال پسند نہ آئی ہو۔

"آئی ایم سوری اگر تمہیں میری مثال پسند نہیں آئی۔میرا وہ مطلب نہیں...."ابھی وہ جملہ مکمل کرتا کہ عالیہ اس کی بات کاٹ گئی۔

"مثال بہت اچھی تھی۔اگر یہی سوال آپ مجھ سے کر بیٹھتے تو شاید ۰۰۰ شاید میں ایسی مثال کبھی نہ دے پاتی۔آپ بہت اچھے ہیں،راحم۔"وہ کہہ رہی تھی اور راحم کو لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے زخموں پر مرحم رکھ دیا ہو۔

وہ جواب میں کچھ کہہ نہ سکا۔وہ مسکرا رہا تھا ایسے جیسے پہلی دفعہ مسکرا رہا ہو۔"آپ اتنے دنوں سے گھر کیوں نہیں آئے؟"کیا یہ ان کی زندگی کا پہلا گلہ تھا جو وہ کر رہی تھی؟

"تم چاہتی ہو میں تمہاری طرف آؤں؟" وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ ان کی اتنی زندگی میں پہلی دفعہ اُسے یہ سب کیوں کہہ رہی تھی۔ ایک طرف تو عالیہ کے اس طرح سے بات کرنے کی اُسے بے پناہ خوشی تھی تو دوسری طرف اس کی بات نے اُسے پریشان کر دیا تھا۔

"شاید۔" راحم نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بھی کس سے اظہار کرنے کو کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے ۔۔۔ میں آج یا کل ضرور آؤں گا۔ تم میرا انتظار کرنا۔" وہ سبز آنکھیں زمین پر ٹھہراتے ہوئے پر سکون انداز میں سامنے دیکھنے لگا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں آپ کا انتظار کروں گی۔" وہ جیسے اُسے تسلی دے رہی تھی یا شاید صرف راحم کو ہی ایسا لگ رہا تھا۔ اس کے اس جملے میں جیسے بہت کچھ پوشیدہ تھا۔ وہ نہیں جان پایا کہ عالیہ نے اس جملے کو اتنی تاثیر کے ساتھ کیوں کہا ہے۔ وہ اُسے اپنے سامنے بیٹھا کر بہت سے سوال پوچھنا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے۰۰۰اب میں چلتا ہوں۔اپنا خیال رکھنا۔" الجھتے ہوئے دماغ کے ساتھ اس نے عالیہ کو الوداع کہا۔

"خدا حافظ۰۰۰راحم۔اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔"اور یہ کہتے ہی عالیہ نے فون رکھ دیا۔

راحم چند لمحے فون کی اسکرین کو یونہی دیکھے گیا۔اسی لمحے اس کا دل زور سے دھڑکا۔اپنے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے جیسے دل کو خاموش کروانا چاہا تھا۔

Clubb of Quality Content

آج سے پہلے عالیہ سے اتنی طویل گفتگو اس نے کبھی نہیں کی تھی۔اپنے دل کی اس حالت کو وہ اچھے سے سمجھ سکتا تھا۔لیکن عالیہ کا وہ انداز....اس کا لہجہ....یہ سب بہت عجیب تھا۔وہ اس طرح کیوں بات کر رہی تھی؟وہ مزید سوچوں میں گھر چکا تھا۔اس کی سوچیں جیسے اب ایک اندھیر کھنڈر کی طرح ہو گئی تھیں۔لیکن اس تاریکی میں اُسے عالیہ کا ساتھ ایک سٹریٹ لیمپ سے کم نہیں لگتا تھا اور یہی بات.... یہی امید اُسے جوڑے رکھتی تھی۔

مہوین امین اس وقت ہسپتال میں موجود تھی۔اس کے کمرے کے باہر بھیڑ جمع تھی۔وہ صبح سے آٹھ مریضوں کو ڈیل کر چکی تھی اور اب اس کی ہمت جواب دینے والی تھی۔چند سیکنڈ پہلے ہی آٹھواں مریض یہاں سے اٹھ کر گیا تھا۔مہوین کی شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان ایک سرخ رنگ کا پین موجود تھا جسے وہ بہت ہی مہارت سے ساری انگلیوں میں گھما رہی تھی۔

وہ اس وقت گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔آج اُسے وہ لوگ بہت یاد آرہے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کے سفر میں کہیں پیچھے رہ گئے تھے۔اپنے والدین کو تو وہ روز ہی یاد کرتی تھی پر آج اُسے خلیل محمد اور ان کی فیملی یاد آرہی تھی جن سے کبھی اس کا اور اس کے گھر والوں کا گہرا تعلق رہ چکا تھا۔

آخری دفعہ خلیل محمد اور ان کے گھر والوں کو اس نے بہت سال پہلے دیکھا تھا سوائے المیر خلیل کے۔۔جو کہ چند سال پہلے تک ان کے گھر اکثر کوئی چیز دینے آجاتا تھا لیکن پھر اس نے

بھی آنا بند کر دیا۔اچانک سے اس قدر ناراضی کی وجہ تو اُسے مکمل طور پر نہیں معلوم تھی۔وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ اشفا کی المیر سے کسی بات پر شدید بحث ہو گئی تھی۔اس کے بعد سے ہی اس نے دوبارہ المیر خلیل کو نہیں دیکھا تھا۔

بچپن میں مہوین جب بھی رویا کرتی تھی تو اُسے سب سے پہلے سنبھالنے کے لیے المیر کی چھوٹی بہن عالیہ آیا کرتی تھی۔عالیہ صرف اس سے ایک سال بڑی تھی لیکن اس کا خیال ایسے رکھتی تھی جیسے ان میں کئی سالوں کا فاصلہ ہو۔عالیہ کو بھی آخری دفعہ اس نے بچپن ہی میں دیکھا تھا۔اب وہ کیسی دکھتی تھی اس بارے میں مہوین کو کوئی علم نہ تھا۔

Clubb of Quality Content!

عالیہ اور المیر کے ساتھ ان کا بہت اچھا وقت گزرا تھا۔وہ اس وقت کو واپس لانا چاہتی تھی۔۔۔ پھر سے ایک دفعہ اپنے ماں باپ کے ساتھ کھلکھلانا چاہتی تھی۔

جب مہوین لڑکپن کو پہنچی تو وہ بڑی تو ہو گئی تھی پر سوچ اس کی بچوں والی تھی۔وہ اکثر جائے نماز بچھا کر بیٹھ جایا کرتی تھی اور گھنٹوں گھنٹوں دعائیں مانگتی رہتی تھی کہ کسی طرح سے بس ایک بار اس کی ماں اور اس کا باپ اُسے لوٹا دیا جائے۔

اشفا نے اُسے ہمیشہ سے یہی سمجھایا تھا کہ وہ گھر میں چھوٹی ہے اس لیے اُس کی دعا جلدی قبول ہو گی۔ بس اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ ہر دعا میں خدا سے ان دو لوگوں کو مانگا کرتی تھی جن کا لوٹ آنا اس زندگی میں تو نا ممکن تھا۔

آج بھی اُسے وہ دن یاد تھا جب سات جولائی دو ہزار سات کی ایک طوفانی شام میں ان کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا تھا۔ وہ حادثہ آج بھی اس کے ذہن سے مکمل طور پر نہ جا پایا تھا۔ وہ تو جیسے اس کے ذہن میں نقش ہو گیا تھا۔ آج بھی جب بھی مہوین آنکھیں بند کرتی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے روتی ہوئی، بلکتی ہوئی اشفا کا چہرہ آتا تھا۔ کتنا گڑ گڑائی تھی اس کی بڑی بہن اس دن۔ کتنی خوف زدہ تھیں دونوں بہنیں پر کسی نے بھی ان کی مدد نہیں کی تھی۔ کسی نے بھی ایک دفعہ ان کے چہرے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر نہیں پوچھا تھا کہ وہ دونوں کیسی تھیں؟ اُسے اس بات کا بہت رنج تھا۔ ایسا رنج جو ہمیشہ رہنے والا تھا۔

ان خیالات سے جب اس کو رہائی ملی تو اس کی نظر اپنے فون پر پڑی جو سائلنٹ پر ہونے کی وجہ سے مسلسل وائبریٹ ہو رہا تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر فون ہاتھ میں اٹھایا۔اسکرین پر اشفا کا نام جگمگاتے دیکھ،اس نے فون کان سے لگالیا۔

"مہوین۰۰۰ کیا تم نے وہ کتاب دیکھی ہے؟پتا نہیں میں نے کہاں رکھ دی۰۰۰"اُس کی آواز مدھم ہوئی تو مہوین کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور کچھ تلاش رہی تھی۔

"کون سی کتاب،آپی؟"اس نے اپنے سر کو دھیرے دھیرے مسلنا شروع کیا۔دوسری طرف سے چیزوں کو ادھر سے اُدھر کرنے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

"وہی....نووے آؤٹ۔چند دنوں سے میں اُسے پڑھ رہی تھی لیکن کل سے وہ مجھے کہیں دکھ نہیں رہی۔"اس کا جملہ مکمل ہوا تو مہوین کی نظر اپنے بیگ پر پڑی۔

"جی آپی،کتاب تو میرے پاس ہے۔کل سے میں نے بھی سوچ رکھا تھا کہ اُسے پڑھوں گی۔اسی لیے اپنے ساتھ ادھر لے آئی۔"ذرا سی آگے کو ہوئی اور اپنا بیگ تھام لیا۔

بیگ کی زپ کھول کر اُسے اچھے سے ٹٹولا تو اُسے کوئی کتاب نہ نظر آئی۔ اُس نے ابرو اُچکائی۔ کہاں چلی گئی؟ یہیں تو رکھی تھی۔ اُس نے بیگ کو سامنے رکھی میز پر الٹا دیا۔ بیگ میں سے ایک ڈائری اور ایک کتاب نکلی لیکن وہ کتاب بھورے غلاف والی نہیں تھی۔

اس کی آنکھیں پل میں چھوٹی ہوئیں۔ یہ کیا ماجرا تھا؟ اس نے فون کو میز پر رکھا اور خود اٹھ کر آگے پیچھے دیکھنے لگی۔ درازوں میں، کتابوں والی الماری میں، یہاں تک کہ میز کے نیچے بھی لیکن اُسے وہ کہیں نہیں ملی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ایک ہاتھ کمر پر تو دوسرا سر پر رکھتے ہوئے اس نے پریشانی کے عالم میں فون کو گھورا۔ کال ڈسکنیکٹ نہیں ہوئی تھی۔ اشفا ابھی بھی لائن کی دوسری طرف موجود تھی۔ اس نے فون اٹھا لیا اور ایک دفعہ پھر سے کان سے لگایا۔ بھوری آنکھوں میں بے حد پریشانی در آئی تھی۔

"آپی.... میں کتاب ساتھ ہی لائی تھی پر اب کتاب کہیں نہیں ہے۔نا جانے کہاں چلی گئی•••"اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔دوسری طرف خاموشی تھی۔پھر کچھ آہٹ ہوئی اور اس کی آواز آئی۔"ٹھیک سے دیکھو یہیں کہیں ہو گی۔"

"آپی میں نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے پر وہ کہیں نہیں مل رہی۔یا اللہ! عالیہ نے مجھے یہ کتاب اتنے پیار سے دی تھی۔اب اگر انہوں نے پوچھا تو میں کیا جواب دوں گی؟"اُس نے خفگی کے عالم میں افسوس کا اظہار کیا۔

"اگر تم ساتھ لے کر گئی تھیں تو تمہارے کمرے سے کہاں جا سکتی ہے؟ کوئی اٹھا کر تو نہیں لے گیا؟"اس نے اپنے شبہات پیش کیے۔

"آپی اگر اٹھا کر کچھ لے کر جانا ہی ہوتا تو اس کمرے میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کی قیمت اس کتاب سے کئی زیادہ ہے۔پھر کوئی وہی کیوں لے کر جائے گا؟"اس نے جیسے خود سے یہ سوال کیا تھا۔

"اس عمل کے پیچھے کا مقصد پتا کرنا بعد کی بات ہے۔ابھی کے لیے ذہن پر زور ڈالو اور یاد کرو تم کمرے میں کب کب موجود نہیں تھی۔"اس نے جیسے اُسے مشورہ دیا۔

"آپی کمرے میں تو میں پورا ٹائم موجود تھی سوائے ایک دفعہ کے۔جب میں کافی لینے کمرے سے باہر گئی تھی۔"اس نے کچھ ذہن پر زور ڈالا۔

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ اتنے ٹائم میں کوئی تمہارے کمرے میں آکر کچھ اٹھا کر لے جا سکتا ہے؟ کہیں تمہارے کسی مریض نے تو نہیں چوری کر لی؟ویسے بھی سب کے سب پاگل ہیں۔"

اس کی بات پر اس نے سر جھٹکا۔

"پاگل نہیں ہیں وہ۔انہیں بس ٹھیک طرح سے دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔اور مجھے نہیں لگتا کہ یہ کام ان میں سے کسی کا ہو سکتا ہے۔"اپنے مریضوں کا دفاع کرتے ہوئے اس نے ان کے حق میں گواہی پیش کی۔

Clubb of Quality Content

"تم ایک کام کیوں نہیں کرتیں؟ تمہارے کمرے کے باہر یا اندر کوئی تو کیمرا ہو گا نا۰۰۰ اس کی فوٹیج دیکھ لو۔" ایک اور مشورہ دیا گیا۔

"آپی آپ تو جانتی ہیں کمرے کے اندر کیمرا لگانا پالیسی کے خلاف ہے کیونکہ بہت سے مریض اس چیز کے خلاف ہوتے ہیں اور جہاں تک بات رہی کمرے سے باہر لگے کیمرے کی، تو مجھے نہیں لگتا اس کے ذریعے کچھ خاص معلومات حاصل ہو پائے گی۔ آئی مین، روز کتنے ہی لوگ میری موجودگی میں اور غیر موجودگی میں کمرے میں آتے جاتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر ہاسپٹل کا اسٹاف ہی ہوتا ہے۔ اب ان پر شک کیا تو ہاسپٹل والے برا مانا جائیں گے۔"

نادر کتاب
Clubb of Quality Content!

"اچھا چلو چھوڑو پھر... ایک کتاب ہی تو تھی۔ وہ مرتضیٰ دوبارہ آئی تو اُس سے ایک اور کاپی لے لینا۔" اشفا نے اسے جیسے بہلانا چاہا تھا۔

"ہوں۰۰۰ چلیں ٹھیک ہے۔" اس کے دروازے پر دستک ہوئی تو اُس نے فون کان سے ہٹا کر سامنے دیکھا۔ اگلا مریض اجازت لیتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور پیچھے رکھے صوفے

پر بیٹھ گیا۔اس نے اس کو دیکھ کر سر اثبات میں ہلایا۔"آپی اگلا مریض آگیا ہے۔۔۔ مجھے جانا ہوگا۔خدا حافظ۔"اس نے کال بند کر دی۔

"ہیلو سر،کیسے ہیں آپ؟"اگلے مریض سے اس کی بات چیت کی شروعات ہو چکی تھی۔

"محمت۔۔۔یہی ان کا اڈا ہے نا؟"راحم رضا کے ہاتھ میں پستول اٹھائی ہوئی تھی اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس جگہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ سب اہلکاروں کو لیڈ کر رہا تھا اور باقی اس کے پیچھے بنا آواز کیے چلتے آرہے تھے۔سامنے ہی ایک منزلہ گھر تھا جس کے باہر تین سے چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔وہ قدم اٹھاتا سیاہ رنگ کی گاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔وہاں سے وہ با آسانی جھانک کر اندر اور آس پاس کا منظر دیکھ سکتا تھا۔

گن کو دوسرے ہاتھ میں تھامتے اس نے بائیں ہاتھ سے اہلکاروں کو شہادت کی انگلی سے اپنے پیچھے سے ہو کر گھر کی دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا۔ سب اہلکار اس کے حکم کو بجالاتے پچھلی طرف بڑھ گئے جبکہ محمت اور قوی ۰۰۰ دونوں راحم کے ساتھ موجود تھے۔ ان دونوں نے بھی اپنے آپ کو گاڑیوں کے پیچھے چھپا کر کور لے لیا تھا۔

سب ہی اہلکاروں نے اپنے کان میں ایئر بڈ لگا رکھے تھے جس کی مدد سے وہ راحم کو سن بھی سکتے تھے اور بات چیت بھی کر سکتے تھے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

راحم دھیرے دھیرے چلتا ہوا گاڑی کے پیچھے سے نکلا اور تھوڑا سا نیچے کو ہوتے وہ بغیر آہٹ کیے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔ محمت اور قوی اس کے پیچھے ہوتے ہوئے الگ الگ سمتوں میں جا رہے تھے۔

"میں مین ڈور سے اندر جاؤں گا۔ تم سب میرے سیگنل کا انتظار کرنا اور پچھلے دروازے سے اندر آنا اینڈ ریمیمبر نو ساونڈ!" اس نے ایئر بڈ پر ہاتھ رکھتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

آگے سے "سر" کا جواب ایک ساتھ آیا تو راحم گھر کے اندر داخل ہوا۔اپنی سبز رنگ آنکھیں وہ سکینر کی طرح ہر جگہ گھما رہا تھا۔گھر اندر سے ایسے تھا جیسے چھڑوں کے رہنے کی جگہ ہو۔

پہلے برآمدہ تھا جہاں دو صوفے رکھے ہوئے تھے جن پر جینٹس کی تین شرٹیں پھیلی ہوئی تھیں۔کچھ جوتوں کے جوڑے بھی ایک طرف پڑے تھے۔

کچھ فاصلے پر ایک آدمی کان سے فون لگائے کھڑا تھا۔وہ تھوڑا آگے کو ہوتا دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔اپنی گن تھوڑی آگے کو کرتے اس نے جھٹ سے دیوار کے پیچھے سے نکل کر وہاں کھڑے آدمی کے سر پر دے ماری۔وہ آدمی ہوش کھو بیٹھا اور زمین بوس ہو گیا۔

راحم جھکا اور اس کی تلاشی لی۔اس آدمی کے پاس ایک ریوالور تھی جواب راحم احتیاط سے اپنی پینٹ میں لگے ہولسٹر میں رکھ چکا تھا۔اس آدمی کو ٹھیک سے چیک کرتے وہ آگے بڑھ گیا۔

آگے آیا تو اندرونی صحن ہر طرف سے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ راحم جب اس کو عبور کرتے بڑھا تو کوئی اسٹرونگ سمیل اس کی ناک کو آلگی۔ اس نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ یہ سمیل کسی نشہ آور چیز کی تو نہیں لگ رہی تھی۔ مگر پھر کس چیز کی ہو سکتی تھی؟ صحن سے ہو کر آگے دو کمرے تھے۔ ایک دائیں جانب تھا اور دوسرا بائیں جانب تھا۔

اس نے ائیر بڈ پر ہاتھ رکھا۔ "محمت اور قوی فالو می۔ باقی سب پچھلے دروازے سے اندر آجائیں۔" سب نے ایک دفعہ پھر سے "سر" کہا۔

ناولز کلب

راحم اسی جگہ پر رک کر دونوں کا انتظار کرنے لگا۔ محمت اور قوی اندر آچکے تھے اور دونوں نے اپنی پوزیشن بھی سنبھال لی تھیں۔

اس نے دائیں طرف واقع کمرے کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور ان دونوں کو بائیں طرف جانے کا اشارہ کیا۔ وہ کمرے کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا۔ دیوار پر ایک طرف کھڑکی تھی جہاں سے اندر جھانکا جا سکتا تھا۔ پہلے اس نے مکمل طور پر کور لیا پھر چہرہ آگے کو کرتے کھڑکی سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔

کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر راحم کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔اس نے ایئربڈ پر انگلی رکھی۔
"مشن ابورٹ! آئی ریپیٹ مشن ابورٹ۔اندر دو چھوٹی بچیاں بھی ہیں۔ محمت، قوی اور میں ان کو دیکھ لیں گے۔دی ریسٹ آف یو، اسٹینڈ بیک!"

وہ خود دیوار سے لگے کھڑا رہا۔وہ محمت اور قوی کا انتظار کر رہا تھا۔دوسری طرف موجود محمت اور قوی۔۔۔ کمرے میں چھپکے سے داخل ہو چکے تھے۔کمرہ بہت کشادہ نہ تھا۔اس میں صرف دو ہی آدمی موجود تھے۔ان دونوں نے بڑی مہارت سے انہیں بیہوش کر دیا اور ان کی تلاشی لے کر کمرے سے باہر آ گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

راحم نے ان کا سگنل سمجھتے ہوئے کمرے کا دروازہ لات مار کر کھولا۔اتنی تیز آواز پر کمرے میں موجود چار آدمی محتاط ہو گئے۔دو بچیوں کے سر پر کھڑے تھے اور دو تھوڑے فاصلے پر زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔بچیاں بے سُدھ زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔

وہ اندر داخل ہوا تو اس کی گن سے نکلنے والی پہلی گولی بچیوں کے دائیں طرف موجود آدمی کو لگی اور اگلی گولی اس کے مقابل کھڑے آدمی کو۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ دشمنوں کو جوابی کارروائی کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ محمت نے لپک کر ایک آدمی کو کالر سے پکڑا اور اس کے ہاتھ سے گن لے لی جب کہ قوی نے آخری آدمی کے ہاتھ پر گولی ماری جس سے اس کے ہاتھ سے گن نیچے گر گئی۔

"سب کو جیل میں ڈال دو۔ ان میں سے ایک کو ٹارچر سیل لے جاؤ اور بچیوں کو احتیاط سے ہسپتال منتقل کر دو۔" محمت کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے حکم دیا اور خود وہاں سے نکل گیا۔

Clubb of Quality Content

اب سوال یہ تھا کہ راحم کو اس جگہ کا پتا کیسے چلا؟ دو دن پہلے جب راحم اشفا سے خبری اور المیر کے متعلق بات کر رہا تھا تو اشفا نے اُسے المیر کے ساتھ پیش آئے واقعے کی مکمل جانکاری دی۔ المیر نے تو مال روڈ کے پاس ہوئے واقعے کو ہلکا پھلکا بیان کر دیا تھا پر اشفا نے سارا قصہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

اشفا کی باتوں سے راحم کو لگا کہ جیسے اس ٹرک کا اس وقت اسی روڈ پر آنا جب المیر وہاں موجود تھا کوئی اتفاق نہیں تھا۔اس لئے اس نے آفیسرز کو کہہ کر آس پاس کے کیمروں کی اچھے سے چھان بین کروائی۔ فوٹیج دیکھنے پر ٹرک کا نمبر اور ٹرک چلانے والی کی شکل دکھ گئی۔ پھر اس کی ساری معلومات اکھٹی کی گئی۔

ٹرک ڈرائیور کا نمبر راحم کے لیے نکلوانا کوئی مشکل کام نہیں تھا اس لئے اس نمبر کے ذریعے وہ اس جگہ پہنچے تھے۔ جب یہ یہاں آئے تو گھر سے کچھ ہی دوری پر انہیں اسی ٹرک ڈرائیور کی لاش ملی۔اب راحم کا شک یقین میں بدل چکا تھا۔

جمال کے پڑوسیوں نے جو جمال اور اس کی بچیوں کے سکیچ بنوائے تھے ان کے مطابق اس گھر میں وہ دونوں بچیاں جمال کی ہی تھیں۔

اس دن اشفا سے بات کرتے ہوئے راحم نے ایک اور بات اشفا کے منہ سے سنی تھی کہ وہ ڈرائیور اکیلا نہیں تھا کوئی اور بھی تھا جو اس کے ساتھ پیسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن سب

سے حیران کن بات یہ تھی کہ سی سی ٹی وی کیمرا کی فوٹیج میں ایسا کوئی دوسرا آدمی نہ دیکھا گیا تھا۔

اب ان پکڑے جانے والے آدمیوں میں سے اس ڈرائیور کے ساتھ کون تھا یہ بات صرف اشفا ہی بتا سکتی تھی اور راحم اس بات کا حل بھی سوچ چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ٹارچر سیل

اس کمرے میں گُھپ اندھیرا تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہاں صرف ایک ٹیبل اور اس کے آر پار دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ان مجرموں میں سے ایک مجرم موجود تھا اور دوسری طرف اپنی گہرے سبز رنگ کی قمیض کی آستینیں چڑھائے ہوئے راحم رضا احمد بیٹھا تھا۔

وہ اشفا کے آنے کا بھی انتظار کر رہا تھا اور دوسری طرف مقابل کا منہ کھلوانے کے لئے ہتھکنڈے آزما رہا تھا۔اس آدمی کو یہاں لائے ہوئے ایک گھنٹہ ہونے کو تھا پر ابھی تک وہ صرف اتنا ہی جان پائے تھے کہ اس کا نام وسیم ہے۔

"سر۔۔۔یوں کسی باہر کے بندے کو ٹارچر سیل میں لانے سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا نا؟" قوی نے جھک کر اُس کے کان میں سرگوشی کی تو اُس نے ایک مسکراتی نگاہ سامنے موجود آدمی پر ڈالی جس کے چہرے یا جسم پر ابھی تک تشدد کے آثار کہیں سے واضع نہیں تھے۔

Clubb of Quality Content

"یہ میرا ٹارچر سیل ہے۔یہاں کام میری دھاڑ پر ہوتے ہیں۔تم اپنی چونچ بند رکھو!" اس نے اونچی آواز میں قوی کو جواب دیا تو قوی ڈر کر کچھ قدم کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا۔

دستک کی آواز کے ساتھ محمت اندر داخل ہوا اس کے پیچھے پیچھے اشفا بھی چلتی آرہی تھی۔اشفا امین نے گہرے سرخ رنگ کی کُرتی شلوار پہن رکھی تھی۔بالوں کو جوڑے میں قید کر رکھا

تھااور کندھے پر فیروزی رنگ کا بیگ لگار کھا تھا۔اس کی شہد رنگ آنکھیں ہمیشہ کی طرح امن کا اعلان کر رہی تھیں اور اس کے ہونٹ ڈھیلی سی مسکراہٹ میں ڈھلے ہوئے تھے۔

"سر۔"اس نے راحم کو مخاطب کرتے ہوئے سر ہلایا۔جواب میں راحم نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور احتراماً اشفا کو وہ کرسی سنبھالنے کا اشارہ کیا۔وہ عورتوں کی عزت کرنا جانتا تھا اسی لئے سب اُسے "gentleman" کہا کرتے تھے۔

اشفا احتیاط سے چلتی ہوئی کرسی کے نزدیک آئی اور اس کو پیچھے کرتے ہوئے بیٹھ گئی۔اس کے سامنے ہی کرسی پر ایک آدمی بندھا ہوا تھا۔اس آدمی کے دونوں بازو کرسی کے پیچھے تھے جو کہ شاید ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے تھے۔اشفا نے کچھ آگے کو ہوتے اپنی دونوں کہنیاں ٹیبل پر رکھ لیں۔وہ اس آدمی کو ہر اینگل سے اسکین کر رہی تھی۔

اب کمرے میں راحم، قوی اور وسیم کے ساتھ ساتھ اشفا اور محمت بھی موجود تھے۔قوی اور محمت اشفا کے پیچھے کھڑے تھے جبکہ راحم اب وسیم کے سر پر کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔

"اپنا چہرہ تھوڑا سا دائیں طرف کرو۔۔۔۔" اس نے مزے سے کہا تو راحم کی ہنسی نکلی۔ وہ جانتا تھا اب اشفا وسیم کو تارے تپانے والی تھی۔ وسیم نے اس کی بات مانتے ہوئے چہرہ ایک طرف کیا۔ "نہیں۔۔۔۔ اچھا چلو چہرہ بائیں جانب کرو اب۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" قوی نے پیچھے کھڑے محمت کے کان میں سرگوشی کی۔ محمت نے جواب میں اُسے ایک گھوری سے نوازا تو قوی چپ ہو گیا۔

"ویسے، سر۔۔۔۔ ابھی بھی پورے یقین کے ساتھ تو میں نہیں کہہ سکتی لیکن میری انسٹنکٹس کہہ رہی ہیں کہ یہی وہ بندہ ہے۔" اس نے وسیم کو مکمل طور پر جانچنے کے بعد راحم کی طرف دیکھا۔

"آئی سی۔" سر دھیرے دھیرے اثبات میں ہلایا اور آ کر اشفا کے برابر میں کھڑا ہو گیا۔ "اب ہم انسٹنکٹس پر کیس سولو کریں گے؟" قوی نے ایک اور سرگوشی کی تو اشفا نے فوراً چہرہ پیچھے کو کیا۔ ایک ابرو اُچکائی۔ "کچھ کہا کیا آپ نے؟" اس کے ٹھنڈے ٹھار لہجے کو سن کر قوی نے سر نفی میں ہلایا۔ "گڈ۔" کہتی ہوئی وہ پھر سے آگے کو دیکھنے لگی۔

"قوی چونکہ تم ایک روکی (نیا بھرتی ہوا آفیسر) ہو۔اس لئے اس سے سچ تم اگلواؤ گے۔آ جاؤ سامنے۔"اے ایس پی راحم رضا کی بات سن کر قوی کے اوسان خطا ہو گئے۔چند لمحے تو اُسے سمجھ ہی نہ آیا کہ کیا کرے۔اُس نے تو آج تک کسی کو ٹارچر کیا ہی نہیں تھا لیکن اب اے ایس پی کی بات بھی تو نہیں ٹال سکتا تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وسیم کے پاس پہنچ گیا۔ایک گھبرائی ہوئی نگاہ پہلے راحم پر ڈالی، پھر اشفا پر اور پھر محمت کو دیکھا۔محمت نے آنکھوں سے اُسے کام پر لگنے کا اشارہ کیا۔

Clubb of Quality Content

محمت کے ہونٹوں پر آئی مسکراہٹ وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ایک تو وہ مصیبت میں پھنس چکا تھا اور دوسرا اس کا دوست اُس پر ہنس رہا تھا۔

کچھ ہمت کرتے اس نے وسیم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔کچھ فاصلے پر بیٹھی اشفا ہلکی سے مسکرائی۔"ک... کیوں کیا تم نے ایسا؟"کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ ایک سوال منہ سے نکلا۔

راحم کو اس کے سوال پر ہنسی آئی پر وہ ضبط کر گیا۔ "قوی صاحب...اس نے تو ابھی اِعتراف جرم کیا ہی نہیں ہے۔۔آپ کس حساب سے ایسا سوال کر رہے ہیں؟"

قوی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا گیا۔ "تو...تو پھر کیا پوچھوں، سر؟" چہرے پر معصومیت کے سے تاثرات سجا لئے۔

"یہ بات آپ کو خود پتا ہونی چاہیئے۔" لہجہ پُر سکون رکھا۔ راحم نے آج سے پہلے کسی بھی نئے بھرتی ہوئی آفیسر کو ٹارچر سیل میں آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن آج اپنا ہی بنایا ہوا اصول توڑ چکا تھا کیونکہ قوی کا ٹریننگ آفیسر المیر خلیل تھا اور اسی وجہ سے راحم قوی کے ذریعے المیر کی ٹریننگ اسکلز کو جج کرنے والا تھا۔

"کیا کیا ہے تم نے؟" اس نے ایک مرتبہ پھر سے وسیم کی طرف دیکھا۔ وہ سخت لہجے میں اس سے سوال کرنا چاہتا تھا پر نا جانے اس کے منہ سے نکلے جملے نرم رویہ کیسے اختیار کر لیتے تھے۔

راحم نے اکتا کر سر نفی میں ہلایا اور چلتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ "اب اگلا سوال کیا کرو گے؟ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس سے کہو گے کہ آئندہ مت کرنا؟" آخری جملہ ایک دھاڑ کہ ساتھ اس کہ لبوں سے نکلا تھا۔ "جا کر دروازے کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔ اور جب تک میں نہ کہوں یہاں مت آنا۔"

وہ وہاں سے جلدی میں ہٹ گیا تو راحم نے آنکھیں گھما کر اس کی پشت کو دیکھا۔ پھر سر جھٹکتے ہوئے اشفا کی طرف مڑا۔ "میں آتا ہوں۔۔۔ المیر کی کال آرہی ہے۔ تم چاہو تو گھر جا سکتی ہو۔" کہہ کر وہ وہاں سے نکل گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اب وسیم سے سچ نکلوانا محمت کی ذمے داری تھی۔ محمت وسیم کے پاس پہنچا اور اس سے مختلف سوال کرنے لگا۔ اشفا چپ چاپ وہاں سے باہر نکل آئی۔ اس کا کام تو ہو گیا تھا۔

وہ گہری نیند میں تھی۔ایک طویل خواب اس کی آنکھوں اور دماغ میں گھر کر رہا تھا۔وہ پچھلے کتنے ہی گھنٹوں سے اس خواب کے زیرِاثر تھی۔ماتھے پر پسینے کی چھوٹی چھوٹی بوندیں نمودار ہوئیں۔وہ مسلسل سر دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔خواب اتنا خوفناک تھا کہ اُسے وہ حقیقت سے کم نہیں لگ رہا تھا۔وہ لوسیڈ ڈریمنگ کر رہی تھی۔لوسیڈ ڈریم ایسے خواب ہوتے ہیں کہ جن میں دیکھنے والے کو پتا ہوتا ہے کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے۔

عالیہ خلیل یہ بات جانتی تھی پر کسی بھی طرح اس کی نیند نہیں ٹوٹ رہی تھی۔وہ اس منظر کو نظروں سے ہٹانا چاہتی تھی۔ہاتھوں کی انگلیوں سے بیڈ شیٹ کو زور سے جکڑتے وہ ٹانگیں دائیں بائیں کر رہی تھی۔اس کا لرزتا ہوا جسم پسینے سے شرابور تھا۔

جب خواب کے خوفناک مناظر اپنے عروج کو پہنچے تو عالیہ چیختی ہوئی اٹھ بیٹھی۔"المیر بھائی!" اس کا دل زور و شور سے دھڑک رہا تھا۔آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

خود کو قابو کرنے کے لئے اس نے ساتھ پڑی میز پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا اور آہستہ آہستہ اُسے حلق سے نیچے اتارنے لگی۔

خوابوں سے تو اس کا پرانا واسطہ تھا۔ اکثر وہ خواب دیکھا کرتی تھی لیکن خوفناک اور دردناک خواب اُسے پچھلے کچھ مہینوں سے آرہے تھے۔ وہ رات کو سونے سے بھی ڈرتی تھی۔ اس نے اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا سوائے ایک بندے کے جو اس کی اس ساری حالت سے بخوبی واقف تھا۔

وہ اکثر خواب میں اپنے بھائی کو دیکھتی تھی۔ اگر خود کو دیکھتی تو شاید کبھی نہ ڈرتی لیکن کیونکہ خواب میں وہ اپنے بھائی کے ساتھ برا ہوتا دیکھتی تھی اس لئے وہ حد سے زیادہ گھبرا جایا کرتی تھی۔

"المیر بھائی۔۔۔ آپ فرانس کیوں چلے گئے؟" وہ خود سے سوال کرتی ہوئی واپس سے لیٹ گئی۔ سرہانے کے نیچے رکھا اس کا فون اس نے ہاتھ میں اٹھایا اور ٹائم دیکھا۔

اگر اس وقت المیر کو کال کی تو اس کی نیند میں خلل واقع ہوگا کیونکہ وہ سو رہا ہوگا۔ یہی سوچ کر اس نے فون واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

"مجھے کسی بھی طرح المیر بھائی کو سب کچھ بتانا ہوگا۔" وہ ہم کلام ہوئی۔ اس کی نظریں اپنے ہاتھوں پر تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی ہڈیاں ایسے ابھری ہوئی تھیں جیسے اس نے پچھلے مہینوں سے کچھ کھایا ہی نہ ہو۔ اس کے ہاتھوں کی جلد سے نظر آتی سبز نبضوں کو وہ بار بار چھو رہی تھی۔ اپنی جلد کو انگھوٹے اور شہادت کی انگلی سے پکڑ کر دیکھتی ••• پھر اُسے چھوڑ دیتی۔ کچھ پل جب وہ اسی طرح کرتی رہی تو اُسے گھٹن محسوس ہوئی۔ وہ بالکل ویسے ہی ہوتی جا رہی تھی جیسے مہوین نے کہا تھا۔

یہ خوف ••• یہ ڈر اُسے پاگل کر رہا تھا۔ وہ پاگل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے آنکھیں دائیں بائیں اطراف میں گھمائیں۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے پر جس رفتار سے سب کچھ خراب ہو گیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں سے شروع کرے۔

Clubb of Quality Content

"ساری۔۔ سا۔۔۔ساری غلطی میری ہے۔مجھے نا۔۔۔ مجھے ناالمیر بھائی کو پہلے ہی بتادینا چاہیے تھا۔میں نے کیوں نہیں بتایا؟"اپنے ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے وہ منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔

"میں بہت بری ہوں۔۔۔ میں بہت بری ہوں۔۔۔ کہیں۔۔۔کہیں المیر بھائی کو کچھ ہو تو نہیں گیا؟اس نے میرے بھائی کو مار دیا ہے نا؟ہاں میں جانتی ہوں۔۔۔۔اس نے بھائی کو مار دیا ہے۔"سانس لینے میں مشکل ہوئی تو وہ خاموش ہو گئی۔چند سیکنڈ گزرے تو پھر سے بولی۔ "۔۔کیسے مارا؟میرے بھائی کو کیسے مارا؟کس نے مارا میرے بھائی کو؟بھائی۔۔۔ بھائی آپ کچھ بولتے کیوں نہیں؟بھائی۔۔۔آپ کا خون بہہ رہا ہے!"وہ زور سے چلائی۔اس کی نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔وہ پاگلوں کی طرح برتاؤ کر رہی تھی۔

اس ایک پل میں اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے جان نکال لی ہو۔اُسے زمین پر اپنے بھائی کی لاش نظر آرہی تھی۔آنسوؤں کا پھندا اس کے گلے میں اٹک چکا تھا۔وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔

"بھائی آپ مجھے.... مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر۔میرا.... میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے بھائی۰۰۰ آپ نہیں آئے تو میں مر جاؤں گی۔میں پاگل ہو رہی ہوں بھائی۔میں مر رہی ہوں ۰۰۰!" آخری الفاظ مشکل سے اس کے منہ سے ادا ہوئے۔وہ سانس نہیں لے سکی اور اسی پل وہ بستر پر ڈھے گئی۔عالیہ خلیل بیہوش ہو چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

تاریخ تھی اُنیس دسمبر۔دن تھا منگل کا۔

وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے کھل رہی تھیں۔اس کے سر پر بہت وزن تھا۔

کمرے میں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں سے پانی رس رہا تھا اور ہونٹ خشک تھے۔ گلے میں کچھ خراش سی ہوئی تو وہ کھانسی کرتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

اُسے اپنے چہرے پر خشک پانی جیسا کچھ محسوس ہوا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا چہرہ چھوا۔ وہ روتے روتے سو گئی تھی اور ابھی بھی اس کی آنکھوں میں پانی جمع تھا۔ ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اتنا روئی؟ اُسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔

اُسے اپنی دماغی حالت بگڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی دوا کا بھی وقت ہو گیا تھا۔ اس نے بیڈ کی دائیں طرف رکھی میز کے دراز کو کھولا اور اس میں سے پیلے رنگ کی ایک ڈبی نکالی۔ اس میں موجود سفید رنگ کی گولی وہ ہمیشہ تب لیتی تھی جب اس کا دماغ اُسے شل ہوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

پاس ہی رکھا پانی کا گلاس لبوں سے لگاتی وہ گولی کو حلق سے نیچے اتار چکی تھی۔ گلاس کو میز پر واپس رکھنے کے بعد وہ اپنے بے جان جسم کو گھسیٹتی ہوئی بیڈ کے کنارے تک لے کر آئی۔

اس نے اپنے پاؤں بستر سے نیچے اتارے اور ٹھنڈے فرش پر رکھے۔کچھ پل کے لئے اس نے چہرہ اوپر کی طرف کیا۔اس نیم اندھیرے میں اس کی بھوری آنکھیں کچھ بھی ٹھیک سے تک نہیں پا رہی تھیں۔

پر وہ احساس۔۔۔کسی کی موجودگی کا احساس اُس کے رونگٹے کھڑے کر گیا تھا۔اُسے اُس سمت میں دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔اُسے خبر تھی کہ کوئی اُس سے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھا ہے۔ دیوار کے ساتھ ایک کرسی رکھی ہوئی تھی اور اس کرسی کے اوپر وہ براجمان تھا۔

اس شخص کی کلائی میں بندھی گھڑی اندھیرے میں چمک رہی تھی۔عالیہ کی نظر اس کی کلائی پر ٹھہر گئی۔وہ اس گھڑی کو پہچانتی تھی۔

اس کا سانس بے ترتیب ہوا۔چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں نمودار ہونے لگیں۔وہ ساکت بیٹھی رہی۔اس کا جسم کام کرنا چھوڑ گیا۔اس کی آنکھوں میں جما پانی ایک دم سے دریا کی طرح بہنے لگا۔اس کے دل کی دھڑکن رفتار پکڑ چکی تھی۔

وہ شخص وہاں بیٹھا اُسے کسی موت کے فرشتے سے کم نہیں لگا۔نا جانے وہ کب سے اس کمرے میں موجود تھا۔کب سے اس کی نظروں کا مرکز عالیہ تھی۔

عالیہ اپنے آپ کو جھنجھوڑ نا چاہتی تھی۔وہ چیخنا چاہتی تھی پر اس کی زبان تالو سے جا چپکی تھی۔

عالیہ خلیل کی کہانی آج ختم ہونے والی تھی۔اس کا باب آخر اختتام کو پہنچ ہی گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر خلیل اس وقت فرانس سے پاکستان کی طرف جانے والے جہاز میں حاضر تھا۔جہاز ابھی بھی ہوا میں تھا اور ساڑھے آٹھ گھنٹے کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔اب آخری آدھے گھنٹے کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

وہ پورے راستے جہاز میں سوتے ہوئے آیا۔ پاکستان کے حساب سے اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ راحم کو جہاز میں بیٹھنے سے پہلے ہی وہ آگاہ کرچکا تھا۔ اب راحم نے اُسے ائیرپورٹ لینے آنا تھا۔

قریب پندرہ منٹ بعد جہاز ائیرپورٹ کے اوپر پہنچ گیا۔ ابھی لینڈ نہیں کیا تھا۔ اپنے موبائل پر وقت دیکھنے کے لئے اس نے موبائل اٹھایا تو اسکرین روشن ہوئی۔ ٹائم تھا چار بج کر اٹھارہ منٹ۔ وقت دیکھنے کے بعد اس کی نظر کچھ پل کے لئے اسکرین پر ٹھہر گئی۔

اسکرین پر لگی تصویر میں ایک بچی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں تیسری جماعت کی سائنس کی کتاب تھی اور دوسرے ہاتھ میں موتیے کا تازہ پھول تھا۔ چہرے پر دنیا جہاں کی خوشی تھی اور آنکھوں میں چمک ہی چمک تھی۔

وہ بچی اسکرین سے المیر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھ تھے۔ اس نے سفید رنگ کی فراک پہنی ہوئی تھی جس پر اس کے سیاہ رنگ بال کھلے تھے۔

اس دن زندگی میں پہلی مرتبہ عالیہ خلیل کو کسی نے موتیے کا پھول دیا تھا۔اس کی خوشی کا تو ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔شاید کوئی اور اُسے پھول دیتا تو وہ اتنی خوش نہ ہوتی لیکن چونکہ پھول اُسے اس کے بڑے بھائی المیر نے دیا تھا اس لیے وہ بے حد خوش تھی۔

لیکن اس سے کچھ ہی وقت پہلے پیش آئے واقعے نے عالیہ کا دل ہزار کرچیوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا تھا۔

ستره سال قبل

گھر میں گہما گہمی کا ماحول تھا۔ہر طرف بتیاں روشن تھیں۔گھر کے ہر کونے میں بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔چونکہ آج عید تھی اس لئے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ خلیل صاحب کے دوستوں سے لے کر رشتے داروں تک ہر کوئی ان کا نیا گھر دیکھنے اور عید ملنے آیا تھا۔

انہیں اس گھر میں شفٹ ہوئے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔گھر کے لاؤنج میں خلیل صاحب کے دو چھوٹے بھائی اور آئمہ خلیل کی ایک بڑی بہن جھمگٹہ لگائے بیٹھے تھے۔ان کے بچے ادھر اُدھر کھیلنے میں مصروف تھے۔درمیان میں رکھی میز کو کھانے کی چیزوں سے سجایا ہوا تھا۔

خلیل صاحب اپنے دوستوں کے پاس ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جب لاؤنج میں بیٹھے مہمانوں نے سب بچوں کو اکٹھا کیا۔

المیر محض گیارہ برس کا تھا جبکہ عالیہ نو اور وہاج چار سال کا تھا۔المیر نے وہاج کو اٹھا رکھا تھا۔ اپنی ماں کی آواز پر وہ وہاج کو اپنے ساتھ لے آیا۔عالیہ پہلے ہی لاؤنج میں موجود تھی۔

المیر آیا تو کچھ سیکنڈز کے لئے وہیں رک گیا۔عالیہ کو زمین پر جبکہ رشتے داروں کے بچوں کو صوفوں پر بیٹھا دیکھ کر اس کے اعصاب تنے۔اس نے ایک جھٹکے سے وہاج کو نیچے اتارا اور خود جا کے عالیہ کے پاس ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گیا۔

عالیہ نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ بیٹھا دیکھا تو وہ مسکرائی۔اس کی مسکراہٹ میں افسوس تھا۔دکھ تھا اور نا جانے کیا کیا تھا۔

تمام بچوں کو وہاں عیدی دینے کی غرض سے بلایا گیا تھا۔شروعات آئمہ خلیل نے کی۔ مہمانوں کے بچوں کو عیدی دی۔پھر مہمانوں نے المیر کو اپنے پاس بلایا اور اُسے ہر شخص سے ایک ایک ہزار روپے ملے۔

کچھ ہی فاصلے پر بیٹھیں آئمہ خلیل کی گود میں بیٹھے وہاج کو شاید پیسے کھلونوں کی طرح لگے اس لئے وہ وقت بہ وقت ان کی طرف لپکنے لگا۔مہمانوں نے پھر اُسے بھی عیدی دی اور دوبارہ باتوں میں مشغول ہو گئے۔

اور عالیہ کی عیدی؟المیر نے پیچھے بیٹھی اپنی چھوٹی سی بہن کو دیکھا۔وہ حسرت بھری نگاہوں سے کبھی المیر کو دیکھتی تو کبھی اپنے رشتے داروں کو۔وہ شاید اپنی عیدی کا انتظار کر رہی تھی۔ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ایک آخری دفعہ ان پر ٹھہراتے وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو زمین پر رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کی آنکھوں میں آیا پانی کا ریلا اب باہر آنے کو تیار تھا۔ وہ باہر کی طرف بھاگی۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں کی بوندیں ٹپ ٹپ گرنے لگیں۔

صبح سے جو کوئی بھی آ رہا تھا صرف المیر اور وہاج کو عیدی اور پیار دے رہا تھا۔ کوئی عالیہ کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتا تھا؟ کیا وہ پیاری نہیں تھی یا وہ لڑکی تھی اس لئے سب اُسے نظر انداز کر کے چلے جاتے تھے؟

کچھ ہی دیر میں مہمان چلے گئے تو المیر نے خلیل محمد کو سارا واقع سنایا۔ خلیل محمد کو عالیہ کے رونے کی وجہ بچکانی لگی۔ وہ سر کو دائیں بائیں ہلاتے وہاں سے نکل گئے۔

ہر کسی کو عالیہ کی حرکتیں بچکانہ لگتی تھیں۔ لیکن کوئی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ بچی ہی تو تھی جسے پیار چاہیے تھا۔

بچوں میں فرق کرنے والے کو تو بات چھوٹی سی لگتی ہے پر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محسوس کرنے والے بچے بڑے ہو کر احساسِ کمتری کا شکار بن جاتے ہیں۔ بچپن میں تو بچوں کی ہر ضد، ہر بات کو یہ سمجھ کر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ ابھی چھوٹے ہیں... بڑے ہوں گے تو خود ہی سمجھ جائیں گے لیکن کوئی یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ وہ بچے بڑے ہو گئے تو کیا ہو گا؟ اپنے اندر کی اور باہر کی محرومیوں کے ساتھ جوانی کی دہلیز پر پیر رکھنے والے بچوں میں اور دوسرے بچوں میں بہت کچھ مختلف ہوتا ہے۔ وہ بڑے تو ہو جاتے ہیں پر بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جو کہیں پیچھے ہی چھوٹ جاتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

حال

اُس دن عالیہ کا موڈ بہت بری طرح خراب ہوا تھا اور اِسی لیے المیر نے اُسے موتیے کے پھول تحفے میں دیے تھے اور اپنی تمام ترعیدی بھی عالیہ کے حوالے کر دی تھی کیونکہ وہ عالیہ سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ عالیہ کی آنکھوں میں آیا ایک بھی آنسو اُسے درد پہنچاتا تھا۔ وہ عالیہ کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔۔ کچھ بھی۔

مسکراتے ہوئے اس نے اپنے فون کو جیب کے اندر رکھا اور سیٹ بیلٹ کی پٹی کس لی۔ اب جہاز لینڈ ہونے والا تھا۔ جہاز جھٹکے کھاتا ہوا رکا تو المیر خلیل کچھ ہی لمحوں کے بعد جہاز سے نکلا اور ائیر پورٹ کے اندر داخل ہوا۔

اس نے baggage claim area سے اپنا سامان لیا اور ائیر پورٹ کی داخلی جگہ کی طرف بڑھا۔ ہر قدم اُسے عالیہ کی یاد دلا رہا تھا۔ نا جانے کیوں وہ کل سے عالیہ کو بہت یاد کر رہا تھا۔ اُسے بس گھر پہنچنا تھا اور اپنی بہن کو سینے سے لگانا تھا۔

(وہ آدمی کرسی سے اٹھا۔ عالیہ شل ہوتے دماغ کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی۔)

Clubb of Quality Content

المیر باہر نکلا تو اُسے راحم کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ راحم اس کی طرف مسکرا کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔ المیر بھی جواب میں مسکایا۔ اس کی سُرمئی آنکھیں چمکیں۔ یہ وہی راحم تھا جو بچپن سے المیر کے ساتھ تھا۔ جس سے اس کی بہن کا نکاح ہوا تھا۔

(وہ آدمی اب عالیہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔)

المیر نے فاصلے طے کیا تو راحم اس کے گلے سے آ لگا۔اس کی گال میں ایک چھوٹا سا گڑھا نمودار ہوا۔اس کی سبز رنگ آنکھوں میں خوشی کی لہر واضع تھی۔

(کمرے میں ایک عجیب سی خوشبو نے احاطہ کر رکھا تھا۔۔موتیے کی مہک۔وہ شخص عالیہ سے کچھ ہی فاصلے پر رک گیا۔)

"Missed me?"(یاد کیا مجھے؟)سبز آنکھیں المیر کے گندمی چہرے پر ٹھہرا لیں۔

المیر نے اس کی بات پر نفی میں سر ہلایا۔"Why would I?"راحم نے اس کے جواب پر ہونٹ بھینچ لئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

(وہ شخص اس کے بہت قریب کھڑا تھا۔اتنا قریب کہ اس سے آتی موتیے کی خوشبو عالیہ کے نتھنوں کو تکلیف پہنچا رہی تھی۔)

"پیرس کی فضا بھی تمہیں نہ بدل پائی،المیر خلیل۔تم کب بدلو گے؟"وہ خفت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

(اُسے اپنے پسندیدہ پھول سے نفرت ہو رہی تھی۔اُسے موتیے کی مہک سے نفرت ہو رہی تھی۔)

"میں نے کیوں بدلنا ہے؟"سوالیہ نظروں سے اس نے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔

(اس کی بھوری آنکھوں سے ایک آنسو بہہ نکلا۔اس کا جسم لرزہ۔وہ پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔اس شخص کے ہاتھ اس کے گلے تک آ رہے تھے۔وہ اچانک سے اس کے گلے پر دُباؤ ڈال رہا تھا۔وہ چیخ نہیں پا رہی تھی۔)

راحم نے سر دائیں بائیں ہلایا۔وہ بھی کس کو بدلنے کا کہہ رہا تھا۔ہاتھ سے اشارہ کرتے وہ المیر کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے اپنی گاڑی تک پہنچا۔وہ دونوں اب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔راحم نے گاڑی سٹارٹ کی اور خلیل منزل کی طرف دوڑا دی۔

(عالیہ کا سانس اکھڑ رہا تھا۔اُسے اپنی زندگی ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔اس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے اور نچلے دھڑ میں سے جان جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔)

"عالیہ سے بات ہوئی تمہاری؟" راحم نے گاڑی چلاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

(اُس کے ذہن میں ہر وہ لمحہ در آیا جب جب المیر نے اُسے پیار سے سینے کے ساتھ لگایا تھا۔)

"نہیں۔۔ میں چاہتا ہوں گھر جا کر اُسے سرپرائز دوں۔ بہت مس کر رہا ہوں اُسے۔" اُس کی بات پر راحم مسکرایا۔ وہ عالیہ سے المیر کی محبت سے اچھی طرح سے واقف تھا۔ عالیہ کے لئے وہ جان دے بھی سکتا تھا اور جان لے بھی سکتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

(اُسے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں صرف المیر کا چہرا دکھ رہا تھا۔ وہ جہاں جہاں دیکھ رہی تھی وہاں وہاں اُسے اپنا بھائی دکھ رہا تھا۔)

"وہ بہت خوش ہو گی تمہیں دیکھ کے۔"

(اُسے افسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کو اکیلے.... تنہا چھوڑ کر جا رہی تھی۔ اُسے آج سے پہلے کبھی بھی اتنی بے بسی محسوس نہیں ہوئی تھی۔)

"جانتا ہوں۔"

(وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ اپنے بھائی کو سب کچھ بتانا چاہتی تھی۔ اس کی گردن کے گرد اس شخص کے ہاتھ مضبوطی اختیار کر گئے تھے۔)

"میں نے عالیہ کو کال کی تھی۔ اس نے مجھ سے کافی باتیں کیں۔ مجھے بہت اچھا لگا۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔

(اس کی آخری سانسیں چل رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ بے بس اور خشک۔)

"مجھے خوشی ہے کہ میری بہن کا رشتہ تم سے ہوا، راحم۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

(وہ بہت کچھ پیچھے چھوڑ کر جا رہی تھی۔ لیکن اس بہت کچھ میں دو قیمتی انسانوں کا پیچھے چھوٹ جانا اس کے دل کو چھلنی کر گیا تھا۔)

"اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" المیر کی زبان سے دعا نکلی۔

(عالیہ کا سانس بھی اسی کے ساتھ نکل گیا۔ ہلچل بند ہو چکی تھی۔ اس کے جسم میں نہ سانس جا رہا تھا نہ باہر آ رہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ سیاہ رنگ بال بستر پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ بال جن پر المیر روز رات کو پیار سے ہاتھ پھیرتا تھا۔)

Clubb of Quality Content!

"آمین۔" راحم نے الفاظ ادا کیے۔ پھر المیر نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ صبح کے چھ بج چکے تھے۔ "اب تک تو عالیہ جاگ چکی ہو گی اور وہاج اس کے کمرے میں اُسے تنگ کرنے کی غرض سے داخل ہو چکا ہو گا۔" یہ خیال آتے ہی المیر مسکرایا۔

(وہاج ٹھیک چھ بج کے ایک منٹ پر عالیہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کی بہن جاگ رہی ہو گی۔)

گھڑی پر چلتی سوئیوں کے ساتھ اُسے روز پیش آنے والے واقعات یاد آرہے تھے۔"اب وہاج اس کے بستر کی طرف بڑھ رہا ہو گا۔"

(وہاج اس کے بستر کی طرف بڑھا۔ کمرے میں ابھی بھی اندھیرا دیکھ کر وہاج کو حیرانی ہوئی۔ عالیہ آپی ابھی تک سو رہی ہیں؟ اس نے سوچا۔)

"اب وہاج عالیہ کے بستر پر بیٹھ کر اس سے گفتگو میں مشغول ہو چکا ہو گا۔"

Clubb of Quality Content

(عالیہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ آنکھوں کی نسیں سرخ تھیں۔ اتنی سرخ کہ وہاج ڈر کر پیچھے ہوا۔ اس نے تھوک نگلا۔ تیز تیز سانس لینے لگا۔)

"اب وہ وہاج کی باتوں پر ہنس رہی ہو گی۔"

(اس نے بہن کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اُسے جھنجھوڑا۔ایک دفعہ ۰۰۰ دو دفعہ ۰۰۰ تین دفعہ۔ جواب ندارد۔اس نے پھر سے عالیہ کے جسم کو جھنجھوڑا لیکن اس دفعہ زور سے۔)

"اب وہ عالیہ کو اپنی کسی نئی کارستانی سے آگاہ کر رہا ہو گا۔"

(وہ جواب کیوں نہیں دے رہی تھی؟ کیا ہوا تھا اُسے؟ اس کی آنکھیں یوں کھلی ہوئی کیوں تھیں؟ وہاج حواس باختہ ہوا تھا۔اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اب عالیہ اُسے پیار سے سمجھا رہی ہو گی۔"

(کمرے میں ہر طرف خاموشی چھا گئی۔وہاج کا دم گھٹنے لگا۔وہ بے یقینی سے اپنی بہن کی طرف دیکھتے ہوئے قدم پیچھے لے گیا۔اُسے لگ رہا تھا وہ اب کسی بھی وقت زمین پر ڈھے جائے گا۔)

"اور اب؟" راحم نے المیر سے سوال کیا۔ المیر خاموش ہو گیا۔ اس کے دل میں ایک ٹیس اٹھی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے سینے کی طرف اٹھا۔ اپنے سینے کی بائیں جانب ہاتھ رکھتے ہوئے وہ پریشانی کے عالم میں کھانسنے لگا۔

راحم نے الجھتے دماغ کے ساتھ المیر کی طرف دیکھا۔ "کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟" المیر گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔

یہ درد کس بات کا تھا؟ اُسے اچانک سے کیا ہو رہا تھا؟ ڈیش بورڈ پر رکھی پانی کی بوتل اس نے اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی۔

وہ اب گھر سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔ دس منٹ تک وہ گھر پہنچ جائیں گے۔ خود کو تسلی دیتے ہوئے المیر نے دل میں سوچا اور پانی کی بوتل کو واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

عالیہ کے بعد بہت کچھ بدلنے والا تھا بس اس کی خبر ابھی تک المیر خلیل کو نہیں تھی۔

Clubb of Quality Content

وہاج کمرے سے نکلا۔اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔وہ بھاگتے ہوئے نچلی منزل پر پہنچا۔ اس نے اپنے والدین کے کمرے کا دروازہ دھڑام کی آواز سے کھولا۔

خلیل محمد بستر پر بیٹھے ہوئے ناشتہ کر رہے تھے جبکہ آئمہ خلیل الماری سے کچھ نکال رہی تھیں۔

وہاج کے قدموں کی آواز پر خلیل محمد نے چہرہ اٹھا کر کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ "بابا۔۔۔!"اس کے منہ سے مشکل سے ہی وہ پکار نکل پائی تھی۔

خلیل محمد فوراً سے بستر سے اترے۔بیٹے کے چہرے کے اڑے ہوئے رنگوں کو دیکھ کر ان کے دل میں ہاتھ پڑا۔"کیا ہوا وہاج؟"

"وہ آپی۔۔۔"اس کا سانس بے ترتیب ہوا۔وہ آگے بول نہ پایا۔ خلیل محمد کو آگے کچھ بھی سننے کی ضرورت نہیں پڑی۔انہوں نے ننگے پیروں کے ساتھ عالیہ کے کمرے کی جانب دوڑ لگادی۔آئمہ خلیل اور وہاج بھی ان کے پیچھے ہی تھے۔

دھپ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا۔ خلیل محمد ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا اپنی بیٹی کی طرف بڑھے۔بستر پر بیٹی کے بے سُدھ جسم کو دیکھ کر خوف سے ان کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

بیٹی کے جسم کو انھوں نے جھنجھوڑا۔"عالیہ۔۔۔عالیہ بچے۔۔؟"وہ اُسے بھیگتی آواز میں پکار رہے تھے۔

("بیٹی ہوئی ہے۔"خلیل محمد نے نرس کی آواز پر آگے بڑھ کے اس بچی کو ہاتھوں میں اٹھالیا۔ اس بچی کی دودھیا رنگت تھی۔آنکھوں کا رنگ بھورا تھا اور بال سیاہ تھے۔وہ ہو بہو اپنی ماں کے جیسی تھی۔)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اس کے بیڈ کے پاس زمین پر نیچے بیٹھتے چلے گئے۔ان کا جسم ایک دم ساکت ہوا۔ہاتھ گود میں گرادیئے۔یہ کیا ہو گیا تھا؟

("بابا،نام...میں؟"دو سال کے المیر کی بھیگی ہوئی آواز خلیل محمد کے کانوں میں پڑی۔ انھوں نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔"عالیہ...نام...عالیہ۔")

اپنے شوہر کے تاثرات دیکھ کر آئمہ خلیل نے آگے بڑھ کر عالیہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔اس کا ماتھا ایک دم ٹھنڈا تھا۔بازو،ٹانگیں بلکہ پورا جسم ہی ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ اس کی کھلی آنکھوں سے انہیں خوف آیا تھا۔

Clubb of Quality Content

"عالیہ۔۔۔ خلیل صاحب یہ کیا ہو گیا؟وہاج؟"وہ الجھن کا شکار ہوئیں جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔

وہاج کی آنکھ سے اس وقت سے یہ نکلنے والا پہلا آنسو تھا۔اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔اب آنسو رفتار پکڑ چکے تھے۔ایک کے بعد ایک آنسو نکلے جا رہا تھا۔وہاج اونچی اونچی آواز میں رونے لگا۔اُسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ آج نہیں روئے گا تو مر جائے گا۔

عالیہ کی کھلی ہوئی بھوری آنکھوں کے ارد گرد خشک نشان تھے جیسے روتی رہی ہو۔وہاج کو اس کی آنکھیں دیکھ کر لگا جیسے وہ اب کبھی اس منظر کو اپنے ذہن سے ہٹا نہیں سکے گا۔

اس نے تیزی سے چہرے پر گرتے اپنے آنسو صاف کیے۔وہ خلیل محمد کے پاس زمین پر جا بیٹھا۔" بابا؟ بابا۔۔آپ کو ہسپتال لے چلتے ہیں نا۔بابا اُٹھیں نا۔"وہ اپنے باپ کو جھنجوڑ رہا تھا جیسے انہیں خیالات سے نکال رہا ہو۔

خلیل محمد نے نفی میں سر ہلایا۔وہ کچھ کہہ نہیں پا رہے تھے۔وہ کہتے بھی تو کیا کہتے؟ کہ وہ ایک ناکام باپ نکلے۔وہ اپنی بیٹی کو بچا نہیں سکے۔

"وہ مر چکی ہے۔ میری بیٹی جا چکی ہے، وہاج۔" انہوں نے آہستگی سے اُسے جواب دیا۔ وہ رو رہے تھے۔ خلیل محمد، جن کا ایک آنسو نہیں نکلتا تھا۔ جو کبھی دکھی نہیں ہوتے تھے آج وہ رو رہے تھے۔

آئمہ خلیل عالیہ کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئیں۔ انھوں نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ یہ کیا ہو گیا تھا؟

اتنے میں گھر کے دروازے کی گھنٹی بجی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ آگیا تھا جس کی ساری کہانیاں عالیہ خلیل سے تھیں۔ جس کی ساری خوشیاں عالیہ خلیل سے تھیں۔

اس کا بھائی آگیا تھا۔

المیر اور راحم گھر کے باہر موجود تھے۔ گھنٹی بجانے پر گارڈ نے دروازہ کھولا۔پہلے راحم گھر میں داخل ہوا پیچھے پیچھے المیر اندر آیا۔المیر کے ہاتھ میں اپنا بیگ تھا اور راحم کے ہاتھ میں موتیے کے پھولوں کا گلدستہ۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ عالیہ المیر کو دیکھ کر بہت خوش ہونے والی تھی کیونکہ المیر عالیہ کو الوداع کہے بغیر ہی چلا گیا تھا اور گھر والوں کو یہ بتا کر گیا تھا کہ وہ ایک مہینے بعد آئے گا۔

"عالیہ۔" المیر نے آواز لگائی۔وہ اُسے پکار رہا تھا جسے اب کوئی بھی پکار واپس زندہ نہیں کر سکتی تھی۔وہ کبھی واپس نہ آنے کے لئے جا چکی تھی۔

راحم نے المیر کی طرف الجھن سے دیکھا۔عالیہ کیا یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

المیر نے اپنے والدین کے کمرے کی بتی جلتی ہوئی پائی تو ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولنے پر کمرہ ایک دم خالی پایا۔اس کا دماغ بھک سے اڑا۔آج سے پہلے یہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ سب کیوں ہو رہا تھا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا؟

وہ انہی پیروں پر پیچھے کو مڑا۔دوسری منزل پر نظر ٹھہراتے اس نے عالیہ کے کمرے کی طرف دیکھا۔دوسری منزل کے سب ہی کمروں میں سے ایک اسی کے کمرے سے روشنی باہر کی طرف آ رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ مسکرایا۔

اس نے راحم کو آنکھوں سے عالیہ کے کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔پہلے راحم نے زینوں پر چڑھنا شروع کیا پھر اس کے پیچھے پیچھے المیر آگے بڑھا۔

وہ دونوں اس کے کمرے کے باہر رک گئے۔ راحم نے اپنی طرف اشارہ کیا جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ پہلے میں جاتا ہوں۔ المیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھولوں کا گلدستہ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

اس کے چہرے کی مسکراہٹ آج سمٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس نے آرام سے دروازہ کھولا۔ کمرے میں داخل ہوا۔ چند قدم آگے کی طرف بڑھائے۔

پر سامنے کا منظر دیکھ کر پل بھر میں راحم رضا احمد کی مسکراہٹ سمٹی۔ پھولوں کا گلدستہ اس کے ہاتھ سے سرکتا ہوا زمین پر جا گرا۔ اُسے ایسے لگا جیسے کسی نے اس کے جسم سے روح نکال لی ہو۔

(راحم رضا احمد، کیا آپ کو عالیہ خلیل بنتِ خلیل محمد سے نکاح قبول ہے؟ راحم نے پل بھر کے لئے اوپر دیکھا۔ جالی کے پردے کے اس پار وہ لڑکی بیٹھی تھی جس سے وہ چاہ کر بھی نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ وہ اس وقت اُسے کسی حور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ راحم کے لبوں پر ایک

خوبصورت سی مسکراہٹ نے قبضہ کیا۔ایک نظر نیچے جھکاتے وہ بے حد عقیدت سے بولا۔
"قبول ہے۔")

شل ہوتے دماغ کے ساتھ وہ عالیہ کو دیکھے گیا۔

راحم ہٹ کیوں نہیں رہا سامنے سے؟المیر نے سوچا۔کچھ آگے کو ہوتے اس نے دروازہ مکمل کھولا۔اپنے باپ اور بھائی کو ٹھنڈے فرش پر اور ماں کو عالیہ کے بیڈ پر بیٹھے دیکھ کر اس کا دماغ الجھن کا شکار ہوا۔

"یااللہ خیر۔"اس کے منہ سے آواز بلند ہوئی۔وہ تیزی سے بیڈ کی طرف لپکا۔اس کے سینے میں اس کا دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے کسی بھی وقت پھٹ جائے گا۔

وہ بیڈ کے قریب پہنچا تو رکا۔اس پر وہ سیاہ بالوں والی لڑکی لیٹی ہوئی تھی جس کو دیکھ دیکھ کے المیر خلیل جیتا تھا۔وہ مسلسل کمرے کی چھت کو تک رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کو کیا ہوا تھا؟ یہ ایسے کیوں دیکھ رہی تھی؟

اس کے دماغ کا ایک بھی گوشہ حرکت میں نہیں تھا۔اس کا جسم،اس کا ذہن ہر چیز سکتے کا شکار تھی۔وہ وہیں فریز ہو گیا۔

بھنویں بلند ہوئیں پھر جھک گئیں۔ہونٹ ہلنے کو تیار تھے پر ہل نہ پائے۔دل کی دھڑکن رفتہ رفتہ بہہ رہی تھی۔چہرے پر سایہ آتا•• پھر چھٹ جاتا۔تاثرات ایسے تھے جیسے وہ کسی غیر شناسا مورت کو پہچاننے کی تگودو میں ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جسم میں سے جان آہستہ آہستہ نکل رہی تھی۔وہ ایک بھی قدم لینے سے قاصر تھا۔ذہن پر زور تھا جیسے کسی نے بہت سا بوجھ اس کے سر پر رکھ دیا ہو۔

وہ آس پاس بیٹھے یا کھڑے کسی بھی شخص کو نہیں دیکھ رہا تھا کیونکہ اس کا تسلسل ابھی بھی قائم تھا۔اس کا دماغ•• دل منظر پر چھائے بھیانک خواب کو منظوری دینے سے انکاری تھے۔

ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟

کچھ وقت کے لئے اُسے لگا جیسے سب مذاق کر رہے ہوں۔ جیسے سب اس کے ساتھ پرینک کر رہے ہوں۔ لیکن کوئی مسلسل بنا پلک جھپکائے اوپر کیسے تک سکتا تھا؟ کیا اس کی آنکھوں میں پانی نہیں آرہا؟

اس کی آنکھیں کیوں ہل نہیں رہی تھیں؟

وہ اتنے شدید صدمے سے گزر رہا تھا کہ وہ بنا کچھ کہے۰۰ بس وہیں کھڑا رہا۔ آس پاس کیا انجام پارہا تھا۔ کس کی دھڑکن چل رہی تھی۔۔ کس کے آنسو نکل رہے تھے اُسے کوئی پرواہ۰۰ کوئی خبر نہ تھی۔

وہ بے خبر، گمسم سا بس اُسے دیکھے گیا۔

اس کا دماغ سن تھا۔ایک ہی آواز اس کے دماغ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئی تھی۔ایک پتلی باریک آواز اور پھر خاموشی چھا گئی۔

دوسری طرف موجود راحم دم بخود تھا۔ ہتھیلیاں پسینہ چھلک رہی تھیں۔پیشانی بھی شرابور تھی۔اس کی تو سمجھ میں کچھ آ ہی نہیں رہا تھا۔

ایک ہی سوال کی گونج اس کے کانوں کو بھر رہی تھی کہ آخر کو یہ ہو کیا گیا تھا؟

Clubb of Quality Content!

اُسے کمرہ خود پر تنگ ہوتا محسوس ہوا۔ سینے میں ناقابل بیان درد کی شروعات ہوئی۔سانس کی نالیاں تنگ ہونے لگیں۔ذہن زوں زوں کی آوازیں نکالنے لگا۔سامنے کا منظر دھندلا گیا۔ کمرے میں روشنی ہونے کے باوجود اس کی نظروں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

(عالیہ کو سفید رنگ کے لہنگے میں دیکھ کر وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔اس لڑکی میں سب سے زیادہ پُر کشش کیا تھا؟اس کی آنکھیں یا اس کے بال؟اس کی بول چال؟سب کچھ ہی تو اس کے دل میں گھر کر لیتا تھا۔)

(خلیل فیملی اور راحم راولپنڈی کے ایک مشہور ریسٹورنٹ میں موجود تھے۔آج شاید وہ یہاں کا کھانا پہلی مرتبہ کھانے والے تھے۔کھانا آیا تو مرچ اتنی تیز تھی کہ سب کی زبان جلنے لگی۔ میز پر پانچ گلاس تھے جبکہ بندے چھ تھے۔سب نے فوراً گلاس پانی سے بھر لئے اور لبوں سے لگا لئے سوائے عالیہ اور راحم کے۔عالیہ کبھی راحم کو دیکھتی تو کبھی راحم اُسے۔اس کی آنکھیں ضبط کی وجہ سے سرخی مائل ہو گئی تھیں پر اس نے مسکراتے ہوئے گلاس عالیہ کی طرف بڑھا دیا۔عالیہ نے گلاس ہونٹوں سے لگا یا پر اُسے پیتے پیتے وقت لگ گیا۔ضبط ٹوٹا تو راحم زور سے کھانسنے لگا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔)

اس کی عالیہ کے ساتھ یادیں گنی چنی ہی تھیں۔لیکن سب کی سب اسی لمحے اس کے ذہن کا اطراف ایسے کرنے لگیں جیسے اس نے پوری زندگی اسی کے ساتھ گزار دی ہو۔

عالیہ سے جڑے اس کے جذبات کو وہ کبھی نام نہیں دے پایا تھا۔جب بھی وہ عالیہ کا خیال ذہن کی اسکرین پر ابھرتے محسوس کرتا تو ایک ہی لفظ اُسے چاروں اور گونجتا ہوا ملتا۔

مودت۔ایسی محبت جو صرف عالیہ کی خیر خوائی چاہتی تھی۔ایسی چاہتا جو صرف اُسے دیکھنے کے لیے بے قرار رہتی تھی۔ایسی بے قراری جس کا مان اُسے رکھنے آتا تھا۔ایسا مان جو اُسے جینا سکھاتا تھا۔

پر جی کر مر جانے کا غم کیا آپ جانتے ہیں؟کیا آپ جانتے ہیں مردہ لوگوں سے زیادہ دل شکستہ ان کے ساتھ زندہ رہنے والے ہوتے ہیں؟ کیا آپ جانتے ہیں مرنے کا سبب جتنا بھی غمگیں ہو•• مردہ دلوں کے ساتھ جینے کا غم اس سے کئی زیادہ بڑھ کر ہوتا ہے؟

راحم کی کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔اس کے دل ودماغ میں ایک شور برپا تھا۔ایسا شور جو شاید کبھی نہ مدھم ہونے کے لیے اپنا آغاز کر چکا تھا۔

ویران اور خالی نظروں سے وہ اُسے دیکھ رہا تھا۔جب سکوت کے پردے چھٹے تو وہ دنیا میں واپس آیا۔ حقیقت آہستہ آہستہ اس پر آشکار ہونے لگی۔اس کی آنکھوں کے آگے کا منظر صاف ہونے لگا۔ذہن میں ہزار سوالات رفتار پکڑنے لگے۔

یہ سب کیسے ہوا؟

یہ سب کیوں ہوا؟

اتنی اچانک موت کیسے ہو سکتی ہے؟

اسے ہسپتال کیوں نہیں لے جایا گیا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اور ایسے کئی سوال اُس کے دماغ میں جنم لینے لگے۔

کمرے میں ایک مرتبہ پھر سے چھائی خاموشی گویا رینگتے ہوئے کیڑوں کی طرح اس کے جسم پر ۰۰اس کے اطراف میں چلنے لگی۔

راحم رضا احمد سکتے میں تھا۔ایسا سکتا جس نے اس کے دل ودماغ دونوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔
وہ پریشان اور لاجواب تھا۔اُسے جواب کی تلاش تھی۔

کمرے میں ایک وہی شخص تھا جس کا ذہن اس کٹھن گھڑی میں اچانک کام کرنے لگا۔اس نے نظریں اطراف میں گھمائیں۔

وہ مری تو مری کیسے؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ گزرے کچھ مختصر منٹوں کے بعد کا منظر تھا جب خلیل محمدؐ کمرے سے جا چکے تھے۔رشتے داروں کو اطلاع بھی تو کرنی تھی۔

آئمہ خلیل اس کی آخری رسومات کے لئے نوکروں کے سرپر موجود تھیں اور وہاج روتے روتے عالیہ کے کمرے کے باتھروم میں جا پہنچا تھا۔ مسلسل رونے کی وجہ سے اُسے قے آنے لگی تھی۔

اب پیچھے رہ گئے تھے وہ دونوں جن میں سے ایک حواس باختہ ہوا سر کو ہاتھوں میں پکڑے بیٹھا تھا اور دوسرا عالیہ کے نزدیک کھڑا تھا۔

اپنی بیوی کے پاس وہ بستر پر بیٹھا۔اُسے آج بھی یاد تھا کہ جب بھی وہ عالیہ سے ملنے خلیل منزل آتا تھا تو عالیہ اس سے ملنے لاؤنج میں آ بیٹھتی تھی۔اس کے چہرے اور بھوری آنکھوں میں بلا کی سنجیدگی ہوتی تھی۔اس کے سیاہ رنگ بال ہمیشہ پونی میں قید ہوتے تھے۔سر پر ڈھیلا سا دوپٹہ ہمیشہ ٹکائے رکھتی تھی۔ابھی راحم کے منہ سے صرف سلام کے ہی الفاظ ادا ہوتے تھے کہ عالیہ ہلکا سا مسکرا دیتی تھی۔اس کی بھوری آنکھیں چمک اٹھتی تھیں۔

چہرہ ایک دم صاف شفاف تھا۔ کسی بھی قسم کے نشان سے عاری۔ ہونٹ نیلے تھے اور چہرے کا رنگ سفید پیلا۔ یہ علائم اُسے بول کے بتا رہے تھے کہ اس کی موت سانس کی کمی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ یعنی دم گھٹنے کی وجہ سے۔

وجہ جو بھی تھی ۔۔ عالیہ کو ہسپتال تو لے کر جانا ہی تھا۔ اس نے بازو سیدھے کیے کہ اُسے اٹھا سکے لیکن پھر اُس کی گردن پر موجود نشانات نے اُس کی توجّہ اپنی طرف مائل کر لی۔

کسی کی انگلیوں کے نشان دیکھ کر راحم کا دماغ بھک سے اڑا۔ اس کے اطراف میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

Clubb of Quality Content

راحم نے بغیر کچھ سوچے عالیہ کو بازوؤں میں اٹھا لیا اور باہر کی جانب بڑھا۔ اپنے قدموں کی رفتار بڑھاتے ہوئے وہ زینے اترتا گھر سے باہر کی طرف لپکا۔ المیر پہلے نا سمجھی سے معاملے کی نوعیت پر کھتا رہا پھر اس نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

ہمیشہ سجی دھجی رہنے والی خلیل منزل پر آج موت جیسی خاموشی طاری تھی۔کچھ لوگ گھر کے اندر موجود تھے اور کچھ گھر سے باہر۔

ان لوگوں میں چند انسان ایسے بھی تھے جو خلیل محمد کے مخالف تھے۔جو کہ محض تماشا دیکھنے کے لئے ماتم پر آئے تھے۔اکثر یہی تو ہوتا ہے۔۔۔جہاں آدھے لوگ میت پر رونے دھونے آتے ہیں وہیں آدھے تماشا بنانے اور ہنسنے آتے ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"دیکھیں آپ کو آٹو پسی رپورٹ مل جائے گی۔آپ بیٹھ جائیں آرام سے۔"عالیہ کی لاش پچھلے ایک گھنٹے سے پوسٹ مارٹم کے لئے گئی ہوئی تھی۔راحم ایک گھنٹے سے مسلسل لاش خانے کے باہر کھڑا تھا اور عالیہ کی لاش اس کے اندر موجود تھی۔

المیر کچھ ہی فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔عالیہ کی گردن پر انگلیوں کے نشان دیکھ کر اُسے سب کچھ بھول گیا تھا۔رونا بھی۔

اتنے میں لاش خانے کا دروازہ کھلا اور ماہرِ فرانزک پیتھالوجی باہر آیا۔اس نے ہاتھوں پر نیلے رنگ کے دستانے چڑھا رکھے تھے۔اس کی نظر کچھ فاصلے پر بیٹھے المیر پر پڑی پھر اس نے راحم کو دیکھا۔

"میرے ساتھ آئیں آپ دونوں۔"وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

Clubb of Quality Content

کمرے کا دروازہ کھول کر اس نے بتی جلائی اور اپنی نشست پر جا کر بیٹھ گیا۔راحم اور المیر اس کے سامنے رکھی دو کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔

"مرحومہ عالیہ خلیل کی آٹوپسی رپورٹ آپ کو جلد مل جائے گی۔"وہ ان کی سرخ آنکھیں اور زرد پڑتے چہرے کو دیکھے گیا۔"آپ کا شک ٹھیک نکلا۔عالیہ کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔لیکن یہ قدرتی طور پر نہیں ہوا۔۔۔اُس کا مرڈر ہوا ہے۔"

پریشانی اور الجھن کے ملے جلے تاثرات المیر کے چہرے پر واضع ہوئے۔دوسری طرف بیٹھے راحم کے تاثرات بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھے۔

راحم کے جبڑے پر ابھرتیں رگیں اس بات کا ثبوت دے رہی تھیں کہ وہ شدید غصے میں تھا۔ جبکہ المیراب بھی شاک میں تھا۔ہر نیا بھید اُس کے کانوں میں توپڑ رہا تھا پر اس کا دماغ یہ سب رجسٹر نہیں کر پا رہا تھا۔

"ان کا ٹائم آف ڈیتھ پانچ پینتالیس سے چھ کے درمیان ہے۔ویسے تو یہ ایک پولیس کیس ہے لیکن چونکہ آپ دونوں خود پولیس آفیسرز ہیں اس لئے آپ خود ہی سمجھ دار ہیں۔"اس نے کہتے ہوئے سامنے رکھی میز پر سے کچھ فائلیں اٹھائیں اور کچھ فاصلے پر رکھ دیں۔

"آپ کو کسی بھی قسم کی اور مدد درکار ہوئی تو مجھے ضرور بتایئے گا۔میں چلتا ہوں مجھے ایک اور کیس بھی دیکھنا ہے۔"وہ ایستادہ ہوا۔پھر وہاں سے نکل گیا۔

راحم کو لگتا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا صدمہ اس کے والد کی موت تھی لیکن آج اُسے احساس ہوا تھا کہ جو دل علیم رضا کی موت پر دو ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا اب وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔اس کا دماغ بند ہو رہا تھا۔اُسے لگ رہا تھا جیسے یہ سب ایک بھیانک خواب ہو۔

ایک ایسا خواب جس سے رہائی ناممکن تھی۔آج راحم رضا احمد کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کی زندگی کتنی خالی تھی۔وہ ہمیشہ سے ایک ادھورا انسان تھا اور ہمیشہ ادھوری زندگی ہی جینے والا تھا۔

ٹھیک دو ہفتوں کے بعد اس کی اور عالیہ کی شادی تھی۔وہ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہے تھے تو یہ سب کیا ہو گیا تھا؟

اس کی بیوی مر گئی تھی۔

اب اس درد کا مداوا کیا کوئی کر سکتا تھا؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

عالیہ کی لاش اور آٹوپسی رپورٹ کو وہ دونوں اگلے آدھے گھنٹے میں گھر لے آئے تھے۔ المیر کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ بار بار چہرے پر آئے پسینے کی بوندیں صاف کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ جیسے پانی میں نہایا ہوا تھا۔

المیر خلیل زندگی میں پہلی دفعہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ وہ کبھی ایک طرف بیٹھتا تو کبھی وہاں سے اٹھ کر دوسری طرف جا کر کھڑا ہوتا۔ اس کا گندمی رنگ چہرہ ہر آدھ منٹ کے بعد سرخ ہو رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

اپنے اندر کے غبار کو باہر نکالنے کے لئے اُسے بہت سا وقت چاہیے تھا۔ یہ غم تو پوری زندگی کا تھا۔

وہ دنیا بھر کے لئے المیر خلیل تھا لیکن عالیہ کے لئے وہ اس کا وہ بھائی تھا جو اُسے ہر ہفتے موتیے کے پھولوں کا گلدستہ لا کر دیتا تھا۔ ہر چھٹی والے دن اُسے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر دیتا

تھا۔ ہفتے بھر کی کہانی الف سے لے کر یے تک وہ صرف اُسے ہی سناتا تھا۔ لیکن اب؟ اب وہ خالی ہاتھوں کے ساتھ دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔

المیر کو لگ رہا تھا کہ اگلے کچھ پلوں میں اُس کا سانس رک جائے گا اور وہ وہیں گر پڑے گا۔

وہ اپنی معصوم سی بہن کو مردہ حالت میں کیسے دیکھ سکتا تھا؟ اس کی آنکھیں، اس کے سیاہ بال، اس کی مسکراتی صورت ... وہ یہ سب کبھی نہیں بھولنے والا تھا۔ اس کا ٹوٹا ہوا دل اب کبھی نہیں جڑنے والا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے حالات سے ہار گیا تھا۔ قسمت نے اُسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا اور زندگی نے اُسے کہاں سے کہاں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

شہد رنگ آنکھیں فون کی گھنٹی کی آواز پر یک دم کھلیں۔ آج تو اس نے کام سے چھٹی لی تھی تو اتنی صبح سویرے کون اس کی نیند میں خلل پیدا کر رہا تھا؟

نیم بند آنکھوں سے اس نے فون کی اسکرین کو گھورا۔ مومن؟ وہ تو اتنی صبح خود بھی نہیں اٹھتا تو اسے کال کیوں کر رہا تھا؟

فون کو کان کے ساتھ لگاتے اس نے جمائی لی۔ "کیا ہے، مومن؟" اُکتائی ہوئی آواز میں اس نے مقابل سے پوچھا۔ لیکن آگے سے آتی خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

"کچھ بولو بھی اب۔" اس نے پھر سے مقابل سے مخاطب ہوتے ہوئے غصے سے کہا۔ "باجی وہ۔۔المیر صاحب...." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

Clubb of Quality Content

اس کے ذکر پر اشفا کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ "کیا ہوا المیر کو؟" اس کی شہد رنگ آنکھوں میں الجھن واضع تھی۔

"باجی، وہ المیر صاحب کی چھوٹی بہن عالیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔"

اشفا کو لگا جیسے اس نے غلط سنا ہے۔اس کے کانوں کے ارد گرد سناٹا چھا گیا۔ "کیا کہا تم نے؟" اس نے پوچھا۔اس کی آواز کانپی۔

"عالیہ خلیل کا انتقال ہو گیا ہے۔" عالیہ خلیل کا کیا ہو گیا ہے؟انتقال؟عالیہ خلیل؟وہ سیاہ بالوں والی عالیہ خلیل؟وہ گم صم سی عالیہ خلیل؟وہ اظہار نہ کرنے والی عالیہ خلیل؟یہ کون سی عالیہ کی بات کر رہا تھا؟

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟کچھ بھی بول رہے ہو!"اس نے مومن کو جھڑکا۔وہ ایسی بات بھی کیسے کر سکتا تھا؟

"باجی اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہہ رہا ہوں۔المیر صاحب نے کچھ ہی وقت پہلے سر کو کال کر کے بتایا ہے۔"سر کو کال کر کے بتایا ہے۔اس کے کانوں میں الفاظ گونجنے لگے۔کچھ ہی وقت پہلے۔

سر کو کال کر کے بتایا ہے کہ عالیہ خلیل کا انتقال ہو گیا ہے۔بے یقینی کے عالم میں وہ ایک ہی دشا میں دیکھتی رہی۔ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟

اس نے فون اٹھایا اور کال کاٹ دی۔وہ غسل خانے کی طرف لپکی۔

پندرہ منٹ کے بعد وہ فریش ہو کر باہر نکلی۔اس نے ہڑبڑاہٹ میں کس رنگ کے کپڑے پہنے تھے وہ نہیں جانتی تھی۔بالوں کو جوڑے میں قید کرتے اس نے اپنا فون اٹھایا اور باہر کی طرف بھاگی۔

گھر سے باہر آ کر اس نے کار پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور اُسے چابی کی مدد سے اسٹارٹ کیا۔ابھی وہ گاڑی کو گھر سے باہر نکالتی کہ اُسے خیال آیا کہ اُس نے گھر کا دروازہ تو لاک کیا ہی نہیں۔

سر جھٹکتے ہوئے وہ گاڑی سے باہر نکلی۔دروازے کے پاس پہنچ کر اُس نے دروازہ لاک کیا۔

وہ ایک دفعہ پھر گاڑی کی طرف چل دی۔گاڑی میں بیٹھتے ہی اُس نے گاڑی پیچھے کی اور گھر سے باہر نکالی۔

وہ گلی سے نکلی تو اس نے گاڑی سڑک پر ڈالی اور رفتار میں اضافہ کر دیا۔اُسے جلد از جلد خلیل منزل پہنچنا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ لڑکی آج زندگی میں پہلی مرتبہ اسلام آباد کی اس جگہ پر آئی تھی۔وہ اسلام آباد کی گلی گلی سے واقف تھی سوائے اس جگہ کے۔

اس نے کچھ ہمت کر کے گاڑی کا دروازہ کھولا۔جس جگہ وہ کھڑی تھی وہاں سے خلیل منزل کچھ ہی فاصلے پر تھی۔

اس گھر کے مین گیٹ کے باہر جمع ہوئے مردوں کے جھمیلے کو وہ دیکھ چکی تھی۔اس کا دل ابھی بھی زور سے دھڑک رہا تھا۔ہر بڑھتا قدم اُسے عالیہ کی طرف لے جا رہا تھا۔اس کے حلق میں جیسے کچھ پھنس چکا تھا۔اُسے سانس لینے میں دشواری کا سامنا تھا۔

وہ گھر سے دو فیٹ کی دوری پر آ کر رک گئی۔

وہ مین گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔اس کا ضبط ٹوٹنے والا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اندر گئی تو رو دے گی۔

گھر کے دروازے کے ارد گرد مرد حضرات اور عورتیں جمع تھیں۔ان میں سے کوئی بھی اس کی جان پہچان کا نہیں تھا یا شاید تھا لیکن ابھی وہ کسی کو بھی پہچاننے سے انکاری تھی۔

اس نے گھر کے اندر قدم رکھا تو اُسے چاروں اور سے رونے کی آوازیں آئیں۔اس کی آنکھوں کے سامنے کا منظر دھندلا گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُسے کچھ فاصلے پر سات سال کی بچی کھڑی نظر آئی۔وہ بچی اپنے ماں باپ کی میت پر سر پھینک کر رو رہی تھی۔اس کی آواز میں قرب تھا۔اس کی پکار میں آہ تھی۔وہ بچی کون تھی؟

اشفا آگے بڑھی۔لیکن جب اس نے اس بچی کا چہرہ دیکھا تو اس کے قدم زنجیر ہوئے۔سات سال کی مہوین امین دھاریں مار مار کر رو رہی تھی اور آس پاس کوئی بھی اُسے چپ کروانے والا موجود نہیں تھا۔مہوین ادھر تھی تو اشفا کہاں تھی؟

اس نے آٹھ سال کی اشفا کو ڈھونڈنے کے لئے نظریں ادھر ادھر گھمائیں۔اُسے اشفا تو کہیں نہیں دکھی لیکن سُرمئی آنکھوں والا وہ دس سال کا بچہ اُسے کچھ ہی فاصلے پر کھڑا نظر آیا۔

وہ بچہ گم صم سا کھڑا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اشفاامین اٹھارہ سال پیچھے ہوئے ان دونوں بہنوں کی زندگی کے سب سے بھیانک خواب میں واپس جاچکی تھی۔ وہ دن۔ وہ رات۔ وہ موسم۔ وہ برسات۔ اُسے سب آہستہ آہستہ یاد آنے لگا۔

"اشفا۔" کوئی اُسے پکار رہا تھا۔ بہت نزدیک سے۔

"اشفا۔" دوسری مرتبہ پکارا گیا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ وہ ہل نہیں سکی۔

کسی کے وزنی ہاتھ کا دباؤ اپنے کندھے پر محسوس کرتے اس کا خول ٹوٹا۔ اٹھارہ برس پہلے کا منظر ہٹ چکا تھا۔ جگہ، موقع اور حادثہ... سب کچھ بدل چکا تھا۔

اُسے اپنے سامنے ایک شخص دکھا۔ یہ شخص۔ اس نے آنکھیں پوری کھولیں۔

"انکل؟" خلیل محمد کو دیکھتے ہی اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اشفا۔ کیسی ہو؟" خلیل محمد اب بھی ویسے ہی تھے جیسے کچھ برس پہلے تھے صرف چہرے پر جھریاں نمایاں ہو گئی تھیں۔ ان کی آنکھیں ہر گزرتے پل کے ساتھ سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔ مسلسل رونے کی وجہ سے۔

"ٹھیک ہوں۔" کیا اُسے بھی ان کا حال پوچھنا چاہیے تھا؟ نہیں... ایک بیٹی کی موت پر باپ کی حالت کیسی ہو سکتی ہے۔ یہ سوال مناسب نہیں تھا۔

اشفا پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ سب کیسے ہوا؟ لیکن اُسے یہ سوال پوچھنا بھی معیوب لگا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

خلیل محمد اس کے چہرے کو غور سے پرکھ رہے تھے۔ کچھ لمحے وہ اُسے تکتے رہے پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔

وہ کچھ آگے بڑھی۔ ہال کے بیچ و بیچ ایک چارپائی رکھی ہوئی تھی۔ چارپائی کے اوپر اس لڑکی کی لاش تھی۔ اشفا عالیہ سے ملنے کی خواہش کافی سالوں سے اپنے اندر دبائے بیٹھی تھی لیکن وہ اس طرح اس سے ملے گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

چارپائی کے مزید کچھ قریب ہوتے۔۔وہ اس کے پیروں کی طرف رک گئی۔اُسے لگا کہ اگر اس نے ایک بھی قدم آگے بڑھایا تو وہ رونے لگے لگی۔

کچھ ہی فاصلے پر آئمہ خلیل بیٹھی ہوئی تھیں۔ان کی آنکھوں سے آنسو لگاتار بہہ رہے تھے۔ اس نے ان کی طرف دیکھا۔ان کی حالت بتارہی تھی کہ وہ اب کسی بھی وقت اپنے حواس کھو بیٹھیں گی۔آئمہ خلیل کو دیکھ کر اُسے وہاج کا خیال آیا۔وہ کیسا ہو گا؟

اس کی آنکھوں میں جیسے اب سکت نہ رہی تھی کہ وہ مزید کسی کے افسردہ چہرے کو دیکھ پاتی۔

بہت ہمت کرتے اس نے عالیہ تک اپنے قدم بڑھائے۔وہ دائیں جانب سے اس کی طرف بڑھی۔اس کے چہرے کا رنگ کتنا پھیکا پڑ چکا تھا۔چہرے کی ہڈیاں نمایاں تھیں۔اس کی بھوری آنکھیں بند تھیں۔۔اب کبھی نہ کھلنے کے لئے۔وہ تو اتنی خوبصورت ہوا کرتی تھی تو پھر یہ حالت کیسے ہو گئی تھی اس کی؟

چارپائی کے پاس ہی نیچے زمین پر اُسے بھورے بالوں والا لڑکا بیٹھا نظر آیا۔اس نے اپنا چہرہ عالیہ کے ہاتھ کے پاس ہی چارپائی پر رکھا ہوا تھا۔وہ عالیہ کو دیکھے جارہا تھا۔

اشفا چارپائی پر بیٹھ گئی۔وہ اس لڑکے کو پہچانتی تھی۔وہ لڑکا بغیر پلک جھپکائے عالیہ کو تک رہا تھا۔

اشفا نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا۔وہاج کا خول ٹوٹا۔اس نے چہرہ موڑ کر اس شخص کی طرف دیکھا جس کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔اس نے اشفا کو دیکھا۔وہ دیکھتا چلا گیا۔جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

Clubb of Quality Content

"آپی۔" وہاج نے اشفا کو پکارا اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔اس نے آخری دفعہ اشفا کو تب دیکھا تھا جب وہ تین سال کا تھا۔اشفا کو لگتا تھا کہ وہاج اس کو دیکھے گا تو پہچان نہیں پائے گا لیکن اس کا اندازہ غلط نکلا۔

"وہاج۔"اشفا کے سامنے کا منظر ایک دفعہ پھر سے بدل گیا تھا۔سامنے ہی وہ تین سال کا بچہ موجود تھا جو ہر وقت اشفا کی گود میں بیٹھا رہتا تھا۔جسے دنیا میں صرف اشفا امین نظر آتی تھی لیکن صرف تین سال تک۔

وہاج خلیل آج بھی ایک بچہ تھا۔ایک ننھا سا کمزور دل کا بچہ۔اشفا کا دل چاہا کہ وہ اس بچے کو گلے سے لگا لے کہ پھر کبھی اس کی آنکھیں نم نہ ہوں پر وقت بدل چکا تھا۔اب حالات ویسے نہیں تھے جیسے اٹھارہ سال پہلے ہوا کرتے تھے۔

"آپی،آپ نے دیر کر دی۔"ابھی وہاج کی زبان سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ اشفا کی شہد رنگ آنکھوں سے دو آنسو نکلے۔یہ اس وقت سے نکلنے والے پہلے آنسو تھے۔

اس نے سچ میں دیر کر دی تھی۔اس سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی تھی۔

اُسے سمجھ نہ آیا کہ وہ اُسے کیا کہے۔اپنی صفائی کس طرح سے پیش کرے۔

اپنی کس کس خواہش کا رونا روتی۔ سامنے والے کو کیسے بتاتی کہ اس نے سچ میں بہت دیر کر دی تھی۔

"وینی آپی نہیں آئیں؟" بچوں جیسی آواز میں وہاج نے اس سے سوال کیا۔ مہوین؟ اوہ وہ تو مہوین کو بتانا ہی بھول گئی تھی۔ سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ اس کے ذہن سے اُسے اطلاع کرنے کی بات نکل گئی تھی۔

اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں پکڑے فون پر ڈالی۔ اُسے مہوین کو ادھر بلانا ہو گا۔ ارادہ کرتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عورتوں کے ہجوم سے نکلتے وہ دروازے تک پہنچی۔

اس نے مہوین کا نمبر ملایا۔ گھنٹی بجتی رہی لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ فون کو کان سے ہٹاتے اس نے ایک مرتبہ پھر سے کال ملائی۔ فون ہر وقت اس کے پاس ہی ہوتا تھا تو پھر آج وہ کال کیوں نہیں اٹھا رہی تھی؟ اور آج ہی کے دن اُسے کال نہیں اٹھانی تھی؟

ابھی اس نے فون کو کان سے لگایا ہی ہوا تھا کہ اس کی نظر سامنے سے آتے اونچی قامت کے شخص پر پڑی۔اس کے سیاہ گھنگریالے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔اس کی نظر اشفا پر نہیں پڑی تھی۔وہ اس جگہ کے قریب پہنچا جہاں اشفا کھڑی تھی۔اس کی سُرمئی آنکھیں پل بھر کے لئے پھیلیں۔

دونوں کی آنکھیں ملیں۔مقابل کا چہرہ بے حد کمزور ہو گیا تھا۔سُرمئی آنکھیں جیسے ویران ہو گئی تھیں۔یہ وہ المیر خلیل نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس کی آنکھیں کافی حد تک سوجھ چکی تھیں اور چہرہ بھی بے رونک ہو رکھا تھا۔اشفا نے ابھی تک اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔وہ ہٹاتی بھی کیسے؟ جس سے وہ سب سے زیادہ نفرت کرتی تھی آج وہ اُسے نفرت کے قابل نہیں لگ رہا تھا۔

مقابل اُسے ٹِکٹکی باندھ کر دیکھے جا رہا تھا۔شاید وہ اس کے یہاں آنے پر حیران تھا۔اشفا یہ بات تو اچھے سے جانتی تھی کہ عالیہ کی موت نے سب سے زیادہ المیر خلیل کے دل کو توڑ کر رکھ دیا ہو گا۔

وہ ان ویران اکھیوں والے مرد کو دلاسہ کن الفاظ میں دیتی؟ کیا کہتی اُسے؟

"تم آ گئیں..." وہ رکا جیسے ابھی جملہ پورا نہ ہوا ہو۔ "مجھے لگا تم نہیں آ ؤ گی۔" اور اتنی سی بات تھی کہ اشفا کے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

المیر خلیل اس سے بات کر رہا تھا۔ پہل اسی نے کی تھی۔ اس کے الفاظ میں اتنا اثر کیوں تھا؟ اشفا کے آنکھوں میں پانی پھر سے جمع ہونے لگا۔

"المیر..." وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ نہیں کہہ پائی۔ وہ اُسے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اگر الفاظ ہی سے کسی اپنے کو کھونے کا دکھ کم ہو جاتا تو کوئی بھی رو رو کر خود کو ہلکان نہ کرتا۔

"آئی ایم سو سوری ••• عالیہ کے انتقال کے لئے۔" شہد رنگ آنکھیں ابھی بھی سُر مئی آنکھوں کو تک رہی تھیں۔ چند لمحے کا تعاقب ہوا کہ سُر مئی آنکھیں گہرے سرخ رنگ میں

رنگ گئیں اور زندگی میں پہلی مرتبہ اشفا امین کے سامنے المیر خلیل کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر رخسار پر جا گرا۔

ابھی آنسو بہہ کر چہرے میں جذب ہوتا کہ اس نے آنسو اپنے دائیں ہاتھ سے صاف کر دیا۔
شاید وہ اشفا کے سامنے رونا نہیں چاہتا تھا۔

ایک آخری دفعہ اثبات میں سر ہلاتے وہ اس کے پاس سے گزر گیا۔ اشفا امین وہیں کھڑی اس کی پشت دیکھی گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

دن کے تین بجے عالیہ خلیل کا جنازہ تھا۔ تین بجنے میں صرف تین منٹ باقی تھے۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ راحم رضا احمد کا دل مزید کئی کرچیوں میں بٹ رہا تھا۔

وہ اس وقت سے مسلسل رو رہا تھا۔ کبھی ایک تو کبھی دوسرا آ کر اُسے دلاسا دیتا لیکن وہ چپ نہیں ہو رہا تھا۔

یہ احساس کہ عالیہ کو دلہن بنے دیکھنے کا خواب اب کبھی پورا نہیں ہو گا۰۰۰ اُسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ عالیہ ذہنی تناؤ کا شکار تھی۔ ہر بار پوچھنے پر وہ یہ کہہ دیا کرتی تھی کہ چونکہ وہ ہر وقت کتاب کے بارے میں سوچتی رہتی ہے اس لیے راتوں کو نیند نہیں آتی اُسے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ کمزور ہوتی گئی اور اسے لگا کہ عالیہ ذہنی تناؤ کا شکار ہے۔ یہ کون سا ذہنی تناؤ تھا جس نے اس سے اس کی عالیہ چھین لی تھی؟ وہ شخص آخر کون تھا جس نے اُسے اس کے شوہر سے لے لیا تھا؟ آخر ایسے کون سے راز تھے جو عالیہ کے سینے میں دفن تھے؟

لیکن اب تصویر صاف ہو گئی تھی۔ عالیہ خلیل کا مرڈر ہوا تھا۔ اور عالیہ کی میت کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے قسم کھائی تھی کہ اس کے قاتل کی اپنے ہاتھوں سے جان لے گا۔ اُسے عبرت کا نشان بنائے گا۔

"راحم میت کو کندھا دو۔ "راحم میت کو کندھا دو۔اس کے کانوں میں یہ جملہ گونجنے لگا۔

اس کی سبز رنگ آنکھیں بھر آئیں۔وہ کیسے اپنی بیوی کو قبر میں اتار سکتا تھا؟وہ بھی ان ہاتھوں سے جن ہاتھوں سے اس نے نکاح کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔

وہ آگے بڑھا۔ہر قدم کے ساتھ اس کے سینے پر پڑتے دباؤ میں اضافہ ہو رہا تھا۔میت کی سر والی جگہ پر دائیں طرف راحم کھڑا تھا اور بائیں طرف المیر۔پیروں والی جگہ پر وہاج اور خلیل محمد تھے۔

ان چاروں نے اس کی میت کو کندھوں پر اٹھایا۔چاروں کے چہرے ویرانی چھلک رہے تھے۔

لوگ جمع ہوئے۔عورتیں روتی روتی ایک طرف ہو گئیں اور مردوں نے کاندھا دیتے ہوئے جنازہ آگے بڑھایا۔اب جنازہ گھر سے باہر تھا۔

Clubb of Quality Content!

اگلے کچھ پل میں وہ سڑک پر موجود تھے۔بلند آواز میں کلمہ پڑھا جا رہا تھا۔

راحم کے ذہن میں وہ تمام واقعات دوہرانے لگے جب جب عالیہ اس کے ساتھ تھی۔(وقت کسی کے لیے نہیں تھمتا نا،راحم؟)دور کہیں عالیہ کی آواز گونجی۔

(وعدہ کریں کہ آپ میرا اور میرے بھائی کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔)اب وہ کس کس بات کے ملال میں زندگی بسر کرنے والا تھا۔۔۔اُس کے لیے اندازہ لگانا مشکل تھا۔

انسان ایسی بہت سی چیزیں فرض کر لیتا ہے جو حقیقت سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔پوری زندگی کچھ ایسے تصورات پر فنا کر دیتا ہے جن میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔پھر جب وقت اس کو اس بات کا احساس دلاتا ہے تو وہ ٹوٹ جاتا ہے۔انسان اٹھتے بیٹھتے،سوتے جاگتے بس وقت کو کوستا ہے لیکن یہ وقت ہی ہوتا ہے جو گزرتا ہے تو ہزاروں دلوں پر مرہم رکھ دیتا ہے۔

....

عجیب کرب میں گزری، جہاں گزری
اگرچہ چاہنے والوں کے درمیاں گزری

تمام عمر چراغ امید جلاتے رہے
تمام عمر امیدوں کے درمیاں گذری

گذر گئی جو تیرے ساتھ وہ یادگار رہی
بناء تیرے جو گذری، وبالِ جاں گذری

مجھے سکوں میسر نہیں تو کیا غم ہے
گلوں کی عمر تو کانٹوں کے درمیاں گذری

عجیب چیز ہے یہ گردش حالات محسن
کبھی زمین تو کبھی مثل آسمان گذری
(محسن نقوی)

Clubb of Quality Content!

....

حصہ دوم: خیال

باب نمبر: ۵

ناولز کلب
Club of Quality Content

رات کے ایک سناٹا خیز پہر اگر ہم پاکستان کے شہر اسلام آباد کے ایک مخصوص خطے کی طرف منہ کریں تو ہمیں ایک اندھیرے میں ڈوبا ہوا کھلا میدان منظر پر ابھرتا دکھے گا۔ پتوں کی مسلسل جھلملاہٹ اس بات پر سے پردہ ہٹائے گی کہ آس پاس یقیناً بلند و بالا درخت کھڑے ہیں۔

اگر درختوں کے بیچ سے گزریں تو ایک گھر نظر آئے گا۔ سفید رنگ کا۔ گھر کے باہر سفید رنگ کا بلب روشنی اطراف میں انڈیل رہا ہو گا۔ لیکن بات یہ تھی کہ روشنی دو قدم کی دوری تک ہی محدود تھی۔ اس سے آگے آگے پورا خطہ سیاہی میں نہایا ہوا تھا۔

گھر کے اندر قدم رکھیں تو اندرون میں ایک سمت سے پیلی روشنی امنڈ آتی ہے۔ وہ کمرہ عموماً اس وقت ہفتے میں دو دفعہ روشن ہوتا ہے۔ اگر کمرے میں داخل ہوں تو آپ کو دو جانداروں کی موجودگی کا احساس ہو گا۔

ایجنٹس کا کوئی بھی مخصوص اڈا نہیں رہتا تھا۔ ہر ہفتے ہر دن اڈے بدلتے تھے۔ وہ خود تک پہنچنتا ایک بھی سراغ پیچھے نہیں چھوڑتے تھے۔ انہیں اس کی ٹریننگ دی گئی تھی۔

ایجنٹ فور اور ایجنٹ ون اس وقت ایک عارضی سے اڈے پر موجود تھے۔ کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دونوں اپنی اپنی نشست سنبھالے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ایک میز پر چار کمپیوٹرز دھرے تھے جن میں سے دو پر المیر خلیل کی گاڑی اور بائیک کی لوکیشن دیکھی جاسکتی

تھی۔ باقی کے دو کمپیوٹرز میں سے ایک کی اسکرین پر مخصوص گھر کا اندرون صاف دکھائی دیتا تھا۔ جبکہ آخری اسکرین سیاہ تھی۔

ایجنٹ فور کی مسلسل چلتی انگلیوں پر رکاوٹ تب ڈلی جب ایجنٹ سیون کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ایک کرسی کھینچ کر باقی دونوں کے ساتھ رکھ لی۔

اس پر بیٹھنے کے بعد اس نے جیب سے اپنا فون نکال کر میز پر رکھ دیا۔ "سات سے ایک۔۔ ایک سے چار۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باقی دونوں نے اس کی طرف چہرہ موڑا۔ "دن کے ایک سے شام کے سات بجے تک اس گھر میں گہما گہمی کا ماحول سجا رہتا ہے۔ گھر کے ہال میں کم سے کم تین سے چار لوگ موجود ہوتے ہیں۔ رات کے ایک سے صبح کے چار بجے تک گھر ایک دم سنسان ہوتا ہے۔"

اس نے ایک گہری سانس اندر کھینچی۔ "باس کے حکم کے مطابق اس گھر کے ہر کمرے اور ہر کونے پر ایک مائکروفون لگایا جائے گا۔"

ایجنٹ ون نے اُسے گھور کر دیکھا۔ "لیکن اس کے باہر تو چار سے پانچ گارڈز ہمیشہ چوکس کھڑے رہتے ہیں۔ایسے میں ہم گھر کے اندر کیسے جائیں گے ؟"

" پیروں سے۔۔" غصیلی نگاہ سے اُسے دیکھا پھر اسکرین پر نظریں جمائیں۔ "لیکن یہ کوئی عام گھر نہیں ہے۔ایک ایس ایچ او رہتا ہے اس میں۔"

"تو؟اس کا پولیس میں ہونا تمہیں ڈرا رہا ہے کیا ایجنٹ ؟"اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔ "گھر کے چاروں اور چار گارڈ ڈیوٹی دیتے ہیں۔ جن میں سے ایک گیٹ پر اُلو کی طرح نظر رکھے ہوئے ہوتا ہے۔"

دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "گھر کے سرونٹ کوارٹرز میں تین نوکرانیاں رہتی ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام نفیسہ ہے۔ طبیعت سے شاطر اور زبان سے تلخ۔ "گھر کے اندر آنے جانے والے لوگوں پر اس کی نظر ٹھہری ہوئی تھی۔ "رات کے دو بجے ہر بندہ خواب

خرگوشی کے مزے لوٹ رہا ہوتا ہے سوائے المیر خلیل۔ وہ عموماً اس وقت اپنے کمرے کی ٹیرس میں بیٹھا چائے پیتا ہے۔"

"تو ہم اس کے سونے کے بعد گھر میں داخل ہوں گے؟" ایجنٹ سیون نے سر ہلایا۔ "نہیں۔ ہم دو بجے ہی اپنے کام کی پہلی منزل پر قدم رکھیں گے۔ ہمارے پاس کل ایک گھنٹہ ہے۔ دو سے تین کے درمیان۔ کیونکہ تین کے بعد فجر کی اذان ہونے لگتی ہے اور المیر اور وہاج نماز ادا کرنے اس وقت مسجد کو چل دیتے ہیں۔"

اس نے بند اسکرین آن کر دی۔ "یہ ہے گھر کی چار دیواری میں سب سے مختصر دیوار۔ یہاں سے خاردار تار کو کاٹ کر اندر جایا جا سکتا ہے۔"

"اور گارڈ؟" ایک نے سوال کیا۔ "اس طرف عموماً گارڈ پہرہ داری پر نہیں ہوتا۔" اس نے اپنی مٹھی سختی سے بند کر لی۔ "اب دوبارہ مت ٹوکنا مجھے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایجنٹ ون نے شرمندگی سے فرش پر نظریں مرکوز کرلیں۔ "تم دونوں اپنے اصل روپ میں گھر کے باہر المیر سمیت گارڈز کا دھیان بھٹکاؤ گے اور پھر ایک ایجنٹ گھر کے اندر داخل ہو گا۔"

اس نے پشت کرسی کے ساتھ ٹکائی۔ ہاتھ میں پکڑا سگار ہونٹوں کے ساتھ لگایا۔ "جیسے ہی وہ دیوار پھلانگ کر اندر قدم رکھے گا۰۰۰ تم دونوں وہاں سے رفو چکر ہو جاؤ گے۔"

"لیکن پھر وہ باہر کیسے آئے گا؟" ایجنٹ فور نے اس کی طرف الجھن سے دیکھا۔ "المیر خلیل بہت چالو آدمی ہے۔ اس کی دو آنکھیں آگے اور چار پیچھے ہوتی ہیں۔ اس لئے ایجنٹ صبح ہونے کا انتظار کرے گا اور موقع ہاتھ آتے ہی.. بھاگ نکلے گا۔" سگار کو دوبارہ ہونٹوں سے لگایا پھر بولا۔ "تم دونوں کا بے وقت تماشا دیکھ کر اُسے شک ضرور ہو گا۔ اس لئے ایجنٹ کا وہاں رکنا بہت ضروری ہے۔"

"لیکن تم رکو گے کہاں؟" پھر سے ایک سوال۔ "تمہیں یہ کس نے کہا کہ میں وہ ایجنٹ ہوں گا؟" اس نے ایک ابرو اُچکائی اور پھر مسکرا کر سگار میز پر رکھ دیا۔

"یہ کام صرف ایک ہی انسان غلطی کیے بغیر انجام دے سکتا ہے اور وہ ہیں ہمارے باس۔"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔"اور باس کہاں چھپیں گے؟"

"God knows."

"اللہ جانے۔"

پھر وہ کرسی سے اٹھا۔میز سے سگار اٹھایا اور کچرا دان کی طرف اچھال دیا۔خود باہر نکل گیا۔

Clubb of Quality Content!

گھر میں سکوت کا راج تھا۔کہیں سے کسی مشین کے چلنے کی باریک سی آواز کانوں کو چھو رہی تھی۔پڑوس میں کل ہی کسی نے جنریٹر لگوایا تھا۔شاید اسی کی آواز تھی۔گیس والے ہیٹرز کی جگہ بجلی والے جو استعمال ہونے لگے تھے۔

اسی دن کی شام جب مہوین ہسپتال سے گھر آئی تو اشفا نے اُسے عالیہ کی موت کی خبر سنائی۔ اس کے لئے یہ کسی دھچکے سے کم نہیں تھا۔ پھر اشفا کی طبیعت کچھ ناساز معلوم ہوئی تو مہوین نے اُسے کمرے میں سونے کے لیے بھیج دیا اور خود لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ اس کی بائیں ٹانگ مسلسل اوپر نیچے ہو رہی تھی۔

ہسپتال میں اجلاس تھا اس لئے سب ڈاکٹرز اپنے فون کمروں میں چھوڑ کر جاتے تھے۔ ہر دو مہینے بعد یہ اجلاس منعقد ہوتا تھا جو چار چار گھنٹے جاری رہتا تھا۔ اسی کے سبب اسے اپنے بجتے فون کی خبر نہ ہو پائی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

عالیہ خلیل کو وہ اچھے سے نہیں جانتی تھی۔ بچپن میں اس نے عالیہ کے ساتھ وقت تو گزارا تھا پر عالیہ چپ چپ سی تھی۔ زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔

اُسے صرف اس کے چہرے کا گورا رنگ یاد تھا۔ شاید وہ عالیہ کو ٹھیک سے یاد کر پاتی لیکن بچپن ہی میں خلیل فیملی سے بات بند ہو جانے کے بعد اس کا آمنا سامنا عالیہ سے دوبارہ کبھی نہیں ہوا تھا۔

اشفا اور المیر کی جنگ میں نہ اسکا وہاں آنا جانا تھا نہ ہی کوئی اُدھر سے ان کے ہاں آتا تھا۔ کسی تقریب کے موقعے پر المیر خلیل اپنی ماں کے کہنے پر کھانے کو کچھ لے آتا اور دروازے سے ہی دے کر چلا جاتا۔ اگر آئمہ خلیل اُسے نہ کہتیں تو شاید آج المیر بھی مہوین کو ٹھیک سے یاد نہ ہوتا۔

اتنے پاس ہو کر بھی اس کے بابا کی اور بابا کے دوست کی فیملی میں بہت دوریاں آگئی تھیں۔ جن لوگوں میں وہ دونوں بہنیں کبھی اُٹھتی بیٹھتی تھیں آج انہی کے چہرے انہیں ٹھیک سے یاد نہیں تھے اور اس سے زیادہ اذیت زدہ بات ان کے لیے کوئی اور نہیں تھی۔

اُسے افسوس تھا۔ دکھ بھی ہو رہا تھا لیکن وہ روئی نہیں۔ اُسے اپنے جذبات پر قابو رکھنے میں مہارت حاصل تھی۔

خیالوں سے نکلتے ہوئے وہ اٹھی۔کل بھی ہسپتال میں اجلاس تھا لیکن عالیہ کے گھر جا کر افسوس کرنا بھی اہم تھا۔اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ کل ہی وہ ان کے گھر جا کر سب سے افسوس کرے گی۔

••—•◎◎•—••

اب چلتے ہیں اس گھر کی طرف جس کے ارد گرد سناٹے کا راج تھا۔نہ باہر کوئی بندہ بندے کی ذات تھا۔نہ ہی اندر سے کوئی آواز آ رہی تھی۔علیم رضا کا گھر ہر طرف سے خاموشی کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔

گھر کے لوگ ہال میں گم سم سے بیٹھے تھے۔گھڑی رات کے گیارہ بجا رہی تھی۔پچھلے کچھ گھنٹوں سے علیم رضا کے گھر کے باشندے سوچوں میں گم تھے۔آج جو کچھ بھی ہوا تھا وہ ہوا میں نئی تبدیلی لے آیا تھا۔

سب کچھ بکھر گیا تھا۔اور بکھرا بھی اس نوویت کا تھا کہ اب سمیٹنے سے نہیں سمیٹنا تھا۔

Clubb of Quality Content

ادا صاحبہ صوفے پر بیٹھیں کبھی اپنے نواسے کو تو کبھی نواسی کو دیکھتیں۔ راحم کی تو حالت ایسی تھی کہ اگر ایک لفظ بھی زبان سے کہے گا تو رو دے گا جبکہ زہرہ گھر واپس آکر روئی تو نہیں تھی پر اُسے یہ واقعہ کسی جھٹکے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

وہ اگلے مہینے اپنے بھائی کی شادی پر بہت کچھ کرنے والی تھی۔ اس نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ لیکن کیا زندگی اتنی ہی فانی تھی؟ وہ جب بھی نماز پڑھتی تھی تو اپنے عزیزوں کی لمبی عمر کی دعا کرتی تھی۔ اور اس کی بہت سی دعائیں قبول بھی ہو جاتی تھیں۔ پھر یہ کیوں نہیں ہوئی تھی؟

Clubb of Quality Content

اپنی ماں کے انہیں چھوڑ جانے پر وہ جتنا ٹوٹا تھا۔۔ صرف وہ اور اس کے گھر والے ہی جانتے تھے۔ اس نے آدھی زندگی زہرہ کو جوڑتے صرف کر دی تھی کہ کبھی خود کو جوڑنے کا خیال اس کے ذہن میں آیا ہی نہیں۔

والدین کے بغیر زندگی گزارنے والا وہ بھائی.. جس نے اُسے کبھی والدین کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔۔آج وہ تنہا کیسے رہ گیا تھا؟ وہ تو خدا سے ہمیشہ اُس کی خوشیاں مانگتی آرہی تھی۔یعنی اس کی یہ دعا بھی قبول نہیں ہو پائی تھی؟

سیاہ آنکھوں نے ایک دفعہ پھر سے اپنے بھائی کے چہرے پر ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔راحم نے اپنا سر اداصاحبہ کی گود میں رکھا ہوا تھا۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔آج راحم رضا احمد سچ میں تھک گیا تھا۔اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات ابھی بھی واضع تھے۔وہ ایک دفعہ پھر سے ڈر گیا تھا۔سہم گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اداصاحبہ اور زہرہ۔۔دونوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ راحم کو جوڑنا کیسے ہے۔

اگلے دن کا سورج چڑھا تو آفتاب کی گرم شعاعوں نے اسلا آباد کے کونے کونے کو گھیرا ہوا تھا۔پچھلے ہفتے کی نسبت یہ ہفتہ امید سے زیادہ تپ رہا تھا۔

ٹیکسی کا دروازہ کھولتے وہ سبز رنگ کے کپڑوں میں ملبوس لڑکی گاڑی سے نکلی۔ یہ اسلام آباد کی وہ سوسائٹی تھی جہاں سیکورٹی بہت سخت ہوا کرتی تھی۔ ہر طرف ہریالی اور پھولوں سے سجی یہ جگہ صرف اعلیٰ طبقہ ہی افورڈ کر سکتا تھا۔

اس نے اس جگہ کے بارے میں صرف سوشیل میڈیا پر سنا تھا۔ لیکن آج وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ خوبصورتی کے علاوہ کیا مختلف تھا اس کے محلے میں اور اس جگہ میں؟ کچھ بھی تو نہیں۔ یہاں ہر طرف خاموشی تھی جبکہ وہاں گاڑیوں اور موٹر بائیکس کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔ ادھر شاید گھر اتنے تعمیر نہیں ہوئے تھے اس لئے بھیڑ بھار کم تھی۔

اس کے محلے میں بھی انسان ہی رہتے تھے اور یہاں بھی انسان ہی رہتے تھے۔ اگر اتنا سب کچھ ایک جیسا تھا تو خلیل محمد نے ان کا محلہ کیوں چھوڑ دیا؟

وہ روز صبح اٹھ کر خود سے یہی سوال کرتی تھی کہ ایسا بھی کیا ہو گیا تھا کہ خلیل محمد نے ان دونوں بچیوں کو اکیلے چھوڑ دیا؟ وہ تو اس کے والد کے دکھ سکھ کے ساتھی تھے تو پھر اتنا بدلاؤ کیسے آگیا ان میں؟

سوچوں سے باہر نکلتی وہ اس مکان کی طرف چل دی جہاں آج اس نے اپنے دل کو مار کر جانے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ گھر کے گیٹ کے آگے آئی تو رکی۔ دیوار پر لگی تختی دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ وہ صحیح جگہ آئی تھی۔ گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔

اس نے قدم بڑھایا۔ سامنے ہی کار پورچ تھا۔ اس کا ہر بڑھتا قدم اُسے ان لوگوں کی طرف لے جا رہا تھا جنہوں نے اس کا دل سب سے زیادہ دکھایا تھا۔ وہ دروازے تک آئی۔ اندر جھانک کر دیکھا تو ہال میں لوگ ہی لوگ موجود تھے۔ ان لوگوں میں اُسے کوئی بھی شناسا چہرہ نہ دکھا۔

اس نے گھر کے اندر قدم رکھا۔وہ ہال کی طرف بڑھی جب اس کی نظر دائیں جانب ایک کمرے میں بیٹھے ایک مرد پر پڑی۔اس مرد نے سفید رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔اس کے سیاہ گھنگریالے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

دور بیٹھے شخص نے جیسے کسی کی نظر خود پر محسوس کی تو دروازے کی جانب دیکھا۔وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"مہوین۔"اس کی زبان سے بے ساختہ اس لڑکی کا نام نکلا جسے وہ بہت سالوں بعد دیکھ رہا تھا۔وہ اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔اس کی سانولی رنگت اور بھوری آنکھیں اس کا تعارف ہر محفل میں خود کرواتی تھیں۔کچھ تو بات تھی اس کی چال ڈھال میں کہ لوگ اُسے دیکھتے ہی اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

اپنے نام کی پکار پر وہ ٹھہر گئی۔جتنی وہ المیر سے ناراض تھی۔۔اُسے آگے بڑھ جانا چاہیے تھا۔ اگر آگے بڑھ جاتی تو یہ عمل اس کی تہذیب کے خلاف ہوتا۔

مہوین امین کو اپنے سامنے پا کر اُسے وہ خود سے تین سال چھوٹی بچپن والی مہوین یاد آ گئی جسے وہ اپنے ہر پھیرے پر چاکلیٹ لا کر دیتا تھا۔ جس طرح المیر نے اٹھارہ سال سے اشفا کو وہاج اور عالیہ سے ملنے نہیں دیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح اشفا نے بھی کبھی مہوین سے اس کا آمنا سامنا نہیں ہونے دیا تھا۔

وہ تقاریب پر جب بھی اشفا اور مہوین کی طرف کھانا لے کر جاتا تو اول تو یہ کہ وہ ان کے گھر کے اندر قدم ہی نہ رکھتا تھا۔ اور دوم مہوین بھی کبھی گھر سے باہر اُس سے ملنے نہیں آتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ جانتا تھا مہوین امین اس سے ناراض تھی۔ اس کی ناراضگی کی وجہ اشفا کی ناراضگی کی وجہ سے بہت مختلف تھی۔

آخری دفعہ جب اس نے مہوین کو دیکھا تھا تو شاید وہ سات یا آٹھ سال کی تھی اور اب تو اس کا قد کافی نکل آیا تھا۔ اشفا گر المیر کے کندھے سے نیچے تک آتی تھی تو مہوین اشفا کے کندھے تک تو آتی ہی ہو گی۔

وہ لڑکی ابھی بھی دور کھڑی المیر کو گھور رہی تھی جیسے بچپن میں ناراضگی کے باعث اُسے آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھا کرتی تھی۔اس کی بھوری آنکھیں بالکل عالیہ کی جیسی تھیں۔

اس کا خیال ذہن میں آتے ہی اس کے سینے میں ٹیس اٹھی۔ سر کو جھٹکتے ہوئے وہ مہوین کی طرف بڑھا۔کمرے کے دروازے تک پہنچا تو رک گیا۔سب سے پہلے اُسے اس لڑکی سے کیا کہنا چاہیے تھا؟

"مہوین۔"اُسے لگا تھا کہ مہوین اُسے "میر و بھائی" کہہ کر پکارے گی جیسے وہ بچپن میں کہا کرتی تھی۔ لیکن شاید وہ غلط تھا۔

اس لڑکی کی نظروں میں دکھ یا شکوہ۔۔کچھ بھی نہیں تھا۔"کیسے ہیں آپ؟"خالی خالی نظریں تھیں۔

"مہوین، میں-"اس نے بات کا آغاز کیا کہ اس کی بات کاٹ دی گئی۔ خلیل محمد المیر کی عقب سے کچھ سامنے کو آئے۔انھوں نے ایک مسکراتی نگاہ مہوین پر ڈالی جو ہو بہو اپنی ماں جیسی تھی۔ پھر انھوں نے اپنا ہاتھ اپنائیت سے اس کے سر پر رکھا۔

"کیسی ہو، بیٹا؟"مہوین نے آنکھیں اس شخص پر مرکوز رکھیں۔اپنے والد کے دکھ درد کے ساتھی جو ان کے اس دنیا سے کوچ کرتے ہی محلہ چھوڑ آئے تھے۔ جنہوں نے دوبارہ پلٹ کر ان کی دونوں بیٹیوں کو دیکھا تک نہیں تھا۔آج وہی اتنے سال بعد اس سے اس کا حال جاننا چاہ رہے تھے؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔"میں ٹھیک ہوں، انکل۔آپ کیسے ہیں؟"اس نے شائستگی سے سر کو خم دیا۔

"کیسا ہو سکتا ہوں۔۔"ان کے چہرے پر ایک دکھی مسکان تھی۔"۔۔اشفا نہیں آئی؟" انھوں نے بات کا رخ بدلا۔

"نہیں۔۔وہ بیمار ہے۔" ان کے چہرے پر آتے سائے کو وہ اچھے سے محسوس کر چکی تھی۔

"کیا ہوا اُسے؟" دونوں کے درمیان میں کھڑے گم سم سے المیر کی آواز آئی۔ وہ جیسے جھٹ سے بولا تھا۔ مہوین نے ایک نظر المیر پر ڈالی پھر واپس خلیل محمد کو دیکھنے لگی۔

"ساری رات روتی رہی ہیں۔ اس وجہ سے طبیعت خراب ہے ان کی۔" اس کی نظر دوبارہ المیر پر گئی۔ جس کی نظریں فرش پر مرکوز تھیں۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ کچھ پریشان سا لگ رہا تھا۔ کیا وہ اشفا امین کے لیے پریشان ہو رہا تھا؟

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

خلیل محمد نے اثبات میں سر ہلایا پھر واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ ان سے بعد میں افسوس کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے وہ ہال کی طرف جانے کے لیے اپنے پیروں پر مڑ گئی۔

چند قدموں کے فاصلے پر اُسے عورتوں کا ہجوم صوفوں پر براجمان نظر آیا۔ کچھ زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ وہ ان میں سے کسی کو نہیں جانتی تھی۔ سوائے ایک کے۔

آئمہ خلیل ہلکے بھورے رنگ کی فراک پہنے سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ہاتھ میں بھورے دانوں والی تسبیح چل رہی تھی اور چہرے پر تھکن کی کیفیت واضع تھی۔

وہ اچھے سے جانتی تھی کہ وہ کیسا محسوس کر رہی ہوں گی۔ایک جوان بیٹی کو کھو دینے کا غم قیامت خیز ہوا کرتا ہے۔

وہ ان تک گئی تو پاس ہی بیٹھ گئی۔کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں متوجہ کیا۔"آنٹی۔"انھوں نے چہرہ موڑا۔

"آئی ایم سوری میں نے پہچانا نہیں آپ کو۔"نگاہوں میں غیر شناسائی اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھی۔

"آنٹی میں مہوین امین ہوں۔"حیرت نے ان کے چہرے پر بسیرا کر لیا۔اتنے عرصے بعد وہ اس لڑکی سے مل رہی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"مہوین۔۔میری جان۔کیسی ہو؟"ان کے ہونٹ ہلکی مسکان میں ڈھلے۔اُسے فوراً گلے سے لگالیا۔

"ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں؟"انھوں نے شانے اچکائے۔آنکھوں میں نہ ختم ہونے والا حزن بسا تھا۔آنسوؤں کا سمندر جیسے اب کبھی بھی چڑھ آنے کو بے تاب تھا۔کتنا مشکل تھا ان کے لیے یہ سب جھیلنا۔

"اشفا نہیں آئی؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔البتہ کل تو وہ آئی تھیں۔"

"اچھا؟ملی نہیں شاید مجھ سے پھر۔"مسکرا کر کہا گیا۔

"ملی ہوں گی۔"اس نے تسلی بخش لہجے میں اسرار کیا۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔ شاید میں بھول گئی۔"

پھر چند منٹ بیٹھ کر وہ ان سے باتیں کرتی رہی۔ افسوس کے دو جملے بھی کہے تھے۔ پانچ منٹ اور بیٹھ کر وہاج کو ڈھونڈتی رہی لیکن وہ منظر پر نہ آیا۔

ب چلتے ہیں خلیل محمد کے سب سے چھوٹے بیٹے کے پیلے اور جامنی کمرے کی طرف۔ وہاج کچھ ہی دیر پہلے عالیہ کے کمرے سے ہو کر آیا تھا۔ کل رات کو ہی المیر نے اُسے بتا دیا تھا کہ عالیہ کی موت حادثاتی نہیں تھی۔ اس کا مرڈر ہوا ہے۔ یہ بات گھر میں ابھی تک صرف المیر اور وہاج کو پتا تھی۔

اسی لئے آج وہاج نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنے طور پر عالیہ کے کمرے کی چھان بین کرے گا۔ ویسے تو یہ ایک پولیس کیس تھا لیکن عالیہ کی موت کی خبر ابھی تک چند لوگوں کے علاوہ کسی

تک نہ پہنچی تھی۔ خبر باہر نکالنے سے سب لوگوں کو سختی سے منع کیا گیا تھا۔اب اگر ایسے میں پولیس کو گھر پر تحقیقات کے لئے بلایا جاتا تو خبر سب طرف نشر ہو جاتی۔

المیر اور راحم نے آٹوپسی رپورٹ ملنے کے بعد ہی ٹھان لی تھی کہ اگلے دن ہی سے اپنے طور پر اس کے مرڈر کی تفتیش شروع کر دیں گے اور کسی کو اس بات کی خبر کانوں کان نہیں ہونے دیں گے۔

وہاج کے بستر پر عالیہ کی کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ جن میں کچھ دوائیاں اور ایک فائل شامل تھی۔اس نے دوائیوں کی تصویر اتاری پھر فائل کی تصویر اتاری۔ فائل ایک بڑے ہسپتال کی تھی۔ لیکن اس پر کسی بھی ڈاکٹر کا نام درج نہ ہونے کی وجہ سے وہاج مایوس ہو گیا تھا۔

اس نے تصویریں راحم کی طرف بھیجیں اور چیزیں اپنی الماری میں چھپا کر رکھ دیں۔اب راحم اور المیر ہی اس بارے میں پتا کروا سکتے تھے۔

٠٠—٠๑๘٠—٠٠

دیکھتے ہی دیکھتے سب کا ایک مکمل دن عالیہ خلیل کے بنا گزر گیا تھا۔اس کا کمرہ سناٹے کی نظر ہو رکھا تھا۔الماری کا دروازہ کھلا تھا۔یہ دروازہ پچھلے کتنے ہی مہینوں سے خراب تھا۔

بستر کی چادر بے ترتیب تھی۔ جیسے کل تھی۔عام طور پر یہ کمرہ ہر دن کے ہر سیکنڈ درخشاں رہتا تھا۔ہر دو گھنٹوں میں پین کے کھلنے اور بند ہونے کی ٹک ٹک کی آہٹ ہر گزرتے شخص کے کانوں میں پڑتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ ٹک ٹک اس بات کی علامت تھی کہ عالیہ خلیل جاگ رہی ہے۔کام کر رہی ہے۔لکھ رہی ہے۔زندہ ہے۔

لیکن آج کمرہ اداس تھا۔ہر چیز پر ایک ہی دن میں گرد بیٹھ چکی تھی۔کمرے کی دونوں کھڑکیاں کھڑ کھڑ کی آوازیں نکال رہی تھیں۔ گرم ہوائیں کھڑکی کے باہر موجود درخت کے پتوں کو ہلا رہی تھیں۔

رات کا گھنا سایہ ویرانی کا پتہ دیتا تھا۔ گھر کی ویرانی کا۔ دلوں کی ویرانی تو لاجواب تھی۔ ہر کوئی اس وقت اپنے اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ لیکن کہیں کچھ فاصلے سے دھیمی سسکیوں کی آوازیں سفر کر رہی تھیں۔

وہ شخص کمبل کے اندر منہ دیئے پچھلے ایک گھنٹے سے رو رہا تھا۔ اُسے صرف کمبل کا سہارا تھا ورنہ اس کی آوازوں کو کمرے سے باہر جانے سے کوئی روک نہ سکتا۔

اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں کے آگے سے وہ منظر نہیں ہٹتا تھا۔ اپنی بہن کا سفید اور نیلا چہرہ اُسے سونے نہیں دیتا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا راستہ رخسار تھے اور منزل بستر کی چادر تھی جہاں وہ جذب ہو رہے تھے۔

وہ تو بس یہ سوچ سوچ کر رو رہا تھا کہ کل صبح جاگ کر کیا کرے گا؟ وہ جس کے کمرے میں جاتا تھا وہ انسان تو دنیا سے جا چکا تھا۔ اب اس کے روز صبح چھ بجے اٹھنے کا فائدہ ہی کیا تھا۔

مزید چند منٹ اس کی زرد آنکھوں سے موٹے موٹے قطرے نکلتے رہے۔ لیکن پھر ایک احساس نے اُسے چاروں اور سے گھیر لیا۔ کوئی اُس کے بہت نزدیک آکر لیٹ گیا تھا۔ کسی نے اُسے حصار میں باندھ لیا تھا۔ کسی نے اُسے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

"وجی میری جان۔۔" نرم آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ اس کا بڑا بھائی اس کے پاس تھا۔ وہ پیچھے مڑا اور اس کے سینے سے لپٹ گیا۔

اب کہ اس کے رونے میں اضافہ ہوا تھا۔ رونا آسان ہوتا ہے۔ پر روتے ہوئے انسان کو چپ کروانا پہاڑ سر کرنے سے بھی کٹھن۔

وہ وہاج کی رگ رگ سے واقف تھا۔ کیونکہ اُس کی تربیت اُس نے خود کی تھی۔ اُس نے وہاج کو ایک بیٹے کی طرح پالا تھا۔ وہ اُس سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتا تھا۔

Clubb of Quality Content

اور پھر اپنے ہی بچے کو بلکتے ہوئے دیکھنا اس کے لیے کلیجہ کٹ جانے کے مترادف تھا۔ وہ روتے روتے خود ہی چپ کر گیا۔ پھر چہرہ اوپر کر کے اپنے بھائی کے چہرے کو دیکھا جس کا بازو اب اس کے آنسو تر کر چکے تھے۔

"آپ تو مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے ناں۔" سرگوشی نما بہت دھیمی آواز اس کے حلق سے نکلی تھی۔

وہ ہولے سے مسکرایا۔ "تمہیں چھوڑ کر کہاں جاؤں گا، و.جی؟"

Clubb of Quality Content!

وہ اب دھیرے دھیرے بستر پر اٹھ بیٹھ رہا تھا۔ المیر نے ہاتھ بڑھا کر ریموٹ اٹھایا اور کمرے کی بتیاں جلادیں۔ "مجھ سے پرامس کریں کہ عالیہ آپی کے قاتل کو نہیں چھوڑیں گے۔"

"جس دن عالیہ کے قاتل کی گردن میرے شکنجے میں آگئی۔ اس دن میری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ پھر چاہے مر بھی جاؤں.. کوئی ملال باقی نہیں رہے گا۔"

اس نے ہونٹ آپس میں پیوست کر لئے۔ بھینویں تنگ کر کے بھائی کو دیکھا۔"آئندہ اگر مرنے کی بات کی ناں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"شہادت کی انگلی دکھاتے ہوئے بات مکمل کی۔

"کیا کر لو گے ؟"بھائی کو واپس اپنی پر آتے دیکھ کر اس نے تھوک نگلا۔

"رونے لگوں گا۔"

اتنی معصومیت تھی آواز میں۔اور آنکھوں میں تو پھر سے آنسوؤں کا سیلاب جمع ہونے کو بے تاب تھا۔المیر چہرہ جھکا کر ہنسا۔یہ لڑکا کیا چیز تھا۔

"اب روئے تو مار کھاؤ گے۔"دھمکی کے ساتھ ہی ہاتھ ہوا میں اٹھالیا۔وہاج اُسے گلہ کناں نظروں سے دیکھنے لگا۔"آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں؟"

ناولز کلب
Club of Quality Content

"نہیں وجی۔ یہ میرا تم سے پیار کرنے کا طریقہ ہے۔" شرارت بھری نظریں بھوری آنکھوں سے ملائیں۔ وہ اُسے نارمل کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بس وہاج کی ایک مسکراہٹ سے اس کا موڈ ٹھیک ہو جائے گا۔

"عالیہ آپی تو ایسے پیار نہیں کرتی تھیں۔" پہلو میں گرے ہاتھوں کو آپس میں پیوست کرنے لگا۔ المیر نے ایک گہری سانس اپنے اندر کھینچی۔

"وجی۔۔ میں عالیہ نہیں ہوں۔ میں کبھی تمہارے لئے عالیہ نہیں بن سکتا۔ نہ کبھی بن پاؤں گا۔ لیکن... میں چاہتا ہوں جب بھی تمہیں کوئی مسئلہ ہو تو تم میرے پاس آؤ۔ جیسے تم عالیہ کے پاس جاتے تھے۔" ہاں وہ جب جب عالیہ کا نام اپنی زبان پر لاتا تو اس کے دل میں ٹیس اٹھتی۔

"لیکن پھر آپ نے مسئلہ سنتے ہی مجھے گھر سے نکال دیا تو؟" مقابل نے آنکھیں گھمائیں۔

"آج تک میں نے کبھی تمہیں گھر سے نکالا ہے؟"

"پکاناں۔۔؟نہیں نکالیں گے؟"اس نے سر اثبات میں ہلایا تو وہاج اس کی طرف لپکا۔بازو اس کے ارد گرد حائل کر لئے۔

"مجھ سے ناں... غلطی سے آپ کی راڈو کی گھڑی زمین پر گر کر ٹوٹ گئی۔"کان میں سرگوشی کی پھر فوراً پیچھے ہوا اور ہاتھ ہوا میں اٹھا دیے۔

المیر کی آنکھوں میں غصے کی لہر دیکھی۔"ابھی تو آپ نے کہا تھا..."

"میں نے کہا تھا گھر سے نہیں نکالوں گا۔یہ کب کہا کہ ماروں گا نہیں؟"وہ روہانسی سا ہوتا بستر کی چادر کو دیکھے گیا۔اب تو مار پڑنی ہی پڑنی تھی۔

"میرے پاس بیس اور بھی گھڑیاں ہیں۔چاہو تو سب توڑ دو۔میں نئ خرید لوں گا۔"اس کے ہونٹوں پر دھیمی دھیمی مسکان ابھرتے دیکھی تو وہ بھی کھل کر مسکرایا۔

"توڑ دوں؟سچ میں؟"

"غلطی سے توڑنے کی بات ہو رہی ہے یہاں پر۔ جان بوجھ کر توڑو گے تو پھینکے کے ساتھ الٹا لٹکا دوں گا۔" جملہ مکمل ہوتے ہی اس نے دونوں بازو آنکھوں کے آگے رکھے اور بستر پر منہ کے بل لیٹ گیا۔

کتنا ڈرامے باز تھا یہ لڑکا۔ اس نے سر دائیں بائیں ہلایا پھر اس کے ساتھ ہی بستر پر گر پڑا۔ اگلے دس منٹ کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ وہاج سو چکا تھا جبکہ المیر چھت کو گھور رہا تھا۔

خود کو خیالات سے نکالتے اس نے آنکھیں بند کیں اور پچھلے پانچ دنوں کا تھکا ہارا وہ پانچ منٹ کے اندر اندر سو گیا۔

دیوار پر لگی گہرے نیلے رنگ کی گھڑی صبح کے سوا گیارہ بجا رہی تھی۔اس کمرے میں کھڑکی کے ذریعے آتی پیلی دھوپ اس کی آنکھوں میں گھر کر رہی تھی۔ چہرہ صرف ایک دن بخار کے زیرِ اثر رہنے کے باعث سکڑ گیا تھا۔

اس کی نازک انگلیاں لیپٹاپ کے کیبورڈ پر ناچ رہی تھیں۔ سر تھا کہ درد سے پھٹ رہا تھا۔وہ چاہتی تو آج بھی کام سے چھٹی لے لیتی لیکن گھر بیٹھ کر بھی تو اسے پریشانی ہی ہونی تھی تو اچھا تھا کہ کام کر لے تاکہ اس کا دھیان آگے پیچھے ہو۔

آج جمعہ تھا یعنی اُسے صرف یہاں شام پانچ تک ہی کام کرنا تھا۔ فیلڈ ورک کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ آج آرٹیکل پر ہی کام کر لے۔اس لئے اس نے مومن علی کو اپنی جگہ ایک جائے واردات پر بھیجا تھا۔

اس نے ارادہ کیا تھا کہ ایک عدد ہفتے تک دوبارہ خلیل منزل جا کر چکر لگائے گی اور اپنا فرض پورا کر دے گی۔اب روز روز جانا بھی معقول نہیں لگتا تھا۔اور ویسے بھی اس گھر کے کچھ مخصوص لوگوں کی شکلیں دیکھنے کے بعد اس کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔

سوچوں سے نکلتے ہوئے وہ واپس اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

مہوین اس وقت ہسپتال میں موجود تھی۔ معمول کے مطابق آج کے دن اس کے کمرے کے باہر مریضوں کی بھیڑ زیادہ تھی۔

اس وقت اس کی لنچ بریک چل رہی تھی۔ جس کو ختم ہونے میں دو منٹ باقی تھے۔انڈے والے برگر کا آخری لقمہ منہ میں ڈالتے ہی اس نے ٹیبل پر رکھی گھنٹی بجائی۔اس گھنٹی کی آواز پر اگلا مریض کمرے میں داخل ہوا۔

مہوین اپنی پانی کی بوتل کو ہونٹوں سے لگائے پانی حلق سے نیچے اتار رہی تھی جب وہ ٹیبل کے اس پار رکھی کرسی پر آکر بیٹھا۔اس کی نظر اس چہرے پر گئی اور واپس پلٹنا بھول گئی۔

اس شخص کی سبز آنکھیں تھیں۔وہ ان آنکھوں کو پہچانتی تھی۔وہ ان زمرد رنگ آنکھوں کو کیسے بھول سکتی تھی؟

پانچ سال قبل

سنہرے بالوں والی وہ بیس سالہ لڑکی پولیس اسٹیشن کے باہر گم سم سی کھڑی تھی۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔جنوری کی ایک ٹھنڈی شام نے اس کا دل دہلا کر رکھ دیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ ڈر کی وجہ سے تھانے کے اندر نہیں جا پا رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے مسلسل پانی نکل رہا تھا۔کچھ ٹھنڈ کی شدت سے اور کچھ آنسو شامل تھے۔

اُسے دروازے کے پاس ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔اس نے پولیس کی وردی پہن رکھی تھی اور تیس سے پینتیس سال کا معلوم ہوتا تھا۔اس کی نظر اس پر پڑی تو وہ فوراً تھانے کے دروازے سے باہر آیا۔

"کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے رعب دار آواز میں پوچھا تو وہ سہم کر پیچھے ہوئی۔

"مجھے۔۔ وہ میں۔۔" گھبراہٹ اور رونے کی وجہ سے اس کی زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔

مقابل نے آنکھیں گھمائیں اور واپس تھانے کے اندر چلا گیا۔ اس کو اندر جاتا دیکھ کر اس کے رونے کی آواز مزید بلند ہو گئی۔

"کون ہے باہر؟" بھاری مردانہ آواز اُسے تھانے کے اندر سے آئی۔

"ایک لڑکی ہے، سر۔ مسلسل رو رہی ہے۔" اسی اہلکار نے اس آدمی کے سوال کا جواب دیا۔

کچھ پل کے تعاقب کے بعد پھر سے آواز آئی۔ "راحم، ذرا باہر جا کے چیک کرنا۔"

قدموں کی آواز آئی۔ کوئی باہر آیا۔ عین اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

روتی ہوئی مہوین کا سر جھکا ہوا تھا۔ اُس جھکے سر کے ساتھ اس کی نظر سامنے موجود انسان کے جوتوں پر پڑی۔

اس نے سیاہ رنگ کے جوگرز پہن رکھے تھے۔ وہ روتے روتے کچھ پل کے لیے خاموش ہوئی۔ اس نے چہرہ اوپر کر کے مقابل کو دیکھا اور وہ دیکھتی ہی چلی گئ۔

Clubb of Quality Content

زندگی میں پہلی مرتبہ مہوین امین کسی پر سے نظریں ہٹانا بھول گئ تھی۔

اس اونچے قد کاٹھ والے کاپ کی سبز آنکھیں تھیں۔ ایسی کہ اگلا بندہ اپنی ہی آنکھوں کا رنگ بھول جائے۔ اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی تھی۔ وہ بائیس سے پچیس سال کا معلوم ہوتا تھا۔

وہ اُسے ٹِکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ کہ اُسے اپنے ارد گرد کے منظر کا احساس ہوا۔اُس نے پلک جھپکائی۔

اس شخص نے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا اور اُس تک آیا۔ "تم یہاں کیسے آئیں؟" اس کی آواز بالکل اس کے چہرے کے مطابق تھی۔۔ میٹھی۔

رونا تو پہلے ہی اس نے بند کر دیا تھا لیکن رونے کی وجہ سے ہچکی اُسے ابھی بھی لگی ہوئی تھی۔ اس شخص نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سامنے کیا جس میں اس نے پانی کی بوتل تھام رکھی تھی۔

"یہ لو۔ پیو اسے۔" اس کی آواز میں ایک نرم گوشہ تھا۔ مہوین نے ایک نظر اس پر ڈالی اور دوسری اس کے ہاتھ میں پکڑی بوتل پر ڈالی۔

Clubb of Quality Content!

اس نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا اور پھر جیسے اُسے معاملہ سمجھ میں آیا۔"پانی ایک دم صاف ہے اور بوتل بھی جھوٹی نہیں ہے۔"یہ کہتے ہوئے وہ مسکرایا۔اس کے گال میں ایک گڑھا نمودار ہوا۔

سبز آنکھیں کم جان لیوا تھیں کہ اب رخسار پر ایک گڑھا بھی اُسے دکھ گیا تھا؟

اس نے چہرے سے نظر ہٹائی تو اپنے ہاتھوں کو آگے کرتے اس کے ہاتھ سے بوتل تھام لی۔ اس کا ڈھکن آہستہ آہستہ کھولتے اس نے اُسے لبوں سے لگایا۔

"میں تمہیں تھانے کے اندر آنے کا نہیں کہوں گا۔لیکن میرے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تم رو کیوں رہی ہو۔"اس نے اپنے لہجے کو مزید نرم کرتے ہوئے اس کو سمجھانا چاہا۔

پانی پی کر اس نے بوتل مقابل کی طرف بڑھا دی۔

Clubb of Quality Content

بہت ہمت کر کے اس نے اپنی لڑکھڑاتی زبان کو بولنے پر آمادہ کیا۔"میرے ساتھ میری سہیلیوں نے بہت برا کیا۔"

پتلی، سریلی سی آواز پر اس شخص نے چونک کر دیکھا۔ لگتی تو وہ بیس سے بائیس سال کی تھی پر آواز اس کی بچوں جیسی تھی۔

"کیا کیا انھوں نے؟" چہرے پر الجھن کے تاثرات سجاتے اس نے مہوین سے پوچھا۔

"انھوں نے مجھے ڈیئر دی کہ میں کریانے کی دکان سے پانچ پانی کی بوتلیں لے کر آؤں۔ جب میں بوتلیں خرید کر واپس آئی تو گاڑی جا چکی تھی۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔"اس نے معصومیت سے کہا تو وہ شخص ہلکا سا مسکرایا۔

"ہوں۔۔ چلو ایک کام کرتے ہیں۔ تم مجھے ان کے نام بتاؤ۔ میں ان کے ناموں کی ایف آئی آر کاٹ دیتا ہوں۔"اس نے تجویز کی۔ حالانکہ وہ ایسا کرنے نہیں والا تھا پر وہ اس روتی ہوئی لڑکی کا دل توڑ کھ ہی سکتا تھا۔

"ایسا بھی ہوتا ہے؟"اس نے آنکھیں پھیلا کر کہا تو سامنے والے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اس کے گال پر گڑھا ایک دفعہ پھر سے نمایاں ہوا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔" بالکل ہوتا ہے ناں۔ کیوں نہیں ہوتا؟ میں ابھی فائل لے کر آتا ہوں۔" کہہ کر وہ تھانے کے اندر چلا گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں ایک سفید کاغذ اور پین تھا۔

مہوین تجسّس سے سامنے والے کی ایک ایک حرکت کو پرکھ رہی تھی۔"اپنا نام بتاؤ۔"اس نے کہا تو مہوین سوچ میں پڑ گئی۔ کیا اُسے اپنا اصل نام بتانا چاہیے تھا؟

کچھ سوچنے کے بعد پھر سے بولی۔"وینی۔"کاپ نے چونک کر اوپر دیکھا۔ اس لڑکی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ جھوٹ کہہ رہی تھی۔ اس نے اس بات کو جانے دیا۔ وہ بھی کون سا سچ مچ کی ایف آئی آر کاٹ رہا تھا۔

"اب ایک ایک کر کے سب سہیلیوں کے نام بھی بتاؤ۔" مہوین نے دھیمی آواز میں چاروں کے نام بتائے۔

لکھنے کے بعد اس نے کاغذ کو جیب میں رکھ لیا۔ مہوین کو اس کی حرکت عجیب لگی پر اس نے کہا کچھ بھی نہیں۔

وہ شخص اب اپنی سبز آنکھوں سے مہوین کو دیکھ رہا تھا جیسے کسی بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہو۔ "تم کتنے سال کی ہو؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"بیس سال کی۔" تو اس کا اندازہ ٹھیک تھا۔

"موبائل فون۔۔ نہیں ہے پاس؟" چونکہ اتنے سال کی لڑکیاں تو آج کل فون کے بغیر گھروں سے نکلتی بھی نہیں تھیں۔۔ اس لئے اس نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

"تھا پر وہ گاڑی میں ہی رہ گیا۔" مقابل نے اثبات میں سر ہلایا۔ "گھر پر کوئی ہے جو تمہیں یہاں سے لے جاسکے؟" مہوین نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ جانتی تھی کہ اس کی بڑی بہن اشفا امین اس وقت گھر پر ہوگی لیکن اُسے آتے آتے کافی وقت لگتا کیونکہ وہ ٹیکسی میں آتی اور ٹیکسی ان کے محلے میں ملتی بھی بہت مشکل سے تھی۔

"تو پھر۔۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے اپنا رُخ تھانے کی طرف کر گیا۔ "منور بھائی۔۔!" اس نے آواز لگائی۔ آواز لگانے پر وہی اہلکار اس کی طرف آیا جو کچھ دیر پہلے آنکھیں گھما کر یہاں سے گیا تھا۔

"آپ اس کو گھر چھوڑ دیں گے؟" اس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ مہوین حیران ہوئی اور اس کے اعصاب تن گئے۔ وہ فوری طور پر راحم کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ راحم نے چونک کر پیچھے دیکھا تو وہ لڑکی عین اس کے پیچھے موجود تھی۔ وہ اس کے کندھے سے بھی نیچے تک آتی تھی۔ وہ اپنی بھوری آنکھوں میں امید لئے اُسے دیکھ رہی تھی۔

Clubb of Quality Content!

"کیا ہوا؟"اس نے اس لڑکی کی طرف اپنا رخ کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ چند قدم پیچھے لے گئی۔

"میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"اس شخص نے اس بات پر ایک ابرو اُچکائی۔

"اچھا چلیں، منور بھائی۔۔۔آپ رہنے دیں۔ میں خود چھوڑ آتا ہوں۔"مہوین کے چہرے پر ایک چھوٹی سی مسکان نے احاطہ کر لیا۔

منور صاحب جب اندر گئے تو وہ پھر اس کی طرف مڑ گیا۔"میں تو چھوڑ کے آسکتا ہوں ناں؟" مہوین اس کے پوچھنے پر خوش ہوئی اور فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

Clubb of Quality Content

"ٹھیک ہے۔۔میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔ تم تب تک یہ میرا فون لو اور گھر پر اطلاع کر دو۔" اس نے اپنا فون جیب سے نکالتے ہوئے مہوین کے ہاتھوں میں تھمایا اور خود گاڑی لینے کے لئے چلا گیا۔

پیچھے کھڑی مہوین نے پہلے اس کے فون کی اسکرین دیکھی جس پر اسی شخص کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ وہ اس تصویر میں کھل کر مسکرا رہا تھا۔ پھر مہوین نے اشفا کا نمبر ملایا تاکہ اُسے آگاہ کر سکے۔

موجودہ روز

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"السلام و علیکم۔" وہ بھاری مردانہ آواز تھی۔ اب اس آواز میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اگر کچھ نہیں بدلا تھا تو وہ اس کی آنکھیں تھیں۔

وہ اتنے سالوں بعد اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ مہوین کے لئے یقین کرنا مشکل تھا۔ یہ کیا ماجرا تھا؟ جس چہرے کو وہ لاکھوں کی بھیڑ میں ڈھونڈا کرتی تھی آج وہی چہرہ اُسے تنہائی میں نظر آ گیا تھا۔

اس نے بوتل میز پر رکھی اور کن آکھیوں سے سامنے والے کو دیکھا۔ کیا وہ آج بھی مہوین کو پہچانتا ہو گا؟

"وعلیکم السلام۔" اس کی زبان سے مشکل سے الفاظ ادا ہو پائے تھے۔ برسوں پہلے اور آج کے دن میں کچھ بھی الگ نہیں تھا۔ اُس وقت بھی مہوین کی زبان لڑکھڑائی تھی اور آج بھی اُسے مشکل کا سامنا تھا۔

"میں آپ سے کسی کے بارے میں کچھ جاننے آیا ہوں۔" اس نے صاف گوئی سے اُسے بتایا۔ پانچ سال پہلے بھی اس شخص نے اپنا تعارف نہیں کروایا تھا اور آج بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔

"آپ کا تعارف؟" خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس نے پشت کرسی کے ساتھ ٹکالی۔ اُسے خود کو نارمل ظاہر کرنا تھا۔

"میں راحم رضا احمد ہوں۔" مہوین کے چہرے کے تاثرات پل میں بدلے۔اس نام کو جاننے کے لئے مہوین نے دو ہفتوں تک کتنی ہی کوشش کی پر وہ ناکام ثابت ہوئی اور آج خود اس نام کا مالک اس تک چل کر آیا تھا۔

بھوری آنکھیں سبز آنکھوں والے شخص کے کے تاثرات پڑھ رہی تھیں۔"اور آپ کس سلسلے میں آئیں ہیں ادھر؟"

"میری بیوی آپ کے پاس آتی رہی ہے۔مجھے اس کے بارے میں جانکاری چاہیے۔"بیوی؟ یہ شخص شادی شدہ تھا؟

اس ایک پل کے لئے مہوین کی سوچ کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی۔ان کی آخری ملاقات کو پانچ برس بیت چکے تھے۔آج نہیں تو کل اس شخص نے شادی تو کرنی ہی تھی۔اور مہوین امین کو آج تک کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا تو آج کیوں پڑتا؟اس نے خود کو دلاسہ دیا۔

اب وہ اتنی بدلحاظ بھی نہیں تھی کہ ایک شادی شدہ آدمی کو سوچنے بیٹھ جاتی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا بہت سال پہلے ہوا تھا۔ مہوین امین اس واقعے سے بہت آگے نکل آئی تھی۔

"کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟" اس نے اپنے آپ کو سوچوں کی دنیا سے باہر نکالا۔

"عالیہ۔ میں عالیہ خل-" وہ رکا۔ جیسے اُسے اچانک سے کچھ یاد آگیا ہو۔ "میں عالیہ اشفاق کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔" یہ شخص عالیہ کا شوہر تھا؟ اُسے حیرانگی نے آن گھیرا تھا۔

عالیہ خلیل کی جگہ عالیہ اشفاق کا نام عالیہ کے کمرے سے ملی گئی اسی ہسپتال کی فائل پر دیکھ کر وہ کل سے حیرت میں تھا۔

"آپ ان کے بارے میں کیوں جاننا چاہتے ہیں؟ اور وہ آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئیں؟" اُس کا پارا اب شدید اونچائی پر پہنچ چکا تھا۔ چھ مہینے۔ چھ مہینوں کے بعد اُس کے گھر سے کوئی اُس کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ کوئی اتنا بے حس کیسے ہو سکتا تھا؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ۔۔"وہ کچھ لمحوں کے لئے رک گیا۔ جیسے جو بات وہ کہنے لگا ہے اس کے لئے الفاظ اکھٹے کر رہا ہو۔"۔۔میری وائف کا انتقال ہو گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے راحم کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"انتقال؟ یا اللہ! کیسے ہوا یہ؟"اُسے شدید قسم کا جھٹکا لگا کہ وہ کچھ آگے کو ہوئی۔اس کا دماغ جیسے اس ایک سیکنڈ کے لیے کام کرنا چھوڑ گیا تھا۔

"یہی جاننے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔"مقابل کی بات نے اُسے حیران بھی کیا تھا اور پریشان بھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟"اس نے دکھ بھری آواز میں اس سے پوچھا۔ایک طرف اُسے عالیہ کے انتقال کا دکھ بھی تھا اور ایک طرف اُسے سامنے بیٹھے شخص پر غصہ بھی تھا۔ ایک شوہر اپنی بیوی کی حالت سے اس قدر غافل کیسے رہ سکتا ہے؟

"عالیہ ذہنی تناؤ کا شکار تھی۔یہ بات تو میں جانتا ہوں۔پر اس کے پیچھے کی وجہ مجھے آپ سے جاننی ہے۔"مہوین کو اس کی بات قدرِ عجیب لگی۔

"آپ نے ابھی کہا آپ ان کے شوہر ہیں۔اس بات کا علم تو پھر مجھ سے زیادہ آپ کو ہونا چاہیے۔"اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہی تھے کہ مقابل کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

"عالیہ میری منکوحہ تھیں۔میں ان کے بارے میں اتنا ہی جان پایا ہوں جتنا وہ بتانا چاہتی تھیں۔"یہ کہتے ہوئے راحم کے چہرے پر دکھ،درد اور قرب کے نشان واضع تھے۔

مہوین نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔"دیکھیں سر،ایک سائکاٹرسٹ اور اس کے مریض کے درمیان ہونے والی گفتگو کا حرف بہ حرف کانفیڈنشل ہوتا ہے۔میں کسی بھی صورت ان کے اور اپنے درمیان ہونے والی گفتگو سے آپ کو آگاہ نہیں کر سکتی۔یہ ہسپتال کے اصولوں کے خلاف ہے۔پہلے نوٹس ایشو کروائیں یا نکاح نامہ لے کر آئیں۔تب ہی میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ورنہ آئی ایم سوری۔"

"میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ میں اس کا شوہر ہوں اور اس کا انتقال ہو چکا ہے اور آپ مجھے آگے سے ہسپتال کے اصولوں سے آگاہ کر رہی ہیں؟ کیا ایسے کام کرتی ہیں آپ؟" اس کی آواز میں طوفان کی سی سختی در آئی تھی۔ اس نے غصے سے میز پر ہاتھ رکھا۔

اس کی یہ حرکت دیکھتے ہوئے مہوین امین کے اعصاب تنے۔ "مجھے میرا کام سکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ کو اپنی منکوحہ اتنی ہی پیاری تھی تو کیوں کر اتنے مہینے اس سے غفلت برتی رکھی؟"

یہ الفاظ مقابل کے منہ پر کسی طمانچہ سے کم نہیں لگے تھے۔ وہ اُسے آئنہ دکھا رہی تھی۔

عالیہ کے قاتل تک پہنچنے کے لئے یہ لڑکی اس کی آخری امید تھی۔ وہ اس امید سے بھی ہاتھ دھو کر بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے تاثرات نرم کیا اور امید سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ مجھے اس کے بارے میں بہت کچھ نہیں تو ایک دو باتیں ہی بتا دیں تو۔۔"اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا لیکن سامنے بیٹھی لڑکی پر تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

"میں نے کہا ناں... میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"اس نے ترخ کر جواب دیا۔

راحم کو غضب قسم کا غصہ آیا۔"میں اے ایس پی راحم رضا احمد ہوں۔شاید آپ ابھی مجھے ٹھیک سے جانتی نہیں ہیں۔"

"مسٹر راحم رضا احمد۔۔"وہ یہ کہتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔اپنے دونوں ہاتھ میز پر جمالئے۔"آپ اے ایس پی ہوں گے اپنے تھانے میں۔اس وقت آپ جس کمرے میں موجود ہیں وہ کمرہ میرا ہے اور اس کے باہر ایک تختی لگی ہے جس پر میرا نام لکھا ہوا ہے یعنی مہوین امین۔شاید آپ ابھی مجھے ٹھیک سے جانتے نہیں ہیں۔"اس نے آپ پر زور دیتے ہوئے اسی کے الفاظ اس کے منہ پر دے مارے تھے۔

راحم رضا احمد کے جسم میں تو جیسے آگ لگ گئی تھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پورے ہسپتال کو آگ لگا دے۔

بنا کچھ کہے وہ بھی کرسی سے اٹھ گیا۔اس کی شعلے برساتی سبز آنکھیں ابھی بھی مہوین امین پر مرکوز تھیں۔

"آپ سے جانکاری نہ نکلوائی تو میرا نام بھی راحم رضا احمد نہیں۔" ایک آخری نگاہ اس لڑکی پر ڈالتے وہ وہاں سے نکل گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

لیکن ابھی وہ اس بات سے واقف نہیں تھا کہ اگر کوئی بات مہوین امین نہیں بتانا چاہتی تھی تو پوری دنیا بھی مل کر اس سے وہ بات نہیں نکلوا سکتی تھی۔

کھڑکی سے پردے ہٹاتے ہوئے وہ کرسی کھینچ کر میز کے سامنے بیٹھ گیا۔میز کے اوپر لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا جس میں پچھلے ایک مہینے کی سی سی ٹی وی فوٹیج کی ریکارڈنگ کھلی ہوئی تھی۔

ابھی سے ٹھیک پانچ منٹ پہلے المیر وہاج کو ریکارڈنگ کھولنے کا حکم دے کر گیا تھا۔

کھڑکی سے باہر سورج اپنی آب وتاب سے چمک رہا تھا۔دوسری طرف لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نمودار ہونے والی وہ ریکارڈنگ دراصل گھر کے دروازے کی تھی۔المیر یہ پتا کرنا چاہتا تھا کہ عالیہ سے ملنے جو اس کی دوست آیا کرتی تھی وہ کون تھی؟ کیا المیر اُسے جانتا تھا؟

Clubb of Quality Content!

اب سوال یہ اٹھتا تھا کہ ریکارڈنگ سے یہ بھی تو پتا کروایا جا سکتا تھا کہ انیس دسمبر کی صبح گھر میں کون داخل ہوا تھا جس نے عالیہ کو قتل کیا تھا؟ دراصل سولہ دسمبر کے روز ایک شدید آندھی اور پھر بارش کی وجہ سے کیمرا ٹوٹ کر نیچے گر گیا تھا اور شاید اسی بات کا فائدہ قاتل نے اٹھایا تھا۔

ریکارڈنگ آگے آگے کر کے دیکھتے ہوئے ابھی تک تو وہاج کی نظروں سے اس لڑکی کا گزر نہیں ہوا تھا۔اس نے ریکارڈنگ کی رفتار بڑھا دی۔

اتنے میں المیر وہاج کے کمرے میں داخل ہوا۔اس نے بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی اٹھا کر وہاج کی کرسی کے بغل میں رکھ دی اور اس پر بیٹھ گیا۔

اب وہ دونوں ریکارڈنگ میں ہر آنے جانے والے کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔کافی تاریخیں گزر چکی تھیں ابھی تک تو اس لڑکی کا گزر نہ ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کہ اچانک ریکارڈنگ میں خلیل منزل کے باہر ایک رکشہ آ کر رکا جس میں سے ایک لڑکی نکلی۔اس نے جامنی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے اور سر پر اسی رنگ کا دوپٹہ لیا ہوا تھا۔
المیر نے وہاج کو اشارہ کیا تو وہاج نے فوراً لڑکی کے چہرے پر زوم کیا۔

اس کا چہرہ جھکا ہوا ہونے کے باعث کیمرے میں کچھ صحیح سا دکھ نہیں سکا۔لیکن جتنی جھلک دکھی تھی۔۔ان کے لیے کافی تھی۔

"اس کے چہرے کا پرنٹ آؤٹ نکالو۔" وہ ایستادہ ہوا۔ جا کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا جہاں سے گیٹ کے باہر کا منظر ایک دم صاف نظر آتا تھا۔

پھر اس نے اپنی سُرمئی آنکھیں کھڑکی سے ہٹائیں تو پاس رکھے میز پر ٹھہرا لیں۔ یہ کاغذ کیا تھا؟

"وہاج، یہ کیا ہے؟" وہاج جو کہ پرنٹ نکال رہا تھا، پیچھے کو مڑا۔ جھٹ سے اس نے اپنا چہرہ آگے کر لیا۔ اب تو اس کی حوصلہ افزائی پکی تھی۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے۔" اس نے غصے سے کہا تو وہاج کے چہرے پر ڈر کے اثرات نمایاں ہوئے۔

"موت کا منظر ہے بھائی۔" اس نے چہرے پر معصومیت اور ڈر کے ملے جلے تاثرات سجا لئے۔

"تمہارا میں کیا کروں، وجی؟" المیر نے اُکتائی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی تو وہاج نے آنکھیں ٹمٹماتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"بھائی، انگلش کا پرچہ تو میں نے ایک دم فرسٹ کلاس دیا تھا۔ فیل پتا نہیں پھر کیسے ہو گیا۔" اس نے اداس چہرے سے المیر کو کہا تو المیر نے بے زاری سے سر ہلایا۔

"رات کو سونے سے پہلے میرے کمرے میں آنا۔ ابھی تو مجھے بہت کام ہے اب رات میں ہی بات ہو گی۔" وہ پرنٹر کی طرف بڑھا اور اس میں سے وہ سفید کاغذ نکال لیا جس پر اس لڑکی کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔

عالیہ کے مرڈر کو آج بارہ روز ہو گئے تھے۔ المیر نے ہر حربہ آزما لیا تھا لیکن ابھی تک اُسے عالیہ کی سہیلی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو پایا تھا۔

آج وہ ایک اور کوشش کرنے اپنے دشمن کے گھر جا رہا تھا۔

اتنے سالوں میں آج پہلی مرتبہ اُسے دشمن کی مدد کی اشد ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ وہ اپنی بہن کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ پھر چاہے وہ دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیکنا ہی کیوں نہ ہو۔

وہ گاڑی میں بیٹھا تو اس کی نظر سامنے لگے شیشے پر پڑی جس میں اُسے ایک شخص پچھلی نشست پر بیٹھا نظر آیا۔

اس کے بھورے بال بکھرے ہوئے تھے۔ بھوری آنکھوں پر چشمہ لگا رکھا تھا۔ "ہائے برو۔"

"وجی۔۔میں کام سے جارہا ہوں، یار۔ تمہیں اپنے ہمراہ لے کر نہیں جا سکتا۔"وہاج نے آگے والی نشستوں پر دونوں ہاتھ جمائے اور کچھ آگے کو ہوا۔

"آپ کام سے امین ہاؤس جارہے ہیں ناں ؟اگرہاں تو میں بھی ساتھ چلوں گا۔اشفاآپی نے پہل کر کے ساری ناراضگی ختم کر دی۔اب ہمارا ابھی کام بنتا ہے کہ ۔"المیر نے اس کی بات کاٹی۔

"آگے آکر بیٹھو۔"وہاج کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔وہ فوراًپچھلی نشست سے آگے آیا۔

المیر نے گاڑی کو منزل کی طرح روانہ کر دیا۔

Clubb of Quality Content!

گاڑی ایک دم سے اس گھر کے باہر رکی جہاں کسی زمانے میں المیر آیا کرتا تھا۔اپنی پیشانی سے سیاہ رنگ بالوں کو پیچھے کی طرف کھسکاتے ہوئے وہ ڈرائیونگ سیٹ سے باہر نکلا۔ پھر اس کے پیچھے پیچھے وہاج بھی دوسری طرف سے باہر آیا۔

اس نے سفید رنگ کی شرٹ پر بھوری جیکٹ پہن رکھی تھی جبکہ المیر نے ہمیشہ کی طرح سیاہ رنگ پہنا ہوا تھا۔دونوں کی ایک ایک کلائی میں گھڑی موجود تھی۔

المیر خلیل آج زندگی میں پہلی دفعہ اس شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی کے گھر کے اندر داخل ہو رہا تھا۔وہ دونوں گیٹ کے باہر رکے۔المیر نے ہاتھ بڑھا کر گھنٹی بجائی۔

قریب پانچ منٹ کے بعد اندر سے ایک آواز آئی۔"کون؟"اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"اشفا آپی۔۔"اس کے کانوں میں وہاج کی شرارتی آواز پڑی۔پہلے تو چند لمحے وہ اس آواز کو پہنچانے کی کوشش کرتی رہی لیکن پھر اس نے دروازہ کھولا تو اُسے وہاج کا عکس دکھا۔پھر چند ہی لمحوں کے تعاقب کے بعد کوئی گھر سے باہر گیٹ کھولنے کی غرض سے آیا۔

اس کے بال اونچی لمبی پونی ٹیل میں بندھے تھے۔ایک دو بھوری لٹیں پیشانی پر منتشر تھیں۔رخسار سرخ تھے کیونکہ وہ ابھی ابھی فرنیچر کی صفائی کر کے آرہی تھی۔فیروزی مائل سبز رنگ کی شلوار قمیض پہنے ہوئی تھی۔جس پر سنہرے دھاگے سے باریک کام واضع تھا۔ سر پر اور شانوں پر ڈھیلا سا سنہرا دوپٹہ ہمیشہ کی طرح جھول رہا تھا۔

Clubb of Quality Content!

گیٹ کھلا تو ایک چہرہ سامنے آیا۔"وہاج۔۔" اس کی نظر پہلے وہاج پر پڑی تو وہ مسکرائی۔وہاج نے کتنا قد نکال لیا تھا۔

پھر نظر اس کے ساتھ کھڑے المیر پر پڑی تو اس کی مسکراہٹ سمٹی۔آنکھیں ثانیے بھر کے لئے پھیلیں۔دل زور سے دھڑکا۔

اس کی مسکراہٹ غائب ہوتے دیکھ کر المیر نے ہونٹ بھینچ لئے۔اُسے اسی کی توقع تھی۔

"کیسے ہو، وہاج؟" اشفا نے المیر کو نظرانداز کر دیا۔ پھر ایک طرف ہو گئی تاکہ وہ دونوں اندر آ سکیں۔

وہ اندر داخل ہوئے تو وہاج مڑا۔ "ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" پھر دروازے کی طرف چل دیا۔

آگے ہو کر المیر نے دروازہ پورا کھولا اور پھر گھر کے اندر داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے وہاج تو پھر اشفا بھی آئی۔

"زندہ ہوں۔" جواب پر وہاج نے حیرانی سے اس کو دیکھا۔ "آپی آپ تو دن بہ دن المیر بھائی بنتی جا رہی ہیں۔"

اشفا نے اُسے گھور کر دیکھا۔"اِن جیسا بننے کے لئے مجھے دماغ گروی رکھوانا پڑے گا۔" مطمئن انداز میں کہا گیا۔

"اتنی بیکار چیز کوئی بیوقوف ہی گروی رکھے گا۔"المیر زیرِلب بڑبڑایا۔جملہ اشفا کے کانوں تک رسائی حاصل کر تو چکا تھا پر اس نے جان کے نظرانداز کر دیا۔

المیر نے ایک طرف کھڑے ہو کر گھر کا بغور جائزہ لیا۔گھر کافی کشادہ تو نہ تھا پر خوبصورت تھا۔ہر چیز نفاست سے رکھی ہوئی تھی۔اُسے اشفا سے کسی بھی نفیس حرکت کی امید تو نہیں تھی۔یہ بھی مہوین ہی کا کام ہو گا۔اس نے دل میں سوچا۔

وہاج چلتا ہوا ہال میں رکھے صوفے پر جا بیٹھا۔جبکہ المیر ابھی بھی گھر کو کن آکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔سفید ٹائلیں چھوٹے سے ہال کی خوبصورتی کو نکھار رہی تھیں۔ایک طرف بند کچن تھا اور سامنے ہی دو کمرے تھے۔اشفا سر ہلاتی ہوئی اس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

"وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت۔۔ کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔" شعر سن کر اس نے ایک گہری آہ بھری۔

"ہو گیا؟" اس نے چہرہ موڑا اور گردن جھکا کر اشفا کو دیکھا۔

اسی پل اس نے چہرہ اوپر کر کے المیر کو دیکھا۔ "نہیں۔۔ ہو رہا ہے۔" اس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔

"کیا ہو رہا ہے؟" المیر نے الجھتے ہوئے اس سے پوچھا تو وہ ٹرانس کی سے کیفیت سے باہر آئی۔ "میرا وقت ضائع۔" کہتے ہوئے اس نے چہرے پر مسکان سجالی۔

جواب پر اس نے گہری سانس لی۔ نظر ایک بار پھر ساتھ کھڑی لڑکی پر ڈالی جو مشکل سے اس کے کندھے تک آتی تھی۔ اس شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی کے چہرے پر بلا کی خوشی تھی۔ آنکھوں میں شرارت تھی اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ شاید وہ کب سے اس شعر کو استعمال میں لانے کے انتظار میں تھی اور آج وہ دن آخر آ ہی گیا تھا۔

دور بیٹھا وہاج ان دونوں کو ساتھ کھڑے ایک دوسرے کو گھورتے دیکھ کر مسکرایا۔ اصل جنگ تو اب شروع ہونے والی تھی۔

ایک کام آخر کار المیر کو اُس گلی کھینچ ہی لایا تھا جہاں کا رُخ کبھی نہ کرنے کی اُس نے ٹھان رکھی تھی۔

اشفا اس کے پاس سے ہٹی تو اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ پھر صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "ایس ایچ او صاحب، تشریف رکھیے۔" اس کے پُر سکون لہجے میں کچھ تھا جو المیر خلیل کو کھٹکا تھا۔

سر اثبات میں ہلاتے وہ جا کر وہاج کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھتے اس نے اپنی سائرن گرے عائز سے اشفا کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

"میں آپ دونوں کے لیے کچھ پینے کے لئے لاتی ہوں۔" آگے بڑھی پر المیر کے اگلے الفاظ نے اُسے روکا۔

"مہوین گھر پر ہے؟" اشفا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بلاؤ اُسے۔" ایک ابرو اُچکاتے ہوئے اُس نے مہوین کو آواز دی اور خود کچن کی طرف بڑھ گئی۔

چند لمحوں کے تعاقب کے بعد پیلے رنگ کی فراک میں ملبوس بھوری آنکھوں والی مہوین امین اپنے کمرے سے باہر آئی۔ فراک کے نیچے چوری دار پاجامہ اور سر پر ڈھیلا سا اسی رنگ کا دوپٹہ لے رکھا تھا۔ دو انجان آدمیوں کو اپنے گھر کی وسط میں بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

پھر چھوٹے چھوٹے قدم لیتی ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اس کی نظر سب سے پہلے المیر پر پڑی۔ المیر اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ المیر بھائی یہاں کیسے؟

اگلی نگاہ المیر کے بغل میں بیٹھے اس شخص پر پڑی جو کہ ایک مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائے صوفے پر یوں بازو پھیلا کر بیٹھا تھا کہ گویا گھر کا فرد ہو۔

دونوں کی بھوری آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔وہاج مہوین کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔"آپی آپ ابھی بھی اتنی سی ہی ہیں۔"مقابل کا تو معنوں منہ ہی کھل گیا۔

"میں اتنی سی نہیں ہوں۔تم الفاٹا وربن گئے ہو،و.جی۔"وہ اپنے نام پر مسکرایا۔اس کا یہ نام مہوین ہی نے رکھا تھا اور اس کے منہ سے آج دوبارہ وہ نام سن کر اُسے بے حد خوشی ہورہی تھی۔

یونہی باتیں ہوتی رہیں۔اتنے وقت کے بعد گہما گہمی کا ماحول ان کے گھر میں سج گیا تھا۔

قریب دس منٹ کے بعد اشفاان کے سامنے حاضر ہوئی۔اس نے ایک ٹرے تھامی ہوئی تھی جس پر سفید رنگ کے دو کپ دھرے تھے۔

اس نے پہلے ٹرے وہاج کی طرف کی تو اس نے کپ اٹھالیا۔ وہاج کے ہاتھوں میں تھامے کپ سے کافی کی اٹھتی مہک نے اس کی ناک کے نتھنوں کو چھوا۔ اس نے ٹرے المیر کی طرف بڑھائی۔

"میں کافی نہیں پیتا۔" ایک نہایت ہی مدھم سی مسکان نے اس کے ہونٹوں کو چھوا۔

"جانتی ہوں۔ اسی لئے آپ کے لئے چائے لائی ہوں۔" المیر چونکا۔ دس منٹ میں اس نے چائے کے ساتھ کافی کیسے بنالی تھی؟ یہ بات اس کے لئے کافی حیران کن تھی۔

Clubb of Quality Content

اس نے ہاتھ بڑھا کر کپ اٹھالیا اور دھیرے سے "شکریہ" کہا جس پر اشفا کھل کر مسکرائی۔

وہ المیر کی چائے کو لے کر بے پناہ محبت سے غافل ہر گز نہیں تھی۔

اشفا برتن لے کر واپس کچن میں آگئی۔دوپہر کے کھانے کے بھی برتن دھلے نہیں تھے۔اس نے سوچا جب تک وہ سب باہر باتیں کر رہے ہیں برتن دھو ڈالے۔

پانی کا نل کھولتے اس نے کپ دھونا شروع کیے ہی تھے جب اُسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔سامنے دیوار پر پڑتے سائے کو دیکھ کر اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ شخص کون ہو سکتا ہے۔

"مانا میں تھوڑی سی بدتمیز ہوں پر اتنی بدتہذیب بھی نہیں کہ مہمان سے برتن دھلواؤں گی۔"اس نے چہرے موڑا تو المیر کو دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا پایا۔اس نے ہاتھ سینے کے آگے باندھ رکھے تھے۔اس کی سرمئی آنکھیں اشفا کے ہاتھوں پر مرکوز تھیں جن پر صابن لگا ہوا تھا۔

مقابل کو خاموش پا کر اس نے ہاتھ دھوئے اور نل بند کر کے اس کی طرف رخ کر گئی۔سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"مجھے۔۔تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" یہ وہ اور اُس کا ضمیر ہی جانتا تھا کہ اُس نے یہ الفاظ کتنی مشکل سے ادا کیے تھے۔الفاظ کی ادائیگی ہوتے ہی مقابل کے کان کھڑے ہو گئے۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کوپ کو دیکھا۔یہ ہوش میں تو تھا؟

"کیا کہا؟" وہ بری طرح سے چونکی تھی۔

"وہی جو تم نے سنا۔" اس کے تاثرات پل میں بدلے۔حیرانی کی جگہ اب خوشی نے اس کے چہرے کا احاطہ کرر کھا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"یا اللہ خیر۔۔المیر خلیل کو میری مدد چاہیے ؟ کہیں دنیا تو نہیں ختم ہو رہی؟" المیر جانتا تھا کہ وہ اس بات کو ایسے نہیں جانے دے گی۔

"عالیہ۔۔عالیہ کا قتل ہوا ہے، اشفا۔" اس کی مسکراہٹ سمٹی۔پل بھر میں شہد آنکھیں پھیل گئیں۔

"کیا؟"

المیر نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔"آٹوپسی رپورٹ کے مطابق اس کا قتل ہوا ہے۔ کسی نے اس کو گلا گھونٹ کر مارا ہے۔"یہ الفاظ نہیں تھے۔ تیر تھے جو اشفا کے سینے پر لگے تھے۔ منہ ایسے کھلا تھا کہ ابھی جبڑا فرش کو جا لگے گا۔

وہ افسوس سے اس کی طرف دیکھتی گئی۔"میں آپ کے کس کام آسکتی ہوں؟"

"یہ تصویر دیکھو۔۔"اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے سفید کاغذ کو اشفا کے سامنے کیا جس پر اس لڑکی کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔"یہ عالیہ کی سہیلی ہے جو پچھلے چند ماہ سے عالیہ سے ملنے آرہی تھی۔"

اس نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے لیا پر نظریں المیر پر مرکوز رکھیں۔"آپ اس کی سہیلی پر شک کیوں کر رہے ہیں؟ اگر گھر کے اندر تک آرہی تھی تو ظاہر ہے ٹھیک لڑکی ہی ہو گی۔"

"میں نہیں جانتا۔۔میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ مجھے کہیں ناں کہیں سے عالیہ کے کیس کی تحقیقات کی ابتدا کرنی ہے۔اگر یہ لڑکی ٹھیک انسان ہے بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ کچھ ناں کچھ جانتی ہو۔"

"ہوں۔۔سو تو ہے۔"اس نے اب کاغذ پر نظریں ٹھہرالیں۔پھر اچانک المیر کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک دیکھ کر المیر اچھے سے جان گیا تھا کہ یہ لڑکی اب کچھ الٹا بولنے والی ہے۔

"واہ ایس ایچ او صاحب۔۔کیا تصویر ہے۔"اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کاغذ کو دو کونوں سے تھام کر المیر کے سامنے کیا۔کچن کے سفید بلب سے آتی روشنی کاغذ پر اپنا عکس چھوڑ رہی تھی۔"اس سے تو میں لڑکی کیا اس کا پورا خاندان ڈھونڈ نکالوں گی۔"

المیر کو پتا تھا کہ وہ طنز کر رہی تھی۔کیونکہ تصویر دھندلی تھی اور اس لڑکی کا چہرہ بھی کچھ خاص دکھ نہیں رہا تھا۔

نولز کلب
Club of Quality Content

"تمہیں طنز کے علاوہ کچھ اور نہیں آتا؟" المیر نے سنجیدگی سے سوال کیا تو اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"آتا ہے نا۔۔ پر جب میں وہ کام کرنے لگتی ہوں تو ایک اعلیٰ درجے کا خروس ایس ایچ او مجھے جگہ بدر کر دیتا ہے۔" المیر کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اتنے وقت میں وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔

اس کی سرمئی رنگ آنکھیں ہلکے سُرمئی رنگ میں ڈھل گئیں۔ وہ مسکراتے ہوئے کتنا پیارا لگتا تھا۔۔ یہ بات اُسے شاید کبھی کسی نے نہیں بتائی تھی۔ اشفا کا دل کیا کہ اُسے کہہ دے۔

اس کے چہرے پر مسکان دیکھ کر ایک پل کو اس نے سوچا کہ اُسے چھیڑے لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا۔ وہ کبھی کبھی تو مسکراتا تھا۔ اب اگر اس نے کچھ کہا تو شاید ہی کبھی اس کی مسکراہٹ اُسے دیکھنے کو ملتی۔

"تمہیں جتنا وقت چاہیے لے لو۔" اشفا نے سر اثبات میں ہلایا۔

"اور ہاں۔۔"المیر پھر سے گویا ہوا۔"۔۔میں نہیں چاہتا کہ کسی کو ذرا سی بھی بھنک پڑے کہ ہم ساتھ کام کر رہے ہیں۔ تم مجھے کال یا ٹیکسٹ پر عالیہ کے مُتعلّق کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"اچھا؟ چلیں پھر میں آپ کے خوابوں میں آ کر آپ کو پیغام دے دوں گی۔ کیسا؟ کچھ بھی کہتے ہیں آپ۔ کال یا ٹیکسٹ نہیں کروں گی تو آپ تک جانکاری کیسے پہنچے گی؟"

"میڈم۔۔ آپ مجھے اتنا بتا دیں کہ آپ میرا نمبر انبلاک کب کر رہی ہیں؟ ایک طرف تو مجھے بلاک کر رکھا ہے اور دوسری طرف کال یا ٹیکسٹ کرنے کا سوچ رہی ہو۔"

"میں نے آپ کو انبلاک کیا تو تھا۔۔"اس نے معصومیت سے کہا تو المیر نے سر جھٹکا۔

"پچھلے تین سالوں میں صرف تین دفعہ ہی انبلاک کیا ہے تم۔"وہ کہتے کہتے رک گیا۔ یہ تو نہیں بولنا تھا۔ آنکھیں سانپے بھر کے لئے میچ لیں۔

وہ کچھ آگے کو ہوئی۔ "کیا ہر وقت کھول کر دیکھتے ہیں میرا نمبر؟"

اس نے الجھتے ہوئے دماغ کے ساتھ جواب سوچا۔ "اتنا فارغ نظر آتا ہوں کیا؟" سمجھ تو وہ گئی تھی کہ وہ اُسے ٹال رہا تھا۔ مزید کرید نے کا ارادہ لمحے بھر کے لیے ذہن کے ایک گوشہ میں روشن ہوا۔ پر پھر اس نے جانے دیا۔ کام کی بات پر آتے اس کی نظر اس کے چہرے پر اٹھی۔

"اگر کال یا میسیج نہیں کروں گی تو معلومات آپ تک کیسے پہنچاؤ نگی؟" ابرو اُچکائی پھر اس نے اپنا رُخ سنک کی طرف کر لیا۔ پانی کا نل کھول کر وہ دوبارہ برتن دھونے لگ گئی۔

Clubb of Quality Content

"میں تمہیں وہاں ملوں گا جہاں ہم پہلی دفعہ ملے تھے۔"

اس کے ہاتھ ہوا میں ہی رک گئے۔ نظریں ایک جگہ ٹھہر گئیں۔

وہ اس جگہ کو کیسے بھول سکتی تھی؟

・・—・୭୧・—・・

ادا صاحبہ آج اتنے دنوں کے بعد اپنے کمرے کی اس مخصوص جگہ پر موجود تھیں جہاں وہ اکثر پائی جاتی تھیں۔ان کے ہاتھ میں ہمیشہ کی طرح ایک سیاہ مارکر تھا اور سامنے والی دیوار پر لگا بورڈ اس سیاہی سے بھرا پڑا تھا۔

پچھلے ایک مہینے سے وہ مسلسل اس کیس کی تہ تک پہنچنے کی تگودو میں تھیں۔یہاں تک کے جنوری آگیا تھا پر انہیں اب تک اسے سمجھنے میں دشواری کا سامنا تھا۔

Clubb of Quality Content!

ہر زاویے سے انہیں کیس ایک ہی داستان سناتا تھا کہ قاتل کوئی اندر کا بندہ ہے۔کوئی ایسا شخص تھا جس پر کسی کی نگاہ نہ جا پائی تھی۔یا اگر گئی بھی تو نظر انداز کر دیا گیا۔

ہر ثبوت انہیں بتاتا تھا کہ اس کہانی میں وہ سب ہوا تھا جس کا کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا۔

اٹھارہ سال قبل۔

ساتجولائی دو ہزار سات کی ایک سرخ شام۔ جب ساون کا موسم اپنی بلندی پر تھا۔ چاروں اور بارش کی ہلکی ہلکی بوندیں زمین کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھیں۔

تب اگر آپ گہرے نیلے رنگ کا گیٹ کھول کر اندر آئیں تو آپ کو ایک بہت خوبصورت باغیچہ دیکھنے کو ملے گا۔ اس کے بیچ سے نکلتی سفید سُرمئی زمین آپ کو سیدھا گھر کے داخلی دروازے تک لے جائے گی۔

اگر کار پورچ کی بات کریں تو یہاں گاڑی لگانے کی جگہ نہیں تھی۔ سفید رنگ کی مہران ہمیشہ کی طرح گھر کے باہر پارک تھی۔

گھر کی بیرونی دیواریں تیز سُرمئی رنگ کی تھیں۔ حلیہ دیکھ کر پتا چلتا تھا کہ گھر کھاتے پیتے لوگوں کی جاگیر تھا۔ داخلی زینوں پر آٹھ سے نو گملے رکھے تھے جن میں مختلف مہکوں والے پھول تیز ہوا کے باعث جھلملا رہے تھے۔

کہیں سے کسی مشین کے چلنے کی آواز آرہی تھی۔تو کہیں کوئی بچہ رو رہا تھا۔سڑک سے گزرتی موٹر بائیک اور گاڑیوں کے ہارن کی آوازیں گویا کان کے پردوں کو چیرنے پر آمادہ تھیں۔

بارش نے پچھلے چند گھنٹوں کی نسبت اب تیزی کی چادر کو چاروں کونوں سے تھام لیا تھا۔ہر آتا جاتا مسکرا مسکرا کر آج کے اس موسم سے محظوظ ہو رہا تھا۔

آسمان پر سیاہ بادلوں کا جنگل قائم تھا۔تیز آندھی کی شکایت تھی۔سب کچھ معمول کے مطابق انجام پا رہا تھا۔پر ایک بارش ہی تھی جو معمول کو توڑ کر آج برس رہی تھی۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

اب گھر کا بھورا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھیں تو آپ کو کھلا سا ہال دکھے گا۔سفید اور سیاہ ٹائلیں اس کی نفاست کی دمکتی تصویر تھیں۔قدموں میں ہی بھورے رنگ کا میٹ محسوس ہو گا جس پر انگریزی میں خوش آمدید لکھا تھا۔

نظروں سے ماحول کا جائزہ لیں تو بائیں جانب دو کمرے دکھیں گے جن سے باہر نکلتی روشنی اس بات کی عکاسی کر رہی تھی کہ وہاں کوئی موجود تھا۔ہانڈی کا چمچہ ہلانے کی ٹھک ٹھک کی آہٹ پورے گھر کو گھیرے ہوئی تھی۔

وہ درخشاں کمرہ دراصل کچن تھا۔جس کی شیلف پر چولہے کے بہت نزدیک ایک لوہے کا ننھا سا برتن دھرا تھا۔اس میں لسن اور ادرک کا پیسٹ جگمگا رہا تھا۔جس سے آتی خوشبو کچن میں کھڑی خاتون کے نتھنوں کو الجھا رہی تھی۔کچھ فاصلے پر ڈرٹی کچن تھا جہاں سبزیاں رکھی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اب سامنے دیکھیں تو آپ کو ایک کمرہ نظر آئے گا۔کمرے کی بتی جل رہی تھی۔اس سے نکلتی سفید روشنی اس قدر تیز تھی کہ آس پاس کے ماحول کو بھی روشن کر رہی تھی۔

کمرے کے اندر دو انسان بستر پر بیٹھے تھے۔ایک کے ہاتھ میں کھلونا تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں اوراق۔کھلونے سے نکلتی چھن چھن کی پکار ساتھ بیٹھے شخص کو متوجہ کر رہی تھی۔اس نے مسکرا کر کھلونے اور پھر اس کے مالک کو دیکھا۔جو کہ محض چار مہینے کا بچہ تھا۔

مسکرانے والے کی شہد رنگ آنکھیں تھیں۔ دودھیا رنگت تھی اور سیدھے بھورے بال تھے۔ ساتھ بیٹھا بچہ ہو بہو اس شخص سے مشابہت رکھتا تھا۔

اگر وہاں سے باہر نکلیں تو آپ کو ہال کے بیچوں بیچ خاکی رنگ کے صوفے پڑے نظر آئیں گے جن کے درمیان گہرے بھورے رنگ کی میز ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

ان میں سے ایک صوفے پر وہ آٹھ سال کی بچی آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اس نے سرخ رنگ کا جالی کا فراک پہن رکھا تھا۔ بھورے رنگ کے گنگھریالے بال پونی میں مقید تھے۔

چمچہ ہلنا بند ہو گیا۔ کچن کی بتی بجھاتے وہ خاتون باہر آئیں۔

"میں تھوڑی دیر آرام کرنے جا رہی ہوں۔ میں نے یخنی بنا کر چولہا بند کر دیا ہے۔ تم اپنا ہوم ورک پورا کرو۔ بہن کا بھی خیال رکھنا۔" رُخ مخالف سمت میں کر لیا۔ چونکہ ان کے شوہر

کچھ ہی وقت پہلے آفس سے لوٹے تھے۔اس لئے وہ بھی ان ہی کی طرح آرام کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

لیکن پھر جیسے ان کو کچھ یاد آیا تو وہ دوبارہ اس کی طرف مڑیں۔"چولہے سے دور رہنا۔یہ جو آج کل تم پر کوکنگ کا بھوت سوار ہے ناں۔۔۔اسے میرے جاگنے تک قابو میں رکھنا۔"اس بچی نے ہولے ہولے سر اثبات میں ہلایا۔

وہ اس کمرے کی طرف چل دیں جہاں ان کا بچہ اور شوہر موجود تھے۔

قریب پانچ منٹ گزرے تو کمرے سے آتی روشنی ماند پڑ گئی۔جو اس چیز کی نشان دہی کر رہی تھی کہ تینوں افراد نیند کو گلے لگا چکے تھے۔

اس نے گود میں رکھی شادی کی البم بند کر دی۔پچھلے دس منٹ سے وہ مسلسل اس میں لگی ایک تصویر کو گھور رہی تھی۔

"کاش میں بھی ماما کی طرح خوبصورت ہوتی۔" البم کو میز پر رکھا اور دھیرے دھیرے اٹھی۔

اس کی والدہ سانولی رنگت کی ایک خوبصورت خاتون تھیں جن کہ دائیں رخسار پر ایک چھوٹا سا تل تھا۔ جب بھی وہ کسی بات پر کھل کر مسکراتی تھیں تو ان کے لبوں کی دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑتے تھے۔

وہ ایک ڈاکٹر تھیں؛ ماہر امراضِ نسواں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ ہمیشہ اپنے آپ میں رہتی تھیں۔ نہ کسی کے ساتھ برائی کرتی تھیں اور نہ ہی کسی کو اپنے ساتھ برا کرنے دیتی تھیں۔

ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ ایک آٹھ برس کی اور دوسری سات برس کی تھی۔ بیٹا چار مہینے کا تھا۔

اس بچی نے البم میز سے اٹھائی اور اُسے لے کر ایک کمرے کی جانب بڑھ گئی جو کہ اس کے والدین کا تھا۔

وہ سب اکثر اسی وقت آرام کرتے تھے۔

ماں باپ کے درمیان اس کا بھائی اپنے ننھے ننھے ہاتھ منہ کے ارد گرد رکھے سو رہا تھا۔ وہ عام بچوں کی طرح کمزور نہیں تھا۔ بلکہ کافی صحت مند تھا۔ اس کی شہد رنگ آنکھیں تھیں۔ اپنی سب سے بڑی بہن اور والد کی طرح۔ وہ ہو بہو ان دونوں پر گیا تھا۔

Clubb of Quality Content!

والد صاحب پر اپنا تھوڑا سا وزن ڈالتے اس نے بھائی کے گال کھینچے پھر باپ کے چہرے پر پیار کر کے مڑی۔ ایک آخری نظر اپنی ماں پر ڈال کر وہ نکل گئی۔

باہر آئی تو اس نے اپنا رخ دوسری منزل کی جانب کر لیا۔ جہاں اس کا کمرہ تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے پاؤں اٹھاتی زینوں پر چڑھنے لگی۔ ہاتھ میں انگریزی کی کتاب تھی جس کا ہوم ورک ملا تھا۔

اس آٹھ سال کی بچی کے ہمراہ ہم بھی زینے پھلانگ کر دوسری منزل کا احاطہ کریں تو ہمیں یہ پہلی منزل کی نسبت تنگ نظر آئے گی۔ایک تنگ سا کمرہ ہمارے دھیان کو اپنی طرف مائل کرے گا۔

کمرے کو اپنی توجّہ کا مرکز بناتے آگے بڑھیں تو کھلی بتی کے ساتھ کمرے کا کونا کونا چمکتا دکھے گا۔یہ ان دو بہنوں کا کمرہ تھا۔کہنے کو تو چھوٹا تھا پر تھا بہت صاف ستھرا۔

ایک طرف لگے پلنگ پر وہ سات برس کی ننھی سی جان اوندھے منہ لیٹی سو رہی تھی۔اس کے سنہرے بال کھلے ہونے کے باعث سرہانے کو گھیرے ہوئے تھے۔ہاتھ پھیلا کر دائیں بائیں جانب رکھے تھے۔جسم پر پیلے رنگ کی شرٹ اور اس کے نیچے سفید پینٹ موجود تھی۔

وہ اندر آئی تو اس نے بہن پر ایک پتلی سی چادر دے دی۔سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر بتی بند کر دی۔

میز پر سے سیاہ ٹارچ اٹھائی اور جلا کر زمین پر رکھ دی۔ پھر اپنی کتاب نفاست سے اس کے ساتھ رکھی اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

قریب دس منٹ بعد اس کی نازک انگلیوں سے پینسل سرکتے ہوئے زمین پر گری تو مدھم سی آواز کمرے میں گونجی۔ وہ جو بیٹھے بیٹھے نیند کی وادی میں گم ہو گئی تھی۔۔ فوراً جاگی۔

پاس رکھی لائٹ کو بند کر دیا اور فرش پر ہی کتاب کے اوپر سر رکھ گئی۔

ناولز کلب

اب کمرے سے باہر نکلیں تو آپ کو بائیں جانب مزید زینوں کا سامنا ہو گا۔ دو دو زینے چھوڑ کر چڑھیں تو دو سیکنڈ میں چھت پر آن پہنچیں گے۔ چھت کافی کشادہ تھی۔ دیواریں چھوٹی اور گھر جڑے ہوئے تھے۔

آس پڑوس کے لوگ اکثر گھر جڑے ہونے کی وجہ سے با آسانی بات چیت کر لیتے تھے۔

ایک مکمل گھنٹہ بیت گیا تھا۔بارش اب کہ مکمل طور پر تھم چکی تھی۔سڑکیں کافی حد تک سوکھ چکی تھیں۔چھت کا دروازہ ہوا کی وجہ سے کھل بند ہو رہا تھا۔ایک مضبوط گرفت نے دروازے کو جکڑ لیا۔

کوئی اب دروازے کو کھول کر زینے اُتر رہا تھا۔ڈرے ڈرے سہمے سہمے قدم۔دوسری منزل کے فرش پر اس کے بنا چپلوں کے پیر پڑے۔وہ اس طرف چل دیا جدھر جانے کا ارادہ کر کے وہ چھت پر اترا تھا۔

ہر طرف دھوئیں کا راج تھا۔ماحول سناٹے کی نظر تھا۔گھر تپ رہا تھا۔کیوں؟ کیونکہ گھر میں آگ لگی ہوئی تھی۔تیز اوپر کی طرف امنڈتی وہ نارنجی اور پیلی شعاعیں دوسری منزل کو بھی اپنے آپ میں لپیٹنے کے درپے تھیں۔کچھ حصہ تو جل بھی چکا تھا۔

اس نے ڈر کر ایک قدم لڑکی کے نزدیک بڑھایا۔وہ فرش پر لیٹی تھی۔بستر کے قریب تر۔یا شاید گری ہوئی تھی۔ایسے جیسے حواس کھو بیٹھی ہو اور ڈھے گئی ہو۔وہ پریشان سا ہوتا فوراً اس کے نزدیک زانوں کے بل بیٹھ گیا۔

"اشفا..."سوں سوں کی آوازیں اس کی ناک سے آ رہی تھیں۔ جو اس بات کے گرد گول دائرہ لگاتی تھیں کہ وہ رو رہا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر اس بچی کو بازو سے جھنجھوڑا۔ ایک مرتبہ پھر سے جھنجھوڑا لیکن اس دفعہ کچھ زور لگا کر۔ تو وہ ہوش میں آنے لگی۔ اس کو ہوش میں آتا دیکھ کر وہ اس کی چھوٹی بہن کی طرف لپکا۔ جو کہ بستر پر اوندھے منہ لیٹی تھی۔ اس کو جھنجھوڑا تو وہ بالکل بھی نہ ہلی۔ چند سیکنڈ اور اُسے اٹھانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب شکست کا سامنا ہوا تو وہ اس کے پاس سے ہٹا۔ زمین پر لیٹی اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"اشفا..."اب کہ وہ آٹھ سالہ بچی آنکھوں کو مسلتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کی شہد رنگ آنکھیں مقابل کو پہچاننے کی کوشش میں مبتلا تھیں۔ "ا-المیر..."زبان سے نکلا تھا۔ اتنی مدھم پکار تھی کہ اگر وہ قریب نہ کھڑا ہوتا تو ہرگز سن نہ پاتا۔ بچی کی آنکھیں اور ناک سرخی مائل تھے۔ وہ مسلسل کھانس رہی تھی۔ دھوئیں کی شدت اس کے اعصاب کو اثر انداز کر رہی تھی۔

کچھ وقت قبل وہ اپنی خوابیدہ حالت سے بیدار ہوئی تھی۔ وزنی ہوتا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش بھی کی تھی۔ لیکن جب ہر طرف دھواں دیکھا تو آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا اور زور زور سے کھانسنے لگی۔ اچانک سے اتنا دھواں کہاں سے آگیا؟ سوال ابھرا۔

کمرے کے دروازے کی طرف نظر اٹھی۔ جہاں سے کمرے سے باہر کا ماحول نہ دکھنے کے برابر تھا۔ اس نے مدد کے لئے آواز لگانی چاہی۔ لیکن گلا اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ آواز تک نہ نکل پائی۔

اس نے آنکھوں میں آئے پانی کے سمندر کو ضبط کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اسی لمحے ذہن میں بہن کی موجودگی کا خیال نمودار ہوا۔ پھر دھیرے دھیرے فرش سے اٹھی۔ جو کہ ٹھیک سے دکھ بھی نہیں رہا تھا۔ سب کچھ اتنا دھندلا تھا کہ دھوئیں کے باعث اس کے لئے سانس لینا دشوار تھا۔

Clubb of Quality Content!

آنکھیں کو جنبش دیتے کچھ قدرے زور سے کھولا تو بہن کو چادر کے اندر منہ ڈالے سوتے پایا۔ یا شاید وہ بے ہوش تھی۔ کیونکہ جس قدر اونچی آواز سے وہ کھانس رہی تھی۔ اب تک اس کی بہن کو بے دار ہو جانا چاہیے تھا۔

کھانس کھانس کر چہرے ایک دم سرخ پڑ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ حواس کھو بیٹھی۔

"میرے س-ساتھ چلو پ-پلیز.." اس کی بھی آنکھیں زرد تھیں۔ چہرے کو دوسری طرف کرتے وہ زور سے کھانسنے لگا۔ اس کے چہرے پر موٹے موٹے پانی کے قطرے تھے۔

کیا وہ رو رہا تھا؟ "کہاں... کہاں چلوں؟"

"جہاں تم... تم محفوظ رہو گی۔" وہ پیچھے مڑا تو اس کی چھوٹی بہن کو بازوؤں میں اٹھایا۔ نہ جانے وہ ہوش میں کیوں نہیں آ رہی تھی۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اُسے اٹھا سکتا۔ لیکن حالات کے پیشِ نظر اُسے یہ کرنا پڑ رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

وہ آگے بڑھا تو وہ بھی زمین سے اٹھی۔ وہ آگے آگے چل رہا تھا اور وہ اس کے پیچھے تھی۔ وہ اتنا تو جانتی تھی ہر طرف دھواں ہو رکھا تھا۔ لیکن کیوں ہو رکھا تھا؟ یہ بات اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ یہی بات جاننے کے لیے تو وہ نیند سے جاگی تھی۔ جب دھوئیں نے اُسے ہواس کھو بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اب کہ وہ دونوں زور زور کھانس رہے تھے۔ دھوئیں کی بڑھتی لہر نے ان کو ناک پر ہاتھ رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جیسے ہی وہ کمرے سے باہر آئی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے حلق سے ایک باریک چیخ برآمد ہوئی۔ جو کہ بہت مدھم تھی۔ "شش... خاموش ہو- ہو جاؤ.. (زور سے کھانسا) ورنہ وہ تمہیں بھی مار- مار دے گا۔"

اب کہ بچی کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر جمع تھا۔ "یہ- یہ سب کیا ہو- ہو رہا ہے؟" وہ گھبرا رہی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سانس لینا اس قدر مشکل تھا کہ دونوں کی آنکھوں کے آگے سیاہ بدل چھانے لگے تھے۔

"یہاں - یہاں آگ لگ گئی، ا-اشفا.. "بچی نے اطراف میں نظریں گھمائیں۔ منظر مہین دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ دوسری منزل بھی کافی حد تک سیاہی میں ڈھل چکی تھی۔ پیلی اور نارنجی شعاعیں وہاں بھی عیاں تھیں۔

پہلی منزل پوری جل گئی تھی۔ کوئی صدا نہیں تھی۔ کوئی پکار نہیں تھی۔ سکوت نے سب کچھ اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ کیا ہو گیا تھا اچانک سے؟

کھانستے کھانستے اس کی نظر کچن کی طرف گئی جو کہ اُسے آگ کے باعث نہ دکھنے کے برابر تھا۔ بہت ہی دھندلا اُسے کچھ دکھا۔ یخنی کا پتیلا اور اس پر رکھا ہانڈی کا چمچہ۔ وہ ابھی بھی چولہے پر دھرا تھا۔ صحیح سلامت۔

چہرہ اب کہ والدین کے کمرے کی طرف مڑا۔ سب سے زیادہ آگ وہیں لگی تھی۔ اتنی زیادہ کہ شاید ہی کچھ بچا ہو۔ اس کا دل معنوں سینے سے بہہ رہا تھا۔ پاس کھڑا بچہ رو رو کر ہلکان ہو رہا

تھا۔ وہ مسلسل اس کی کلائی پکڑے اُسے ساتھ چلنے کا کہہ رہا تھا۔ پر وہ نہیں سن پا رہی تھی۔ اُسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اُسے صرف دکھائی دے رہا تھا۔ سامنا کا بھیانک منظر۔

سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ ہر چیز۔ اس کا گھر... گھر کی چیزیں۔ گھر کے لوگ۔

ماما۔

بابا۔

راحیل۔

وہ زار و قطار رونے لگی۔ کوئی تو بچاتا ان کو۔ یا پھر اُسے بھی مر جانے دیتے۔ منظر اتنا خوف ناک تھا کہ اس کے ذہن کے گوشے گوشے میں اپنی چھاپ چھوڑ رہا تھا۔ کوئی اُسے اپنے ساتھ کھینچ رہا تھا۔ وہی بچہ تھا شاید۔ اس نے چہرہ نہیں موڑا۔

کسی کا عکس اُسے داخلی دروازے کے نزدیک دکھا۔اس کی نظریں وہیں ٹھہر گئیں۔کوئی بہت نزدیک سے کچھ کہہ رہا تھا۔"چلوناں اشفا۔۔۔"اس کی کلائی کسی کی گرفت میں تھی۔

"اسے..اسے میں مزید نہیں اٹھا۔۔اٹھا سکتا۔"

"وہ دیکھو... تم نے دیکھا اُسے؟"شہادت کی انگلی سے اس طرف اشارہ کیا تو بچے نے فوراً چہرے اس سمت کیا۔ہاں کوئی تو تھا وہاں پر۔چہرہ ضبط کی وجہ سے اس قدر سرخ تھا کہ دو سیکنڈ مزید یہاں ٹھہرا تو بے ہوش ہو جائے گا۔

اس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لئے۔بھیگتی آنکھوں سے بچے کو دیکھا۔وہ اس کی کلائی تھامے اب اُسے چھت کی طرف لے جارہا تھا۔وہ بڑھ رہی تھی اُس کے ساتھ۔

وہ چھت پر آئے تو وہ اُسے اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر کی چھت پر چڑھ گیا۔اس سات سالہ بچی کو اب تک بازوؤں میں اٹھا رکھا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دونوں کا سانس بے ترتیب تھا۔ایک رو رہی تھی۔ایک اُسے روتے دیکھ رہا تھا۔"تم۔تم نے دیکھاناں..ان کو.."

وہ کچھ کہہ رہی تھی پر اسی وقت بجلی چمکی۔ساری آوازیں مدھم ہو گئیں۔وہ اس کا جملہ ٹھیک سے سن بھی نہ پایا۔پر اس نے پھر بھی سر اثبات میں ہلا دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

موجودہ روز

موتیے کے پھول اس کی انگلیوں کے پوروں کے درمیان مسل کر چکنا چور ہو رہے تھے۔اس کی آنکھوں میں آیا پانی کا دریا جیسے کسی بھی وقت چہرے پر ٹپکنے کو بے تاب تھا۔اس کے دل کی دھڑکنیں مدھم سنائی دیتی تھیں۔

عالیہ کے ساتھ گزرا اس کا وہ وقت بہت کم تھا۔ وہ اُسے ٹھیک سے جان بھی نہیں پایا تھا۔ کچھ تو تھا جو اس شخص میں اور اس کی خواہشات میں ہمیشہ ادھورا رہ جاتا تھا۔

نکاح کے اتنے سالوں کے بعد بھی اُسے صرف عالیہ کا وہ روپ دیکھنے کو ملا تھا جو وہ اُسے دکھانا چاہتی تھی۔ اُس کے دل و دماغ میں کیا چل رہا تھا وہ آج تک سمجھ نہیں پایا تھا۔

اس کی کسی سے کیا ہی دشمنی ہو گی؟

جب اس کی آخری سانسیں چل رہی ہوں گی تو اس نے میرے بارے میں سوچا ہو گا؟

جب وہ قاتل اس کی گردن کے ارد گرد اپنے ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا ہو گا تو اس کو کیسا محسوس ہوا ہو گا؟

پچھلے دو ہفتوں سے یہ سوالات اس کے ذہن سے خارج ہی نہیں ہو رہے تھے۔

عالیہ کی موت نے اُسے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُسے ناپسند کرتی تھی۔ اگر وہ اُسے پسند کرتی ہوتی تو اپنی مشکلات کا ذکر اس سے ضرور کرتی۔ وہ شوہر تھا اس کا۔

یا یہ سب صرف اس کے ذہن کا فتور تھا۔ شاید عالیہ سچ میں اُسے پسند کرتی تھی۔ لیکن جو کچھ بھی تھا اس نے راحم رضا احمد کو ایک بار پھر سے توڑ دیا تھا۔

آخر عالیہ کے ساتھ ہی یہ سب کیوں ہوا؟ اس نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟ وہ ایسا کیا چھپا رہی تھی کہ وہ المیر تک کو نہیں بتا پائی؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شاید وہ کسی کو پروٹیکٹ کر رہی تھی۔

ان سب الجھی ہوئی باتوں کی گتھی صرف وہ ماہرِ امراضِ نفسی ہی سلجھا سکتی تھی۔ اُسے آج نہیں تو کل اپنا منہ کھولنا ہی تھا اور راحم کو اس دن کا شدت سے انتظار تھا۔

المیرا اپنے کمرے میں آیا تو اُس نے سب سے پہلے الماری کے پٹ کھولے۔ اپنی گن کو احتیاط سے لاکر میں رکھنے کے بعد وہ وہاں سے دور ہٹا اور باتھروم کی طرف چل دیا۔

جب اچانک کمرے کا دروازہ بجنے لگا۔ "اندر آجائیں۔" دروازہ پورا کھلا تو کام والی سامنے آئی۔

"کیسی ہیں آپ آنٹی؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ چالیس سے پچاس سال کی معلوم ہوتی تھیں۔ "ٹھیک ہوں بیٹا جی۔ آپ کیسے ہو؟" المیر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیا۔

Clubb of Quality Content!

مقابل مسکرائیں۔ پھر ایک ہاتھ آگے کر کے اس کو کچھ دکھانے لگیں۔ اس کی نظر اس کے ہاتھ میں موجود تصویر پر پڑی تو وہ آگے کو آیا اور تصویر تھام لی۔

"بیٹا جی ••• آپ کی بھورے رنگ کی قمیض دھوتے ہوئے جب اس کی جیب میں ہاتھ مارا تو یہ تصویر برآمد ہوئی تھی۔" کام ہو جانے پر وہاں سے نکل گئیں۔

تصویر میں ایک عورت تھی جس نے سفید رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے جو عموماً نرس ہسپتالوں میں پہنا کرتی تھیں۔اس عورت کی صرف پشت دیکھی جاسکتی تھی۔اس کی بائیں جانب ایک ڈاکٹر کھڑی تھی۔

المیر کی آنکھیں پل میں پھیلیں۔یہ تو سحر امین تھیں۰۰۰ اشفا اور مہوین کی والدہ۔

ان کی اتنی پرانی تصویر اس کی قمیض کے جیب میں کب اور کیسے آئی؟وہ الجھن کا شکار ہوا۔

پھر اس نے ذہن پر زور ڈالا۔یہ کپڑے اس نے آخری دفعہ فرانس میں پہنے تھے جب وہ قبرستان گیا تھا۔اس دن کے بعد سے تو اس نے اس جوڑے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا تو پھر یہ یہاں کیسے۔۔۔؟

اس کا دماغ فوراً اس آدمی کی طرف راغب ہوا۔وہ آدمی جو اس روز المیر کے ساتھ بینچ پر آبیٹھا تھا۔کہیں یہ کام اس کا تو نہیں تھا؟

اس نے تصویر پلٹی۔ تصویر کی سفید پشت پر سیاہی سے انگریزی میں "عامر علی" لکھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں تذبذب کا شکار ہوئیں۔ یہ کیا ماجرا تھا؟

عامر علی کے کیس کا اس تصویر سے کیا تعلق تھا؟ اور اگر تھا بھی تو اس کا مطلب ہے کہ اس روز جو شخص المیر کے بغل میں آکر بیٹھا تھا۔۔۔ اسی نے اس کی قمیض میں یہ رکھی تھی۔

اور اگر وہی اس کے پیچھے تھا تو المیر کو کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ شخص ولیم ہی تھا۔ اشفا کا خاص خبری۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے فون سے اس کی تصویر کھینچی اور اُسے احتیاط سے دراز میں رکھ دیا۔

راحم ٹھیک کہتا تھا کہ اشفا کہتی ہے کہ ولیم لوگوں کو خود ڈھونڈتا ہے۔ لوگ اُسے نہیں ڈھونڈتے۔

گھر کے صحن میں رکھی میز پر پینٹس اور پینٹ برش پھیلے ہوئے تھے۔آج وہ چار مہینوں کے بعد ایک تصویر بنا رہا تھا۔

پینٹ کے رنگوں میں اس کا پسندیدہ رنگ ہمیشہ سے سرخ تھا۔جب وہ سرخ رنگ کو برش سے لتپت پاتا تھا تو گویا اُسے تصویر کا رُخ سمجھ میں آتا تھا۔اُس کے ہاتھوں سے بنی ہر تصویر میں ایک رنگ نمایاں تھا۔اور وہ رنگ سفید تھا۔اُسے سرخ اور سفید سے ایک عجیب سی کشش محسوس ہوتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

سیفان یامین کی بنائی گئیں پینٹنگز بڑے بڑے میوزیمز میں بکا کرتی تھیں۔لوگ دور دور سے اس کی پینٹنگز کو خریدنے آتے تھے۔دوسرے ملکوں کے باشندے بھی اس کی پینٹنگز خریدنے میں دلچسپی رکھتے تھے اس لئے اُسے اپنے کام کے اچھے بھلے پیسے ملتے تھے۔

ایک پینٹنگ سے وہ اتنا تو کما ہی لیتا تھا کہ ایک اچھی سی جگہ پر ایک خوبصورت سا مکان لے سکے۔ گزشتہ چند مہینوں سے وہ اس بارے میں سوچ بھی رہا تھا پر پھر اُسے یہاں سے نکلنا ناممکن سا لگتا تھا۔اس کا دل کہتا تھا کہ وہ اس جگہ سے کبھی نکل نہیں پائے گا۔

سیفان بیس سال کا تھا جب اس نے اس جگہ گھر کرائے پر لیا تھا۔تب ہی اس کی اشفا اور مہوین سے جان پہچان بنی تھی۔وہ دونوں بہنیں اکیلی رہتی تھیں اور اتنی کم عمری میں گھر کے اندر سے لے کر باہر کا ہر کام کرتی تھیں۔

وہ اکثر محلے والوں کو ان کی مدد کرتے پاتا تھا۔پہلے تو کچھ برس وہ دیکھتا رہا پھر اس نے بھی ان کی مدد کرنے کے لیے پہلا قدم اٹھایا۔

اُسے ان کے ہاتھوں میں بھاری بھاری شاپر دیکھ کر دکھ ہوتا تھا اس لئے وہ ہر مہینے انہیں دکان سے راشن لا دیتا۔یہاں سے ان کی بات چیت بڑھی۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں بہنیں بڑی ہو گئیں اور اپنا کام خود کرنے لگیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سیفان کو آج بھی یاد تھا کہ اس نے پہلا اسکیچ جس شخص کا بنایا تھا وہ اشفا تھی۔ وہ اسکیچ آج بھی اس کے گھر کی ایک دیوار پر نصب تھا۔

اس نے نیلے رنگ میں برش چلانا شروع کیا کہ اتنے میں گھنٹی بجی۔ اس نے برش میز پر رکھا اور اٹھا۔ دروازہ کھولنے پر شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی اُسے نظر آئی۔

اُس نے داخلی دروازہ اپنی قامت سے بلاک کر رکھا تھا یعنی اشفا کا اندر کی طرف بڑھنا ناممکن تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ہٹو بھی اب۔" اس نے اُسے اشارہ کیا تو وہ مسکراتے ہوئے سامنے سے ہٹا۔ "اندر جا کر کیا کرو گی؟ پورا گھر جنگل بنا ہوا۔" وہ بھی اس کے پیچھے اندر کو ہو لیا۔

"ظاہر ہے گدھے جنگل میں ہی رہتے ہیں ناں۔" وہ باورچی خانے کی طرف لپکی۔ چند سیکنڈز کے بعد چینی کا ڈبہ لے کر باہر آئی۔

"ایک کام والی کیوں نہیں رکھ لیتے تم؟ دیکھو گھر کا کیا حال بنا رکھا ہے۔" اس نے اطراف میں نظر دوڑائی۔ نیلی آنکھیں اس کی ہر حرکت کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

"مجھے گھر گندا گندا اچھا لگتا ہے۔ اور کچھ؟" اشفا نے آنکھیں گھمائیں۔ وہ گھر کے دروازے کی طرف بڑھی جب اس کی نظر ایک چیز پر ٹھہر گئی۔

ایک سائڈ ٹیبل پر بھورے غلاف کی ایک ڈائری نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ اس تک گئی اور اُسے ہاتھ میں اٹھا لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تم کب سے ڈائری لکھنے لگ گئے، سیف؟" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ اس نے ڈائری کا پہلا صفحہ کھولا ہی تھا کہ سیفان نے آگے کو ہو کر اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"دوسروں کی چیزوں کو بنا اجازت کے ہاتھ نہیں لگاتے۔" اشفا نے اُسے غور سے دیکھا۔ "دوسروں کے اسکیچ بھی بنا پوچھے نہیں بناتے۔ پر تم نے بنایا تھا ناں؟" مقابل نے شانے اچکائے۔

"ایسا بھی کیا ہے ڈائری میں؟ کسی کے لئے کوئی پیار بھرا خط تو نہیں چُھپا کر رکھا ہوا؟" سیفان کی آنکھوں میں ہنسی دوڑی۔

"کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" اس نے ڈائری صوفے پر اچھال دی۔ نیلی آنکھیں اس کے چہرے پر ٹہلنے لگیں۔ وہ اتنا تو جانتا تھا کہ اشفا ڈائری تک ایک نہیں تو دوسرے طریقے سے ضرور پہنچنے کی کوشش کرے گی۔

"جا رہی ہو؟" وہ دروازے کی طرف بڑھی تو اس نے سوال پوچھا جس پر اشفا نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔ "ہاں ایک آرٹیکل پر کام کر رہی ہوں اور کافی کی اشد ضرورت ہے اس لئے چینی لے جا رہی ہوں۔"

"اتنی جلدی چینی کیسے ختم ہو گئی؟" اس نے چونک کر پوچھا۔ ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی تو وہ راشن لے کر آئی تھی۔

"کل مہمان آئے تھے تو انہیں چائے اور کافی میں ڈال کر دی۔" "مہمان ؟اور کیا اس نے ساری چینی انڈیل دی تھی ؟ہاں اشفا امین سے ایسے کاموں کو تَوقع کی جاسکتی تھی۔

"کون آیا تھا؟"اس نے تجسّس سے پوچھا۔ان کے گھر تو آنا جانانہ ہونے کے برابر تھا۔

"وہی۔۔جس کے آنے کے انتظار میں میں آنکھیں لگائے بیٹھی تھی۔"سیفان کی نیلی آنکھوں میں حیرت ابھری۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

تو آخر وہ آہی گیا تھا۔

محمت جہانگیر جب تھانے میں داخل ہوا تو المیر خلیل ایک حوالدار کے پاس کھڑا کسی موضوع پر گفتگو میں مشغول تھا۔وہ چلتا ہوا آیا اور اپنا بیگ میز پر رکھ دیا جو کہ وہ اکثر اپنے ساتھ لیے گھومتا تھا۔

دوسری طرف کھڑے ایس ایچ او کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ آگے بڑھا۔ محمت کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اس کا بغور جائزہ لیا۔ "یہ چوٹیں کیسے آئیں تمہیں؟"

اس نے تحقیقی تاثرات چہرے پر سجا لئے۔ "کل رات گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے سر۔ گھر سے کچھ سامان لے کر غائب ہو گئے۔"

"ایک پولیس آفیسر کے گھر میں ڈاکو؟ عجیب بات ہے۔" تیکھی نظروں سے اُسے سر تا پیر دیکھا۔ "جب مجھے چیزوں کے ادھر اُدھر کرنے کی آواز آئی تو میں کمرے سے باہر نکلا۔ میں اکیلا تھا اور وہ دو تھے۔ انھوں نے تب ہی یہ حالت کی میری۔"

"اور کیا کیا لے کر گئے؟" وہ سُرمئی آنکھوں والا کوپ ایسے کیسے اس بات کو جانے دے سکتا تھا؟ "اماں کے دو سونے کے کنگن اور میری ایک سیاہ رنگ کی مہنگی گھڑی۔" اس کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی مسلسل ہل رہی تھی۔

کوپ کی نظر اس کی انگلی پر ٹھہر گئی۔ "چہرہ دیکھا کسی کا؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "بس یہ جانتا ہوں کہ ان میں سے ایک کی آنکھیں نیلی تھیں۔"

"انٹرسٹنگ۔" اس نے دھیرے دھیرے سر اثبات میں ہلایا۔ "کیا وہ دونوں armed تھے؟ اور تمہاری گن کہاں تھی اس وقت؟"

"نہیں ان کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ اور میری گن میں رات کو تھانے میں ہی بھول گیا تھا۔"

"کیا مطلب؟ تم اپنی گن کھلی کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہو؟" وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"سر ذہن سے نکل گیا تھا۔"

اس نے تاسف سے اُسے دیکھا۔ ایک سے ایک بڑھ کر نکما پایا جاتا تھا اس کے تھانے میں۔
"ملی پھر گن؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"شکل کیا دیکھ رہے ہو میری؟ڈھونڈو اُسے۔"

··—·✿·—··

اگلے دن کی ایک خوبصورت صبح المیر خلیل تھانے میں بیٹھا تھا۔ جنوری کے مہینے کی ابتدا ایک تیز دھار بارش سے ہوئی تھی۔ آج وہ اتنے دنوں کے بعد ٹھیک سے ڈیوٹی کرنے کی غرض سے تھانے کا رُخ کر پایا تھا۔ گزشتہ دو ہفتوں سے وہ تھانے آتو رہا تھا پر گھر جلدی چلا جاتا تھا۔ آج جب اس نے ارادہ کیا تو بارش اس کے کام میں رکاوٹ کی وجہ بن گئی۔

وہ وردی پہن کر گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا اور گاڑی تھانے کی جانب دوڑا رہا تھا جب بارش ہونے لگی اور اسی وقت اس کی گاڑی بند ہو گئی۔ پہلے تو اُسے لگا کہ شاید ٹائر پنکچر ہو گیا لیکن پھر جب اُس نے پیٹرول دیکھا تو وہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

پھر مجبوراً اُسے پیٹرول لینے پمپ تک جانا پڑا اور اُس چکر میں وہ سر سے لے کر پاؤں تک گیلا ہو گیا۔ گھر سے نکلتے وقت چھتری لے جانے کا خیال اُس کے ذہن سے گزرا بھی نہیں کیونکہ اپنی دونوں چھتریاں وہ ملکہ الزبتھ کو دے چکا تھا اور اس سے ان کی واپسی کی توقع کرنا ٹام کروز سے ملنے کے برابر تھا۔

گھر میں باقی ساری چھتریاں گھر کے باقی باشندے لے جا چکے تھے اس لئے اُسے بنا چھتری کے ہی گھر سے نکلنا پڑا۔

اب حال کی طرف بڑھتے ہیں جس میں وہ چائے کے دو کپ خالی کر کے اپنے سامنے رکھ چکا تھا۔ اس نے سوچا تو یہی تھا کہ عالیہ کے کیس کے بعد ہی عامر علی کے کیس کو وقت دے گا پر پھر اس نے کچھ سوچ کر عامر علی کی فائل اٹھائی اور اُسے کھول کر اپنے سامنے رکھ دیا۔

عامر علی کی موت ارادی تھی یہ تو سب جانتے تھے۔ وہ ایک پہنچا ہوا رپورٹر تھا جو اندر کی خبریں رکھتا تھا اور بلا جھجھک انہیں لائیو شو پر بیان کر دیتا تھا۔ سب جانتے تھے کہ آج نہیں تو کل اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور ٹھیک ویسا ہی ہوا۔

ایک بمب دھماکے میں اس کی جان چلی گئی اور وہ دن تھا اور آج کا دن تھا کہ اس دھماکے کے پیچھے کے ملزمان پولیس کی پکڑ سے آزاد تھے۔ وہ ہزار دفعہ اس کے کیس کی فائل کو پڑھ چکا تھا پر کچھ تو تھا جو اس کی نظر سے چُھپا ہوا تھا۔

چونکہ خلیل محمد ایک جانے مانے بزنس مین تھے اس لئے ان کی عامر علی سے ٹھیک ٹھاک جان پہچان تھی۔ جب ان کے دوست کی اچانک موت کی خبر انہیں ملی تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ وہ المیر کو اپنے ساتھ اس کے گھر لے کر گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر نے جب وہاں ایک بچے کو اپنے باپ کے پاس بیٹھ کر دھاڑیں مار کر روتا ہوا پایا تو اُسے بہت سال قبل ہوا ایک واقعہ یاد آیا۔ جس واقعے نے اس کی اور بہت سے لوگوں کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔

آج اتنے مہینوں کے بعد جب وہ اس کیس کو پھر سے پڑھنے بیٹھا تو اُسے وہ لڑکا یاد آیا۔ عامر علی کا ایک بیٹا بھی تو تھا۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ کچھ جانتا ہو؟

"سلیم۔۔عامر علی کے بیٹے کا کیا نام تھا؟" چونکہ سلیم اس وقت اس کیس پر اس وقت کے ایس ایچ او کے ساتھ کام کر رہا تھا تو المیر کو یقین تھا کہ اُسے یاد ہو گا۔

سلیم اس تک بڑھا۔ "سر۔۔مومن علی نام تھا اس کا۔" مومن؟ یہ نام کچھ سنا سنا سا تھا۔ کیا وہ اس نام کے کسی بندے کو جانتا تھا؟

آج سے پہلے اس نے کبھی بھی عامر علی کے کیس کی فائل کو اتنا غور سے نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ بہت پہلے ہی عامر علی کے بیٹے سے پوچھ گچھ کر لیتا۔

اس نے ذہن پر زور ڈالا پر اس کے دماغ سے کسی بھی مومن نام کے بندے کا گزر نہ ہوا۔ اس نے محمت کو ایک اور کپ چائے لانے کا اشارہ کیا۔

اِشفا کے اسسٹنٹ کا نام بھی تو مومن تھا... کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ دونوں ایک ہی انسان ہوں؟

اتنے میں اس کے فون کی اسکرین پر ایک میسیج ابھرا۔ "ملنا ہے۔" تو آخر اشفا امین نے اُسے انبلاک کر ہی دیا تھا۔

جو بھی کہو جرنلسٹ یہ بہت کمال کی تھی۔ اس کے دل نے جیسے اس کی تعریف کی لیکن پھر دماغ نے اُسے یاد دلایا کہ وہ کس کی تعریف کر رہا تھا۔ المیر نے سر جھٹکا۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ فون اور بائیک کی چابیاں اٹھا کر محمت کو آواز لگائی۔ "محمت۔۔ چائے خود پی لینا۔" پھر تھانے سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

Clubb of Quality Content!

موسمِ سرما کی موجودگی کا اصل اندازہ تو اس جگہ پر آکر ہوتا ہے جہاں اس وقت المیر خلیل موجود تھا۔ ٹھنڈی ٹھار ہوائیں اس کے چہرے پر آکر لگ رہی تھیں۔ درختوں کے پتے مسلسل ہل رہے تھے۔ ان سے آتیں آوازیں ماحول میں چھائے سکوت پر حاوی ہوتیں سب کے کانوں کو سکون بخش رہی تھیں۔

سیاہ بادل چھٹے تو آسمان ایک مرتبہ پھر سے ہلکے نیلے رنگ میں نہا گیا۔ سفید بادل اپنی اپنی جگہیں سنبھال گئے۔

وہ پارک میں بیٹھا تھا۔ وہی پرانا محلہ۔۔ وہی تنقیدی نظریں تھیں۔ وہی عام سے لوگ تھے۔ سب کچھ ویسا ہی تھا پر کچھ نہیں تھا تو رحمان امین کا خوبصورت گھر۔

اشفا جہاں اب رہائش پذیر تھی؛ وہاں سے کچھ دوری پر تھا۔ خطہ ایک ہی تھا پر جگہیں فاصلے پر تھیں۔ پارک کے بالکل سامنے اس کا بھی پرانا گھر واقعہ تھا۔ وہ گھر جو رحمان امین اور ان کی اہلیہ کی موت کے بعد خلیل محمد نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔

اس سفید گھر کے بغل میں ہی وہ اتار چڑھاؤ والی زمین تھی جہاں کبھی رحمان امین کا شاندار گھر ہوا کرتا تھا۔ جسے گورمنٹ نے جل جانے کے باعث گرا دیا تھا۔ المیر نے ایک گہری سانس کھینچی۔ وہ جانتا تھا کہ اشفا کے لئے ایک مرتبہ پھر سے اس جگہ کا رُخ کرنا مشکل ہو گا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

اس نے اس وقت سفید رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ وہ یہاں آتے ہوئے گھر سے کپڑے بدل کر آیا تھا۔ بارش مکمل طور پر تھم چکی تھی پر ٹھنڈا ابھی بھی اپنی بلندی پر تھی۔

اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی تو اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

وہ اُسے کچھ فاصلے سے آتے ہوئے دکھی۔ اس نے سرخ رنگ پہن رکھا تھا۔ سرخ اور گہرے سبز رنگ کے امتزاج کی وہ لمبی سی فراک جو اس کے گھٹنوں سے نیچے تک آتی تھی۔ سر پر ڈھیلا سا دوپٹہ ٹکا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ تعظیماً۔

وہ چلتی چلتی اس تک آئی۔"سوری میں لیٹ ہو گئی۔"اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ایک چائے کا پلاسٹک سے بنا کپ المیر کی طرف بڑھایا۔اس نے فوراً تھام لیا۔وہ دونوں چلتے چلتے مخصوص فلیٹ بینچ تک آئے۔

المیر گھر کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا اور وہ مخالف سمت میں۔وہ دونوں اٹھارہ سال پہلے بھی یونہی اسی جگہ اسی بینچ پر بیٹھا کرتے تھے۔چلو کچھ تو تھا جو اتنے سالوں میں بھی نہیں بدلا تھا۔

"تم اپنے لئے چائے لائی ہو؟"وہ تو کافی کی شوقین تھی۔اشفا نے سر اثبات میں ہلایا۔"میں نے سوچا آج چائے پی کر دیکھوں۔آخر ایسی کیا بات ہے اس میں کہ آپ اپنا آدھا وقت اسے دیتے ہیں۔"المیر نے کپ کو ہونٹوں سے لگایا۔

"چائے میری محبت ہے۔"شہد رنگ آنکھیں مسکرائیں۔

اس کے منہ سے یہ لفظ... محبت۔۔کتنا اچھا لگتا تھا۔

کپ کو بینچ کے کنارے پر رکھتے اس نے سیاہ رنگ بیگ سے اپنا فون نکالا۔اسکرین پر ایک تصویر کھول کر اس کے حوالے کر دی۔"یہ وہ لڑکی ہے جس کے بارے میں جانکاری نکالنے کے لئے آپ نے مجھے کہا تھا۔"

المیر نے اس کے ہاتھ سے فون لے کر اسکرین پر غور کیا۔وہ آج سے پہلے تو اس سے نہیں ملا تھا۔پھر اس کی آنکھیں اس پر اٹھیں۔"اس کا نام سارہ ہے۔عمر چوبیس سال ہے۔اور یہ ایک ہاؤس وائف ہے۔دو سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی۔شوہر مزدور ہے۔چھوٹے موٹے گھر بناتا ہے۔"اس نے سر اثبات میں ہلایا۔شاید اتنی جانکاری اس کے اہلکار اگلے دو مہینوں میں بھی نہ نکلوا پاتے جو اس نے چند دنوں میں حاصل کر لی تھی۔

"عالیہ اس کے گھر اکثر آتی جاتی رہتی تھی۔"المیر اس بات سے واقف تھا کہ وہ ہر مہینے ایک یا دو مرتبہ کسی سہیلی کی طرف جاتی ہے۔اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ناجانے کیوں وہ جو اُسے روز یاد آتی تھی..آج کچھ زیادہ ہی یاد آ رہی تھی۔

اشفا نے چہرہ موڑ کر ساتھ بیٹھے کوپ کو دیکھا۔اس کی شہد رنگ آنکھیں سُرمئی آنکھوں سے ملیں۔وہ آنکھیں کتنی ویران ہو گئی تھیں۔اشفا نے چہرا مخالف سمت میں کر لیا۔

کچھ لمحوں کے لئے خاموشی چھا گئی۔ان کے ارد گرد اکثر خاموشی چھا جایا کرتی تھی۔شاید یہی ہمیشہ سے ان کا اندازِ گفتگو رہا تھا۔

"فرانس والے خبری کا کیا ہوا؟"اس دفعہ خاموشی کو توڑنے میں پہل المیر کی طرف سے ہوئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"بہت مشکل سے میں نے مخصوص لوگوں کی مدد لے کر اُسے آپ سے ملنے پر آمادہ کیا تھا۔لیکن اب مجھے لگتا ہے وہ دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔"اشفا نے افسوس کا اظہار کیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس کے پاس عامر علی کے کیس سے متعلق کوئی خبر ہے؟"یہ سوال پچھلے دو ہفتوں سے اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔

اس نے چہرہ المیر کی طرف کیا۔"ولیم کی ایک خاصیت ہے۔لوگ اُسے نہیں ڈھونڈتے۔۔ وہ لوگوں تک پہنچتا ہے۔"

"لیکن اس نے تمہیں کیسے ڈھونڈا؟"ایک ابرو اُچکائی۔"جو سوال میں مناسب سمجھتی ہوں۔۔ صرف انہی کا جواب دیتی ہوں۔"چار ہفتے پہلے ہوئی جھڑپ میں المیر خلیل کے بولے گئے الفاظ اشفا امین نے واپس اُسے ہی دے مارے تھے۔

مقابل کی آنکھیں پل میں انگارہ ہوئیں۔اُسے اس کی بات بہت بری لگی تھی۔تو اُسے احساس ہوا کہ اُس دن اشفا کو بھی اُس کی بات اتنی ہی بری لگی ہو گی۔

لیکن پھر بھی۔۔ بڑا ہوں میں اس سے۔بندہ کچھ تو لحاظ کر لیتا ہے۔لیکن اشفا امین کا لحاظ جیسے لفظ سے کیا واسطہ؟

بغل میں بیٹھی لڑکی ہونٹوں کو دانتوں میں دبائے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش میں تھی۔اس طرح المیر خلیل کو باتیں سنا کر اس کے دل کو جو سکون ملتا تھا وہ سکون۔۔وہ تسکین اُسے کافی بھی کبھی نہیں پہنچا سکتی تھی۔

اشفاامین ہو اور حساب برابر نہ کرے؟سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس نے سیاہ بال پیشانی سے پیچھے کھسکائے۔"ایک بات کہوں آپ سے؟"اس نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ہوں۔"

"آپ کو عجیب نہیں لگتا کہ جب آپ فرانس گئے تب ہی کسی نے عالیہ کو قتل کر دیا؟ایسے لگتا ہے جیسے قاتل آپ کے یہاں نہ ہونے کی تاک میں تھا۔"مقابل کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا وہ بغور جائزہ لے رہی تھی۔

اُسے اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ بات کا موضوع کس طرف جا رہا تھا۔اس نے چائے کا آخری گھونٹ حلق سے نیچے اتارا اور پھر کپ کو ہاتھوں میں دبوچ کر دور پڑی گند کی باسکٹ میں اچھال دیا۔

کتنا پکا نشانہ تھا اس آدمی کا۔اُسے یقین تھا کہ اگر وہ آنکھیں بند کر کے بھی نشانہ باندھے گا تو اگلے کو گھائل کر ہی ڈالے گا۔

وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ایک نگاہ اس پر ڈالی اور دوسری سامنے موجود بنجر زمین پر۔جب سے اشفا آئی تھی تب سے اس نے ایک بھی نظر ادھر نہیں ڈالی تھی۔

"میں چلتا ہوں اب۔" سر کو خم دیتے وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

کچھ سوالوں کے جواب المیر خلیل کے پاس ہی تھے۔اس کے بے حد قریب۔اس کے سینے میں دھڑکتے دل میں۔ لیکن وہ ان جوابات کو کھوجنا نہیں چاہتا تھا۔امید ٹوٹ چکی تھی۔وہ بکھر چکا تھا۔وہ مزید بکھرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہاج پانی لینے کے لیے اپنے کمرے سے نکلا تو اُس کی نظر عالیہ کے کمرے پر پڑی۔ کمرے کا دروازہ آدھ کھلا تھا۔ عالیہ کی موت کے بعد سے ناجانے کتنی دفعہ "عالیہ آپی" کو پکارتے ہوئے بے دھیانی میں اس کے کمرے میں جا پہنچا تھا اور پھر گھنٹوں بیٹھ کر سب سے چھپ کر روتا رہا تھا۔ المیر کے منع کرنے کے باوجود بھی۔

سوچوں سے نکلتے اس نے کمرے کا دروازہ بند کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا جب اُسے شیشے کی دیوار سے ٹیرس پر بیٹھا اپنا بڑا بھائی دکھا۔ معمول کے خلاف وہ آج اتنے دنوں کے بعد عالیہ کے کمرے کی ٹیرس میں موجود تھا۔

اُسے اس کی پشت سے ایسے لگا جیسے وہ کرسی پر سر نیچے گرائے بیٹھا تھا۔ پانی کا جگ میز پر رکھتے اس نے ٹیرس کا دروازہ کھولا۔ کچھ ہی فاصلے سے اسے سسکیوں کی آواز آئی۔ اس کے جھکے ہوئے چہرے سے آنسو ہوتے زمین پر گر رہے تھے۔ وہ بے آواز رو رہا تھا۔

زمانہ کہتا ہے کہ مرد کو درد نہیں ہوتا۔ مرد روتا نہیں ہے۔ مرد کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اس کا دل احساسات اور جذبات سے عاری ہوتا ہے۔

لیکن سب یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ مرد بھی انسان ہوتے ہیں؟ اور ہر انسان کے سینے میں دل ہوتا ہے۔

وہاج وہاں کھڑا رہا۔ اپنے بھائی کو تکتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ المیر عالیہ کی موت سے کبھی recover نہیں کر پائے گا۔ آج سے پچاس سال بعد بھی وہ اسی جگہ بیٹھا ہو گا۔ اسی طرح رو رہا ہو گا۔

موت حادثاتی ہو یا منصوبہ بندی کے تحت انجام پائی ہو۔ موت موت ہوتی ہے۔ کسی عزیز کا دور ہو جانا انسان کو توڑ دیتا ہے۔ اُسے جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ احساس کہ جس شخص کو وہ پوری زندگی اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا تھا اُسے وہ ایک لمحے میں کھو چکا ہے۔

المیر کے دل کا بھی کچھ یہی عالم تھا۔وہ اکیلارہ گیا تھا۔

وہاج اس کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔اس کا ایک ہاتھ تھاما تو المیر نے سرخ آنکھوں سے چہرہ ذرا سا موڑا۔"وجی۔تم سوئے نہیں اب تک؟"جلدی جلدی اپنے چہرے پر آیا پانی صاف کیا۔

"چھپ کر کیوں رو رہے ہیں بھائی؟"اس نے اس کا ہاتھ تسلی بخش انداز میں دبایا۔المیر نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔وہ اُسے اب اپنا حال کیسے سناتا۔

"بس ایسے ہی۔۔"اس کی آنکھیں پل بھر کے لئے نرم ہوئیں۔

"آپ کو عالیہ آپی کی یاد آرہی ہے ناں؟"اس نے اثبات میں سر ہلایا۔وہاج اٹھ کر اس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"بھائی جو چلے جاتے ہیں وہ رونے سے واپس نہیں آیا کرتے۔۔" کچھ سیکنڈز کے لئے رکا۔ "آپ کو یاد ہے سر حمید نے چند سال پہلے آپ سے کیا کہا تھا؟" سر حمید المیر اور وہاج کو سات سال پہلے تک ٹیوشن دیتے رہے تھے۔

"کیا؟" ذہن پر زور ڈالنے پر بھی اُسے یاد نہ آیا۔

"یہی کہ جو چلے جاتے ہیں ان سے ہم بات نہیں کر سکتے پر وہ سبق ۰۰۰ وہ درود بات کرتا ہے جس کا ثواب ہم پڑھ کر ان تک پہنچاتے ہیں۔" جب اتنی راتیں اُس نے اپنی بہن کے لئے روتے ہُوئے نکالیں تو اُسے سر حمید کی یہ بات یاد آگئی۔ اور تب سے اب تک وہ ایک مرتبہ بھی نہیں رویا تھا۔

المیر کی خالی خالی نظریں اُسے بری طرح چبھی تھیں۔ "اگر ہم کسی کی زندگی میں اُس کے کام نہیں آسکے۔ اس کا دکھ ۰۰۰ اس کا درد نہیں سمجھ سکے تو کوئی بات نہیں۔ شاید وہ انسان آپ کو باخبر کرنا چاہتا ہی نہ ہو۔ شاید اس میں آپ کی کوئی کوتاہی ہو ہی نہ۔ آپ اُسے ثواب پہنچا کر

اس کی afterlife کو بہت بہتر بنا سکتے ہیں۔"اس نے اتنے وقت میں پہلی دفعہ نظریں اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔شاید وہاج صحیح کہہ رہا تھا۔

"اس دکھ میں آپ اکیلے نہیں ہیں۔میں اور راحم بھائی برابر کے شریک ہیں۔فرق ہے تو صرف اتنا۔۔۔کہ میرے پاس آپ ہیں اور آپ کے پاس میں ہوں۔ہم دونوں سنبھل جائیں گے پر راحم بھائی۔۔ان کے لئے سنبھلنا بہت مشکل ہو گا۔"المیر پہلی دفعہ اپنے چھوٹے بھائی کے منہ سے اتنی سمجھداری والی بات سن کر چونکا تھا۔

"صرف آپ ہی وہ شخص ہیں جو انہیں حوصلہ دے سکتے ہیں۔راحم بھائی کی توجّہ عالیہ آپی سے ہٹا کر آپ کو انہیں کسی دوسری طرف متوجہ کرنا ہو گا اور یہ کام آپ نے کیسے انجام دینا ہے صرف آپ ہی جانتے ہیں۔اگر آپ دونوں افسردہ رہیں گے تو عالیہ آپی کے قاتل کو کون پکڑے گا؟"وہ جانتا تھا اس کا بھائی اس کی بات کا مطلب سمجھ جائے گا۔وہ جانتا تھا کہ اگر المیر راحم کو جوڑنے میں لگا رہے گا تو اپنا دکھ بھول جائے گا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو وجی۔ میں جانتا ہوں مجھے اُسے کس طرح ٹھیک کرنا ہے۔" اُس کے آنسو چہرے پر سوکھ چکے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں ایک نئے مقصد کی چمک تھی۔

وہاج سے بات کرنے کے کچھ ہی گھنٹوں بعد اُس نے راحم کو کال کر کے ملنے بلایا تھا۔ اگر راحم گھر پر ہوتا تو وہ اس کے گھر چلا جاتا لیکن راحم نانی کو لے کر ماہانہ چیک اپ کے لئے ہسپتال آیا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جب وہاں سے فارغ ہوا تو المیر سے ملنے خلیل منزل آیا۔ دونوں کار پورچ میں کرسیاں رکھ کر گھنٹوں بیٹھے رہے۔ المیر نے ایک دفعہ بھی عالیہ کا قصہ نہیں چھیڑا تھا لیکن راحم تھا کہ اس کی ہر بات میں صرف عالیہ ہی عالیہ تھی۔

وہ اس کی بات کرتے ہوئے رو نہیں رہا تھا۔ نہ ہی وہ ہنس رہا تھا۔ وہ صرف اس کا ذکر کر رہا تھا۔ جیسے اُسے اپنی ہر بات کا مرکز بنائے رکھنا چاہتا ہو۔

جب راحم کے دل کی بھڑاس نکلی تو المیر نے اسے اصل موضوع کی طرف راغب کیا۔دونوں میں کافی دیر تک منصوبہ بندی ہوئی کہ عالیہ کے کیس کو کیسے ہینڈل کیا جائے۔

پھر راحم گھر جانے کے لئے اٹھا تو اتنے عرصے میں پہلی دفعہ مسکرایا تھا۔اس نے المیر کو گلے سے لگا لیا کیونکہ وہ خوش تھا کہ کوئی اس کے ساتھ ہو نہ ہو المیر ہمیشہ اس کے ساتھ کھڑا رہے گا۔

جب وہ چلا گیا تو المیر نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔ان ہفتوں میں پہلی دفعہ اُسے ایسے لگا تھا کہ وہ سچ مچ خوش ہوا ہے۔

"ذرائع کے مطابق ابھی ابھی منظرِ عام پر آیا ہے کہ راولپنڈی اسلا م آباد کے سابق اے ایس پی رمیض جابر جن پر قتل کا الزام لگا تھا کورٹ میں آتے ہی غائب ہو گئے۔ وہاں موجود لوگوں اور اہلکاروں کا کہنا ہے کہ رمیض کو آخری دفعہ بیت الخلا کے باہر دیکھا گیا تھا۔۔"رمیض جابر کا ذکر آتے ہی خلیل محمد نے ٹی وی کی آواز بڑھا دی۔

"ہیئرنگ سے عین چند منٹ پہلے رمیض نے ایک اہلکار کو کہا کہ انھوں نے بیت الخلا جانا ہے۔ جب وہ اندر گئے تو ایک اہلکار باہر ان کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ جب اگلے دس منٹ بھی رمیض صاحب کی کوئی آواز نہ آئی تو اہلکار نے چیک کرنے کی غرض سے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ جگہ ایک دم خالی ہے اور رمیض جابر وہاں کہیں بھی نہیں ہیں۔ جی ہاں آپ کو بتاتے چلیں کہ..."رمیض کے ذکر پر باورچی خانے میں کام کرتیں آئمہ خلیل بھی باہر آ گئیں۔

"المیر!" خلیل محمد کی بلند رعب دار آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ جو گھر سے باہر زینوں پہ بیٹھا چائے پی رہا تھا فوراً اندر کو دوڑا۔

"جی بابا؟" خلیل محمد نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے صوفے پر بیٹھنے کا کہا۔ پر جب اسکرین پر ابھرتی ہیڈلائنز پر اس کی نظر پڑی تو وہ جھٹکے سے اٹھا۔

ٹراؤزر کی جیب سے فون نکال کر ایک نمبر ملایا اور پھر اُسے کان سے لگا لیا۔ "محمت، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" آواز میں کہیں غصہ تھا تو کہیں حیرانگی کا انحصر ہوتا تھا۔

چند لمحے دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ "سر۔۔ایک بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔ رمیض بھاگ نکلا۔" المیر کے ہاتھ کی رگیں تن گئیں۔ جبڑا بھینچ لیا۔

Clubb of Quality Content

"میں آتا ہوں۔ تم وہیں رکو۔"

بیس منٹ کے بعد وہ وردی میں عدالت کے اندر کھڑا تھا۔ محمت بھاگنے کے سے انداز میں اس تک آیا۔ آس پاس افراتفری کا ماحول تھا۔ ہر کوئی اس بھاگے ہوئے مجرم کو ڈھونڈنے کا اشتغال رکھتا تھا۔

"تم اور سلیم سو رہے تھے؟ یاخدا میں تم لوگوں کا کیا کروں۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔ آس پاس سے وکلاء اور آفیسرز گزر رہے تھے۔

یہاں آتے ہی اُسے خبر ہو گئی تھی کہ بیت الخلا کے باہر ڈیوٹی پر سلیم تھا۔ سلیم کام کا لاکھ ڈھیلا صحیح پر ذہنی طور پر کافی چست تھا۔ پھر یہ سب کیسے ہو گیا؟

اس نے بیت الخلا کی طرف دوڑ لگائی۔ وہ اپنے طور پر دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا۔ جگہ کافی تنگ تھی اور کوئی کھڑکی بھی نہ تھی کہ وہ بھاگ سکتا۔ اگر وہ اس جگہ سے فرار نہیں ہوا تھا تو پھر راہِ فرار اُسے ملی کہاں سے تھی؟ اس نے اضطراب کا شکار ہوتے ایک ایک چیز کو غور سے پرکھا۔

ہر چیز سے نظر ہوتی ایک جگہ ٹھہر گئی۔ بیسن کے قریب ایک کاغذ زمین پر پڑا تھا جس کا آدھا حصہ پوشیدہ نظر آتا تھا۔اس نے جھک کر اُسے اُٹھالیا۔جب کاغذ پر لکھی تحریر پڑھی تو اُس کے اعصاب تن گئے۔

"Agent eleven"۔۔"انگریزی میں ایجنٹ الیون اس پر درج تھا۔اس نے کاغذ کو مروڑ کر جیب میں ڈال دیا۔

یہ لکھائی سو فیصد وہی لکھائی تھی جو جمال کے کرتے پر اس روز المیر کی نگاہ سے گزری تھی۔ اس نے لب بھینچ لیے۔اگر جمال کے قتل میں ایجنٹ الیون کا ہاتھ تھا تو مطلب صاف تھا وہ رمیض کا مددگار تھا اور کے ساتھ اس قتل میں ملوث تھا۔

یہ ایجنٹ الیون جو کوئی بھی تھا۔ایک نا ایک دن تو المیر خلیل کے ہاتھ لگ ہی جانا تھا اور اس دن کا المیر کو شدت سے انتظار تھا۔

"اس سے پہلے کہ تم میری راہ کا کانٹا بنو۔۔میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔اور جس دن میں نے تمہیں ڈھونڈ لیا۔۔۔"اُس نے سیاہ بال پیشانی سے پیچھے کو کھسکائے۔"۔۔۔وہ دن تمہارا اس زمین پر آخری ہو گا۔"

ٹھنڈے ٹھار پانی کے چھینٹے اُس کے چہرے پر ایک زوردار طمانچے کی صورت میں پڑے تو اُس نے جھٹ سے آنکھیں کھول ڈالیں۔کچھ لمحوں کے لیے اندھیرا آنکھوں کے سامنے ٹھہر سا گیا لیکن پھر منظر صاف ہوا۔

وہ ایک ایسی جگہ پر موجود تھا جس کو اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔جگہ کا کچھ حصہ اندھیرے سے ڈھکا ہوا تھا اور باقی کا حصہ نمایاں تھا اور وہیں وہ سیاہ ماسک لگائے ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔

"ہیلو رمیض۔(ہم پھر سے مل گئے)we meet again۔" وہ آواز اس بند جگہ میں گونجنے لگی جو کہ اس کے لئے ایک دم نئی تھی۔اتنے فاصلے سے وہ صرف یہی اندازہ لگا پایا تھا کہ اس شخص نے کسی گہرے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے اور چہرے پر ماسک سجا رکھا تھا۔

کہیں سے پانی کے ٹپ ٹپ گرنے کی آواز آرہی تھی۔بہت دور کہیں اندر سے کسی کے قدموں کی مدھم آہٹ اس کے کانوں کو اپنی منزل بنا رہی تھی۔

"کو۔کون ہو تم؟"اس کی آنکھیں وحشت کے باعث کپکپاہٹ کا شکار تھیں۔نو وارد شخص نے ٹانگ پر سے ٹانگ ہٹائی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم نے صحیح کہا تھا۔۔ تمہیں اور اس ایس ایچ او کو قسمت نے نہیں ملایا۔جانتے ہو تم دونوں کو کس نے ملوایا ہے؟"آواز میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ایک گہرا اپن تھا۔اس آواز میں کچھ تو تھا جو رمیض کی پکڑ میں نہیں آپارہا تھا۔

اس نے تھوک نگلا۔"ک۔ کس نے؟"اس پر خوف کی کیفیت طاری تھی۔اس شخص کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی جو سیاہ ماسک کی وجہ سے پوشیدہ تھی۔

"میں نے۔"اطمینان سے لفظ ادا ہوئے۔رمیض کا دل معنوں کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

"تم جانتے ہو انسانی چہرے میں سب سے منفرد دو چیزیں کیا ہوتی ہیں؟"اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"پہلی منفرد چیز وہ چہرہ ہوتا ہے جو وہ دنیا سے چھپا کر رکھتا ہے۔جبکہ دوسری منفرد چیز آنکھیں ہوتی ہیں۔جانتے ہو کیوں؟"آواز میں بھاری پن مزید بڑھ گیا۔"کیونکہ آنکھیں جھوٹ نہیں بولتیں۔"وہ اپنی نشست سے اٹھا۔"زبان چاہے جتنی دفعہ انکار کرے۔۔آنکھیں سچ بیان کر ہی دیتی ہیں۔"

"ت-تم مجھے یہاں ک-کیوں لائے ہو؟"اس شخص نے پینٹ کی بیلٹ میں لگی پستول نکالی۔

"تاکہ فیصلہ کر سکوں۔"

"ک-کیساف-فیصلہ؟"پستول لوڈ کر کہ دوسرے ہاتھ میں تھام لی۔"یہی کہ تمہیں تڑپا تڑپا کر مارنا چاہیے یا مار مار کر تڑپانا چاہیے۔"

"تم المیر خلیل کے آ-آدمی ہو؟"پستول کا رُخ اب رمیض کی طرف تھا۔"میں نے آج تک کسی کے لیے کام نہیں کیا۔لوگ میرے لیے کام کرتے ہیں۔"

Clubb of Quality Content

"ت-تم نے کہا کہ المیر اور مجھے تم نے ملوایا ہے۔۔یعنی۔۔۔؟"زبان کی لڑکھڑاہٹ پر اب وہ کافی حد تک قابو پا چکا تھا۔

"یعنی۔۔۔۔"

اِشفاامین کو مہوین امین کچھ ہی دیر قبل مختصر الفاظ میں اپنی مریضہ عالیہ اِشفاق کے انتقال کی خبر سُنا کر باورچی خانے میں گئی تھی جب اُس کا فون بج اٹھا۔

گروپ چیٹ پر آئے ہزاروں کی تعداد میں میسیجز دیکھ کر وہ چونکی۔اس نے جب میسیجز پڑھے تو اس کی آنکھیں دنگ رہ گئیں۔رمیض جابر دن دہاڑے عدالت سے بھاگ نکلا تھا۔ ایسی خبر تو شاید پہلی دفعہ اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اسلام آباد اور راولپنڈی ہائی الرٹ پر کر دیے جا چکے تھے۔دونوں شہروں میں افرا تفری کا ماحول تھا۔پولیس کی گاڑیاں سڑکوں پر پہرہ دے رہی تھیں۔جبکہ تمام تھانوں کے ایس ایچ اور احم رضا احمد کے حکم کے مطابق رمیض جابر کو ڈھونڈنے میں اپنی جان لگا رہے تھے۔

شاید اس کا فرار ہونا ایک چھوٹی بات ہوتی اگر تو وہ کسی دوسری جگہ سے بھاگ نکلا ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ عدالت سے غائب ہوا تھا۔ اور یہ بہت بڑی بات تھی۔

سارے نیوز چینلز کے صحافی اپنا کام انجام دینے کے لیے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ اُدھر پولیس اپنے کام میں مشغول تھی تو اِدھر صحافی اپنا کام ادا کرنے میں رواں دواں تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک زوردار لات اُس کے پیٹ میں لگی تو وہ دیوار سے جا چپکا۔ زبان سے کراہنے کی آواز بے ساختہ برآمد ہوئی۔ درد سے آنکھیں میچتے اس نے گردن جھکا لی۔

"جب تک جواب نہیں دو گے۔ تب تک لاتیں کھاتے رہو گے۔" اس کا ایک آدمی اس کے پاس کھڑا ایجنٹ ایلیون کے کہنے پر اس پر تشدد کر رہا تھا۔

"چ-چار قتل۔۔چار قتل ہوں گے۔"زبان سے الفاظ ادا ہوئے تو پاس کھڑا ایجنٹ سیون کچھ فاصلہ اختیار کر گیا۔

"گڈ۔ویری گڈ۔"ایجنٹ ایلیون اُسے ہاتھ کے اشارے سے وہاں سے چلے جانے کے لئے کہا تو وہ باہر کی جانب چل دیا۔

"ت-تم مجھے خود ب- بھی تو پکڑ سکتے تھے۔پھر پولیس کو ز-زحمت کیوں دی؟"ایجنٹ ایلیون نے ایک ابرو اُچکائی۔سوال تو کافی مناسب تھا۔

Clubb of Quality Content

"تم اور تمہارا باس۔۔دونوں چوہے ہو۔اور تم دونوں کو تمہارے بل سے باہر نکالنے کے لئے مجھے جس حد کو پار کرنے کی ضرورت پڑی ••• وہ حد پار ہو کے رہے گی۔"

"لیکن-"اس کے الفاظ کو کاٹتے وہ پھر سے بولا۔"یہاں سوال کرنے کا حق صرف مجھے ہے۔!تم اپنی چونچ صرف تب ہی کھولو گے جب کھولنے کے لئے کہا جائے گا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ " تمہیں گھر سے اٹھوانا میرے لئے قطعاً مشکل نہ تھا۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ جانتے ہو کیوں؟"اس کی سرخی مائل آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔

"کیونکہ تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے۔"

"م- مدد؟"آواز اب کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔"ہاں۔ کیا تم نے کسی جمال نامی شخص کو مارا ہے؟"اس نے سر نفی میں ہلایا۔"ہوں۔ لیکن پولیس کو جو لاش تمہارے باغیچے سے ملی ہے وہ تو کوئی اور کہانی سناتی ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں- میں بے قصور ہوں۔"

"جمال کے کیس میں؟ ہاں لیکن اس گارڈ کے کیس میں؟ نہیں۔"جو لاش اس کے گھر سے برآمد ہوئی تھی وہ دراصل جمال کی تھی ہی نہیں۔

غلط ڈی این اے رپورٹ کے تحت ایجنٹ ایلیون نے بہت آسانی سے اُسے قصور وار اور لاش کو جمال ثابت کر دیا تھا۔

جبکہ وہ لاش ایک گارڈ کی تھی۔ جسے رمیض نے بے تحاشا تشدد سے مار ڈالا تھا۔ "You see? ایک نہیں تو دوسرے طریقے سے تم نے پھنسنا ہی تھا۔ آج نہیں تو کل المیر خلیل تم تک پہنچ ہی جاتا لیکن میں نے تمہیں اس کے جال سے نکال لیا۔" وہ اُسے manipulate کر رہا تھا۔ وہ manipulation میں اول درجے کا ماہر تھا۔

"کیوں؟" اس نے پلک جھپکائی۔ "کیونکہ تم میرے کام آؤ گے اور میں تمہارے۔ تم مجھے اپنے باس کا پلان اور ان چار قتلوں کے بارے میں بتاؤ گے اور بدلے میں ۔۔۔ تمہاری موت یعنی المیر خلیل تم سے دور رہے گا۔"

Clubb of Quality Content

"ت۔ تمہیں اس بات کی بھنک کیسے پڑی کہ باس کا اپنے شریکِ جرم کو راستے سے ہٹانے کا ارادہ ہے؟" وہ قدم قدم چلتا آیا اور اس سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔

"مجھے سب پتا ہوتا ہے۔" اس کی آواز میں ایک طنزیہ گوشہ تھا جیسے وہ رمیض کی حالت پر ہنس رہا ہو۔ "اب بتاؤ مجھے ۔۔۔ پہلا قتل کس کا ہو گا؟"

ایجنٹ ایلیون ڈر اور کنٹرول کو اس کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔ یہ ایک psychological tactic تھی جو کہ وہ اکثر لوگوں پر آزمایا کرتا تھا۔

"نفیسہ۔" ایک لفظ۔ ایک نام۔ اور ایجنٹ ایلیون کے دماغ میں وہ عورت اور اس کی شکل گھومنے لگی۔

وہ اُسے جانتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کمپیوٹر کی اسکرین پر google map کھلا ہوا تھا۔ میپ پر دس سے زائد جگہ پر سبز نشان موجود تھے جو کسی کی لوکیشن کا پتا دے رہے تھے۔

کمپیوٹر جس میز پر رکھا ہوا تھا اس کے گرد و نواح میں چار اہلکار مستعد کھڑے تھے۔ان سے پیچھے کچھ ہی فاصلے پر المیر خلیل اپنی مخصوص نشست سنبھالے ہوئے تھا۔

رات کے دس بجے یہ ٹیم تھانے کے اندر کسی خاص مقصد کے تحت موجود تھی۔

آج پیش آیا واقعہ ویسے نہیں تھا جیسے سب نے دیکھا تھا یا یوں کہیں تو زیادہ بہتر ہو گا کہ جیسا سب کو دکھایا گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

تین دن قبل

اس کے گندمی رنگ ہاتھوں میں گہرے بھورے رنگ کے مردانہ بوٹ اٹھائے ہوئے تھے۔وہ ان کے سول کو کٹر کی مدد سے الگ کر رہا تھا۔

"سر یہ طریقہ کام تو کر جائے گا ناں؟" سلیم نے اس کے ہاتھوں میں پکڑے جوتوں کو غور سے دیکھا۔اس نے نظر کٹر سے ہٹا کر اوپر اٹھائی۔"یہ میرا پلان ہے اور میرے پلانز کبھی فیل نہیں ہوتے۔"

اس نے جوتوں کے تلوے میں ٹریکر چھپا دیئے پھر جوتے زمین پر رکھے۔"جو تھانے میں اس کی مدد کرنے آیا تھا۔۔۔ وہ کورٹ میں بھی آئے گا۔۔"جوتوں کی طرف اشارہ کیا۔
"ہیرنگ سے عین دو گھنٹے پہلے رمیض کو یہ جوتے پہنا دینا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"جی سر۔"

موجودہ روز

میڈیا اور لوگوں میں ہر طرف جہاں گھبراہٹ کی کیفیت برقرار تھی وہیں المیر خلیل سکون سے اپنے پلان کو کامیاب ہوتے دیکھ رہا تھا۔

آج المیر کے حکم کے تابع سلیم چند سیکنڈز کے لئے بیت الخلا سے آگے پیچھے ہو گیا جب وہ واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ مجرم بھاگ چکا تھا۔اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ المیر خلیل کا اندازہ ایک دم ٹھیک تھا اور تیر نشانے پر جا لگا تھا۔

اس کے ساتھی اس بات سے ناواقف تھے کہ اس کے جوتوں میں ٹریکر لگا ہوا ہے۔ وہ اُسے لیے جہاں جہاں جا رہے تھے ان کی ہر حرکت اسکرین پر دکھ رہی تھی۔

"سر۔۔۔ ٹریکر کا سیگنل اچانک سے غائب ہو گیا ہے۔" قوی نے اسکرین کو گھورا اور پھر گردن موڑ کر المیر کو دیکھا۔

وہ جو سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا فوراً آگے کو آیا۔ "اس سے پہلے کہ وہ اپنا ٹھکانا بدلیں۔۔۔ ہمیں ان کے اڈے تک پہنچنا ہو گا۔"

Clubb of Quality Content

Trigger warning

I walked past a place so low,
Ground so dirty, feets so dry,
Flowers with wilted petals
No sound and I wonder why?

قبرستان کے بیچوں بیچ سے ایک بلند چیخ گونجی۔سات جنوری کی ایک خاموش صبح اس چیخ نے خاموشی کو چیرتے ہوئے اپنا تعارف وہاں کی فضاؤں سے کروایا۔

بارش کی ننھی ننھی بوندیں اس کے جسم کو تر کر رہی تھیں۔اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کے ہونٹ خشک تھے۔اس کا چہرہ زرد تھا۔مٹی پر پانی اور خون کا ملا جلا اثر تھا۔

خون اس کے جسم سے نکلتا ہوا زمین میں جذب ہو رہا تھا۔وہ شخص عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔اس کی پستول سے چلی ایک گولی اس عورت کی آنکھوں کے درمیان لگی تھی اور دوسری اس کے پیٹ میں دھنس گئی تھی۔

وہ اپنے بیٹے کی قبر پر آئی تھی۔سو اس نے اُسے اس کے بیٹے کے پاس ہی پہنچا دیا تھا۔پستول کو واپس پینٹ میں رکھتے اُس نے چہرے پر آئے پسینے کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔

یہ تھا اس کا سب سے خاص بندہ۔سب سے قریبی بندہ۔جسے مقتول سے نہ ہمدردی تھی نہ ہی انسانیت کا رشتہ تھا۔

Clubb of Quality Content

اس نے چمٹی کی ذریعے وہ دونوں گولیاں اس کے جسم سے نکال لیں کیونکہ وہ ایسا کوئی ثبوت نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جس سے شک سیدھا اس پر یا اس کے باس پر جاتا۔

اس شخص کا چہرہ ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔اس کی آنکھوں میں چھائی وحشت اس کے پتھر دل ہونے کی عکاسی کرتی تھی۔

گن کو واپس پینٹ میں لگانے کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔ جبکہ دور کھڑا وہ ایجنٹ قتل ہونے کے عین دو منٹ بعد مطلوبہ مقام پر پہنچا تھا۔ وہ چلتا ہوا اس لاش تک آیا۔ اپنی جیب سے ایک چیز نکال کر اس نے لاش سے کچھ فاصلے پر پھینک دی۔

گیلی مٹی پر اس کے جوتوں کے نشان چھپ چکے تھے۔ جب وہ قبرستان سے باہر آیا تو اس نے جوتے اتار کر ایک شاپر میں رکھے اور ساتھ لایا ہوا جوتوں کا جوڑا پہن لیا۔

پھر اس نے فون نکال کر اپنے باس کو ایک میسج چھوڑا۔

"مشن سفل ہوا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باب ٦

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک قطار میں پانچ گاڑیاں آکر رکیں۔ ٹھیک اُس جگہ جہاں آخری دفعہ ٹریکر آن ہوا تھا۔ سب سے آگے موجود سیاہ گاڑی میں سے وہ کاپ اترا۔ اس نے سیاہ شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ اس کے برعکس بقیہ ٹیم وردی میں ملبوس تھی۔

گن نکالتے وہ ٹیم کو لیڈ کرتا ہوا ایک دشا میں چل پڑا۔

یہ اسلا م آباد کا ایک سنسان علاقہ تھا۔جہاں ہر طرف ہریالی تھی۔دو تین اسٹریٹ لیمپس منظر کو روشنی بخش رہے تھے۔کہیں پاس سے مینڈک کی آواز کانوں کو چیرتی ہوئی آر پار ہو رہی تھی اور کہیں سے پانی بھی ٹپ ٹپ زمین پر اپنا گھر بنا رہا تھا۔

وہ کچھ قدم آگے بڑھا تو رکا۔ہاتھ کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو بھی تلقین کی۔اپنا چہرہ ایک سمت میں کرتے وہ کسی آہٹ کو سننے کی تگودو میں تھا۔پھر جیسے اُسے مطلوبہ آواز سنائی پڑی تو وہ بائیں سمت میں بڑے بڑے پر خاموش قدم اٹھانے لگا۔باقی سب بھی اس کے پیچھے ہو لئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی۔جب وہ ایک مخصوص جگہ پر آن پہنچا تو سامنے ہی ایک چھوٹا سا گھر اس کی نظروں کی گرفت میں پھنس گیا۔وہ گھر باقی گھروں سے بالکل الگ کر کے تعمیر کیا گیا تھا۔

وہ گھر کی طرف بڑھا جب اس کا پاؤں کسی لکڑی جیسی چیز پر آیا اور پتوں کی سرسراہٹ کی صدا چاروں اور پھیلی۔اس نے چہرہ اٹھا کر گھر کی طرف دیکھا۔

آواز اتنی بلند تو تھی کہ دشمنوں کو آگاہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ خاموشی کو برقرار نہ رکھتے ہوئے وہ اپنی ٹیم کے ساتھ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا گھر کے دروازے تک آیا۔

ایک ہی جست میں زوردار لات سے دروازہ مکمل طور پر کھل گیا۔ وہ سب اندر بڑھے۔ ایک ساتھ تیز تیز قدموں کی آہٹ نے ان کے کانوں کو چھوا۔

المیر فوری طور پر سامنے کی سمت بھاگا۔ زینے پھلانگتا ہوا دوسری منزل پر پہنچا تو گھپ اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔ قوی، سلیم اور محمت بھی اس سے دو چار زینے نیچے کھڑے ہو گئے۔

ماحول میں پھیلا تناؤ بڑھاتی ہوئی ایک گولی فضا میں گونجی۔ نشانہ محمت کا بایاں کندھا بنا۔ وہ کراہتے ہوئے زینے نیچے اتر گیا جبکہ باقی سب نے کچھ مخصوص جگہوں کے پیچھے کور لے لیا۔

اس کھلے میدان نما کمرے میں اندھیرے کے باوجود گولیاں تیز رفتاری سے چل رہی تھیں۔ المیر کے جبڑے کی رگیں تنیں۔ جس دشا سے گولیاں چل رہی تھیں اس نے اسی دشا میں گن کارخ کرتے ہوئے فائر کرنا شروع کر دیا۔

ایک گولی المیر کے کان کے بہت قریب سے گزری۔اس نے فوراً اپنا سر مخالف اور کیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دونوں طرف سے جنگ اپنی بلندی پر پہنچ گئی۔ باقی اہلکار بھی ان کی مدد کے لئے دوسری منزل پر آ گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

فائرنگ کی گونج کے دوران دو دفعہ کسی کے کراہنے کی آواز آئی لیکن دشمن کی اور سے۔المیر کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔اس نے کچھ آگے کو ہوتے ہولسٹر سے دوسری گن نکالی۔

وہ اکثر دو گنز سے دشمن کا مقابلہ کرتا تھا۔دھڑا دھڑ گولیاں دونوں سمتوں سے آر پار ہوئیں۔

پھر ایک دم خاموشی چھا گئی۔ پولیس فورس کی طرف سے تو گولیاں چلتی رہیں لیکن دوسری طرف سے آواز ندارد۔

المیر نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کروا دیا۔

پینٹ کے ساتھ لٹکی ٹارچ نکال کر جلائی تو کمرہ خالی پایا۔ لیکن نہیں ••• کمرہ مکمل طور پر خالی نہیں تھا۔ کمرے کے بیچوں بیچ ریٹائرڈ اے ایس پی رمیض جابر زمین پر بندھا ہوا بیٹھا تھا۔

ایک گولی اس کے بائیں کندھے میں کھبی ہوئی تھی اور دوسری اس کی ٹانگ میں۔ اس کا چہرہ چوٹوں سے بھرپور تھا۔ المیر نے سر دائیں بائیں ہلایا۔ وہ اس تک آیا اور جھک کر اس کی ناک کے نیچے دو انگلیاں رکھیں۔ وہ سانس لے رہا تھا۔

اس کی توجّہ اس سے ہٹی کیونکہ اچانک اُسے بہت قریب سے کسی چیز کے چلنے کی آواز آئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ٹارچ کو اس طرف گھماتے اس نے نظریں اس سمت میں مرکوز کیں تو اُسے رولنگ ڈور دکھا۔وہ دراصل ایسا دروازہ تھا جو خود باخود اوپر سے نیچے آرہا تھا۔اس کا رنگ دیوار جیسا تھا۔ اس لئے المیر کو پہلی نظر میں وہ نہ دکھ پایا تھا۔

اس کی آنکھوں میں خون دوڑا۔وہ بھاگ کر اس دروازے تک آیا۔دروازے اور زمین کے درمیان کا فاصلہ بہت ہی کم معلوم ہوتا تھا۔اب اگر اس میں سے کوئی آتا جاتا تو اپنی جان ہی گنواتا۔لیکن دوسری طرف المیر خلیل موجود تھا۔اتنی پھرتی اور حاضر دماغی کے ساتھ وہ پھسل کر اس فاصلے میں سے نکلا کہ ڈر کے مارے باقی اہلکاروں نے سر پر ہاتھ رکھ لئے۔

Clubb of Quality Content

وہ جیسے ہی اس کمرے میں پہنچا تو دروازہ دھپ کی آواز کے ساتھ ہی بند ہو گیا۔اگر وہ دو سیکنڈ بھی لیٹ ہو جاتا تو...

کمرہ ایک دم خلو کا شکار تھا۔کچھ ہی فاصلے پر ایک بالکونی تھی۔وہ بھاگ کر اس تک گیا۔جب اس نے وہاں سے نیچے کی سمت دیکھا تو اس کے اعصاب تن گئے۔

وہ تمام دشمن رسیوں کے ذریعے بالکونی سے نیچے اتر چکے تھے۔ لیکن ان میں سے صرف ایک آدمی بالکونی سے سرکتی رسی کو تھامے نیچے جا ہی رہا تھا۔

اس نے بڑی دلیری سے رسی کو دونوں ہاتھوں میں تھاما اور اُس شخص کو اوپر کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ اتنی اونچائی پر تو تھا ہی کہ اگر رسی چھوڑتا تو اپنا ہاتھ یا پیر تڑوا لیتا۔

المیر کو یقین تھا کہ وہ رسی نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے اس نے اُسے اوپر کھینچنا شروع کر دیا۔ اس دوران اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر گہرے زخم آنے لگے۔ ہاتھوں کی پشت پر رگیں دھیرے دھیرے ابھرنے لگیں۔

Clubb of Quality Content

اس کا جسم پسینے سے نہایا ہوا تھا۔ سیاہ گھُنگریالے بالوں سے پسینہ ٹپکتا ہوا اس کے چہرے پر گرنے لگا۔

مزید زور لگاتے اس نے ایک ہی جست میں رسی اوپر کھینچی اور وہ شخص بالکونی سے آ لگا۔ اس کے چہرے پر سیاہ ماسک نے بسیرا کر رکھا تھا۔

اس نے بالکونی کی گرل پر ہاتھ جمالئے۔وہ کبھی اوپر کھڑے سرخ سُرمئی آنکھوں والے کاپ کو دیکھتا تو کبھی نیچے۔اس کا یوں اوپر نیچے دیکھنا المیر کو یقین دلا گیا تھا کہ یہ شخص دلیر تو بالکل نہیں تھا۔

"اگرا تنی اونچائی سے گرے تو کم از کم ایک بازو اور دونوں ٹانگیں ضرور ٹوٹیں گی۔اگر ہڈیاں نازک ہوئیں تو سر بھی پھٹ سکتا ہے۔" چہرے پر دلجمع مسکان آبیٹھی۔"اور اگر اوپر آ گئے تو دونوں ٹانگیں میں توڑ دوں گا۔ہاں البتہ سر سلامت رہے گا۔تو پھر کیا کہتے ہو۰۰۰؟" آنکھوں سے اوپر اور پھر نیچے دیکھا۔

اس نے گھبراتے ہوئے تھوک نگلا۔وہ تو پھنس چکا تھا۔اگر پیچھے کنواں تھا تو آگے کھائی تھی۔ اس ایک پل کے لئے اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔

مقابل کی آنکھیں اُسے ایک کھلی کتاب کی طرح لگیں۔اس نے کچھ قدم آگے بڑھائے۔ ایک ہاتھ بالکونی سے نیچے گرایا۔ جسے تھامتے ہوئے وہ سیاہ ماسک والا انسان گرل پر ہاتھ رکھتے بالکونی سے اندر کی طرف کودا۔

اس نے المیر کے ہاتھ کی سخت گرفت سے اپنا ہاتھ آزاد کروایا اور دوسرے ہاتھ کو استعمال میں لاتے ہوئے ایک مکا المیر کے جبڑے پر مارنا چاہا جب مقابل نے اپنا چہرہ اس کے وار سے بچاتے ہوئے اپنے ایک مضبوط ہاتھ میں اس کا مکا جکڑ لیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

پھر اسی ہاتھ کے بازو کو مروڑتے ہوئے اس شخص کا جسم موڑا کہ اب اس کی پشت المیر کی طرف تھی اور وہ مکمل طور پر المیر کے رحمو کرم پر تھا۔

"اگر ہاتھ سے زیادہ دماغ چلا لیتے تو شاید پولیس سے بچ نکلتے۔" اپنی گن کا بٹ اس کے سر پر دے مارا اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھا۔

اس کے جسم کو وہیں زمین پر چھوڑ کر المیر نے دیوار پر لگا بٹن دبایا جس سے وہ رولنگ ڈور کھلتا چلا گیا۔

کفیل اور قوی بھاگ کر اندر کی طرف بڑھے۔المیر نے ماتھے پر آئے اپنے سیاہ بال پیچھے کی طرف سر کائے اور ساتھ ہی ساتھ ہاتھ کی پشت سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

زمین پر گری اپنی ٹارچ اٹھائی اور وہاں سے نکل گیا۔

ان دونوں نے آگے بڑھ کر اس شخص کو اٹھایا اور باہر کی طرف بڑھنے لگے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

راحم رضا احمد سفید شلوار قمیض میں راولپنڈی کے ایک وسیع قبرستان میں موجود تھا۔وہ زانوں کے بل زمین پر بیٹھا مٹی کو چھو رہا تھا۔زمین میں پانی کے ساتھ ساتھ خون کی بھی لہر بنی ہوئی تھی۔

اس نے ذرا سی مٹی انگھوٹے اور شہادت کی انگلی کے درمیان مسلی پھر چہرہ اوپر کر کے راولپنڈی کی اس جگہ کے ایس ایچ او کو دیکھا۔

"خون ابھی تازہ ہے۔ لیکن چونکہ ساری رات بارش ہوتی رہی ہے اس لئے بارش کے پانی کی وجہ سے بھی ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔" ایس ایچ او نے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر مقتولہ کے چہرے کو دیکھا جو کہ مٹی اور خون سے لتپت تھا۔ شناخت کرنا فلوقت مشکل تھا۔

راحم کھڑا ہوا۔ "لاش کو فرانزک لیب لے جاؤ۔ مقتولہ کے چہرے کی تصویر لے لو اور شناخت کے لئے بھیج دو۔" ایک اہلکار زمین پر بیٹھا مٹی پر بنے جوتوں کے تلوں کے نشانات کو اٹھا رہا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹنے لگا تو اُس کا فون بج اٹھا۔

اُس نے فون کو جیب سے نکالا۔ "ہاں المیر؟" ایک ابرو اُچکائی۔ دوسری طرف کال پر موجود شخص نے اُسے اپنے ساتھ پیش آئے واقعے سے آگاہ کیا۔

راحم کو یقین تھا کہ المیر کا پلان کام کر جائے گا۔اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔شکر ہے خدا کا کہ رمیض جابر مل گیا تھا ورنہ المیر کے ساتھ ساتھ راحم کی بھی ایس پی صاحب سے دھلائی ہو جاتی۔

"میں ابھی قبرستان میں ہوں۔یہاں ایک عورت کا مرڈر ہو گیا ہے۔" اسپیکر کے اُس پار سے کچھ اور کہنے کی آواز آئی تو راحم نے ہولے ہولے سر ہلایا۔"ہاں ٹھیک ہے۔" پھر کال بند کردی۔

رمیض ہسپتال میں پولیس کی زیرِ نگرانی داخل ہو گیا تھا۔ڈاکٹرز کے مطابق اس کو زیادہ سے زیادہ ٹھیک ہونے میں چند ہفتے لگنے تھے۔

المیر نے قوی کو تلقین کی تھی کہ اس کے ٹھیک ہو جانے کے فوراً بعد عدالت میں ہیر نگ کی تاریخ لے لے۔

دشمنوں کے اڈے پر ملنے والا شخص اس وقت ٹارچر سیل میں موجود تھا۔اس کے چہرے کا نقاب ہٹ چکا تھا۔دکھنے میں تو وہ ایک بیس سے بائیس سال کا لڑکا تھا۔رنگ سانولا سا تھا اور چہرے پر دائیں آنکھ کے نیچے ایک بڑا سا نشان تھا۔یہ ایجنٹ فائیو تھا۔

وہ کرسی پر بندھا ہوا بیٹھا تھا۔المیر اس کے پاس ہی موجود تھا۔کرسی کے سامنے رکھی میز سے ٹیک لگائے۔

"یہ نشان تمہارے چہرے پر کہاں سے آیا؟"اس آدمی نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔ "بچپن میں گھر کی چھت سے گر گیا تھا۔"

"کس کے لئے کام کرتے ہو؟"مدعے پر آتے اس نے ہولسٹر سے گن نکال کر میز پر رکھ دی۔اس کی نظر اس پر ٹھہر گئی۔اس نے تھوک نگلا۔

"کسی کے لئے نہیں۔"المیر نے سر دھیرے سے اثبات میں ہلایا۔"Try again" اور اگر اس دفعہ جواب میری توقع کے بر عکس نکلا تو سب سے پہلے تمہارا اجبڑا توڑوں گا۔"

نیند سے اس کی بھوجل ہوئی آنکھیں نیچے کی سمت دیکھنے لگیں۔"میں اپنے ادارے سے غداری نہیں کر سکتا۔"

"چلو تمہارے لئے سوال آسان کر دیتا ہوں۔ایجنٹ ایلیون کون ہے؟"اس شخص کے چہرے پر دھیرے سے مسکراہٹ پھیلی۔وہ مسکرانے لگا۔"نہیں بتاؤں گا۔"

"باس ہے تمہارا؟"اس نے کندھے اچکائے۔

اس کاپ کے پل بھر میں اعصاب تنے۔ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھتے اس کے سر کو بالوں سے پکڑ کر پیچھے کیا۔"رمیض کا ایجنٹ ایلیون سے کیا تعلق ہے؟"

Clubb of Quality Content

اس نے سسکی بھرتے ہوئے اپنا سر اس کی گرفت سے چھڑوانا چاہا۔"بہت گہرا تعلق ہے۔"
المیر نے اس کا سر زور سے جھٹکا اور پھر گرفت سے آزاد کر دیا۔

"تم رمیض کے لئے کام کرتے ہو یا ایجنٹ ایلیون کے لئے؟"وہ میز تک آیا۔گن اٹھائی اور لوڈ
کی۔

اس کی نظر اس کی ایک ایک حرکت پر مرکوز تھی۔"میں اپنے خدا کے لئے کام کرتا ہوں۔
اپنی سرزمین سے گند کو ختم کرتا ہوں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"یعنی تم بھی ایک ایجنٹ ہو۔"اس نے گن کا رخ اس کی طرف کیا۔"اگر تو تم کسی ایجنسی کے
لئے کام کرتے ہو تو ایجنسی کا نام بتاؤ۔شاید میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

اس نے سر نفی میں ہلایا۔"جب تک باس کا motive achieve نہیں ہو جاتا تب تک
تم مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکتے۔چاہو تو مجھے مار ڈالو۔"

المیر نے کن آنکھیوں سے اُسے دیکھا۔ بالکونی سے کودتے ہوئے اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے اور یہاں بیٹھا اپنی موت کو کھلی دعوت دے رہا ہے؟ اُسے ماجرا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

شاید اُسے اونچائی سے گر کر مرنے سے آسان پولیس کے ہاتھوں انکاؤنٹر ہو کر مرنا لگ رہا تھا۔

پھر پیچھے کھڑے محمت کو دیکھ کر سر ہلایا۔ "فلحال اسے ہاتھ نہ لگانا جب تک کہ ایس پی صاحب کی طرف سے کوئی آرڈر نہ آجائے۔" اس کے پاس جا کر دھیمی آواز میں کہا اور پھر وہاں سے باہر نکل گیا۔

•·—·◦◦·—·•

خلیل محمد اور آئمہ خلیل گھر کے لاؤنج میں بیٹھے نیوز دیکھنے میں مشغول تھے۔ وہاج لیپ ٹاپ لے کر نیچے فرش پر بیٹھا ہوا تھا اور المیر ایس پی صاحب سے فون پر بات کر رہا تھا۔

ایس پی صاحب اے ایس پی راحم رضا احمد کے ذریعے المیر کے پلان سے بہت پہلے سے واقف تھے۔ان کی واقفیت راحم کے لیے سب سے بڑا حوصلہ بنی تھی۔اگر المیر کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ ایس پی کو بنا خبر کیے اپنے پلان کو عملی شکل دے ڈالتا۔

اُسے ایس پی کچھ خاص پسند نہ تھا پر کیا کرتا اس کا حکم بجالانا اس کی مجبوری تھی۔

اس نے کال بند کی تو گھر کی گھنٹی بجی۔وہاج فرش سے اٹھا اور دروازہ کھولنے کی غرض سے اس تک بڑھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

دروازہ کھولنے پر دو پولیس اہلکار منظرِ عام پر آئے۔المیر ان تک آیا۔دونوں نے المیر کو سلام پیش کیا۔

"ایس ایچ او صاحب معذرت چاہیں گے کہ آپ کے گھر تک آنا پڑا لیکن سر کا حکم تھا۔" المیر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں گھر کے اندر آنے کی دعوت دی۔

"نہیں سر۔۔۔بس ہلکی پھلکی پوچھ تاچھ کرنی ہے۔یہیں سے کر لیتے ہیں۔"وہ سر ہلاتا ہوا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

خلیل محمد بھی ان کے پیچھے ہی کھڑے تھے جبکہ آئمہ خلیل اپنی جگہ پر ہی موجود تھیں۔ان میں سے ایک نے جیب سے ایک تصویر نکال کر ان تینوں کے سامنے کی۔"کیا آپ اس عورت کو جانتے ہیں؟"

المیر نے اس کے ہاتھ سے تصویر تھامی۔پھر تعجب سے اپنے بھائی اور والد کو دیکھا۔"جی بالکل۔۔۔یہ ہمارے ہاں کام کرتی ہیں۔"

"کل رات کو کسی نے انکا قتل کر دیا ہے۔"المیر کی آنکھیں پل بھر میں پھیلیں۔وہ بری طرح سے چونکا تھا۔

"کیا؟ کیسے ہوا قتل؟" خلیل محمد نے آگے کو ہوتے تصویر کو غور سے دیکھا۔ "ان کو گولیاں ماردیں کسی نے۔ اے ایس پی صاحب سے پتا چلا کہ یہ عورت آپ کے گھر میں کافی سالوں سے کام کرتی ہے تو ہم نے سوچا المیر صاحب سے ہی پوچھ لیں۔"

تو ایس پی صاحب سے بات کرتے ہوئے اسی لئے بیچ میں بار بار راحم کی کال آ رہی تھی۔

"نفیسہ ہماری بہت پرانی ملازمہ تھیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔" خلیل محمد نے افسوس کا اظہار کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کیا آپ کو کسی پر شک ہے؟" دوسرے اہلکار کے پوچھنے پر المیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "کیا آپ اس رومال کو پہچانتے ہیں؟" اویڈنس بیگ میں رکھا رومال ان کے سامنے کیا۔

خلیل محمد نے کندھے اچکائے۔ جبکہ المیر اور ان کے پیچھے کھڑا اوہاج ان دونوں کے درمیان سے گزرتا ہوا جھک کر رومال کو غور سے دیکھنے لگا۔ "یہ تو ماما کا ہے۔"

وہاج کی پکار پر آئمہ خلیل نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر سامنے کے منظر پر ٹھیرا لیں۔ پھر دھیرے دھیرے اپنی نشست سے اٹھیں اور دروازے کی جانب بڑھنے لگیں۔

"میڈم کا رومال ہے؟" اہلکار نے چونک کر اپنے ساتھی کو دیکھا۔ آئمہ خلیل ان تک آئیں تو وہاج کو گھور کر دیکھنے لگیں۔

پھر رومال کا بغور جائزہ لیا۔ "ہاں ہے تو میرا ہی پر میں اکثر چیزیں اپنے ملازموں کو دے دیتی ہوں۔ آپ کو کہاں سے ملا؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آپ کی ملازمہ نفیسہ کا کل رات قتل ہو گیا ہے۔ یہ رُومال جائے واردات سے برآمد ہوا تھا۔" آئمہ خلیل نے منہ پر ہاتھ رکھ لئے۔

"کیا؟ نفیسہ کا انتقال ہو گیا؟ یا اللہ!" انھوں نے ہتھیلی دل کے مقام پر رکھ لی۔

"یہ رومال ۰۰۰" اشارہ اویڈنس بیگ کی طرف کیا۔ "۰۰ آپ نے نفیسہ کو خود دیا تھا؟"

المیر کا فون اسی وقت بجنے لگا۔اس نے فون کو سائلنٹ پر کر دیا۔"ماما اکثر ملازمین کو پرانی چیزیں دے دیتی ہیں۔"اس نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اس کا فون پھر سے بجنے لگا تو اس نے اسکرین پر ابھرتا نام دیکھا جو کہ راحم کا تھا۔اس نے فون کو کان کے ساتھ لگایا اور تھوڑے فاصلے پر ہو لیا۔

اگر راحم مسلسل کال کر رہا تھا تو اس کا یہی مطلب تھا کہ کوئی ضروری بات ہے۔

راحم نے اسپیکر کے اس پار سے جو بھی کہا تھا اس نے المیر کے پسینے چھڑوا دیے تھے۔اس نے فوری طور پر فون بند کیا اور اپنے والد کے ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں میں ۰۰۰ نوکروں کو چیزیں دیتی ہوں اور کچھ تو خود ہی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میں نے اُسے خود دیا تھا یا نہیں پر شاید دیا ہی ہو۔"المیر اب والد کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

Clubb of Quality Content!

خلیل محمد نے اس کی بات پر سر اثبات میں ہلایا اور المیر اہلکاروں تک آیا۔ "مجھے ایک ضروری کام آگیا ہے۔ آپ بابا سے بات کریں تب تک میں آتا ہوں۔" آئمہ خلیل نے گھبرائے ہوئے المیر کو غور سے پرکھا۔

وہ وہاں سے باہر نکل گیا اور فوراً گاڑی سٹارٹ کر کے سڑک پر ڈال دی۔ جبکہ خلیل محمد نے اہلکاروں کو گھر کے اندر آنے کی دعوت دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جھٹ سے گاڑی کو روکتے ہوئے اُس نے قدم باہر نکالے۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ہسپتال کی راہداری میں آن پہنچا۔

اس کی کیفیت کچھ یوں تھی کہ چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں جھلملا رہی تھیں اور دل تھا کہ سینے میں زوروں سے دھڑک بھی رہا تھا اور ڈگمگا بھی رہا تھا۔

وہ استقبالیہ کاؤنٹر کے پاس پہنچا۔ "وارڈ کس طرف ہے؟" لڑکی نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے دائیں جانب جانے کا کہہ دیا۔

وہ بھاگتا ہوا اس طرف گیا۔ وارڈ کا دروازہ اندر سے بند تھا اس لئے وہ وہیں ٹھہر گیا۔ کچھ فاصلے پر رکھی بینچ پر اُسے اس کا اسسٹنٹ بیٹھا نظر آیا۔

جب اس کی نظر پریشان حال المیر پر پڑی تو وہ فوراً کھڑا ہوا۔ "ہیلو سر۔" المیر تک گیا اور ہاتھ آگے بڑھایا۔ بے دھیانی کے عالم میں اس نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"وہ۔۔۔ وہ ٹھیک تو ہے؟" لفظ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔ مومن اس کی حالت پر الجھا۔ "پتا نہیں۔ نہ کوئی اندر سے باہر آ رہا ہے اور نہ ہی اندر جانے دے رہے ہیں۔"

اسی وقت وارڈ کا دروازہ کھلا اور ایک نرس سامنے آئی۔ المیر بھاگتا ہوا اس تک پہنچا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ نرس کے پاس سے ہوتے اس نے وارڈ کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔

"ارے۔۔۔آپ ایسے اندر نہیں جا سکتے!"نرس فوراً بولی۔المیر نے ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

"میں جا رہا ہوں اندر۔آپ مجھے روک نہیں سکتیں۔"نرس نے اُسے سر تا پیر دیکھا۔اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اگر اُسے اندر نہ جانے دیا گیا تو وہ ہسپتال کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

"دیکھیں سر۔۔۔اندر صرف رشتیدار جا سکتے ہیں۔آپ کون ہیں مریض کے؟"نرس نے اُسے سائڈ پر ہٹنے کا اشارہ کیا۔

"بیوی ہے وہ میری!"

انکشاف تھا یا دل کا حال۔جو بھی تھا اس نے المیر کے زوروں سے دھڑکتے دل کو مدھم کر دیا تھا۔

Clubb of Quality Content

وہ بات جو وہ کبھی زبان پر نہیں لاتا تھا۔ آج اس کے دل سے نکل کر سیدھی زبان پر گھر کر گئی تھی۔ اسے لگا جیسے ان الفاظ نے اس کے منہ میں شیریں اثر ڈال دیا ہو۔ جیسے اُسے حوصلہ دے دیا ہو۔

جیسے تنہائی میں روشنی دکھادی ہو۔ جیسے سورج ہٹے اور بارش برسادی ہو۔ جیسے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ریگستان میں جھلکا دیا ہوا۔ جیسے آندھی اور طوفان میں دو بچھڑے دلوں کو ملوادیا ہو۔

اسے ان لفظوں کا استعمال ایسا لگا جیسا کبھی کچھ اس کے سینے کو نہ لگا۔

Clubb of Quality Content

اس سحر کے زیرِ اثر اس کی آنکھوں کا رنگ ہلکے سُرمئی رنگ میں بدل گیا۔ اس نے پیشانی پر بکھرے اپنے بال ہٹائے۔

"جی ٹھیک ہے۔ آپ اندر جا سکتے ہیں۔ لیکن جب تک ڈاکٹرز باہر نہیں آجاتے آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔" اس نے دروازہ چھوڑ دیا۔

نظر مومن پر ڈالی جو بینچ پر بازو پھیلائے المیر کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ پھر جب وہ اپنے پیروں پر پورا مڑا تو اپنے بیسٹ فرینڈ کو کھڑا پایا۔

جو کہ کھل کر مسکرا رہا تھا۔ گال کا گڑھا نمودار ہوا۔ لیکن جب اس نے المیر کو اپنی طرف تکتا پایا تو ہونٹ آپس میں پیوست کر لئے۔

اتنے میں ڈاکٹرز باہر آنے لگے۔ راحم کو اشارہ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھا جب پیچھے سے نرس کی آواز آئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"وارڈ میں بالکل آخر میں آپ کی بیگم کو شفٹ کر دیا ہے۔" اس نے بنا پیچھے دیکھے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

وارڈ میں کچھ لوگ مشینری سیٹ کر رہے تھے۔ کہیں سے بیپ بیپ کی آواز آ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھا تو اُسے مریض ہی مریض ہر جگہ نظر آئے۔ لیکن اُس کی نظریں تو اُس ایک چہرے کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

وہ ہسپتال بیڈ کے پاس سے گزرتا گیا۔جب وہ ان میں سے ایک بیڈ کے پاس آ کر رک گیا۔اس کی نظروں کے حصار میں وہ چہرہ آیا۔وہ شہد رنگ آنکھوں والی ملکہ آئی۔

وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا اس کے پاس پہنچا اور وہیں رک گیا۔اس کی بیوی کی آنکھیں بند تھیں۔وہ شاید بے ہوش تھی۔

کچھ پل وہ یونہی کھڑا رہا۔اس کے چہرے کو تکتا رہا۔

Clubb of Quality Content

اسی پل شہد رنگ آنکھیں کھلیں۔اس کے اترے ہوئے چہرے پر ایک خوش نما مسکراہٹ بکھری۔

اس نے ایک ابرو اچکائی۔"کوئی میرے لئے پریشان ہو رہا ہے؟"

المیر کے چہرے پر بہت ہی میٹھی مسکان در آئی۔اس کی ساری پریشانی اُڑن چھو ہو گئی۔وہ بیمار ہو کر بھی کتنی خوبصورت لگتی تھی۔

"میں کیوں پریشان ہونے لگا تمہارے لیے؟"مسکان ابھی بھی برقرار تھی۔سیاہ رنگ بال پیشانی پر بکھرے تو اس نے ہاتھ بڑھایا تاکہ پیچھے کھسکا سکے۔

"بال نہ کریں پیچھے۔ایسے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔"المیر خلیل کا ہاتھ ہوا میں ہی رہ گیا۔چہرہ پل میں سرخ ہوا۔چہرے پر چھائی سرخی چھپانے کے لئے اس نے چہرے جھکا لیا۔

Clubb of Quality Content

اشفا نے ایک ابرو اچکائی۔پھر کچھ آگے ہو کر اس کا چہرہ دیکھنا چاہا۔اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کی ہنسی چھوٹی۔"گولی مجھے لگی ہے۔پر لگتا ہے اثر آپ کے دماغ پر ہو گیا ہے۔"

گولی کا ذکر آتے ہی اس نے چہرہ اوپر اٹھایا۔"کیسے ہوا یہ سب اور کہاں ہوا؟"مسکراہٹ پل میں سمٹ گئی تھی۔

"وہ جو راولپنڈی میں قتل ہوا تھا نا کل رات۔ میں وہاں کی کورتج لینے گئی تھی صبح۔ کورتج لے کر نکلی ہی تھی کہ ڈبل روڈ کے اُس پار ایک بائیک آکر میرے پاس رک گئی۔" ایک گہرا سانس لیا۔" بائیک پر دو آدمی سوار تھے۔ ایک نے گن دکھائی اور دوسرے نے بیگ لینے کی کوشش کی۔ میں بیگ کیسے دے دیتی؟ اس میں میرا اتنا قیمتی سامان تھا تو اس لئے میں نے جوابی کاروائی کی اور انھوں نے گولی چلادی۔" مزے سے کہا تو المیر نے دائیں بائیں سر ہلایا۔

"گولی۔۔۔ بازو کو چھو کر گزری ہے؟" اشفا نے سر اثبات میں ہلایا۔" تو آپ کیا چاہتے تھے کہ دل پر لگتی؟"

Clubb of Quality Content!

المیر کی آنکھیں خفت سے پھیل گئیں۔ اگر لفظوں کو توڑ مروڑ کر اپنے سانچے میں ڈھالنے کا کوئی ایوارڈ ہوتا تو وہ اس لڑکی کو ملتا۔" اللہ معاف کرے، اشفا۔ میں کیوں ایسا چاہوں گا؟"

"دشمن جو ہوں میں آپ کی۔" چہرے پر مسکان پہلے سے زیادہ پھیل گئی۔ یا اللہ یہ شرارتی مسکراہٹ ہمیشہ اس کے دل میں ہلچل مچادیتی تھی۔

"دشمن کے لیے کوئی گھر کی چپلوں میں پاگلوں کی طرح گاڑی چلا کر ہسپتال نہیں آتا۔" اشفا کی شہد رنگ آنکھیں نرم پڑیں۔

"مطلب اب ہم دوست بن گئے ہیں؟" المیر کا سنجیدہ چہرہ چمکنے لگا۔ اس کے ہونٹوں سے زیادہ اس کی آنکھیں مسکراتی تھیں۔ اشفا یہ بات اچھے سے جانتی تھی۔ اس نے شانے اچکا دیے۔

اگر اس کے پاس جادو کی چھڑی ہوتی تو وہ اس گفتگو کو کبھی ختم نہ ہونے دیتی۔ وہ اتنی طویل گفتگو کبھی کبھی تو کرتا تھا۔

"بیٹھ جائیں۔۔۔ کھڑے کیوں ہیں؟" بیڈ کے پاس رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ جا کر اُس پر بیٹھ گیا۔

"تم ٹینشن مت لینا۔۔۔ میں ان دونوں کو ڈھونڈ نکالوں گا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیسے ڈھونڈیں گے؟ اس سڑک پر تو کوئی کیمرا بھی نہیں ہے اور نہ ہی میں نے ان کی شکلیں دیکھی ہیں۔ انہوں نے چہرہ ڈھک رکھا تھا۔ اور رہی بائیک کی نمبر پلیٹ کی بات تو جب بات بیگ پر بنی تو میں سب بھول گئی۔ ہاں البتہ دکھنے میں وہ کچے کھلاڑی لگ رہے تھے۔ ہاتھ ایسے لرز رہے تھے جیسے پہلی دفعہ چوری کر رہے ہوں۔"

"چاہیں تو زمین کے اندر زندہ دفن ہو جائیں۔ میں ہر قیمت پر انہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔" پھر کچھ آگے کو ہوا۔ "تم اگر حاتم تائی بننا بند کر دو تو میری آدھی ٹینشن ختم ہو جائے گی۔"

"آپ مجھے ٹینشن کہہ رہے ہیں؟" معصوم سی شکل بنا کر اُسے دیکھا۔ المیر نے اپنی پشت کرسی کے ساتھ ٹکائی۔

"لڑکی تم حرکتیں ہی ایسی کرتی ہو۔ اب گولی لگنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ میں سر احمد سے بات کروں گا کہ تمہیں ایک ہفتے کی چھٹی دے دیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "جب میں آپ کے کام میں دخل نہیں دیتی تو آپ کیوں دیں گے؟"

"میں بڑا ہوں تم سے ۰۰ میں دخل دے سکتا ہوں۔" کلائی آگے کر کے ٹائم دیکھا پھر ہاتھ پہلو میں گرالیا۔

"اچھا؟ چلیں پھر مجھ سے پورے دو سال بڑے ہونے کا حق ادا کریں۔" پہلو میں رکھی مٹھی کھول کر ہتھیلی اس کے سامنے کی۔ "پانچ ہزار نکالیں۔"

Clubb of Quality Content!

"اب تم سے دو سال بڑے ہونے کا پانچ ہزار جُرمانہ بھرنا پڑے گا کیا؟" وہ زور سے ہنسی۔ پھر سر ہلاتی آگے کو ہو بیٹھی۔

"ارے نہیں ایس ایچ او صاحب۔ یہ تو ہسپتال کے بل کے پیسے ہیں۔" شرارتی مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی۔

اس کو چند سیکنڈز گھورتا رہا پھر دھیرے سے والٹ نکالا۔ پانچ پانچ ہزار کے دو نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

پہلے نگاہ ہتھیلی پر ڈالی پھر اس پر۔ پھر بنا کچھ کہے پیسے پاس رکھے بیگ میں ڈال دیئے۔ گھر آئی لکشمی کو لات تھوڑی مار سکتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اُسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ المیر نے اُسے گھر چھوڑنے کی ذمے داری اٹھائی تھی۔ اُسے گھر چھوڑ کر سیدھا اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مہوین اِشفا کے گھر آتے ہی ہسپتال سے چھٹی لے کر گھر پہنچ گئی تھی۔

جبکہ راحم ایک کیس کے سلسلے میں کام کے لئے نکل گیا اور مومن واپس ڈیوٹی پر چلا گیا۔

المیر گھر آیا تو دونوں اہلکار جا چکے تھے۔ وہاج نے اُسے بتایا کہ وہ اس کے جانے کے فوراً بعد روانہ ہو گئے تھے اور کہہ کر گئے تھے کہ اگر آئمہ خلیل کا بیان ریکارڈ کروانا پڑا تو انہیں تھانے آنا ہو گا۔

المیر اس وقت اپنے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ کرسی کے آگے میز رکھی ہوئی تھی جس پر اس کا لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔

وہ انٹرنیٹ سے عامر علی کے کیس کا سارا ڈیٹا نکالنے میں مشغول تھا۔ عامر علی کا کیس بہت کھوکلا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ اسے اس کے بھائی نے مار دیا۔ سالوں سے جائیداد کے معاملات پر ان کی لڑائی جاری تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ کسی ایسے کیس کی کورتج کر رہا تھا جس میں کافی پہنچے ہوئے لوگوں کا ہاتھ تھا۔ اس لئے مارا گیا۔

المیر کو دونوں وجوہات ہی بے معنی لگتی تھیں۔دوسری وجہ میں دم تو تھا پر وزن نہیں تھا۔نہ ثبوت تھے اور نہ ہی گواہ تھے۔

ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ ایک نام پر آ کر رک گیا۔مومن علی۔عامر کا اکلوتا بیٹا۔اس کی تصویر کھولتے وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔یہ تو اشفا کا اسسٹنٹ تھا۔جس سے وہ آج اور پہلے بھی کافی دفعہ مل چکا تھا۔

اشفا نے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا تھا کہ عامر علی مومن علی کے والد تھے۔اس نے کندھے اچکائے۔وہ بھی کون سا ساری باتیں اس سے کرتا تھا۔

پھر اس نے دراز کھولا اور اس میں سے تصویر نکالی۔سحر امین کے ساتھ یہ نرس کون تھی؟وہ سوچ میں پڑا۔کیا اُسے اشفا سے اس بارے میں پوچھنا چاہیے تھا؟

تصویر کو بغور دیکھتے اس کی نظر اس کے کونے پر جا ٹھہری جہاں ایک تاریخ لکھی ہوئی تھی۔اس نے تصویر کو آنکھوں کے قریب لاتے تاریخ پر غور کیا۔

۲۰ اکتوبر انیس سو ننانوے۔ یہ تو عالیہ کا جنم دن تھا۔ جہاں تک المیر کو یاد تھا عالیہ کی پیدائش کے وقت اس کی ماں کی ڈاکٹر سحر امین ہی تھیں۔ لیکن یہ نرس؟

اُسے اس بارے میں پتا کروانا ہو گا۔ عالیہ کی پیدائش اسلام آباد کے اعلیٰ طرز ہسپتال میں ہوئی تھی اور سحر امین نے وہاں پر ماہرِ امراضِ نسواں کے طور پر کام کیا تھا۔ جلد ہسپتال کا چکر لگانے کا ارادہ کرتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ بند کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے جب وہ رک گیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایجنٹ ایلیون کے بارے میں انٹرنیٹ پر سرچ کرنا شروع کیا۔ پشت کرسی کے ساتھ ٹکاتے وہ کمر سیدھی کر کے بیٹھا۔ چند ہی سیکنڈز کے بعد ایجنٹ ایلیون کے بارے میں ساری جانکاری اسکرین پر آ گئی۔

"ملتان میں چوری چکاری میں ملوث ایک گروہ گرفتار۔ ملزمان کے بیانات کے مطابق سیاہ سر پوش اور نقاب والے کچھ لوگوں نے انہیں راتوں رات اڈے سے اٹھالیا اور پھر خوب مارا۔

جرم کا انکشاف کروانے کے بعد ویڈیو سوشیل میڈیا پر اے ایلیون کے نام سے ڈال دی گئی۔"
المیر متحیر رہ گیا۔اس کے لئے یہ سب نو ظہور تھا۔

"لاہور میں لڑکیوں کو اغواہ کرنے والا گینگ پکڑا گیا۔گینگ کے لیڈر سے ایک سیاہ ماسک والے شخص نے اعترافِ جرم کروایا اور اس کی ویڈیو سوشیل میڈیا پر ڈال کر اُسے ایف آئی اے کے حوالے کر دیا۔اس نے تحقیق کے دوران اغواہ کار کا نام ایجنٹ ایلیون بتایا۔لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔سب ایجنٹ ایلیون کو اے ایلیون کہنے لگے۔"اس نے سیاہ بال ماتھے سے ہٹائے۔رات میں نکلے چمکتے مہ کامل کی روشنی کھڑکی سے سرکتی ہوئی اس کے چہرے پر اپنا نشان چھوڑنے لگی۔

Clubb of Quality Content

"رحیم یار خان میں بچوں کے اغواہ میں ملوث شیر خان کو پہلے کرسی سے باندھا پھر اس کے چہرے پر تپتے لوہے کے ڈنڈے مارے۔اس کے اعترافِ جرم کی ویڈیو انٹرنیٹ پر لگا دی۔ پولیس جب شیر خان کو پکڑنے آئی تو وہ انہیں کرسی سے بندھا ملا اور ساتھ ساتھ میز پر رکھا ایک کاغذ ملا جس پر اے ایلیون درج تھا۔شیر خان کو بعد ازاں حراست میں لے لیا گیا۔"المیر آہستہ آہستہ اس کے کارناموں کی فہرست پڑھتا چلا گیا۔

اُسے کسی نے آج تک اتنا intrigue نہیں کیا تھا جتنا ایجنٹ ایلیون نے اتنے عرصے میں کر دیا تھا۔ وہ اس کی ہر حرکت پر چونک جاتا تھا۔ اُسے اس شخص کا mindset ہر دوسرے انسان سے مختلف لگا تھا۔ وہ کسی اور طرز سے سوچتا تھا۔ کوئی تو بات تھی اُس میں جس نے المیر خلیل کو دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

نفیسہ کے قتل کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اب تک پولیس کے ہاتھ کوئی سراغ نہیں لگ پایا تھا۔ راحم عالیہ کے کیس کے ساتھ ساتھ ایک ہی وقت پر چار کیسز دیکھ رہا تھا۔ دن رات بس کام میں مگن رہتا۔

آج بھی کام کے ہی سلسلے میں وہ راولپنڈی کے تھانے میں موجود تھا۔ یہ تھانہ کسی دوسرے ایس ایچ او کا تھا۔ مختلف طرز کی فائلوں کو پرکھنے کے بعد اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

بازو ہوا میں بلند کر کے انگڑائی لی جب نزدیک ہی رکھا فون زوں زوں کی آواز نکالتا بجنے لگا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا۔"اے ایس پی راحم رضا اسپیکنگ۔"

"راحم بھائی کیسے ہیں آپ؟" مخصوص آواز پر اس نے فون کان سے ہٹایا اور اشفا کا نام اسکرین پر جگمگاتا ہوا پایا۔

"مت پوچھو، مومن۔ایک تو بجلی نہیں ہے ادھر۔اوپر سے میرا سر کرنٹ مار رہا ہے۔" مقابل ہنسا۔

"لو یہ بھی کوئی بات ہے بھلا؟ بجلی کی تاریں اتار کر سر کے ساتھ جوڑیں۔شاید لائٹ آ جائے۔" اپنے لطیفے پر قہقہ لگایا جبکہ راحم نے ہونٹ بھینچ لئے۔

Clubb of Quality Content!

"اتنے ٹھنڈے لطیفے کیسے مار لیتے ہو، مومن؟" پھر جیسے کسی نے فون کھینچ لیا۔ "راحم بھائی۔۔۔ سوری آپ کو اس وقت تنگ کر رہی ہوں۔ آپ نے جس کیس کی جانکاری نکالنے کے لئے مجھے کہا تھا نا۔۔۔ اس کی فائل تو بھجوائی ہی نہیں آپ نے۔"

"اچھا؟ پھر کون سی بھجوا دی؟" جمائی لی۔ اس کی آنکھیں ہر گزرتے پل کے ساتھ بھاری ہو رہی تھیں۔ "پتا نہیں۔ اس پر نام نہیں درج۔ رکیں ایک منٹ۔"

ویڈیو کال کے اوپشن کو دباتے اس نے راحم کو فائل کا نظارہ کروایا۔ "دراصل میں نے ایک اہلکار کو دستاویزات مومن کو دینے کے لئے کہا تھا۔ لگتا ہے اس نے غلطی سے تبدیل کر دیے۔"

اس نے کیمرا اپنی طرف گھمایا۔ "ٹھیک ہے بھائی۔" لیکن راحم اُسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے کھڑے سفید رنگ میں ملبوس اس سراپے کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے سنہرے بال کمر پر منتشر تھے۔ ہاتھوں میں کسی گہرے رنگ کا کپ اٹھائے اب وہ منظر سے دور جاتی دکھائی دی۔

"اشفا۔۔۔ تمہارے پیچھے کون ہے؟"اس کے ہونٹ بے ساختہ ہلے تھے۔چہرے پر سایہ سا لہرانے لگا۔

"چھوٹی بہن ہے میری۔آپ اس سے کبھی نہیں ملے۔"وہ جو اس کو برسوں سے اکلوتا سمجھتا آ رہا تھا اب حیران سا خاموش بیٹھا تھا۔

اُسے اشفا کے اکلوتے نہ ہونے نے ساکت و صامت نہیں کیا تھا۔بلکہ مہوین امین کے اس کی بہن ہونے نے بے نوا کر دیا تھا۔اس کا ہاتھ بے اختیار چاندنی رنگت رکھتے اپنے چہرے کی طرف اٹھا۔چہرے پر آیا پسینہ صاف کرتے اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

مہوین امین کے آخری نام کو پڑھ کر بھی وہ نہیں پرکھ پایا تھا کہ وہ اشفا کی بہن یا اس کی رشتے دار ہو سکتی تھی۔کیونکہ امین تو کسی کا بھی آخری نام ہو سکتا ہے۔

چہرے سے پریشانی کے آثار زائل ہوئے۔وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔"میں تو سمجھتا آ رہا تھا کہ تم اکلوتی ہو۔"آواز میں بہتا تناؤ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔اگر وہ ڈاکٹر سچ میں اس کی بہن تھی تو راحم آسانی سے اپنا کام کروا سکتا تھا۔

"نہیں نہیں۔۔۔مہوین مجھ سے پورے ایک سال چھوٹی ہے۔میں اکلوتی نہیں ہوں۔"یہ سب دفعتاً کیسے ہو سکتا تھا؟آج سے پہلے اُسے اس بات کی خبر کیوں کر نہ ہو پائی تھی؟

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن۔۔۔وہ صامت بیٹھا رہا۔شاید اسی لئے وہ ڈاکٹر اُسے اتنی شناسا معلوم ہوئی تھی۔

وہ اشفا کی مدد نہیں لینا چاہتا تھا۔کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ ایک سہل حل واقعہ ہوتا اور جہاں تک اُسے یاد تھا اس ڈاکٹر نے اسے چیلنج کیا تھا۔وہ اسی کی بہن سے تعاون نہیں کر سکتا تھا۔یہ بات اُسے کچھ خاص موزوں نہیں لگی تھی۔

اُس کی صندلی رنگت پر شام کی نارنجی اور پیلی روشنی پڑی۔ وہ ہسپتال کی راہداری کو عبور کرتا ہوا ایک طرف چل دیا۔ یہ وہی ہسپتال تھا جہاں عالیہ پیدا ہوئی تھی۔ وہ ایک مختص کمرے کے باہر آکر ٹھہرا۔ دائیں ہاتھ کی پہلی دو انگلیاں فضا میں اٹھائیں اور دروازے پر دستک دی۔

کم ان کی آواز پر اس نے دروازہ مکمل کھولا اور اندر چل دیا۔ کمرے کے باہر سفید تختی معلق تھی جس پر ڈاکٹر فضیلت فاطمہ مکتوب تھا۔

نیلگوں شلوار قمیض میں اس تک بڑھتا وہ سراپا ڈاکٹرنی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے سیاہ گنگھریالے بالوں میں سے سرکتی دو مختصر لٹیں آگے کو آئیں تو اس نے پیچھے کیں۔ پھر سینے پر احتراماً ہاتھ رکھا۔

فضیلت فاطمہ نے دوسری طرف رکھی کرسی سنبھال رکھی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھا تو جیب سے تصویر نکال لی۔

ناولز کلب
Clubs of Quality Content

"کیسی ہیں آپ؟" جس کا انھوں نے ٹھیک ہوں میں جواب دیا اور پھر المیر سے بھی حال احوال پوچھنے لگیں۔ "دراصل میری چھوٹی بہن کی پیدائش اسی ہسپتال میں ہوئی تھی۔ مجھے کچھ جاننا تھا اس بارے میں۔ اگر آپ چاہیں تو۔"

ڈاکٹرنی آگے کو ہو بیٹھیں اور ہاتھ سے اُسے بات کا آغاز کرنے کا اشارہ کیا۔ "میری والدہ کی ڈاکٹر آپ تھیں۔ لیکن چند مہینوں کے لئے۔ اس کے بعد ان کا کیس ڈاکٹر سحر امین کو دے دیا گیا تھا۔"

ڈاکٹرنی نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھا اور ایک دشا میں دیکھنے لگیں جیسے گہری سوچ کے سمندر میں تیر رہی ہوں۔ "آپ کی والدہ کا نام؟"

"ماہِ نور خلیل۔"

"ماہِ نور۔۔۔" ذہن میں مریضوں کی قطار سج گئی جس میں کھڑی ایک مریض منظرِ عام پر آئیں۔ "ہاں۔۔ وہ جن کی چائلڈ برتھ (بچے کی پیدائش کے وقت) میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔"

فرانس میں المیر ہر ایک دو سال کے بعد جس قبر پر جاتا تھا وہ اس کی سگی ماں ماہِ نور خلیل کی ہی تھی۔ جب عالیہ کی پیدائش کے وقت ان کا انتقال ہوا تو المیر کے بے تحاشا اسرار پر ان کو فرانس لے جایا گیا اور وہیں کے ایک گاؤں باربیزون میں دفنا دیا گیا۔ کیونکہ المیر کو فرانس سے بے پناہ محبت تھی۔

اس نے سر فوراً ہلایا۔ شکر ہے ڈاکٹرنی کو وہ یاد تھیں۔ "امی کی ڈلیوری ڈاکٹر سحر نے کی تھی، ہے نا؟" فضیلت نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں بھی اور نہیں بھی۔ ڈلیوری کے پہلے پہل ڈاکٹر میں تھی پھر آخری کے کچھ ایک عدد گھنٹے میں سحر آ گئی تھیں۔"

اس نے تصویر اس کی طرف بڑھائی۔ ہاتھ بڑھا کر تصویر کو تھاما اور چہرے کے قریب کیا۔ ناک پر ٹکایا چشمہ آنکھوں پر لگا لیا۔ "یہ تو سحر ہی ہیں۔"

Clubb of Quality Content

"جانتا ہوں۔ لیکن کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ان کے ساتھ یہ نرس کون تھیں؟" فضیلت کے چہرے پر ایک سایہ لہرایا۔

"آپ جانتے ہیں آپ کی والدہ ایک نارمل وومن تھیں۔ ان کے جسم میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن ڈلیوری ہونے کے چند ہی منٹ بعد ان کی ڈیتھ ہو گئی۔ یہ ہمارے لئے حیران کن تھا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب ان کی ڈیتھ ہوئی تو ہسپتال میں ہر طرف بھگ دڑ مچ گئی تھی۔ ہر کوئی پریشانی کے عالم میں ادھر سے اُدھر ٹانگیں مار رہا تھا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"پھر کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ ماہِ نور کو ہر طرح سے زندگی کی طرف واپس لانے کی کوشش کی گئی۔ آکسیجن فراہم کی گئی پر جواب نہ ہی میں ملا۔"

"کیا موت کی وجہ معلوم پڑی؟" اس نے چہرے پر ہولے سے ہاتھ پھیرا۔

"ہاں۔آکسیٹسین (oxytocin)اوور ڈوزان کی موت کی واحد وجہ بنی تھی۔"اس نے تصویر واپس المیر کے سامنے رکھ دی۔

"اوورڈوز؟"آہستہ آواز میں سوال کیا تھا۔اس کا گلا خشک تھا جیسے ابھی بند ہو جائے گا۔

"تمہاری ماں کی موت نہیں ہوئی تھی،بیٹا۔وہ ایک مرڈر تھا۔"

الفاظ کا بوجھ اس کے کانوں پر پہاڑ کی سی صورت میں پڑنے لگا۔اس کے سینے میں ایک بھیانک ٹیس اٹھ کر معدوم ہوئی۔اُسے آج سے پہلے اس بات سے ناواقف رکھا گیا تھا۔

اس کا دل ۰۰۰اُس کا دماغ اور کتنے انکشاف برداشت کر پائیں گے؟

"ہماری ایک نرس۔ریحام نام تھا شاید۔اس نے اُسے آکسیٹسین کا انجیکشن (ٹیکا) زیادہ مقدار میں دے دیا تھا۔"المیر کی بھنویں سکڑیں۔

"لیکن یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے؟"

"آپریشن تھیئٹر میں عموماً آکسیٹوسن کی ایک ہی شیشی دھری ہوتی ہے۔ایک ملی لیٹر کی۔ کوئی دوسری شیشی لانا سختی سے منع ہوتا ہے کہ کہیں افراتفری میں شیشیاں ردوبدل نہ ہو جائیں۔"

"اور وہ نرس ایک اور شیشی اٹھالائی تھی، ہے نا؟" اس نے ہاں میں ہاں ملائی۔ "اس نے پانچ ملی لیٹر کی شیشی کو مخصوص شیشی سے تبدیل کر دیا تھا۔ لیکن یہ بات بھی ہمیں کبھی پتا نہ چلتی اگر سحر نے اُسے یہ کرتے دیکھا نہ ہوتا۔"

"اگر سحر امین نے دیکھ لیا تھا تو احتجاج کیوں نہیں کیا؟" اس نے شانے اٹھا دیئے۔
"آکسیٹسین کے علاوہ بھی بہت سی شیشیاں موجود ہوتی ہیں۔انہیں لگا تھا کہ شاید وہ ترتیب دے کر رکھ رہی ہے۔دراصل سحر کو میں نے شیشیاں لانے کی ذمے داری دی تھی۔جب ماہِ نور کی موت ہو گئی تو ساری بات ••• سارا الزام اس پر آگیا۔"

"اور اس لیے انہیں ہسپتال سے نکال دیا گیا۔"

"ہاں۔ یہ بات چند لوگ ہی جانتے ہیں۔ لیکن سحر نے جب نرس کا نام لیا تو ان کے پاس ثبوت کے طور پر اپنا آنکھوں دیکھا حال تھا جسے وہ صرف زبانی بیان کر سکتی تھیں۔ اکا دُکا لوگوں نے یقین کیا اور باقی انکاری تھے۔ مہینے دو مہینے تک ان پر کیس چلتا رہا اور پھر انہیں ہسپتال سے فارغ کر دیا۔ صرف یہی نہیں انہیں بلیک لسٹ(black list) بھی کر دیا گیا تاکہ آئندہ کسی ہسپتال میں کام نہ کر سکیں۔"

"تصویر میں یہ نرس کیا وہی ہے؟" اس نے تصویر کا رُخ دوسری طرف کیا۔

"ہاں یہ وہی ہے۔" تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ "پرانے دور میں کہاں اتنا جدید سسٹم ہوتا تھا۔ cctv کے نام پر ایک کیمرا لگا ہوا تھا وہ بھی آئی سی یو کے باہر۔ کیمرے کی آنکھ صرف ریحام کی ایک ہی تصویر لے پائی تھی۔ اور یہ وہی ہے۔"

"آپ کے پاس کوئی فائل تو ہو گی نا اس پر؟" "اب کوئی بھی ہسپتال بنا جانکاری لئے تو کسی ایرے غیرے کو نہیں رکھے گا۔

" تھی۔ لیکن جب آپ کی والدہ ہسپتال آئیں تب مرمت کا کام چل رہا تھا۔ سب کچھ دھرم بھرم تھا۔ کب کیا آگے پیچھے ہو گیا کبھی خبر ہی نہیں ہوئی۔"

ایک حساب سے دیکھا جائے تو یہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی۔ اتنا بڑا اتفاق تو قطعاً ممکن نہ تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تمہاری بہن۔۔۔ عالیہ۔۔۔ کیا وہ ایک نارمل انسان ہے؟"

"عالیہ آٹھ برس تک بالکل ٹھیک تھی۔ نہ بولنے میں مسئلہ تھا نہ ہی چلنے یا کام کرنے میں۔ لیکن جب اس نے نو سال کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس کی صحت بگڑنے لگی۔ اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ بات بات پر اٹکتی تھی۔ ہمیں لگا شاید ہکلانے لگی ہے پر ڈاکٹرز کے مطابق یہ مسئلہ پیدائشی تھا جو سالوں بعد منظرِ عام پر آیا تھا۔"

"اکثر بچوں کو پیدائش کے وقت آکسیجن نہ ملنے کی وجہ سے مختلف طرز کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔جن میں سے بہت سی لاعلاج بھی ہوتی ہیں۔"

"جی۔۔عالیہ کو ہائپوکسک-اسکیمک اینسیفلوپیتھی (Hypoxic-Ischemic Encephalopathy) کی بیماری تھی۔اکثر باتیں کرتے اُسے دشواری کا سامنا ہوتا تھا۔"

"تو یقیناً اُسے بات کرتے ہوئے ڈر بھی لگتا ہوگا ہے ناں؟"

"جی۔۔۔لگتا تھا۔علاج بھی کروایا تھا پر کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا۔"

"ابھی تک نہیں ہوا؟"ڈاکٹر نی کو حیرانی ہوئی تھی۔

المیر کا چہرہ اس سوال پر زرد پڑنے لگا۔ سینے میں اٹھتی ٹیس کو ضبط کرتے اس کے ہونٹ ہلے۔

"وہ۔۔۔ ڈیڑھ مہینے پہلے ہی عالیہ کی ڈیتھ ہو گئی۔"

"کیا؟ اوہ مائی گاڈ۔۔۔ آئی ایم سو سوری۔ کبھی سنا تو نہیں کہ اس بیماری کی وجہ سے کسی نوجوان کی جان چلی گئی۔"

"نہیں۔۔۔ دراصل موت اچانک ہوئی تھی۔ اس کے پھیپھڑے قدرتی طور پر کمزور تھے۔ آکسیجن کا کوئی مسئلہ بنا اور بس۔۔۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ڈاکٹرنی نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ مزید اس موضوع کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لئے اس نرس کے بارے میں بات کرنے لگیں۔

کچھ دیر اور بیٹھ کر جانکاری لیتا رہا جب اُسے وقت کی نزاکت کا احساس ہوا۔ وہاں سے اجازت طلب کرتے وہ گھر کے لئے نکل گیا۔

رات کا کون سا پہر تھا جب کہرے باراں برسنے لگا۔ بارش کے رشحات کھڑکی پر پڑے۔ چھن چھن کی آواز آئی۔ کمرے میں خاموشی کا عالم تھا۔ صرف ایک طرف سے کھڑ کھڑ کی آواز آ جا رہی تھی۔

کوئی میز کی طرف لپکا اور دراز کھول کر بٹنوں والا فون نکال کر بیڈ پر دھرا۔ پھر ایک نمبر کھول کر ملایا۔

ٹوں ٹوں کی آواز کے ساتھ ہی نوارد نے فون اٹھالیا۔ "تم سے ایک کام بھی ڈھنگ سے نہیں ہوتا؟" چیختی ہوئی کڑکتی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

"کیوں کیا در گھٹنا گھٹی؟"

"لاش کے پاس رومال کہاں سے آگیا؟! اگر وہ مجھ تک ٹریس ہو گیا تو تم مرو گے۔" غصے کے عالم میں اس کے چہرہ لال بھبوکا ہو رکھا تھا۔ کان کی لو سے لے کر آنکھوں تک سرخی کا بسیرا تھا۔

"آپ گھبرائیں مت۔ کچھ نہیں ہو گا۔ ایک رومال سے پولیس آپ تک نہیں پہنچ پائے گی۔"

"They better not. Find out where did that handkerchief came from.."

(ایسا نہ کریں تو بہتر ہو گا۔ پتا کرو وہ رومال وہاں پر کیسے آیا..)

الفاظ چبا چبا کر ادا کیے۔ پھر فون بند کر کے دراز میں رکھ دیا۔

اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا۔ کوئی قدم قدم چلتا ہوا اندر آیا۔ بارش اب رفتار پکڑ چکی تھی۔ قطرے اب گویا پتھروں کی طرح کھڑکی کے شیشی کو ٹکریں مار رہے تھے۔

"ماما؟آپ اتنی رات گئے ادھر۰۰۰" گہرے سرخ رنگ کی ویلوٹ کی شلوار قمیض میں بنی ٹھنی آئمہ خلیل اس آواز پر پلٹیں۔

چہرے پر بلا کی سی نرمی۔اعصاب ڈھیلے ڈھالے۔سرخی اب چہرے سے چھٹ چکی تھی۔

وہ ایک عیار صورت تھی۔سانولی رنگت تھی یا شیطان کا عکس۔باتیں تھیں یا مذاب لوہا۔اس عورت کی چرب زبان نے ہر کسی کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ہر کوئی اس کی چکنی چپڑی باتوں میں باآسانی آجاتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کچھ نہیں بس عالیہ کی یاد آرہی تھی تو سوچا یہاں آجاؤں۔" المیر نے آگے ہو کر انہیں گلے سے لگایا۔

پھر دونوں چند منٹ باتوں سے گھرے رہے۔یہاں وہ المیر سے باتوں میں مگن تھیں لیکن ان کا دماغ کہیں اور جا ٹھہرا تھا۔ان کے دُہندہ دماغ میں سوچوں کا سفر عنکبوت کی طرح تھا۔ہر طرف سے زنگ لگا ذہن انہیں لوگوں کو مارنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

اور وہ لوگوں کو مار کے جی اٹھتی تھیں۔

جھٹکے سے گاڑی کو روکتے وہ گاڑی سے نکلا اور سامنے کھڑی عمارت کی اور چل پڑا۔ کلائی میں راڈو کی گھڑی اور پیروں میں سینٹ لوران کے سیاہ بوٹس سجے تھے۔ جسم پر سنہرے رنگ کی شلوار قمیض تنی تھی اور بال جیل سے سیٹ کیے ہوئے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

راہداری میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنا رخ اس طرف کر لیا جہاں آنے کا ارادہ وہ صبح سے کیے بیٹھا تھا۔

مہوین امین کے کمرے کے باہر مریضوں کی بھیڑ تھی۔ ایک بینچ پر جگہ خالی پائی تو وہیں بیٹھ گیا۔ ہاتھ میں پکڑا انوٹس کھول کر ایک نگاہ پڑھا پھر بند کر دیا۔

کچھ فاصلے سے ایک نرس کا گزر ہوا تو اس نے آواز لگائی۔ راہداری میں اس کی پکار کی گونج پر لڑکی نے چونک کر دیکھا۔ اتنی بھاری بھر کم آواز۔

"جی کہیئے؟"

"کیا آپ مہوین امین سے کہہ سکتی ہیں کہ راحم رضا ان سے ملنے آیا ہے؟" آخری دفعہ تو وہ خوش قسمت تھا کہ جو مریض اس سے پہلے کمرے میں جانے والا تھا اس نے راحم کو جانے دے دیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

لیکن اس ہجوم میں تو شاید اُسے دشواری کا سامنا کرنا تھا۔ نرس سر ہلاتے ہوئے پیروں پر مڑی اور کمرے میں داخل ہو گئی۔

چند ہی لمحوں کے پاس از وہ باہر آئی۔ "آئی ایم سوری سر۔ وہ کہہ رہی ہیں آپ کو اِنتظار کرنا پڑے گا۔" پھر اس نے مریضوں کے جم غفیر پر نظر ڈالی اور افسردہ سی نگاہ اس پر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔

راحم نے ایک گہرا سانس کھینچا تھا۔

قریب چار گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔وہ بینچ پر سر رکھے آنکھیں موندے ہوئے تھا۔اس کے چہرے پر بدمزگی کے آثار واضع تھے۔اس کے گردونواح میں بیٹھے تمام تر مریض اپنا اپنا سیشن لے کر گھروں کو نکل گئے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اب پیچھے صرف وہ رہ گیا تھا جو پچھلے تین گھنٹوں سے خواب خرگوشی کے مزے اڑا رہا تھا۔

مہوین کے کمرے کا دروازہ کھلا۔منظر پر مہوین خود آئی جس نے ہلکے صریری رنگ کی لمبی فراک پہن رکھی تھی۔جس کے اوپر نیلے رنگ کی کڑھائی دور سے دیکھی جا سکتی تھی۔

وہ باہر آئی تو آگے پیچھے نظر مارے بغیر مڑی اور کمرے کے دروازے میں کنجی کے سوراخ میں چابی گھمانے لگی۔یہ عمل کرتے ہوئے کہیں سے اٹھتی شخیر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔وہ فوراً مڑی۔

لگ بھگ چھ فٹ کا آدمی دہرا تر چھا ہوا سامنے رکھی بینچ پر سر ٹکائے لیٹا ہوا تھا۔اس کی سپید رنگت پر ہلکی بڑھی داڑھی اس کے چہرے کو چھپائے ہوئے تھی۔آنکھیں یوں بند تھیں جیسے صدیوں کا تھکا ہارا اب کام سے گھر لوٹا ہو۔

وہ ابھی تک یہاں کیا کر رہا تھا؟مہوین کو تو لگا تھا وہ چلا گیا ہو گا۔اس نے سر جھٹکا۔پھر اپنی حرکت پر افسوس ہوا کہ کاش اُسے بلا ہی لیتی تو شاید اس کا اتنا وقت تو برباد نہ ہوتا۔

وہ جو دومنٹ بھی کسی کے لئے انتظار نہیں کرتا تھا۔جس سے ملنے کی خاطر ہزاروں کو گزرتے دن آنکھوں میں کاٹنے پڑتے تھے۔آج اپنے تمام تر کام چھوڑے اس سے ملنے کے لئے ویٹنگ ایریا میں بیٹھا۔۔۔نہیں نہیں سو رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

صرف اور صرف اپنی مرحومہ بیوی کی خاطر۔ کیا اسی کو محبت کہتے تھے؟ کیا یہی وہ احساس تھا جس کی تلاش میں نوجوان نسل ماری ماری پھرتی تھی؟

اُسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے کسی کو انتظار کرنا پڑا تھا۔ اُسے لوگوں کو اِنتظار کروانا نہیں پسند تھا اور وقت برباد کرنا تو بالکل ناپسند تھا۔

ہسپتال کی راہداری میں سناٹا تھا۔ یہ وہ منزل تھی جہاں صرف ماہرِ امراضِ نفسی بیٹھتے تھے۔ پورے آٹھ بجے سب گھر کو نکل پڑتے تھے اسی بنا پر آج بھی یہ فلور خلو جھلک رہا تھا۔

Clubb of Quality Content!

کتنے بے رحم لوگ تھے۔ کسی نے اُسے جگانا تک گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ شانوں پر بیگ ٹکاتی قلیل قدم اٹھاتی اس تک گئی۔ احتیاط سے چند میٹر کے فاصلے پر ٹھہر گئی۔

اس کے بھورے بال اس کی آنکھوں تک آئے ہوئے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ بینچ کو پکڑے ہوئے تھا اور دوسرا بے جان پہلو میں لٹک رہا تھا۔ اتنے عجیب طریقے سے کون سوتا ہے؟

اُسے نیند کے آغوش سے بے دار کرنے کے لئے مہوین نے گلا صاف کیا۔وہ ہلا تک نہیں۔ ابرو بالا کی پھر دوسری دفعہ ذرا زور دے کر گلا صاف کیا۔یہ شخص اٹھ کیوں نہیں رہا تھا؟

ایک اے ایس پی ہو کر اتنی گہری نیند سوئے گا تو چور تو مکان لوٹ کر امریکہ کی فلائٹ بھی پکڑ لیں گے۔ایک عمیق سانس فضا کے سپرد کیا۔

"سنیں۔۔۔سر۔۔۔"کچھ قدرے بلند آواز حلق سے نکالنی چاہی۔وہ اب تک ٹس سے مس بھی نہ ہوا۔تنگ آکر مہوین نے کندھے سے بیگ اتارا اور بینچ پر اسی کے پاس رکھ دیا۔

Clubb of Quality Content

اُسے چھو کر جگانا کافی معیوب لگتا اس لئے اُسے یہ قدم اٹھانا پڑ رہا تھا۔بیگ میں سے بوتل نکالی جو پانی سے آدھ بھری تھی۔ڈھکن احتیاط سے کھولتے اس نے پانی ہاتھ میں لیا اور ایک ہی زوردار وار میں اس کے خوابیدہ چہرے پر نچھاور کر دیا۔

مقابل کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا۔اس نے تو جیسے کسی بجلی کی ننگی تار پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔بل کھاتے ہوئے وہ سیدھا ہوا۔رقود نیم بند سبز آنکھیں محنت کرتیں ہولے ہولے کھلنے لگیں۔

سامنے کا نظارہ آہستہ آہستہ عیاں ہو رہا تھا۔جب آنکھوں کے آگے چھائی نیند کی جالی ہٹی تو وہ سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھنے لگا۔ گویا اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"سوری وہ میری آنکھ لگ گئی تھی۔"آس پاس نظر دوڑاتے معذرت کی پھر کلائی بلند کر کے گھڑی پر وقت دیکھا۔ بڑی سوئی آٹھ پر جبکہ چھوٹی پانچ پر دیکھ کر اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

وہ خاموشی سے کھڑی اس کی کاروائی بھانپ رہی تھی۔ لمبی لمبی پلکیں اوپر اٹھائیں۔ سبز آنکھوں پر سے پلکوں کی چادر ہٹی تو زمرد کا رنگ نمایاں ہوا۔

"میں ۔۔ کل آجاؤں گا۔ ابھی بہت لیٹ ہو گیا ہے۔ آپ کو بھی گھر جانا ہو گا۔"ندامت کا شکار ہوتے وہ جھٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کتنا عجیب آدمی تھا۔ جدھر اُسے پریشان حال اور نادم ہونا چاہیے تھا وہاں وہ شرمندگی کا شکار ہو رہا تھا۔

"نہیں۔ آپ کا پہلے ہی میری وجہ سے بہت وقت ضائع ہو گیا ہے۔ آپ ٹھہریں میں کمرہ کھولتی ہوں۔" ہاں اتنا تو وہ کر ہی سکتی تھی۔ پیروں پر مڑی تو آواز پر ٹھٹھک کر رکی۔

"یہیں بیٹھ کے بات کر لیتے ہیں۔" اب کمرہ کھولنے میں بھی وقت لگنا تھا اور وہ پہلے ہی گردن ترچھی کرنے کی وجہ سے تھکا ماندہ بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ پاس آئی تو بینچ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ دوسرے کنارے پر وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہاں سے ایک کاغذ برآمد ہوا۔

Clubb of Quality Content

وہ اس کے ہاتھوں کی حرکت کو بغور دیکھ رہی تھی۔ کاغذ کو مکمل کھولتے اس نے مہوین کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے تھام کر اس پر نظر ڈالی۔

اتھارٹی کی طرف سے نوٹس تھا کہ مرڈر کی تحقیق کے لیے مہوین امین کے تعاون کی ضرورت ہے۔ نوٹس کے آخر میں پہلے ایس پی اور پھر اے ایس پی کے نام کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اتنا تو اس نے گمان کر ہی لیا تھا کہ وہ ایک دن نوٹس لے کر ضرور آئے گا۔

نوٹس کو نیچے کیا اور سامنے بیٹھے بے حال آفیسر کو دیکھا۔اب رضامندی کے علاوہ کوئی دوسرا انتخاب کہاں تھا اس کے پاس؟

بیگ سے پین نکالتے اس نے نوٹس کو بینچ پر رکھا اور اپنے دستخط کردیے۔

سبز آنکھیں نرم پڑیں۔وہ جو محاذِ جنگ کے لئے پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا ایک دم ششد رہ گیا تھا۔اُسے تو لگا تھا وہ آج بھی اُسے مالِ غنیمت کے بنا ہی لوٹا دے گی۔اُس کا اندازہ غلط نکلا تھا۔

"اور کچھ؟" لہجہ پُر سکون تھا اور آواز روئی کی مانند۔وہ اشفا جیسی تو بالکل نہیں تھی۔وہ اس کی طرح چہچہاتی نہیں تھی۔اس کی اڑان تو خاموش طبع تھی۔ایک دم سناٹے پر مبنی۔

خیالات کے سحر سے خود کو باہر دھکیلتے وہ مسکرایا۔مسکراہٹ مختصر تھی۔لیکن چند ہی لمحے اس کے گال کے گڑھے کو نمایاں کرنے کے لئے کافی رہے تھے۔

"تھینک یو۔"

وہ ایک مرتبہ پھر سے ایستادہ ہو گیا۔اُسے وقت پر گھر پہنچنا تھا۔اس نے نانی کی ماہانہ گولیاں لے کر جانی تھیں۔پتا نہیں کیسے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

وہ لفٹ کی طرف چہرہ کیے آگے بڑھنے لگا جب قدم آہستہ ہو گئے۔کچھ سوچتے ہوئے رخ موڑا۔پیچھے کھڑی لڑکی اب دوپٹہ سر پر سیٹ کر رہی تھی۔

"آپ گھر کیسے جائیں گی؟"دوپٹے پر چلتے اس کے ہاتھ تھمے۔چہرے اس سمت میں کیا۔
"میری بہن لینے آتی ہی ہو گی بس۔"

اوہ تو مطلب اشفااُسے لینے آ رہی تھی۔اس نے سر اثبات میں ہلایا۔پھر دوبارہ لفٹ تک گیا۔لفٹ کے دروازے کھل چکے تھے۔اس میں سوار ہوتے ہی وہ نچلی منزل پر جا پہنچا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے گاڑی میں بیٹھا تھا۔بارش بارش نہیں سیلاب کی صورت میں آسمان سے نیچے اتر رہی تھی۔گاڑی کی ونڈ سکرین پر دو وائپر مسلسل ہل رہے تھے۔اس نے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر دھرا ہوا تھا اور دوسرا گود میں۔

صریری فراک میں ملبوس وہ ڈاکٹرنی ہسپتال کے باہر کڑکتی بارش میں زینوں پر بیٹھی اپنے فون میں مگن تھی۔اس کی نازک انگلیاں مسلسل اسکرین پر دوڑ رہی تھیں۔

Clubb of Quality Content

راحم کی توجّہ کا مرکز وہ نہیں بلکہ اس کے گردونواح میں موجود لوگ تھے جو آتے جاتے اُسے دیکھ رہے تھے۔لیب کوٹ تو وہ کب سے اتار کر بازو پر ڈال چکی تھی۔اتنی ٹھنڈ میں اسے ٹھنڈ کیسے نہیں لگ رہی تھی؟

وہ کچھ دیر مزید وہیں نشست رہا۔ پونا گھنٹہ ہونے کو تھا لیکن اس کی گاڑی اب تک نہیں آئی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں اسٹیرنگ وہیل پر مسلسل ایک دھن بجا رہی تھیں۔ وہ انتظار کر رہا تھا کہ کب اس کو کوئی لینے آئے اور وہ باحفاظت اپنے گھر پہنچے۔

ہسپتال کے زینوں پر پانی جمع تھا۔ لیکن جہاں وہ بیٹھی تھی وہاں اوپر شیڈ ہونے کی وجہ سے پانی نہیں جا پا رہا تھا۔ گاڑی کا اے سی چلاتے اب اس نے سر سیٹ کے ساتھ ٹکا لیا۔ انتظار کرنا اُسے ہمیشہ ہی سے عذاب لگتا تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

چہرے کو مخالف سمت میں کر کے جب دوبارہ مہوین کی طرف کیا تو اس کا آفیسر مائنڈ حرکت میں آیا۔ دور بیٹھی ڈاکٹرنی سے کچھ ہی فاصلے پر لڑکوں کا ایک گروہ موجود تھا۔

اس نے مہوین کو ایک اکتائی ہوئی نگاہ ان پر ڈالتے دیکھا۔ راحم نے اسی لمحے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ موسلادھار بارش میں بھیگتے ہوئے اس نے سڑک پار کی اور زینوں کے پاس جا ٹھہرا۔ ایک سخت نظر ان لڑکوں پر ڈالی اور دوسری اس لڑکی پر جو اب نیچے دیکھ رہی تھی۔ اس کی موجودگی سے بے خبر۔

اس نے زینوں پر آنکھیں جمائیں جہاں پانی ہی پانی تھا۔ کیچڑ سے لت پت۔ ڈاکٹرنی بائیں طرف بیٹھی تھی۔ وہ بنا کچھ کہے، آہٹ نکالے ۰۰۰ دائیں طرف بیٹھ گیا۔ اُسے اپنے کپڑے پانی سے بھیگتے ہوئے محسوس ہوئے۔

پر وہ ایک عورت کے لئے اتنا تو کر ہی سکتا تھا نا؟

ایک مرد ہونے کا سب سے بڑا ثبوت اس کے نزدیک یہی تھا کہ اس کے اطراف میں آتی جاتی کام کرتی ہوئی عورت ذات محفوظ رہے اور اُسے اپنا مرد ہونا بہت عزیز تھا۔

اس کے جوڑے میں سے کچھ لٹیں سرکتی ہوئیں چہرے پر لہرانے لگیں تو اس نے فون کی اسکرین سے نظر ہٹائی۔ لڑکوں کا گروہ ابھی بھی وہیں موجود تھا۔ پھر جیسے اُسے کسی کی موجود کا احساس ہوا۔ چہرے کو دائیں طرف موڑا۔

اس کی بھنویں تنگ ہوئیں۔یہ شخص ابھی تک گیا نہیں؟سنہرے رنگ کے کپڑوں میں بیٹھا وہ بنا حرکت کیے لڑکوں کو ہی تک رہا تھا۔اُسے تو لگا تھا کہ وہ جا چکا ہو گا۔

راحم کو جیسے اسی گھڑی خود پر کسی کی نظروں کی آگاہی ہوئی تو اس نے ڈاکٹرنی کی طرف دیکھا جو کہ اس سے کافی فاصلے پر موجود تھی۔ایک ابرو بلند کی۔

ڈاکٹرنی نے سر دائیں بائیں ہلایا اور پھر سے اپنے کام میں مگن ہو گئی۔عجیب مرد تھا۔

لمحے بیتے تھے کہ اس کے فون پر میسیج آیا۔اشفا کا تھا۔وہ اُسے لینے آ گئی تھی اور ڈبل روڈ کے دوسری طرف گاڑی میں بیٹھی تھی۔اپنے ساتھ رکھی ہلکے گلابی رنگ کی چھتری اٹھائی اور کھول کر اپنے اوپر کر لی۔

زینوں سے اٹھی اور چند قدم آگے لئے جب رک گئی۔چہرے کو ذرا سا گھماتے آفیسر کو دیکھا جو اسی کو دیکھ رہا تھا۔اس کی سبز آنکھیں بارش کی اوٹ میں بھی دمک رہی تھیں۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

ایک گہرا سانس باہر نکالا۔ قدموں پر مڑی اور اس کے عین مقابل آ ٹھہری۔ "آپ کی گاڑی خراب ہو گئی ہے کیا؟"

"نہیں۔"

یک لفظ جواب پر اس نے اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا۔ "آپ کو چھتری چاہیے؟" وجہ پوچھنے کی جگہ اس نے یہ سوال کرنا مناسب سمجھا۔

"نہیں۔"

لگتا ہے موصوف کا موڈ خراب تھا۔ اس نے بے فکری سے شانے اچکا دیئے اور اپنی منزل کی طرف چل دی۔

اُسے گاڑی میں بیٹھتے دیکھ اس مرد نے بھی اپنی منزل کی جانب بڑھنا ضروری سمجھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور اب تک نفیسہ کی کیس میں صرف ایک ہی لیڈ مل پائی تھی۔
یعنی کہ وہ رومال۔

رومال پر لگے انگلیوں کے نشان کا نتیجہ ابھی آنا باقی تھا۔ بلکہ وہ کچھ ہی دیر میں آنے والا تھا۔

راولپنڈی کے تھانے کا ایس ایچ او فون پر بات کر رہا تھا جب ایک فائل لا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ فون کے نچلے حصے پر ہاتھ جماتے اس نے کان سے ہٹا لیا۔

"کس کے ہیں؟" اپنے ڈیٹابیس سے میچ کرنے کے بعد المیر کی مدد سے کلِ خلیل فیملی نے اپنے اپنے انگلیوں کے نشان دیے تھے۔

"آئمہ خلیل کے۔"

ایس ایچ او نے سر ہلایا۔ "گاڑی نکالو۔"

پولیس کی موبائل خلیل منزل کے باہر آر کی۔ اگلی نشست سے ایس ایچ او اور پچھلی سے دو اہلکار نیچے اترے۔ لیڈی پولیس بھی گاڑی میں موجود تھی۔

گھر کا مین گیٹ ہمیشہ کی طرح کھلا ہوا تھا۔ دو گارڈ جامد کھڑے سامنے کی سمت دیکھ رہے تھے جب پولیس فورس سے روبرو آئے۔ اہلکار ہولے سے سر کو جنبش دیتے اندر چل دیئے۔

اب چلتے ہیں گھر کے اندرون کی طرف جہاں نوکر چاکر آگے پیچھے منڈلاتے ہوئے کام میں سر کھوبائے ہوئے تھے۔ چونکہ جنوری کی آخری تاریخیں چل رہی تھیں اس لئے گھر کی صاف صفائی کا کام جاری تھا۔

ہال کے بیچوں بیچ لگے نارنجی اور سنہرے رنگ کے فانوس تلے وہ سیاہ رنگ کی خوبصورت کام والی ساڑھی پہنے نشست تھیں۔سانولی کلائیاں سونے کی چوڑیوں اور بھاری کنگن سے آراستہ تھیں جبکہ دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں میں ہیرے کی انگھوٹیاں لشکارے مارنے میں مصروف تھیں۔

ہاتھوں میں زنانہ کپڑوں کی میگزین تھی اور نظریں کاغذ پر۔جہاں سرخ لباس میں ماڈل چھپی ہوئی تھی۔

دروازے کی گھنٹی بجی۔ایک نظر بھی دروازے کی اور ڈالنا ضروری نہ سمجھا۔نوکر جو تھے ہر کام کی ادائیگی کے لئے۔انگلیوں کے پوروں سے کاغذ پلٹتیں کبھی میگزین کو چہرے کے قریب تر کرکے ماڈل کے کپڑوں کا جائزہ لیتیں۔

دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا۔قدموں کی آہٹ ان کے کانوں کو چھو رہی تھی پر ذہن تھا کہ آگے پیچھے جانے سے انکاری تھا۔کام میں خلل تو تب پڑا جب نووارد شخص ان کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"مسز خلیل۔" غیر شناسا آواز۔ چہرہ اوپر کو کیا۔ پولیس کی وردی۔ تین آفیسرز۔

ایک پُر سکون نگاہ سامنے ڈالی۔ میگزین سائڈ پر رکھی اور سیدھی ہو بیٹھیں۔ "جی آفیسرز بتائیے میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں؟" دل توقع کے مطابق ایک دم آرام سے چل رہا تھا۔

"آپ کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ابرو اٹھائی پھر لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ "آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس دفعہ اہلکار ہٹ گئے اور ایس ایچ او آگے آیا۔

"آئمہ خلیل ... تفتیش کے لئے آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔ المیر کا خیال کرتے ہوئے آپ کو باعزت طریقے سے تھانے لے جایا جا رہا ہے اس لیے پلیز تعاون کیجیے۔"

چہرے کے تاثرات اب کافی حد تک تبدیل ہو چکے تھے۔ نتھنے پھولے ہوئے اور چہرے کا رنگ لال۔ "مجھے پہلے المیر سے بات کرنی ہے۔"

"المیر کو پہلے ہی خبر کر دی ہے۔ ہمارے تھانے پہنچنے تک وہ بھی وہاں پہنچ جائے گا۔" چہرے کے زاویے بگاڑتے ہوئے وہ اُٹھیں۔

کیا عذاب ہے۔ ساڑھی کو ترتیب دیتے اہلکاروں کے پیچھے پیچھے چل دیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بیس منٹ کے بعد منظر گویا یوں تھا کہ تھانے کے اندر ہر طرف اہلکار تھے جبکہ ایس ایچ او کرسی پر بیٹھا تھا اور آئمہ خلیل مقابل کرسی پر نشست تھیں۔

"یہ رومال آپ نے مقتولہ کو دیا تھا یا نہیں؟" پچھلے چند منٹوں سے یہی سوال اس کی زبان سے نکل رہا تھا اور آئمہ خلیل تھیں کہ کچھ بول ہی نہیں رہی تھیں۔

"میں نے کہانا آفیسر مجھے اپنے وکیل سے بات کرنی ہے۔" مقابل نے اُکتا کر فائل میز پر پٹکی۔"آپ جانتی ہیں وکیل کی ضرورت کب پڑتی ہے آئمہ میڈم؟"آئمہ نے شانے اٹھائے۔

"جب آپ کے خلاف ایف آئی آر کاٹی جائے۔ اگر آپ کو وکیل کی اتنی ہی ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو میں بلا جھجک ایف آئی آر کاٹ دیتا ہوں۔ نو پرابلم۔"

حالانکہ کہ وہ اس بات سے اچھے سے واقف تھا کہ ایف آئی آر کے بغیر بھی وکیل کو مدعو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اب وکیل کے جھنجٹ میں کون پڑتا؟ اس لئے اس نے جھوٹ کا سہارا لینا ضروری سمجھا۔

"نہیں! رک جاؤ۔ جب تک میرا بیٹا نہیں آجاتا کچھ مت کرنا۔" آفیسر نے آنکھیں گھمائیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اسی لمحے بھاری بھاری قدم اٹھاتا المیر خلیل ان تک بڑھا۔ایک غصیلی نظر ایس ایچ او پر ڈالی جو کہ اس کا کافی اچھا دوست تھا اور دوسری اپنی سوتیلی ماں پر۔

"ماما آپ ٹھیک ہیں؟" ماں نے ہاں میں ٹھیک ہوں کہا تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں ۱۰۰۰ کیلے میں؟" اس نے ایس ایچ او کو دیکھا۔اس نے سر ہلایا اور لیڈی کانسٹیبل کو آنکھوں سے اشارہ کیا۔وہ آئمہ خلیل کو لے کر باہر کی جانب بڑھ گئیں۔

"کہو المیر کیا کہنا ہے۔" ہاتھ سے کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔"ایک عام سے رومال کے پیچھے تم میری ماں کو گھر سے اٹھا لائے؟"

ایس ایچ او ہولے سے ہنسا۔"تمہیں لگتا ہے میرے پاس اتنا فضول وقت ہو گا کہ کسی کو گھر سے محض ایک معمولی سے رومال کے پیچھے اٹھا لاؤں؟"

المیر اُسے دیکھے گیا۔ "ہمیں رومال پر سے آئمہ خلیل کی انگلیوں کے نشان ملیں ہیں المیر۔" سُرمئی آنکھیں چمکیں۔ پھر ہونٹ مسکائے۔ "رومال میری ماں کا ہے تو نشان بھی انہی کی انگلیوں کے ہوں گے، نہیں؟"

"نہیں المیر صاحب۔ آئمہ خلیل کے مطابق کرائم سین سے ہمیں رومال اس لئے ملا کیونکہ انھوں نے اُسے نفیسہ کو دیا تھا یا دوسرے سینیریو میں اس نے خود ہی اٹھا لیا ہو گا۔" گہری نگاہ سے سامنے دیکھا۔ "دونوں کیسز میں رومال پر نفیسہ کی انگلیوں کے نشان ہونا لازمی ہیں، ہے کہ نہیں؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"تو پھر ہمیں صرف آئمہ خلیل کی انگلیوں کے نشان کیسے ملے؟ یوں لگتا ہے جیسے قتل کرنے کے بعد رومال غلطی سے وہاں پر گر گیا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کوئی میری ماں کو فریم کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"Probably. لیکن پولیس اندازوں پر نہیں چلتی اور یہ بات تم اچھے سے جانتے ہو۔ آئمہ خلیل سے تفتیش کرنا اب ضروری بن گیا ہے۔ابھی کے لئے تو تم ان کو گھر لے جا سکتے ہو لیکن اگر دوبارہ ضرورت پڑی تو ہم تم سے رابطہ ضرور کریں گے۔"

"آئندہ میرے گھر تک نہ آنا۔ جو بھی بات ہوئی پہلے مجھے انفارم کرنا۔اور یہ جو آج تم نے حرکت کی ہے ۱۰۰اس کا حساب تو تمہیں دینا ہو گا، آفیسر۔"

"Its part of the job. No hard feelings."

(یہ کام کا حصہ ہے۔میری طرف سے اپنا دل برا نہ کرو۔)

"I won't be letting this slide that easily.

Remember that."

(میں اس معاملے کو اتنی آسانی سے نہیں جانے دوں گا۔یاد رکھنا۔)

پھر وہ اٹھ گیا۔ تھانے کے باہر سے آتی شور کی آواز اس کے کان کے پردے چیر نے لگی تو وہ الجھا۔ باہر کیا ہو رہا تھا؟ لمبے لمبے ڈگ بڑھتا وہ باہر نکلا جب اس کی نظر منظر پر پڑی۔

آئمہ خلیل کے لیے یہ منظر روز قیامت سے کم نہ تھا۔ اکیس سال سے بنائی جانے والی عزت ۱۰۰۰ اتنے سالوں کی محنت اتنی آسانی سے مٹی کی نظر ہو رہی تھی۔

رپورٹرز کی بھیڑ کو توڑتے ہوئے کبھی ایک کو سائڈ پر ہوں کبھی دوسرے کو جگہ دیں کہتی کہتی وہ سب سے آگے آن کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر مطمئن مسکان تھی۔ کھلکھاریاں گویا کانوں کی طرف سے نکل رہی تھیں۔ آنکھوں میں نفرت تھی اور زبان تھی کہ بس سامنے والے کو ایک جھٹکے میں اوپر پہنچا دے۔

"سنا ہے آپ نے اپنی وفادار کام والی کو قتل کر دیا، آئمہ خلیل۔ کیا ایسا ہی ہے؟"

آئمہ کے ذہن میں چھایا سکوت ٹوٹا۔ وہ ٹرانس کی سی کیفیت سے باہر آئیں۔ کتنے ہی سالوں بعد وہ اس لڑکی سے روبرو آئی تھیں جسے دیکھتے ہی ان کا دل کرتا تھا کہ اُس کی جان نکال لیں۔

دائیں ہاتھ کو ہوا میں اٹھاتے اس صحافی کے چہرے پر انگلیوں کے نشان ثبت کرنا چاہے جب کلائی پر کسی کی سخت گرفت آگئی۔ وہ گرفت مضبوط تھی۔ ہاتھ بھاری تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Novels

سائرن آنکھوں والا کا پ اپنی ماں کا اپنی بیوی کی طرف اٹھتا ہاتھ ہوا میں ہی روک چکا تھا۔

"ماما یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" غصے سے پھنکارا۔

لیکن سوتیلی ماں سننے کی موڈ میں تھی ہی کہاں۔ ایک زہر بھری نظر سے بیٹے کو دیکھا پھر اشفا کو۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ کیونکہ اس دفعہ وہ لڑکی اکیلی نہیں تھی۔ اپنے ساتھ میڈیا کا جم غفیر لے کر پرکٹ ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بستی شرارت بھری مسکان کو دیکھ کر آئمہ کا دل کیا اس کا منہ توڑ دیں۔

ان کے ساتھ کھڑا المیر بھی اتنی ہی قہر برساتی نظروں سے اشفاامین کو دیکھ رہا تھا۔وہ کہیں نا کہیں جانتا تھا کہ وہی میڈیا کو اپنے ساتھ لے آئی ہو گی۔

"آئمہ خلیل ۰۰۰اپنے آپ پر قابو پائیں ورنہ ہڈیاں توڑنا مجھے بھی آتی ہیں۔" تھوڑا سا قریب ہوئی، جھک کر کان میں سرگوشی کی تو آئمہ کے چہرے کا رنگ پل میں بدلا۔

میڈم، کیا آپ نے قتل کیا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

خلیل محمد کی دوسری بیوی آئمہ خلیل کے ہاتھوں اپنی نوکرانی قتل۔

مشہور بزنس ٹائکون خلیل محمد کی زوجہ ایک قاتلہ نکلیں۔

اسلام آباد کے ایس ایچ او المیر خلیل کی والدہ نے ایک عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

چاروں اور سے صحافیوں کی پھٹتی آوازیں ان کے کانوں کی لو سرخ کر گئی تھیں۔ سر ابھی بھی اکڑ سے اونچا تھا۔ گردن ابھی بھی جھک نہ پائی تھی۔ جبڑا بھینچا ہوا تھا اور آنکھوں میں خون کی ندیاں امنڈ آئی تھیں۔

"اشفا۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔" دبی دبی آواز میں وہ غرایا۔

لیکن اشفا امین حال کی دنیا میں تھی ہی کہاں۔ وہ تو وقت کی قید میں بہت پیچھے چلی گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اٹھارہ سال قبل۔

اٹھارہ جولائی دو ہزار سات۔ جب ساون نے پاکستان میں اس سال اپنا پہلا قدم رکھا تھا۔ دو دن پہلے ہی شدتِ حرارت کو کم کرنے کے لئے باران نعمت برسی تھی۔ اس موسم کے اثرات ابھی بھی سانس لے رہے تھے۔

معتدل وخوش آئند فضااس تھانے کے اوپر بسیرا کیے ہوئے تھی۔ارد گرد لوگوں کی بھیڑ، شوراور ہوامیں پھیلی سگریٹ کی بدبو اُس کے اعصاب پر اثر ڈال رہی تھی۔وہ کھانس کھانس کراپنا چہرہ سرخ کر چکی تھی۔

اس کا چہرہ اور جسم یوں تپ رہے تھے جیسے بخار اپنی حدود پھلانگ چکا ہو۔شاید در حقیقت ایسا ہی ہوا تھا۔

تھانے کی کھڑکیوں سے آتی نیلی پیلی روشنی اس کے چہرے پر ٹھہری تھی۔گھبراہٹ کے باعث اس کی ٹانگ مسلسل اوپر سے نیچے ہل رہی تھی۔شاید وہ کسی کی منتظر تھی۔

راہداری سے ہوتا وہ دس سال کا بچہ اپنے ماں باپ کے ساتھ عین اشفا کے بغل میں آن کھڑا ہوا۔اس نے شہد مائل آنکھوں سے اُسے دیکھا۔کچھ تھا اس نظر میں۔شاید امید یا مان۔

میز کی دوسری طرف کرسی پر ایس ایچ او نواب منیر بیٹھا تھا۔اس کے آگے چند ایک کاغذات بے ترتیب پڑے تھے۔پھنکے کی ہوا کاغذ کو پھیلنے پر مجبور کر رہی تھی۔

نواب منیر نے دونوں ہاتھ میز کے دہانے پر رکھے۔"جی تو میڈم آپ کے خلاف ایف آئی آر کٹی ہے کہ آپ نے اس بچی کے والدین اور چھوٹے بھائی کی جان لی ہے۔"اتنے اعطمینان سے کہا کہ اشفا کو پل کے لئے لگا جیسے یہ شخص بھی اس عورت کے ساتھ ملا ہو۔

آئمہ خلیل تمسخر اڑاتیں ہنس دیں۔"آپ کو تو پتا ہے آج کل کے بچے کس قدر شیطان ہیں۔"

اشفا نے ایک غصیلی نگاہ اٹھائی اور اس عورت پر مرکوز کرلی۔کتنی ڈھونگی تھی وہ۔"میں جھوٹ نہیں بولتی۔انہوں نے ہی میرے گھر والوں کو مارا ہے۔میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟"اُس عورت کی آنکھوں میں اترتا خون پل بھر کے لئے اُس کے اندر ڈر بیٹھا گیا تھا۔وہ خوف سے کچھ پیچھے ہولی۔

"ہاں۔۔۔"شہادت کی انگلی المیر خلیل کی طرف اٹھائی۔ سہما ہوا المیر چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔"آپ کے بیٹے نے آپ کو اپنی آنکھوں سے وہاں دیکھا تھا۔ میرے گھر پر۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ میرے بیٹے کو بیچ میں مت گھسیٹو۔!"غصے سے لیز لہجہ اشفا کے رنگ اڑا چکا تھا۔

"المیر۔۔۔ بتاؤ ناں۔۔ تم چپ کیوں ہو؟"اس کی آنکھوں میں ڈھیر سا پانی اکھٹا ہونے لگا۔ آج تک کوئی بھی اس طرح اس پر چلایا نہیں تھا۔ کسی نے بھی اس پر اپنی آواز اونچی نہیں کی تھی۔اس کے ہاتھ خوف سے کپکپانے لگے۔ ہونٹ ایسے ہل رہے تھے جیسے ابھی رو دے گی۔

"میں۔۔؟ میں کیا بتاؤں؟"اس بچے نے گھبراتے ہوئے اشفا کو دیکھا۔اشفا کے تو پسینے چھوٹ گئے۔اگر اس نے انکار کر دیا تو؟

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم نے بھی اِس عورت کو ہمارے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ کہا تھا ناں؟"

"ہاں۔۔۔ میں نے کہا تھا کہ میں نے کسی کو تمہارے گھر سے نکلتے دیکھا تھا ٹھیک اس وقت جب تم نے کہا کہ تمہیں کسی کا عکس دکھا۔ پر میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ انسان میری ماما تھیں۔" پھر نظریں نواب منیر پر ڈالیں۔ "انھوں نے کچھ نہیں کیا۔ اشفا کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

اشفا کو قے کی شکایت ہونے لگی۔ دو دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ لیکن جو بھی اس سے پہلے کھایا تھا اُسے لگ رہا تھا کہ کسی بھی سیکنڈ حلق سے باہر کو اچھل پڑے گا۔

Clubb of Quality Content!

اس کے بچپن کا دوست اپنی سوتیلی ماں کے پیچھے اپنے لفظوں سے پھر گیا تھا۔ اس نے ہی تو اس سانحہ کے روز چھت پر اِشفا کی ہاں میں ہاں ملائی تھی جب زور سے بجلی چمکی تھی۔ ایک ہی گواہ باقی تھا۔ اور وہ بھی اُسے جھوٹی قرار دے رہا تھا۔ کیا اس سے بڑا بھی کوئی دکھ ہو سکتا تھا اس معصوم جان کے لیے؟

ضبط ٹوٹنے کی دہلیز پر تھا۔ حلق میں پھانس سی اٹک چکی تھی۔ ضبط ٹوٹا تو آنکھوں سے نکلتے قطرے ٹپ ٹپ بہنے لگے۔ اُسے اس سے یہ امید نہیں تھی۔

سینے پر جیسے کسی نے بھاری وزن رکھ دیا تھا۔ شاید پیر تھا کسی کا۔ اس کے رونے کی آواز اب بلند ہو گئی تھی۔ سانس لینا محال ہو رہا تھا۔

"جی سر۰۰ آپ نے مجھے یاد کیا؟" بھاری مردانہ آواز پر اس نے روتے روتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پولیس کی وردی میں ملبوس اے ایس پی رمیض جابر مکار چہرہ لئے خلیل محمد اور ان کی بیوی کے قریب ایستادہ تھا۔

دس سال کا المیر آنکھوں میں پانی لئے تھانے سے باہر نکل گیا۔ وہ اشفا کو روتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ بھی رو پڑے گا۔

"میں نے یاد کیا ہے آپ کو۔" آواز آئمہ کی طرف سے آئی تھی۔ "میرے خلاف اس تھانے میں ایف آئی آر کاٹی گئی ہے۔ I need it gone."

"میڈم جی کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" وہ آکر ایس ایچ او کے مقابل رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ اس تک بڑھایا تو اس نے بنا کچھ کہے رپورٹ اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"آپ ایسے نہیں کر سکتے۔۔ میری دنیا اجاڑ دی ہے اس عورت نے۔ میں ہر گز اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گی۔" اے ایس پی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گویا ہوئی۔ آواز اب کافی بدل چکی تھی۔ وہ کسی زخمی شیرنی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

"میڈم جی۔۔۔؟" اس نے آئمہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ آئمہ نے تھوک نگلا پھر آگے کو ہوئیں۔ "آپ کو تو پتا ہے آج کل کے بچے کس قدر شرارتی ہیں۔ پورا محلہ جانتا ہے اسے کھانا پکانے کا نیا نیا بھوت چڑھا تھا۔ حالانکہ اس کی ماں نے اسے روکا بھی پر ضدی ہے تھوڑی سی... بس ماں ذرا سی آگے پیچھے ہوئی تو اس نے کھانا پکانے کی کی اور اس چکر میں گھر جلا دیا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اشفا کا منہ پورا کھل گیا۔ اتنا بڑا جھوٹ! "آئمہ! کیا بولی جا رہی ہو؟" خلیل محمد نے انہیں بازو سے پکڑ کر اپنا سامنے کیا۔ وہ بھی یہ بات شاید پہلی مرتبہ سن رہے تھے۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی، انکل۔۔۔" وہ روتے روتے خلیل محمد کی طرف لپکی۔ اس کا گلا بیٹھ رہا تھا۔ حلق خشک تھا پر کسی سے اتنا نہیں ہوا کہ اُسے پانی پلا دیتا۔

اے ایس پی نے ہاتھ بڑھا کر رپورٹ کو اٹھایا اور ایک ہی جھٹکے میں ریزہ ریزہ کر دیا۔ "لیجیے میڈم۔۔ ہو گیا آپ کا کام۔" کمینی سی مسکراہٹ اس کے شاطر چہرے پر چڑھ گئی۔ اس کے ہر تاثر میں خرابی تھی۔ اگلی نگاہ اشفا پر ڈالی تو اشفا کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ "جانور ہو تم۔ تم سب کے سب جانور ہو۔ یہ عورت میرا گھر کھا گئی۔۔ تم۔ تم لوگ کچھ نہیں بولے۔" اس نے انگلی اے ایس پی کی طرف اٹھائی۔ پھر رُخ موڑ کر آئمہ کو دیکھا۔

اتنے میں کسی نے اُسے اپنی طرف کھینچا اور ایک گال سوجا دینے والا تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ جس کے اثر تلے دبتی وہ زمین پر دھڑام کی آواز سے گری۔ وہ اس افتاد کے لئے تیار نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا سر میز کی ٹانگ کے ساتھ زور سے لگا۔ آہ اس کی زبان سے نکلی۔

وہ تھپڑ اُسے رمیض نے مارا تھا۔ پولیس والا تھا بے عزتی کہاں برداشت ہوتی تھی اس سے۔

"اے لڑکی! خود ہی اپنے ماں باپ کو مار کر اب یہاں بین کرنے آگئیں؟ یہ تھانہ ہے۔ تمہارے باپ کا گھر نہیں۔ نکلو یہاں سے۔" پھر اُسے بازو سے تھاما اور گھسیٹ کر تھانے کی راہداری تک لے آیا اور دھکا دے کر باہر پھینک دیا۔

آٹھ سالا بچی کو گرا دیکھ کر سب نے جیبوں سے فون نکال لیے اور اس دن کو ۱۰۰ اس تاریخ کو اپنے کیمروں میں قید کر لیا گیا۔

اشفا نے تھانے کے وسط میں کھڑے اس شخص کو دیکھا جو اُسے بے حد مخلص لگتا تھا۔ اس کے والد کا دوست۔ خلیل محمد۔

اس کے ارد گرد آسودگی چھاگئی۔اُسے ان سے یہ امید نہیں تھی۔وہ معصومیت سے دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے ہولے ہولے اُٹھی۔اس کی فراک کندھے سے ذراسی پھٹ گئی تھی۔چہرہ موڑ کر کندھے کو دیکھا۔یہ فراک اسے اس کے بابانے دوسال پہلے اس کی چھٹی سالگرہ پر تحفے میں دی تھی۔

یہ وہ آخری فراک تھی جواُس آگ سے بچ گئی تھی۔جواس نے اُس روز پہن رکھی تھی۔وہ آخری یاد تھی جواُسے سنبھال کرر کھنی تھی۔کندھے سے کپڑے کو جکڑتے وہ سڑک کی طرف چل دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اپنے محلے کے ایک ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ٹیکسی پر۔اور وہ ٹیکسی بھی اسی شخص کی تھی۔

ٹیکسی کو جگہ پر کھڑانہ پاکر وہ وہیں رک گئی۔ کہیں وہ سواری تو نہیں اٹھانے چلا گیا؟اب گھر کیسے جائے گی؟

جبکہ تھانے کے اندر ایک الگ ہی ماحول چھایا ہوا تھا۔ المیر خلیل کی آنکھوں میں وہ منظر قید ہو گیا تھا جب اس اے ایس پی نے اشفا کو تھانے سے باہر نکال پھینکا تھا۔ مٹھیاں بھینچتے وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا اس شخص تک بڑھا جو کہ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے ایک شان سے براجمان تھا اور اُسے کالر سے تھام لیا۔ آگے پیچھے کھڑے سب ہی لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگے۔

"میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں رمیض جابر۔ میں تمہاری کھال تمہارے جسم سے ادھیڑ دوں گا۔ میں تمہارا وہ حال کروں گا کہ تم آئینے میں دیکھنے سے بھی ڈرو گے۔ تم رو گے۰۰ تم چلاؤ گے اور تمہیں صرف میری یاد آئے گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" ایک جھٹکے سے اس کے گھریبان کو چھوڑا اور طنطنا تا ہوا باہر نکل گیا۔

پیچھے بیٹھا پولیس آفیسر شرمندہ شرمندہ سا آگے پیچھے دیکھنے لگا جبکہ خلیل محمد اپنے بیٹے کی حرکت کے لئے اس سے معافی مانگنے لگے۔

وہ باہر آیا تو اشفا کو سڑک کے کنارے کھڑا پایا۔ پریشان ہوتے ہوئے اس نے اس تک قدم بڑھائے۔ وہ ڈر رہا تھا کہ ناجانے اشفا کیسا برتاؤ کرے گی۔

کسی کی موجودگی کے احساس نے جب اُسے گھیرا تو وہ پیچھے نہیں مڑی۔ المیر کے آنے سے پہلے ہی اُسے خبر ہو جایا کرتی تھی کہ وہ آگیا ہے۔

"اشفا۰۰۰" پکار نکلی۔ اس کی حلق میں آنسوؤں کا پھندا لٹک رہا تھا۔ آواز بھیگی ہوئی تھی۔

Clubb of Quality Content!

"بات مت کرو مجھ سے۔ میں نفرت کرتی ہوں تم سے، المیر خلیل۔ تم سے تمہارے الفاظ کا بدلہ میں لے کر رہوں گی۔" نظروں کے زاویے میں اس کے چہرے کو رکھا۔ اس کے ہر تاثر میں نفرت چھلک رہی تھی۔

"ہم تو دوست ہیں ناں۰۰۰"

"تھوکتی ہوں میں ایسی دوستی پر۔ آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔" وہ اپنے پیروں پر مڑ گئی۔

المیر کے ہونٹ بے ساختہ کپکپائے۔ سُر مئی آنکھوں سے ایک آنسو بہہ نکلا۔ کتنی ظالم تھی اشفا امین۔ آنسو لگاتار بہنے لگے لیکن آنسوؤں میں اب آسمان سے گرتی بارش بھی گھل چکی تھی۔ چہرہ نم ہو گیا تھا اور وہ سر سے پیر تک بھیگ رہا تھا۔

وہ دور جا رہی تھی۔ وہ اس کی پشت کو دیکھے گیا۔ وہ لڑکی اس کا دل کیسے توڑ سکتی ہے؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کچھ ہی دنوں کے بعد سوشل میڈیا سے لے کر اخباروں تک، اخباروں سے لے کر نیوز چینلز تک پر ہر جگہ یہ خبر پھیل گئی تھی کہ ایک بچی جس کا نام اشفا امین تھا اپنے والدین کی موت کی ذمے دار ہے۔ عمومی تعداد نے خبر کچھ اس طرح نشر کی کہ کھانا پکانے کا شوق رکھتی تھی تو گیس کھلی چھوڑ دی جس کے باعث گھر جل گیا۔

اگلے چند سالوں تک اشفا کو اٹھتے بیٹھتے لوگوں کے طعنے سننے کو ملے۔وہ خاموش رہی۔ایک دم چپ۔پھر کچھ ہی سالوں میں سب وہ قصہ بھول گئے تھے۔لیکن اشفاامین نہیں بھولی تھی۔اُسے وہ بے عزتی آج بھی یاد تھی۔

حال۔

اس منظر کو دیکھنے کے لئے وہ تو ترس ہی گئی تھی۔اس عورت کو تڑپتا دیکھنے کے لئے اس کی آنکھیں صدیوں سے منتظر تھیں۔کتنا سکون تھا اس نظارے میں۔وہ اندر تک سرشار ہوئی تھی۔

لیکن چار منٹ کی ذلالت ان چار سے سات سالوں کی ذلالت کے آگے کچھ نہیں تھی۔

اپنے بیتے ہوئے کل کی یاد سے باہر نکلی تو دیکھا کہ آئمہ خلیل دور جا رہی تھیں۔کتنی سنگ دل تھی وہ عورت۔کتنی کھوٹی تھی۔

اور کتنے اندھے تھے اس کے گھر والے کہ آج تک اس کا اصلی چہرہ نہیں دیکھ پائے تھے۔

•·—·◎·—·•

فروری کا مہینہ چڑھ آیا تھا۔ موسم فرحت بخش اور دل آویز تھا۔ ہر بدلتے دن کے ساتھ خنکی بڑھ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی دُھند نے خلیل منزل کو ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ گویا در و دیوار دُھند میں ڈوبے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

آس پاس کی اسٹریٹ لائٹس میں سے چند جل رہی تھیں اور باقی اندھیرے سے لیز تھیں۔ لیکن اس گھر کے چاروں اور کھڑے اسٹریٹ لیمپس میں سے صرف دائیں طرف کے دو روشنی پھیلا رہے تھے۔

ان میں سے نکلتی پیلی روشنی گھر کی ایک طرف کو نمایاں کیے ہوئے تھی جبکہ دوسری اور اندھیر تھا۔

چاروں اور چار گارڈز مستعد کھڑے تھے۔ایک گیٹ پر آنکھیں ٹکائے لکڑی کی کرسی پر نشست تھا۔باقی کے تین باریاں بدل بدل کر ایک دوسرے کی جگہیں لے لیتے تھے۔

ایجنٹ فور اور ون اس وقت سڑک کے اُس پار کھڑے خطرے کا اندازہ لگانے میں مصروف تھے۔آج معمول سے ہٹ کر ان دونوں نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔دونوں کے چہروں پر ہلکی ہلکی داڑھی بتیوں کی مدھم روشنی میں چمک رہی تھی۔ایک تئیس سے چوبیس سال کا لگتا تھا اور دوسرا مشکل سے اکیس برس کا تھا۔دونوں قد کاٹھ میں اونچے اور چوڑے تھے۔دیکھنے سے پتا چلتا تھا کہ اگر ان کا ہاتھ جبڑے پر لگا تو دانت بتیس سے بیس دو منٹ میں ہو جائیں گے۔

Clubb of Quality Content!

ایجنٹس کے اس ٹولے کے باس یعنی ایجنٹ ایلیون کا ایک اصول تھا کہ ایجنٹ ایک دوسرے کے ذاتی ناموں اور کاموں سے دس فیٹ کی دوری پر رہیں گے۔اور ہوتا بھی یوں ہی تھا۔تمام ایجنٹس ایک دوسرے کے ناموں سے ناواقف تھے۔

"ضرورت پڑنے پر گارڈز کو اپنا نام کیا بتاؤں؟" ایجنٹ ون نے ایجنٹ فور سے پوچھا تو اس نے شانے اچکا دیئے۔

"کچھ بھی بول دینا۔" اس نے کلائی پر بندھی بھورے رنگ کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ باس کی آمد ہونے ہی والی تھی۔

"کچھ بھی بہت عجیب نہیں لگے گا؟" ایجنٹ فور پہلے کچھ سیکنڈز اُسے گھورتا رہا پھر سر کے نیچے ایک تھپڑ کس کے لگایا۔ "ابے بیوقوف۔۔۔ کچھ بھی نہیں بولنا۔ کوئی بھی نام بتا دینا جیسے رحمت، علی، محسن وغیرہ۔"

"وغیرہ بول دوں گا۔ کتنا مختلف ہے ناں..." خوشی سے آنکھیں مٹکا مٹکا کر مقابل کو دیکھا۔
"واہ۔۔ماں صدقے۔۔۔ شکل کے حساب سے نام چُنا ہے۔ خود سوچو ان کو وغیرہ علی خان۔۔ راجہ وغیرہ چشتی یا وغیرہ ملک سننے میں کیسا لگے گا؟ عقل کے دشمن!"

Clubb of Quality Content

"تم نے ہی تو کہا کہ وغیرہ بتا دینا۔" اس نے ماتھا پیٹا۔ "تہجد کا وقت ہے ورنہ ایسی گالی دیتا ناں۔۔"

"اے گالی نہیں دینا۔ باس کو بتاؤں گا۔" شہادت کی انگلی اٹھائی اور دھمکی آمیز لہجہ اختیار کر لیا۔

"اچھا؟ پھر باس کو یہ بھی بتا دینا کہ تم نے اپنے لئے وغیرہ نام منتخب کیا تھا۔" اس نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔ "تو کیا برائی ہے اس نام میں؟"

Clubb of Quality Content

"یااللہ۔۔۔ مجھے صبر دے۔۔" پہلے آسمان کو دیکھا پھر زمین پر کھڑے اس شیطان کو۔ "ایسی فلائنگ کِک ماروں گا ناں۔۔۔ چہرہ چین کا نقشہ بن جائے گا۔"

"تم مجھے ڈانٹ رہے ہو۔ باس کو اب تو پکا بتاؤں گا۔" ضبط سے ہونٹ بھینچتے اس نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا۔ "دیکھو تم ان کو اپنا نام وسیم بتا دینا۔"

"وسیم؟ معمولی سانام ہے۔پر چلے گا۔" ایجنٹ فور نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔ "شاباش میرے گیدڑ-میرا مطلب ہے شیر ۰۰۰ چلواب چلیں۔" اس نے سر اثبات میں ہلایا تو دونوں کچھ قدم آگے کو ہولئے۔

اگر نظر کو دوسری طرف گھمائیں تو مقرر سیاہ شرٹ اور پینٹ میں ملبوس ایجنٹ ایلیون چہرے پر ماسک لگائے خلیل منزل کی عقبی دیوار کے بیرونی گوشے میں قدم استوار کر چکا تھا۔ہاتھوں پر ہمیشہ کی طرح سیاہ دستانے چڑھا رکھے تھے۔

ناولز کلب

نظر کلائی میں بندھی مہنگی سیاہ پٹے والی گھڑی پر مرکوز تھی۔ٹھیک دو بج کر پانچ منٹ پر اس نے کان پر انگلی رکھی جہاں ایئر بڈ لگا تھا۔ "کام پر لگو۔"

حکم آتے ہی تماشے کا آغاز ہو گیا۔ایجنٹ فور بائیک اسٹارٹ کر کے عین گھر کے گیٹ کے آگے سے گزرنے لگا جب اس نے رفتار کم کر دی اور پلان کے مطابق ایجنٹ ون بائیک کے آگے آگیا۔دونوں کا تصادم ہوا تو ایجنٹ ون کراہتے ہوئے سڑک پر لیٹ گیا۔

"میری ٹانگ توڑدی۔۔ظالم نے میری ٹانگ توڑدی۔"بلند آواز میں کراہنے لگااور ہاتھ پیٹ پر گردے والی جگہ پر رکھاتوایجنٹ فور نے ہاتھ کی مٹھی بنا کر سر پر رکھ لی۔پھر بائیک پر ہاتھ رکھ کر کچھ نیچے کو جھکا۔"تمہاری ٹانگ پیٹ میں ہے کیا؟گوار آدمی!ٹانگ پر ہاتھ رکھ۔"سرگوشی کر کے سیدھا ہوا۔

اتنے میں دوگارڈزان تک آگئے تھے۔ایک زانوں کے بل اس کے پاس سڑک پر بیٹھ گیااور دوسرا بائیک کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"پانی•••پانی پلاؤ۔"زورزور سے کھانسنے کی آواز کووہ سیگنل کے طور پر استعمال کرنے لگا کیونکہ سڑک پر گرنے کی وجہ سے ایئربڈ اس کے کان سے نکل کر کہیں دور جا گرا تھا۔

ایجنٹ فور کادل کیااس کا منہ توڑدے کیونکہ جس قدر نقلی کھانسنے کی آواز وہ نکال رہاتھا•• آرام سے ٹیرس پر بیٹھے ایس ایچ او کو شک ہو جاناتھا۔

ان میں سے ایک گارڈ نے تیسرے گارڈ کو آواز لگائی اور وہ دوڑا چلا آیا۔اُسے پانی لانے کا کہتے وہ دونوں وہاں کھڑے حادثے کی سنگینی کا جائزہ لینے لگے۔

دوسری طرف موجود ایجنٹ ایلیون اب بڑی مہارت کے ساتھ بولٹ کٹر کی مدد سے دیوار پر لگی خاردار تار کاٹ رہا تھا۔انگلیاں پھرتی دکھاتی ہوئیں ایک کے بعد ایک تار کو تاروں کے گچھے سے الگ کر رہی تھیں۔

اب گھر کے پاس ایک ہی گارڈ تھا جو کہ دائیں طرف روشنی کے تلے کھڑا تھا۔جب تاریں مکمل کٹ گئیں تو اس نے احتیاط سے انہیں ہٹایا اور دیوار پھلانگنے کی جگہ بنائی۔

دیوار کے اس مختص حصے پر ہاتھ رکھتے اس نے خود کو ہوا میں اوپر کیا پھر دیوار پر چڑھتے ہی گیلی گھاس میں چھلانگ ماردی۔ مشن کا ایک حصہ تو سفل ہوا۔

ایئربڈ پر ہاتھ رکھتے اس نے باقی دونوں کو اطلاع دی اور آگے بڑھ گیا۔گھر کی بائیں طرف آگے اور پیچھے دو دو ستون تھے۔وہ خاموش قدم اٹھاتا اگلے ستون کے پیچھے چھپ گیا۔گارڈ کا

چہرہ سڑک کی طرف تھا۔وہ باآسانی گھر میں داخل ہو سکتا تھا پر المیر خلیل ۰۰۰اس کی نظروں سے بچنا ناممکن تھا۔

گھر کی بیرونی دیوار کے ساتھ چپک کر وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا دروازے کے آگے جا پہنچا۔ جیب سے ماسٹر چابی نکالی جو اکثر بہت سے دروازوں کو کھول لیتی تھی۔ ممکن تھا کہ یہ والا دروازہ اس سے نہ کھل پاتا۔ لیکن ایجنٹ ایلیون بیک اپ پلان کے بغیر کہیں جا سکتا تھا کیا؟ اس کا دماغ اتنی پھرتی سے چلتا تھا کہ چیتے کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا۔اس کار کھ رکھاؤ ناپ تول پر مُنحصِر تھا۔کالم اینڈ کمپوزڈ۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

دروازہ چڑ چڑ کرتے کھل گیا۔ کتنے عقلمند تھے خلیل منزل کے لوگ کہ سیکورٹی سسٹم بھی گھر کا نہ چلنے کے برابر تھا۔

"باس ۰۰المیر خلیل گارڈ سے فون پر بات کر رہا ہے۔مجھے لگتا ہے اُسے شک ہو گیا ہے۔" ایجنٹ فور کی دبی دبی آواز ایئر بڈ سے نکلی جیسے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر بول رہا ہو۔

"میں گھر کے اندر ہوں۔ پلان کے دوسرے مرحلے پر کام کرنا شروع کر دو۔" اس نے ایئر بڈ بند کر دیا۔ اب مزید رابطہ کرنے کی اُسے ضرورت پیش نہیں آنے والی تھی۔

دس منٹ کے بعد ایجنٹ ایلیون گھر کی پہلی منزل پر جگہ جگہ مائکروفونز لگا چکا تھا۔ کیمرے تو مہینہ پہلے ہی لگ چکے تھے۔ دو پہلی اور دو دوسری منزل پر۔

یہ کام بھی مشکل سے انجام کو پہنچا تھا۔ گھر میں عالیہ خلیل کے انتقال کی تعزیت کرنے جب لوگ آنے جانے لگے تو ایک ایجنٹ گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس نے بڑی ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھر کے مخصوص بلبوں کو اتار کر ان کی تاروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی۔ اور کچھ ہی دنوں میں جب بلب خراب ہو گئے تو وہاج خلیل کو بیوقوف بنا کر دو ایجنٹس بلب بدلنے آئے اور مخصوص بلبوں کو اتار کے کیمرا والے بلب لگا دیے گئے تھے۔

اس نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ دو بج کر سترہ منٹ۔ یعنی اب تک دونوں ایجنٹس جا چکے ہوں گے۔ اس کے قدم اب دوسری منزل کی طرف تھے۔ زینے پھلانگنے میں کافی خطرہ تھا۔ ہلکی سی آہٹ بھی پلان میں مشکل کھڑی کر سکتی تھی۔

اس نے احتیاط سے جوتے اتارے۔اتار کر زینوں کے نیچے رکھ دیئے۔ننگے پیروں کے ساتھ اب رُخ زینوں کی طرف کیا۔لیکن ایک سیکنڈ٠٠! کچھ تو کمی تھی۔ماسک کے نیچے ہونٹوں پر ایک معنی پوش مسکان چھاگئی۔

انہی قدموں پر پیچھے مڑا اور ایک کمرے کی اور چل دیا۔دروازہ کھولنے پر نیم اندھیر میں ڈوبے سکوت نے اس کا استقبال کیا۔فون آن کیا تو اسکرین سے نکلتی روشنی کو پورے کمرے میں گھمایا۔سنگھار میز پر روشنی پڑی تو وہ بنا آواز کیے اس تک بڑھا۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

کتنی نفاست سے ہر چیز دھری ہوئی تھی۔پرفیوم، بالوں کا جیل، کاجل اور ہیئر برش۔اس کی انگلیاں ہیئر برش پر آرکیں۔احتیاط سے اُسے اٹھاتے٠٠اس میں سے ایک سنہرے رنگ کا بال نکالا۔بال اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

ایک آخری نظر بستر پر ڈالی اور پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھرتی دکھاتے ہوئے زینے چڑھا پر بے حد احتیاط سے۔ سامنے ہی دو کمرے تھے۔ المیر خلیل اور عالیہ خلیل کا۔ جبکہ وہاج کا کچھ فاصلے پر تھا۔

پانچ منٹ میں وہ عالیہ اور وہاج کے کمروں میں مائکروفونز لگا چکا تھا۔ اب رہ گیا تھا المیر خلیل کا کمرہ۔ کمرے کا دروازہ آدھ کھلا تھا۔ وہ بنا دروازے کو چھیڑے بہت سکون سے اس فاصلے سے نکل کر کمرے میں داخل ہوا۔ کام مہارت والا تھا۔ تب ہی تو ایجنٹ ایلیون کر رہا تھا۔

پہلی نگاہ ہی گلاس وال کے اُس پار اٹھی۔ وہ ٹیرس پر کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ گرل پر تھا اور دوسرے میں فون اٹھا رکھا تھا جسے اس نے کان کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔

اس کے چاروں اور خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ یہ وہی اہلکار تھا جس نے اس کے ایک ایجنٹ کو نا جانے کہاں بند کر رکھا تھا۔ جس نے رمیض کے ذریعے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ اور کامیاب بھی ہو جاتا اگر یہ بھاگنے میں تھوڑی سی دیر کرتے۔

ویسے ماننا پڑے گا۔المیر خلیل تھا بہت شاطر اور حاضر دماغ۔رمیض پر ٹریکر لگا ہو گا یہ خیال تو ان کے ذہنوں کو چھو کر بھی نہ گزرا تھا۔پلان تو سولہ آنے درست تھا پر افسوس تیر نشانے پر لگنے سے پہلے ہی چوک گیا۔

اگر المیر ایک دفعہ پیچھے مڑ جاتا تو اس کی نظر ٹھیک ایجنٹ ایلیون پر پڑتی۔اس نے سر جھٹکا۔

دو منٹ کے اندر اندر مائکروفون مخصوص جگہ پر لگا یا۔اسی وقت اس کے جیب میں پڑا فون وائبریٹ ہوا۔اسکرین پر ایجنٹ ون کا میسج جگمگا رہا تھا۔"دو گارڈز گیٹ سے باہر ہیں اور دو المیر خلیل کے حکم کے تابع گھر کو باہر سے چیک کررہے ہیں۔شاید اندر بھی آجائیں۔"

بھنویں تنگ ہوئیں۔اگر آج ایجنٹ ایلیون پکڑا گیا تو اُسے کوئی افسوس نہ ہو گا۔کوئی رنج نہ ہو گا۔اُسے یقین تھا کہ ایک نہیں تو دوسرے طریقے سے وہ اپنے دشمن تک پہنچ ہی جائے گا۔

وہ بہت احتیاط سے بستر کے نیچے لیٹ گیا۔کمرے میں چُھپنے کے لئے ایک یہی واحد اور خاصی ٹھیک جگہ تھی۔

ابھی بھی وقت تھا۔۔ بیڈ کے نیچے لیٹا وہ انسان باآسانی یہاں سے نکل سکتا تھا۔شاید وہ نکل بھی جاتا اگر المیر خلیل اسی لمحے ٹیرس سے کمرے کا رُخ نہ کرتا۔

گلاس ڈور کھول کے وہ چائے کا کپ ہاتھ میں تھامتے اندر آیا۔فون کو بستر پر اُچھالا جبکہ خود کمرے سے باہر نکل گیا۔کن اکھیوں سے اس کی چال پرکھی گئی۔اس کی چال ٹھہری ہوئی اور خاموش لیکن محتاط تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یعنی المیر خلیل کو شک ہو ہی گیا تھا۔

فون کو مکمل طور پر بند کرتے وہ چند منٹ وہیں لیٹا رہا۔کمرے میں نہ ہوا آ رہی تھی نہ ہی باہر جا رہی تھی۔وہ پسینے سے بھیگ چکا تھا۔

چند منٹ مزید وہ منتظر آنکھوں سے کمرے کے دروازے کو گھورتا رہا۔پھر اچانک دروازہ کھلا۔وہ شخص اندر آیا۔سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر بتی جلائی۔

بستر کے تلے موجود وہ سراپا ہلکا سا کھسکا۔ جہاں المیر کھڑا تھا وہاں سے ایجنٹ کے دکھ جانے کی اسی فیصد ممکنت تھی۔ لیکن پھر اس نے بتی بجھا دی۔ اس نے ایک گہرا سانس باہر نکالا۔

قدم بستر کے قریب تر آئے۔۔۔ پھر پیچھے ہوئے۔ باتھروم کا دروازہ کھول کر وہ داخل ہو گیا۔ اس وقت چُھپنے کے لئے سب سے بہترین جگہ اُسے چھت لگی تھی۔

موقع اچھا تھا اور پولیس آفیسر بھی کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے بستر کے نیچے سے نکلنا چاہا جب قسمت کا مارا اس کا فون ہاتھ سے چھوٹا آس پاس کہیں گر گیا۔

گرنے کی آواز بہت بلند تو نہیں پر اتنی ضرور آئی تھی کہ المیر جھٹ سے باتھروم سے باہر نکل آتا۔ کیا مصیبت ہے۔ ہاتھ مار کر آگے پیچھے فون تلاشا تب جا کے کہیں ملا۔

وہ بیڈ کی دائیں جانب سے باہر نکلا۔ یہاں سے وہ جلدی دروازے تک جا سکتا تھا۔ ابھی وہ باتھروم کے آگے سے گزرتا کہ اچانک کسی مضبوط انسان نے اُسے اپنی طرف موڑا اور پیچھے دیوار کے ساتھ لگا لیا۔

کچھ لمحے تو اُس کے دماغ پر سکوت کا جالا چڑھ گیا۔ پھر ہوش آیا تو المیر خلیل کو اپنی آنکھوں کے سامنے پایا۔ وہ تو شکر تھا کہ کمرے میں اندھیرا تھا اور اس نے ایسا ماسک پہن رکھا تھا جس میں اس کے چہرے کا ایک بھی حصہ عیاں نہیں تھا۔ اور سانس کے لیے ماسک میں ہونٹوں والی جگہ پر ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ یہاں تک کہ آنکھیں بھی جالی کی اوٹ میں ڈھکی ہوئی تھیں۔ لیکن وہ خود سب کچھ صاف صاف دیکھ پا رہا تھا۔ ایجنٹ کے جسم کا ایک بھی حصہ عیاں نہیں تھا۔

اس کے بازو اتنی قوت سے اس کے بازوؤں کو جکڑے ہوئے تھے۔ اس نے جیسے جسم کا تمام تر زور اُس پر لگا دیا تھا۔ لباس میں کلائیوں سے لے کر کندھوں تک کے حصے کو خاص کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ بازوؤں پر خاص قسم کی زرہ باندھی گئی تھی تاکہ دشمن کے وار سے حفاظت ہو

سکے۔ جس کے باعث عام انسان کے مقابلے میں کلائیاں اور بازو کافی تنگڑے نظر آتے تھے۔

ایجنٹ ایلیون نے اپنا گھٹنا بلند کیا اور اس کے پیٹ میں دے مارا جس سے المیر خلیل کراہتے ہوئے پیچھے ہوا۔ اب موقع تھا بھاگنے کا۔

اس نے پھرتی دکھاتے ہوئے دروازے کے دستے پر ہاتھ جمایا جب اُسے محسوس ہوا کہ وہ ٹھیک اس کے پیچھے موجود تھا۔ ایجنٹ ایلیون پھرتیلا تھا پر المیر خلیل کی تیز رفتاری کا جواب نہیں تھا۔ کیونکہ جتنی شدت سے اس نے اُسے مارا تھا اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو گھنٹہ وہیں گرا رہتا۔

مخالف نے بازو کی کونی فوراً پیچھے کی۔ لیکن اس سے پہلے کے المیر خلیل کے چہرے پر نقش ہوتی اس نے تصادم سے قبل ہی اپنی گرفت میں لے لی۔

جس طرح وہ دونوں کھڑے تھے یعنی جتنا اندازہ وہ لگا سکتا تھا۔اس نے یہی نقشہ کھینچا تھا کہ المیر عین اس کے پیچھے تھا۔ سر کو زور سے پیچھے کیا جس سے زوردار ٹکر ہوئی اور المیر کی ایک اور آہ بھری آواز سن کر اُسے یقین ہو گیا کہ تیر چُو کا نہیں تھا۔

پر آفیسر نے اب بھی ہار نہیں مانی تھی۔دروازہ کھلتے ہی ایک زوردار مکا ایجنٹ کی کمر میں لگا۔ ایک سسکی تک نہ نکلی۔مکا کافی زور آور تھا کہ اگر کسی اور کو یعنی نازک انسان کو لگتا تو اس کا دماغ ہلا دیتا۔

اب اس پر جوابی کاروائی تو بنتی تھی۔وہ پیروں پر مڑا اور المیر پر وار کرنے کی کی جب المیر جھک گیا اور ایجنٹ کی پشت المیر کے سینے سے آلگی۔ایک بازو اس کی گردن میں پھنسایا اور دوسرے سے ساتھ والے کو قابو میں کیا۔

"بہت ہو گیا بھاگنا۔۔۔ ایجنٹ ایلیون۔میرے گھر تک آنے کی جرات کی ہے تو تھوڑی خاطر داری کا موقع تو دو۔"آواز میں طنز اور لہجہ دھمکی آمیز۔بھاری اور گھمبیر آواز۔

ابھی کدھر؟اس نے ایک مرتبہ پھر جسم میں موجود سارا زور لگاتے سر پیچھے کیا جو کہ المیر کی ناک پر لگا۔یہ اس کی ناک پر کیا جانے والا دوسرا حملہ تھا۔

اس نے فوراًاُسے چھوڑا کیونکہ درد کی شدت اب بڑھ گئی تھی۔اور ساتھ ہی ناک تھام لی۔ہلکا ہلکا خون ناک سے رسنے لگا۔

ایجنٹ نے موقع غنیمت جانا اور بجائے یہ کہ زینوں سے اترتا•• گرل پر ہاتھ جمائے اور نیچے چھلانگ دے ماری۔اب وہ نچلی منزل پر تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک آخری کام کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف لپکا۔باہر جھانکا تو گارڈز کو دائیں جانب سرونٹ کوارٹرز کی طرف جاتا پایا۔وہ فوری طور پر اس دیوار کی اور بھاگا جہاں سے وہ اندر آیا تھا۔ننگے پیر ہونے کے باعث اُسے اذیت کا سامنا تھا۔لیکن وہ تو بھلا ہو ایجنٹ سیون کا جس نے اُسے قدرے موٹے کپڑوں کے موزے لا کر دے دیے تھے۔کہ اب اگر خون نکلتا بھی تو کپڑے میں جذب ہونے کی وجہ سے آگے پیچھے نہ گر پاتا۔

اور اس کے ساتھ ہی مشن کا آخری مرحلہ بھی سفل ہوا۔

..—.ʚɞ.—..

نو وارد شخص کے فرار حاصل کرتے ہی المیر خلیل ناک کے نیچے رومال رکھ کر زینے اترتا گھر سے باہر نکلا۔اس شخص کے وار نے اس کے دماغ پر گہرا اثر زائل کیا تھا۔آنکھوں سے پانی مسلسل زار و قطار بہہ رہا تھا۔

گارڈز کو اچھا بھلا ذلیل کرنے کے بعد اس نے گھر کے ارد گرد موجود چار دیواری کا جائزہ لیا۔ لیکن جب پچھلی دیوار تک پہنچا تو اکھڑی ہوئی خاردار تار کو دیکھ کر اس نے جبڑا بھینچا۔سب کے سب نکمے تھے۔

واپس گھر کے اندر جاتے جاتے اس نے دو گارڈز کو نوکری سے فارغ کر دیا۔جس کام سے وہ راحم کو روکتا تھا وہ آج خود انجام دے چکا تھا۔

پھر صبح ہوتے ہی راحم سے ملا اور اُسے سارا ماجرا سنایا تو پہلے چند منٹ راحم ہمہ دم ہنستا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی نکلنے لگا۔ پھر اگلے چند منٹ وہ خاموشی سے المیر کو دیکھے گیا۔

"ویسے چور کی ہمّت کی داد دیتا ہوں۔ پولیس والے کے گھر گھس کر۔۔۔ پولیس والے پر حملہ کر دیا۔۔۔" سنجیدہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ "۔۔۔ویسے سچ میں کوئی آیا تھا ناں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہو۔"

"ہاں راحم ماہان اے ایس پی صاحب۔ یہ جو میری شکل پر چوٹیں آئی ہیں۔۔ یہ تو میں نے پینسل سے بنائی ہیں، ہیں نا؟" چہرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ ہولے سے ہنسا۔

"اچھا چلو۔۔ مان لیتے ہیں کہ چور ہی تھا۔" المیر اس کی بات کاٹ گیا۔ "چور نہیں تھا۔۔ مجھے پتا ہے ایجنٹ ایلیون تھا۔"

ناولز کلب
Club of Quality Content

"اس نے تمہیں خود بتایا تھا یہ؟"اس نے سر نفی میں ہلایا۔"میں نے ایجنٹ ایلیون پر آرٹیکل پڑھے ہیں۔وہ لوگوں کا ہیرو ہے۔بہت سے مجرموں کو پکڑ کر قانون کے حوالے کر چکا ہے۔ جس طرح کا حلیہ آرٹیکلز میں بیان کیا گیا تھا بالکل ویسے ہی کپڑے اس نے پہنے ہوئے تھے۔"

"جیسے کہ کیسے کپڑے۔۔۔؟"

"سیاہ ماسک۔۔۔سیاہ کپڑے۔۔۔اب میں یہ بات یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی یا کسی دوسری نوعیت کے کپڑے تھے پر اُس کی جس جس چیز پر میری نظر پڑی۔۔۔وہ تمام چیزیں سیاہ تھیں۔"

"لو کر لو بات۔۔۔چور بھی زیادہ تر سیاہ رنگ ہی پہنتے ہیں۔اس میں کون سی نئی بات ہے؟"

"پوری بات تو سنو۔۔۔اچھا خیر۔۔۔اُس نے جو ماسک پہن رکھا تھا وہ عجیب طرز کا تھا۔یعنی پیشانی سے لے کر گردن تک ہر چیز ڈھکی ہوئی تھی۔نہ اس کی آنکھیں دکھیں۔۔نہ ہی چہرہ۔ ایک آرٹیکل کے مطابق ایجنٹ ایلیون نے ایسا ماسک اوڑھا ہوتا ہے۔"

"اچھا چلو۔۔۔ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ کوئی چور نہیں تھا بلکہ ایجنٹ ہی تھا۔ تو پھر وہ تمہارے گھر کرنے کیا آیا تھا؟"

"سلامی دینے آیا تھا۔۔۔ بھئی مجھے کیا پتا؟ ممکن ہے کچھ اٹھانے آیا ہو۔ لیکن۔۔۔" کہتے کہتے رکا۔ "میرے کمرے میں تو ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو اس کے یا کسی دوسرے کے کام آئے۔ اگر وہ وہاں کچھ لینے نہیں آیا تھا تو پھر کیا۔۔۔؟"

لمحے بھر کے لیے آنکھیں پھیلیں۔ "۔۔۔ کیا وہ کچھ چھوڑنے آیا تھا؟"

"ہیں؟" راحم نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"ہوں۔ میرے لئے کوئی پیغام یا۔۔ کچھ اور۔"

"کچھ اور؟ لولیٹر ہوگا پھر تو۔" شرارتی نظروں سے اُسے دیکھا پھر مسکایا۔ گال میں گڑھا نمودار ہوا۔ لیکن المیر کی سنجیدہ نگاہیں دیکھ کر اس کی مسکان سمٹی۔ گلا صاف کرتے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "ہو سکتا ہے کیمرا یا مائکروفون لگانے آیا ہو۔۔" اس نے شانے اچکائے۔

المیر جو نیچے دیکھ رہا تھا۔۔۔ اس بات پر فوراً سر اوپر کیا۔ "مائکروفون یا کیمرا... یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا؟" وہ کہتے کہتے نشست سے اٹھ گیا اور ڈھابے سے نکلتا چلا گیا۔

"ارے۔۔! چائے کے پیسے تو دیتے جاتے۔" پیچھے بیٹھا راحم اداس نظروں سے چائے کے کپ کو گھورنے لگا۔

Clubb of Quality Content

فروری کا دوسرا ہفتہ چل رہا تھا۔ گذشتہ دنوں کے برعکس اس ہفتے موسم گرم تھا۔ سورج کی تپش ٹھنڈ کو کم کر رہی تھی اور اسی وجہ سے سڑکوں پر رش آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی۔ ظاہر ہے ٹھنڈ میں دھوپ کے تلے کھڑے ہونے کا موقع بار بار تھوڑی ملتا تھا۔

اشفااور مہوین بھی یہی بات دماغ میں رکھ کر آج گھر سے نکلی تھیں۔ گیگا مال میں ہر طرف پیلی بتیوں کی چمک ہر کسی کے چہرے پر عیاں تھی۔ ہر کوئی بھاگم بھاگ چیزیں خریدنے میں مگن تھا۔

جبکہ اشفاامین آؤٹ فٹرز میں کھڑی مردانہ شرٹ کو ہر زاویے سے پرکھ رہی تھی۔
"مہوین ۔۔۔ یہ دیکھو۔" ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ اس کے سامنے کی۔ "یہ رنگ سیفان پر اچھا لگے گا؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

گلابی لونگ فراک میں ملبوس وہ سنہرے بالوں والی لڑکی شرٹ کو کن آنکھیوں سے دیکھے گئی۔ "ایسی شرٹ شاید ان کے پاس ہے پہلے سے۔"

عنابی رنگ کی شلوار قمیض پہنے وہ لڑکی منہ کے زاویے بگاڑنے لگی۔ "وہی تو ہر رنگ کی شرٹ ہے اس کے پاس۔ سمجھ نہیں آرہی کون سا رنگ خریدوں۔"

"میں بتاؤں؟"آواز عقب سے آئی تھی۔دونوں نے گردن موڑی تو سیاہ پینٹ پر سفید شرٹ پہنے وہاج کو پایا۔اتنا بڑا اتفاق تھا اس سے یہاں ملنا۔

"وجی۔۔۔تم بھی یہاں ہو۔"اشفا پیار سے بولی جبکہ مہوین اس کی شرٹ کو غور سے دیکھنے لگی۔وہاج مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر مختلف رنگ کی شرٹوں کو آگے پیچھے کر کے دیکھنے لگا جب اس نے مہوین کی چبھتی نظریں خود پر محسوس کیں۔

"کیا ہوا آپی؟ڈرا کیوں رہی ہیں؟"معصوم سی شکل بنائی تو مہوین نے سر جھٹکا پھر اس کی شرٹ کو کالر سے پکڑتے کوئی چیز ساتھ سے اتاری اور اس کے منہ کے آگے کی۔

مہوین کے ہاتھ میں پرائس ٹیگ دیکھ کر اس کا منہ کھل گیا۔پھر شرٹ کے کالر سے چہرہ چھپاتے آگے پیچھے دیکھا۔"تب ہی میں کہوں ہر لڑکی مجھے اتنا مسکرا کر کیوں دیکھ رہی ہے۔"

"مسکرا نہیں رہی تھیں۔۔۔وہ تم پر ہنس رہی تھیں۔"مہوین نے اس کے سر پر ہولے سے چٹ کی تو اس نے معصومیت سے آنکھیں جھپکیں۔

"ویسے آپ دونوں کب سے جینٹس کے کپڑے پہننے لگیں؟"ایک ابرو اُچکائی۔"ارے نہیں۔۔۔شرٹ ہم اپنے لئے نہیں بلکہ سیف کے لئے لے رہے ہیں۔"اشفا نے گول گلے والی سیاہ شرٹ کو چھوا۔

"سیف کون ہے؟"

بھاری مردانہ آواز۔رعب دار لہجہ۔دبے دبے الفاظ۔نہیں۔۔اُسے پیچھے مڑنے کی ضرورت ہرگز نہیں پڑی تھی۔اس مرد کی شناخت کے لئے اس کی آواز ہی کافی تھی۔

"ایک انسان ہے۔"وہ ابھی بھی کاٹن کی شرٹ کو پرکھ رہی تھی۔اس نے آگے ہو کر مہوین کے سر پر اپنائیت سے ہاتھ رکھا جبکہ نظر اب بھی اشفا پر ہی تھی۔

"تو پھر تم سے جان پہچان کیسے ہو گئی اس کی؟ حیرت کی بات ہے۔۔۔"اُس کے تن بدن میں آگ لگی تو فوراً پیچھے کو مڑی۔ شہدرنگ آنکھوں سے سامنے والے کو ایسے دیکھا جیسے آنکھوں سے ہی مار ڈالے گی۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟ آپ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں انسان نہیں ہوں؟"المیر نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر لئے۔"میری اتنی مجال کہ میں خطروں کی کھلاڑی۔۔اشفا المیر خلیل کو کسی دوسری مخلوق کے ساتھ ملاؤں؟"

اس کے ارد گرد خاموشی نے گھر بنالیا۔وقت تھم گیا۔زبان تالو سے جا چپکی۔اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔شہد مائل آنکھوں میں نرمی گھل گئی۔

کیا انسان تھا المیر خلیل۔۔۔کم بولتا تھا تو ذہن میں گھر کر لیتا تھا اور اگر زیادہ بول دے تو دل کو گھر بنا لیتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایسا زندگی میں شاید پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ اشفا کا چہرہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر سرخ ہوا۔ بنا کچھ بولے وہ اُسے دیکھے گئی۔ کیا اُسے احساس ہوا تھا کہ وہ کیا بول گیا تھا؟

جب المیر نے تینوں کو خاموشی سے اپنی طرف تکتے پایا تو وہ الجھتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔ کیا کچھ غلط کہہ گیا تھا وہ؟ دماغ میں اپنے الفاظ کو دوہرانے لگا جب اس کی آنکھیں پھیلیں۔

اوہ۔۔۔ یہ کیا کہہ دیا تھا اس نے؟ اس کا دل کیا ماتھا پیٹ لے۔ وہ کب سے اتنے لمبے لمبے جملے گڑھنے لگا تھا؟ اف المیر اف۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

لیکن جب سُرمئی نگاہیں اس لال انگارا ہوتے چہرے کی جانب اٹھیں تو اس کے لبوں پر تبسمِ ملیح دوڑ گئی۔ ایک تو یہ لڑکی شرماتی بالکل نہیں تھی لیکن آج جب شرما رہی تھی تو المیر کو ہنسی آ رہی تھی۔

اگر اس کے پاس کیمرا ہوتا اور اشفا کہیں اور دیکھ رہی ہوتی تو وہ ضرور اس لمحے کو کیمرے کی آنکھ میں قید کرتا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہنسی کو ضبط کرتے وہ پل میں سنجیدہ ہوا۔ جانتا تھا کہ کچھ کہے گا تو مقابل اپنے اصل روپ میں واپس آجائے گی۔

وہاج کی ہنسی نے اسی وقت نکلنے کا فیصلہ کیا۔اس کو ہنستا پا کر اشفا پریشان حال ہوتے آگے پیچھے دیکھنے لگی۔ چہرے پر روہانسی تاثرات چھا گئے۔وہاج نے دانت نکالتے ہوئے المیر کو دیکھا تو اس نے آنکھیں نکالیں۔وہ سرخ چہرے کے ساتھ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ المیر نہیں چاہتا تھا کہ وہ رو دے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہاج کی بتیسی ساتھ ہی اندر ہو گئی۔ جبکہ مہوین معاملہ سنبھالنے کے لئے المیر کی طرف مڑی۔"بھائی۔۔سیف بھائی ہمارے پڑوسی ہیں۔ محلے میں سب کے فیورٹ ہیں۔اکثر ہمارے ہاں بھی آجاتے ہیں۔"

"تو۔۔۔پھر شرٹ۔۔؟"اس نے شرٹ والے ریک کی طرف اشارہ کیا۔"ان کی سالگرہ ہے ایک ہفتے کے بعد۔بس اسی لئے ہم ان کے لئے گفٹ لے رہے تھے۔"

"اوہ۔"

"سالگرہ تو اشفا آپی کی بھی آ رہی ہے۔" وہاج فوراً سے بولا۔اشفا بھی بھی شرٹ دیکھنے میں مگن رہی۔ پر پیچھے کھڑے اس شخص کی آنکھیں چمکیں۔

سات اپریل۔ صرف ایک تاریخ تھی۔ایک عام سی تاریخ۔ لیکن اُس کے لئے یہ تاریخ اپنے جنم دن سے بھی خاص تھی۔اور اس کے پیچھے بھی دو وجوہات تھیں۔

ایک یہ کہ اس دن اشفا امین پیدا ہوئی تھی اور دوسری یہ کہ اس دن وہ المیر خلیل کی ہوئی تھی۔اس تاریخ کو ان کا نکاح ہوا تھا۔

ہر سال سات اپریل کو المیر خلیل کیا خاص کرتا تھا اس کے لیے ؟اس کے خیال میں اشفا کو لگتا ہو گا کہ اس کا شوہر کتنا سنگ دل ہے۔ جو ہر سال نکاح کی سالگرہ پر کچھ خاص نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اپنا چہرہ دکھانا بھی گوارا نہیں کرتا۔

اگراشفاایساسوچتی تھی تو بہت غلط سوچتی تھی۔ٹھیک اس تاریخ سے سات دن پہلے المیر اس کی ورک پلیس پرازالیہ کا گلدستہ بھجواتا تھا۔اور مزید اگلے سات دن تک بھجواتا رہتا تھا۔

ازالیہ اشفاکے پسندیدہ پھول تھے۔اُسے پھولوں میں صرف ازالیہ سے انسیت تھی۔

جب وہ پوچھتی تواحمد مرزا کہتے کہ تمام کولیگ اُس کی سالگرہ کی خوشی میں اُسے پھول دیتے ہیں۔جانتے تھے کہ المیر خلیل کانام لیں گے تو وہ ناراض ہو جائے گی۔ساتھ کام کرنے والوں سے بھی جب پہلے دوسالوں تک پوچھتی رہی کہ کیا یہ انہوں نے دیے تو وہ بھی ہاں میں ہاں ملا دیا کرتے تھے۔خراب موڈ کے ساتھ اشفاامین کہاں کسی کو منظور تھی؟

پھر وہ اس کے گھر چھ سے سات کتابیں تحفے میں بھجواتا تھا۔وہ بھی مہنگی سے مہنگی۔وہ جانتا تھا اشفاکو کتابوں کا کتنا کریز ہے۔شاید اس کے لئے آئے ان بہت سے تحفوں میں اس کا تحفہ کہیں پیچھے رہ جاتا تھاتب ہی تو شاید اس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ یہ کتابیں ہر سال اُسے کون دیتا ہے؟

اس ایک دن المیر خلیل کی اشفا امین سے نفرت اپنی جگہ لیکن قسم خدا کی ۰۰۰ ! وہ محبت اپنی جگہ۔

"کب ؟" فوراً انجان بن گیا۔ دوسری طرف موجود اشفا نے آنکھیں گھمائیں۔ ظاہر ہے اُسے کہاں اِس سے متعلق کوئی بھی بات یاد ہو سکتی تھی؟ وہ اس کے لیے خاص تھوڑی تھی جو اس کی سالگرہ یاد رکھتا۔

ایک جھٹکے میں ریک سے ارجوانی شرٹ نکالی۔ اور مہوین کو دکھائی تو مہوین سے مثبت جواب ملا۔ پھر کیا تھا ۰۰۰ وہ فوراً کاؤنٹر پر گئی اور شرٹ خرید لی۔

اب وہ دونوں آؤٹ فٹرز سے نکل چکے تھے۔ جبکہ المیر اور وہاج ابھی بھی دکان میں ہی موجود تھے۔ اس نے اشفا کے خراب ہوتے موڈ کو پرکھ لیا تھا اسی لئے جانے دیا۔

مال میں اگلی ملاقات ان کی ہائپر مارکیٹ میں ہوئی تھی جو کہ ایک کیش اینڈ کیری تھا۔ مہوین اسٹیشنری والے سیکشن میں پین دیکھنے میں مصروف تھی جبکہ اشفا توقع کے برعکس بلا اٹھا کر اور ہوا میں گھما کر اس کے وزن کا اندازہ لگا رہی تھی۔

اُسے تو کرکٹ کچھ خاص پسند نہیں تھی پر سیفان شوق سے دیکھتا تھا۔ اور کھیلتا بھی تھا۔ جب وہ محلے کے بچوں کے ساتھ کھیلنے جاتا تو اشفا اور مہوین گھر کے باہر کرسیاں لگا کر اُس کو سپورٹ کرتی تھیں۔ وہ گھنٹوں گھنٹوں بیٹنگ کرتا رہتا یہاں تک کہ بچے ایڑیاں گھسنے پر مجبور ہو جاتے۔

Clubb of Quality Content!

اس نے بلے کو ہوا میں ایک مرتبہ پھر سے گھمایا جب اچانک۔۔ کوئی سامنے آگیا اور بلا سیدھا اس کے کندھے پر لگا۔ حملہ کرنے والی کی تو آنکھیں پھیل گئیں۔

"ظالم خاتون ۔۔۔ کندھا توڑ دیا میرا۔" وہ دبی دبی آواز میں مخاطب ہوا۔ مقابل اُسے گھورتی گئی۔

"پیچھا کر رہے ہیں میرا؟"

"میں تمہیں شکل سے تعاقب کار لگتا ہوں؟" کن آکھیوں سے اُس ناراض ناراض لڑکی کو دیکھا۔

"سچ بول دیا تو پھر غصہ کرنے لگ جائیں گے۔" منہ میں منمنائی تو المیر تھوڑا نیچے جھکا اور کان اس کی طرف کیا تاکہ اس کا جواب ٹھیک سے سن سکے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کیا کہا؟"

وہ بنا جواب دیئے پلٹ گئی۔ بلا جگہ پر واپس رکھ دیا اور اگلے سیکشن کو چل دی۔

وہ اُسے جاتے دیکھتا رہا پھر اس کے پیچھے لپکا۔ "اگنور کر رہی ہو؟" معصومیت سے سوال کیا گیا۔ اور جواب میں خاموشی پیش کی گئی۔ وہ چہرے کے زاویے بگاڑتا اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

"آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے ؟"اُسے دیکھے بنا چپس کے پیکٹ اٹھا کر مُدتِ اختتام پڑھنے لگی۔

پہلے تو وہ الجھا۔۔۔ یہ بات سچ تھی کہ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔"ہاں۔"اس نے پلٹ کر اس کو دیکھا جو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کہیے۔"

"وہ اس دن تھانے کے باہر۔"

"اگر تو آپ مجھے یہاں ڈانٹنے آئے ہیں۔"

اپنا ادھورا جملہ وہ اُسے سنے بنا پورا کرنے لگا۔"۔ماما نے تم پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔اُس کے لئے آئی ایم سوری۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پہلے تو وہ چونکی۔"آپ کیوں سوری کر رہے ہیں؟آپ نے تو ہاتھ نہیں اٹھایا تھاناں۔"

"نہ ہی کبھی اٹھاؤں گا۔لیکن ماما کو بھی لحاظ کرنا چاہیے تھا۔"چہرے سے تو وہ سچ میں شرمندہ نظر آرہا تھا۔اشفا نے شانے اوپر کیے۔

"کیا فرق پڑتا ہے؟جو ہو گیا سو ہو گیا۔"اسی جواب کی توقع وہ کر رہا تھا۔اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

اگلے آدھے گھنٹے تک وہ اول فول چیزیں خریدتی رہی اور وہ اس کی حرکتوں کو ملاحظہ فرماتا رہا۔

··—·๑ɞ·—··

دیکھتے دیکھتے سیفان یامین کی سالگرہ کا روز بھی سر پر آہی گیا تھا۔اکیس فروری کی تاریخ چڑھتی گئی تو طوفان نے آنے کا فیصلہ کیا۔بارش ایسی تھی کہ ایک دفعہ شروع ہوئی تو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

گھر کے باہر ایک سفید رنگ کا بلب روشن تھا۔ سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارتے اس نے بلب بند کر دیا۔ بجلی کا بل سردیوں میں ایسے آرہا تھا جیسے سیفان الیکٹرک تندور پر بیٹھا ہو۔

ایک تو آئے دن گھر کی ایک نا ایک بتی خراب ہو جاتی تھی۔ یا تو یہ گھر منحوس تھا یا پھر ۱۰۰۰ اس نے سر جھٹکا۔ مہینے کا آخر چل رہا تھا۔ اس دفعہ معمول سے تھوڑا ہٹ کر سیلری میں سے صرف دو سو بچے تھے۔ ویسے عام طور پر چار سو بچ جاتے تھے۔

جب سیلری ملتی تو سیفان کھلا پیسہ اڑاتا تھا۔ وہ عیش کرنے پر یقین رکھتا تھا پھر چاہے کنگلا ہی کیوں نہ ہو جائے۔

چھتری کو دیوار کے ساتھ لگایا تو وہ پھسل کر کیچڑ میں گر گئی۔ کل شام ہی سے کچھ ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے۔ نا جانے آج کیا تاریخ تھی جو ہر کام ہی غلط ہو رہا تھا۔

چھتری پر ہاتھ سے لعنت بھیج کر اس نے کی ہول میں چابی گھمائی۔دروازہ کھلنے پر جوتے میٹ پر صاف کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

جیسے ہی چند قدم لئے تو کان کے پردے چیرتی ہوئی ایک آواز اس کے اطراف میں پھیل گئی۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔بتیاں جلیں اور سامنے ہی پڑوسیوں کا جمگھٹا دیکھ کر اس کے پسینے چھوٹے۔

یااللہ خیر ۰۰! کہیں میں فوت تو نہیں ہو گیا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پھر کانوں میں جب ہیپی برتھڈے کی گونج پڑی تو اُس کا دماغ حرکت میں آیا۔تب ہی میں کہوں کل سے ہر کام الٹا کیوں ہو رہا تھا مجھ سے۔

سینے پر ہاتھ ابھی بھی دھرا ہوا تھا۔گھر کے کونے کونے میں سرخ اور سفید رنگ کے غبارے لگائے گئے تھے۔

جیسے ہی اشفا اس کے سامنے آئی وہ زمین پر ڈھے گیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔ دوسری طرف موجود لڑکی کو ہاتھ پاؤں پڑ گئے۔ اسے کیا ہو گیا؟ دل کے مقام پر ہاتھ دیکھ کر اس کو حول اٹھنے لگے۔ کہیں دل کا دورہ تو نہیں پڑ گیا؟

وہ اور باقی تمام لوگ بھاگ کر اس کی طرف آئے۔ وہ زانوں کے بل اس کے پاس زمین پر بیٹھ گئی۔ "سیف۔۔۔ سیف؟ کیا ہوا ہے؟" پریشان حال اشفا امین نے اس کے جسم کو جھنجھوڑا۔

جواب ندارد۔

اس نے پیچھے پلٹ کر مہوین اور محلے کے باقی لوگوں کو دیکھا پھر اس کو صوفے پر لٹانے کا کہتے ہوئے فون کان سے لگاتی کچھ دور ہو گئی۔ جیسے ہی سیفان کو لٹایا گیا ویسے ہی اس تک آئی۔

سارے پیچھے ہو کر کھڑے ہو گئے جبکہ وہ اس کے پیروں کی طرف کھڑی تھی۔ وہ بے سُدھ سا ہوتا صوفے پر پڑا ہوا تھا۔ اشفا مسلسل اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ پتا نہیں اس کو کیا ہو گیا تھا اچانک سے۔ اتنے میں ایک لڑکا پانی کا گلاس لے کر آیا کہ چھڑکاؤ کر سکے جب اچانک نیلی آنکھیں کھلیں۔ کوئی اُسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ تب ہی اُس نے اشفا کو دیکھ کر ایک آنکھ دبائی۔

"سیفان یامین!!!!" وہ چلاتی ہوئی اس تک بڑھی اور ایک زوردار طمانچہ اس کے بازو پر دے مارا۔ وہ سسکی بھرتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"کیوں مار رہی ہو میری جان کی دشمن؟" مزید ایک تھپڑ سر پر پڑا تو اس نے ہوا میں دونوں ہاتھ اٹھا لیے جیسے اب اگر حملہ ہوا تو جوابی کاروائی کرے گا۔

"بدتمیز انسان۔۔۔! کتنے بڑے وہ ہو تم۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"گالی مت دینا، محترمہ۔ ورنہ۔۔۔" کہتے کہتے رکا جب سامنے کھڑی عورت کی خون خار نظروں سے اُسے خوف آیا۔

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ۰۰۰ورنہ اپنی بائیک نہیں دوں گا تمہیں۔" دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو اشفا نے اس کے بازو پر ایک اور تھپڑ جھڑا۔ ایک بلند کراہ اس کے منہ سے نکلی اور ساتھ ہی شرٹ پر خون کے قطرے نمودار ہونے لگے۔

اشفا دنگ نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔ "یہ کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں ہوا۰۰۰" اُس نے نرم لہجے میں جھٹکا اور مسکرا مسکرا کر پڑوسیوں کو دیکھنے لگا۔

"نہیں! ایسے کیسے؟ کچھ تو ہوا ہے۔ سچ سچ بتاؤ سیف۰۰"

"باس کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا تو ہارڈ بال لگ گئی۔۔۔" آگے کو ہو کر سرگوشی کی تاکہ باقی افراد نہ سن لیں۔"۔۔کیک کہاں ہے میرا؟" بات ٹالنے میں تو وہ اشفا سے بھی دس ہاتھ آگے تھا۔

"جیسے ہی تمہیں دل کا دورہ پڑا تو میں نے کیک کینسل کر دیا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اللہ کا نام لو، محترمہ۔ اچھے بھلے ہینڈ سم •• جوان شخص کو تم نے دل کا دورہ پڑوا دیا؟" اس کی خون آلود شرٹ سے نظریں ہٹا کر وہ چہرے کے زاویے بگاڑتے اُسے دیکھنے لگی۔

جوان •••؟ اس نے ایک ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔ "مذاق کر رہی ہوں۔ کیک آتا ہی ہو گا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مارچ کی اِبتدء کار بھڑکتے آفتاب سے ہوئی۔ سردی کی شدت پستی کو چھو چکی تھی۔ اسکولوں میں ماہانہ امتحانات کا آغاز ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی رمضان کا پاک مہینہ پاکستان میں آن پہنچا۔

سحری کے وقت تک جاگ کر روزہ بند کرنا اور پھر افطاری میں پکوڑوں کے مزے اڑانا راولپنڈی اور اسلا م آباد میں ہلچل کے ساتھ ہو رہا تھا۔ راولپنڈی کی ان تنگ گلیوں کے آلو، پیاز اور پالک کے پکوڑے ۰۰۰ اسلا م آباد کے وہ بڑے بڑے ریسٹوران میں افطار کا اہتمام۔۔ سب کچھ زور و شور سے ہو رہا تھا۔

اس سب کے درمیان پولیس فورس کی جد وجہد بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ اب حال کی طرف آئیں تو راولپنڈی کا ایس ایچ او جس کے انڈر ایک نفیسہ نامی عورت کا کیس آیا تھا ۰۰ خلیل منزل کے باہر اپنے اہلکاروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ آ نے سے پہلے ہی المیر کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ عین وقت پر دھمکی جو یاد آ گئی تھی۔

سورج ڈوب چکا تھا اور روزہ بھی افطار ہو چکا تھا۔

اہلکاروں میں لیڈی اہلکار بھی شامل تھی۔ وہ ایک اہلکار کو ساتھ میں لیتا گھر کے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سرچ وارنٹ تھا۔ سامنے ہی لاؤنج میں پوری خلیل فیملی جمع تھی۔

Clubb of Quality Content

اس کی نظر سب سے پہلے آئمہ خلیل پر پڑی۔ سب سے سلام دعا کر کے اُسنے سرچ وارنٹ المیر خلیل کی طرف بڑھایا جو تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں بیٹھنے کی دعوت دے رہا تھا۔

"خلیل صاحب . . ہمیں آپ کے گھر کی تلاشی لینی ہے۔" اُسے یقین تھا کہ آج نہیں تو کل پولیس فورس دوبارہ ضرور آئے گی۔

سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے دعوت دی۔ پھر پیچھے کو مڑا تو نظریں اپنی سوتیلی ماں کے زرد پڑتے چہرے پر آرکیں۔ وہ خاموشی سے ان تک گیا۔ "ماما آپ ٹینشن نہ لیں۔ ہم سب جانتے ہیں آپ نے کچھ نہیں کیا۔"

لیکن آئمہ خلیل اس کی بات نہیں سن رہی تھیں۔ ان کو وہ سوشیل میڈیا پوسٹس، نیوز ہیڈلائنز اور صحافی یاد آرہے تھے جو پچھلے چند ہفتوں سے ان کے ذہن کے ارد گرد اطراف کر رہے تھے۔

اپنی نیک نامی کس کو پیاری نہیں ہوتی؟ یہ جو اتنے سالوں سے شہرت حاصل کرنے کے لئے آئمہ خلیل نے اپنے راستے میں آنے والے کانٹوں کو ہٹایا تھا•••اب وہی شہرت ان کے گلے کا کانٹا بن رہی تھی۔ وہ اتنی آسانی سے تو اپنا نام ڈوبنے نہیں دے سکتی تھیں۔انہوں نے سوچ لیا تھا کہ آگے کیا کرنا ہے۔

قریب پندرہ منٹ میں پورے گھر کا چپہ چپہ چھاننے کے بعد وہ دونوں تھک ہار کر نیچے آگئے۔ فتح کی مسکراہٹ آئمہ خلیل کے چہرے کے کونے کونے کا محاصرہ کر رہی تھی۔ نظر طنزیہ تھی اور اعصاب اب پُر سکون۔

"آئیں آفیسر ز•••تشریف رکھیں۔" ہاتھ سے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔پتا نہیں کیوں پر ایس ایچ او نے اندازہ لگایا تھا کہ اس خاتون سے کچھ خاص اچھا تاثر نہیں ابھرتا تھا۔

لیکن اس نے اپنی شکست کا اظہار نہیں کیا۔چاہتا تو وہ یہی تھا کہ آج ہی کوئی ثبوت ہاتھ لگے اور آج ہی کیس کسی نتیجے پر پہنچے۔ خیر وہ سر جھٹکتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔اہلکار صوفے کے پیچھے کھڑا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دو منٹ کے بعد چائے کی دو گرم گرم پیالیاں لاکران کے سامنے رکھی گئیں۔صوفے کے بازو پر ہاتھ جمائے وہ ابھی بھی گھر کو کن اکھیوں سے اسکین کر رہا تھا۔

جب اچانک اس کی نظر کے حصار میں کچھ آیا۔ذرا آگے کو ہوتے اس نے غور و فکر کرنا چاہا۔ پھر وہ اٹھا اور زینوں کے پاس جا کھڑا ہوا۔سب کی نظر اس کی ایک ایک حرکت پر تھی۔ زینوں کے پاس ہی وہ زمین پر جھکا اور ایک جوتوں کا جوڑا اُسے دکھا۔

یہاں پر اسے ایسے رکھا گیا تھا جیسے چھپانے کی کوشش کی گئی ہو۔ہاتھ پر پلاسٹک کے دستانے چڑھاتے اس نے ہاتھ بڑھایا اور جوتوں کو اٹھالیا۔جن پر جمی گرد دور سے دیکھی جاسکتی تھی۔ ملازموں نے شاید اس لئے یہ جوتے یہاں سے نہیں اٹھائے تھے کہ المیر کے ہیں۔غلطی سے بھی اگر آگے پیچھے ہو گئے تو ڈانٹ لگے گی۔

جوتوں کو الٹا کر سول پر نظر ڈالی۔ایک مصنوعی سی مسکان اور مجرم کا قصہ تمام۔جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا اور پھر اسکرین پر تصویر نکالی۔بنا مڑے گردن گھمائی اور المیر خلیل کو دیکھا جو نیلی جینز پر سُرمئی شرٹ پہنے ہاتھ باندھ کر کھڑا تھا۔وہ اس تک آیا۔

"یہ جوتے کس کے ہیں؟" حیران کن طور پر جائے واردات یعنی قبرستان سے ملنے والے جوتوں کے نشان ان جوتوں کے سول سے مشابہت رکھتے تھے۔

جوتوں کا ناپ کوتاہ معلوم ہوتا تھا۔یعنی خلیل محمد اور المیر کا تو ہو نہیں سکتا تھا۔رہا وہاج تو وہ بوٹ پہننے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔

"ہم میں سے کسی کے نہیں ہیں۔" بولنے والے خلیل محمد تھے۔اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ اس کی نظر کی ڈول المیر کو بتا رہی تھی کہ کچھ خاص اس کے ہاتھ لگ چکا تھا۔

اس نے جوتوں کو چہرے کے قریب کیا۔یہ کیا تھا؟ ہاتھ بڑھا کر جوتوں کے اندر پھنسا ایک لمبا سنہرا بال نکالا۔اس کی آنکھوں کے سامنے کیا۔

لاؤنج میں موجود ہر شخص اس بات سے واقف تھا کہ اس گھر میں صرف ایک انسان کے بال سنہرے ہیں۔وہ بھی اس لیے کیونکہ وہ ہر مہینے ہیئر ڈائی کرواتی تھیں۔

جب آئمہ خلیل نے بال کی رنگت دیکھی تو ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ حلق خشک ہو گیا اور پیروں کے تلوں پر پسینہ آنے لگا۔

"آپ سب کے بالوں کے کچھ سیمپلز چاہیے ہوں گے۔سب سے مراد ہے ہر انسان جو اس گھر کے اندر آتا ہے۔"اس کا اشارہ نوکروں کی طرف بھی تھا۔

المیر گہری سوچ میں مبتلا تھا۔آج سے پہلے تو اس نے ان جوتوں کو گھر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تو پھر آج اچانک یہ یہاں کیسے؟اور تھے کس کے؟

مائکروفون کی مدد سے اس کی سماعت میں آتی آواز اور کیمرا سے چھلکتی دھندلی تصویر اُسے اندر تک سرشار کر رہی تھی۔ تیر سید ھا نشانے پر لگا تھا۔ یہ وہی آخری کام تھا جو ایجنٹ ایلیون خلیل منزل سے نکلنے سے پہلے کر کے گیا تھا۔

·__·⚬⚬·__·

کچھ ہی دیر میں راحم نے المیر کو کال کی اور اُسے عالیہ اور مہوین کے معاملے سے آگاہ کیا۔ اُسے حیرانی ہوئی تھی۔ اس کی بہن کی ماہرِ امراضِ نفسی اشفا کی چھوٹی بہن تھی اور اُسے اس بات کا پتا ہی نہیں تھا۔ لیکن اس سے زیادہ حیران کر دینے والی بات اُسے یہ لگی تھی کہ عالیہ ماہرِ امراضِ نفسی کے جاتی رہی ہے اور اُس نے ناجانے کیا سوچ کر ہسپتال میں اپنا نام بھی غلط لکھوایا۔

وہ چاہتا تو بہت پہلے ہی المیر کو اس بات سے آگاہ کر دیتا لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ جب تک ماہر امراضِ نفسی تعاون پر آمادہ نہیں ہوتی تب تک بات باہر نکلے۔ پھر گزشتہ دنوں میں وہ کام میں اتنا مصروف رہا تھا کہ المیر کو آگاہ کرنے کا خیال اس کے ذہن سے خارج ہو گیا۔

المیر نے راحم کو آفر کی کہ وہ اس معاملے کو دیکھ لے گا۔ ظاہر ہے وہ مہوین کو بچپن سے جانتا تھا پر اس نے انکار کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب اس معاملے کو وہ خود اپنے طریقے سے ہینڈل کرے۔

••—•෧෨•—••

ہسپتالوں میں ڈاکٹرز کی ڈیوٹی کے اوقات رمضان کی بدولت بدل گئے تھے۔ کچھ ڈاکٹرز سحری کے بعد سے دوپہر تک بیٹھتے تھے اور کچھ صبح دس سے افطار سے پہلے تک۔ مہوین کا شمار ان ہی میں ہوتا تھا۔

اس نے خاکی رنگ کی شلوار قمیض، کلائی میں اومیگا کی سُرمئی رنگ کی مہنگی گھڑی اور پاؤں میں سیاہ رنگ کے بوٹ پہن رکھے تھے۔ چہرہ پہلے سے زیادہ مرجھا گیا تھا۔ سپید رنگت ہر گزرتے دن کے ساتھ پھیکی پڑ رہی تھی۔ پچھلے چند دنوں کے برخلاف وہ بیمار بیمار لگنے لگا تھا۔

وہ راہداری کو عُبور کرتا ہوا آگے بڑھا جہاں مہوین امین کا کمرہ تھا۔اس کا چہرہ اور جسم تپ رہے تھے جیسے شدید بخار کے زیرِ اثر ہو۔منہ سے گرم آگ جیسا سانس خارج ہو رہا تھا۔

صبح ہی وہ عالیہ کی قبر سے ہو کر آیا تھا۔دل تو اس کا ویسے ہی جکڑا رہتا تھا پر آج ایسے لگ رہا تھا جیسے پھٹ جائے گا۔یہ شخص المیر کا سہارا بننے کے لئے اس کے ساتھ مسکرا لیتا پر اس کی بول چال کافی کم ہو گئی تھی۔

کام سے فراغت حاصل کر کے وہ یا تو کمرے میں لیٹا رہتا یا پھر ٹیرس میں بیٹھا رہتا۔

اگر حال پر نظر ڈالیں تو وہ اس وقت کمرے کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔جیسے ہی مریض باہر آیا وہ داخل ہو گیا۔

گہرے جامنی رنگ کی فراک پر لیب کوٹ پہنے وہ سرخ رنگ کے پین سے کاغذ پر کچھ لکھ رہی تھی۔ آہٹ پر اس نے چہرہ اٹھایا۔ آنکھوں میں نرمی در آئی۔ راحم نے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا اور سنجیدگی سے اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "میں عالیہ کے بارے میں..." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ سامنے والی لڑکی اس کی آمد کی وجہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔

پین کو کچھ فاصلے پر رکھتے وہ دونوں ہاتھ میز پر رکھتی آگے ہوئی۔ "میں فائلز منگواتی ہوں عالیہ اور میرے سیشنز کی۔" اس نے فون اٹھایا اور کسی کو فائلز لانے کے لئے کہا۔

راحم اور اپنی آسانی کے لئے اُسے اپنے اور اس کے سیشنز میں سے جو جو یاد تھا وہ اس نے ایک جگہ لکھ کر فائل میں محفوظ کر لیا تھا۔ سب کچھ تو نہیں پر جو جو نوٹس وہ ساتھ ساتھ بناتی تھی ان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس نے چند اوراق پر درج کر دیا تھا۔

"دراصل مجھے آپ سے ایک اور بات بھی کرنی تھی۔"اس نے سر ہلا کر بات جاری رکھنے کی اجازت دی تو وہ سیدھا ہوا۔

"آپ المیر خلیل کو جانتی ہیں ناں؟"پہلے تو وہ سوچتا رہا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔کن الفاظ میں اُسے معاملے کی نوعیت سے آگاہ کرے۔

اس نے بھنویں اٹھائیں۔"المیر بھائی کا کیا ذکر؟"

"میں اس کے بچپن کا دوست ہوں۔اس کی بہن عالیہ میری بیوی ہے۔مطلب تھی۔"

اُسے لگا جیسے اُسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔وہ پریشان حال ہوتی اُسے دیکھے گئی۔کیا یہ شخص عالیہ خلیل کی بات کر رہا تھا؟لیکن جو عالیہ اس کے پاس آتی رہی تھی وہ تو عالیہ اِشفاق تھی ناں۔

"ایک منٹ...آپ کی وائف تو عالیہ اشفاق ہیں۔۔؟"

"یہی بات تو میری سمجھ سے باہر ہے۔ جو آپ کے پاس آتی رہی ہے وہ میری بیوی عالیہ خلیل تھی۔ میں نہیں جانتا اس نے ہسپتال میں غلط نام کیوں لکھوایا تھا۔"

"یعنی۔۔یعنی عالیہ جانتی تھیں کہ میں مہوین ہوں۔اشفا آپی کی بہن۔تو پھر انہوں نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" اس کے چہرے پر ایک سایہ سالہرایا۔اس کے لئے اس سچائی کو قبول کرنا بہت مشکل تھا۔

اس نے شانے اچکائے۔"اشفا آپی جانتی ہیں کیا یہ سب؟"

"میں یہاں آنے سے پہلے اُسے آگاہ کر چکا ہوں۔"اُس نے سر اثبات میں ہلایا۔یعنی عالیہ اِشفاق ہی عالیہ خلیل تھی۔یعنی وہ اتنے وقت سے خلیل محمد کی چھوٹی بیٹی کا علاج کر رہی تھی۔ یعنی یہ آفیسر اس کا شوہر تھا۔

"لیکن عالیہ نے اپنی پہچان خفیہ کیوں کر رکھی تھی؟"

"میں نہیں جانتا۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ یہ فائلز تو میں پڑھ لوں گا۔۔" اس نے اس طرف اشارہ کیا۔ "لیکن میں آپ سے سننا چاہتا ہوں اس کے مُتعلّق۔"

ڈاکٹرنی نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔ پشت کو نشست کے ساتھ ٹکاتے وہ چھت کی طرف تکنے لگی۔ "عالیہ ڈیپریشن کا شکار تھی۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ اُسے خوف کس چیز سے آتا تھا؟ یہ میں نہیں جانتی۔"

"کوئی اور ایسی بات جو میری مدد کر سکے؟" وہ کچھ لمحے سوچتی رہی۔ پھر ایک دراز کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس میں سے کچھ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

عالیہ کی کتاب اُسے اُس کی گمشدگی کے دو روز بعد ہی مل گئی تھی۔ وہ بھی اُس کی خاص نرس اٹھا کر پڑھنے کے لیے لے گئی تھی۔

"یہ عالیہ کی کتاب ہے۔جو عالیہ نے لکھی تھی۔ہمارے آخری سیشن میں اس نے مجھے دی تھی۔"اس نے بھورے اور نارنجی غلاف والی کتاب تک ہاتھ بڑھایا۔

اس کے ہاتھوں کی حرکت مدھم تھی۔اس نے پہلو بدلا۔وہ کتاب کو ہاتھوں میں تھامنا چاہتا تھا پر وہ نہیں تھام پایا۔اس نے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

"آپ بیشک اس کو گھر لے جائیں۔"بے دل مسکان چہرے پر سجاتے اس نے اُسے حوصلہ آمیز آنکھیں دکھائیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اگر..اگر کبھی مجھے دوبارہ آپ کی مدد کی ضرورت ہوئی تو میں یہاں آسکتا ہوں؟"اس نے سر ہلایا۔

وہ کچھ لمحے وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔جبکہ وہ گہری سوچ میں ڈوب چکی تھی۔

..—.❀.—..

پلک جھپکتے ہی تین دن نکل گئے تھے۔آج آسمان ہلکے گلابی رنگ سے آراستہ تھا۔مطلوبہ جگہ پر کھڑے اونچے تنگڑے درخت ہوا کی بدولت ہلتے تو گویا کانوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔آس پاس چار سو ہریالی کا راج تھا اور پھولوں کی لطیف مہک حکمرانی کے درپے تھی۔

Clubb of Quality Content!

سامنے کی سمت اگر نگاہیں اٹھائیں تو ہمیں اسلام آباد کے اس علاقے میں ایک محل جیسا سفید گھر دکھے گا۔یہ کوئی عام قیام گاہ نہیں ہے۔یہ ہے وزیرِ اعظم کا گھر۔جہاں وہ اکثر اجلاس کیا کرتے تھے۔

رمضان کا یہ دن اسی کانفرنس کی نظر ہونے والا تھا۔ملک بھر میں بڑھتے جرائم نے آج انہیں ایک طویل گفتگو پر آمادہ کیا تھا۔دانستہ طور پر سفید مکان آرمی اور پولیس سے گھرا ہوا تھا۔ہر آنے جانے والے کی ٹھیک سے تلاشی لی جارہی تھی۔

داخلہ صرف انہی کا ممکن تھا جن کے پاس مخصوص پاس تھے۔اندر جانے والوں میں ہر شخص کے پاس وہ پاس موجود تھے اور جس کے پاس نہیں تھے اس کا داخلہ بند تھا۔

آسمان بارش کا پتہ دیتا تھا اور اسی کے تلے وہ پاؤں تک آنے والی گہرے خونین اور بھورے رنگ کی فراک میں کھڑی تھی۔اس کے بھورے گھنگریالے بال کھلے ہوئے تھے جو ٹھنڈی ہوا کے باعث کمر سے ذرا نیچے کھسکتے تھے۔دوپٹہ سر پر ہمیشہ کی طرح راج کر رہا تھا۔اور چہرہ پچھلے کچھ دنوں کے برعکس کھلکھلا رہا تھا۔

اس کے ساتھ ہی مومن علی سیاہ شلوار قمیض میں بنا ٹھنا کھڑا تھا۔ہر چیز کو گہری نگاہ سے پرکھ رہا تھا۔جیسے ہی یکایک ان کی تلاشی ہوتی گئی وہ دونوں ایک ساتھ اندر چل دیئے۔

داخل ہوتے ہی پہلی نظر چھت سے لٹکتے فانوس پر گئی جو اتنا بڑا تھا کہ اگر گر جائے تو بھاری نقصان ہو سکتا تھا۔ وہ سوچ کے رہ گئی۔ انہونی ہونے سے پہلے ہی وہ اُسے ذہن کے ایک گوشے میں تصور کر لیا کرتی تھی۔ تاکہ اگر کوئی ایسا عمل ہو بھی تو اُسے تعجب نہ ہو۔ عجیب ہی سہی پر یہ اس کی عادت تھی۔

ہر دیوار ہر کونا سفید اور سنہرے رنگ کے امتزاج میں ڈوبا ہوا تھا۔ سنہرے رنگ سے اٹھتا عکس اس کی آنکھوں میں پڑا تو ان میں چھپا سنہرا رنگ عیاں ہونے لگا۔ وہ حیران کن طور پر سب سے خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ایک شخص نے انہیں دائیں جانب جانے کا اشارہ کیا تو وہ دونوں چل پڑے۔ آگے آگے مومن کی باس اور پیچھے پیچھے مومن۔

یہ وہی کمرہ تھا جہاں وزیرِ اعظم اکثر میٹنگ بلوایا کرتے تھے۔ اطراف و اکناف لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ کمرے کی ہر دیوار پر اے سی نصب تھے۔ جو کہ چالو تھے۔

چاروں کونوں پر اہلکار پہرہ دے رہے تھے اور آس پاس صحافیوں کا جم غفیر تھا۔آرمی کو داخلی جگہ پر نگران بنایا گیا تھا۔

اتنے میں سارے چہرے مڑے تو وہ بھی پلٹی۔وزیر اعظم نے احاطے میں قدم رکھ دیا تھا۔وہ چلتے چلتے آئے اور تخت نما کرسی پر نشست ہو گئے۔

تالیوں کی گونج بند ہوئی تو سب کو کمرے میں رکھی کرسیوں پر براجمان ہونے کا اشارہ کیا۔ پولیس کے علاوہ سب ایک ایک کر کے بیٹھ گئے۔چونکہ وہ پیچھے کھڑی تھی اس لئے بیٹھنے کی جگہ وہیں تلاشی اور مومن کو لئے دو کرسیوں پر دونوں آرام سے بیٹھ گئے۔

اب کہ ان کا اجلاس منعقد ہو رہا تھا۔مومن ان کی کہی ہر بات کو کیمرے کی آنکھ میں قید کر رہا تھا۔اور وہ ایک کاپی پین کو ہاتھ میں تھامے وزیرِ اعظم کے الفاظ پر غور و فکر کر رہی تھی۔

اجلاس میں ایک ایسا جملہ آیا جس کے اس کے کان تک رسائی حاصل کرتے ہی اس نے چہرہ اوپر کیا۔ کہ وزیر اعظم کو دیکھ سکے۔ اس کی نظر اٹھی بھی۔ پڑی بھی۔ رکی بھی۔ لیکن ان پر نہیں بلکہ ان کے پیچھے کھڑی سفید دیوار پر نصب سنہری گھڑی پر۔

اجلاس کو اب آدھا گھنٹہ بیت گیا تھا۔ کبھی پشت کو کرسی سے ٹکاتی تو کبھی آگے ہو کر بیٹھ جاتی۔ کتنی غیر آرام دہ کرسیاں تھیں۔ اب تھی سوالات کرنے کی باری۔ ایک صحافی ہونے کے ناطے اُسے بھی سوالات کرنے تھے۔ لیکن اس سے زیادہ ضروری کام کی تلوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کی بائیں طرف رکھی کرسی پر ایک چالیس سے پینتالیس سالہ عورت بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم سپاٹ تھا۔ یہ تھی میڈم فرحانہ... یہاں کے کام والوں کی رکھ والی۔ جس کے پاس ہر کمرے کی چابی موجود ہوتی تھی۔

(پکے رنگ والی وہ خاتون اِشفا سے کچھ فاصلہ اختیار کرتے بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سیاہ عبایا اوڑھ رکھا تھا اور سر پر ڈھیلا سا سفید رنگ کا سکارف لپیٹا ہوا تھا۔ اِشفا اپنے فون کی اسکرین پر

آنکھیں مرکوز کیے بیٹھی تھی۔ جبکہ اس عورت نے فون کان کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ "مجھے اپنے ہسبنڈ پر ڈرٹ (راز) چاہیے۔ کچھ کاغذات درکار ہیں... مجھے اس کام میں تمہاری ضرورت ہے۔"

"آپ بتائیں میں سن رہی ہوں۔" وہ ان سے مخاطب ہوئی۔ جس طرح سے وہ دونوں بیٹھی ہوئی تھیں.. بصارت والے کبھی بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں۔

سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ ہی رنگ کا دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا۔ سُرمئی رنگ کی ٹوپی سر پر پہن رکھی تھی۔

"آج سے کچھ دنوں بعد.. وزیر اعظم صاحب ہمارے گھر میں ایک اجلاس کریں گے۔ ممکن ہے کہ تمہارا نام مدعو کیے جانے والے صحافیوں میں شامل نہیں ہو گا۔ لیکن میں تمہارا نام اس فہرست میں ڈلوا سکتی ہوں۔" وہ رک گئیں۔ پھر بولیں۔ "دوسری منزل پر ایک لائبریری

ہے۔وہاں چاروں کونوں میں چار کیمرے لگے ہیں۔تم نے بس اتنا کرنا ہے کہ اس کمرے میں رکھی ایک الماری سے مجھے کچھ دستاویزات لا کر دینے ہیں۔"

"کیمروں میں تو میں دکھ جاؤں گی۔"اس نے سر اٹھا کر آگے پیچھے دیکھا۔

"لائبریری کے کیمرے بند ہو سکتے ہیں۔لیکن گھر میں لگے باقی کیمروں کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔"ایک ہاتھ سے سکارف سے نکلے کچھ بال اندر کیے۔

وزیراعظم صاحب کا آدھے سے زیادہ وقت ادھر ہی گزرتا تھا۔جبکہ ان کے گھر والے کسی اور کوٹھی میں رہتے تھے۔

"ہوں...مجھے دوسری منزل پر جانے کی اجازت کیسے ملے گی؟"

"میں تمہیں ایک کارڈ دوں گی۔وہ ایسا کارڈ ہے جو گھر میں ہر کام کرنے والے کے پاس ہوتا ہے۔کام والوں کی ہیڈ مس فرحانہ کے پاس بھی۔تم نے اسی کو impersonate(روپ

دھارنا) کرنا ہے۔ تم کسی بھی طرح اس کا کارڈ اس سے نکلواؤ گی اور جب دوسری منزل پر جانے لگو گی تو روک کے جانے پر میرا دیا ہوا کارڈ دکھاؤ گی۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن میرے ساتھ ساتھ آپ کو میرے اسسٹنٹ کا بھی نام اُس فہرست ڈالنا ہو گا۔ میں ایک وقت میں دو دو جگہ حاضر نہیں ہو سکتی۔"

"ہو جائے گا۔" انہوں نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا۔ "کیا تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گی کہ مجھے ان دستاویزات کی کیوں ضرورت آن پڑی؟"

اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "یہ میرے کام کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔"

"خلیل نے جیسا بتایا تھا... تم اس سے کئی زیادہ ذہین اور عقل مند ہو۔ بتاؤ تمہیں اس کی کتنی قیمت چاہیے؟"

Clubb of Quality Content

"پیسہ ہر ایک کی ضرورت نہیں ہوتا۔ میں آپ کے کام آرہی ہوں۔ وقت آنے پر آپ کو بھی میرے کام آنا ہوگا۔ آج سے پانچ یا پچاس سال بعد بھی اگر مجھے فیور چاہیے ہوئی تو آپ میری مدد کریں گی۔ کریں گی ناں؟"

"ہوں۔ ضرور۔ میں عقل مند لوگوں کے بہت کام آتی ہوں۔"

"جان کر خوشی ہوئی..." پھر دوپٹے کے نیچے چھپایا ایک ہاتھ باہر نکالا۔ جس میں ایک اور فون اٹھا رکھا تھا۔ "مجھے double cross کرنے کے بارے میں سوچیے گا بھی مت۔" ہاں وہ ایک ایک لفظ کو اچھے سے ریکارڈ کر چکی تھی۔

اُسے وزیرِ اعظم کی بیوی تک کا ڈر نہیں تھا۔ کیونکہ کسی چیز یا انسان کو کھونے کا خیال آپ کے اندر ڈر پیدا کرتا ہے۔ اور ڈر سب سے حساس کمزوری کو مقناطیس کی طرح کھینچتا ہے۔ آپ کو آپ کے خلاف استعمال کرتا ہے۔

وہ اس سب سے گزر چکی تھی۔اس نے بہت کچھ کھویا تھا۔کہ اب پانے کی چاہ اور شکست کا خوف..سب ختم ہو گیا تھا۔اب ڈر اس پر حاوی نہیں ہوتا تھا۔وہ ڈر پر غالب آجاتی تھی۔

"جیسا کہ میں نے ابھی کہا..تم واقعی شعور والی ہو۔فکر مت کرو۔میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گی۔"

اور پھر چند منٹ وہ مزید زیرِ گفتگو رہیں۔)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

انگلیوں کے بیچ پکڑا پین منٹ بھر کے لئے ہلا اور زمین پر گرا۔عین فرحانہ کے قدموں میں۔ فرحانہ نے چہرہ موڑ کر اُسے گھورا تو وہ کھسیانی سے مسکرائی۔"اٹھا دیں گی،پلیز؟"

اس نے ایک سخت نگاہ اس پر ڈالتے نظروں کو فرش پر اٹکایا اور پین اٹھانے کی غرض سے جھکی۔اُسی لمحے اِشفا کا ہاتھ اُس کی سیاہ قمیض کے جیب تک گیا۔

اتنی پھرتی سے کارڈ نکالا کہ اُسے محسوس تک نہ ہوا۔وہ اوپر اٹھی تو مسکرا کر پین اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

پھر اس نے پیروں میں رکھے اسٹینڈ کو اٹھایا اور مومن سے لے کر کیمرے کو اس پر لگا دیا۔ پھر مومن کے کان میں کچھ کہہ کر اٹھی اور اسٹینڈ کو اپنی نشست پر ٹھیک سے کھڑا کر دیا۔ کیمرا اب سب کچھ قید کر رہا تھا۔چونکہ اُسے باتھروم جانا تھا اس لئے اس نے مومن کو سوالات پوچھنے کے کام پر لگا دیا تھا۔

کرسیوں کی لمبی قطار سے نکلتے وہ کمرے کے خارجی حصے تک آئی تو ایک گارڈ نے اُسے روکا۔ "آپ کہاں جا رہی ہیں؟" یہ یہاں کا سب سے خاص گارڈ تھا۔اس لئے یہاں کارڈ کا استعمال ممکن نہ تھا۔ کیونکہ یہ یہاں کام کرنے والے ایک ایک شخص کو اچھے سے جانتا تھا۔

"باتھروم...اور وہ ہے کس سمت میں؟" دھیمی گہری آواز میں گویا ہوئی۔ ذرا سا تھوک نگلا۔ "بائیں طرف.." اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "...سیدھا جائیں تو آپ کو ایک کمرہ دکھے گا۔ بس اس کے ساتھ ہی ہے باتھروم۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ سر ہلاتی ہوئی آگے بڑھی۔"وہاں سے کہیں آگے پیچھے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"اس نے بنا پلٹے سر ہلایا۔جیسے اُسے اجازت کی ضرورت تھی...دھیرے سے مسکرائی پھر آگے چل دی۔

سامنے دو آفیسرز کھڑے تھے۔ایک زینوں کی ابتدا پر اور ایک اختتام پر۔دوسری منزل کی دیواروں کے دو کونوں پر ایک ایک کیمرا لگا ہوا تھا۔یعنی کل دو کیمرے تھے۔ایک دائیں طرف رُخ کرتا تو دوسرا بائیں طرف۔اور یونہی نظام چلتا رہتا۔

Clubb of Quality Content

اس کے بتائے ہوئے کمرے کے آگے آن رکی۔پیچھے کھڑا آفیسر اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔کیونکہ اس کی نگاہ اُس کا تعاقب کرنے پر آمادہ تھی۔اس نے دروازہ کھولا اور اندر بڑھ گئی۔واقعی باتھروم تھا۔ذرا سا نیچے جھکی پھر فون پر کیمرا کھول کر اُسے ہلکا سا دروازے سے باہر کھسکایا پھر اندر کھینچ لیا۔

اسکرین پر غور کیاتو گارڈاب دوسری طرف منہ کر کے کھڑاہو گیا تھا۔اس نے فون کو فراک کی جیب میں ڈالا پھر بنا آواز کیے دروازہ کھولااور باہر نکلی۔

پھر چھوٹے چھوٹے قدم لیتی زینوں کی طرف بڑھی۔جو کہ کافی کشادہ،زیادہ اور دائیں طرف واقع تھے۔ ان کے اوپر لگا کیمرا اپنا رخ مخالف سمت میں کر چکا تھا۔وہ آفیسر کے سامنے آ رکی۔"یہاں کی رکھ والی ہوں۔کمروں کو ہر دس منٹ کے بعد ٹھیک سے چیک کرنے کی ڈیوٹی دی گئی ہے۔"پھر وہ کارڈ آگے کیا جو اُسے وزیرِاعظم کی بیوی نے دیا تھا۔جس پر فرحانہ کے نام کے ساتھ اس کی تصویر چھپی تھی۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

آفیسر نے پہلے اُسے اور پھر کارڈ کو دیکھا۔پھر سر اثبات میں ہلایا اور اُسے جانے کا اشارہ کیا۔ اب کہ زینوں کے اوپر لگا کیمرا اس کی طرف رُخ کرنے ہی والا تھا۔وہ برق رفتاری سے زینے چڑھتی گئی اور دوسرے آفیسر کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔کہ اب کیمرا اُسے دیکھتا بھی تو صرف اس کی پشت ہی عیاں ہوتی۔اور چونکہ دو چار اور بھی عورتوں نے اسی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔۔اس لئے پکڑے جانے پر پوچھ گچھ ہوتی بھی تو جرم ثابت نہ ہوتا۔

اس نے اُسے بھی کارڈ دکھایا اور اس نے جانے دے دیا۔ وہ بہت آرام سے سامنے موجود دروازے کے آگے رکی۔ کیمرے اپنے چہروں کو موڑنے ہی والے تھے کہ اس نے فرحانہ کا کارڈ نکال کر کتب خانے کے لاک پر رکھا اور وہ کمرہ کھل گیا۔

کمرہ اتنا کشادہ تھا اور وہ بھی کتابوں سے اس طرح بھرا ہوا کہ اس کا دل کیا بس تکتی ہی جائے۔ آگے بڑھ کر چند کتابوں کو چھوا۔ پھر یاد آنے پر کمرے کی در و دیوار کے کونوں میں دیکھا۔ چار کیمرے چاروں کونوں میں نصب تھے۔ عام طور پر کیمرا جب چالو ہوتا تو اس کی سیاہ سکرین پر سرخ نشان نظر آتے تھے۔ جو کہ ان پر عیاں نہیں تھے۔

Clubb of Quality Content

یعنی وزیرِ اعظم کی بیوی اپنا کام کر چکی تھیں۔

زیادہ تر فلموں میں یہی وہ جگہ ہوتی تھی جہاں پر کوئی خفیہ کمرہ یا خفیف چیز پوشیدہ ہوتی۔ ہر ایک ریک میں رکھی ہر ایک کتاب کو چھو کر دیکھتی گئی کہ شاید کوئی خفیہ بٹن دب جائے اور کمرہ عیاں ہو جائے۔

لیکن ہائے رے قسمت۔ پھر کمرے کے بیچوں بیچ رکھی میز کے درازوں کو کھول کر دیکھا۔ مطلوبہ دستاویزات کے ساتھ ساتھ وہ اپنا بھی ایک بہت ضروری کام انجام دینے آئی تھی۔ بس ایک دفعہ عامر علی سے وابستہ کوئی چیز ہاتھ آجاتی۔ چونکہ اس کے اور وزیرِ اعظم کے تعلقات کافی گہرے تھے۔ اس لئے اُسے یقین تھا کہ کچھ ناں کچھ ضرور ہاتھ لگے گا۔ اور وزیرِ اعظم صاحب کی بیوی نے بھی اُسے یقین دلایا تھا کہ اُسے یہاں سے کچھ تو مل کر ہی رہے گا۔

دماغ کی طرف سے بجتے الٹیمیٹم کو نظر انداز کرتے وہ کونے سے جوڑ کر رکھی الماری کی اور چل دی۔ ہاتھ بڑھا کر کھولنا چاہا جب اُسے مقفل پایا۔ کمر پر ہاتھ رکھتے دوسرے ہاتھ سے پیشانی مسلی۔ اب کیا؟

پھر جیسے اس کے ذہن نے پھرتی دکھائی اور اس نے بالوں میں الجھی دو پنیں نکالیں۔ سیاہ پنوں کو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں جکڑتے وہ زانوں کے بل فرش پر بیٹھ گئی۔

قفل کی آنکھ میں دونوں کو نفوذ کرتے اس نے کان الماری کے پٹ کے ساتھ لگالیا۔ جیسے جیسے پنیں گھومتی گئیں ویسے ویسے اندر سے کھڑ کھڑ کی آہٹ کانوں سے ٹکرانے لگی۔

دونوں پنوں پر ذراسازور ڈالتے اس نے اوپر والی کو اوپر اور نیچے والی کو نیچے کیا۔ اور تب ہی پٹ چرچر کی آواز کرتا ہولے ہولے کھلتا گیا۔

مکمل کھولنے پر دستاویزات سے اٹھتی قدیمی خوشبو نے اس کی ناک کو اثر انداز کیا تھا۔
دستاویزات کے موٹے موٹے دتھوں کو نگاہ کے حصار میں باندھتے اس نے ہاتھ بڑھایا۔

Clubb of Quality Content

ان کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ اوپر والے پھٹے پر دستاویزات ایک پلاسٹک کے شاپر میں مقید تھے جس پر سرکاری ریکارڈ سیاہی سے معلق تھا۔ اس کے ساتھ دھرے ایک اور شاپر پر اجلاس درج تھا۔ دوسرے پھٹے پر دو اور شاپر رکھے تھے۔ ایک پر سفارتی ریکارڈ اور دوسرے پر تحقیقی مواد درج تھا۔

تحقیقی مواد کے دستے پر انگلیاں رکھتے اس نے اسے کھینچ کر باہر کیا۔ پھر بلند مقام پر لگی گرہا کھولی۔ دستاویزات کو باہر نکالا اور ایک ایک کر کے سب کو چھاننے لگی۔ سینے میں موجود دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک اٹھا اٹھا کر دیکھا جب اچانک اس کی نظر کہیں ٹھہری۔

ایک یہی واحد فائل تھی جس کے غلاف پر کچھ بھی لکھا نہ تھا۔ اُسے کھولتے اس کے اوراق پر نظر ثانی کی۔ دو سے تین صفحے پلٹے جب ایک کاغذ پر لکھی تحریر نے اس کی توجہ اپنی طرف مائل کی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ تو آٹو پسی رپورٹ تھی۔ وہ بھی عامر علی کی۔ اوپر صاف صاف اس کا نام درج تھا اور نیچے اس کاغذ کے ساتھ کچھ تصویروں کو دیکھ کر وہ تجسّس کا شکار ہوئی۔

یہ شخص کچھ دیکھا دیکھا تھا۔ یہ کون تھا؟ آنکھیں چھوٹی کرتے چہرے کو بہت غور سے دیکھا۔

اس نے تصویر کو جیب میں ڈال لیا۔ پھر باقیوں کو دیکھا۔ ایک عامر علی کے بھائی کی تصویر تھی۔ اور کچھ ناجانے کن کی تھیں۔ فون سے تصویر بناتے انہیں واپس فائل میں رکھا۔ اور فائل کو شاپر میں۔ لیکن اس سے پہلے آٹوپسی رپورٹ کو احتیاط سے اٹھالیا۔ پیچھے رکھی میز پر اُسے رکھ کر ایک صاف ستھری تصویر بنائی تھی۔

پھر سیدھی ہوئی اور ایک ایک کر کے ہر چیز الماری میں رکھتی گئی۔ وزیرِاعظم کی بیوی کے بتائے ہوئے دستاویزات کھول کر ان میں سے مطلوبہ ایک دو کاغذات نکال لئے۔

پرسوں ہی اس نے لمبے لمبے مردانہ موزے خریدے تھے۔ پیروں والے حصے کو کاٹ کر بقیہ حصہ ٹانگوں پر چڑھا رکھا تھا۔ کافی عقلمندی کا کام کیا تھا اس نے۔ خود پر فخر محسوس کرتے اس نے کاغذات کو ٹانگ پر چڑھائے آدھ کٹے موزے میں چُھپا دیا۔

پٹ بند کرنے کے بعد مڑ گئی۔ دروازے کی اور ابھی قدم بڑھایا ہی جب اُسے ایک ساتھ بھاری بھاری قدموں کی آوازیں آئیں۔

بہت نزدیک سے۔ایسے جیسے وہ یہیں آرہے ہوں۔دل پر ایک ہاتھ رکھتے اس نے آگے پیچھے چُھپنے کی جگہ تلاشی۔ پھر لبوں کو آپس میں پیوست کیے اس نے سانس بحال کرنا چاہا۔

کتابوں کے تین ریک آمنے سامنے رکھے تھے۔وہ پھرتی دکھاتے ایک کے پیچھے جا چھپی۔ قدموں کی چاپ اتنی باریک تھی کہ اُسے یقین تھا دروازہ کسی بھی وقت کھل پڑے گا۔ جسم سے جان خارج ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی کتب خانے کا دروازہ کھل گیا۔

باب سات

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

قدموں کی چاپ اتنی باریک تھی کہ اُسے یقین تھا دروازہ کسی بھی وقت کھل پڑے گا۔ جسم سے جان خارج ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی کتب خانے کا دروازہ کھل گیا۔

سینے میں گویا دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی حلق کو آ جائے گا۔ کوئی اسی طرف آ رہا تھا۔ قدم بہت خاموش تھے۔ جیسے نو وارد کو اس کی موجودگی کا یقین ہو۔

وہ دھیرے دھیرے ریک کے کنارے تک بڑھی۔ اور اس سے پشت ٹکائی۔ چاپ اب ایسی تھی کہ وہ شخص ریک کی ابتدا پر کھڑا ہوا اور انتہا پر صحافی۔

اُسے جب لگا کہ وہ ہولے ہولے قریب آ رہا ہے تو اُس نے جگہ تبدیل کی۔ ریک کی پشت سے آگے کی طرف آئی۔ کتابوں کے بے حد نزدیک سے جڑ جڑ کر گزرنے لگی۔ جب نو وارد انتہا پر آیا تو وہ ابتدا پر جا پہنچی۔

اب یہ یہاں سے بھاگ نکلنے کا اچھا اور واحد موقع تھا۔ لیکن ہیلز... اس نے احتیاط سے انہیں پیروں سے نکالا اور ہاتھوں میں تھام لیا۔

دھیمے دھیمے قدم دروازے کی جانب لئے۔ فاصلہ کم تھا پر اتنا تھا کہ وہ بنا اُسے چھیڑے آرام سے نکل سکتی تھی۔ سانس اندر کھینچ کر نکلی۔ پھر آگے پیچھے دیکھا۔ اور پھر کیمروں کو۔ ایک کا

Clubb of Quality Content

رخ دائیں طرف تھااور دوسرے کا سامنے۔اس کی طرف مڑنے ہی والا تھا کہ اسی لمحے مزید بھاری قدموں کے زینے چڑھنے کی آوازیں آنے لگیں۔

خطرے کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔رُخ فوراًدائیں طرف کرلیا۔اب یہی راستہ تھا ورنہ منزل جیل کا سیاہ اندرون تھی۔ابھی وہ دوسرے کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزرتی کہ اچانک کسی نے اُسے بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

اس اچانک افتاد پر اس کی آنکھیں دنگ رہ گئیں۔کلیجہ منہ کو آنے لگا۔اس کی پشت دروازے سے لگی ہوئی تھی جو کہ ہلکی سی آہٹ نکالتے بند ہو گیا۔شہد رنگ آنکھیں کھلیں تو کھلی ہی رہ گئیں۔

"سیف...!تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"حیرت نے اُسے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔

"محترمہ،پہلے آپ بتائیں...آپ کا کام ہو گیا؟"ایک ابرواُچکائی پھر ایک تفصیلی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔"ہاں وہ تو ہو گیا۔لیکن مجھے تو لگا تھا تم میری مدد کے لئے نہیں آؤ گے۔"

اس نے دھیرے دھیرے سر ہلایا۔ "ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں؟" ایک ابرو اُچکائی۔ "جب آپ نے مجھے اپنے پلان کے بارے میں بتایا تھا تو میں ایک ہفتہ یہی سوچتا رہا کہ وزیرِ اعظم کے گھر میں داخلہ ملے گا کیسے؟ پھر مجھے ایک شاندار اور خوبصورت خیال آیا۔ بالکل میری طرح..." کچھ لمحوں کے لئے رکا۔ "...ایک دوست کے ذریعے وزیر اعظم تک اپنی پینٹنگز کی خبر پہنچائی اور ساتھ ہی ٹاسک مل گیا۔ مجھے شک ہے اس میں بھی ان کی بیوی ہی کا ہاتھ ہوگا۔ خیر پینٹنگ پانچ دن میں بنا کر دینی تھی۔ لیکن میں نے چار روز میں ہی بنا ڈالی۔ ظاہر ہے اب آپ محترمہ کی مدد کا سوال تھا۔" اِشفا نے ذہن پر زور ڈالا پھر یاداشت میں اضافہ ہوا تو سیفان کو دیکھا۔ ہاں وہ ایک پینٹنگ بنانے میں چند دنوں سے مصروف تھا تو۔

"کل ہی مکمل ہوگئی تو میں آج اسے یہاں لے آیا۔" پیچھے مڑ کر دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

"ان پولیس والوں نے تمہیں گھر میں آنے کیسے دیا؟ یعنی کسی دوسرے کو تو آج یہاں آنا منع ہے ناں۔۔" اس نے نیلی آنکھوں سے مقابل کا چہرہ دیکھا۔ "سیفان یامین کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔ اچھا ویسے یہ خاصا مشکل کام تھا۔ دو منٹ کے لئے تو مجھے لگا کہ گولی ہی ناں مار دیں۔ لیکن پھر دو تین جذباتی جملے گڑھے.. کہا کہ مجھے آج ہی کسی کام سے حیدر آباد روانہ

ہونا ہے۔واپسی شاید ایک مہینے تک ممکن ہو۔تو اندر جانے دے دیا گیا۔لیکن وہ بھی وزیر اعظم صاحب کی اجازت ملنے کے بعد۔"

"اچھا تو پھر انھوں نے تمہیں اپنے کمرے میں آنے کی اجازت دے دی؟" پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

"انھوں نے آپ جاسوسہ کو کتب خانے میں جانے کی اجازت دے دی؟" نیلی آنکھیں چھوٹی کر لیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں نے مانگی کب تھی؟" مسکراتی شہد رنگ آنکھیں اب مقابل سے ہٹ کر کشادہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"کیا ہے ناں میں بہت اصول پسند انسان ہوں۔میں تو پینٹنگ آفیسر ز کو تھما کر واپس جا رہا تھا۔ جب ایک نے کہا کہ خود ہی لگا جاؤں۔وزیر اعظم صاحب کا خاص حکم ہے۔دو منٹ پہلے تک

تو ایک گارڈ میرے پاس ہی مجھ پر نظر رکھے کھڑا تھا.. پھر کال آئی تو کہیں چلا گیا۔بس اسی میں اتنا وقت لگ گیا اور میں آپ کی مدد کے لئے وقت پر نہیں آ سکا۔"

"اصول پسند؟ جس دن تم اصولوں کی پیروی کرنے لگ گئے۔اس دن میں صحافت چھوڑ دوں گی۔" اتنے لمبے اور تعداد میں زیادہ جملوں میں سے اُسے صرف یہی سنائی دیا تھا۔

"ویسے ابھی بھی آپ صحافت کم جاسوسی زیادہ کرتی ہیں۔آپ کا صحافت کو الوداع کہنا یونیوز پر بہت بڑا اور بھاری احسان ثابت ہو گا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اے منہ بند کر لو اپنا۔" پھر پینٹنگ کے عین سامنے آن کھڑی ہو گئی۔حیران کن طور پر اس میں سرخ رنگ کہیں بھی نہیں تھا۔پینٹنگ میں بھورے پہاڑ اور اس کے اوپر نیلا اور جامنی آسمان جو کہ حقیقتاً قابلِ تعریف دکھ رہا تھا۔

"تم نے سرخ رنگ نہیں استعمال کیا۔" جتنا خوبصورت کمرہ تھا اس سے کئی زیادہ خوبصورت یہ تصویر تھی۔

"جامنی رنگ سرخ اور نیلے سے مل کر بنا ہے۔" وہ پینٹنگ کی بائیں طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اِشفا کو اشارہ کیا۔ "اُس طرف کھڑی ہو جائیں، محترمہ۔ حملہ ہونے والا ہے۔"

وہ دائیں جانب ابھی گئی ہی تھی کہ ساتھ ہی کمرے کا دروازہ دھڑام کی آواز کے ساتھ کھلا۔ دو اہلکار اور ایک گارڈ داخل ہوئے۔ تینوں نے پستولیں تھام رکھی تھیں۔ درمیان میں ایستادہ گارڈ وہی تھا جو اجلاس والے کمرے کے باہر پہرا داری پر مقرر تھا۔ لیکن شکر تھا کہ ساتھ میں وہ دو اہلکار نہیں تھے جو زینوں پر کھڑے تھے۔ ورنہ ابھی اشفا امین کا قصہ تمام ہو جاتا۔

Clubb of Quality Content

وہ کام کو پایہ تکمیل پر پہنچانے کے لئے اجلاس والے کمرے سے نکلی ہی ایسے وقت تھی جب دس منٹ کے اندر اندر اہلکاروں نے جگہ تبدیل کرنی تھی۔ اس لئے گزشتہ چند منٹوں پہلے اُسے ملنے والے اہلکار اب گھر سے باہر کی نگرانی کر رہے تھے۔ جبکہ باہر والے ان کی جگہ پر آن کھڑے ہو گئے۔ تبادلے والی اس بات سے اُسے وزیرِاعظم صاحب کی بیوی نے ہی آگاہ کیا تھا۔

اس نے اِشفا کو دیکھتے ہی پستول اس کی سمت میں اٹھالی۔"یہی ہے وہ۔"

ماحول میں تناؤ پھیلتا دیکھ سیفان یامین تھوڑا سا آگے بڑھا۔اِشفا امین کے عین آگے آن کھڑا ہوا۔"آفیسرز.. دراصل داستان کا آغاز ایسے ہوتا ہے کہ یہ جو تصویر ہے ناں..."اس نے پیچھے پلٹ کر دیوار پر نصب تصویر کی طرف شہادت کی انگلی اٹھائی۔"...یہ کافی وزنی ہے۔میں اکیلے اسے یہاں نہیں لگا سکتا تھا۔گارڈ صاحب تو پہلے ہی الوداع کہہ کر جاچکے تھے۔اس لئے میں نے مدد کے لئے انہیں پہلی منزل سے اوپر بلالیا جب یہ باتھروم سے نکل رہی تھیں۔" نیلی آنکھیں مسکرائیں۔وہ جھوٹ کو سچ بنا کر بھی ایک ادا سے کہتا تھا۔

"تو ہم سے آکر کیوں نہیں کہا؟ ہم مدد کر دیتے..."ایک فوراً بولا تھا۔"آپ میں سے کوئی اگر سامنے ہوتا تو میں ضرور کہہ دیتا..."

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک نے شانے اچکائے۔"تصویر لگ گئی ہے۔اس لئے آپ دونوں اب نیچے جا سکتے ہیں۔"ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

پہلے اِشفا باہر نکلی پھر سیفان اُس کے پیچھے لپکا۔اُس نے پیچھے پلٹ کر سیفان کو دیکھا جو کہ دھیمی مسکان لیے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔"سیفان یامین...ون۔جاسوسہ...زیرو۔"ساتھ سے گزرتے اہلکار کو دیکھ کر ایک آنکھ دبائی تو اِشفا نے دونوں آنکھیں گھمائیں۔پھر سر دائیں بائیں ہلایا۔

اب پوری زندگی احسان جتلاتا رہے گا۔دل میں سوچ کر رہ گئی۔پھر آگے بڑھ گئی۔دونوں ایک ساتھ کشادہ زینے اترنے لگے۔"ویسے تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں باتھروم کا بہانہ ہی بنا کر یہاں آئی ہوں؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"انسٹنکٹ(instinct) کبھی جھوٹ نہیں بولتی، محترمہ۔"اس نے سر اثبات میں ہلایا۔وہ دونوں شانہ بشانہ چلتے آگے بڑھ گئے۔

وہ گھر آئی تو اس نے سب سے پہلے مہوین کو آٹوپسی رپورٹ دکھائی۔ جسے دیکھ کر پہلے تو وہ حیرت کا شکار ہوئی پھر بہن پر سوالات کی توپ کھول ڈالی۔ اشفا نے اُسے بتایا کہ اُسے اس رپورٹ کی تصویر کسی اندر والے آدمی نے بھیجی تھی۔ منکشف تھا کہ اگر حقیقت اس پر واضع کرتی تو مہوین پریشان ہو جاتی۔

وجہ جان کر مہوین نے آٹوپسی رپورٹ کو غور سے دیکھا۔ ایک ایک لفظ کو پڑھنے کے بعد وہ اس نتیجے پر آن پہنچی کہ عامر علی کو موت سے ٹھیک دو گھنٹے پہلے بری طرح سے مارا گیا۔ یہاں تک کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اس کے بعد اُسے ایک ایسا زہر دیا گیا جس کے باعث اس کے بچنے کی امید نہ ہونے کے برابر تھی۔

پھر قتل کو حادثہ دکھانے کے لیے چھوٹا سا دھماکہ کر دیا گیا۔ لیکن دھماکے کے باوجود جسم کو زیادہ نقصان پہنچ نہ پایا تھا۔ جس سے اس نے یہ نتیجہ آخذ کیا کہ دھماکہ عامر علی سے کچھ فاصلے پر ہوا تھا۔

اِشفا چونکی تھی۔ یہ تو سب جانتے تھے کہ اس کا مرڈر ہوا تھا۔ لیکن مرڈر کیسے ہوا؟ اس سوال کا جواب اس کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا تھا۔

لیکن آج جب اُسے مطلوبہ جواب ملا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مومن کے والد کے ساتھ کوئی اس قدر برا کیسے کر سکتا تھا؟ کیا آج کل کے لوگوں کے سینوں میں دل نہیں تھے؟

انسانیت پر سے اس کا بھروسہ تو سالوں پہلے اٹھ چکا تھا۔ لیکن اس بات کا احساس اُسے تاخیر کے ساتھ ہوا تھا کہ انسان کا روپ دھارے ہوئے ان حیوان صفت لوگوں کے سینوں میں دل تو تھا لیکن لوہے کی مانند۔

کیا اتنا ہی آسان تھا کسی کا گھر اجاڑ دینا؟ کیا اتنا ہی آسان تھا خاندانوں کے خاندان برباد کر دینا؟

پہلے مومن علی نے اپنے والد کو کھویا اور پھر اس کی والدہ چند ہی دنوں میں پاگل ہو گئیں۔ عامر علی کی موت کو سال نکل گئے تھے اور اتنے سالوں بعد بھی ذہنی مرض کی شکار وہ عورت دروازے کو تکتی رہتیں۔ کہ ان کا شوہر ایک دن تو ضرور لوٹے گا۔

لیکن.. لیکن وہ ایک دن..؟ شاید ان کی سو سال کی عمر کی مدت پوری ہو جانے کے بعد بھی نہیں آنا تھا۔ لیکن یہ بات ان کو کون سمجھاتا؟

وہ ہر مہینے ایک دن مصروفیت سے پاک کر کے ان سے ملنے جایا کرتی تھی۔ وہ اُسے نہیں جانتی تھیں۔ نہ ہی اُس کی کہی ایک بھی بات پر کان دھرتی تھیں۔ لیکن وہ پھر بھی گھنٹوں ان سے باتیں کرتی۔ وہ انسانوں سے بیگانی ہو کر ہر وقت گھر کے کاموں میں لگی رہتیں۔

ایسے میں اِشفا مومن کا دکھ بانٹتی.. مومن کا واحد سہارا تھی وہ۔

مٹھی کو زور سے بند کرتے اس نے جبڑے بھینچ لئے۔ آنکھیں ثانیے بھر میں ایسے لال انگارہ ہوئیں۔ دل کیا جا کر ظالموں کا گریبان پکڑ لے۔ لیکن ہائے یہ دماغ... یہ اُسے آسان حل بتا چکا تھا۔

صرف وہی جانتی تھی کہ اُسے اس مسلے کا حل کس طرح سے نکالنا ہے۔

・・—・๑ɞ・—・・

اگلے دن جب وہ یونیوز کی اونچی عمارت میں آئی تو اس نے سب سے پہلے آٹوپسی رپورٹ کی خبر احمد مرزا کے گوش گزار کی۔ احمد مرزا معمول کے مطابق ایک دم پُر سکون تھے۔ اس کی بات کا مکمل طور پر جائزہ لینے کے بعد انھوں نے اُس سے اس کی رائے مانگی۔

اِشفا کے ارادے خطرناک تھے۔ جو کہ اُس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتے تھے۔ وہ ایک ایسے راستے کی راہی بننے میں دلچسپی رکھتی تھی۔ جس پر کوئی اپنے دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی تک نہ رکھنا چاہے۔

انھوں نے اُسے دشمنوں کے مقاصد اور جانی نقصانات سے آگاہ کیا۔ اُسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ ایک کام کرنے کی ٹھان لیتی تو کسی ملک کا وزیرِ اعظم بھی اُسے اس کے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹا سکتا تھا۔ سوائے اللہ کے۔

اپنے ارادوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے وہ اسٹینڈ والے تین کیمروں کے سامنے رکھی ایک سیاہ چمڑے کی کرسی پر براجمان تھی۔ ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان اور سر پر ڈھیلا سا سیاہ رنگ کا دوپٹہ۔ اور اسی رنگ کی شلوار قمیض پہنے ہوئے تھی۔

جیسے ہی یونیوز لائیو گیا ویسے ہی اس کی آواز بلند ہوئی۔ "السّلام علیکم ناظرین و حضرات۔ میں ہوں اِشفا امین اور آپ دیکھ رہے ہیں یونیوز۔ ذراع سے ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ کسی جعلی اکاؤنٹ سے نووارد شخص نے کچھ ہی گھنٹوں پہلے عامر علی کی آٹوپسی رپورٹ ہر طرف نشر کر دی۔ جی ہاں ناظرین.. آپکا دوست دو دو گیارہ نام کے اکاؤنٹ سے کسی نے عامر علی کی آٹوپسی رپورٹ ہر جگہ پھیلا دی۔ رپورٹ کچھ منٹوں بعد ہی ہٹ گئی لیکن یونیوز کی باریک نظروں سے بچ ہر گز نہ سکی۔۔" سانس بحال کرنے کے لیے چند سیکنڈ رکی۔ "۔۔جو رپورٹ آپ کو اس وقت آپ کی اسکرین پر دکھائی جا رہی ہے.. وہ پاکستان کے مشہور صحافی عامر علی کی آٹوپسی رپورٹ ہے جو کچھ سال قبل اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ جی تو ناظرین رپورٹ میں صاف صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ عامر علی کا مرڈر ہوا ہے۔ عوام جواب کی منتظر ہے۔ کہ کیوں کر اتنی سنجیدہ بات سب کی نظروں سے پرے رکھی گئی؟ آخر عامر علی جیسے عظیم صحافی کا کیا قصور تھا کہ ان کی موت کو عام سی خبر بنا کر ذہنوں سے نکال باہر کر دیا گیا؟"

وہ کچھ منٹ مزید اس پر تبصرہ کرتی رہی پھر اس کا تبادلہ کسی دوسرے صحافی سے ہوا اور وہ بریک پر کمرے سے باہر نکل آئی۔ کہیں دور اندر اُسے کھٹکا تھا کہ یہ حرکت اُسے مہنگی پڑ سکتی تھی۔

اُس کی جان کو سو فیصد خطرہ لاحق تھا اب۔ کیونکہ جب اس انکشاف اور پھر اکاؤنٹ کی تہہ تک جانے کی کوشش کی جائے گی تو منظر عام پر با آسانی یہ بات آجائے گی کہ نہ کوئی اکاؤنٹ تھا اور نہ ہی کسی نے رپورٹ پھیلائی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کافی کے مگ کو ہاتھوں میں تھامے وہ آرام سے اپنے کمرے میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ واقف تھی کہ اب سے کچھ ہی منٹوں میں کیا ہونے والا تھا۔ اسی لمحے اُس کا فون بجا۔ ترچھی نظر اسکرین پر ڈالی پھر ایک گہرا سانس اندر کھینچا۔

چند منٹ فون پر کسی سے بات کرتی رہی۔ پھر کال منقطع ہوئی تو ایک مصنوعی سی مسکان اس کے چہرے پھیل گئی۔ سب کچھ ویسے ہی ہو رہا تھا جیسے اس نے اور خلیل محمد نے سوچ رکھا تھا۔

تین دن قبل

دو پہر کے دو بج رہے تھے۔ موسم آہستہ آہستہ دلاویز ہوتا جارہا تھا۔ دھیمی دھیمی ٹھنڈی ہوائیں۔ درختوں سے گرتے پتے ہوا کے رُخ کے مطابق ان کے کارپورچ میں گویا گھر بنا رہے تھے۔

Clubb of Quality Content!

اِس نے پیروں سے ذرا سا اوپر آنے والا بنفشیِ مدھم رنگ فراک پہن رکھی تھی۔ بھورے گھنگریالے بال کھلے ہوئے تھے۔ جو کہ اس کی کمر کے اختتام سے تھوڑا اوپر تک آتے تھے۔ شہد رنگ آنکھوں میں سرما ڈال رکھا تھا۔ لبوں پر گہری سرخ لپسٹک اور رخسار پر ہلکا سا سرخ بلش آن موجود تھا۔ کانوں میں فراک کے رنگ کی بالیاں اور کلائیوں میں اسی رنگ کی بارہ بارہ چوریاں پہنی ہوئی تھیں۔

یہ رنگ اس کا دوسرا پسندیدہ رنگ تھا۔پہلا تو ہمیشہ سے سرخ تھا۔ہاں آج وہ بلا کی خوبصورت لگ رہی تھی۔اس کی خوبصورتی اور اس کی شخصیت کا ملا جلا امتزاج آج خاص کر جلوہ گر ہوا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے ہی سیفان کا پیغام آیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں آتا ہے۔اُسے مہوین کا لیپ ٹاپ ٹھیک کرنے کے لیے آنا تھا۔

وہ جو گھر کے داخلہ زینوں پر بیٹھی ایک گملے میں محلے کے مالی سے لئے کسی پھول کے بیج دبا رہی تھی۔گھنٹی کی آواز پر اچھلی۔گیٹ کی طرف نظر اٹھائی تو کوئی کھڑا نظر آیا۔سیفان ہو گا۔

برق رفتاری کا مظاہرہ کرتی ہوئی وہ گیٹ کی طرف لپکی۔شانوں پر ٹکا یا ہوا دوپٹہ فوراً سر پر لے لیا۔"آ گئے تم سیف۔"

"السلام علیکم، بیٹا۔" بھاری مردانہ آواز خلیل محمد کے حلق سے نکلی۔ مسکراتے ہوئے اشفا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"وعلیکم سلام، انکل۔ کیسے ہیں آپ؟" بہت ہی زائل سی مسکان اس کے ہونٹوں پر در آئی۔ سالوں بعد ہی سہی پر خلیل محمد نے اس محلے کا رُخ تو کیا۔

کچھ فاصلے پر ہو کر اس نے ان کو اندر آنے کی جگہ فراہم کی اور پھر دونوں گھر کے داخلی دروازے سے اندر آئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

خلیل محمد صوفے پر بیٹھ گئے۔ ایک سرسری سی نگاہ اطراف میں گھمائی۔ سابقہ مکان سے چھوٹا ہی تھا پر رہنے کے قابل تھا۔ زیادہ فخر یہ بات تو یہ تھی کہ یہ گھر اشفا اور مہوین کی وجہ سے چل رہا تھا۔

پانچ منٹ میں سیب کا جوس نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ پھر ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ وہ ان کی آمد پر حیران تھی۔

"تم یہی سوچ رہی ہو گی کہ آج میں نے یہاں کارخ کیسے کر لیا، ہے ناں؟ "اس نے بہت دھیرے سے سر اوپر نیچے ہلا دیا۔

"تمہیں یاد ہے اشفا جب میں نے بارہ سال پہلے آخری دفعہ تمہاری مدد کی تھی تو تم نے مجھ سے کچھ کہا تھا۔ کیا وہ جملہ یاد ہے تمہیں؟"

وہ پُر معنی سوچ میں مبتلا ہو گئی۔ ہاں یہ بات سچ تھی کہ رشتے داروں کی طرف سے جب مدد آنا بند ہو گئی تو ان کے گھر کا خرچ ایک خفیہ ذرائع سے تعاون کے باعث چلتا تھا۔ کوئی تھا جو انہیں کتنے ہی سال پیسے بھیجتا رہا تھا۔

دراصل وہ نیک صفت انسان خلیل محمد ہی تھے۔ جنہوں نے اشفا اور مہوین کا قریب پانچ سال تک خرچہ اٹھایا تھا۔ بینک میں ان کا ایک مخصوص اکاؤنٹ تھا جس کا گھر میں یا دفتر میں کسی کو علم نہیں تھا۔ دو ہزار نو سے دو ہزار تیرہ تک ہر مہینے وہاں ڈیڑھ لاکھ روپے آجاتے تھے جن سے ان کا گھر چلتا تھا۔

دو اگست دو ہزار تیرہ...وہ آخری تاریخ تھی جب خلیل محمد کے پیسے ان کے گھر آئے تھے۔ اگلے مہینے جب خلیل محمد نے دفتر کے فون سے اشفا کو پیسے گھر بھجوا دینے کی اطلاع دی تو اس نے انکار کر دیا۔ کیونکہ تب تک اشفا ٹیوشن پڑھانے کا آغاز کر چکی تھی۔ وہ کمانے لگی تھی۔ اس لئے خلیل محمد کو مزید تعاون سے منع کر دیا۔

پھر اگلے مہینے کی تین تاریخ کو خلیل صاحب نے اُسے اپنے دفتر ملنے کے لئے بلایا تھا۔ انھوں نے گاڑی بھیجی تھی۔ وہ وہاں پہنچی تو انھوں نے اس سے تفصیلیہ بات کی۔ کہ کہیں کوئی بات تو نہیں ہو گئی تھی کہ اس نے اچانک پیسے لینے سے انکار کر دیا تھا؟

اشفا نے نہایت ہی تسلی بخش رویہ اپناتے انہیں یقین دلایا تھا کہ اُسے سچ میں پیسے کمانے کا ذریعہ مل گیا تھا۔ اور اگر کبھی ہاتھ تنگ ہوا تو وہ ضرور ان سے مدد لینے آئے گی۔ پھر اس نے انہیں اپنے ٹیوشن کی پہلی کمائی تھمائی تھی۔

"یہ مجھے کیوں دے رہی ہو، بیٹا؟ یہ تو آپ کی کمائی ہے۔" پہلے ہزار ہزار کے چند نوٹوں کو دیکھا اور پھر چودہ سال کی اشفا کو۔

"انکل۔۔اگر آج میرے بابا ہوتے تو میں اپنی پہلی کمائی ان کے ہاتھ میں رکھ دیتی۔ لیکن..." لہجے میں تھوڑا ٹھہراؤ آیا جیسے آنسوؤں کا سمندر اپنے اندر اتار رہی ہو۔ "...آپ میرے بابا جیسے ہیں۔ آپ نے تب تب میری اور میری بہن کی مدد کی جب ہمارے پاس کوئی نہیں تھا۔ میں آپ کا یہ احسان پوری زندگی نہیں اتار پاؤں گی۔ اسی لیے میں چاہتی ہوں میری پہلی کمائی آپ رکھ لیں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہاں وہ مالی طور پر امیر نہیں تھی۔ پر دل سے بہت رئیس تھی۔ اس کے پاس اتنے رشتے نہیں تھے پر جو تھے ان میں وہ ہاتھ نہیں کھینچتی تھی۔ محبت کی بہت پکی تھی۔ انسان ہو یا عام سی چیز.. اگر ایک دفعہ محبت کر لے تو پوری زندگی ان پر فنا کر دینے کے لیے حاضر رہتی تھی۔

"لاؤ دو۔" انھوں نے اس کے ہاتھ سے پیسے لے کر ہتھیلی پر رکھ لئے۔ گنتی کی تو ہزار ہزار کے پانچ نوٹ تھے۔ بہت زیادہ تو نہیں پر اتنے تو تھے ہی کہ وہ انہیں دے سکتی۔

پھر اشفا کا ننھا سا دایاں ہاتھ تھام لیا۔پیسے اس میں رکھ کر مٹھی بند کر دی۔ "اگر میری جگہ رحمان ہوتا تو وہ بھی تمہاری کمائی تمہیں لوٹا دیتا۔ باپ بیٹیوں کی کمائیاں نہیں کھاتے۔"

وہ درست کہہ رہے تھے۔اگر آج رحمان امین زندہ ہوتے تو بیٹی کے پیسے دگنے کر کے لوٹاتے۔اول تو اُسے نوکری کرنے کی ضرورت پیش آتی ہی ناں۔پر حالات انسان سے کچھ بھی کروا سکتے ہیں۔وہ بھی جو اس نے کبھی نہ کرنے کی ٹھان لی ہو۔اور وہ بھی جو وہ کرنے کا تصور بھی نہ کرتا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچتے اس نے مقابل کی طرف دیکھا۔ "اللہ نے آپ کو ہمارا وسیلہ بنایا ہے، انکل۔آپ نے بہت قربانی دی ہے ہمارے لئے۔اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔قریب پانچ سال تک ہماری مدد کی۔میں پوری زندگی آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گی۔اس کے بدلے آپ کو جب جب میرے تعاون کی ضرورت ہوئی.. میں موجود رہوں گی۔"

"وعدہ کرو کہ مجھ سے کبھی بدگمان نہیں ہو گی۔اور نہ ہی مہوین کو ہونے دو گی۔" انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سامنے کیا تو اس نے بنا کسی تردّد کہ اُسے فوراً تھام لیا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں۔اگر میں کبھی وعدہ نہ نبھا سکی تو جو کہیں گے میں کروں گی۔اول تو ایسی نوبت ہی نہیں آئے گی۔کیونکہ..." وہ ٹھہری۔"...میں اپنے کیے وعدے کبھی نہیں بھولتی۔"

اب ماضی کی دہلیز کو پار کرتے حال کے مکان میں قدم رکھیں تو اشفا امین کو سالوں پہلے ہوئی خلیل محمد کے ساتھ اپنی گفتگو یاد آرہی تھی۔

وہ ان سے کیے وعدے کا ایک حصہ نبھا رہی تھی اور ایک نبھانا باقی تھا۔فرق تھا تو صرف اتنا کہ اُسے وقت درکار تھا۔ہر چیز اُسے اپنے وقت پر پسند تھی۔

"لیکن یہاں میں اپنے کام سے نہیں آیا۔مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔" اس نے ابرو بالا کی تو خلیل محمد نے اُسے ایک مختصر سا اشارہ کیا۔۔اشارے کو پرکھتے...وہ فوراً سمجھ گئی۔اٹھی اور کمرے

میں چلی گئی۔ کمرے میں جا کر طلب کی گئی چیز تلاشی۔ ایک تو کام کے وقت نا جانے یہ کاپی اور پینسل کہاں چھو منتر ہو جاتے ہیں۔ سر جھٹکا۔

جو کچھ بھی انہیں اس سے کہنا تھا وہ سب وہ آواز کے سانچے میں ڈھال کر نہیں کہہ سکتے تھے۔ کیونکہ ایسی باتیں کھلم کھلا کی جانے والی نہیں تھیں۔ وہ تو تمام تر خطرات سے بخوبی واقف تھے جو کہ لاحق ہو سکتے تھے۔

واپس آئی تو آتے ہی انہیں خلیل محمد کو تھما دیا۔ وہ چند سیکنڈ اس پر کچھ لکھتے رہے.. پھر چہرہ اوپر کیا اور کاپی کو اِشفا کی طرف۔ صفحے پر لکھے الفاظ کو وہ پڑھتی چلی گئی۔ جس پر درج تھا کہ وزیرِ اعظم کی بیوی اس سے ملنا چاہتی ہیں۔ اور اس کے نیچے ایک جگہ کا ایڈریس بھی لکھا تھا۔

اور وہیں سے ہماری داستان آگے بڑھی۔

موجودہ وقت

وہ ٹھیک اسی جگہ بینچ پر ہلکے گلابی رنگ کی فراک پہنے بیٹھی تھی۔اور مخالف سمت میں وزیرِ اعظم صاحب کی بیوی نشست تھیں۔"آپ کے بتائے گئے کاغذات آپ کو راول روڈ پر پہلے بینک کے لاکر میں ملیں گے۔اور اس کی چابی دائیں طرف رکھی کوڑے کی باسکٹ سے کچھ قدم پر کھڑے پیپل کے درخت کی ایک ٹہنی سے لٹکی ہوئی ملے گی۔"

"نائس..ویری نائس۔تم بہت کام کی لڑکی ہو،اِشفا۔تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔وقت آنے پر میں احسان کا بدلہ ضرور اتاروں گی۔"عبایا میں ملبوس ان خاتون نے الفاظ ادا کیے۔

"میں لوگوں کے کام آتی ہوں۔ان پر احسان نہیں کرتی۔کیا آپ نے اپنا کیا ہوا وعدہ نبھایا؟" ہاتھ میں پکڑی کون آئس کریم کو گھور کر دیکھا۔

"ہاں... تمہارے کتب خانے میں جانے سے ٹھیک دو منٹ پہلے وہاں کے کیمرے بند ہو گئے تھے اور تمہارے نکلتے ہی چالو بھی ہو گئے تھے۔"

"جن سے آپ نے میرا نام فہرست میں ڈلوایا ہے اور کیمرے بند کروائے ہیں.. یہ کام بھی ان ہی سے کیوں نہیں کروالیا؟" یہ سوال اُسے کچھ گھنٹوں سے پریشان کیے ہوئے تھا۔

"فہرست میں نام ڈالنا میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ میری خاص نوکرانی کا شوہر وزیرِ اعظم صاحب کا بوڈی گارڈ ہے۔ فہرست بنانے کا ذمہ اُسے ہی دیا گیا تھا۔ تو تم اندازہ لگا ہی سکتی ہو کہ یہ کام بغیر کسی دشواری کے پایہ تکمیل تک پہنچ گیا ہو گا۔ رہی بات کیمروں کی.. تو میرے بیٹے کو کیمروں کو ٹھیک سے دیکھنے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ جو کہ اس نے بخوبی نبھالی۔"

"تو اگر آپ کی نوکرانی اور آپ کا بیٹا وہ کام انجام دے سکتے ہیں تو یہ کیوں نہیں؟" اب وہ ٹشو سے اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرے بیٹے کو کتب خانے میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ کمرہ صرف اور صرف میرے شوہر کے استعمال میں ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ مس فرحانہ صاف صفائی کے لئے وہاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ تم نے دیکھا ہو گا کہ کمرے کو کھولنے کے لئے کارڈ کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو کارڈ میں نے تمہیں دیا وہ ویسا نہیں تھا جیسا مس فرحانہ اور دو مخصوص گارڈز کو دیا گیا ہے۔" سانس ہوا کے سپرد کیا۔ "ان کے کارڈز میں ایک چپ ہے جس کی مدد سے کتب خانہ اور دیگر کمرے کھلتے ہیں جہاں ہمیں جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اور وہ مخصوص کارڈ آپ اور آپ کے بیٹے کے پاس نہیں ہیں۔ اس لیے آپ نے مجھے ایک جعلی کارڈ دیا تاکہ میں فرحانہ بن کر کتب خانے میں داخل ہو سکوں۔" انھوں نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں.. فرحانہ کا کارڈ بھی تمہیں میں نے اسی لئے اس سے نکلوانے کے لئے کہا تھا کیونکہ اس کے بغیر کتب خانے کا دروازہ کھولنا ناممکن ہو جاتا۔" وہ جب واپس اجلاس والے کمرے میں جا کر بیٹھی تو اس نے بہت ہی آرام سے کارڈ فرحانہ کے پاؤں کے نزدیک زمین پر پھینک دیا تھا۔

وہ ان کی یہ والی گفتگو بھی ریکارڈ کر چکی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ وزیراعظم صاحب کی بیوی نے خود ہی سب کچھ اگل دیا تھا۔ اس نے ایک مسکراتی نگاہ سامنے کے منظر پر ڈالی پھر انہیں خدا حافظ کہتی ہوئی وہاں سے چلتی بنی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ وردی پہنے اسی سڑک پر کھڑا تھا جہاں پر ڈاکوؤں نے اِشفا پر گولی چلائی تھی۔ پاس ہی میں قبرستان تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ مسلسل ان کو پکڑنے کی جدوجہد میں مگن تھا۔ لاکھ کوششوں کے بعد بھی اب تک اس کے ہاتھ کوئی معلومات نہیں لگ پائی تھی۔

دکانداروں سے تفتیش سے لے کر کیمروں کی فوٹیج چیک کرنے تک اس نے ہر حربہ آزمالیا تھا۔کسی کو بھی اس دن پیش آئے واقعے کی کوئی خبر نہ تھی۔ایسے میں ڈاکوؤں تک اس کی رسائی ناممکن تھی۔

اسی لئے اس نے ایک آخری کوشش کا خیال ذہن کے ایک گوشے میں محفوظ کرلیا تھا۔اسی کے باعث وہ اس وقت ایک ٹھیلے سے پھل خریدنے کی اداکاری کررہا تھا۔وہ پچھلے پانچ منٹ سے آم کی ایک قسم انور رٹور کو الٹ الٹ کر دیکھ رہا تھا۔

ٹھیلے کا مالک بھی کب سے اُسے کبھی ایک تو کبھی دوسرا آم دکھاتا۔پر وہ تھا کہ بس نقص پر نقص نکالنے میں مصروف تھا۔اتنے میں شلوار قمیض میں ملبوس ایک لڑکا... جس کی عمر سترہ سال تھی،ٹھیلے کے پاس آن رکا۔

"سر..ایک ایک بندے سے پوچھ لیا ہے۔یہاں تک
کہ اس ایریا کے فقیروں سے بھی۔کسی نے بھی آپ کی بیوی کے ساتھ پیش آئے واقعے کا ذکر نہیں کیا۔"چونکہ فقیر صبح سے رات تک جگہ جگہ بیٹھے رہتے تھے اس لئے ممکن تھا کہ وہ

اس واقعے کے شاہد ہوتے۔"اور تو اور معمولی ڈکیت اور جیب کتروں سے بھی پتا کر لیا ہے۔ سب کہتے ہیں المیر خلیل کی بیوی پر گولی چلا کر جان تھوڑی گوانی ہے اپنی۔"

"یہ بات تم نے ان سے کہی کہ وہ میری بیوی ہے؟" تجسّس کے مارے سوال کر ہی بیٹھا۔

"سر آدھا اسلا آباد اور پورا پنڈی جانتا ہے کہ المیر خلیل ایک لڑکی کو چاہتا ہے۔اور سب کو دھمکاتا پھرتا ہے کہ اس کی بیوی سے دور رہیں ورنہ سب کی ہڈی پسلی ایک کر دے گا۔"وہ چہرہ جھکا کر ہنسا۔ پچھلے کئی سالوں سے یہ عمل وہ ناجانے کتنی مرتبہ دوہرا چکا تھا۔

Clubb of Quality Content!

ایک سے زیادہ دفعہ اگر کوئی لڑکا اُسے اِشفاامین کے قریب دکھ جاتا تو وہ پوری تیاری کے ساتھ اُس بندے کو اگلے دن یا تو گھر سے اٹھوا کر دھمکاتا یا پھر جہاں وہ موجود ہوتا وہیں پہنچ جاتا۔

البتہ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو اس کی دھمکیوں سے بچ جاتے تھے۔ان کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا تھا جن کا فیل اور حال ایک دم صاف ستھرا ہو۔جن کی جانکاری پڑھ کر المیر کو لگے کہ اِشفا کو ان سے کوئی ڈر یا خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

اب جب وہ اس بارے میں سوچ رہا تھا تو اُسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ "سیف" نامی انسان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔اِشفا کے پڑوسیوں کو چھوڑ کر اُس نے ہر انسان کا کرتا دھرتا نکالا تھا پر محلے والے اُس سب میں شامل نہیں تھے۔

یعنی اُس کا پرانے محلے میں اتنا آنا جانا ہی نہیں تھا کہ وہ وہاں کے لوگوں کی معلومات نکلواتا۔ لیکن اب ذہن میں ایک خیال ابھرا تھا۔اُسے اس سیف کا بیک گراؤنڈ چیک کروانا چاہیے تھا۔لیکن اس کا پورا نام اِشفا سے پوچھے گا تو وہ پرکھ لے گی۔

Clubb of Quality Content

بعد میں اس حوالے سے سوچنے کا خیال اس نے ذہن کے ایک کونے میں محفوظ کر لیا۔

"ٹھیک ہے۔میرے یہاں سے جانے کے بعد ٹھیلے کے عین نیچے ایک پتھر پڑا تمہیں دکھے گا۔اس کے نیچے تمہارے کام کے پیسے ہیں۔" پھر وہاں سے پلٹ گیا۔

آخر یہ کیا ماجرا تھا؟ وہ ان ڈاکوؤں کا سوچتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔اور گاڑی منزل کی جانب دوڑا دی۔

··—·ꟹ·—··

شام کے سات بج رہے تھے۔ ذرا سا آرام کرنے کے بعد وہ راحم کی طرف جانے کا ارادہ کرتے ہوئے گھر سے نکلا۔ گھنٹی بجائی تو زہرہ نے دروازہ کھولا۔ سلام دعا کر کے وہ سیدھا راحم کے کمرے کی جانب چل دیا۔

دروازہ کھلا تو گھپ اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔ کمرے میں دماغ کو سُن کر دینے والا سکوت چھایا ہوا تھا۔ کونا کونا اندھیرے کی نظر تھا۔ شاید وہ کچھ ٹھیک سے دیکھ بھی نہ پاتا اگر ٹیرس کی چھت سے لٹکتی بتی روشن نہ ہوتی۔

Club of Quality Content

اس نے دیکھا کہ اس کا دوست گلاس کی دیوار سے پشت ٹکائے بیٹھا تھا۔ وہ دروازہ کھولتے اس کے برابر میں آن کھڑا ہوا۔ راحم ایک ہی سمت میں گھور رہا تھا۔

پہلے کچھ سیکنڈز تو اُسے احساس نہ ہوا لیکن پھر اُس نے گردن ذرا سی ترچھی کی تو کسی کی موجودگی کی بھنک پڑی۔ نظریں اُٹھائیں تو اپنے دوست کو سامنے پایا۔

المیر کے ہاتھ میں دو چائے کے کپ تھے۔ وہ کپ کو سامنے دھری میز پر رکھتا اس کے بغل میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کیسے ہو؟"

اس کی سبز آنکھوں کا خالی پن چھٹ چکا تھا۔ وہ سیدھا ہوا۔ پھر اُسے دیکھا۔ "مجھے کیا ہونا ہے؟ ٹھیک ہوں۔" سامنے کی سمت ہر چیز پر نظر ٹکنے لگی سوائے المیر کے۔ اس کی نظریں چرانے کی عادت تو کبھی نہیں تھی۔ تو پھر آج وہ نظریں کیوں چُرا رہا تھا؟

"راحم۔"

"تم یہاں کیسے۔۔ خیریت؟" وہ اس کی بات کاٹ گیا۔ ساتھ بیٹھے شخص نے ایک گہرا سانس لیا اور پشت کرسی کے ساتھ ٹکالی۔

"راحم۔"

"چائے تم نے بنائی ہے... بہت مزے کی ہے۔" کپ کو لبوں سے لگاتے اس نے ایک گھونٹ بھرا۔ پھر نیچے زمین پر کرسی سے کچھ ہی فاصلے پر رکھ دیا۔

آنکھیں ادھر اُدھر مٹکنے لگیں۔ وہ اپنے آنسو کس سے چھپا رہا تھا... المیر خلیل سے؟ جو راحم رضا احمد کی رگ رگ سے واقف تھا۔

اس نے پھر کچھ بولنے کے لئے لب کھولے۔"موسم کتنا اچھا ہو رہا ہے ناں۔زہرہ سے کہتا ہوں پکوڑے تل دے۔"ضبط کی وجہ سے اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔وہ کرسی سے اٹھا۔جانتا تھا کہ دو سیکنڈ مزید اس کے پاس بیٹھے گا تو رو پڑے گا۔وہ بھی ایستادہ ہوا۔

المیر نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔اس کا دوست رونے کے در پے تھا تو وہ اُسے جانے کیسے دے سکتا تھا؟وہ نہیں پلٹا۔آنسو اس کی اکھیوں کے کناروں پر تیر رہے تھے۔چہرے کے ساتھ ساتھ اب آنکھیں بھی سرخی میں نہا چکی تھیں۔

"واپس بیٹھ جاؤ۔"اب اس کا ہاتھ اس کے کندھے پر آ ٹکا تھا۔وہ سر جھکائے قدموں پر مڑا اور واپس بیٹھ گیا۔المیر کچھ پل وہیں کھڑا رہا۔اپنے دوست کو دیکھتا رہا۔

"میری طرف دیکھنا ذرا۔"اس نے سر نہیں اٹھایا۔آنکھ سے ایک آنسو بہہ نکلا۔رخسار پر گرا تو اس نے آنکھیں میچ لیں۔وہ المیر کے سامنے نہیں رونا چاہتا تھا۔وہ عالیہ کے بھائی کے سامنے ٹوٹنا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

المیر نے سر نفی میں ہلایا۔ادا صاحبہ صحیح کہہ رہی تھیں کہ ان کا نواسہ افسردہ ہے اور گھنٹوں ٹیرس میں بیٹھا رہتا ہے۔

وہ زانوں کے بل اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔اس کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں اور آنسو تھے کہ اب ٹپ ٹپ نکل رہے تھے۔"دل تو کر رہا ہے دو تھپڑ کس کے لگاؤں تمہیں۔"

"میری طرف دیکھو..راحم۔"اس نے ذرا سا قریب ہوتے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔پھر اوپر کیا تو راحم نے آنکھیں کھول دیں۔ان آنکھوں میں آنسو المیر خلیل کو قطعاً برداشت نہیں تھے۔

"تم مجھ سے اپنے آنسو چھپاؤ گے اب؟ مجھ سے..؟"المیر کی آواز میں بھاری پن کو محسوس کرتے راحم نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا دوست اُس کی وجہ سے رو دے۔

"بھائی کہتے ہو ناں مجھے...بھائی سے ہی شیئر نہیں کرو گے اپنے غم؟"

اس کی آنکھوں سے نکلنے والا یہ پہلا آنسو تھا۔اُسے لگتا تھا راحم آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہا ہے۔ لیکن یہ بات اس کے لیے جان نکال لینے والی تھی کہ ٹھیک ہونے کی بجائے اس کی حالت بگڑ رہی تھی۔

"تم کیوں رو رہے ہو؟"اس نے بچوں کی طرح اپنے چہرے سے آنسو صاف کیے تو المیر روتے روتے ہنسا۔

"کیونکہ تم رو رہے ہو۔"اور پھر وہ دونوں ہنس دیئے تھے۔راحم اب مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا رہا تھا جبکہ المیر اس کو پیار بھری نظروں سے تک رہا تھا۔

وہ مسکراتے مسکراتے ایک دم خاموش ہو گیا۔چہرے سے مسکان ہٹ گئی۔سبز آنکھوں میں پانی پھر سے بھر رہا تھا۔اس نے حلق میں اٹکا آنسوؤں کا پھندا محسوس کیا تو ایک کانپتا ہوا گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں تھک گیا ہوں یار۔ میرا دل کہیں نہیں لگتا۔ مجھے ہر چیز سے خوف آتا ہے۔ ہر لمحہ مجھے اس کی یاد دلاتا ہے۔ مجھ سے سب چھین لیا گیا ہے، المیر۔ میں میدان جنگ سے خالی ہاتھ لوٹا ہوں۔ میں ہار گیا ہوں یار۔ میں زندگی ہار گیا ہوں... میں کیا کروں؟ مجھے جینے کا سبب نظر نہیں آتا۔ ڈر لگتا ہے کہ اب جو باقی رہ گیا ہے اگر وہ بھی کھو دیا تو میں کہاں جاؤں گا؟"

اتنے مہینوں میں یہ پہلی مرتبہ تھی کہ اس نے اتنے لمبے جملے کہے تھے۔ ایک طرف اُسے خوشی تھی کہ اس کا دوست اس سے بات کر رہا تھا تو دوسری طرف اس کا دل اُس کی حالت کے پیشِ نظر دکھی تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اُسے دیکھتا گیا۔ کیا کہہ کر حوصلہ دیتا اُسے؟ کہتا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟ یہ بات تو وہ بچپن سے اُسے کہتا آ رہا تھا۔

"میرا دل کرتا ہے کسی تیز رفتار ٹرک کے سامنے کھڑا ہو جاؤں۔ یا اونچائی سے چھلانگ لگا دوں۔" المیر کی آنکھیں پھیلیں۔ آگے ہو کر ایک زوردار مکا اس کے کندھے پر مارا تو اس کی زبان سے سسکی بلند ہوئی۔

"تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا.. کبھی سوچا ہے؟ تم میرے صرف ایک دوست نہیں ہو... صرف ایک بھائی نہیں ہو۔ تم میرا حوصلہ ہو۔ اندھیرے میں امید کی مانند ہے۔ اسٹریٹ لیمپ ہو تم میری زندگی میں۔ تمہارے بنا میں بھٹک جاؤں گا۔"

راحم پہلے چونکا پھر قہقہ لگا کر ہنسا۔ "آپ کے منہ سے یہ الفاظ سننے کے لئے تو میں ترس ہی گیا تھا، المیر صاحب۔" وہ بھی ہلکا سا مسکایا۔

"آپ کے کچھ لگتے...! میری بات پر دھیان دو۔ اگر آئندہ خودکشی کا خیال تمہیں چھو کر بھی گزرا تو میں نانی کی چپل سے تمہاری وہ دھلائی کروں گا کہ تم کبھی نہیں بھولو گے۔"

اس نے پھر سے قہقہ لگایا اور سر پیچھے پھینک کر ہنسا تو المیر مسکراتی نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ اگر یہ شخص اس کی زندگی میں نہ ہوتا.. تو المیر خلیل کہاں ہوتا؟

وہ زمین سے اٹھا اور نیچے جھک کر راحم کے سر پر پیار دیا۔ مقابل کا تو منہ ہی کھل گیا۔ چند ثانیے کے لئے تو اس کا ذہن الجھی ہوئی ڈور کی طرح ایک جگہ اٹک گیا۔

اس کے بچپن کے دوست کا یہ روپ اتنی صدیوں سے عیاں کیوں کر نہ ہو پایا تھا؟

ذہن جیسے ہی ٹرانس کی کیفیت سے نکلا وہ بولا۔ "میں فون لے کر آتا ہوں۔ پلیز پھر سے یہ کرنا ذرا۔"

وہ فوراً اٹھا اور کمرے میں بستر کی طرف لپکا۔ واپس آیا تو فون اس کے ہاتھ میں تھا۔ میز پر رکھے کپ کے ساتھ اُسے ٹکاتے اُس نے اُس پر ویڈیو ریکارڈر چالو کر دیا۔

پھر کرسی پر بیٹھا تو معصومیت سے مسکرا کر سُرمئی آنکھوں والے شخص کو دیکھا۔ وہ سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے قریب آیا اور جھک کر اس کے سر پر ایک مرتبہ پھر سے پیار دیا۔ پھر دور ہٹ کر راحم کے تاثرات دیکھے تو اس کا زوردار قہقہہ گونجا۔

وہ چہرے کو دونوں ہاتھوں میں چھپائے ایسے برتاؤ کر رہا تھا جیسے شرما رہا ہو۔ پھر مسکراتے ہوئے سیدھا ہوا۔ " تمہیں پتا ہے تمہاری بیگم نے آج کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟"

"اب کیا کر دیا اس نے؟" اس نے پریشان ہوتے اس کی طرف دیکھا۔ "ایک منٹ... تم اس خبر کی تو بات نہیں کر رہے.. وہ عامر علی والی؟"

"ہاں وہی۔ یہ بات تم اور میں ہم دونوں جانتے ہیں کہ کوئی بھی اپنے اکاؤنٹ سے ایسی خبر نہیں پھیلائے گا۔ تمہاری بیگم کو کسی نے یا تو اس کی رپورٹ خود لا کر دی ہے یا پھر اس نے کسی سے نکلوائی ہے۔"

Clubb of Quality Content

"جانتا ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ سینے کے آگے باندھ لئے۔ پھر کرسی پر بیٹھا اور سر گلاس کی دیوار کے ساتھ لگا لیا۔ "تو تم اتنا پُر سکون کیسے ہو؟ تم جانتے ہو ناں یہ حرکت اس کے لئے کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"اس کی حفاظت کا ذمہ میرا ہے۔میری بنا کسی منزل کے اس ویران زندگی میں وہ دو لمحے سکون ہے۔اپنے سکون کی حفاظت نہیں کروں گا تو دل شکستہ ہو جاؤں گا۔" مسکرا کر پہلو میں نظریں ٹھہرائیں۔

"دو لمحے سکون؟ تم تو کہتے تھے دو منٹ بھی برداشت نہیں ہوتی وہ تم سے..."

"دو منٹ سے زیادہ میرے سامنے رہتی تھی تو میرے دل کو کچھ ہونے لگتا تھا۔بندہ بشر ہوں..دل کی حفاظت لازم ہے مجھ پر۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کچھ لمحے خاموشی طاری رہی۔"اگر دل اور اس میں سے کسی کو چننا پڑے تو کسے چنو گے؟"

سُرمئی آنکھیں اوپر اُٹھیں۔آسمان پر چاند اتنی خوبصورتی سے چمک رہا تھا کہ اُس سے نکلتا عکس اُس کی آنکھوں میں پڑا تو آنکھیں درخشاں ہو گئیں۔"اِشفا امین میرا دل ہے۔اور دل کے بغیر المیر خلیل جی کر کیا کرے گا؟"

"میں ناں کہتا تھا کہ جب تمہیں محبت ہو گی تو بہت زور سے ہو گی.." رخسار میں گڑھا نمایاں ہوا۔

"کس نے کہا مجھے اس سے محبت ہے؟" راحم زور سے ہنسا۔ "دنیا یہاں سے وہاں ہو جائے... تم نہیں بدلو گے، اکڑو المیر خلیل۔" یہ بات وہ اور راحم، دونوں بہت اچھے سے جانتے تھے کہ المیر بالآخر بدل رہا تھا۔ زبان ساتھ نہیں دیتی تھی لیکن اس کی آنکھیں... وہ جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔

"اچھا بتاؤ اس کی حفاظت کیسے کرو گے؟" جب المیر کو خاموش پایا تو موضوع فوراً بدلا۔

"وہ ایسے کہ..."

اس کا مسلسل بجتا فون اس کی نیند میں مکمل طور پر خلل پیدا کر چکا تھا۔وہ کھسکتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ایک تفصیلی انگڑائی لی۔پھر اندھیرے میں ڈوبے اپنے کمرے کو غور سے دیکھا۔ سرہانے کے ساتھ رکھا اپنا فون اٹھایا اور وقت کا مشاہدہ کیا۔ابھی تو تین بج رہے تھے۔آج انتیسواں روزہ تھا۔یا تو کل عید تھی یا پھر پرسوں۔

لیکن مسئلہ یہ نہیں تھا۔بلکہ یہ تھا کہ وہ روزہ بند ہونے سے ٹھیک بیس منٹ پہلے اٹھتی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر لاؤنج میں جاتی تو آگے مہوین نے سحری پہلے سے ہی بنا رکھی ہوتی تھی۔کبھی کبھی تو مہوین بھی نہیں اٹھتی تھی تو پھر دونوں کو خالی پیٹ روزہ رکھنا پڑتا تھا۔

Clubb of Quality Content

اور دوسرا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ نیلی آنکھوں والا منحوس انسان اس وقت اُسے کال کیوں کر رہا تھا۔کال ملا کر فون کو کان کے ساتھ لگالیا۔"کیا مصیبت ہے،الو نما انسان؟"

"سلام قبول کیجئے گا،محترمہ۔اٹھتے ہی منہ سے موتیے کے پھول جھڑنے شروع کر دیئے آپ نے؟"شرارتی آواز دوسری طرف سے ابھری۔

"تم محلہ کب چھوڑ رہے ہو، سیف؟ پلیز جلدی چھوڑ دینا۔اب مزید تم برداشت نہیں ہو پاؤ گے۔"دل میں سو صلواتیں سنائیں۔

"میں تو محلہ چھوڑ دوں گا۔ لیکن آپ کے خادم کا کیا ہو گا جو اپنا محلہ چھوڑ کر آپ کے گھر کے باہر بیٹھا ہے؟"اس نے نا سمجھی سے سامنے کھڑی دیوار کو دیکھا۔ پھر جمائی لے کر پاؤں بستر سے نیچے ٹھنڈے فرش پر رکھے۔

"اب اس بات کا کیا مطلب ہے؟"چپل ڈھونڈنے کے لئے پاؤں آگے پیچھے فرش پر مارے۔

"آپ گیٹ سے باہر آئیں ذرا۔ حقیقت سے خود باخود پردہ اٹھ جائے گا۔"اس نے حقیقت سے پردہ ہٹانے کی بجائے کمرے کی کھڑکی سے پردہ ہٹایا تو سامنے ہی اُسے اس کے گھر کی ٹیریس پر کھڑا پایا۔

Clubb of Quality Content!

"زہر لگتے ہو جب اردو ادب کے فلسفے جھاڑتے ہو۔" پیروں پر مڑی۔ کمرے کے دروازے سے باہر نکل گئی۔" باقی تمام وقت پیارا لگتا ہوں تو اگر ایک عدد دفعہ زہر لگ بھی گیا تو کوئی مزائقہ نہیں۔"

"میری چپل اتر کر تمہاری ٹریس تک آگئی تو بھی کوئی مزائقہ نہیں۔" دوسری طرف اس کا قہقہ گونجا۔ وہ اب دروازے میں چابی گھما کر باہر نکل رہی تھی۔

لمبے لمبے ڈگ بھرتی گیٹ تک آئی۔ اُسے مکمل طور پر کھولنے کی بجائے صرف اس میں لگا چھوٹا گیٹ ہی چابی کی مدد سے کھولا۔ پھر ایک قدم باہر رکھا تو اس کی آنکھیں دنگ رہ گئیں۔

کوئی اس کے گھر کی بائیں طرف والی بیرونی دیوار کے ساتھ لکڑی کی غیر آرام دہ کرسی رکھے بیٹھا تھا۔ وہ شخص اور کوئی نہیں بلکہ المیر خلیل تھا۔ اس کا شوہر۔

وہ جو ہر دو منٹ کے بعد سر کو گراتا بار بار نیند میں ڈوبنے کے در پے تھا.. گیٹ کی آواز کے باعث فوراً ہوش میں آیا۔ لیکن اپنی بیوی کو سامنے کھڑا پا کر کرسی سے فوراً اٹھا۔" آپ یہاں

کیا کر رہے ہیں؟"فون سے نکلتی روشنی اس کے چہرے پر لگائی تو اس نے آنکھیں تیز تیز جھپکیں۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے یہی تو کر رہا تھا۔ اِشفا کام پر جاتی تو اُسے تسلی رہتی۔ ہر پندرہ منٹ کے بعد احمد مرزا صاحب سے اُس کے بارے میں پوچھ لیتا۔

اس ایک ہفتے میں اس کی گھر واپسی رات آٹھ بجے ممکن ہو پاتی۔ ایک گھنٹہ گھر پر آرام کرنے کے بعد ساڑھے نو بجے تک یہاں کا رخ کرتا۔ دس بجے سے لے کر صبح کے چار بجے تک باہر کرسی رکھ کے بیٹھا رہتا۔ گھر سے ایک عدد گارڈ رکھنے کا خیال بھی ذہن میں دو تین مرتبہ ابھرا تھا۔ لیکن پھر وہ اِشفا کے معاملے میں کسی پر بھروسہ کرنے پر آمادہ نہ ہو پاتا۔

Clubb of Quality Content

اپنی جان پہچان کے لوگوں سے ایک بھروسے کے قابل گارڈ کو تلاشنے کی بات بھی اس نے کر رکھی تھی۔ لیکن اتنے عرصے میں اس معاملے کو یوں ہی تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

جب سحری کا وقت ہوتا تو کہیں تھک ہار کر گھر کا رُخ کرتا۔ کیونکہ اس کے بعد گلی میں چہل پہل شروع ہو جاتی تھی۔

کوئی بھی آنے جانے والا اس سے اس کے یہاں بیٹھنے کی وجہ نہ پوچھتا تھا۔ کیونکہ المیر خلیل کو اِشفا امین کے گھر کے باہر کرسی لگا کر بیٹھنے کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ حق رکھتا تھا۔

"وہ میں..." اس نے لب کھولے۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ دکھ جانے پر بہانا کیا بنائے گا۔ "... میری بائیک پاس میں خراب ہو گئی تھی۔ تو.. تو میں نے سوچا یہاں تھوڑی دیر آرام کرلوں جب تک کہ بائیک ٹھیک نہیں ہو جاتی۔"

یہاں راحم ہوتا اس قدر عجیب بہانہ گڑھنے پر اس سے رشتے ناطے توڑ لیتا۔ نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کرلیں اور دل میں دعا کرتا رہا کہ اُسے بس اس بہانے پر یقین آجائے کسی بھی طرح۔ "تو ادھر بیٹھ کر آرام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ گھر کے اندر آجاتے۔"

وہ قدرے پریشانی سے اُسے دیکھے گئی۔ چہرہ مرجھایا سا تھا۔ آنکھیں اتری ہوئی تھیں۔ "گھر کے اندر کیسے آتا؟ تم سو رہی تھیں۔ گھنٹی بجاتا تو تم جاگ جاتیں۔"

"کم از کم آپ کو باہر تو نہ بیٹھنا پڑتا۔ لیکن آپ اتنی رات گئے اس ایریا میں کر کیا رہے تھے جو بائیک خراب ہو گئی؟"

"وہ میں...ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔" جب الفاظ زبان سے نکل گئے تو احساس ہوا کہ کتنی بڑی غلطی کر گیا تھا۔

"تو دوست کے گھر ہی آرام کر لیتے..." کن اَکھیوں سے مقابل کے چہرے کو دیکھا۔"..کم سے کم بہانے تو ایسے بنائیں کہ مجھے افسوس نہ ہو۔ چلیں آجائیں اندر۔" پھر ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"مہوین ابھی تک اٹھی نہیں؟"

آواز پر وہ پیچھے پلٹی۔"اُسے چالیس منٹ تک اٹھاؤں گی۔ کل بہت تھک گئی تھی بے چاری۔"

"اچھا۔ میں ہاتھ دھو لوں؟" پانی کے نل کی طرف اشارہ کیا۔ اوہ تو المیر خلیل کو اجازت بھی مانگنے آتی تھی۔ "نہیں... یہاں پانی بہت ٹھنڈا آتا ہے اس وقت۔ آپ میرے کمرے کے باتھروم سے جا کر ہاتھ دھو لیں۔"

"نہیں.. خیر ہے.. ادھر سے ہی دھو لیتا ہوں۔" نل تک آیا پھر پانی کھول کر ہاتھ نیچے کیے تو پہلے سے ٹھنڈے ہاتھ برف کی مانند محسوس ہوئے۔ اس نے فوراً پانی کے نیچے سے ہاتھ ہٹا لئے۔ "ٹینکی میں سیاچین آباد ہے؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ ہنسی پھر اس تک بڑھی۔ "لائیں ہاتھ دیں.." اپنے دونوں ہاتھ اُس کے آگے کیے تو اُس نے چونک کر اُس پر نظروں کو اٹھایا۔ پھر بنا کچھ بولے دونوں ہاتھ آگے کر دیے۔

پتلی نازک سی انگلیوں نے اُس کی ہتھیلیوں کو چھوا۔ اُس کی بیوی کے ہاتھ اُس کے ہاتھوں کے مقابلے میں کافی گرم تھے۔ پھر اُس نے اُس کے دونوں ہاتھوں کو اوپر نیچے سے اپنے ہاتھوں میں قید کر لیا۔

اُس نے ان سے نظریں ہٹا کر ان شہد رنگ آنکھوں والی اپنی بیوی کو دیکھا۔"اگر یوں ہی میرے ہاتھوں کو تھامے رکھو گی تو... گھر کیسے جاؤں گا؟"

اس نے اوپر دیکھا... پھر بہت ہی میٹھی سی مسکان چہرے پر در آئی۔المیر کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ اس لڑکی کو کیسے بتاتا کہ وہ کیا تھی اس کے لیے۔

"ابھی تو آئیں ہیں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"خود نہیں جاؤں گا تو تم مجھے نکال دو گی۔"ایسے کہا جیسے پورا یقین ہو کہ وہ ایسا کر کے رہے گی۔"اطمینان رکھیں۔میں آپ کو کہیں سے اور کبھی نہیں نکالوں گی۔"

"اگر ڈانٹنے لگا تو بھی نہیں نکالو گی؟"اب اپنی عادت سے بھی واقف تھا۔

"ڈانٹنے کے بعد جب میں روٹھ جاؤں گی تو منائیں گے ؟" چہرہ ذرا سا اوپر کیا۔ گندمی رنگت چمکنے لگی۔ لبوں سے زیادہ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ "تم مان جاؤ گی ؟"

"آپ منائیں گے تو مان جاؤں گی۔" پھر دھیرے سے اس کے ہاتھوں پر سے اپنی گرفت ہٹا لی۔ برف جیسے اس کے ہاتھوں کے ساتھ پتھر جیسا دل بھی لمحے بھر میں موم ہو گیا۔ وہ اس کے معاملے میں ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ ہوا کے رُخ بدلتے ہی پگھل جاتا تھا۔ اور اُسے اس کے لئے پگھلنا اچھا لگتا تھا۔

"چائے پئیں گے ؟" دو کپ ریک سے اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھے۔ ایک اپنا کپ جو کہ ہلکے بھورے رنگ کا تھا۔ کچھ ہی روز قبل خرید کر لائی تھی۔ اور دوسرا کپ سفید تھا۔ جو کہ کافی چھوٹا تھا۔ چونکہ مہوین کا کپ فریج میں پڑا تھا۔ اس لئے اس نے چھوٹے کپ میں ہی چائے ڈالنا شروع کر دی۔

"تم دو گی تو پی لوں گا۔"

دونوں کپ ٹرے میں رکھے اور پھر ٹرے پیچھے رکھی میز پر۔ جس کے اطراف میں دو کرسیاں آمنے سامنے پڑی تھیں۔ اپنا کپ اس کے سامنے کر دیا اور چھوٹا کپ اپنے سامنے۔ "تم اتنے سے کپ میں چائے پیتی ہو؟" کپ کو اٹھا کر دیکھا۔

"نہیں.. یہ تو فالتو ہے۔ میرا کپ تو وہ ہے جو آپ کے سامنے رکھا ہے۔" دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھے۔ المیر نے ایک ابرو بلند کی پھر کپ واپس رکھ دیا۔ "تو تم نے اپنا کپ مجھے کیوں دے دیا؟ میں تو کسی میں بھی پی لوں گا۔" اس کی طرف اشارہ کیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"کپ کس کا ہے؟ میرا۔۔ اور یہ سُرمئی آنکھوں والا اکڑو انسان کس کا ہے؟ میرا۔ تو میری مرضی۔" آنکھیں سکور کر اُسے گھور کر دیکھا۔

ایک تو جب یہ لڑکی آپ کہتی تھی تو دل کے اطراف میں کھڑی کی ہوئیں دیواریں ہلنے لگتی تھیں۔ "میں تو صرف تمہارا۔" ذہن میں سوچ پایا تھا۔ زبان کہاں دل کا ساتھ دیا کرتی ہے؟

کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ چائے تو واقعی مزے کی تھی۔ بالکل ویسی جیسی وہاج کے ساتھ گھر میں پہلی دفعہ آیا تھا تو اس نے پی تھی۔ "سوری... وہ میں نے پراٹھا نہیں بنایا۔ مجھے... مطلب.. بنانے نہیں آتا۔ مطلب کہ..."

"کوئی بات نہیں۔ میں ویسے بھی سحری میں اکثر صرف چائے ہی پیتا ہوں۔" ایک ہاتھ سے پیشانی پر آئے سیاہ بال پیچھے کھسکانے چاہے جب اِشفا کی اُس دن والی بات یاد آ گئی۔ تو ہاتھ ہوا میں رک گیا۔ پھر دھیرے دھیرے پہلو میں گرایا۔ پھر چہرہ دوسری سمت میں کر کے کاؤنٹر پر دھری کیٹل کو دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

تو مطلب اس نے چائے کیٹل میں بنائی تھی۔

"وہ میں.. کوکنگ نہیں کرتی۔ یعنی.." اُسے کیٹل کو دیکھ کر سوچ میں ڈوبے پایا تو فوراً تفصیل بیان کی۔ "تو تم بھی صرف چائے ہی پیو گی... ساتھ میں اور کچھ نہیں کھاؤ گی؟"

"بسکٹ ہیں ناں۔۔آپ کھائیں گے ؟"پھر کرسی سے اٹھنے لگی تو المیر اس سے پہلے کرسی دور کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔"بیٹھ جاؤ.."پھر فریج کی طرف گیا۔اُسے کھول کر اس میں سے دو انڈے نکالے۔کاؤنٹر پر رکھے۔پھر اِشفا کی طرف پلٹا۔"آٹا بھی یہیں ہے؟"رُخ آگے کر کے ذراسا جھک کر فریج کے خانوں میں نظریں پھیرنے لگا۔

"آپ آٹے کا کیا کریں گے ؟"وہ پریشان سی ہوتی اٹھی پھر اس کے پیچھے آن کھڑی ہوئی۔

"بریانی بناؤں گا..."ایک لال ڈھکن والا باؤل نکالا۔پھر کھولا تو آٹے کو اسی میں پایا۔

اس کا ہاتھ آٹے کی طرف جاتا دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔ہلکی سی آگے کو ہوئی اور باؤل کو ہاتھ مار کر اس کی پہنچ سے دور کر دیا۔"رہنے دیں..ہاتھ جلا لیا تو مجرموں کو کون پکڑے گا؟"

"مجرموں کی طرف سے ناکام لوٹا تو معافی ہو جائے گی۔لیکن تمہاری طرف سے لَاپرواہی برتی تو معافی کا طلب گار نہ اس جہاں میں اور نہ ہی اُس جہاں میں ہو پاؤں گا۔"پھر باؤل کو قریب کر کے اس میں سے ذرا سا گندھا ہوا آٹا لیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پھر بیلنے سے اُسے گول کر کے توے پر ڈال دیا۔چند لمحے وہ ویسے ہی پڑا رہا پھر پر اٹھے کو انگلیوں سے الٹا کیا۔وہ تو اتنے تعجب سے اُسے یہ کام اس قدر مہارت سے کرتے ملاحظہ فرما رہی تھی۔

"دیکھو میں تمہارے لئے ناشتہ بنا رہا ہوں۔ایک تھینک یو تو بنتا ہے۔"ایک نظر ساتھ کھڑی لڑکی پر ڈالی جو کہ پریشان حال ہوتی اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔جو کہ اگلی روٹی گول کرنے میں مگن تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تھینک یو..."

"نہیں یہ والا تھینک یو نہیں چاہیے مجھے.."ساتھ میں توے پر رکھا پراٹھا پھر سے الٹا کیا۔"تو پھر کون سا چاہیے؟"

"تھینک یو کی جگہ.. مجھے میرے نام سے پکارو۔"اس کے منہ سے اپنا نام سننے کی خواہش وہ برسوں سے اپنے دل میں دبائے بیٹھا تھا۔ یہ لڑکی جب بھی اُسے پکارتی تو کبھی ایس ایچ او تو کبھی آفیسر کہنے لگتی تھی۔

"آفیسر..آپ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔"

"میرا نام آفیسر تو نہیں ہے.."شکوہ کناں نظروں سے اُسے دیکھ کر پراٹھا پلیٹ میں نکالا پھر دوسرا ڈال دیا۔"...کھانا شروع کرو۔"پلیٹ اُسے تھما دی۔

Clubb of Quality Content

وہ پلیٹ لے کر کرسی پر آرام سے بیٹھ گئی۔ایک لقمہ منہ میں ڈالا تو دل کیا واہ واہ کرنے لگے۔ اتنے سالوں میں پہلی مرتبہ اتنا گول اور صحیح سلامت پراٹھا نصیب ہوا تھا۔ورنہ مہوین جلا دیتی تھی۔ہاں البتہ وہ ہانڈی بہت اچھی بناتی تھی۔

"ویسے آپ کی بیوی بہت خوش قسمت ہو گی۔"

"وہ کیسے؟" چہرہ موڑ کر مسکراتی ہوئی اِشفا کو دیکھا۔ جو مزے سے آنکھیں بند کر کے ایک ایک لقمہ پر ہاتھ ہوا میں ہلاتے واہ واہ کر رہی تھی۔

"اس کو آپ جیسا شُگر شوہر ملے گا۔" اس نے دوسری پلیٹ میز پر رکھی اور اس کے ساتھ ہی دو فرائیڈ انڈے بھی۔ پھرتی کے ساتھ سارا کام نپٹا لیا تھا۔

وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "خوش قسمت تو میں ہوں۔ جسے تم ملی ہو، اِشفا امین..." دل میں سوچتے ہوئے انڈے کی پلیٹ اس کے آگے کی۔

Clubb of Quality Content!

وہ دونوں پھر خاموشی سے ناشتے میں مشغول ہو گئے۔

"میں بینک روڈ گیا تھا تم پر ہوئی واردات کی تحقیق کرنے... لیکن کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ وہاں کسی نے بھی اُس واقعے کی تصدیق نہیں کی۔ پھر میں اُس سڑک پر گیا جہاں تمہارے ساتھ یہ سب ہوا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ اُس سڑک پر تو کسی کا بھی اتنا آنا جانا نہیں ہوتا... تمہیں کچھ اور یاد ہے جو میری انہیں ڈھونڈنے میں مدد کرے؟"

اس نے بات کی نفی کی۔ "یاد ہوتا تو آپ کو پہلے ہی بتاتی۔ کیمرا ابھی وہاں نہیں تھا کوئی ورنہ شاید ابھی تک وہ ڈاکو پکڑے گئے ہوتے۔ لیکن خیر ہے کوئی بات نہیں..." وہ مسکرا دی۔

المیر "ہوں" کہتا پراٹھے کی طرف دیکھنے لگا۔

تین بج کر چالیس منٹ گھڑی پر بج رہے تھے۔ وہ گھر سے نکلنے لگا تو وہ پیچھے سے بولی۔ "آئندہ اگر مجھے اس ناشتے کی ضرورت پڑی تو آپ آئیں گے؟"

وہ دھیرے سے پلٹا.. دایاں ہاتھ سینے پر رکھا۔ "خادم حاضر ہے.. صاحبہ۔ آپ بس حکم کیجئے گا۔ اللہ حافظ۔" کہتے ہوئے نکل گیا۔ وہ پیچھے کھڑی مسکرانے لگی۔

بھوری شلوار قمیض میں وہ ہمیشہ کی طرح بے حد خوبصورت اور بے حد شرارتی لگ رہا تھا۔ شرارتی نگاہ کبھی کسی پر تو کبھی کسی پر ڈالتا۔ کوئی شبہہ نہیں تھا کہ اگر وہاج ایسی تربیت کا مالک نہ ہوتا تو شاید گھر کے لوگ عالیہ کے دکھ میں مر ہی جاتے۔

گھر کے سب لوگ ہال میں ہی بیٹھے تھے۔ خلیل محمد نے سفید رنگ اور المیر نے سُرمئی رنگ پہن رکھا تھا۔ سیاہ گھنگریالے بال ماتھے کی زینت بنے ہوئے تھے۔ جبکہ آئمہ خلیل نے سیاہ رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں سونے کی دو دو انگھوٹیاں اور کلائیوں میں سونے کے کنگن لش لش کر رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

وہاج کے ہاتھوں میں ایک سیاہ رنگ کا پیکیج اٹھایا ہوا تھا۔ وہ پیکیج کو الٹاتا اس پر درج نام پڑھنے کی کوشش میں تھا۔ "آئمہ ریحام خلیل... آپ کے نام کسی کا لو لیٹر آیا ہے۔"

مسکراتے ہوئے نزدیک آیا اور ماں کو وہ تھما دیا۔ سب اس پیکیج کی طرف متوجہ تھے لیکن المیر خلیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہاج کو کب سے دیکھے جا رہا تھا۔

آئمہ ریحام خلیل۔

ریحام۔

ذہن ماؤف سا ہونے لگا۔ چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں جگہ بنانے لگیں۔اس کی سوتیلی ماں کا ایک بیچ والا نام بھی تھا۔ وہ اس بات سے کیوں کر بے خبر رہا؟ آج سے پہلے تو کسی بھی پارسل پر ان کا پورا نام نہیں آیا تھا۔ شاید اس لئے کہ جب بھی کچھ آنلائن بک کرواتی تھیں تو المیر یا وہاج کا نام ڈال دیتی تھیں۔

ان کا نام ریحام تھا۔ کیا ایسا ممکن تھا کہ وہ نرس....؟ نہیں نہیں ایسا کیسے ممکن ہو سکتا تھا..!اس کی سوتیلی ماں اس کی سگی ماں کی قاتلہ کیسے ہو سکتی تھی؟

اس نے سر جھٹکا۔ کیا ہو گیا تھا اُسے۔ کہاں کی بات کہاں جوڑ رہا تھا۔ ریحام تو کسی کا بھی نام ہو سکتا ہے۔

Clubb of Quality Content

وہ ہڑ بڑاتے ہوئے اٹھا۔ "و جی۔۔ چلو راحم آگیا ہے باہر۔"

ایجنٹ سیون اور ایجنٹ ون کسی نامعلوم مکان میں موجود تھے۔ مکان جس مقام پر واقعہ تھا وہاں پر ارد گرد پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ سبزیاں جگہ جگہ اگی ہوئی تھیں۔ اسلا آباد میں شام کے وقت کا آسمان گہرے نارنجی رنگ میں ڈھل جایا کرتا تھا۔ ٹھیک آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ سورج ڈوبنے کا منظر قابلِ تعریف تھا۔

وہ دونوں جہاں بیٹھے تھے وہاں سامنے ہی کھڑکی سے سورج صاف نظر آ رہا تھا۔ ایجنٹ ون نے ایجنٹ سیون کو دیکھا جو کہ گود میں لیپ ٹاپ رکھے کچھ سننے کی کوشش میں مگن تھا۔ "کیا دیکھ رہے ہو؟"

اس کا دھیان آواز پر منتشر ہوا تو اُس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔"دشمن ہماری سوچ سے بھی زیادہ تیز ہے، ایجنٹ۔ خلیل منزل میں لگائے گئے مائکروفونز سے ابھی تک کوئی بھی کام کی بات نہیں سننے کو ملی۔"

"لیکن ہم تلاش کیا رہے ہیں، سیکنڈ باس؟"ایجنٹ سیون نے بازوؤں کی آستینیں فولڈ کیں پھر جیب سے سگریٹ کی ڈبی نکال کر ایک سگریٹ جلایا۔

"رمیض جابر نے ہمیں صرف ایک قتل کی جانکاری فراہم کی تھی۔ نفیسہ کے۔ لیکن باقی تین کس کے۔۔ کب اور کہاں ہونے ہیں.. کوئی نہیں جانتا۔"اس نے سگریٹ کو ہونٹوں سے لگایا۔

"تو ہم نے اس لئے مائکروفون اور کیمرے لگائے تھے ان کے گھر میں؟"ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور اس پر اپنے بازو۔

"کیمرے تو اس لئے لگائے تھے کہ آنے جانے والوں پر گہری نظر رکھ سکیں۔ رہی بات مائکروفونز کی تو.. ہاں جب رمیض سے مطلوبہ جواب نہیں ملا تو باس کو ایک یہی راستہ دکھا۔" ایش ٹرے میں سگرٹ جھاڑا۔

"لیکن چونکہ دشمن کے راز ہمارے ہاتھ نہیں آ پا رہے تو اب ہم کیا کریں گے؟" اس نے ابرو بالا کی۔

"باس کے پاس بیک اپ پلانز ہمیشہ رہتے ہیں۔ جگاڑ کہیں ناں کہیں سے لگ جائے گا۔" ایک نگاہ سامنے کے منظر پر ڈالی اور پھر کلائی میں بندھی گھڑی پر۔

رات کا کوئی پہر تھا۔ سنسان سڑکیں۔ گھنے درخت اور لہروں سی بہتی ہوا اس سوسائٹی کو گردو گرد سے گھیرے ہوئی تھی۔ کہیں بہت دور سے ٹرک کے ہارن کی آواز کانوں میں پڑ رہی تھی۔ تو کہیں سے کسی لاٹھی کی آواز آرہی تھی جیسے کوئی آسوں پر چل رہا ہو۔

علیم رضا کے گھر کے سامنے واقعہ خلیل منزل سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گارڈز ہمیشہ کی طرح اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ لیکن یہ وہ گارڈز نہیں تھے جو آج سے ایک مہینہ پہلے یہاں دکھتے تھے۔ انہیں نوکری سے نکال کر نئے اور اعتماد کے قابل چار گارڈز کو المیر نے ایک ایجنسی سے ہائر کیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ شخص اس وقت ایک کمرے میں کھڑا تھا۔ کھڑکی سے اس کا سراپا صاف آنکھوں میں پڑ رہا تھا۔ الماری کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ وہ اس کے اندر جگہ جگہ ہاتھ مار رہا تھا۔ جیسے کچھ تلاش رہا ہو۔

جب نچلا حصہ اچھے سے جانچ لیا تو ہاتھ اب اوپر کی طرف بڑھائے۔ اوپری جگہ ہاتھ لگا تو اُسے لکڑی اکھڑی اکھڑی محسوس ہوئی۔ ایک مضبوط جھٹکا اور لکڑی کا چھوٹا سا حصہ زمین پر آ گرا۔

اس نے اُسے نظر انداز کرتے الماری کے اندر جھانکا۔ جہاں سے لکڑی غائب ہوئی تھی وہاں کچھ موجود تھا۔ کیا تھا وہ؟

ہاتھ بڑھا کر وہ چیز نکال لی۔ بھورے غلاف والی ڈائری اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ قدرے حیرانی سے وہ اُسے دیکھے گیا۔ ڈائری کا پہلا صفحہ موڑا تو اس سمیت اگلا صفحہ کسی بھی لکھائی سے خالی تھا۔ اس نے الجھتے ہوئے سارے اوراق پلٹائے۔ تب جا کر اس کی اس ایک صفحے پر نظر ٹھہری۔ جو نسبتاً سرخ اِنک سے لتپت تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُس صفحے کے بالکل بیچ میں بڑا بڑا ایک نام درج تھا۔ اور اس کے عین نیچے کسی جگہ کا پتہ۔ یہ سب اس نے کب اور کیوں لکھا ہو گا؟

سوالوں کی کشتی سے نکلتے اس نے ڈائری کو اپنی پینٹ میں پھنسا لیا۔ پھر نیچے جھک کر لکڑی اٹھائی اور واپس الماری میں لگا دی۔

"راحم؟" المیر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے برق رفتاری سے پٹ بند کیے اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "آ گیا بس۔"

عید گزر چکی تھی۔ تاریخ چار اپریل تھی۔ موسم خوش گوار تھا۔ خاکی رنگ کی عمارت کے ارد گرد رکھے گملوں میں لگے پودے ہوا سے ہل جل رہے تھے۔ لوگ عمارت سے اندر باہر ہو رہے تھے۔ معمول کے مطابق چہل پہل اور انسانوں کی بھیڑ بھاڑ آج بھی یونیوز میں زیادہ تھی۔

سُفید اور گہرے نیلے رنگ کے امتزاج کی شلوار قمیض میں ملبوس اس نے اپنے لمبے گھنگریالے بال پونی میں قید کر رکھے تھے۔ پچھلے مہینوں کی نسبت اس کے بال اب کمر سے مزید نیچے تک آتے تھے۔

سرخ رنگ کا پین بالوں میں پھنسائے وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔اس کے سامنے ہی مومن اپنی نشست سنبھالے آواز کرتا چپس کھا رہا تھا۔پانچویں فلور پر واقعہ اس کمرے کی کھڑکی ایک آدھ منٹ کے بعد کھل بند ہو رہی تھی۔لیکن اس عمل سے پیدا ہوتی آوازیں اس کی مصروفیت میں کمی بیشی نہیں کر پا رہی تھیں۔

آرٹیکل کا اختتامی جملہ لکھتے اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا اور اس کے ساتھ ہی ٹھا کی آواز کے ساتھ لیپ ٹاپ بند کر دیا۔آج آخر کار یہ آرٹیکل اپنے انجام کو اس نے پہنچا ہی دیا تھا۔

آرٹیکل کم اور عذاب زیادہ تھا۔کیونکہ دماغ پھرے المیر خلیل پر جو لکھ رہی تھی۔اس کے حل شدہ کیسز کی پیچیدگیاں کبھی دور نہ ہو تیں۔اگر راحم اس کی مدد نہ کرتا۔

ابھی اس نے پر سکون ہوتے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ گردن موڑ کر دیکھا تو احمد مرزا داخل ہو رہے تھے۔ہمیشہ کی طرح سوٹ میں ملبوس وہ شخص بارعب شخصیت لئے ہوئے تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہ تعظیماً کرسی سے کھڑی ہوگئی۔ لیکن احمد مرزا منظر سے دھیرے دھیرے ہٹ رہے تھے۔ ان کا سراپا دور ہوا تو ایک شخص منظر عام پر آیا۔ ایک لڑکا۔ جسے اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کے سیدھے بھورے بال تھے۔ جو کہ سفید روشنی میں سنہری بھانپ دے رہے تھے۔ آنکھیں ہلکے بھورے رنگ کی معلوم ہوتی تھیں۔ رنگت دودھیا تھی۔ قد اونچا تھا۔ دکھنے میں تو اٹھارہ سے بیس کا معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ خضر ہے۔ آج سے تم دونوں کے ساتھ کام کرے گا اور اسی کمرے میں بیٹھے گا۔" بس اتنا سا تعارف؟ دماغ میں سوالوں کی بوچھاڑ ایک ساتھ ہونے لگی۔

وہ کہہ کر نکل گئے تو اشفاان کے پیچھے پیچھے باہر آئی۔ "سر انٹرنشپ کا وقت تو نکل گیا ہے۔ پھر یہ...؟"

وہ دونوں شانہ بشانہ چل رہے تھے۔"یہ میرے دوست فلک کا کرائے دار تھا۔رحیم یار خان میں۔سال پہلے کالج ختم ہوا ہے اس کا۔جرنلزم کا شوق رکھتا ہے تب ہی فلک نے اسے یہاں بھیج دیا۔"

"رحیم یار خان سے یہاں اتنی دور اکیلے آیا ہے؟"وہ اب اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر بڑھ رہے تھے۔کمرے کی بتیاں پہلے سے روشن تھیں۔اپنی کرسی سنبھالی تو وہ بھی مخالف کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہاں۔اٹھارہ سال کا ہے۔آگے پیچھے کوئی ہے نہیں۔بقول فلک کے کچھ رشتے دار کبھی کبھی ملنے آتے تھے پر اب قریب دو سال ہونے کو ہیں کوئی نہیں آیا۔ڈگری ہے نہیں اور پیسے کہاں سے کمائے کہ ڈگری کر سکے؟اس لئے اس نے بڑی منت سماجت کر کے اسے یہاں بھیجا ہے۔"

"یہاں کس کے پاس رہے گا؟"

"میرے پاس۔اپنی سوسائٹی میں ہی۔تم تو جانتی ہو میرے بیٹے کے علاوہ میرا کوئی ہے نہیں۔اور وہ بھی ملک سے باہر ہے۔اس لئے میں نے سوچا اس کو ساتھ ہی رکھ لوں۔اس طرح اسے کرایہ بھی ادا نہیں کرنا پڑے گا اور میرا دل بھی لگا رہے گا۔تھوڑا خاموش طبیعت کا ہے۔سوسائٹی کے بچوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے گا تو اچھا رہے گا اس کے لئے۔"

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔پھر جیسے کسی سوچ کی روشنی اجاگر ہوئی۔"اور کوئی بات جو مجھے اس کے بارے میں پتا ہونی چاہیے ہے؟"

"کچھ خاص نہیں۔بس تم اس کا دھیان رکھنا۔اگر کوئی غلطی کر دے تو در گزر کر دینا۔"

اشفا واپس کمرے میں آئی تو مومن اپنی کرسی پر موجود تھا جبکہ خضر ویسے ہی کھڑا تھا جیسے وہ اُسے چھوڑ کر گئی تھی۔"مومن جاؤ کرسی لے کر آؤ۔"

وہ گیا تو اشفا اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ دو منٹ کے بعد کرسی لے کر آیا تو اشارہ کیا کہ میز کی دائیں طرف رکھ دے۔ کیونکہ میز کے آر پار اشفا اور مومن کی کرسیاں تھیں۔ جو کہ مخصوص نہیں ہوتی تھیں۔ کبھی کوئی اس پار رکھی پر بیٹھ جاتا تو کبھی اُس پار۔

"بیٹھ جاؤ۔" خضر کو دیکھ کر کہا۔ اس نے مہندی رنگ کی پینٹ پر خاکی رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ پہلو میں گرائے اپنے ہاتھوں کو تکنے لگا۔

چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کافی گھبرایا ہوا تھا۔ شاید شہر کی تبدیلی نے اُسے ہلا دیا تھا۔ کیونکہ تھا تو وہ ایک بچہ ہی۔ بیشک اٹھارہ برس کا ہو۔

Clubb of Quality Content

اشفا جانتی تھی اُسے اس کو کیسے ٹرین کرنا ہے۔

خضر اور مومن کو کام پر لگا کر وہ کمرے سے باہر آئی۔ کافی لینے کے لیے۔ دوپٹہ ڈھیلا سا سر پر ٹکا رکھا تھا۔ قدم قدم چلتی کچن کے پاس آرکی۔ جہاں دو لوگ کچن کی شیلف سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ وہ دونوں اسی فلور پر کام کرتے تھے۔ اکثر اشفا کی آتے جاتے ان سے سلام دعا ہو جاتی تھی۔

ایک سوال تھا جو صبح سے بلکہ نہیں پچھلے تین دنوں سے اس کے ذہن کے ایک گوشے میں محفوظ سا ہوا بیٹھا تھا۔ جیسے بس زبان پر آنے کی تاک میں ہو۔ مطلوبہ بندے کو دیکھتے ہی اس کی زبان چلنے کے درپے ہوئی۔ "آصف بھائی... آپ کچھ بھول تو نہیں رہے؟"

Clubb of Quality Content

آصف جو کہ چائے بنا رہا تھا پیچھے پلٹا۔ "سر نے کوئی کام کہا تھا کیا مجھے؟" پریشان حال ہوتے وہ چائے کی دیگچی سے دور ہٹا۔ اشفا نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں... کچھ اور۔ ذہن پر زور ڈالیں۔" ان دونوں کے نزدیک کھڑی مس سمرین بھی گہری سوچ میں پڑ گئیں۔ کیا بھول رہے تھے وہ؟

کچھ دیر سوچنے کے بعد دونوں نے شانے اچکا دیئے۔اس نے بھنویں تنگ کرتے دونوں کو گھورا۔"جو کام آپ سب پچھلے چار پانچ سالوں سے کرتے آرہے ہیں۔وہ اس سال کیسے بھول گئے؟"

ان دونوں نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔"مطلب؟"مس سمرین الجھیں۔

"آپ سب ایک اپریل سے سات اپریل تک مجھے ازالیہ کے گلدستے دیتے ہیں ناں۔اس دفعہ کیوں نہیں دیئے؟کوئی ناراضگی ہے کیا؟"ہاں وہ ازالیہ نہ ملنے پر چند روز سے بہت پریشان تھی۔پہلے تو اس نے اپریل کی ابتدائی تاریخوں میں اس بات کو اس لئے جانے دیا کہ شاید عید کی چھٹیاں تھیں۔لیکن جب آج بھی اُسے پھول نہ ملے تو وہ اضطراب کا شکار ہوگئی۔اُسے لگنے لگا کہ شاید اسی سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔

"ارے وہ ہم تھوڑی دیتے ہیں۔وہ تو الم۔"جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی زبان بند ہوگئی کیونکہ مس سمرین آصف کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھیں۔

"جی؟"

"وہ.. وہ اشفا۔۔اصل میں ازالیہ آؤٹ آف اسٹاک ہیں آج کل۔ تو ہم نے سوچا جب آجائیں گے تو تب دے دیں گے۔" مس سمرین نے بات سنبھالنی چاہی۔

"اوہ اچھا۔" وہ مسکرائی۔ چلو شکر ہے کہ کوئی اس سے ناراض نہیں تھا۔

لیکن اب اس کو کون بتاتا کہ جس نے حقیقتاً ازالیہ دینے تھے وہ اس دفعہ ارادہ بدل چکا تھا۔

Clubb of Quality Content!

اسی روز کی ایک پیلی اور ہلکے نارنجی رنگ کی شام اتری تو دونوں پولیس آفیسرز خلیل منزل میں موجود تھے۔ ایک نے بھوری شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور دوسرے نے کریم کلر کی۔

ایک نہایت ہی پیچیدہ کام کو سر انجام دینے وہ دونوں گھر کا کونا کونا چھان رہے تھے۔اپنے گھر پر ایجنٹ کی طرف سے ہونے والے حملے کو المیر ابھی تک ذہن میں بسائے بیٹھا تھا۔

ایجنٹ کے اس کے گھر میں گھسنے کے ایک روز بعد ہی المیر نے الارم کا سسٹم تبدیل کروایا تھا۔ گھر کی کچھ مخصوص جگہوں کو چیک بھی کیا تھا۔اُسے کھٹکا تھا کہ ہو سکتا ہے ایجنٹ جاتے جاتے کوئی کیمرا لگا گیا ہو۔ لیکن کوئی ثبوت نہ ملا تو اس نے ہتھیار پھینک دیئے۔

لیکن کچھ روز قبل ہی راحم اور المیر کی بات چیت کا موضوع ایجنٹ ایلیون بنا تو راحم نے اُسے مشورہ دیا کہ کیوں ناں وہ دونوں مل کر اس کے گھر کو اچھے سے چیک کریں؟ المیر فوراً مان گیا۔ لیکن کچھ دنوں سے مسلسل مصروفیات کے باعث وہ وقت نہ نکال پا رہے تھے۔آج ہی ان دونوں کو یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچانے کا موقع ملا تھا۔اور دوسری طرف آج گھر کے باقی افراد بھی کسی کام کے تحت گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔

جب ہر ایک چیز۔۔میز سے لے کر بستر تک۔بستر سے لے کر صوفوں تک پر کھلی تو دونوں تھک ہار کے بیٹھ گئے۔کچھ بھی ہاتھ نہ آیا تھا۔

"تھک گیا میں تو یار۔اب تو چائے کا ایک گرما گرم کپ ہونا چاہیے۔"

"وہ رہا کچن۔۔"دائیں طرف اشارہ کیا۔"۔۔میرے کپ میں دودھ زیادہ اور چینی ایک چمچ ہونی چاہیے۔"

سبز آنکھیں سکور کر دوست کو دیکھا۔"فری کی ماسی بن کر گھر کا کونا کونا چھانا ہے۔یہ نہیں کہ کھانے کا پوچھو۔۔الٹا مجھے ہی چائے بنانے کا حکم صادر کر دیا۔"

"ماسی صاحب، اٹھیں اور چائے بنائیں۔باتیں نہیں۔"راحم منہ موڑ کر بیٹھ گیا۔

ابھی اس نے چہرہ دائیں طرف کیا ہی تھا جب اس کی نظر کچن سے باہر کی طرف ہال میں لگے ایک بلب پر پڑی۔"نیا لگوایا ہے؟"

وہ اس کی بات کی طرف متوجہ ہوا۔"ہاں۔گھر کے دو تین بلب خراب تھے تو بابا نے سب ہی بدلوا دیئے۔"

وہ جملے ادا کر کے سر ٹیکا گیا۔آنکھیں بند کر لیں جب پھر سے اس کی آواز آئی۔"المیر؟"

"ہوں؟"

"میری آنکھیں خراب ہیں یا سچ میں اس بلب میں سے لال روشنی نکل رہی ہے؟"اس نے جھٹکے سے گردن اس طرف کی۔آنکھیں تنگ کیں تو اٹھ بیٹھا۔

یہ کیا ماجرا تھا؟

دونوں ایک ایک کر کے کھڑے ہوئے اور پھر بلب کے نزدیک پہنچے۔راحم کا قد چونکہ المیر سے اونچا تھا اس لئے اس نے با آسانی اُسے چھو لیا۔پھر اُسے گھما کر اتارا۔

(کرسی پر بیٹھا ایجنٹ ایلیون ان دونوں کی تمام ترکارستانیوں کو ملاحظہ فرمارہا تھا۔ہال میں لگے مائکروفون سے اُسے ان سمیت آس پاس کی ہر آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ لیکن دماغ تو اس کا تب گھوما جب اس نے راحم کا شک بلب کی طرف جاتے پایا۔اب سُرمئی رنگ آنکھوں والا کوپ بلب نما کیمرے کو ہاتھ میں لئے الٹا رہا تھا۔ جانچ رہا تھا۔)

دیکھنے سے ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے چار جنگ والے بلب ہوں۔ جو کہ ہاتھ میں آنے کے باوجود کام کر رہے تھے۔

"لائٹ تو یہاں سے نکل رہی ہے۔"اس نے لال روشنی والے حصے پر اپنی ایک آنکھ رکھ لی۔

(ایجنٹ ایلیون کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔اس کی سُرمئی آنکھ ایک دم صاف شفاف نقشہ کھینچتی کمپیوٹر کی اسکرین پر ابھر چکی تھی۔اس نے گن کے ارد گرد اپنے ہاتھ مضبوط کر لئے۔)

المیر نے اسے آنکھ سے دور کیا۔ہاں اس کے بیچ میں کیمرا ہی تھا۔کسی نے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔اس کے گھر والوں پر اور گھر پر بھی۔ لیکن ایسا کون کر سکتا ہے؟ پتا نہیں کب سے کوئی

ان کی ایک ایک حرکت پر آنکھیں لگائے بیٹھا تھا۔اور اس سے زیادہ حیران کن بات تو یہ تھی کہ آج سے پہلے اس لال باریک سی روشنی پر اس کی نظر ٹھہری بھی نہیں تھی۔

اس نے بلب کو ہاتھ میں پکڑے رکھا اور خود ایک سمت میں چل دیا۔احتیاط سے کہیں سے ایک نیلے رنگ کا شاپر اٹھاتے اس نے بلب کو اس میں ڈال دیا۔

(ایجنٹ ایلیون نے غصے سے جبڑے بھینچ لئے۔)

اب وہ ایک ایک کر کے ہر اُس بلب کو پرکھ رہا تھا جس کا تبادلہ ہوا تھا۔ہال کے باقی تمام بلب ٹھیک تھے سوائے اس کے۔پھر اس نے کچن کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور راحم کو دوسری منزل پر بھیج دیا۔

راحم اوپر آیا تو اس نے وہاج کے کمرہ سے تفتیش کی ابتدا کی۔ہر ایک بلب کا اچھے سے معائنہ کیا۔باتھروم تک کو اچھے سے چیک کیا۔جب کمرے سے نکلنے لگا تو اس کی نظر لیمپ پر پڑی۔وہ بھی تو شک کے دائرے میں آتا تھا۔

لیمپ کو اٹھا کر اچھے سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ کیمرا تو نہیں ملا پر ایک نامانوس سی سیاہ اور خاکی رنگ کی شے اس کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ کیا تھا؟ فون سے تصویر لے کر جب انٹرنیٹ پر ڈالی تو علم ہوا کہ یہ تو مائکروفون تھا۔ یہ عام استعمال ہونے والے مائکروفون سے بہت مختلف تھا۔ اتنا چھوٹا جیسے کوئی کیڑا ہو۔

(المیر خلیل کے چھوٹے بھائی کے کمرے میں لگے مائکروفون سے آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ پہلے قدموں کی چاپ کانوں کے پردوں سے ٹکرائی اور پھر جیسے ایک دم ہی خاموشی نے اپنا تعارف کروادیا۔)

اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ منہ بھی کھل گیا۔ ایجنٹ ایلیون نے تو وہاج تک کو نہیں چھوڑا تھا۔

Clubb of Quality Content!

دوسری طرف موجود المیر کچن کے بلب کو ہاتھ میں لیے اب ماں باپ کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ بلب کو ایک طرف رکھتے اس نے ہر ایک اس چیز پر غور کیا جس سے دھیمی سے دھیمی روشنی برآمد ہوتی تھی۔

سب کچھ ٹھیک تھا۔ کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ لیکن ایک سیکنڈ یہ کیا تھا؟ وہ سنگھار میز کے اوپر دھرے نکلی پھولوں والے گلدان کی طرف گیا۔ انگلیوں کے پوروں سے ایک پھول کے بیچ چھپی ایک غیر شناسا چیز کو نکال باہر کیا۔

دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اُسے رکھتے اس نے جب اُسے ٹھیک سے جانچا تو اُسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ ایک مائکروفون ہے۔ مٹھی کے ساتھ ساتھ جبڑا بھی بھینچ لیا۔ کوئی اس کے گھر والوں کی پرائیویسی میں ٹانگ اڑا رہا تھا۔ اُسے غضب قسم کا غصہ آیا تھا۔ دل کر رہا تھا کہ وہ شخص اس کے سامنے ہو اور المیر اس کی گردن مروڑ دے۔

(ابھی تک چار کیمرے اور پانچ مائکروفون پکڑے جا چکے تھے۔اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔پشت میز کے ساتھ ٹکالی۔وہ دونوں تو اس کی سوچ سے بھی زیادہ شاطر تھے۔ ایک دماغ بہت چلاتا تھا اور دوسرا آنکھیں۔کیا مصیبت ہے!)

جب وہ لاؤنج میں آبیٹھے تو المیر نے جیب سے سیکورٹی والی کمپنی کا کارڈ نکالا تھا جو وہ اپنے والد کے کمرے سے اٹھا لایا تھا۔پھر فون میز سے اٹھایا اور نمبر ملایا۔وہیں سے خلیل محمد نے عالیہ کے انتقال سے قبل الارم سسٹم اور کیمرے لگوائے تھے۔بیل جاتی رہی پر دوسری طرف سے جواب موصول نہ ہوا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے دوبارہ نمبر ملایا۔دو دفعہ بیل گئی پھر کسی نے اٹھالیا۔"جی کون؟"دوسری طرف کوئی مرد تھا۔

"احسن اینڈ سیکورٹی کمپنی؟"

"یہ تو پاگل خانے کا نمبر ہے، بھائی صاحب۔" پھر کال منقطع ہو گئی۔اس نے فون گود میں رکھتے ایک گہرا سانس لیا۔ "کیا ہوا؟"

"پاگل خانے کا نمبر تھا۔" اس نے اداسی چہرے پر سجائی تو راحم کا قہقہہ بلند ہوا۔اتنا زور سے اور لگاتار ہنستا چلا گیا کہ پیٹ میں درد اٹھا۔پیٹ پر دونوں بازو رکھتے وہ صوفے پر اوندھا ہو گیا۔

"بس کر۔اتنی بھی ہنسنے لائک بات نہیں تھی۔" اس نے اکھڑے ہوئے انداز میں کہا تو راحم کی ہنسی میں اضافہ ہو گیا۔اب کہ سبز آنکھوں سے پانی نکلنے لگا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ال-المیر۔۔تمہیں کوئی چونا لگا گیا؟ ہاہاہاہاہا۔"

"اس میں میری کیا غلطی ہے؟ کل ہی وجی بتا رہا تھا کہ اُسے یہ کمپنی انٹرنیٹ پر ملی تھی۔تب ہی بابا نے انہیں کال کر کے بلا لیا۔اگر مجھے پہلے پتا ہوتا کہ انٹرنیٹ سے اٹھا کر بلا لیا ہے تو کبھی ان کو گھر میں گھسنے نہ دیتا۔"

جب اس کے ہنسنے میں کمی ہوئی تو سر صوفے پر سے اٹھایا۔ "ویسے یار۔۔ تمہارے مطابق ایجنٹ ایلیون تمہارے گھر میں گھسا تھا۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ جعلی کمپنی اور کیمرا والے بلب کا آئیڈیا بھی اسی کا ہو۔"

اس نے شانے اچکائے۔ "ہو سکتا ہے۔"

"وہ تمہارے پیچھے ہی کیوں پڑا ہے؟ کوئی خاص وجہ تو ہو گی۔ کہیں اُسے تم سے محبت تو نہیں ہو گئی؟" المیر نے آنکھیں گھمائیں۔ "اس کا ایک آدمی پولیس کی تحویل میں ہے۔ انہیں لیڈ میں کر رہا ہوں۔ شاید اسی لئے..."

"نہ کوئی ثبوت ہے نہ ہی گواہ۔ اس کا بندہ بھی منہ نہیں کھول رہا تو پھر تم اس تک پہنچو گے کیسے؟"

"اس نے اپنی سب سے بڑی کمزوری مجھے تھما دی ہے۔ میں نے اس کا ایک آدمی اٹھایا اور وہ میرے گھر تک آ گیا۔ اگر دو تین اور اٹھا لئے تو مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ بھی بے نقاب ہو

جائے گا۔" راحم نے دھیرے دھیرے سر اوپر نیچے ہلایا۔ پھر کچھ سیکنڈز کے لئے خاموشی طاری ہو گئی۔ "مہوین سے ملے تم؟"

"ہوں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ انھوں نے عالیہ کی کتاب دی ہے مجھے۔ بس اسی کو پڑھ رہا ہوں۔ اور کوئی لیڈ تو نہیں ہے۔ بس ایک کتاب ہی ہے جو میرے شاید کسی کام آ جائے۔"

"فائل میں اور کچھ نہیں ہے کیا؟"

"زیادہ کچھ نہیں ہے۔ المیر؟" وہ راحم کی طرف دیکھنے لگا تو اُس نے بات مکمل کرنے کے لئے منہ کھولا۔ "اشفا اور مہوین کا کوئی بھائی بھی تھا کیا؟"

وہ اس سوال کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ "ہاں۔ راحیل نام تھا اس کا۔ جب گھر میں آگ لگی تو وہ صرف چند ماہ کا تھا۔"

"کتنا قرب ناک ہو گا وہ واقعہ ان دونوں کے لئے... آج میں ان کی فائل اسٹڈی کر رہا تھا تو ہی مجھے علم ہوا کہ ان کا ایک بھائی بھی تھا۔"

"ہوں۔ تم کیس ری اوپن کرنا چاہتے ہو کیا؟"

سبز آنکھیں سامنے سفید دیوار پر مرکوز تھیں۔ "نہیں.. کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جب کوئی ثبوت ہی نہیں ہے تو میں کیس کو کھول کر کیا کروں گا؟" اندر کہیں راحم کو یقین تھا کہ ایک ناں ایک دن امین فیملی کا کیس خود با خود حل ہو جائے گا۔

Clubb of Quality Content!

"قوی بتا رہا تھا کہ تم نے عالیہ کی پچھلے چھ مہینے کی لوکیشن کی تفصیل نکلوائی ہے۔ کچھ ملا کیا؟" ایک تو اس کے اہلکار اس سے بہت وفادار تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ المیر کو عالیہ کے کیس کی پیش رفت سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُسے بتانا چاہتا تھا پر یہاں نہیں۔ اس کے گھر پر نہیں جہاں پتا نہیں کس نے مائکروفون لگا رکھے تھے۔

"ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔"اس نے اپنے اطراف میں شہادت کی انگلی گھمائی تو سمائیں سمجھ گیا۔

وہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا جبکہ المیراب سیکورٹی والی کمپنی کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے رواں دواں تھا۔

••—•◊•—••

اسی دن کی ایک تپتی رات وہ اسلا آباد کے ایک تھانے میں موجود تھا۔وہاں کا ایس ایچ او راحم کا پرانا عزیز تھا۔اس کے ذمے اس نے ایک کام لگا یا تھا۔

احسن نے ایک فائل لا کر اس کے سامنے رکھ دی۔فائل کھولی تو اُس میں چند اوراق لگے تھے جن پر فہرست بنی تھی۔"عالیہ کے فون کی لوکیشن زیادہ تران کے گھر کی ہی ہے۔لیکن ڈیتھ سے قبل چھ مہینوں تک وہ ایک ہسپتال جاتی رہی ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ تو میں جانتا ہوں۔اور کچھ ملا؟"

"ہاں۔ایک سال اور کچھ ماہ پہلے ان کا فون ایک دفعہ لاہور میں تھا۔اس کے علاوہ یہ۔۔"اس نے کاغذ پر شہادت کی انگلی رکھی۔"یہ اور یہ۔۔ایک ہی جگہ کی لوکیشن ہے۔پچھلے سال کے آغاز میں وہ جنوری،مارچ اور جون میں یہاں موجود تھیں۔میں نے لوکیشن پر جاکے دیکھا ہے۔یہ ایک درزی کی دکان ہے۔مری روڈ پر۔اسٹیچ اینڈ کلوتھنگ نام سے۔"

"مالک کون ہے اس کا؟"اس نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔"فرزین ملک۔"

"کیا اس کا عالیہ سے کوئی لینا دینا ہے؟"اس نے فائل بند کر کے میز کے کنارے پر رکھ دی۔

"ہوں۔بہت گہرا تعلق ہے۔وہ ماہِ نور خلیل کی دوست تھیں۔بچپن کی۔اور۔۔"

"اور؟"

"اور آئمہ خلیل کی کلاس فیلو بھی۔ حیران کن طور پر یہ تینوں کالج میں ایک ساتھ تھیں۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ آج سے پہلے اس بات کی بھنک تک نہیں پڑی تھی اُسے۔ کیا خلیل فیملی کے باقی لوگ اس بات سے واقفیت رکھتے تھے؟ "اور... یہ ان ورکرز کے نام ہیں جو اس دکان پر بطور درزی کے کام کرتے ہیں۔ ان میں سے یہ۔۔" اس نے ایک نام پر انگلی رکھی۔"۔۔ دسمبر میں اس دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔"

سیاہی میں رنگا بڑا بڑا **جمال احمد** کاغذ پر تیسرے نمبر پر درج تھا۔ اس نے انگلیوں کے پوروں سے پیشانی مسلی۔ جمال احمد؟ "سببِ موت؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہاتھا پائی۔ بلکہ تم تو جانتے ہو گے۔ اے ایس پی رمیض جابر کے باغیچے سے اس کی لاش برآمد ہوئی تھی۔ المیر نے ہی تو کیس حل کیا تھا۔"

ایک اور گہرا انکشاف۔ ایک اور سر پھری حقیقت۔ اتنا بڑا اتفاق کیسے ہو سکتا تھا؟ وہ جمال یہ جمال کیسے ہو سکتا تھا؟ پہلے تو اس کا دل کیا اس بات پر یقین ہی نہ کرے پر دونوں جمال میں

ایک مشترکہ بات تھی۔جمال کے کیس میں المیر کو یہی شک تھا کہ یا تو وہ خود درزی ہے اور یا تو اس کا کوئی رشتیدار۔اور یہ والا جمال بھی ایک درزی تھا۔دونوں کے آخری نام بھی ایک تھے۔

"تصویر ہے کوئی اس کی؟"احسن نے جیب سے ایک چھوٹی سی تصویر نکالی۔ہاں یہ وہی تو تھا۔یہ چہرہ ہو بہو اسکیچ والے چہرے جیسا تھا۔"یہ کیا بکواس ہے؟"

"کیا ہوا؟"

"میں نے آج سے پہلے اتنا الجھا ہوا کیس نہیں دیکھا۔"احسن نے شانے اچکائے۔"عالیہ کے فون کے علاوہ اس جگہ پر انہی تاریخوں میں آئمہ خلیل کا بھی فون موجود تھا۔"

"آئمہ خلیل..."پیشانی پر شکنیں ابھریں۔

"خلیل محمد تو بہت امیر انسان ہیں۔انہیں تو کوئی بھی اچھا درزی مل جائے۔کیا یہ بات تمہیں کچھ عجیب نہیں لگی کہ آئمہ خلیل ایک چھوٹی موٹی دکان سے کپڑے سلواتی تھیں؟"

"تھیں؟"اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"جون کے بعد وہ دوبارہ اس طرف کبھی نہیں گئیں۔ اور ایک اور بات ہے۔"

"کیا؟"

"یہ تین چکر جو آئمہ خلیل کے اس دکان پر لگے تھے۔ان کا وقت ہمیشہ ایک سا تھا۔چار بج کر پینتالیس منٹ۔جبکہ عالیہ کے پہلے دو کا بھی وقت ایک ہی تھا۔پانچ۔"

"ایک منٹ۔۔تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ عالیہ ہمیشہ ان سے پندرہ منٹ لیٹ پہنچتی تھی وہاں پر؟"اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"سی سی ٹی وی کے مطابق۔ایسے جیسے ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔کہ وہ اپنی ماں کا پیچھا کیوں کریں گی؟اور تو اور

آخری چکر پر وہ آئمہ خلیل کے وہاں پہنچنے سے ٹھیک بیس منٹ پہلے وہاں موجود تھیں۔اور مزید چالیس منٹ تک ان کا فون اسی لوکیشن پر تھا۔"

اس سوال سمیت سو قسم کے سوالات اس کے سر کے گرد طواف کر رہے تھے۔سب سے عجیب بات تو یہ تھی کہ جمال احمد کا آئمہ خلیل اور عالیہ سے کوئی ناں کوئی تعلق ضرور تھا۔

"تم اس سب کا ذکر المیر سے کیوں نہیں کرتے؟ شاید وہ کچھ جانتا ہو۔"اس نے سر نفی میں ہلایا۔"اگر آئمہ آنٹی اور جمال کا عالیہ کے کیس سے کوئی تعلق ہے تو میں فلوقت المیر سے کوئی بات نہیں کروں گا۔"ایک گہری نگاہ کاغذات پر ڈالی۔"المیر ثبوت مانگتا ہے سو میں اُسے وہی دوں گا۔"

•·—·◎◎·—·•

سات اپریل

Alleys were narrow but i was steady,

My feet were hurting, my shoes were welted,

A board was hanging screaming at me

Thru its black tongue and navy blue teeth.

جیسے ہی تاریخ بدلی اور سات اپریل کی تاریخ منظر پر نمودار ہوئی.. ہوا کا ٹھنڈا ٹھار جھونکا ہر طرف لہرانے لگا۔ وہی سرد جھونکا اس کے بالوں کو بکھیر رہا تھا۔ سر پر سیاہ ٹوپی اور ہاتھوں میں دستانے چڑھائے وہ پُر ہیبت آنکھیں لئے گہرے نیلے رنگ کے بورڈ کے پاس کھڑا تھا۔ یہ ایک تنگ، تاریک اور گھماؤ دار گلی تھی۔ گلی کے عین نکڑ پر ایک مدھم روشنی چھڑ کاتا لمبا اونچا سا سٹریٹ لیمپ کھڑا تھا۔

آس پاس کسی گھر کی کسی دیوار پر سرخ رنگ کی گھڑی ٹک ٹک کی آواز کرتی اپنی سوئیاں دوڑا رہی تھی۔ چھوٹی سوئی بارہ پر تھی اور بڑی سوئی تین پر۔ گھر نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ٹھیک اس گلی کی طرح جہاں وہ آدمی کھڑا اپنا خون سے لیز چاقو صاف کر رہا تھا۔

اُسے خون کو دیکھ کر لذت آتی تھی۔ سکون ملتا تھا۔ آنکھیں جگنو کی مانند چمکنے لگتی تھیں۔ وہ ایک نارمل انسان تھا۔ دن میں۔ اور رات میں؟ صرف ایک انسان۔

اس کے دائیں ہاتھ سے خون کی بوندیں ٹپک کر زمین پر گھیرا بنا رہی تھیں۔ بایاں ہاتھ اب چاقو کو بیلٹ میں لگا رہا تھا۔

اس نے شرٹ نیچے کی۔ اپنا بے ترتیب ہولیا سنوارا اور وہاں سے چل دیا۔ آس پاس سے صرف ایک ہی آواز آ رہی تھی۔ کسی چوہے کی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جب وہ وہاں سے نکل گیا تو بیس منٹ تک لاش یونہی پڑی رہی۔ مکھیاں اور نالی کے کیڑے اب خود میں دم ڈالتے دھیرے دھیرے اس تک بڑھ رہے تھے۔ اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا۔

یہ اس سال کا وہ دوسرا قتل تھا جو اُس نو وارد شخص سے کروایا گیا تھا۔

سات اپریل کی پہلی صبح وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ یاقوتی قمیض جو اس کے گھٹنوں تک آتی تھی اور اسی رنگ کی شلوار۔ بھورے گھنگریالے بال نفاست سے شانوں پر پھیلا رکھے تھے۔ سر پر اسی رنگ کا دوپٹہ لیا ہوا تھا۔ شہد رنگ آنکھیں کبھی سفید کاغذ پر سیاہ رنگ سے لکھے ایک لفظ پر جا ٹھہرتی تو کبھی دوسرے۔

صبح سے ہر کوئی اُسے ہیپی برتھڈے بولی جا رہا تھا۔ ہر راہ گیر اُسے کبھی ایک تو کبھی دوسری چیز تحفے میں دیتا۔ جب کوئی اُسے تحفہ دیتا تو وہ شرما کر لال ہو جاتی۔ اُسے کسی سے کچھ لینے میں ہمیشہ سے شرم محسوس ہوتی تھی۔ مسکرا کر دھیرے سے شکریہ بول دیتی۔

اب حالیہ منظر کی طرف بڑھیں تو مومن کمرے میں موجود نہیں تھا۔ البتہ خضر اس سے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھا تھا۔ آج اُسے اشفا کے ساتھ کام کرتے کرتے تین دن ہو گئے تھے۔ پر مجال تھی جو زبان سے کچھ بول لیتا۔ وہ بارہا کوشش کرتی تھی کہ وہ اس سے بات کرے پر وہ تھا کہ ہر بات کے جواب میں سر ہاں یا نہ میں ہلا دیتا تھا۔

جب کمر سیدھی کرنے کی غرض سے وہ انگڑائی لیتی ہوئی پیچھے ہوئی تو اس نے خضر کو اپنی طرف تکتا پایا۔ وہ فوراً نظریں جھکا گیا۔ اس عجیب برتاؤ پر وہ مسکرائی۔ خضر کا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ تھوک نگلتا ہوا گردن اوپر کیے گیا۔ پھر دھیرے دھیرے سر نفی میں ہلایا۔ "کچھ تو ہوا ہے۔ بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟"

وہ پھر سے سر ہلانے لگ گیا تو اس نے گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔ "اگر تم نے اب سر ہلایا تو۔۔" دھمکی آمیز لہجہ قابو میں کیا اور ٹھہر گئی۔ مقابل کی ہلکی بھوری آنکھیں چھوٹی ہو گئی تھیں۔ "۔۔تو میں۔۔ تو میں۔۔ تمہاری ذمے داری کسی اور کو دے دوں گی۔"

وہ جو ابھی اس بات پر بھی سر ہلانے لگا تھا وہیں رک گیا۔ نظریں اشفا پر سے ہٹ کر پہلو میں جا گریں۔ پھر دھیرے سے دونوں ہاتھوں کو میز پر رکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خضر کے ہاتھوں میں نیلے رنگ کا کاغذ دیکھ کر اس نے ایک ابرو اچکائی۔ پھر اس کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا۔ اس پر تحریر الفاظ دیکھ کر اس نے چونک کر خضر کو دیکھا۔ "یہ تم نے میرے لئے بنایا؟"

وہ سر اثبات میں ہلانا چاہتا تھا پر اس کی باس نے منع جو کر رکھا تھا۔ اِشفا نے اُس نیلے رنگ کے کارڈ کو پورا کھولا۔ جس کے اندر انگریزی میں ہیپی برتھڈے لکھا تھا۔ اس کی لکھائی حیران کن طور پر کافی خوبصورت تھی۔ کاغذ کے اختتام پر ایک چھوٹا سا دل بھی موجود تھا۔

اس نے جبڑا بھینچا... آنسوؤں کا دریا اندر کھینچنے کی کوشش کی۔ اگر آج راحیل ہوتا تو لگ بھگ اسی جتنا ہوتا۔ اس کی بھی شہد رنگ آنکھیں ہوتیں۔ بھورے بال ہوتے۔ بابا کی طرح ذمے دار اور خوش اخلاق ہوتا۔

لیکن...

ناولز کلب
Club of Quality Content

راحیل کو گئے زمانے بیت گئے تھے۔اور بیتے زمانوں میں کھوئے انسان واپس نہیں آیا کرتے۔ اس نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔پھر آنکھیں جھپکائیں۔کارڈ کو بند کر کے رکھ دیا۔

"تھینک یو، خضر۔" وہ بس اتنا ہی بول پائی تھی۔

"ک-کوئی بات نہیں، میم۔" پہلی مرتبہ اس کی زبان سے الفاظ ادا ہوئے تھے۔اور حلق سے آواز برآمد ہوئی تھی۔جو کہ ویسی ہی تھی جیسے ایک اٹھارہ سال کے لڑکے کی عام طور پر ہوتی ہے۔

اس نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔"تم مجھے اِشفا آپی کہہ سکتے ہو۔" خضر نے نظریں اوپر کیں تو ان کی چمک اِشفا فوراً بھانپ گئی تھی۔"لیکن... مومن علی تو آپ کو باس کہتے ہیں۔"

"مومن اور مجھ میں صرف کچھ ہی برس کا فرق ہے۔جبکہ تم مجھ سے آٹھ سال چھوٹے ہو۔ مجھے اچھا لگے گا اگر تم مجھے آپی کہہ کر مخاطب کرو گے۔" اس نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے..." ایک پل کو ٹھہرا۔"...اِشفا آپی..."

خود کے لئے آپی سن کر وہ کھل کر مسکرائی۔ پھر اُسے دیکھا جو چہرہ جھکا کر مسکرا رہا تھا۔ ذرا غور کرنے پر معلوم ہوا کہ خضر کے دونوں گالوں میں چھوٹے چھوٹے گڑھے بھی پڑتے ہیں۔ وہ خوشی سے اٹھی اور خضر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"اوپر دیکھو... خضر۔" اس نے فوراً اوپر دیکھا تو پہلے سے مسکراتے ہوئے خضر کے رخسار میں پڑے گڑھے نمایاں ہو گئے۔ کتنا کیوٹ بچہ تھا یہ۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے سر کو تھپکا۔
"بہت پیارے ہو تم۔ اگر احمد سر تمہیں اپنے پاس نہ رکھتے تو میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ لیتی۔"

وہ نہایت ہی شریف اور نفیس لڑکا تھا۔ اِشفا کو دیکھتا بھی تو پل میں نظریں جھکا لیتا۔ کہیں سے گزرتا تو عام لڑکوں کی طرح آس پاس سے آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھنے کی بجائے نظریں زمین پر رکھتا۔ اس کی تربیت واقعی بہت اچھی ہوئی تھی۔

Clubb of Quality Content!

اس نے سرخ ہوتے چہرے کو جھکایا تو اِشفا کو اُس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ اس قدر پیارے بچے سے ملی تھی۔ "اچھا بتاؤ پیزا کھاؤ گے یا برگر؟"

"کچھ بھی کھالوں گا۔" اُسے لگا تھا وہ انکار کرے گا لیکن شاید اُسے بھوک لگی ہوئی تھی۔ لڑکوں کو زیادہ تر کیا پسند ہوتا ہے... پیزا یا برگر؟

"اچھا چلو.. دونوں منگوا لیتے ہیں۔ میں آرڈر کرتی ہوں اور مومن کو بھی بلا لیتی ہوں۔ تم تب تک تھوڑا سا آرام کر لو۔" کہہ کر وہ نکل گئی تو وہ اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر کھل کر مسکرایا۔ گال میں گڑھے ایک مرتبہ پھر سے ابھرنے لگے۔

اشفا امین اپنے گھر کے ہال کے بیچوں بیچ رکھے میز پر تحفے سجا چکی تھی۔ تعداد کم از کم پچیس تھی۔ کچھ رنگ برنگے کاغذوں میں لپٹے ہوئے تھے اور کچھ کسی بھی کور سے خالی تھے۔

تین چار تحفوں کو اٹھانے سے ہی اُسے علم ہو گیا تھا کہ ان میں پرفیوم ہے۔ان کو ایک طرف کرتے اس نے ایک ایک کر کے باقی تحفے کھولنے شروع کر دیے۔

مہوین بہن کی سالگرہ کی خوشی میں تھوڑے ہی وقت قبل ہسپتال سے جلدی چھٹی لے کر آئی تھی۔لوٹس کا کیک کٹ چکا تھا۔اُس وقت صرف وہی دونوں وہاں موجود تھیں۔سیفان نے بھی آنا تھا پر رات ہی وہ ایک کام سے ملتان روانہ ہو گیا تھا۔لیکن جاتے جاتے اشفا کو تحفہ دینا نہ بھولا تھا۔تحفہ نہیں بلکہ تحفے۔اس نے دو ڈبے اُسے جاتے جاتے تھمائے تھے۔ایک سیاہ رنگ کا تھا جس میں بہت ہی خوبصورت نازک سی سنہرے رنگ کی گھڑی تھی۔دیکھنے سے ہی مہنگی معلوم ہوتی تھی۔لیکن غصہ تو اُسے تب آیا جب اس نے دوسرا ڈبا کھولا۔

اس میں سے ایک اور ڈبا نکلا۔پھر ایک اور اور پھر ایک اور۔آخری کھول کر دیکھا تو اس میں ایک چھوٹا سا سیلیکون کا مینڈک پڑا تھا۔جس کی زبان باہر لٹک رہی تھی۔مینڈک کو الٹ کر دیکھا تو اس کے نیچے کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا چپکا ہوا تھا۔جس پر لکھا تھا۔"یہ میری طرح معصوم اور چھوٹا سا ہے۔میری زیادہ یاد آئے تو اسے دیکھ کر صلواتیں سنا دیجیے گا۔خدا کی قسم

میری طرح یہ بھی اف تک نہیں کرے گا۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے اُسے صوفے پر اچھال دیا۔

دس منٹ میں وہ بیس تحفے کھول چکی تھی۔ جن میں کپڑے، جوتے اور ڈائریاں شامل تھیں۔ پیچھے ایک ہی تحفہ رہ گیا تھا۔ وہ سب سے چھوٹا تھا اس لئے اس نے سوچا کہ اسے بعد میں کھولے گی۔

اس پر سیاہ رنگ کا سادہ سا کاغذ چڑھا ہوا تھا۔ باقی تحفوں کے بر عکس اس پر کوئی کارڈ بھی موجود نہ تھا۔ کاغذ کو اتار کر ایک طرف رکھا۔ اندر سے لکڑی کا چھوٹا سا ڈبہ بر آمد ہوا۔ جس پر سرخ رنگ کی ویلوٹ چڑھی ہوئی تھی۔ چاروں طرف پھول بنے تھے۔

تجسّس کا شکار ہوتے اس نے تحفہ کھولا۔ تو اندر سے ایک سلور کی پتلی نازک سی پائل اس کی ہتھیلی میں گری۔ وہ اس قدر چمک رہی تھی کہ اس کا رنگ سیپی کی طرف سفید تھا۔ اور اس حد تک لشکارے مار رہی تھی کہ اس سے نکلتی روشنی اس کی شہد رنگ آنکھوں کو درخشاں کر چکی تھی۔

پائل کے بیچ میں ایک ننھا سا گہرا فیروزی ہیرا جھلملا رہا تھا۔کچھ پل کو تو اس کی آنکھیں شاک کی کیفیت سے کھل گئیں۔ہونٹ کھل بند ہونے لگے۔سوال ذہن کے گرد چکر لگانے لگا کہ کوئی اُسے اتنی قیمتی چیز کیوں دے گا؟

لیکن پھر..دل نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے نقلی ہو۔پھر ذہن نے خیال کا اظہار کیا کہ ہیرے پر ایک عدد ٹیسٹ کر لینے سے کیا ہی چلا جائے گا؟

پائل پر لگے ہیرے کو لبوں کے قریب لاتے اس نے اس پر سانس چھوڑا۔ذہن میں یہی خیال تھا کہ اگر اصلی ہیرا ہوا تو سانس سے چھائی دھند فوراً ہٹ جائے گی۔

ٹھیک ایسا ہی ہوا تھا۔دھند ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہ تھمی تھی اور فوراً اپنی جگہ چھوڑ گئی تھی۔ لیکن یقین تو اُسے ابھی بھی ٹھیک سے نہ آیا تھا۔اس نے اُسے اُلٹا پلٹا کر دیکھا تھا۔ہیرا سفید اور قوسِ قزح کے رنگوں کی بھانپ دے رہا تھا۔

یعنی کہ....

کسی نے اُسے اصلی ہیرے کی پائل تحفے میں دی تھی۔ لیکن ایسا کون کر سکتا تھا؟

اس نے شانے اچکا دیے۔ اس کی سالگرہ پر سب کچھ مختلف طرز کا ہو رہا تھا۔ جیسے کہ اُسے اس دفعہ کسی نے بھی ازالیہ نہیں دیے تھے۔ نہ ہی کتابیں دی تھیں۔ اُسے جہاں تک یاد پڑتا تھا ہر سال مختلف مصنفین کی کتابیں کوئی اُسے دیتا تھا۔ اُس نو وارد شخص کا نام تحفے پر کبھی بھی درج نہیں ہوتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اب تک نا معلوم ذرائع سے آنے والی ایک ایک کتاب وہ پڑھ چکی تھی۔ اپنے کمرے کی ایک دیوار پر سیاہ شیلف پر اس نے وہ ترتیب سے سجا رکھی تھیں۔ جنھیں وہ ہر ہفتے صاف کرتی تھی۔ بک مارک کے طور پر ساتھ کام کرنے والوں کے دیئے گئے ازالیہ استعمال ہوتے تھے۔ جو ہفتہ دو ہفتہ کھلے رہتے اور پھر مرجھا جاتے۔ پر وہ انہیں کتابوں سے نہ نکالتی تھی۔

خیالوں کو جھٹکتے اس نے مہوین کو ساتھ لگا کر تحفے اٹھائے اور کمرے میں چل دی۔

اسلام آباد کے سیکٹر ای میں ہوئے قتل کی جانچ کے لئے المیر خلیل دو گھنٹے سے موجود تھا۔

شام پر چکی تھی اور آسمان ہلکے سُرمئی رنگ میں ڈھل چکا تھا۔ بارش کی شکایت تھی۔ وہ پولیس کی وردی پہنے زانوں کے بل تنگ سی گلی میں مقام مرگ پر بیٹھا تھا۔ کسی نے سعید غنی کا گلا کاٹ کر اُسے مارا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

سعید غنی ایک جانا مانا بزنس مین تھا۔ جس کی جان پہچان بڑے بڑے لوگوں سے تھی۔ اس کا کپڑوں کا کاروبار تھا۔ ایک دو دفعہ المیر کے گھر بھی آیا تھا۔ المیر کے بچپن میں۔ خلیل محمد سے اس کی اچھی بول چال تھی۔

ایک دو دفعہ ڈرگز کی خرید و فروخت کے کیس میں جیل بھی گیا تھا۔ پر امیر تھا تو ضمانت جلد ہو گئی۔ نا جانے کس نے اس سے کس بات کی دشمنی نکالی تھی اور اُسے مار دیا تھا۔

لاش کے پاس سے کوئی بھی سوراغ نہیں مل پایا تھا۔

دو چار اہلکار جائے وقوعہ کے آر پار تفتیش کرنے میں مگن تھے۔زیادہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ یہ آدھی رات کو اس تنگ سی گلی میں کر کیا رہا تھا؟ کیونکہ رہتا تو وہ بحریہ ٹاؤن میں تھا۔

کھڑا ہوا تو اہلکاروں کی طرف چل دیا جب اُسے پیچھے سے آواز آئی۔"ایس ایچ او صاحب۔" لبوں پر نرم اور نہایت مختصر مسکان در آئی۔ایس ایچ او مسکرا رہا تھا۔ایسا شاید پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ وہ اس کی آواز سن کر بھڑک نہیں اٹھا تھا۔

تعجب شاید وہ لفظ نہ تھا جس کا شکار وہ اپنی حالت کے زیرِ اثر ہوا تھا۔اس کیفیت کو نام دینے کے لیے چہرے کے تاثرات تھم سے گئے تھے۔الفاظ کہیں دل کے ایک گوشے میں اٹک گئے تھے۔زبان ان تک پہنچ نہ پائی تھی۔

Clubb of Quality Content!

وہ مسکرا رہا تھا۔ یا اللہ وہ مسکرا رہا تھا! اُسے خود بھی یہ بات ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ پلٹا.. بہت دھیرے سے۔ طوفانی رنگ آنکھیں اب طوفانی نہیں لگتی تھیں۔ گہرے نیلے رنگ کا آسمان لگتی تھیں۔ جو بارش کے باعث ایک دم صاف شفاف روپ سے اراستہ ہو گیا ہو۔

اس کی بیوی نے پیلے رنگ کی پیروں تک آنے والی لمبی فراک پہن رکھی تھی۔ دوپٹہ ڈھیلا سا سر پر لیا ہوا تھا۔

اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔ پھر سر تسلیم خم کیا۔ ہاں وہ دل میں ہی تو مکین تھی۔ دل کے ایک اونچے مقام پر۔ نظریں جھکیں تو سیدھا پیروں پر ٹھہریں۔ جہاں وہ سلور پائل موجود نہیں تھی۔ مایوسی کو ضبط کرتے ہوئے وہ سیدھا ہوا۔

مسکراتی آنکھوں والی لڑکی جب بھی منظر پر آتی تھی تو آس پاس سے آتیں تمام تر آوازیں مدھم ہو جایا کرتی تھیں۔ راہ گیر غائب ہونے لگتے تھے۔ خاک پر صرف وہی رہ جاتے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بنا کسی عہدے کے المیر خلیل.. ایک عام سا بشر۔ اور اِشفا امین اس کی بیوی۔ انمول سے بھی انمول تر۔

جو جذبات اُسے آج تک کوئی محسوس نہ کروا پایا تھا۔ ان سے اُس کا تعارف عشق نے کروادیا تھا۔ انسانوں نے عشق کو مرض کہا تھا۔ لیکن اس کے نزدیک عشق نجات تھی۔ قید و بند جیسی زندگی سے۔

"کیسی ہو؟" مخاطب کرنے میں پہل اس مرتبہ اسی نے کی تھی۔ "بہت اچھی ہوں۔" پھر ہاتھ میں پکڑا کیمرا ایک طرف کر دیا۔ ہاتھ سے اشارہ کیا تو ایک لڑکا منظر پر آیا۔

"یہ خضر ہے۔ مومن اور میرے ساتھ کچھ دنوں سے کام کر رہا ہے اور ابھی کچھ وقت کے لئے کرتا رہے گا۔" تعارف پر المیر نے چونک کر دیکھا۔ مومن کے علاوہ بھی کوئی اِشفا کو اپنی باس کے طور پر برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا؟ "یہ.. ایس ایچ او المیر خلیل ہیں۔ میرے ہسبنڈ۔"

دل زور زور سے بھاگا۔ جیسے آج نہ بھاگا تو چلنا بند ہو جائے گا۔ جسم کا سارا خون چہرے پر در آیا۔ وہ اُسے اپنا ہسبنڈ کہہ گئی تھی۔ یعنی المیر خلیل اِشفا امین کے لیے خاص تھا؟

کچھ قدم اس تک بڑھائے۔ ایک ہاتھ آگے کیا تو خضر نے فوراً تھام لیا۔

اس خوش شکل انسان کو بغور دیکھا۔ "کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں.. رحیم یار خان سے ہوں۔ لیکن نوکری کے لئے آج کل احمد انکل کے ساتھ رہ رہا ہوں۔" احمد مرزا کے ہاں ایک لڑکا آیا تو تھا۔

"اگر اس نے تمہیں تنگ کیا تو مجھے ضرور بتانا۔" اِشفا کو لگا شاید اُسے کہہ رہا ہے۔ لیکن وہ تو خضر سے مخاطب تھا۔ "میں کہاں کسی کو تنگ کرتی ہوں۔" اس نے گھور کر اُسے دیکھا۔

"اچھا نہیں کرتیں؟ یعنی اتنا پیار صرف مجھ پر ہی آتا ہے..." خضر کو دیکھا اور پھر اس کی باس کو۔ خضر اب المیر کو سر تا پیر غور غور سے دیکھنے میں مشغول تھا۔

"خضر تم یہ کیمرا لے کر جاؤ اور مومن کو دو۔ جیسے میں نے بتایا ہے ویسے ہی کرنا سب، ٹھیک ہے؟" کیمرا اُسے پکڑایا تو وہ سر ہلاتا ہوا کچھ فاصلے پر کھڑے مومن کی اور چل دیا۔

شانوں پر لٹکائے سیاہ رنگ کے بیگ میں ہاتھ مار کر کچھ نکالا۔ "یہ آپ کی حرکت ہے؟" وہ پائل اس کی انگلیوں سے لٹکی ہوا میں جھول رہی تھی۔

"کیوں تمہیں پسند نہیں آئی؟" قدم قدم چلتا ہوا اس سے کچھ ہی فاصلے پر رک گیا۔ "میں اتنی مہنگی پائل کا کیا کروں گی؟ کہیں گر گئی تو؟"

"تو کوئی بات نہیں۔ بس ایک دفعہ پہن لو۔ کم سے کم مجھے یقین تو ہو گا کہ تم نے ایک مرتبہ ہی سہی پر میری دی ہوئی چیز پہنی تو۔"

اس نے ذرا سا آگے ہو کر المیر خلیل کا چہرہ دیکھا۔اس کی آنکھیں دیکھیں۔تاثرات ایسے تھے جیسے گہری سوچ میں مبتلا ہو۔"یہ لیں..." پائل اس کے سامنے کی تو اس نے ہتھیلی آگے کر دی۔ پھر تعجب سے اُسے دیکھا۔"...پہنائیں گے نہیں؟"

المیر خلیل کی اکھیاں چمکیں۔ جیسے اکثر چمکا کرتی تھیں۔جب جب وہ اُسے چُھپ چُھپ کر دیکھا کرتا تھا۔اِشفا امین کے بے جا مذاق یا الٹی حرکتوں پر چاہے جتنا بھی کھل کر ہنسنا چاہتا پر ضبط کر لیتا تھا۔کیونکہ لبوں کا کام آنکھیں کرتی تھیں۔

اس نے سر اوپر نیچے فوراً سے ہلایا۔یہاں تو کوئی اونچائی نہیں تھی جہاں پر اس کا پیر رکھوا کر پائل پہنا سکتا۔پھر دل میں گمان ہوا تو دھیرے دھیرے نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ایک ٹانگ پتھریلی زمین پر اور دوسری اوپر اٹھائی۔ نظریں اس پر اُٹھیں۔وہ ہمیشہ اسے مشکل میں ڈال دیتی تھی۔اور وہ ہر دفعہ اپنی طرف آتا اس کا ہر تیر سینے پر لگنے سے پہلے ہی تھام لیتا تھا۔

"پاؤں رکھو یہاں پر..."ٹانگ تھپتھپائی تو اس کی بیوی نے بنا کچھ کہے اپنی سیاہ ہیل والا پیر اس کی جانگھ پر رکھ دیا۔ پھر کن اکھیوں سے آگے پیچھے دیکھا۔ چند اہلکار گلی کی ابتدا پر کھڑے تھے۔ لیکن وہ کام میں اتنا مصروف تھے کہ ان کا مکمل دھیان تحقیق پر تھا۔

اپنی بیوی کا دایاں ہاتھ تھام کر اپنے بائیں کندھے پر رکھا تا کہ گر نہ جائے۔ کبھی کبھی اظہار کرنے سے زیادہ خیال رکھنا زخم بھر دیتا ہے۔

پھر پائل سے ٹانگ کے گرد گول دائرہ بنایا اور اس پر قفل لگا دیا۔

وہ پائل واقعی اس قدر خوبصورت تھی کہ اِشفا مین کے معیار کے مطابق تھی۔ ورنہ اُسے اُس کے معیار کا کچھ نہیں لگتا تھا۔

کندھے پر ذرا سا زور ڈالتے اُس نے پیر واپس زمین پر رکھا پھر سیدھی ہوئی۔ وہ بھی نیچے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وردی اب کہ کافی حد تک دھول اور مٹی سے بھر چکی تھی۔ "آپ کو دشمنی نبھانے نہیں آتی، آفیسر.." پائل کو بغور دیکھا۔

"کس نے کہا مجھے دشمنی نبھانی نہیں آتی۔۔ کیا تم نے وہ کہاوت نہیں سنی ؟ keep your friends close and enemies closer(اپنے دوستوں کو قریب اور دشمنوں کو قریب تر رکھو)۔"

اس نے اس جواب پر آنکھیں گھمائیں۔"اگر اس دشمنی میں آپ کو مجھ سے محبت ہو گئی تو؟"

"تو میں آکر تم سے کہہ دوں گا۔" ہاتھ بڑھا کر پیشانی سے جھولتی ایک لٹ کو اس کے کان کے پیچھے سرکایا۔

Clubb of Quality Content!

شہد رنگ آنکھیں اس کے ہاتھ پر ٹھہر گئیں۔ جس کی انگلیاں اس کے کان کو چھو رہی تھیں۔
"کیا کہیں گے؟"

"یہی کہ تم میری پہلی محبت اور آخری عشق ہو۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر جواب دیا۔
جیسے دل کا حال سنا رہا ہو۔

"یعنی آپ ہار مان لیں گے ؟" مسکان کو ضبط کیا۔

لمحے بھر کے لئے ٹھہر گیا۔ "سو دفعہ ہار ماننے کو کہو گی تو سو دفعہ ہار مانوں گا۔" زبان کی جگہ دل گویا ہوا تھا۔ "تمہارے سامنے منصب بے معنی لگتے ہیں۔ تم دشمنی کی بات کرتی ہو؟" یہ اقرار زبان سے ہوا تھا۔

"آپ میرے لئے منصب چھوڑ دیں گے ؟" تعجب کا شکار ہوتے سوال کیا گیا۔

Clubb of Quality Content!

"اگر اس کے بدلے مجھے تم ملو گی... تو... ہاں میں تمہارے لئے سب کچھ چھوڑ دوں گا۔" ایک امن تھا اس کی آواز میں۔ ایک سکون تھا۔

"آپ اظہار کر رہے ہیں؟"

"نہیں... یہ سب تو تب ہو گا جب مجھے تم سے محبت ہو گی۔" ابرو بالا کرتے ہوئے استفسار کیا جا رہا تھا۔ "اور جب مجھے تم سے محبت ہو گی.. تب میرے زبان سے اظہار کرنے سے قبل ہی تم جان جاؤ گی کہ میں تمہیں چاہتا ہوں اور صرف تمہیں چاہتا ہوں۔"

"مجھے انتظار رہے گا۔"

ایک آخری نظر اس پر ڈال کر وہ چند قدم پیچھے لے گئی۔ اس کا ہاتھ ہوا میں چند لمحے ٹھہرا پھر پہلو میں ڈھے گیا۔ وہ پلٹی اور چلتی گئی جہاں مومن اور خضر کام میں مشغول تھے۔

Clubb of Quality Content

فلک پر ہلکے گلابی اور گہرے نیلے رنگ کی چادر چھائی ہوئی تھی۔ سیاہ بادل شام کی بجائے آج دن میں ہی اپنی منزل یعنی آسمان کے بیچوں بیچ پہنچ گئے تھے۔

سبز آنکھوں پر کالا چشمہ پہنے وہ اے ایس پی گردن کو دائیں بائیں ہلاتے سعید غنی کے گھر کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ کچھ ہی پل گزرے اور دوسری طرف سے دروازہ کھل گیا۔

مقابل بیس یا اکیس سالہ نوجوان تھا۔ کپڑوں سے تو گھر کا رکھوالا یا کام والا معلوم ہوتا تھا۔

"سلام صاحب۔ کیسے ہیں آپ؟" راحم نے اس کے خود کو اس قدر مٹھاس سے مخاطب کرنے پر اُسے گھور کر دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تم مجھے جانتے ہو؟"

"صرف جانتا؟ میں تو آپ کا بہت بڑا چاہنے والا ہوں۔ اور آپ کو کون نہیں جانتا؟ آپ کی سبز آنکھیں تو پورے اسلا آباد میں مشہور ہیں۔" نو وارد نے شرٹ کا کالر جھٹکا تو راحم ہنسا۔

"سبز آنکھیں تو اب بہت عام ہو گئی ہیں۔ آج کل تو ہر دوسرے شخص کی اس رنگ کی آنکھیں ہیں۔" وہ سامنے سے ہٹا تو راحم گھر کے اندر داخل ہوا۔

"نہ صاحب نہ.. سبز آنکھیں تو ظاہری خوبصورتی ہیں۔ہم سب کو تو آپ پورے کے پورے پسند ہیں۔جب سے آپ اور المیر صاحب نے پولیس فورس جوائن کی ہے..تب سے دونوں شہروں میں کتنا بدلاؤ آگیا ہے۔"وہ کن اکھیوں سے آگے پیچھے دیکھنے لگا۔اس کے پیچھے ہی چند اور اہلکار داخل ہوئے۔

"اپنی مکھن کی فیکٹری کا شٹر نیچے کر لو فلحال۔"اس سے کہہ کر اہلکاروں سے مخاطب ہوا۔

"گھر کا کونا کونا چھان مارو۔اور تم.."واپس اس کی طرف پلٹا۔"..گھر والوں کو لاؤنج میں اکھٹا کرو۔"

Clubb of Quality Content

وہ سر ہلاتا ہوا وہاں سے نکل گیا جبکہ راحم کے حکم کے مطابق سب کام پر لگ گئے۔راحم خود آرام سے جا کر بڑے سے فانوس کے تلے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔دونوں بازوؤں کو پھیلا لیا اور کمر سیدھی کی ذرا سی۔

یکایک نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑے اہلکار پر اٹھی جو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔"میری شکل کیا دیکھ رہے ہو؟کام پر لگو۔میں تو ابھی آرام کروں گا۔ صبح سے کام کر کر کے تھک گیا ہوں۔" پھر انگڑائی لی۔

وہ "سر" کہتا ہوا نکل گیا۔اب کہ آہستہ آہستہ گھر والے داخل ہو رہے تھے۔ان میں سعید غنی کی بیوی اور ایک بیٹا شامل تھے۔اس نے پہلے بیوی سے ایک ایک بات پوچھی۔پھر بیٹے سے ذرا سا نرم لہجہ اپناتے تحقیق کی۔

ان دونوں کے بقول وہ سعید غنی کے کام دھندے سے ناواقف تھے۔وہ اپنے کام کی باتیں گھر آکر نہیں کیا کرتا تھا۔راحم نے انہیں یقین دلایا کہ وہ اس کے قاتل کو ضرور پکڑ لے گا۔

اب اہلکار تلاشی لینے کے بعد ایک ایک کر کے راحم کو حالات سے آگاہ کر رہے تھے۔اس نے فیصلہ کیا کہ اب اس کے آفس کی تلاشی لینی پڑے گی۔

وہ تین آفیسر ز کے ہمراہ اس کے دفتر آ گیا تھا۔ ہر چیز کو باریک بینی سے پرکھنے کے بعد اے ایس پی صاحب کی نظر میز پر رکھے گلاسوں تک گئی۔ اویڈنس کے طور پر انہیں اٹھا کر اویڈنس بیگ میں ڈالا پھر چند منٹ مزید اچھے سے ایک ایک چیز کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اب تھانے جانے کا فیصلہ کیا۔

"یہ دونوں فورینسک لیب بھجوادو ڈی این اے ٹیسٹنگ کے لئے۔"

Clubb of Quality Content!

··—·ʚɞ·—··

یہ ہفتے بعد کا منظر تھا کہ راولپنڈی کے اُس علاقے میں پولیس فورس ایک خاص آپریشن کے لئے آئی تھی۔ راحم رضا احمد ٹیم کو لیڈ کر رہا تھا۔ دس سے بارہ اہلکار ایک سمت موجود تھے اور دشمن دوسری طرف۔

یہ اس چھوٹے سے گھر کی پہلی منزل تھی۔ پولیس نے جگہ جگہ خود کو چُھپا رکھا تھا جہاں سے گولیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ راحم کی پستول کی میگزین ختم ہوئی تو اُس نے سیٹی بجائی۔

اشارہ ملتے ہی ایک اہلکار نے جیب سے میگزین نکال کر اس کی طرف اچھالی جو راحم کے ہاتھوں میں آنے سے پہلے ہی زمین بوس ہو گئی۔ وہ اُسے اٹھانے کے لئے نیچے جھکا اور ذرا سا آگے ہوا۔ جب دشمن کی طرف سے چلنے والی ایک گولی سیدھا اس کے بازو میں آن لگی۔

اگر وہ وقت پر ذرا سا اوپر نہ اٹھتا تو گولی بازو کی جگہ سیدھی شاہ رگ میں لگتی۔ اس نے کراہتے ہوئے پل بھر کے لئے آنکھیں بند کیں۔ میگزین ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ ہاتھ دائیں بازو پر گیا اور اُسے زور سے تھام لیا۔

خود کو پیچھے گھسیٹتے ہوئے اُس نے خود کو پلر کے پیچھے ڈھکا۔ درد کی وجہ سے آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔ باریک سی آواز اعصاب پر چھانے لگی۔ دھند نے ہر طرف بسیرا کر لیا۔

ناجانے وہ کتنے منٹ وہاں پڑا رہا۔ خود کو حواس بحال کرنے پر آمادہ کرتا رہا۔ اور پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اندھیرے نے اُسے گہرے تیلاب میں کھینچ لیا۔

ہسپتال میں بھیڑ بھاڑ کم تھی۔ کیونکہ آدھے سے زیادہ ڈاکٹر چھٹی پر تھے۔ اسی وقت وہ افرا تفری میں بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ اس نے گہرے سرخ رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ سفید کوٹ ہمیشہ کی طرح بازو پر پھیلایا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اپنے فلور پر جانے کی جگہ وہ پہلی منزل میں ہی سیدھی سمت میں چل دی۔ وہاں سے بائیں طرف کو ہوئی تو سامنے ہی مردانہ وارڈ تھی۔ دروازہ کھول کر اندر آئی تو آمنے سامنے لگے چھ سے سات بیڈ پر اُسے وردیوں میں ملبوس اہلکار نظر آئے۔

سب ہی نے ہاتھوں میں فون اٹھا رکھے تھے۔ سوائے ایک کے۔ جو کہ آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ اسی لمحے جیسے اُسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو سبز آنکھیں کھلیں۔ نگاہیں سانولی رنگت پر اٹھائیں۔ اُسے خود تک آتا دیکھ کر دھیرے دھیرے اٹھنے کی کوشش کی۔

"کیسے ہیں آپ؟" اس نے بیڈ کے پاس رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "بہتر ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟"

اب بہتر ہوں۔ گونج اٹھی دماغ کے ایک گوشے سے۔ صرف وہی جانتی تھی کہ راحم کو گولی لگنے کی خبر نے کس طرح اس کے دل کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ "اب ٹھیک ہوں۔"

ذہن سے ہوتا ہوا زبان سے نکلا تو فوراً لب جدا کیے۔ "میرا مطلب ہے کہ ٹھیک ٹھاک ہوں۔" وہ جو ابرو اچکائے بیٹھا تھا فوراً سر اوپر نیچے ہلانے لگا۔

"آپ میری خیریت معلوم کرنے آئی ہیں؟" بازو پر بندھی پٹی پر انگلی پھیری۔ شاید... سوچا پھر بولی۔ "ایک ماہرِ امراضِ نفسی کی حیثیت سے آپ کی خیریت دریافت کرنے آئی ہوں، راحم۔ بتائیں اب کیسا محسوس کر رہے ہیں؟"

اس کے منہ سے اپنا نام سنا تو سنا سنا لگا۔ جیسے پہلے بھی اس آواز نے اُسے پکارا ہو۔ پُر سوچ تصور دیتے اُس نے شانے اچکائے۔ "گولی لگنا میرے لئے کوئی بڑی بات تو نہیں ہے۔"

"پہلے کتنی دفعہ گولی لگ چکی ہے؟" کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ "دو دفعہ۔"

"اس دفعہ اور اُس دفعہ میں کیا فرق تھا؟" ٹانگ پر ٹانگ رکھی۔ "اُس دفعہ گولی لگی تو دل میں درد ہوا تھا۔ البتہ اس دفعہ..." پہلو میں نظریں ٹھہرالیں۔ "...کچھ خاص محسوس نہیں ہوا۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں.. "شانے اچکائے۔ مہوین نے سر اثبات میں ہلایا۔"ایک مہینے تک آپ نے اپنا یہ والا کندھا استعمال نہیں کرنا۔"اشارہ کیا۔

ہاتھ میں پکڑے نوٹ پیڈ پر وہ کچھ لکھنے لگی۔ پھر نظریں اٹھائیں تو راحم کو اپنی طرف تکتے پایا۔ "ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟"کرسی پر ذرا سی کھسمیسائی۔ یہ بات تو صرف وہی جانتی تھی کہ اس انسان کے ارد گرد رہنا کتنا دشوار تھا اس کے لئے۔

"کیا ہم پہلے مل چکے ہیں؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے تفصیلی تھوک نگلا۔ کہیں اُسے وہ پانچ سال پہلے ہوا واقعہ یاد تو نہیں آرہا تھا؟"نہیں۔ لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"آنکھیں چُرا کر آگے پیچھے دیکھا تو راحم کو کچھ کھٹکا۔ یہ آنکھیں چرانا بھی شناسا تھا۔ لیکن کیوں؟

"پہلے مجھے لگا تھا کہ آپ اِشفا کی بہن ہیں اس لئے شناسا معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ ہم کہیں پہلے بھی کبھی ملے تھے۔"

"اگر ہم پہلے ملے ہوتے تو مجھے آپ کبھی نہ بھولتے۔" زبان پھسلی تو اس نے ذہنی طور پر خود کو سو باتیں سنائیں۔ لیکن صحیح ہی تو کہا تھا اس نے۔ یہ چہرہ کیسے بھول سکتی تھی وہ؟

تجھ کو دیکھا تو سیر چشم ہوئے
تجھ کو چاہا تو اور چاہ نہ کی
تیرے دست ستم کا عجز نہیں
دل ہی کافر تھا جس نے آہ نہ کی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ ہسپتال کی راہداری کو عبور کرتی ہوئی وارڈ کے سامنے آن رکی۔ وارڈ کی دائیں اور بائیں طرف دو بینچ لگے تھے۔ ایک پر تو اجنبی شخص نشست تھا۔ اور دوسرے پر اپنی رعب دار نگاہیں لئے اس کا شوہر، محمت جہانگیر کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"آفیسرز۔" پکار کر سر اوپر نیچے ہلایا۔ المیر خلیل نے چہرہ اوپر کیا۔ "میں راحم بھائی اور باقی اہلکاروں کا بیان ریکارڈ کرنے آئی ہوں۔ کیا وہ جاگ رہے ہیں؟"

سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس اس شخص نے پہلے آگے پیچھے دیکھا پھر محمت کے کان میں کچھ کہا۔ دراصل محمت بینچ کی دائیں طرف بیٹھا تھا اور المیر بائیں طرف۔ وہ سر ہلاتے ہوئے تھوڑا سا اور آگے کھسک گیا۔ جب المیر بھی ذرا سا آگے ہوا اور درمیان میں بیٹھ گیا۔ پھر اِشفا کے چہرے پر نظریں اُٹھائیں۔ "بیٹھ جاؤ۔"

اپنے سوال کے جواب میں دو لفظ سن کر وہ مسکرائی پھر سر کو دھیرے سے جنبش دی۔
"نہیں.. دفتر میں پورا دن بیٹھی ہی رہی ہوں۔ اب تھوڑی دیر کھڑی رہوں گی۔"

وہ چند سیکنڈ اُسے تکتا رہا پھر ایستادہ ہوا۔ وہ دیوار سے لگ کر کھڑی تھی۔ تو وہ اس کے ساتھ آ کر کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے تعجب کا شکار ہوتے المیر کو دیکھا۔ "آپ کیوں کھڑے ہو گئے؟"

وہ جواب میں کہہ نہ سکا کہ جب وہ کھڑی ہوئی تھی تو وہ بیٹھ نہیں سکتا تھا۔اس لئے صرف شانے اچکا دیئے۔"میں بھی بیٹھ بیٹھ کر تھک گیا ہوں۔"

"جب سے آئے ہیں تب سے راحم بھائی سے نہیں ملے کیا آپ؟"چہرہ تو واقعی میں تھکن کا شکار تھا۔کیونکہ رات بھر فجر کی اذان تک وہ اس کے گھر سے تھوڑا فاصلے پر کرسی رکھ کر نگرانی کی غرض سے بیٹھا رہا تھا۔ایک گھنٹے کی بھی نیند ٹھیک سے نہ ہو پائی تھی۔پھر کام پر چلا گیا اور وہاں سے راحم کی خبر سنی تو دوڑتا ہوا یہاں چلا آیا۔

"نہیں..ابھی مہوین اور چند اور ماہرِ امراضِ نفسی کو اندر بھیجا گیا ہے۔اہلکاروں کی ذہنی حالت دریافت کرنے۔ایس پی صاحب کا آرڈر تھا۔"اِشفا نے سر اثبات میں ہلایا۔

پچھلے کچھ سالوں سے یہی تو ہو رہا تھا۔کہ جب بھی کسی اہلکار یا آرمی آفیسر کو گولی لگتی تو اُسے پورے ایک مہینے تک ایک ماہر امراضِ نفسی یا ماہرِ نفسیات کے پاس جانے کا حکم دیا جاتا تھا۔یہ اس لئے ہو رہا تھا کیونکہ سالوں قبل ایک اہلکار کو گولی لگی تھی۔وہ اتنا خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اس نے خودکشی کا قدم اٹھا لیا تھا۔

یہ خبر ہر ایک کے لیے حیران کن تھی۔ کیونکہ آرمی ہو یا پولیس سب کو ایک سی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ جسمانی اور ذہنی طور پر سختی جھیلنے کی سکت ڈالی جاتی تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود اس نے جب اپنی جان لی تو میڈیا پر ہر طرف ادھم مچ گیا۔

کوئی کہنے لگا کہ اس کی موت کی وجہ کوئی اور تھی۔ تو کوئی کہنے لگا وہ ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ موت کی وجہ جب تحقیقات کے باوجود منظر عام پر نہ آئی تو حتمی فیصلہ لیا گیا کہ اب سے ہر اثر انداز آفیسر کو ماہرِ نفسیات یا ماہر امراضِ نفسی رِ سے رجوع کرنا ہو گا۔ یا تو وہ اپنے کسی جاننے والے سے علاج کروالے یا پھر حکومت یا ایس پی صاحب کے بتائے ہوئے ماہرِ نفسیات یا ماہر امراضِ نفسی سے رجوع کریں۔

یہ مشورہ راحم نے ہی ایس پی صاحب کو دیا تھا جب اُسے پولیس فورس جوائن کیے چند مہینے ہی ہوئے تھے۔

وہ دونوں پندرہ منٹ وہیں کھڑے رہے پھر اِشفا نے ہار مان لی۔چپ چاپ سی بینچ پر جا کر بیٹھ گئی۔المیر بھی جا کر درمیان میں سکون سے بیٹھ گیا۔

"عالیہ کے انتقال نے آپ پر کیسا اثر ڈالا ہے؟" پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ مسلسل اس سے سوال پر سوال کر رہی تھی۔وہ جواب مثبت اور مختصر ہی دیتا جا رہا تھا۔

سینے میں اچانک سے درد اٹھا۔اس نے آنکھیں میچیں۔بس اسی سوال کا کھٹکا تھا اُسے۔"میں... میں ٹھیک ہوں۔یعنی..."ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔"...سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اللہ خیر کرے گا۔"نوٹ پیڈ پر لکھنے کے بعد نظریں اوپر اٹھائیں۔"عالیہ کے علاوہ کسی دوسرے موضوع نے کبھی آپ کے ذہن پر اثر ڈالا ہے؟"نگاہیں واپس نیچے ٹکا لیں۔

"نہیں.." وہ ٹھہرا پھر جیسے کچھ یاد آیا تو فوراً بولا۔ "..میرے پاس کسی کی امانت ہے۔ کافی سال ہو گئے اب تک وہ شخص مجھ سے وہ واپس لینے نہیں آیا۔ بس اس کا بہت وزن ہے میرے ذہن پر۔"

"کیسی امانت؟"

وہ ذرا سا آگے ہو کر بیٹھ گیا۔ "دراصل میں چند سال پہلے ایک بچی سے ملا تھا۔ وہ گم ہو گئی تھی تو میں نے اس کو گھر تک چھوڑا تھا۔ اس دوران اس نے اپنے سنہرے رنگ کے کانٹے اتار کر میری گاڑی کے ڈیشبورڈ پر رکھ دیئے تھے۔ میں گھر آیا تو میں نے انہیں اٹھا کر اپنے کمرے میں رکھا۔ پھر ایک مہینے کے لئے میرے ذہن سے نکل ہی گیا کہ انہیں ان کے حق دار تک پہنچانا ہے۔"

مہوین کی آنکھوں میں کچھ چمکا۔ دل زوروں دے دھڑکنے لگا۔ اس نے مسکراہٹ ضبط کرنے کی غرض سے پہلو فوراً بدلا۔ "پھر کیا ہوا؟" تھوک نگلا۔

"جب یاد آیا تو میں انہیں ان کی مطلوبہ جگہ سے اٹھانے گیا لیکن ایک کانٹا تو موجود تھا پر دوسرا نا جانے کہاں چلا گیا تھا۔ تھا بھی سنہرے رنگ کا۔ مجھے یقین تھا کہ سونے کا ہوگا تو میں گھبرا گیا تھا۔"

وہ اُسے دیکھتی گئی تو اُس نے بات جاری رکھی۔ "پھر میں اُس ایک کانٹے کو سنار کے پاس لے کر گیا۔ ہو بہو اُس جیسا دوسرا بنوایا اور پھر جہاں اُسے چھوڑا تھا وہاں واپس گیا۔" سانس لینے کے لیے ایک پل کو رکا۔ "وہاں گیا تو آس پاس سب سے اس کا پوچھا۔ پر کوئی بھی اُسے نہیں جانتا تھا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اور پھر کیا ہوا؟"

"پھر... پھر میں انہیں لے کر گھر واپس آ گیا۔" ہاں وہ اُسے نہیں بھولا تھا۔ اس کا دل خوشی سے سینے میں جھومنے لگا۔ یا اللہ وہ واقعی اُسے یاد تھی۔ آنکھیں بھر آنے کی حد کو پھلانگنے کے درپے تھیں۔

"تو آپ.. آپ کو اس کا نام نہیں یاد؟" ذہن کا ایک گوشہ سُن ہونے لگا۔ ناجانے اب وہ کیا کہے گا۔ اگر یہ کہہ دیا کہ اُسے اس کا نام یاد نہیں تھا تو اُس کا دل دکھ جائے گا۔

"اس کا نام..." پُرسوچ نگاہیں وارڈ کی چھت پر مرکوز کیں پھر فوراً نیچے دیکھا۔ "..وینی تھا۔ یعنی اس نے یہی نام مجھے بتایا تھا۔ لیکن مجھے لگتا ہے اس نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا۔"

اس کی زبان سے ادا ہوتے ہر لفظ کے ساتھ مہوین کا دل رفتار پکڑتا چلا گیا۔ "کیا آپ کو اس کا چہرہ یاد ہے؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اس سے ملاقات کے ایک سال بعد تک تو یاد تھا لیکن پھر ذہن سے ایسے غائب ہوا جیسے میں کبھی اس سے ملا ہی نہیں۔ لیکن مجھے لگتا ہے میں اب کبھی اس سے ملا تو پہچان جاؤں گا۔"

ایک باریک سی ٹیس اٹھی۔ آنسوؤں کا پھندا گلے میں لٹکنے لگا۔ کتنی ہی دفعہ اب تک وہ دونوں مل چکے تھے۔ وہ غلط کہتا تھا کہ اُسے دیکھے گا تو پہچان جائے گا۔ وہ اتنی خاص تو کبھی کسی کے لیے تھی ہی نہیں۔ کہ اس کا چہرہ صدیوں تک کسی کو یاد رہ جاتا۔

"شاید..." آنکھوں کو پورا کھولنے کی کوشش کی۔ نظریں اب تک پہلو میں گرار کھی تھیں۔

"..وہ اب آپ سے ملنا نہ چاہے۔"

"انسان ملنا تو ان سے نہیں چاہتا جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ جن پر وہ غصہ ہوتا ہے۔ وہ اور میں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔ تو پھر وہ مجھ سے ملنا کیوں نہیں چاہے گی؟" ابرو بالا کی۔

اس سوال کے سو سے زائد جواب وہ دے سکتی تھی۔ ہر جواب کا سفر افسوس اور منزل آنسو تھے۔ اگر آج انہیں آنکھوں کے کناروں سے بہہ جانے دیتی تو شاید شکست کی چادر کو چاروں کونوں سے تھام لیتی۔

ہارنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کی بہن نے اس کی یہ تربیت تو نہیں کی تھی۔ کہ وہ اتنی سی بات پر رونے لگے۔ یہی سوچتے ہوئے سیدھی ہوئی۔ "کچھ سوالوں کے جواب نہیں ہوا

کرتے۔اور جن کے جواب میسر نہ ہوں... ان سوالوں کے پیچھے بھاگنے کی کوتاہی کبھی نہیں کرنی چاہیے ہے۔"

وہ نوٹ پیڈ پر لکھتی چلی گئی اور وہ اُسے دیکھتا چلا گیا۔ جس گہرائی کے ساتھ اُس نے یہ بات کہی تھی۔وہ چونک گیا تھا۔

چند لمحے بعد ازاں وہ خاموشی سے اٹھی اور دوسرے مریض کی طرف بڑھ گئی۔مزید وہاں بیٹھنے کی ہمت اس میں تھی نہیں اور آنسوؤں کو قابو میں رکھنے کا ضبط وہ کب کا کھو چکی تھی۔

Clubb of Quality Content!

اس کا سر پچھلے بیس منٹ سے خوابیدگی کی وجہ سے بائیں طرف گر رہا تھا۔ایک لمحے آنکھ لگتی تو اگلے ہی لمحے جھٹکے کی وجہ سے بے دار ہو جاتی۔حالانکہ رات کو وقت پر سو گئی تھی۔پر نیند تھی کہ آنکھوں کا پیچھا چھوڑ ہی نہیں رہی تھی۔

اس کے ساتھ نشست المیر خلیل پچھلے کتنے ہی منٹ سے سامنے رکھی بینچ پر بیٹھے اس لڑکے کو گھور رہا تھا۔ جو کب سے اس کی بیوی کی اور سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ ایک دل کیا اٹھ کر اس کا منہ توڑ دے۔ لیکن کیا کرتا ہسپتال میں جو تھا۔ ذرا سا شور ڈالتا تو ہسپتال والے باہر کر دیتے۔

گردن کو کچھ ترچھا کر کے اُسے دیکھا جس کا سر پانچویں یا چھٹی مرتبہ آگے کی طرف گرنے والا تھا۔ ایک گہرا سانس اندر کھینچتے اُس نے بنا ہلے اپنے دائیں ہاتھ کی پشت سے اُس کی پیشانی چھوئی جو جھول کر آگے کو ہی جا رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پھر اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے اپنے کندھے کی طرف جھکایا۔ وہ اب اس کے سر کو اپنے کندھے پر رکھ چکا تھا۔ وہ ہلکا سا ہلی.. لیکن نیند نہ ٹوٹ پائی۔

سُرمئی آنکھیں سامنے بیٹھے لڑکے کی طرف اُٹھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں کہ یہ عورت صرف میری ہے۔ وہ لڑکا ان دونوں سے نظریں فوراً ہٹا گیا۔ اس نے ایک سکون کا سانس ہوا کے سپرد کیا۔

اِشفاامین راحم رضا احمد اور اُس کی ٹیم کے بیان لے کر واپس جا چکی تھی۔ جبکہ مہوین اپنے فلور کی طرف بڑھ گئی تھی۔ المیر خلیل بھی راحم سے مل کر ابھی ابھی ہی تھانے جانے کے لئے ہسپتال سے نکل رہا تھا جب اس کی نظر اپنے آگے چلتے لڑکے پر پڑی۔

خون کھولا، آنکھیں انگارہ ہوئیں اور ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ ہسپتال سے باہر نکلتے ہی اس نے اُسے اپنی طرف موڑا۔ ایک بھاری گھونسہ اُس کے جبڑے پر دے مارا۔ وہ آج سے پہلے اتنا بے قابو کبھی نہیں ہوا تھا۔

نووارد شخص لوگوں کی بھیڑ میں زمین بوس ہو گیا۔ چہرہ اوپر کیا تو ہونٹ کے کنارے سے خون رسنے کا منظر سب کی آنکھوں میں گھوما۔ "غلطی سے کبھی مجھے اپنے آس پاس دکھ مت جانا۔ ورنہ کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا! And stay the hell away from

my woman(میری عورت دے دور رہو)"اپنا بوٹ اس کی ٹانگ پر رکھ کر بہت سارا وزن ایک ساتھ ڈالا تو وہ کراہنے لگا۔

زندگی میں پہلی دفعہ اس نے کسی کو اپنی موجودگی میں اپنی بیوی پر نظر ٹھہراتے دیکھا تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا اسے سیدھا اوپر پہنچا دیتا۔

قمیض کے کالر کو جھٹکتے وہ وہاں سے دور ہوتا گیا۔ پیچھے جمع لوگوں کا گروہ کبھی اُس کی پشت تو کبھی زمین پر گرے اُس شخص کو دیکھتا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر خلیل کی نشست سنبھالے راحم رضا احمد کاغذوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔سعید غنی کی آٹوپسی رپورٹ آگئی تھی۔ جسم پر تشدد کے کوئی آثار نہیں تھے۔لاش کے گرنے کے انداز

اور گلے پر چھری کے نشان سے اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ کسی نے اچانک پیچھے سے اُسے تھاما اور گردن پر چھری چلا دی۔

کپ اٹھاتے اس نے کافی کا گھونٹ بھرا۔ کوئی اتنے میں اس کے نزدیک آٹھہرا۔ کاغذ سے بھری ایک فائل اس کے سامنے میز پر رکھی۔ "سر.. یہ سارے قتل سات تاریخ کو ہوئے ہیں۔"

فہرست پر نظر پھیری۔ فہرست میں مختلف مہینوں کی سات تاریخ کو جن جن کا قتل ہوا تھا ان کے نام درج تھے۔ جن ناموں کو پیلی سیاہی سے ہائلائٹ کیا گیا تھا وہ ان کو دیکھ رہا تھا۔

بھینویں تنگ ہوئیں۔ اتنا بڑا اتفاق کیسے ہو سکتا تھا؟" رحمان امین اور سحر امین کا انتقال بھی سات تاریخ ہوا تھا؟" اس نے گردن تھوڑی سی موڑی اور قوی کو دیکھا۔ اس نے سر ہولے سے ہلا یا۔

"عامر علی کا مرڈر بھی سات ہی کو ہوا تھا۔اس کے علاوہ مقتولہ نفیسہ جن کا کیس ابھی تک حل نہیں ہوا۔۔ان کا مرڈر بھی سات کو ہی ہوا ہے۔آپ نے کہا تھا کہ سات تاریخ والے کیسز کا مشترکہ نکتہ تلاش کروں۔ان چار سے پانچ لوگوں کے درمیان ایک ہی منفرد اور اتفاقی پہلو ہے اور وہ ہے..."

"خلیل منزل کے لوگ۔"اس نے سر اثبات میں ہلایا۔قوی نے بالکل درست گمان کیا تھا۔ یہ تمام پہلو ایک طرف جا جڑتے تھے۔انکا ایک ہی نکتہ اتفاق تھا۔"ایک کام کرو۔اس فہرست کے باقی مقتولوں کے بھی کیس اسٹڈی کرو۔دیکھو کوئی اور ملتا ہے کیا جس کا تعلق ان سے ہو۔"

مرڈر تو عالیہ کا بھی ہوا تھا۔لیکن اس روز تاریخ سات تو نہ تھی۔لیکن کہیں ناں کہیں اُسے کھٹکا تھا کہ عالیہ کا ان کیسز سے بہت گہرا تعلق ہے۔

پر ابھی کے لئے اُس اے ایس پی کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ سعید غنی کے کیس کی تفتیش کرے یا گزشتہ کیسز کی۔ نفیسہ کا کیس بھی جس ایس ایچ او کے پاس تھا اس کی طرف سے بھی کوئی خاص جواب نہیں مل پایا تھا۔

راحم اُس کیس کے حوالے سے اتنا جانتا تھا کہ قاتل کے جوتے خلیل منزل سے ملے تھے اور ان میں سے ایک سنہرا بال برآمد ہوا تھا۔ بال ڈی این اے ٹیسٹنگ کے لئے گیا تھا پر رپورٹ میں کیا آیا؟ اس کا اُسے علم نہ تھا۔

اس نے میز سے فون اٹھایا اور کان کے ساتھ لگا لیا۔ دوسری طرف سے سلام پیش کیا گیا تو وہ سلام کا جواب دیتا سیدھا کام کی بات پر آیا۔ "بال کی کھال اتار دی ہو تو نتیجہ بتا دو اب۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ راولپنڈی کے ایک مخصوص علاقے کا ایس ایچ او ایک دم سے جیسے چپ کر گیا تھا۔ "سر ایک چھوٹی سی غلطی ہو گئی۔"

سبز آنکھیں پل بھر کے لئے میچ لیں۔ ساتھ ہی ساتھ پیشانی پر شکنیں نمودار ہو کر غائب ہو گئیں۔ "اب یہ نہ کہنا تم لوگوں سے بال کہیں کھو گیا۔"

"سر۔۔" اس کی خاموشی میں رضامندی شامل تھی۔ راحم رضا احمد کا دل کیا فون سے نکل کر اس کی کھال ادھیڑ دے۔ اسی لئے اس کی سوائے المیر کے کسی سے نہیں بنتی تھی۔ کیونکہ باقی تمام ایس ایچ او صدا کے سست اور آج کے زمانے میں عقل کی دوڑ میں پیچھے تھے۔

اس کا دل چاہا کہ ابھی ایس پی کو کال کر کے اس کی ٹرانسفر کروا دے۔ پچھلے ایک سال میں دو سے تین آفیسرز کی ٹرانسفر وہ کروا چکا تھا۔ چار سے پانچ کو نوکری سے فارغ بھی کروا دیا تھا۔

"اویڈنس بیگ سے بال نکل کر غائب کیسے ہو گیا؟" آئے دن ایس پی کی کال آتی رہتی تھی۔ وہ کسی بھی کیس کو دو مہینے سے زائد رہنے نہیں دیتا تھا۔ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ایک کیس حل ہوتا کہ دوسرا کوئی سامنے آجائے تو ساری توجّہ اس پر ہو۔

اس حساب سے ایس پی اور اے ایس پی کے لئے ہمیشہ سے المیر خلیل ہی بہترین انتخاب رہا تھا۔ کیونکہ وہ تین ہفتے مکمل ہونے سے قبل ہی اُسے حل کر لیتا۔ دماغ جو اس کا سو کی رفتار سے چلتا تھا۔

اور ایک یہ سب تھے۔ نکمے۔

"سر۔۔ ہماری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں برتی گئی۔ لیب سے غائب ہوا ہے۔" ظاہر ہے اب اپنی غلطی لیب کے سر توڑالنی ہوگی۔ اکثر یہی تو ہوتا تھا۔

Clubb of Quality Content!

"غائب ہوا ہے یا گم ہوا ہے؟" اس نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ ایک تو یہاں گرمی اتنی شدید تھی۔ اوپر سے اس کا دماغ بھی گرم ہو گیا تھا۔

"سر دونوں میں کیا فرق ہے؟"

"غائب ہونے کا مطلب ہے کہ اویڈنس ایک مخصوص جگہ پر رکھا گیا اور پھر دوبارہ دیکھنے پر وہاں موجود نہیں تھا اور گم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اویڈنس کہیں آگے پیچھے رکھ دیا گیا۔"

"سر..اس بات کا تو علم نہیں ہے مجھے۔۔"اس نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچ کر خود کو نارمل کرنے کی ناکام کوشش کی۔"تمہارے پاس دو ہفتے ہیں۔اگر اس مدت میں یہ کیس سولو نہ ہوا تو قسم خدا کی..!تم دوبارہ تھانے میں نظر نہیں آؤ گے۔اور ہاں ان بوٹ کا کیا بنا جو خلیل منزل سے برآمد ہوئے تھے؟"

"سر...جب ڈی این اے ہی نہیں ہے ان پر تو ان کا کیا کروں؟اریسٹ وارنٹ نکلواؤں بھی تو کس کے نام کا؟خلیل منزل کا کوئی فرد بھی ان بوٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا..ایک ایک کر کے سب افراد سے تفتیش بھی کر چکا ہوں۔"

"ہوں..خیر فلوقت بال کا کچھ کرو باقی بعد کی بات ہے.."

ناولز کلب
Club of Quality Content

اس نے جی جی کرتے فون بند کر دیا تو راحم نے پشت کرسی کے ساتھ ٹکالی۔ اُسے لگنے لگا تھا کہ ان تمام کیسز کو الف سے اسٹڈی کرنے کی ابتدا کرنی ہو گی۔ اس کے لئے اُسے کچھ لوگوں کے تعاون کی اشد ضرورت تھی۔

ایک طرف یہ سب تھا تو دوسری طرف اس کی بیوی کا کیس تھا۔ سمجھ سے باہر تھا کہ کہاں سے تحقیقات کا بیرا اٹھائے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک اپریل ۲۰۱۹

راولپنڈی کے مخصوص مکان میں ہلچل ہر سمت سے کانوں میں گھر کر رہی تھی۔ سورج سفید اور نیلے امتزاج کے آسمان میں اپنی شعاعیں بکھیرے ہوئے تھا۔ جھلسا دینے والی گرمی راولپنڈی کی جگہ جگہ کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

یہ اسی شہر کا ایک مختصر علاقہ تھا جس میں ایک چھوٹا سا گھر تعمیر تھا۔ گھر کے ہال کی بتیاں درخشاں تھیں۔ معلوم پڑتا تھا کہ مہمان آئے ہوئے ہیں۔

انیس سال کی مہوین بالوں کی چوٹی بنائے اپنے کمرے میں کتابوں کو حفظ کرنے میں مگن تھی۔ جبکہ بیس سالہ اِشفا کمرے کے یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہی تھی۔ کب سے تو اُسے پریشانی لاحق تھی۔ پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے اور چہرے پر پسینہ سفر کر رہا تھا۔

وہ باہر جانے سے کترا رہی تھی۔ کیونکہ ممانی، ماموں اور ایک خالہ سات دن سے ان کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔

Clubb of Quality Content

مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ اس کے گھر رکے ہوئے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ ان کے آنے کا مقصد جان لیوا تھا۔

وہ اشفا کی شادی کروانے آئے تھے۔ بس اُسے لڑکا چننا تھا۔ فیضان اور شاہمیر میں سے۔ فیضان ماموں کا بیٹا تھا اور شاہمیر خالہ کا۔ وہی پرانی روداد یں پیش کی گئی تھیں۔ کہ اب تمہارا ہے کون جو تمہیں دیکھے؟ بہتر نہیں ہے کہ ہم میں سے کسی کی بہو بن جاؤ۔

اشفا کا خون تو بہت کھولا تھا۔ اس کے رشتے دار باتوں ہی باتوں میں ماضی سامنے لا کھڑا کرتے تھے۔ دو دن سے کھانے کی ٹیبل پر یہی گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔

مہوین چھوٹی تھی اس لئے اگر بولتی بھی تو چپ کروادی جاتی۔ اور اشفا کو بولنے ہی کہاں دیتے تھے؟ کہتے تھے پہلے ہی تم پر ایک اتنا سنجیدہ الزام ہے۔ کون تمہیں اپنی بہو بنائے گا؟ ہم تو بہت محبت کرتے ہیں تم سے تب ہی تم پر احسان کر رہے ہیں۔

ناجانے اب ان کا اس میں کون سا فائدہ تھا۔ مفاد پرست تھے۔ کہیں سے بھی کوئی بھی نتیجہ آخذ کر لیتے تھے۔ بارہا اسرار کر چکی تھی کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ پڑھ رہی ہوں۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لیکن مجال ہو جو یہ بات ان کند ذہنوں میں بیٹھتی۔رات کو سمجھا کر سوتی تھی کہ ابھی شادی نہیں کرنی۔اگلے روز ناشتے پر پھر وہی روز کا راگ۔وہی دکیانوسی باتیں۔ان دونوں بہنوں کے تو کان پک گئے تھے۔

وہ تینوں دونوں کی خیریت معلوم کرنے آئے بھی پورے تین سال بعد تھے۔اور برتاؤ ایسا تھا جیسے سالوں سے ان کی دیکھ بھال کر رہے ہوں۔

ویسے بھی مہوین کے ماہانہ پرچے چل رہے تھے۔ایک تو رشتے داروں کی آمد بھی تب ہوتی ہے جب گھر میں کسی ایک ناں ایک بچے کے پرچے جاری ہوں۔

وہ دونوں تنگ آگئی تھیں۔ماموں اور ممانی مہوین کے کمرے میں سوتے تھے اور خالہ اشفا کے کمرے میں اس کے اور مہوین کے ساتھ۔روز رات کو ماضی قرید نے بیٹھ جایا کرتی تھیں خالہ۔کہ آخر اشفا کو کیا سوجی کہ اس نے گھر کو آگ لگادی۔

پچھلے بارہ سالوں سے روز کے طعنے کم تھے جو یہ سب ایک مرتبہ پھر سے ماضی میں ہوئے واقعے کی مالا جپنے آ گئے تھے؟ ہر گفتگو کے اختتام پر ایک ہی فقرہ سب کے منہ سے نکلتا تھا۔

"دیکھو ناں اب زندگی موت کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ تم شادی کر لو۔ پھر مہوین کی بھی تو کرنی ہے۔ کل کو تمہیں کچھ ہو گیا تو اس کا کیا ہو گا؟ بیشک گھر میں آگ تمہاری وجہ سے لگی تھی پر موت تو تم دونوں کے والدین کی حادثاتی ہی تھی ناں؟ موت برحق ہے۔ کبھی بھی آ سکتی ہے۔"

ان جملوں کو توڑ مروڑ کر وہ تینوں بدل بدل کر کہہ چکے تھے۔ قاتل کا ٹیگ تو مطمئن انداز میں اشفا کے ہی ماتھے پر لگتا تھا۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں اُسے قاتل کہنے کے بعد یہ کہتے کہ تمہاری غلطی نہیں تھی۔ تم تو بچی تھیں تب۔

کاش یہ الفاظ تب کہے ہوتے جب ہزاروں کی تعداد میں لوگ خلیل محمد کے گھر میں میت پر افسوس کرنے آئے تھے۔ تب تو بڑی بے رحمی کا مظاہرہ کرتے اُسے تھپڑ بھی مارے تھے۔ طعنے بھی دیے تھے اور سب کو اچھے سے بتا بھی دیا تھا کہ اسی نے اپنے والدین اور بھائی کو مارا ہے۔ پھر جب اس کی ناک سے خون نکلنے لگا تو اُسے کمرے میں بند کر دیا گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جنازہ ہو بھی گیا تھا۔ کسی نے بھی اُسے کمرے سے نکالا تک نہیں تھا۔ پورے ایک ہفتے کے لئے اس کے نام کے رشتے دار خلیل محمد کے گھر رکے رہے تھے اور اُتنے عرصے میں کسی نے ایک بار بھی اُسے کھانا نہیں دیا تھا۔ کمرے میں پانی کا جگ رکھا تھا جس میں سے وہ پورے سات دن تھوڑا تھوڑا پانی پیتی رہی تھی۔

چونکہ کمرہ عالیہ کا تھا اس لئے الماری میں کچھ بسکٹ اور ٹافیاں رکھی تھیں جن پر وہ گزارا کرتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کبھی کبھی دروازے پر دستک ہوتی تو وہ اُمید سے اٹھ کھڑی ہوتی۔ ننھے ہاتھ اور کان دروازے پر رکھ کر باہر سے آتی آوازیں سننے میں لگے ہوتے۔ لیکن دروازے کے اُس پار سے ایک بھی آواز نہ آتی تھی۔

ظلم کی اتنی انتہا تھی کہ آئمہ خلیل بچوں کو لے کر کسی رشتے دار کے گھر جا بیٹھی تھیں۔ اس وجہ سے عالیہ اور المیر میں سے بھی کوئی اس کی فریاد نہ سن پایا تھا۔

پھر ایک ہفتے بعد جب دروازہ کھلا تو کیا دیکھتی ہے کہ گھر میں ایک بھی رشتے دار نہیں تھا۔ مہوین بھی نہیں تھی۔ صرف خلیل محمد تھے۔ مہوین کو نہ پا کر وہ رونے لگ گئی تھی۔اس کی خالہ اس کی چھوٹی بہن کو ساتھ لے گئی تھیں یہ کہہ کر کہ اشفا اسے بھی مار دے گی۔ خلیل محمد نے اسے بہت سمجھایا تھا۔دلاسہ دیا تھا۔

پر ٹوٹے دل والوں پر دلاسے اور حوصلے کبھی کام نہیں کیا کرتے۔ ٹھیک اسی طرح اُس پر بھی بھاری سے بھاری الفاظ میں دیا جانے والا حوصلہ کام نہیں کیا تھا۔ایک مہینے تک وہ خلیل محمد کے ساتھ رہی تھی۔ آئمہ خلیل اب تک واپس نہ آئی تھیں۔

ایک دن تنگ آکر اس نے خلیل محمد سے اسرار کیا تھا کہ اُسے اپنی بہن واپس چاہیے تھی۔اور گھر بھی۔ وہ اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی تھی جہاں اس کے والدین کی قاتلہ رہائش پذیر تھی۔ سو اس نے ایک علیحدہ گھر لینے کا فیصلہ کیا تھا۔عمر کے حساب سے فیصلہ کافی بڑا اور مشکل تھا۔ پر حالات جو برے تھے۔ برے حالات انسان سے کچھ بھی کروا لیتے ہیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایسے میں خلیل محمد نے پھر اُسے اسی علاقے میں کرائے کا چھوٹا سا گھر لے کر دیا۔ جہاں وہ ایک ہفتے تک شفٹ ہو گئی تھی۔ اب صرف مہوین کو لانا باقی تھا۔

بہت بولنے والی اِشفا چپ چپ رہنے لگی تھی۔ خلیل محمد کا اُسے ہنسانے کا ایک بھی حربہ کام نہ آتا تھا۔ اس دوران ماموں کبھی دو تو کبھی تین ہزار بھجوادیا کرتے تھے۔

دو مہینے ہونے کو آئے تھے کہ وہ والدین اور بہن بھائی کے بغیر رہ رہی تھی۔ اور ایک مہینہ اُسے اس گھر میں اکیلے رہتے ہو گیا تھا۔ اس دوران سکول بھی نہیں جا پائی تھی۔ دل جو نہیں چاہتا تھا۔ ماں تھی نہیں جو ناشتہ بنا کر دیتی اور باپ تھا نہیں جو سکول چھوڑ کر آتا۔

خلیل محمد نے ایک دفعہ اُسے سکول جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی پر وہ نہیں مانی تھی۔ روز صبح اٹھتی تو ماں کو نہ پا کر رونے لگتی۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو در آتے۔ پھر خود ہی چپ کر جاتی۔ پھر تین کا وقت ہوتا تو دل گھبرانے لگتا۔ ٹھیک اسی وقت اس کے والد جو آفس سے آتے تھے۔ لیکن اب تو وہ نہیں رہے تھے جن کے آنے کے انتظار میں وہ رنگ رنگ کی فراک پہن کر تیار ہوتی۔

یہ تمام احساس اور جذبات اس کے لیے ایک دم غیر شناسا تھے۔ایک آٹھ سال کی بچی اتنا کچھ اپنے اندر لئے بیٹھی تھی۔ سینے میں چھوٹا سا دل نا جانے اپنے اندر کتنے درد سا موئے بیٹھا تھا۔ ہر چیز سے دل اتنا اچاٹ ہو گیا تھا کہ کھانے پینے کا دھیان تین تین روز تک نہ رہتا۔

البتہ اُسے پیاس بہت لگتی تھی۔ایک دن میں پانی کی دو دو ڈیڑھ لیٹر کی بوتلیں پی جاتی تھی۔ یہاں تک کے جو پانی مہینے بھر کا ہوتا وہ پندرہ دن میں ختم ہو جاتا۔

ناولز کلب
Classics of Quality Content

گھر کے پانی اور راشن کا انتظام بھی خلیل محمد نے کر دیا تھا۔ایک نوکر ہر مہینے دونوں کام کر دیتا تھا وہ بھی بنا کسی کو خبر کیے۔

کھانا پکانا تو کچھ آتا نہ تھا۔اس کے علاوہ پیاز اور ٹماٹر پڑے پڑے سڑ جاتے تھے۔جو پھل راشن میں آتے ان ہی پر گزارا کر لیتی۔ کبھی کبھی تو ان کو بھی کھانے کا دل نہیں کرتا تھا۔

ایک دو دفعہ خلیل محمد نے اُسے ایک نوکرانی رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ان کے جاننے والی بھی تھی۔ لیکن اِشفا مانتی ہی نہیں تھی۔

اُس پر الزام تھا یہ کہ اس نے اپنے گھر والوں کو مار ڈالا۔ وہ تو کبھی کوکنگ کا شوق رکھتی ہی نہ تھی۔ماچس اور تیلی سے اُسے ڈر لگتا تھا۔اس لئے وہ چولہے کے قریب بھی نہ جاتی۔

کھانا پکانے کا شوق مہوین کا تھا۔وہ بھی محض گھر میں آگ لگنے سے ایک ہفتہ پہلے کا۔ماں باپ گھر پر نہ ہوتے تو وہ چولہے پر کچھ بھی بنانے لگتی۔ایک دفعہ اس نے ہانڈی جلادی تھی۔سحر امین ایک چھوٹے سے کلینک میں ماہرِ امراضِ نسواں کے بطور کام کرتی تھیں اور رحمان امین ایک بڑے این جی او میں میدان امور کے نگران تھے۔اس دن وہ دونوں اپنے اپنے کام پر موجود تھے۔جب سحر امین گھر آئیں تو مہوین سہم گئی۔اُسے ڈرا ہوا پا کر اس کا الزام اِشفا نے اپنے سر لے لیا تھا۔اور اسی وجہ سے سب کو لگتا تھا کہ گھر میں آگ اس کی کوتاہی کی وجہ سے لگ گئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے خبر پورے پاکستان میں پھیل گئی۔ سب اِشفا کو عجیب نگاہوں سے دیکھتے۔ ہر شخص کی تنقیدی نگاہ اُسے چبتی تھی۔ دودھ والا آتا تو اکثر ہنستے ہنستے بول جاتا کہ چولہے سے دور رہنا۔ ایک دو دفعہ تو ٹی وی بھی دل بہلانے کے لئے چلا لیا۔ پر ہر طرف اس آٹھ سال کی بچی کا ذکر چھایا تھا۔ جس کی وجہ سے گھر جل گیا۔

تیسرا مہینہ چڑھنے میں کچھ ہی روز باقی تھے۔ گھر کی خاموش اور بے زار در و دیوار سے اُسے وحشت محسوس ہوتی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ چلانے لگے۔ اب لوگ اکثر اس کے گھر تک آ کے اس کا حال پوچھ لیتے تھے۔ لیکن ان کی نظروں میں اپنے لئے افسوس اُسے غصہ دلاتا تھا۔

ترس کی چاہ تو اُسے کبھی تھی نہیں۔ انصاف تھا جس کے انتظار میں اُس کا ایک ایک پل کٹتا تھا۔ اب کہ ہر چیز.. حرکت اور برتاؤ معمول کا حصہ بننے لگا تھا۔ مہینہ مہینہ نہاتی نہیں تھی۔ نماز تک تو اُسے ٹھیک سے پڑھنے نہیں آتی تھی۔

خوف کی کیفیت سے اب وہ کئی زیادہ آگے نکل آئی تھی۔ کسی بھی کانچ کی چیز کو دیکھتی تو دل کرتا توڑ دے۔ کچن میں قدم تک نہ رکھتی۔ کبھی صوفے پر تو کبھی زمین پر سو جاتی۔ بستر کو دیکھتی تک نہ تھی۔ماں کی کہانی کے بغیر سونے کا دل جو نہیں کرتا تھا۔

اب کہ اکتوبر آدھا گزر چکا تھا۔ ٹھنڈ کی شدت اڑان بھر رہی تھی۔ ہیٹر تو تھا نہیں اور گیس بھی نہیں آتی تھی۔ایک ہی کمبل تھا جس سے بہت گندی بدبو آتی تھی۔اُسے اوپر اوڑھنے کا دل ہی نہ کرتا۔جب بھی ٹھنڈ سے کانپتی تو کرلیتی اور پھر دو منٹ میں دور پھینک دیتی۔

دل چاہتا کہ خلیل محمد کے ہاں نوکر کے ہاتھ پیغام بھجوا دے کہ اسے کچھ ضرورت کا سامان چاہیے۔ لیکن خوددار بھی بہت تھی۔اپنی ماں کی طرح۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے جان جاتی تھی اس کی۔

نومبر چڑھا تو پیسے آنا بند ہو گئے تھے۔ ظاہر تھا اب رشتے دار خون کے ہوں یا نام کے۔ کام تب تک ہی آتے ہیں جب تک انہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ٹھنڈ اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس کا جسم ہر وقت ٹھر ٹھر کرتا۔ کہ ایک روز شدید حرارت محسوس ہونے لگی۔ جسم ایسے تپنے لگ گیا جیسے آگ پہ لوٹ رہا ہو۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ اپنی جان لے لے۔ مر جائے گی تو ٹھنڈ نہیں لگے گی۔ بچی جو تھی۔ مرنا آسان حل لگتا تھا۔ کیونکہ جینا جو موت کی مانند تھا۔

کھانس کھانس کر حالت بری ہو جاتی۔ ایک دل کرتا کہ خلیل محمد کو خبر کر دے۔ پر... ان کے پہلے ہی اس پر بہت احسان تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آدھا نومبر بیت گیا تھا۔ مہوین کی یاد اتنی بڑھ گئی تھی کہ ہر وقت آنکھ سے آنسو نکلتے رہتے۔ یہاں تک کے نشان پڑ جاتے۔ شہد رنگ آنکھیں ویران تھیں۔ جیسے جینے کی امید کھو چکی ہوں۔ آنکھوں کے نیچے ہلکے سیاہ تھے۔ جیسے کسی جان لیوا بیماری کی مریضہ ہو۔

جب دسمبر چڑھا تو اس کی بس ہو گئی۔ دسمبر کو شروع ہوئے پانچ روز ہو گئے تھے اور پانی اور راشن کو ختم ہوئے دس روز۔ دو دن پہلے اس نے پانی کا آخری قطرہ حلق سے نیچے اتارا تھا۔ گھر پر صرف پیاز باقی تھا۔ اور بادام۔

بادام ہر مہینے راشن میں آتے رہے تھے پر وہ ایک کو بھی منہ کے قریب لے کر نہ گئی تھی کیونکہ اُسے بداموں سے الرجی تھی۔ اب رہ گیا تھا پیاز۔ جسے ثابت کھانا اُسے بہت مشکل لگا تھا۔

ناجانے اس دفعہ نوکر سامان لانا کیسے بھول گیا تھا۔ کچھ ہمت کرتے اس نے پیاز کو دانتوں سے کاٹا۔ وہ اتنا کڑوا تھا کہ اس کی آنکھ سے پانی بہنے لگا۔ ناک کے نتھنوں میں آگ لگ گئی۔ کھانستے ہوئے اس نے اُسے تھوک دیا۔

اب بھی اگر کچھ نہ کھاتی تو گویا تڑپ تڑپ کر مر جاتی۔ پر تڑپ تڑپ کر مرنے سے تو بہتر تھا ایک دفعہ میں ہی مر جائے۔ اس نے باداموں کے شاپر میں سہمے سہمے دونوں ہاتھ ڈالے۔ ایک بادام نکال کر دونوں ہاتھ کو جوڑ کے ان کے درمیان رکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پھر منہ میں ڈال لیا۔ چند ہی سیکنڈز میں اس کے منہ سے گرم سانس خارج ہونے لگا۔ پھر دھیرے دھیرے کھانسی کی شروعات ہوئی۔ چہرہ اور آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ وہ فرش پر گر گئی تھی اور اس کے بعد اُسے کچھ یاد نہ تھا۔ کیونکہ منظر سیاہ ہو گیا تھا۔

جب اگلی مرتبہ آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ہسپتال کے بستر پر پایا۔ مشینوں میں جکڑی ہوئی اشفا امین۔ چہرے پر چھایا اجاڑ پن دس فیٹ کی دوری سے بھی دکھتا تھا۔ اس کے ارد گرد صرف دو لوگ موجود تھے۔ خلیل محمد اور مہوین امین۔

سکتے کی کیفیت کچھ منٹ طاری رہی۔ ذہن شل تھا جیسے سمجھ بُوجھ رکھنے سے قاصر ہو۔ مہوین کو لگا تھا وہ اس سے نفرت کریگی۔ ڈانٹے گی کہ اپنی بہن کو چھوڑ کر خالہ کے ہمراہ کیوں چلی گئی۔ خلیل محمد کو لگا تھا وہ روئے گی اور اتنا روئے گی کہ اس کا دل ہلکا ہو جائے گا۔

ان دونوں کی توقعات کے بر عکس وہ خاموش تھی۔ آنکھ میں ایک بھی قطرہ نہ آیا تھا۔ ایک ڈھیلی سی مسکان اس کے ہونٹوں پر دھیرے دھیرے آنے لگی تھی۔ پھر اس نے بازو کھولے تو مہوین آکے اس کے گلے سے لگ گئی۔ شاید وہ ماضی بھلا چکی تھی یا شاید بہت اچھی اداکارہ تھی۔

پھر اُسے گھر لے آئے۔ کرائے کے گھر۔ مہوین نے اُسے بتایا کہ کیسے خالہ اُسے زبردستی کھینچ کر ساتھ لے گئی تھیں۔ اور کتنا ہی وقت وہ اُس کے لیے روتی رہتی تھی۔ پھر بتایا کہ کیسے خلیل محمد اُسے خود جاکر لے کر آئے تھے۔ اور کیسے خالہ اُسے ابھی بھی ان کے ہمراہ جانے نہیں دے رہی تھیں۔

اشفا امین کو کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اُسے خود سے شکوے تھے۔ اس نے خود کا بہت نقصان کیا تھا۔ باقی سب کی طرح وہ بھی خود کو مجرم قرار دے چکی تھی۔ لیکن اس دن کے بعد سے اس کی ہر ادا بدل گئی تھی۔ جیسے اس نے موہر لگادی ہو کہ اب نہیں روئے گی۔

Clubb of Quality Content

وہ دن تھا اور آج کا دن تھا کہ مہوین کو اس نے کبھی بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ آگ کا الزام جو کہ مہوین کے سر لگنا چاہیے تھا وہ اشفا کے منہ پر مار دیا گیا تھا۔ وہ خود کو اور خود سے جڑی چیزوں سے لے کر انسانوں تک ایک ایک شے کا دفاع کرنا جانتی تھی۔

مہوین آج تک اس بات سے بے خبر رہی تھی کہ اشفا کے ساتھ ماں باپ کی موت کے ہفتے بعد کیا ہوا تھا؟ اور یہ بھی صرف خلیل محمد اور اشفا جانتے تھے کہ وہ دونوں تھانے گئے تھے۔ جب اُس وقت کے ایس ایچ او کو اشفا نے آئمہ خلیل کے خلاف ایف آئی آر کاٹنے کا کہا تو بجائے عمل کرنے کے اس نے آئمہ خلیل اور خلیل محمد کو پیغام پہنچا دیا تھا۔ آئمہ خلیل المیر کے ہمراہ اپنی ماں کے گھر سے سیدھا تھانے آئی تھیں۔

مہوین کو آئمہ خلیل کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔ اور یہی اس کے لیے بہتر تھا۔ پھر کچھ ہی ہفتوں بعد خلیل محمد اپنے گھر والوں کو لے کر اسلام آباد شفٹ ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ جتنے دن مزید اُس محلے میں رہتے.. اتنا ہی زبردست اور بڑا نقصان دونوں بچیوں کو اٹھانا پڑ جاتا۔

Clubb of Quality Content!

اِشفا کی باتوں پر کسی نے یقین نہیں کیا تھا۔ کہانی کے دوسرے سرے پر کسی نے نظر ثانی نہیں کی تھی۔ صرف خلیل محمد نے کی تھی۔ وہ اپنے دوست کی بیٹی کے منہ سے نکلے ایک ایک لفظ کو سچ مان چکے تھے۔ کیونکہ اس کی تربیت رحمان امین نے کی تھی اور رحمان امین سے سچا اور اچھا انسان انھوں نے کبھی دوبارہ اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔

اب ماضی سے نکل کر حال میں آئیں تو اشفا امین فون کو کان سے لگائے کھڑی تھی۔ صرف ایک ہی شخص اس کے کام آسکتا تھا۔ "ہیلو؟"

"خلیل انکل..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اشفا نے جب کال پر انہیں ساری بات بتائی تو وہ پریشان ہو گئے تھے۔ بیشک اس کا ماموں اس کا گارجین تھا۔اور وہ اس کے فیصلے لینے کا حق رکھتا تھا۔ لیکن خلیل محمد اپنے ہوتے ہوئے اس پر کسی کا بھی فیصلہ مسلط نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔

اس کے رشتے داروں سے بات کرنے سے پہلے وہ اشفا سے آمنے سامنے بات کرنا چاہتے تھے۔اسی غرض سے انھوں نے اُسے اگلے دن اپنے دفتر میں ملنے کے لئے بلایا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اشفا امین منظر عام پر آئی۔ بیس سال کی اُس لڑکی نے گھٹنوں تک آنے والی نیلے رنگ کی فراک پہن رکھی تھی اور اسی رنگ کا دوپٹہ ڈھیلا سا سر پر لیا ہوا تھا۔ اپنی بڑھتی عمر کے ساتھ وہ بہت خوبصورت ہو گئی تھی۔اتنی خوبصورت کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہتا۔

میک اپ سے پاک چہرہ لئے وہ ان کے سامنے آ بیٹھی۔ حال احوال کے بعد وہ مُدّے پر آئے۔

"کیا تم شادی کرنا چاہتی ہو اشفا؟"

کچھ پل خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "شادی میری منزل کا حصہ نہیں ہے۔ اور میری منزل تک جاتی ہر راہ میں سے کسی پر بھی شادی کا بورڈ نہیں لگا ہوا، انکل۔"

"تم یہ اپنے رشتے داروں کو کہہ چکی ہو؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ "وہ کہتے ہیں میری شادی کیے بغیر نہیں جائیں گے۔ پہلے تو کبھی ان کو میری پریشانی لاحق نہیں ہوئی۔"

وہ پانچ منٹ خاموش رہے۔ کسی گہری سوچ میں ڈوبے رہے اور پھر نظریں اشفا پر ڈالیں۔
"ان کا تم سے کوئی مفاد ہے کیا؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"انکل بابا کی زمینیں ہیں۔ زیادہ تو نہیں پر ہیں سہی۔ شاید اس لئے یہ لوگ میری شادی اپنے خاندان میں کروانا چاہتے ہیں۔" اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔ اس نے پہلو بدلا۔

"اگر تمہیں شادی کرنی پڑے۔ تو تم کس سے کرو گی...؟" ان کا اشارہ اس کے دونوں کزنز کی طرف تھا۔ چہرے پر ہلکی ہلکی سرخی چھائی۔

"آپ کے بیٹے سے، انکل۔"

جواب پر خلیل محمد کا منہ کھل گیا۔ پھر ہنسنے لگے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ "المیر سے؟" اس نے ہولے سے سر کو جنبش دی۔ "تمہیں اس میں کیا نظر آیا؟ غصے کا کتنا تیز ہے۔ تمہارے لئے تو کوئی شہزادہ ہونا چاہئے۔"

"انکل میں شہزادے سے شادی کر کے کیا کروں گی؟ شہزادوں کی چاہ انہیں ہوتی ہے جن کی منزل محل ہو یا جن کے بڑے بڑے خواب ہوں یا جنہیں محبت کی چاہ ہو۔ میرے لیے تو غصہ کا تیز.. سُرمئی آنکھوں والا المیر خلیل ہی ٹھیک ہے۔"

جواب پر وہ کھل کر مسکرائے۔ "پکا ناں؟ کل کو تم کہو کہ کس ہٹلر سے شادی کروادی میں نے تمہاری.."

"وہ تو تب ہو گا ناں جب آپ کا بیٹا مانے گا شادی کے لئے۔۔" بات تو ایک دم درست تھی۔ کرسی کے ساتھ پشت ٹکاتے انھوں نے شہادت کی انگلی ٹھوڑی کے نیچے رکھ لی۔ بازو سینے کے آگے باندھ لئے۔

رات پڑی تو ہلکی ہلکی خنکی ہوا میں محسوس کی جا سکتی تھی۔ بادل پانچ پانچ منٹ کا وقفہ لیتے گرج رہے تھے۔ بجلی کے چمکنے کی آوازیں ہر سو آسمان کو گھیرے ہوئی تھیں۔ خلیل محمد گھر کی زینوں پر بیٹھے سکون سے چائے کا گھونٹ بھر رہے تھے۔ ان کی پیشانی پر آئیں شکنیں المیر کی نظر کا مرکز بنیں۔

پہلے تو خلافِ معمول انہیں زینوں پر بیٹھا دیکھ کے اور پھر بے وقت چائے پیتے پا کر وہ الجھا۔ کیا اُسے ان سے ان کی پریشانی کے پیچھے کی وجہ پوچھنی چاہیے تھی؟ کچھ سوچتے ہوئے وہ ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں، بابا۔"اس نے سوالیہ نگاہوں سے والد کو دیکھا تو انھوں نے مایوسی سے شانے اچکائے۔"بس کیا بتاؤں المیر۔آج بہت پریشان ہوں میں۔"

"کیوں کیا ہوا؟"خلیل محمد نے بیٹے کے چہرے پر چھائے ہمدردی کے تاثرات دیکھے پھر اپنے ساتھ زینوں پر خالی جگہ تھپتپائی تو وہ ان کے بغل میں آ بیٹھا۔

"آج اشفا میرے دفتر آئی تھی۔"اس کا ذکر شاید کافی سالوں بعد اس کے سامنے ہو رہا تھا۔ اس لئے وہ اس نام پر چونکا۔پھر خود کو نارمل کرتے تاثرات سخت کر لئے۔"بہت رو رہی تھی۔کہتی ہے اس کے رشتے دار گھر آئے بیٹھے ہیں۔اپنے بیٹے سے اس کی شادی کروانا چاہتے ہیں۔"چہرہ موڑ کر ساتھ بیٹھے سفید شلوار قمیض والے بائیس سالہ المیر کو دیکھا۔

رو رہی تھی؟اس کو رونا بھی آتا ہے؟سب کو رلانے والی بلا روتی بھی ہے؟جبڑے بھینچے پھر والد کو دیکھ کر ابرو اُچکائی۔"تو اس میں مسئلے والی کیا بات ہے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہی تو مسئلہ ہے بیٹا جی۔اِشفا کے دونوں کزنز جن کا رشتہ آیا ہے۔۔ نکھٹو ہیں ایک نمبر کے۔ نہ کام دھندا کرتے ہیں اور نہ ہی پڑھائی لکھائی۔اب تم ہی بتاؤ ایسے لڑکوں سے کیسے بیاہ دوں اُسے؟"

اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔پرانے محلے والوں سے اس کی تیز زبان کے جتنے قصے وہ اب تک سن چکا تھا۔اس کے لئے یقین کرنا ناممکن تھا کہ اس آفت کی پرکالا کے ساتھ کوئی کسی کام کے لئے زبردستی کر سکتا ہے۔

"تو نہ کرے شادی۔پڑھائی کرے۔"انہوں نے کپ سائڈ پر رکھا اور پھر المیر کی طرف آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔"کاغزات میں اس کا ماموں ان دونوں بہنوں کا گارجین ہے۔وہ ان کے فیصلے لینے کا حق رکھتا ہے۔اب اگر وہ انکار کرے گی تو اُسے ٹھوس وجہ بھی دینی پڑے گی کہ کیوں نہیں کرنی شادی؟اس لئے بس میں بہت پریشان ہوں۔"

"تو کرلے شادی۔"

اس کی سوچ پر انھوں نے ذہنی ماتم کیا۔ کیسا بے حس اور بدمزاج بیٹا تھا ان کا۔ ذرا جو معاملے میں دلچسپی دکھا دے۔ "لڑکے اچھے نہیں ہیں ناں۔"

"تو نہ کرے شادی۔" خلیل محمد کا دل کیا سر ہاتھوں میں تھام لیں۔ پچھلے پانچ منٹ سے کر لے نہ کرے کی مالا جپ رہا تھا۔ مجال تھی جو کوئی اچھے تاثرات دے دیتا۔

"شادی تو کرنی ہے اس نے۔ شادی کروائے بغیر وہ ہرگز بھی اس کے گھر سے نہیں جائیں گے۔ اس لئے میں سوچ رہا ہوں کہ اشفا کی شادی..." المیر کی سُرمئی آنکھوں کا رنگ پل بھر میں بدلا۔ ان کا بدلنا خلیل محمد کی نظروں سے اوجل نہ ہوا تھا۔ "... حسن سے کروا دوں۔"

اس نے چونک کر والد کو دیکھا۔ جیسے جانچ رہا ہو کہ یہ بات انہوں نے کر کیسے دی؟ "حسن... پھپھو فری کا بیٹا؟ اپنے حسن کی بات کر رہے ہیں آپ؟" وہ اس کے تاثرات سے محظوظ ہوئے تھے۔ جانتے جو تھے کہ بیٹے کی دکھتی رگ کی راہ کہاں سے ہو کر جاتی ہے۔

"ہاں ہاں وہی۔ فری ویسے بھی آج کل لڑکی ڈھونڈھ رہی ہے۔ اشفا حسن کے لئے بہترین انتخاب رہے گی۔ حسن ہے بھی کتنا اچھا۔ بہت خیال رکھے گا اس کا۔ میں سوچ رہا ہوں میں کل ہی فری سے بات کرنے اس کے گھر چلا جاؤں۔ تم بھی چلنا۔ ٹھیک ہے ناں؟"

"بابا آپ کو پورے جہاں میں اس کے لئے حسن ہی ملا تھا؟ حسن اُسے تو کیا کسی بھی لڑکی کو ڈیزرو نہیں کرتا۔ ایک ٹائم پر پتا نہیں کتنی لڑکیوں سے باتیں کرتا ہے۔" وہ بول کم اور غصے سے پھنکار زیادہ رہا تھا۔ خلیل محمد تو اندر ہی اندر خوشی سے ناچ رہے تھے۔

"تم تو کہو گے۔ تمہیں پسند جو نہیں ہے وہ۔" انہوں نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"بابا میں نے کب کہا مجھے اشفا نا پسند ہے؟"

بس یہی سننا تھا انہیں۔ ایک کشادہ اور شرارتی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ "میں تو حسن کی بات کر رہا تھا۔" اس بات پر مقابل کے رخسار برق رفتاری سے لال ٹماٹر ہوئے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انہیں خوب ہنسی آئی تھی۔اپنے غصے کے تیز بیٹے کو پہلی مرتبہ شرماتا جو دیکھ رہے تھے۔
انھوں نے فوری طور پر اپنے آپ کو نارمل کیا تو المیر کا چہرہ بھی نارمل ہونے لگا۔"اوہ اچھا۔"

"اگر تم حسن کو پسند نہیں کرتے تو میں اس سے حسن کی شادی نہیں کرواؤں گا۔فرہاد کیسا لڑکا ہے؟"ماہِ نور خلیل کی سب سے چھوٹی بہن کا وہ اکلوتا بیٹا تھا۔اور ٹھیک ٹھاک پڑھا لکھا بھی تھا۔اشفاک کے لئے تو ایک دم پرفیکٹ تھا۔

ناولز کلب

اس کا نام سن کر تو اس کے کانوں سے جیسے دھواں نکلنے لگا۔اونچی کھڑی ناک کے نتھنے پھول گئے۔"فرہاد بھائی اس سے عمر میں کتنے بڑے ہیں۔اتنا ایج گیپ تو نہیں ہونا چاہیے۔"

"تو تمہارے خیال میں کتنا ایج گیپ ہو؟"جیسی گفتگو وہ اس کے یہاں آنے سے پہلے ذہن میں دوہرا چکے تھے اس سے تو بہت مختلف بات چیت تھی یہ۔اور کافی مزے دار بھی۔

"یہی کوئی ایک دو سال کا۔"

خود کو مسکرانے سے روکتے انہوں نے ایک ابرو اچکائی۔"ایک دو سال؟ ہمارے خاندان میں اس سے ایک دو سال بڑا بھلا ہے کوئی؟"سوچتے ہوئے نظریں لان تک لے گئے۔"علی؟ نہیں وہ تو چھوٹا ہے۔ معاذ؟ نہیں وہ تو تین سال بڑا ہے۔ فاحد؟ نہیں وہ تو شاید آٹھ سال بڑا ہے۔اب پیچھے کون رہ گیا جو اس سے صرف ایک دو سال عمر میں آگے ہے؟" نظر سامنے سے گھوما کر پھر المیر پر آروکی۔اچانک ایک خیال ذہن میں آنے کی اداکاری کی اور چہرے پر بھی ویسے ہی تاثرات سجا لئے۔"تم کیوں نہیں کر لیتے اس سے شادی؟ تم بھی تو صرف دو سال ہی بڑے ہو اس سے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں؟ میں کیسے کر سکتا ہوں، بابا؟"دل کی دھڑکن اچانک بے ترتیب ہوئی تھی۔خود کو کمپوز کرنے کے لئے اس نے مٹھیاں بھینچ کر پہلو میں رکھ لیں۔

"کیوں تمہیں شادی کرنا منع ہے؟"اب کہ ان سے ہنسی ضبط نہیں ہو پا رہی تھی تو چہرے کو دوسری طرف کرتے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔"نہیں.. لیکن میں تو ابھی پڑھ رہا ہوں

ناں۔اور ویسے بھی ماما نہیں مانیں گی۔"انہیں تو لگا تھا وہ اُسے ناپسند کرنے والا بہانہ ان کی خدمت میں پیش کر دے گا۔

"پڑھائی تو ہوتی رہے گی۔اور ویسے بھی میں کون سا رخصتی کی بات کر رہا ہوں۔ابھی صرف نکاح ہو گا۔رخصتی تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔اور رہی بات تمھاری ماں کی تو اس گھر میں میرا فیصلہ حرفِ آخر ہوتا ہے۔"

"لیکن وہ نہیں مانے گی، بابا۔آپ کوئی اور رشتہ دیکھ لیں اس کے لئے۔مجھے تو وہ ناپسند کرتی ہے بہت۔"اب اس کو کون بتاتا کہ جس کے بارے میں وہ یہ رائے قائم کیے بیٹھا کہ وہ اسے ناپسند کرتی ہے۔اسی نے اس سے شادی کی تجویز ان کے سامنے لا رکھی تھی۔

"ہاں یہ تو ہے۔چلو پھر میں تمہاری خالہ سے فرہاد کے لئے ہی بات کر لیتا ہوں۔"وہ یہ کہتے ہوئے اٹھنے لگے جب۔"نہیں!"اچانک افتاد پر خلیل محمد نے گھور کر بیٹے کو دیکھا جو اب ان کے مقابل کھڑا تھا۔

"آپ...آپ میرے لئے بات کرلیں اس سے۔" خلیل محمد نے ہونٹ آپس میں پیوست کرلئے اور ساتھ ہی ساتھ ایک ابرو اونچی کی۔ "پکا ناں؟" اس نے سر دھیرے دھیرے اوپر نیچے ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔ میں بات کرکے دیکھتا ہوں۔ اگر وہ مان گئی تو نکاح کے لئے تیار رہنا۔ صرف تم اور میں ہی جائیں گے۔"

اور بِلاشبہ ایسا ہی ہوا تھا۔ سات اپریل بار وزِ اتوار وہ دونوں اُس گھر کے اندر موجود تھے جس کی بیرونی دیوار پر رحمان امین کے نام کی تختی دور سے چمک رہی تھی۔ المیر خلیل نے کریم کلر کا جوڑا پہن رکھا تھا۔ سیاہ گھنگریالے بال پیشانی پر ہلچل مچا رہے تھے۔ راڈو کی سیاہ رنگ کی گھڑی ہمیشہ کی طرح اس کی کلائی کی زینت بنی ہوئی تھی۔ وہ اس گھر کے چھوٹے سے باغیچے میں بیٹھا تھا۔

اس کی دائیں طرف خلیل محمد بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنے رعب دار انداز میں ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے تھے۔

اس کی سُر مئی آنکھیں کبھی گھر کے دروازے تک جاتیں پھر واپس پہلو میں آ ٹھہر تیں۔ قاضی صاحب گھر کے اندر موجود تھے۔ پچھلے پانچ منٹ سے۔اس کا دل بھی ان پانچ منٹوں سے دھک دھک کی آوازیں کرتا سینے سے ٹکرا رہا تھا۔

جبکہ گھر کے اندر کی صورتِ حال کچھ مختلف تھی۔وہ سفید رنگ کا کام والا جوڑا پہنے مزے سے آگے گھونگٹ ڈالے بیٹھی تھی۔خالہ اور ممانی اس کے دائیں بائیں موجود تھیں جبکہ مہوین صوفے کے پیچھے کھڑی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ہاں مہوین المیر سے اس کے نکاح کے لئے آرام سے مان گئی تھی۔بیشک اُسے خلیل منزل کے لوگوں سے ہزاروں شکوے تھے۔غصہ تھا۔پر المیر خلیل سے اچھا انسان اشفا امین کو کبھی نہیں مل سکتا تھا۔وہ یہ بات اچھے سے جانتی تھی۔

خالہ اور ممانی منہ پھلائے کبھی اس کو دیکھتیں تو کبھی قاضی کو۔سارے کاغذ ایک جگہ کرنے کے بعد قاضی صاحب نے نکاح نامہ اشفا کے سامنے میز پر رکھ دیا۔بس ایک یہی لمحہ تھا جس

میں اس کا دل کھکھلاتی چڑیوں کی طرف چہچہا رہا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ ایک دم پر سکون تھی۔

"اشفا امین بنتِ رحمان امین کیا آپ کو المیر خلیل ولد خلیل محمد سے نکاح قبول ہے؟"

اس کے المیر سے نکاح کے پیچھے ایک نہیں بہت سی وجوہات تھیں۔ پر سب سے منفرد وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کی قاتلہ آئمہ خلیل کے سوتیلے بیٹے سے شادی کر رہی تھی۔ اس کا المیر سے کوئی بیر نہیں تھا۔ کوئی جھگڑا نہیں تھا۔

"قبول ہے۔"

اُسے خود پر ہوا ایک ایک ظلم.. ایک ایک ستم یاد تھا۔ ہر اُس آنسو کا حساب لینا تھا جو اُس کی آنکھوں سے آئمہ خلیل کی وجہ سے نکلا تھا۔

"اشفا امین بنتِ رحمان امین کیا آپ کو المیر خلیل ولد خلیل محمد سے نکاح قبول ہے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ تصور کر رہی تھی کہ اس وقت آئمہ خلیل کیسا محسوس کر رہی ہوں گی۔ وہ کس طرح اپنا سر پہلو میں گرائے بیٹھی ہوں گی۔

"قبول ہے۔"

اس کے ذہن کی اسکرین پر اپنے والدین کے چہرے...اپنا معصوم بھائی ابھرا۔

"اشفا امین بنتِ رحمان امین کیا آپ کو المیر خلیل ولد خلیل محمد سے نکاح قبول ہے؟"

اب کی بار اُسے فہم ہوا کہ صرف آخری دو بول باقی تھے۔ اس کے بعد وہ اشفا امین ہی رہے گی۔ لیکن اس کے ساتھ ٹھیک شانہ بشانہ طوفانی خوبصورت آنکھوں والا المیر خلیل کھڑا ہو گا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شہد اور سُرمئی رنگ آنکھوں والے ان دونوں انسانوں میں ہر چیز متنوع تھی سوائے ایک کے۔وہ ہر چیز کو جذبات کی نظر کر دیتے تھے۔ان کی وارداتِ قلبی ہر کسی سے ڈھکی چھپی رہتی تھی۔کوئی ان کے چہرے نہیں پڑھ پاتا تھا۔پر وہ ایک دوسرے کی آنکھیں پڑھ لیتے تھے۔

"قبول ہے۔"

آخری دو بول کہتے ہوئے اس کے ذہن میں المیر ہی المیر تھا۔ایک مدھم سی ٹیس دل میں اٹھی تھی۔کہیں اُسے خوشی تھی کہ اس کی شادی ایک اچھے انسان سے ہو رہی ہے تو کہیں اُسے رنج تھا کہ وہ اچھا انسان بھی اگر دھوکے باز نکلا تو کیا ہو گا؟اگر وہ بھی اپنی ماں جیسا نکلا تو کیا ہو گا؟وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ایسے لے چکی تھی جیسے یہی فیصلہ لینے کے لئے صدیوں سے اس کی زبان خاموش اور دل آمادہ ہو۔وہ ایک ایسی جنگ کی سپاہی تھی جس میں اس کے دشمن کا بیٹا اُسے دشمن نہیں لگتا تھا۔

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی

کچھ تھا تیرا خیال بھی

دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ

ہوتا رہا ملال بھی

اور یوں المیر اور اِشفا کے قصے کا پہلا مرحلہ طے ہو گیا تھا۔

حال

سُرمئی آنکھیں آج سے کچھ مہینے پہلے شاید اس لڑکی کے لئے کبھی نرم نہ پڑ تیں پر اب.. اب ان میں برپا طوفان جیسے تھم سا گیا تھا۔اس کا دل چاہتا تھا کہ اس لڑکی کے لئے پگھلے اور بار بار پگھلے۔

اُسے زبان سے اقرار کرنے کے لئے چند بول بولنے نہیں آتے تھے۔اس لئے زبان کا آدھا کام آنکھیں ادا کر دیتی تھیں۔اس کے انداز سے محبت نہیں چھلکتی تھی۔اس کے لئے علاق اور خلوص المیر خلیل کے ہر انداز میں حاضر رہتا تھا۔

کاش کہ وہ اس لڑکی کو بتا سکتا کہ وہ اس کے لیے کیا کر سکتا تھا اور کیا کر رہا ہے۔

Clubb of Quality Content

دیوار پر لگی بھورے رنگ کی گھڑی ٹک ٹک کی آواز نکالتی اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔ خوبصورت اور مختصر شہر راولپنڈی کے اُس مخصوص مکان کے اوپر کالے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ کھڑکی باغیچے کی طرف کھلی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں ادھر سے آتیں اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو جدا کر رہی تھیں۔

وہ کسی آواز کے باعث اچانک بیدار ہوئی۔ سر اٹھا کر سرہانے کے پاس پڑے اپنے فون کو دیکھا جس کی اسکرین پر کچھ لکھا ہوا ابھر رہا تھا۔ پر شہد رنگ آنکھیں اتنی خوابیدہ تھیں کہ پلکیں ایک دوسرے میں لپٹیں تھیں۔

کچھ سوچے سمجھے بغیر اس نے فون کو کان سے لگالیا۔"ہیلو؟"جمائی لیتے ہوئے اس نے سر واپس سرہانے پر پھینکا۔"ہیلو...آپی۔"

بھنویں تنگ کرتے اس نے آواز پہنچاننی چاہی۔"وہاج؟"اسپیکر سے سوں سوں کی آہٹ آئی تو وہ فوراً سیدھی ہوئی۔"تم رو رہے ہو...کیا ہوا ہے؟"

"آپی میں...وہ...گاڑی۔۔۔"وہ زار و قطار رو رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی آواز کٹ کٹ کر آ رہی تھی۔"کہاں ہو تم؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"بینک روڈ پر۔جلدی آجائیں پلیز۔"اُسے مثبت جواب دیتے وہ فوراً بستر سے اتر گئی۔

گاڑی بینک روڈ کی ڈبل سڑک پر پر کھڑی تھی۔بارش اپنی ابتداء کر چکی تھی۔اس نے دھند ہٹانے کے لیے شیشے پر ہاتھ مار کر آگے پیچھے دیکھا۔کہاں تھا یہ؟پھر باہر نکلی۔رات کے تین

بج رہے تھے۔گنے چنے لوگ سڑک پر موجود تھے۔ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے ہاتھ سے آدھ کھلا دروازہ پکڑے وہ چاروں اور نگاہیں گھما رہی تھی۔

جب اچانک اُسے سڑک کے اُس پار نیلی شرٹ اور کسی گہرے رنگ کی پینٹ پہنے ایک لڑکا فٹ پاتھ پر بیٹھا دکھا۔اُس نے اسٹیر نگ وہیل پر ہاتھ رکھتے ہارن بجایا تو وہ جو سر کو گرائے مسلسل نیچے دیکھ رہا تھا فوراً سر اوپر کر گیا۔

پھر برق رفتاری سے سڑک پار کرتا گاڑی کے سامنے آن کھڑا ہوا۔دودھیا چہرہ زرد تھا۔آنسو بھوری آنکھوں سے ٹپک ٹپک کرر خسار تر کر چکے تھے۔"کیا ہوا وجی؟"وہ قریب آئی اور پریشان حال آنکھوں سے اس قریب قریب بائیس سالہ لڑکے کا جائزہ لیا۔

اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ہونٹ کے پاس ایک گہرا زخم آیا تھا۔شاک کی کیفیت میں اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔"یہ سب کیسے ہوا؟"

بس سوال پوچھنے کی دیر تھی کہ اس کے لب بچوں کی طرح اندر کی طرف مڑنے لگے۔ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو در آئے۔"ادھر آؤ۔ گاڑی میں بیٹھو۔"

اس نے پیسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ اندر بیٹھ گیا۔ وہ بھی اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گئی۔ پستول ڈیشبورڈ میں رکھی پھر اس کی طرف ہوئی۔"وجی۔۔"

اس نے نظریں اٹھائیں پھر جھکا لیں۔"آپی..انھوں نے مجھے چلتی گاڑی سے پھینک دیا..."وہ بچوں کی طرح چہرے سے آنسو صاف کر رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کس نے؟"

"جنید کے دوستوں نے۔"اس نے ایک ابرو اٹھائی۔"جنید؟"اس نے سر دھیرے دھیرے ہلایا۔"میرا دوست۔"

"مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ پلیز مجھے سٹارٹ سے بتاؤ کیا ہوا تھا؟" پانی کی بوتل اٹھاتے اس کے آگے کی تو اس نے تھام لی۔

"میں۔۔۔ گھر پر بتائے بغیر جنید کے ساتھ یہاں ریسٹورنٹ پر اس کی سالگرہ منانے آیا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب جنید غائب ہو گیا۔ پانچ منٹ بعد میسیج آیا کہ وہ گھر پہنچ گیا ہے۔ کسی ضروری کام کے تحت اُسے جانا پڑا۔ میں تو گاڑی بھی نہیں لایا تھا۔ اب صرف میں اور اُس کے دوست باقی تھے۔ دو نکل گئے اور تین ایک ساتھ گھر جانے کا پلان بنا چکے تھے۔ انھوں نے مجھے آفر کی تو میں نے منع کر دیا۔ گھر پر کال کی تو کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ ٹیکسی کے لئے کھڑا رہا پر ٹیکسی نہیں آئی۔ جب ایک کا وقت ہوا تو میں ان کے ساتھ گھر جانے کے لئے مان گیا۔ گاڑی میں بیٹھے تو ابھی پانچ منٹ کا سفر ہی طے ہوا تھا کہ وہ جنید کی بہن کے بارے میں غلط باتیں کرنے لگے۔ میں کیسے برداشت کر لیتا آپی... آپ ہی بتائیں؟ میں ایک مرد ہوں۔ جنید میرا بھائی ہے۔ اور اس کی بہن میری بہن ہوئی۔ تو میں کیسے سن لیتا ان کی بکواس؟ میں نے جب ان سے بحث کی تو انھوں نے مجھ پر بہتان لگا دیا کہ میرا اور اس کا چکر چل رہا ہے۔ مجھے مزید غصہ آگیا۔ اب لڑائی چٹان پر چڑھ چکی تھی۔ ان سے میری سچی باتیں برداشت نہیں ہو

رہی تھیں۔ مجھے لگ ہی رہا تھا کہ اب میں نہیں بچوں گا۔ اور اگلے ہی لمحے انھوں نے مجھے چلتی گاڑی سے نیچے پھینک دیا۔ تب ہی یہ زخم آئے مجھے۔"

وہ اُسے دیکھے گئی۔ یہ بچہ اتنا بڑا کب ہوا تھا؟ "وجی.. تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ میں ہوتی تو میں بھی یہی کرتی۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا ہیٹر چلا دیا۔ "تم رونا بند کرو۔ چلو میرے گھر چلتے ہیں۔"

اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔ "آپی میں گھر جانا چاہتا ہوں۔" وہ اس کی حالت سمجھ سکتی تھی۔ اس لئے مزید اصرار نہیں کیا۔ لیکن پھر ایک سوال نے اس کے دماغ میں بتی جلائی۔ "جب انھوں نے تمہیں یہاں پھینکا تو تم نے المیر کو کال کیوں نہیں کی؟"

"کال تو تب کرتا ناں جب بھائی کا فون لگتا۔ گھر پر کوئی بھی فون نہیں اٹھا رہا۔" اس نے سر نفی میں ہلایا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ پھر اُسے منزل تک جاتی سڑک پر ڈالا اور رفتار بڑھا دی۔

گاڑی خلیل منزل کے آگے رکی تو وہ دونوں باہر آئے۔ وہاج گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا جبکہ اشفا گارڈ سے گیٹ کھلوا رہی تھی۔ پھر وہ دونوں ایک ایک کر کے آگے بڑھے۔

وہ داخل ہوا تو حال کے بیچوں بیچ رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ بائیں ٹانگ میں شدید درد کے باعث اس نے دونوں ٹانگیں صوفے پر کر لیں۔ ماتھے پر سکھا خون جمع تھا۔ بالائی لب پھٹ چکا تھا۔ سر بھی بھاری بھاری سا ہو رکھا تھا۔

"فرسٹ ایڈ باکس کہاں ہے؟" آگے پیچھے نظریں گھماتے اس نے فون کی لائٹ آن کر دی۔ ہال کی کرتی تو باقیوں کی نیند میں خلل پیدا ہوتا۔

"برو کے کمرے میں۔"

"برو کے... میرا مطلب ہے ان کے کمرے میں کہاں پر؟" وہاج کی ہنسی چھوٹی۔ پھر شانے اچکائے۔ "ڈھونڈنا پڑے گا۔ شاید الماری میں کہیں رکھا ہو۔"

فون کو اس کے پاس ہی میز پر رکھتے اس نے زینے پھلانگنے شروع کیے۔ سامنے ہی تین کمرے ایک ساتھ تھے۔ ان میں سے کون سا المیر کا ہو گا؟ بائیں طرف سے پہلے کمرے کی جانب چل دی۔

ہولے سے دروازہ کھولا۔ کمرے میں چار سو سیاہی چھائی ہوئی تھی۔ اتنا اندھیرا تھا کہ اُسے کچھ دکھا ہی نہیں۔ احتیاط سے بنا آواز کیے دروازے کو پیچھے کی طرف پورا کھولا پھر اندر بڑھ گئی۔

فون نیچے کیوں چھوڑ آئی میں؟ خود کو کوستے ہوئے اس نے دیوار پر ہاتھ رکھا۔ تھوڑا سا آگے بڑھی تو رکی۔ ٹیرس کی شیشے کی دیواروں کی بدولت باہر سے آتی روشنی سیدھی بستر پر پڑھ رہی تھی۔

وہ ایک دم درست کمرے میں آئی تھی کیونکہ وہیں وہ کوپ اوندھے منہ لیٹا سو رہا تھا۔ کمرے کی بتی تو جلا نہیں سکتی تھی اس لئے اس نے ایک اور ترکیب سوچی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بستر کے قریب گئی۔

سرہانے کے پاس المیر خلیل کا فون رکھا تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھالیا۔سکرین جلائی پھر لائٹ آن کرلی۔ جس سے کمرے میں روشنی ہو گئی۔ فون کو تھامے تھامے سب سے پہلے الماری تک آئی۔ دھیرے دھیرے اس کے پٹ کھولے۔

صرف سیاہ بھوری اور سُرمئی رنگ کی شرٹس دیکھ کر اس نے تاسف میں سر ہلایا۔کیسا بے رنگ شخص تھا۔ہر چیز اپنی طرح بدمزہ بنا رکھی تھی۔الماری کی ٹھیک ٹھاک تلاشی کے بعد اس نے الجھن کا شکار ہوتے وہاں سے رخ پھیر لیا۔باکس تو یہاں نہیں تھا۔

Clubb of Quality Content!

پھر بستر کے ساتھ میز تک آئی۔اس کے دونوں دراز دیکھے۔ وہاں بھی مطلوبہ چیز نہیں تھی۔ پھر بستر کی بائیں طرف آکر وہ والا میز اچھے سے کھنگالا۔کمر پر ایک ہاتھ رکھتے سنگھار میز کو دیکھا۔اب صرف وہی رہ گیا تھا۔

اس تک آئی تو نیچے بیٹھ کر نیچے والے دراز پہلے ٹھیک سے چیک کیے۔ پھر اٹھی اور فون کو سنگھار میز پر الٹا کر کے رکھ دیا اور خود اوپر والے درازوں میں ہاتھ مارنے لگی۔

جب اچانک اُسے اپنی گردن پر کسی ٹھنڈی چیز کی موجودگی کا احساس ہوا۔ آنکھیں پل میں ایسے پھیلیں جیسے ابھی باہر آجائیں گی۔ حلق سے چیخ تو کیا چوں کی آواز تک نہ نکلی۔

جب چہرہ اٹھا کر شیشے میں دیکھا تو کوئی اس کے عین پیچھے.. بہت نزدیک چاقو کو اس کی گردن سے لگائے کھڑا تھا۔ فون سے روشنی نکلتی سیدھا نو وارد شخص کی آنکھوں میں جذب ہو گئی۔ طوفانی بھانپ دیتیں وہ آنکھیں خطرناک حد تک اُسے گھور رہی تھیں۔

ایک جھٹکے سے مقابل نے اُسے اپنی طرف موڑا۔ گردن پر رکھا چاقو ابھی بھی وہیں تھا۔ صرف سختی پکڑ چکی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اس پر کچھ اور زور ڈالا تو خون رسنے لگے گا۔

تھوک نگھلنا چاہا پر ڈر کے مارے وہ بھی حلق میں ہی اٹک گیا۔ سر پر ٹکا ڈوپٹہ اب ڈھیلا سا ہوتا شانوں پر گرنے کے درپے تھا۔ "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

سُرمئی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑھ رکھی تھیں۔غصے سے یوں دیکھ رہا تھا جیسے ابھی جان نکال لے گا۔ کبھی بن موسم برسات تو کبھی گرجتا بادل۔کیا چیز تھا یہ شخص۔

اس نے کانپتی انگلیوں سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔تو اس نے چاقو دور کر لیا۔پر مکمل طور پر ہٹایا نہیں۔اشفا نے فوراً ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔"کیسے جلاد صفت انسان ہیں آپ! ابھی اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو؟"

"ہوا تو نہیں نا-" باقی کے الفاظ حلق میں ہی رہ گئے۔نظریں جھکائیں تو اپنے دل کے مقام پر گن تنی ہوئی دکھی۔پھر حیرت کا شکار ہوتے شہد رنگ آنکھوں میں دیکھا۔"گن کہاں سے آئی تمہارے پاس؟"

"آپ کی الماری سے۔"وہ ایسے مسکرا رہی تھی جیسے میدان جنگ فتح کر لیا ہو۔"گن تو لاکر میں تھی۔"

"اس کولا کر بولتے ہیں آپ؟ دومنٹ میں کھول ڈالوں میں تو ایسے لاکرز کو۔ خیر فل وقت تو میں نے اسے چابی سے کھولا ہے جو کہ آپ کے سرہانے کے پاس رکھی تھی۔ ویسے اعلیٰ درجے کی بیوقوفانہ حرکات تھی یہ۔ لاکر کی چابی سرہانے کے پاس سجا کر کیوں رکھ دی؟ ڈسپلے ہی کرنی تھی تو عجائب گھر میں رکھوا دیتے۔"

"بہت بولتی ہو تم۔ یہ بتاؤ آدھی رات کو یہاں کون سی تفتیش کرنے آئی ہو، صحافی صاحبہ؟" چھری کو بستر پر پھینکتے خود بازو سینے کے آگے باندھتے پیچھے ہو گیا۔

"کہاں کی تفتیش؟ میں تو آپ کو پاگل کرنے کے لئے یہاں تعویز دبانے آئی تھی۔" مسکرائی تو ہونٹ کے پاس تل واضح ہوا۔

"لو اس کے لئے تعویز کی کیا ضرورت؟ میں تو پہلے ہی تمہارے پیچھے اچھا بھلا پاگل ہوں۔" سنگھار میز پر سے اپنا فون اٹھایا اور پیچھے بستر پر آرام سے بیٹھ گیا۔ فون کی پشت اس کی طرف کر دی کہ اب اس سے نکلتی روشنی سیدھی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

اس نے آنکھیں گھمائیں۔ پھر گن ہوا میں اوپر کی۔ پلٹ پلٹ کر جائزہ لیا۔"لوڈڈ ہے۔"المیر نے ایک ابرو اٹھائی۔"تمہیں گنز کے حوالے سے بہت کچھ پتا ہے۔ کیسے ؟"

"سیف نے کچھ سالوں پہلے چلانی سکھائی تھی۔ سیفٹی کے لئے۔ پھر جب میں سیکھ گئی تو ایک خرید کر گھر پر رکھ لی۔"ایک تو یہ سیف پتا نہیں کون تھا۔ ہر بات میں آن ٹپکتا تھا۔ جلن کو چھپاتے اس نے پہلو بدلا۔

"ماڈل کیا ہے؟"

"ڈیر نجر۔"اس نے سر اوپر نیچے کیا پھر کچھ آگے کو ہوا۔ڈیر نجر ایسی گن ہے جو کہ سائز میں دوسری گنوں سے چھوٹی ہوتی ہے۔ زیادہ تر سیلف ڈیفنس کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اسے پوکٹ گن بھی کہتے ہیں۔"بتایا نہیں تم نے۔ یہاں کیا رہی ہو؟ اور سب سے اہم سوال... گھر میں کیسے آئیں؟ دروازہ تو لاکڈ تھا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"غصہ کیے بغیر... حوصلے اور تحمل سے میری پوری بات سنیں۔" پھر الف سے لے کر یے تک اس نے اُسے پوری روداد سنا دی۔ پھر لب کاٹتے ہوئے اس کے تاثرات کا تفصیلی جائزہ لیا۔

"کہاں ہے وہاج؟"

پچھلے دس منٹ سے وہ اپنے چھوٹے سے بھائی کے زخموں پر مرہم لگا رہا تھا۔ اتنے وقت سے ہال میں خاموشی طاری تھی۔ اتنا گہرا سکوت کے گھر کے ارد گرد کہیں سے چوہوں کی چی چی کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔

اشفا کبھی وہاج کو دیکھتی تو کبھی وہاج اس کو۔

وہ جب دوائی لگا کر پیچھے ہوا تو باکس کو ایک طرف رکھ دیا۔ رُخ اب وہاج کی طرف تھا۔ جو کہ تھوک نگلتا نظریں پہلو میں گرا گیا۔ "ٹیٹنس کا انجیکشن لگوایا ہے؟" گرجدار آواز وہاں گونجی۔

"راستے سے لگوالیا تھا۔" وہ جھٹ سے بولی۔ شکر ہے اللہ کا کہ اُسے یہ کام یاد رہ گیا تھا۔ "میں ہلدی والا دودھ لے کر آتی ہوں۔" فرار حاصل کرنے کا ایک یہی واحد طریقہ تھا۔ وہ کچن کی طرف چل دی۔

ماحول میں ایک مرتبہ پھر سے تناؤ کا قبضہ پھیل گیا۔ ایک گہرا سانس باہر نکالا پھر بولا۔ "نام کیا تھے ان لڑکوں کے؟"

"چھوڑیں بھائی۔ کوئی بات نہیں۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے اُس کی بات کو جھٹکا۔ لیکن وہ ایسے کیسے جانے دے سکتا تھا؟

"نام کیا تھے ان کے وجی؟" سوال اس دفعہ دوہرایا لیکن لہجہ اب کی بار نرم تھا۔ "مجھے صرف پہلے نام آتے ہیں۔ مرزا، شبیر اور داؤد۔"

"کل یونیورسٹی سے سیدھا تھانے آجانا..." اس کے پیر کو اٹھا کر تالو کو غور سے دیکھا۔ "..میں تمہارے گھر سے نکلنے پر پابندی نہیں لگاؤں گا۔ بشرطیکہ تمہیں کہیں بھی جانا ہو گا تو تم میرے ساتھ آؤ گے اور میرے ساتھ ہی جاؤ گے۔"

"اگر آپ مصروف ہوئے تو؟" معصوم شکل بنالی۔ "تمہارے لئے وقت نکال لوں گا۔ تم سے زیادہ ضروری میرے لئے اور کچھ نہیں ہے، وجی۔۔" پیار سے اُس کے گال پر ہاتھ رکھا تو وہاج گنگ نظروں سے اُسے دیکھے گیا۔

"آپ کو پیار کی زبان بھی آتی ہے؟ حیرت کی بات ہے۔" پھر نظریں باورچی خانے کی اور اُٹھیں۔ "یہ انقلاب کہیں...ان کی وجہ سے تو نہیں آیا؟" شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔

"مجھے ہاتھوں کی زبان بھی آتی ہے۔مار نہیں کھانی توچپ چاپ بیٹھے رہو۔" مسکراہٹ کو ضبط کرتے.. ظاہری طور پر تاثرات سخت کر لئے۔

"میرے برادر کو محبت ہو گئی ہے...یااللہ تو واقعی بڑا مہربان ہے۔اچھے اچھوں کا قبلہ درست کر دیتا ہے۔مجھے تو لگا تھا یہ دن دیکھنا نصیب ہی نہیں ہو گا..."

"وجی منہ بند کرلو۔" پھر نظر کچن کے دروازے پر ڈالی جہاں اس کا سایہ لگ رہا تھا۔اسکو کھٹکا تھا کہ وہاج کی آواز پر وہ کہیں باہر ہی نہ آجائے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کیوں منہ بند کرلوں؟اتنی خوشی کی خبر ہے۔سب کو پتا چلنا چاہیے۔" دونوں ہاتھ منہ کے ارد گرد کھڑے کر لئے جیسے ابھی اعلان کر دے گا۔

"وجی.. قسم خدا کی بہت ماروں گا۔چپ ہو جاؤ۔" اُسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ وہاج کی بات سے انکار کیوں نہیں کر پارہا تھا؟وہ یہ کیوں نہیں کہہ پارہا تھا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا..

"ایسے کیسے چپ ہو جاؤں؟ آپ تک ہوا تو آپ نے کبھی بھی اِشفا آپی سے اپنے دل کی بات نہیں کہنی۔اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے۔"اُسے جیسے ہی لگا اِشفا باہر آنے والی ہے اُس نے فوراً وہاج کے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

اس سے پہلے کہ اس کی نظر ان دونوں پر پڑتی۔اس نے ہاتھ ہٹا لیا اور وہاج کو آنکھیں دکھائیں۔"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"دودھ سے بھرا مگ لا کر وہاج کے سامنے رکھی میز پر رکھ دیا۔پھر وہاج کے ساتھ بیٹھ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کچھ نہیں.. چلو میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔"اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔
"اتنی جلدی ہے مجھے گھر سے نکالنے کی؟"

"وقت دیکھو کتنا زیادہ ہو گیا ہے۔اور ویسے بھی میں تمہیں رکنے کی آفر کروں گا تو تم منع کر دو گی۔"سینے کے آگے دونوں بازو باندھ لئے۔

"آپ آفر تو کریں۔۔۔" مسکرا کر کہا۔

"آپ آج ادھر ہی رکنا چاہیں گی، اِشفا امین ؟" زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی۔

"جی نہیں، آفیسر... میں دشمن کے گھر پناہ نہیں لیتی۔" آگے کو آتی لٹوں کو کان کے پیچھے کیا۔
"کہانی کی انتہا پر تم نے آنا تو میرے پاس ہی ہے۔"

"کہانی؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ہاں.. تمہاری اور میری کہانی۔" وہاج موقع غنیمت جانتے اب ان دونوں کے درمیان سے چپ چاپ اٹھ کر کمرے کی اور چل پڑا تھا۔

"آپ کی اور میری کہانی نہیں ہو گی... ہماری تو داستان ہو گی۔اور داستانیں کبھی ختم نہیں ہوا کرتیں۔" وہ اس کے انداز پر الجھا۔

"میں اس بات سے کیا مطلب اخذ کروں؟" ایک ابرو بلند کی۔

"یہی کہ اِشفا امین اور سُرمئی آنکھوں والے اُس کے شوہر کی داستان دائم رہے گی۔ ہمارے بعد بھی۔ پھر چاہے میں آپ کے پاس آؤں یا نہ آؤں..."

"میرے اسرار پر بھی نہیں آؤ گی؟" نرم لہجے کو اپناتے اس کی زبان سے سوال نکلا۔

"میں نہیں آؤں گی، آفیسر۔ آپ آئیں گے میرے پاس۔" اطمینان سے کہا تو المیر نے ابرو بالا کی۔

"اور اگر میں نہ آیا تو؟"

"آپ آئیں گے۔ ضرور آئیں گے۔" بہت میٹھا سا مسکرائی۔ چند لمحے ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی پھر اِشفا نے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔

Clubb of Quality Content!

المیر نے بائیک نکالی اور تمام سفر اسی پر اشفا کی گاڑی کے پیچھے رہا۔ جب وہ باحفاظت گھر پہنچ گئی تو اُس نے بھی گھر واپسی کی راہ پکڑ لی۔

··—·೨ც·—··

اگلی دوپہر وہاج خلیل سیاہ پینٹ پر سفید شرٹ پہنے یونیورسٹی سے سیدھا تھانے پہنچا۔ جیسے ہی قدم رکھتا گیا.. سب اہلکار آگے ہو کر اُسے سلام کرنے لگے۔ یہاں سب اُس سے بہت پیار کرتے تھے.. اس لئے نہیں کہ وہ المیر کا بھائی تھا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ سب کا پسندیدہ تھا۔

Clubb of Quality Content!

قوی آگے ہو کر اُسے ایک کمرے کی طرف لے گیا۔ جو کہ تفتیشی کمرہ تھا۔ دستک دیتے وہ دونوں اندر بڑھے تو اُس کی نظر سب سے پہلے کمرے کے بیچوں بیچ رکھی میز کے اُس طرف بیٹھے تین افراد پر گئی۔ اور پھر وہاں سے سفر کرتی المیر پر جو ان کی مخالف سمت میں میز پر دونوں ہاتھ جمائے کھڑا تھا۔

ان تینوں کے پیچھے محمت کھڑا تھا۔ جس نے وہاج کو اندر بڑھتا دیکھ سر اثبات میں ہلایا۔ پھر ایک ایک کر کے تینوں افراد کے چہروں پر ڈالا سیاہ کپڑا ہٹا دیا۔

وہاج نے مسکراتے ان تینوں کو دیکھا۔ جب ان کی نظر اس پر پڑی تو وہ حیرانی اور تجسّس سے اُسے دیکھنے لگے۔ "و جی یہی تھے وہ تین؟" المیر کی آواز ابھری تو وہاج آگے آیا۔ ایک ایک کر کے تینوں کی آنکھ کی سطح پر ہوتے اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

المیر خلیل نے اپنی وردی کی آستینیں اوپر چڑھائیں۔ پھر گن نکال کر میز پر رکھ دی۔ ایک اشارہ کیا تو قوی وہاں سے باہر چلا گیا۔ محمت نے المیر کے حکم کو بجالاتے ان میں سے ایک لڑکے کو زور زبردستی ایستادہ کیا۔

"جنید کی بہن کے بارے میں بات کی ابتدا کس نے کی تھی؟" وہ باقی دونوں پر نظر ڈالتے اس ایک لڑکے کی طرف بڑھا۔ اس کے سامنے آن رکا تو لڑکے نے گھبراتے ہوئے تھوک نگلا۔ المیر اس سے قد میں کافی اونچا بھی تھا اور تگڑا بھی۔ اس کی جسامت دیکھ دیکھ کر مقابل کے تو پسینے چھوٹ رہے تھے۔

ایک ہاتھ سے بالوں کو پکڑ کر اس کے سر کو زور سے پیچھے کیا۔اور اس کے ساتھ ہی ایک گھونسہ اس کے پیٹ میں دے مارا۔ جس کی وجہ سے وہ کراہتے ہوئے قلیل قدم پیچھے لے گیا۔ "میرے سوال کا جواب دو گے تو بچ جاؤ گے۔"

وہاج نے اس کی جگہ جواب دینے کے لئے اُسے پکارا۔ "بر وہ -" المیر نے ایک ہاتھ ہوا میں اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"اگر غلط بات کرنے کی ہمت رکھتے ہیں تو اعتراف کرنے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے۔" ایک اور گھونسہ جبڑے پر لگا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے گر گیا۔ بلند سسکی اس کے ہونٹوں سے نکلی۔

"تم لوگوں کی حرکتیں تم سب کو ایک دن بھیڑیا بنا دیں گی۔ لیکن مجھے ذلیل لوگوں کو جانور سے انسان بنانے کے ایک سو ایک طریقے آتے ہیں۔" اب باری تھی اگلے لڑکے کی۔

محمت کا فون بجا تو وہ ایک طرف ہو گیا۔اس کے فون کی رنگ ٹون سن کر وہاج کی ہنسی چھوٹی۔ وہ ایک مشہور نظم Jingle bells کی ٹیون تھی۔جسے وہاج بچپن میں بہت پسند کیا کرتا تھا۔

محمت فون پر بات کر کے پلٹا تو وہاج اس تک بڑھا۔"محمت بھائی..آپ ابھی تک یہ سب سنتے ہیں؟"

"کیا سب؟"

"یہی..jingle bells"محمت چہرہ نیچے کر کے مسکرایا۔"میری دو سال کی بھانجی ہے۔ یہ کارنامہ اسی کا ہے۔ورنہ میں کہاں ایسی حرکتیں کرتا ہوں۔"کہہ کر المیر کی طرف بڑھ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں تم پر ہمیں اغواہ کرنے کا کیس کروں گا۔" نشست دو لڑکوں میں سے ایک کی آواز بلند ہوئی تو المیر نے ابرو اٹھائی پھر ایک ہاتھ سے اس کی شرٹ کا کالر پکڑ کر اُسے کرسی سے اٹھایا۔

"سیکشن تین سو تریسٹھ۔" پھر ایک زور آور گال سوجا دینے والا تھپڑ رسید کیا۔

اس نے گال پر ہاتھ رکھ کر اُسے دیکھا۔ "ک۔ کیا؟"

"اغواہ کرنے پر سیکشن تین سو تریسٹھ لگتا ہے۔" پھر اپنی دائیں ٹانگ اس کی ٹانگ پر ماری تو وہ ایک جھٹکے سے زمین پر گر گیا۔ "سیکشن تین سو سینتیس.. جسمانی تشدد پر۔"

Clubb of Quality Content

پندرہ منٹ میں وہ ایک ایک کر کے تینوں کو اچھی طرح سے مار پیٹ چکا تھا۔ صرف ایک کے چہرے سے خون نکل رہا تھا۔ باقی دونوں کا چہرہ زخم سے صاف شفاف تھا۔ لیکن جسم؟ اس کی کوئی گارنٹی نہیں تھی۔

"آئندہ اگر تم لوگ مجھے وہاج خلیل کے نزدیک بھی دکھے تو یاد رکھنا اتنی صفائی سے ماروں گا کہ کسی کو بھی تمہاری لاشیں نہیں ملیں گی۔ اور ہاں.. میری نظر تم سب کی ہر حرکت پر رہے

گی..so be careful(خیال رکھنا)" پھر اپنے کپڑے جھاڑ کر ایک ٹانگ نیچے گری ہوئی کرسی پر رکھی۔ "سیکشن پانچ سو تین.. دھمکانا۔ چاہو تو دس کیس اور بھی ڈال لو..." میز پر سے اپنی گن اٹھائی۔ "...دعا کرنا ہم دوبارہ کبھی نہ ملیں۔" وہاج کا ہاتھ تھامتے وہاں سے نکل گیا۔

وہاج خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ایک طرف کھڑے ہوتے ہی اس نے المیر کو گلے سے لگا لیا۔ "برو آپ دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہو۔" اپنے چھوٹے بھائی کے ارد گرد حصار باندھتے اس نے اُسے پیار سے دیکھا۔

دونوں چند سیکنڈ ایسے ہی کھڑے رہے۔ پھر وہاج بول اٹھا۔ "بھائی یونیورسٹی میں ایک لڑکا ہے.. روز گھر سے کباب لاتا ہے۔ میں مانگتا ہوں تو میرے ساتھ شیئر نہیں کرتا... کل اُسے بھی یہاں لے آؤں؟"

"تم لڑکوں کا لنچ کھاتے ہو، وجی؟" اس نے گھور کر اُسے دیکھا تو وہ معصومیت سے مسکرایا۔
"لڑکیوں کا بھی لنچ کھا لیتا ہوں.. کبھی کبھی.."

"زمانہ ہو گیا ہے تمہیں تھپڑ لگائے۔ سوچ رہا ہوں آج یہ کسر بھی پوری کر لوں۔" وہاج نے فوراً چند قدم پیچھے لئے۔ "بھائی میں تو.. میں تو مذاق کر رہا تھا۔ آئی لو یو.. برو۔ بائے۔" بھاگ کر دروازے تک گیا اور پھر تھانے سے باہر۔

سب کا زوردار قہقہ ایک ساتھ بلند ہوا۔ جب کہ ایس ایچ او المیر خلیل مسکراتے ہوئے اپنی نشست سنبھال گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آپ نے اتنی ہڑبڑاہٹ میں کیوں بلایا میڈم؟" شام کا وقت تھا۔ آسمان ہلکے نیلے رنگ کا دکھائی دیتا تھا۔ قریب قریب سورج کے غروب ہونے کا وقت ہونے لگا۔ نووارد شخص بنی ٹھنی آئمہ خلیل کے سامنے آن بیٹھا۔ اُنہوں نے سر پر دوپٹہ لے رکھا تھا۔ جو کہ ذرا سا آگے کو پھیلا ہوا تھا۔ جس کی بدولت ان کا چہرہ صرف ایک سمت سے عیاں تھا۔

"میں نے تم سے ایک کام کہا تھا۔ وہ ہو گیا؟" گہری نگاہ سے اس شخص کے چہرے کو دیکھا۔

"باقی تمام ہسپتالوں سے پتا کروالیا ہے۔ عالیہ ان میں سے کسی سے بھی علاج نہیں کروارہی تھی۔ اب دو ہسپتال باقی ہیں... ان میں سے ایک میں، میں آج ہی چلا جاؤں گا۔ لیکن دوسرا ہسپتال... مہوین امین کا ہے۔ آپ جانتی ہیں میں وہاں گیا تو ظاہر جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے.. تم مت جاؤ۔ میں خود ہی کچھ کر لوں گی۔" پھر ان کا فون بجا تو اسکرین پر جگمگاتا نام دیکھا۔ "ہاں بولو۔"

دوسری طرف سے جو کچھ بھی انہیں سننے کو ملا تھا۔ اس نے ان کا پارا ساتوائیں آسمان پر پہنچادیا تھا۔ "کیسے بھاگ گیا؟ تم سو رہے تھے؟"

نووارد شخص نے ذرا سا آگے کو ہوتے بازو میز پر رکھا۔ "تم سب کے سب نکمے ہو۔" اور ساتھ ہی کال منقطع ہو گئی۔ "کیا ہوا، میڈم؟"

"خضر بھاگ گیا ہے۔وہ میری قید سے کیسے بھاگ سکتا ہے؟اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گیا ناں..تو میں تو مروں گی ہی۔۔لیکن یاد رکھنا! تم بھی زندہ نہیں بچو گے۔"

"میڈم..حوصلے سے کام لیں۔ہو سکتا ہے گھر میں کہیں آگے پیچھے ہو گیا ہو۔گھر چاروں طرف سے مکمل طور پر بند ہے۔سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ بھاگ نکلے۔"ٹشو کے ڈبے سے ایک ٹشو نکال کر آئمہ کے آگے کیا۔انھوں نے غصیلی نگاہ اُس پر ڈالتے ہوئے اُسے تھام کر چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

"یہ سب میں نہیں جانتی۔تم آج کے آج ہی رحیم یار خان جاؤ..اور جا کر معاملے کی نوویت کا پتا لگواؤ۔اگر بھاگ گیا ہوا تو ان نگران کی جان نکال لینا۔"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"آپ بے فکر ہو جائیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہسپتال کی راہداریوں میں ہلچل کا ماحول تھا۔ سفید ٹائلیں کہیں پر صاف تو کہیں پر ہلکے رنگ میں ڈھل چکی تھیں۔ ٹائلوں پر سے چلنے اور اسٹریچر گھسیٹنے کی آوازیں اعصاب پر گہرا اثر چھوڑ رہی تھیں۔

تب ہی ٹک ٹک کی آواز کرتیں سیاہ ہیلز اور اس پر سیاہ ساڑھی پہنے آئمہ خلیل داخل ہوئیں۔ بازو میں ایک طرف بھورے رنگ کا مہنگا سا بیگ لٹکا رکھا تھا اور دوسری طرف ہاتھ میں مہنگا سا سنہری پشت والا فون موجود تھا۔

استقبالیہ میز کے پاس پہنچ کر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں موجود ہیرے کی انگھوٹی سے میز پر دستک دی تو اُس کے اُس طرف موجود لڑکی نے سر اوپر اٹھایا۔ "یس میم؟"

"میری بیٹی یہاں کچھ مہینے پہلے داخل تھی۔ اس کے ذہن کا علاج چل رہا تھا۔ میں دراصل اس کے ڈاکٹر کی جانکاری لینے آئی ہوں۔۔" ہونٹوں پر جعلی مسکان سجالی۔ ایسے کاموں میں وہ ٹھیک ٹھاک دماغ لگا کر اپنا اگلا قدم اٹھاتی تھیں۔

"نام کیا ہے آپ کی بیٹی کا؟"

"عالیہ خلیل۔"اس نے سر اثبات میں ہلایا اور سامنے رکھے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگی۔ایک منٹ کے بعد اس نے سر اوپر کیا۔"سوری میم یہاں عالیہ خلیل نامی کوئی مریضہ نہیں آئیں۔"

"ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ میں خود لائی تھی اسے یہاں۔آپ صرف عالیہ ڈال کر دیکھیں۔" لڑکی ایک مرتبہ پھر سے سر ہلاتے کام پر لگ گئی۔"صرف عالیہ نام کی بھی کوئی اینٹری نہیں ہے۔سوری۔"

Clubb of Quality Content!

جو جانکاری انہیں چاہیے تھی وہ تو انہیں مل چکی تھی۔ایک اکتائی ہوئی نگاہ مقابل پر ڈال کر ہسپتال پر ڈالی پھر انہی پیروں پر مڑ گئی۔

جیسے ہی وہ ہسپتال کے دروازے سے رخصت ہوئیں ویسے ہی لڑکی نے جیب میں رکھا فون باہر نکالا۔ "المیر سر... عالیہ میم کے بارے میں جاننے کے لئے ایک عورت آئی تھیں۔ میں آپ کو تصویر فارورڈ کر رہی ہوں۔"

تھانے میں بیٹھے ایس ایچ او کے فون کی اسکرین پر تصویر ابھری۔ اس میں آئمہ خلیل کو دیکھ کر وہ بری طرح سے چونکا تھا۔ یہ وہ تصویر تھی جو اُس محتاط لڑکی نے کمپیوٹر کی پشت پر لگے کیمرے سے لے لی تھی۔ کپ سے حلق میں جاتی چائے پھنس گئی۔ وہ زور زور سے کھانستے ہوئے تھانے سے باہر آگیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ یہ بات اچھے سے جانتا تھا کہ عالیہ کے بارے میں پتا کرنے دشمن ضرور آئے گا۔ اور ایسے میں عالیہ سے شروع ہوئی راہ مہوین پر آکر ختم ہوتی۔ اس طرح مہوین پھنس جاتی۔ اسی چیز سے اس کو بچانے کے لئے اس نے ہسپتال کے اسٹاف کو سختی سے منع کر رکھا تھا۔

لیکن دشمن کی جگہ اپنو سوتیلی ماں کو دیکھ کر اس کا پارا چڑھ گیا۔ آئمہ خلیل یا ان سے وابستہ کوئی شخص یا چیز ہر اس جگہ پائے جاتے تھے جہاں سے ایک سیدھے سادے انسان کا گزر بھی نہیں ہونا چاہیے۔

اُسے غضب ناک غصہ آیا تھا۔ اس کا دل کیا گھر جا کر ان سے حساب برابر کرے۔ پوچھے کہ آخر وہ چاہتی کیا تھیں؟ کیوں پیچھے پڑ گئی تھیں ہر چیز.. ہر معاملے کے؟

اپنے آپ پر قابو پاتے وہ اپنی بائیک کی طرف چل دیا۔

Clubb of Quality Content!

وہ یونیوز کی پانچویں منزل کے اُس مخصوص کمرے میں بیٹھی کافی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ جب اس کا فون زوں زوں کی آواز کرتا ہلنے لگا۔ سستی کا مظاہرہ کرتے اس نے میز کے کنارے پر رکھا فون بنا کرسی سے ہلے بازو لمبا کر کے اٹھانے کی کوشش کی۔

جب وہ ہلکا سا ہلا اور میز سے نیچے گرنے ہی والا تھا جب خضر نے فوراً تھام لیا۔ پھر اِشفا کو دیکھا جو کہ دانت نکالتے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے فون اپنی باس کو تھمایا اور خود واپس نشست ہو گیا۔

اِشفا کے ساتھ کام کرتے آج اُسے ایک مہینہ اور چند روز ہونے کو تھے۔ وہ اتنا تو جان ہی گیا تھا کہ وہ کام بے شک الٹا کر دیتی پر کام چوری ہر گز نہیں کرتی تھی۔

ناولز کلب

دوسری طرف موجود اِشفا نے فون کھول کر اس پر آیا میسج دیکھا۔ یونیوز کی گروپ چیٹ پر سات اپریل کو ہوئے قتل سے متعلق ایک خبر آئی تھی۔ اس نے کھول کر پڑھی۔ پھر فون واپس رکھنے لگی تھی جب اچانک ایک جگہ اس کی نظر ٹھہری۔

تصویر میں مقتول کے چہرے پر غور کرتے وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ یہ چہرہ وہ پہلے بھی کہیں دیکھ چکی تھی۔ شاید وہ بہت پہلے ہی اندازہ لگا لیتی.. لیکن چونکہ اس نے آج ہی مقتول کے چہرے کو ٹھیک سے دیکھا تھا تو اُسے ایک خیال نے آن گھیرا۔

اپنے فون کی بقیہ تصویروں کو کھولتے اس نے اس ایک تصویر کو کھولا جو اس نے وزیرِاعظم کے کتب خانے میں موجود فائل سے لی تھی۔

اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔تب ہی تو یہ شخص اُس دن اتنا شناسا معلوم ہوا تھا۔جب اس روز اس نے عامر علی کی فائل کھولی تھی تو ایک تصویر میں موجود ایک شخص نے اُس کے دھیان کو اپنی طرف راغب کیا تھا۔تب ہی وہ گہری سوچ کے سمندر میں ڈوب گئی تھی کہ ہو نہ ہو اس چہرے کا گزر اس کی نظروں سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔

Clubb of Quality Content

سعید غنی ایک جانا مانا انسان تھا۔لیکن اس کا نام سن کر وہ ہرگز بھی اندازہ نہ لگا پائی تھی کہ اس کی تصویر وہ عامر علی کی فائل میں دیکھ چکی ہے۔لیکن حیرت زدہ بات تو یہ تھی کہ سعید غنی کی تصویر اس فائل میں کر کیا رہی تھی؟

جاسوسہ کا دماغ ہزار کی رفتار پکڑنے لگا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عامر علی کی آٹوپسی رپورٹ کی خبر کی وجہ سے اسے مار دیا گیا؟ کیوں کہ اس کا قتل اچانک ہوا تھا۔ وہ بھی خبر نشر ہونے کے چند روز بعد۔

لیکن کوئی عامر علی کے کیس کی خبر سن کر اُسے کیوں مارے گا؟ ایسا تو صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کا عامر کی موت سے کوئی تعلق ہو۔

اس نے فون کو میز پر رکھا اور سر کرسی کے ساتھ ٹکا لیا۔ شاید وہ کچھ زیادہ سوچ رہی تھی۔

Clubb of Quality Content!

لیکن یہ کوئی محض اتفاق بھی تو نہیں ہو سکتا۔ دانتوں سے لب کاٹتے ہوئے اس نے نظریں چھت پر روک لیں۔ کیا اُسے یہ بات کسی کو بتانی چاہیے تھی؟

لیکن کس کو؟

المیر کو؟

اگلے دن دونوں دوست تھانے کی زینوں پر بیٹھے چائے کے مزے اڑا رہا تھے۔جب اچانک قوی اور سلیم ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔المیر نے چائے کا کپ ایک طرف کر کے رکھ دیا۔چہرہ اوپر کر کے سوالیہ نظروں سے قوی کو دیکھا۔"دیکھتے ہی رہو گے یا کچھ بولو گے بھی؟"

"سر..وہ.."اُس نے تھوک نگلا۔چہرہ ہلکا سا موڑ کر ساتھ ایستادہ سلیم کو دیکھا۔"سر..وہ جو گلاس ہمیں سعید غنی کے دفتر سے ملا تھا..اس کی رپورٹ آگئی ہے۔"بات کا آغاز سلیم نے کیا۔راحم نے سر ہلا کر بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

"گلاس پر سے..آپ کی والدہ آئمہ خلیل کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"وہ بیان کر کے کچھ قدم پیچھے لے گیا۔راحم نے چونک کر المیر کو دیکھا۔جو کہ فوری طور پر کھڑا ہو چکا تھا۔"کیا بکواس کر رہے ہو۔۔ماما کی انگلیوں کے نشان اس پر کیسے موجود ہو سکتے ہیں؟"

"سر پہلے تو ہمیں بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ لیکن آپ کو یاد ہو گا کہ آپ کی پوری فیملی کی انگلیوں کے نشانات مقتولہ نفیسہ کے کیس میں لیے گئے تھے.." المیر اور راحم نے ایک ساتھ سر اوپر نیچے ہلائے۔ "ہمارے سامنے ہی فرانزک ایکسپرٹ نے جب گلاس پر سے ملنے والے نشانات کو ڈیٹا بیس سے ملایا تو.. تو شناخت فوراً سامنے آ گئی۔"

"اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ آئمہ خلیل نے غنی کو مارا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی ضروری کام کے تحت اس سے ملنے گئی ہوں۔" اس نے ساتھ کھڑے اپنے دوست کو دیکھا۔ جو کہ سر نفی میں ہلا رہا تھا۔ "ماما اور غنی کی ملاقات بابا کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جب غنی پر منشیات فروشی کا جرم ثابت ہوا تو بابا نے اس سے ہر قسم کا تعلق توڑ دیا تھا۔ پھر ماما اس سے ملنے کیوں جائیں گی، راحم؟"

"سر.. میں کچھ بولوں؟" قوی کی سہمی سی آواز نکلی تو المیر نے سر اثبات میں ہلایا۔ "سر یہ دوسرا کیس ہے جس میں آئمہ خلیل کا نام سامنے آ رہا ہے.. اگر اس دفعہ بھی ان سے تفتیش نہ کی گئی تو لوگ سوالات کرنے پر اتر آئیں گے۔"

المیر نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔"دفتر سے دو گلاس برآمد ہوئے تھے۔دوسرے کی کیا خبر ہے؟"

"دوسرے پر غنی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔رپورٹ کے مطابق گلاس میں آم کا شربت موجود تھا۔اور آٹوپسی رپورٹ کے مطابق غنی کے جسم میں مرنے سے ٹھیک آدھے گھنٹے پہلے یہ شربت داخل ہوا تھا۔"

"دفتر کے باہر لگے کیمروں سے کیا پتا چلا؟"سوال پر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر یو ایس بی نکالی۔"فوٹیج اس میں ہے۔آپ خود ہی دیکھ لیں۔"

لیپ ٹاپ میز پر کھلا پڑا تھا۔سارے اہلکار اس کے ارد گرد موجود تھے۔قوی نے ہاتھ بڑھا کر ویڈیو چالو کر دی۔

دو گھنٹے قبل

وہ دیوار کے ساتھ رکھی کرسی پر ٹیک لگائے کب سے پینسل کا پچھلا حصہ چبانے میں مصروف تھا۔آنکھیں اپنے سامنے بیٹھے ایجنٹ ایلیون پر مرکوز تھیں۔جو کہ میز پر رکھے کمپیوٹر پر پچھلے چار گھنٹوں سے مسلسل کچھ خاص کر رہا تھا۔

"باس.. کسی کو شک تو نہیں ہوگا؟"ایجنٹ سیون نے ایجنٹ ایلیون کی کرسی پر جھکتے ذرا سا زور ڈالا۔"اگر گہری نگاہ سے دیکھیں گے تو ہو سکتا ہے۔ورنہ نہیں ہوگا۔"

کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے اس نے انٹر کا بٹن دبایا پھر سینے کے آگے بازو باندھ لئے۔"اہلکار کہاں تک پہنچے ہیں؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایجنٹ فور جو کہ فارنزک لیب کے کیمروں کو ہیک کیے بیٹھا تھا۔ فوراً بولا۔ "ایکسپرٹ سے بات چیت کر رہے ہیں۔ غنی کا دفتر یہاں سے چالیس منٹ کی دوری پر ہے۔ تو ہمارے پاس کم از کم پچاس منٹ باقی ہے۔"

ایجنٹ ایلیون نے سر ہلایا۔ "فوٹیج کی کوالٹی کم ہونے میں ابھی وقت لگے گا۔ فلوقت ہمیں اسی ویڈیو سے کام چلانا پڑے گا۔"

وہ دونوں اسکرین کے آگے آن رکے۔ جس پر سیاہ ساڑھی میں ملبوس ایک سراپے کو سعید غنی کے دفتر میں جاتے اور نکلتے بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ "ان اہلکاروں کے لیے یہ فوٹیج کافی رہے گی۔ لیکن ایس ایچ او کے لئے دوسری کا انتظام کرنا پڑے گا۔ کوالٹی خراب ہو گی تو اُسے بھی شک نہیں ہو پائے گا۔"

"لیکن باس آپ نے ہمارے دشمن کو فوٹیج میں ڈالا کیسے؟" ایجنٹ تھری بھی اب کرسی پر جھک کر اسکرین کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"ایڈیٹنگ سے۔آج کل ایڈیٹنگ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔"اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔"لیکن اس میں اس کا چہرہ تو دکھ ہی نہیں رہا۔"

"کسی کا چہرہ کبھی بھی ہو بہو کسی ویڈیو میں چھپا نہیں جا سکتا۔ایک ناں ایک کمی رہ ہی جاتی ہے۔ہماری اس فوٹیج میں دشمن کی چہرے سے نہیں بلکہ لباس سے پہچان ہو گی۔"ایک لمبا گھونٹ حلق سے نیچے اتارا۔"یہ لو یو ایس بی۔اسے گارڈ کی یو ایس بی سے تبدیل کر دینا۔" ایجنٹ سیون کو تھمائی۔

"لیکن باس آپ کو کیسے یقین ہے کہ گارڈ نے یو ایس بی پر ہی فوٹیج لگا رکھی ہو گی۔ہو سکتا ہے اس نے کمپیوٹر میں ہی کہیں پر سیو کر رکھی ہو۔ایسے میں یو ایس بی کی ضرورت کس کمبخت کو پڑے گی؟"

ایجنٹ ایلیون نے آگے ہو کر کمپیوٹر پر کچھ کھولا۔"اسے تھن کلائنٹ کمپیوٹر کہتے ہیں۔اس کی سٹور تج بہت کم ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ہارڈ ڈیسک نہیں لگتی۔صرف یو ایس بی لگائی جا سکتی ہے۔اور یہی کمپیوٹر اس گارڈ کے کمرے میں موجود ہے۔جب کیمرے کی فوٹیج ریکارڈ ہو گی تو

وہ کمپیوٹر میں تو نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ اس میں تو اتنی اسپیس ہی نہیں ہے۔ تو پھر فوٹیج کہاں جائے گی؟"

"یو ایس بی میں۔" ایجنٹ ایلیون نے دانتوں سے بسکٹ توڑتے ہوئے سر اوپر نیچے ہلایا۔ "ان کے پہنچنے سے پہلے اسے تبدیل کر دینا۔"

ایجنٹ سیون کالے کپڑوں میں گارڈ کے کمرے سے قلیل فاصلے پر آن ٹھہرا۔ سعید غنی کی کپڑوں کی دکان دائیں طرف تھی۔ اور دفتر بائیں طرف۔ جبکہ گارڈ کا کمرہ کار پورچ میں واقعہ تھا۔ گھڑی پر جیسے ہی ایک بج کر پینتالیس منٹ بجتے گئے۔ اس نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور کمرے کے دروازے کے آگے پھینک دیا۔ اور اس سے ذرا سا آگے ایک پانچ ہزار کا عید مبارک کا نوٹ بھی۔

جیسے اس نے سوچ رکھا تھا سب کچھ ٹھیک ویسے ہی انجام پایا تھا۔ وہ کمرے کی سامنے والی بیرونی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ گارڈ باہر آیا۔۔ ایجنٹ ذرا سا آگے کھسکا۔ گارڈ پیسوں کو دیکھ کر چند قدم آگے لے گیا۔ جبکہ ایجنٹ کمرے کے اندر گھس گیا۔ اندر نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ داخل ہوتے ہی اس نے کمپیوٹر کی طرف پڑاؤ ڈالا۔ سی پی یو سے یو ایس بی اتار کر اپنی یو ایس بی لگا ڈالی۔ برق رفتاری سے اٹھا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

جیسے ہی گارڈ واپس اندر آیا وہ باہر نکل گیا۔ تھوڑے سے فاصلے پر ہو کر جیب سے فون نکالا اور ایجنٹ ایلیون کو میسج کر دیا۔ "مشن سفل ہوا۔")

Clubb of Quality Content

موجودہ وقت

چھ اپریل رات گیارا سے فوٹیج چالو کر دی گئی تھی۔ ٹھیک پچاس منٹ بعد سیاہ ساڑھی میں ملبوس ایک عورت سعید کے دفتر میں جاتی ہوئی دکھی۔ المیرا اور راحم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ تو ہو بہو آئمہ خلیل جیسی خاتون ہی تھی۔ بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ یہ آئمہ خلیل ہی تھیں۔

المیر ذرا سا اسکرین پر جھکا... "آئی ٹی ایکسپرٹ کو لے کر آئے ہو؟" اور اسی وقت جعلی آئی ٹی ایکسپرٹ عرف ایجنٹ تھری تھانے کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔

ایک گھنٹہ پہلے

ایجنٹ ایلیون دیوار پر لگی ایل سی ڈی کی اسکرین پر شہادت کی انگلی رکھ کر دو ایجنٹس کو کچھ سمجھانے میں مگن تھا۔ "یہ اور یہ..." دو جگہ انگلی رکھی۔ "آئی ٹی ایکسپرٹ ایک اور دو کی لوکیشن ہیں۔ تم دونوں نے ان کے دفتروں میں گھس کر ان کی جگہ سنبھالنی ہے۔" پھر ایجنٹ تھری اور ایجنٹ ون کی طرف پلٹا۔ "پولیس ہمیشہ دو مخصوص آئی ٹی کمپنیوں سے ایکسپرٹ بلواتی ہے تحقیق کروانے کی غرض سے۔ اس دفعہ بھی ان دونوں ہی میں سے کسی ایک کے ایکسپرٹ کو بلایا جائے گا۔ اپنے اپنے وقت کے نظام کے حساب سے جو ایکسپرٹ فارغ ہوگا وہی جائے گا تھانے۔ اور فلوقت دو ایسے ہیں۔ اور یہ رہے وہ دونوں..." اشارہ کیا تو

ایجنٹ ٹو نے اپنے فون کی اسکرین پر ایک ویڈیو چلادی۔ جس میں وہ دونوں ایک اندھیر کمرے میں بندھے بیٹھے تھے۔ آنکھوں اور منہ پر پٹی اور خاصی غنودگی کے زیرِ اثر۔

"ہم نے اپنا کام کرلیا۔اب تم لوگ اپنے حصے کی ذمے داری پوری کرو۔ کام ہو جائے گا تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ وقتی طور پر ان کے گھر والوں سے رقم مانگی ہے تاکہ چھوٹ جانے کے بعد ان کو اپنا غواہ ہونا شبے میں نہ ڈال دے۔"

ایجنٹ ایلیون کی خوبصورت آنکھیں چمکیں۔اس نے بات جاری رکھی۔ "پہلے والی یو ایس بی کی فوٹیج کسی بھی ایسے انسان نے دیکھی جسے ذرا سا بھی ایڈیٹنگ کا علم ہوا تو وہ فوراً سے پہلے پہچان جائے گا کہ فوٹیج نقلی ہے۔ تم نے بس اب اس کو اس سے تبدیل کرنا ہے تاکہ کوئی اچھے سے اچھا آئی ٹی ایکسپرٹ بھی فوٹیج میں کوئی کمی نہ نکال سکے۔ میں نے ایڈیٹنگ سے سب کچھ ٹھیک کر دیا ہے۔" انگلیوں کے درمیان پھنسائیں دو یو ایس بی دونوں کے سامنے کی۔

"لیکن سر ان ایکسپرٹس اور ہمارے چہرے تو ایک دم مختلف ہیں۔ پھر ہم ان کی شناخت کیسے چرائیں گے؟"

"ایک دن پہلے ہی ان دونوں کی پوسٹنگ ملتان اور حیدر آباد سے اسلا آباد ہوئی ہے۔ تم نے ان کی شناخت نہیں چرانی۔ بلکہ اپنی جعلی پہچان ظاہر کرنی ہے۔ یہ رہے تم لوگوں کے کارڈ.. یہی دکھانے ہیں مانگے جانے پر۔" میز کی طرف اشارہ کیا۔

جی باس کی گونج کمرے میں اٹھی۔ "اصول نمبر سات یاد ہے؟"

"پکڑے جانے پر آپ سے کسی بھی قسم کا تعلق رکھنے کی کوشش ہر گز نہیں کرنی..!" ایجنٹ ایلیون سر پیچھے پھینک کر مسکرایا۔

موجودہ وقت

ایجنٹ تھری اہلکاروں سے روبرو آیا تو اس نے سب کو ایک میٹھی سی مسکان پیش کی۔ "نظام حسین... آئی ٹی ایکسپرٹ۔" قوی سے آکر ہاتھ ملایا۔ پھر اپنا کارڈ اس کے سامنے کر دیا۔

آکر کرسی پر لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا۔ بیٹھتے ہی ایک ہاتھ لیپ ٹاپ سے لگی یو ایس بی پر رکھا اور دوسرے سے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں۔ تین اہلکار اس کے ارد گرد.. جبکہ راحم اور المیر اس کے پیچھے ایستادہ تھے۔

اس نے تھوک نگلا۔ سرخ شرٹ کی بٹن والی آستین سے بہت ہی اطمینان کے ساتھ ایجنٹ ایلیون سے لی ہوئی یو ایس بی نکالی۔ پھر اچانک زور زور سے کھانسنے لگا۔ کھانسنے کے دس سیکنڈ بعد ہی تھانے سے باہر چالو جنریٹر بند ہو گیا۔ اور وہ بھی ایجنٹ سیون کی وجہ سے۔ جو کہ کب سے اسی کے اشارے کی تاک میں تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جیسے ہی سب اس کی طرف متوجہ ہوئے.. اس نے یو ایس بی تبدیل کر دی۔ پہلے والی زمین پر پھینکی اور اس پر اپنا بوٹ رکھ لیا۔ جس سے وہ چھُپ گئی۔

"کیا ہوا سلیم؟"

"سر.. پتا نہیں۔ خود ہی جنریٹر بند ہو گیا اچانک سے۔"

اب اسکرین پر وہ فوٹیج چالو تھی۔ جس کی کوالٹی ذرا کم تھی۔ جس میں کوئی بھی آئی ٹی ایکسپرٹ ایک بھی کمی نہیں نکال سکتا تھا۔

وہ چند منٹ غور سے فوٹیج کو پرکھنے کی اداکاری کرتا رہا۔ "سر اس میں کوئی جھول نہیں۔" جب اُسے اپنے کندھے پر کسی کے بھاری ہاتھ کا احساس ہوا۔ "ایکسپرٹ صاحب... آپ کی داڑھی اتر رہی ہے.. لائیں چپکا دوں۔"

بس یہی سننا تھا کہ خطرے کی گھنٹی اس کے چار سو بجنے لگی۔ اس نے گھبراتے ہوئے اُس آواز کے مالک راحم کو دیکھا۔ جس نے ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے بالوں کو انگلیوں سے ایک طرف کیا۔ گال میں ایک گڑھا نمودار ہوا۔

بائیں کندھے پر ایک اور بھاری ہاتھ محسوس ہوا اور ساتھ ہی کسی نے اُسے کالر سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے میں کرسی سے اٹھایا۔ "داڑھی تو تمہاری میں ہی چپکاؤں گا۔ اور ایسی چپکاؤں گا کہ پوری زندگی نہیں نکلے گی۔"

وہ قدموں پر کھڑا ہوا تو بوٹ کے نیچے آئی یو ایس بی پر سارا زور ڈالا۔اس کی کوشش تو یہی تھی کہ یہیں کرچی کرچی ہو جائے۔

المیر نے اُسے پکڑ کر میز اور کرسی کے بیچ سے باہر نکالا۔وہ جانتا تھا اب اُس کی منزل تفتیشی کمرہ ہو گی۔جیسے ہی وہ داخلی دروازے کی بائیں طرف بنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے..
اس نے بوٹ ذرا سا ہلایا اور یو ایس بی دروازے سے باہر جا گری۔

اس نے مسکراہٹ چھپانے کے لئے چہرے جھکایا اور المیر اور راحم کے ہمراہ اُس کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ذہن میں ایک ہی جملہ گونجا۔"مشن سفل ہوا باس۔"

وہ اپنے بستر پر اوندھے منہ لیٹا چھت کو تک رہا تھا۔آج تو وہ کام کر کر کے بہت زیادہ تھک چکا تھا۔لیکن یہ تھکن اس تھکن کے مقابلے میں نقطہ برابر بھی نہیں تھی جو اُسے اتنے سالوں سے گھیرے ہوئی تھی۔

وہ تھک گیا تھا اپنے باپ کا کیس لڑتے لڑتے۔اُسے عامر علی کے بھائی یعنی اپنے چچا پر ہمیشہ سے شک تھا۔اُسے لگتا تھا اُس نے ہی اُس کے والد کو مارا ہے۔بہت برا بھلا کہتا آرہا تھا وہ ان کو اور ان کے گھر والوں کو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

لیکن آج جب اِشفا نے اُسے بتایا کہ جب اُسے کسی نے عامر علی کی آٹوپسی رپورٹ بھیجی تھی تو ساتھ میں ایک تصویر بھی بھیجی تھی۔وہ تصویر سعید غنی کی تھی جس کی مہینہ پہلے موت ہو گئی۔

اِشفا نے جب اس حوالے سے اپنے شبہات کا ذکر کیا تو مومن علی کی یاداشت میں ایک ایک پل خود کو دوہرانے لگا۔ایک ایک یاد اُس کے ذہن کے گرد چکر لگانے لگی۔

والد صاحب کی موت سے تین دن قبل چچا تو نہیں لیکن سعید غنی ہی ان سے ملنے آیا تھا۔ان کی کسی بات کو لے کر جھڑپ بھی ہوئی تھی۔وجہ پوچھنے پر انھوں نے یہ کہہ کر بات جھٹک دی کہ دوست ہے میرا..دوستوں میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔

وہ بار بار عامر علی کے فون پر غنی کی کال آنا۔وہ دھمکی بھرے میسیج۔والد کا زرد چہرہ...اُتری ہوئی آنکھیں۔سب کچھ تو ٹھیک اس کے سامنے ہی تھا۔لیکن اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔اس نے خود کو خود ہی اپنے باپ کے قاتل سے غافل رکھا تھا۔کیونکہ اُسے یقین تھا ان کا دوست ان کے ساتھ کبھی بھی کچھ غلط نہیں کر سکتا۔

لیکن یہی تو سچائی ہے۔ہمیں سب سے زیادہ نقصان انہی سے پہنچتا ہے..جو ہمارے سب سے قریب ہوتے ہیں۔وہ ہمیں ڈس بھی لیں تو گمان نہیں کر پاتے کہ کسی اپنے نے ڈسا ہوگا۔ سب سے زیادہ درد ہی انسان کو انسان کے ڈسنے کا ہوتا ہے۔کیونکہ انسان سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

وہ ایک ایک حرکت اس کی یاداشت میں لوٹ آئی تھی۔ غنی کا عامر کے قتل کے بعد روز گھر آنا۔ بار باران کے کمرے میں جانا۔

افسوس کہ وہ اپنے والد کے قاتل کو خود نہیں مار سکا۔افسوس کہ اس نے اتنے عرصے میں بے گناہوں کے دل دھکائے تھے۔ ہر بات پر افسوس تھا اُسے..!

جب انسان کو احساس ہوتا ہے کہ زندگی دراصل تصورات سے کچھ مختلف ہے تو وہ خیالوں کی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔اس نے خود ہی سے سوچ لیا تھا کہ اُس کے باپ کا قاتل کون ہے۔ ہر چیز وقت سے پہلے ہی خیال کر لی گئی تھی۔اور اب باقی تھا تو پچھتاوا۔ کہ کس کس سے اور کب کب معافی مانگے۔ کتنی دیر مانگتا رہے اور کن الفاظ کے ساتھ۔

اختتام حصہ دوم

حصہ سوم:: خواب

باب ۸

نظام حسین عرف ایجنٹ تھری تفتیشی کمرے میں پچھلے ڈھائی گھنٹوں سے اس بے آرام لکڑی کی کرسی پر براجمان تھا۔اپنے بوٹ کو مسلسل زمین پر مارتے وہ ایک دھن بجانے میں مصروف تھا۔اس کی آنکھیں دروازے پر ٹکی تھیں۔اُسے نہ کسی کا خوف تھا اور نہ ہی پکڑے جانے کا ڈر۔

ایجنٹ ایلیون کی نگرانی میں ٹرین ہوئے تمام ایجنٹس اسی طرز کی سوچ رکھتے تھے۔ان کے باس نے انہیں ایسی تربیت دی تھی کہ ان کے پاس پلان بی ہمیشہ موجود رہتا تھا۔

ایجنٹ ایلیون شکار کرتا تھا۔اور شکاری کبھی اپنا کام ادھورا نہیں چھوڑا کرتا۔اس نے ان کو بھی یہی تربیت دی تھی۔

سوچوں کا تسلسل ٹوٹا جب دروازہ چڑچڑ کی آواز کرتا کھلا۔المیر خلیل وردی کی آستینیں چڑھائے اندر بڑھا۔ایک فائل زور سے میز پر پٹکی اور خود اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہاں کیوں روک رکھا ہے؟"اس نے پُر سکون سے انداز میں آگے ہوتے دونوں بازو میز پر رکھے۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"رعب دار آواز نکلی۔روبرو بیٹھے شخص نے ایک گہرا سانس لیا۔"نظام حسین۔اور کتنی مرتبہ بتاؤں؟"

"اگر تمہاری شناخت جعلی نکلی تو میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔اس لئے سوچ سمجھ کر بولو۔"ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور کرسی کے ساتھ پشت ٹکا گیا۔

"میں واقعی نظام حسین ہوں۔آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا ہوں۔کیسے یقین دلاؤں آپ کو؟" مقابل نے سر اثبات میں ہلایا۔"یہ تو ابھی پتا چل جائے گا۔"

اسی لمحے قوی اندر داخل ہوا۔ایک نظر لڑکے پر ڈالی اور دوسری المیر پر۔"سر...یہ سچ کہہ رہا ہے۔اس کا نام نظام حسین ہی ہے۔"

اس نے ایک گہری نگاہ لڑکے پر ڈال کر اہلکار کو دیکھا۔"آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ والوں سے رابطہ ہوا؟"

"جی سر..بس آپ آکر بات کرلیں۔"وہ سر ہلاتا ہوا نشست سے استادہ ہوا۔پھر باہر نکل گیا۔

ایجنٹ سیون اور ایجنٹ ایلیون آئی ٹی کمپنی کی اونچی لمبی عمارت کی پہلی منزل پر موجود تھے۔وہ دونوں انٹرنیٹ
استعمال کرنے کے بہانے سے عمارت کے داخلی دروازے کے پاس رکھے ایک صوفے پر بیٹھے تھے۔

اتنے میں ایجنٹ ون دروازے سے لابی میں داخل ہوا۔ہاتھ سے بالوں کو سیٹ کرتے اس نے اپنے باس کو دیکھ کر ایک آنکھ دبائی۔لمبے لمبے قدم اٹھاتا استقبالیہ کاؤنٹر کے پاس آن رکا۔
کاؤنٹر کے اُس پار میرب نامی لڑکی بیٹھی تھی۔جو کہ یہاں کے استقبالیہ عملے میں شامل تھی۔

"جی سر.. کہیے ؟"میرب نے تین سے چار دستاویزات ہاتھوں میں تھامے ہوئے تھے۔
جنھیں وہ کاؤنٹر پر ترتیب دے کر رکھ رہی تھی۔

"بندے کو وہام شاہد کہتے ہیں۔ پیشے سے الیکٹریشن ہوں۔ آسان الفاظ میں کہوں تو بجلی کی تاروں کے ساتھ موت کا کھل کھیلتا ہوں۔ مجھے سرور روم کا راستہ دکھا دیں، خاتون۔" میرب نے ابرو بالا کرتے لینڈ لائن سے کسی کا نمبر ملایا۔

"سر.. آپ نے کسی وہام شاہد کو طلب کیا تھا؟" وہ یقیناً اقبال ملک سے بات کر رہی تھی۔ جو کہ یہاں کے سی ای او تھے۔

ایجنٹ ون واقعی ایک ماہر الیکٹریشن تھا۔ اس کا اصلی نام وہام شاہد ہی تھا۔ وہام کا دیرینہ دوست اسی کمپنی میں کام کرتا تھا۔ ایک مہینہ پہلے ہی وہام سے اس نے بجلی کی تاروں میں خرابی آنے کا ذکر کیا تو وہام نے اُسے مشورہ دیا کہ کیوں ناں وہی اس معاملے میں اس کی مدد کر دے۔ اس میں اس کے دوست کا ہی فائدہ ہے۔ جب باس اس کے کام سے خوش ہو گا تو دوست ہی کو سراہے گا۔

دوست فوراً مان گیا۔ اس نے اقبال ملک سے بات کی اور اس نے چند ہی ہفتوں کے بعد اُسے خود کال کی۔ پھر اس کی مکمل معلومات نکلوائی۔ پھر اس کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی منگوائی۔

پھر ہفتہ پہلے ہی وہام کو کام کے لئے طلب کیا۔ لیکن وہام عرف ایجنٹ ون باس کے حکم کے مطابق ایک پورا ہفتہ بلاوے کو ٹالتا گیا۔

اور پھر آج جا کر اس نے اپنی ذمے داری پوری کرنے کی ٹھانی۔ "جی سر.. ٹھیک ہے۔" اس نے فون رکھا پھر اُسے دیکھا۔ "آپ کو گارڈ سرور روم میں لے جائے گا۔" مسکرا کر کہا۔ پھر دراز سے ایک کارڈ نکال کر اُسے تھما دیا۔ "یہ اینٹری پاس ہے۔"

اس نے پاس اٹھا کر جیب میں ڈالا اور پیچھے پلٹا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ سانولی رنگت والا تگڑا شخص گارڈ کی وردی میں اسی کو دیکھ رہا ہے۔ "سلام سر.. آپ کے سامنے مجھے اپنا آپ چھوٹا چھوٹا محسوس ہو رہا ہے۔ آپ میرا کام کر لیں.. میں آپ کا کام کر لیتا ہوں۔"

"چلو۔" بھاری مردانہ آواز مقابل کے حلق سے نکلی تو ایجنٹ ون نے تھوک نگلا۔

وہ سرور روم میں مرکزی رابطہ خانے کے سامنے کھڑا تھا۔ جو کہ ایک تنگڑے سے بورڈ کی مانند ایک میز پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دیوار پر سوئچ بورڈ تھا۔ وہ گھبراہٹ کا شکار ہوتے کبھی اس ڈبے کو دیکھتا تو کبھی دیوار پر نصب اُس ڈبے کو۔

گارڈ پیچھے رکھی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اب مسئلہ صرف اتنا سا تھا کہ وہ مرکزی رابطہ خانے کو چھیڑ نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا کام تو سوئچ بورڈ تک تھا۔

اس نے گردن موڑ کر گارڈ کو دیکھا۔ دھیرے سے جعلی سی مسکان چہرے پر سجائی۔ "بھائی وہ.. پانی ملے گا؟"

Clubb of Quality Content

"ہاں۔" وہ اٹھا اور دائیں طرف رکھے پانی کے کولر کی طرف بڑھنے لگا۔ "ارے.. نہیں..!" اس کی زبان سے الفاظ نکلے۔

اس نے کھا جانے والی نظروں سے پیچھے سے آواز دینے والے کو دیکھا۔ "کیا تکلیف ہے؟"

"بھائی.. میرے گردے سہی سے کام نہیں کرتے۔ڈاکٹر نے فلٹر والا پانی پینے سے منع کیا ہے۔میں صرف صاف ستھرا پانی پینے کا عادی ہوں۔"معصوم سی شکل بنا کے اُسے دیکھا۔

"تو اب کیا آبِ حیات لے کر آؤں تیرے لئے؟"اچانک سے اتنے سخت لہجے کو سن کر اُسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ذہن پر زور ڈالنے لگا کہ اب کیا کہے۔

"نہیں بھائی.. آبِ حیات کہاں آپ کو ملے گا۔وہ تو صرف نیک لوگوں کو ملتا ہے۔آپ کہاں سے نیک-میرا مطلب ہے.. کہ آبِ حیات ڈھونڈنے والوں کو ملتا ہے۔آپ کو اس کی تلاش تھوڑی ہے۔آپ کہاں سے لاؤ گے؟میں نے تو سنا ہے آبِ حیات کی چاہ رکھنے والوں کو وہ مل بھی جاتا ہے۔لیکن اگر آپ کو مل گیا اور آپ نے اُسے پی لیا تو ہم سب کا تو جینا ہی حرام ہو جائے گا-"

"منہ بند کر۔بتا کون سا پانی پیے گا؟"ایجنٹ نے فوراً اُسے مسکرا کر دیکھا۔"بھائی..اوپر جو فریج رکھی ہے ناں کچن میں.. وہاں سے لا دو۔میرے دوست نے بتایا تھا۔وہ یہیں کام کرتا ہے۔"

گارڈ غصے سے سر جھٹکتا ہوا نکل گیا۔ جبکہ ایجنٹ اپنے کام پر لگ گیا۔ وہ زانوں کے بل مرکزی رابطہ خانے جسے انگریزی میں پی بی ایکس بھی کہتے ہیں، اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ جو کہ ایک کمپیوٹر سے جڑا ہوا تھا۔

فوراً سے کمپیوٹر کو چالو کرتے اس نے پی بی ایکس کا پینل کھولا اور اس میں اقبال ملک کے کمرے کی لینڈ لائن کے ساتھ ساتھ استقبالیہ کاؤنٹر کی لینڈ لائن کا راستہ بدل دیا۔ کہ اب اگر تھانے سے فون آیا بھی تو سیدھا ایجنٹ کی طرف جائے گا۔

Clubb of Quality Content!

اس کے حصے کی ذمے داری پوری ہوتے ہی ایجنٹ ایلیون اور سیون نے اپنی اپنی زمیداری سنبھال لی۔ لیپٹاپ پر ایک آخری بٹن دباتے ایجنٹ ایلیون اس کی طرف مڑا۔ "کام ہو گیا؟"

وہ ایجنٹ ون کے اس کی طرف آئے میسیج کو اُسے سنا رہا تھا۔ "لینڈ لائن پر آنے والی کالز انٹر سیپٹ ہونے ہی والی ہیں۔ پانچ تک گنتی پوری ہوتے ہی ان کی کالز ہماری طرف آنا شروع ہو جائیں گی۔ اور پانچ منٹ سے زیادہ ہم یہ کام جاری نہیں رکھ سکتے۔ اگر ان پانچ منٹوں میں تھانے سے کال نہ آئی تو ایجنٹ تھری پھنس سکتا ہے۔ "ایجنٹ طنزیہ مسکرایا۔

"امید پر دنیا قائم ہے۔"

ایجنٹ سیون نے گردن سیدھی کی اور چہرہ اوپر کیا۔ اس کے باس کے چند الفاظ ہی اس کے ناکام ہوتے پلانز کو کامیاب بنا دیتے تھے۔ باس کو دیکھ کر ایک آخری دفعہ سر کو جنبش دیتے..

"پانچ... چار.. تین.. دو.. ایک۔ پانچ منٹ کا دورانیہ شروع ہوتا ہے اب۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے لیپ ٹاپ کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک منٹ تک کوئی کال نہ آئی پر اگلے ہی منٹ کہیں سے کال آنے لگی۔ ایجنٹ سیون نے اپنے فون کی اسکرین پر انگلی چلاتے کال اٹھائی۔ "ہیلو؟"

"میں اسلام آباد کے تھانے سے ایس ایچ او المیر خلیل بات کر رہا ہوں۔ مجھے دراصل آپ کے ایک ایمپلائی کے بارے میں کچھ جاننا ہے۔" ایجنٹ سیون نے باس کو دیکھا۔ گھبراہٹ کی وجہ سے اس کی دائیں ٹانگ مسلسل اوپر نیچے ہونے لگی۔ "تم کر لو گے۔" ایجنٹ ایلیون کے ہونٹ بے آواز ہلے۔

ایک لمبا سانس اندر کھینچتے اس نے بات کی ابتدا کی۔ "جی بتائیے.. المیر صاحب۔"

"نظام حسین نام کا کوئی ایمپلائی آپ کے ہاں کام کرتا ہے؟" دوسری طرف سے آتیں آوازوں سے اُس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ فون اسپیکر پر تھا۔

باس کے اشارے کے مطابق اس نے لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلانے کی آہٹ نکالی۔ "جی بالکل.. نظام گرافک ڈیزائننگ کے ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا ہے۔"

"بلائیے گا ذرا اُسے.." دونوں کی نظریں ملیں پھر ایجنٹ نے آواز نکالی۔ "منیہا.. نظام کو کمرے میں بھیجو۔" فون کرنے کی اداکاری کی۔ منیہا اقبال ملک کی اسسٹنٹ تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایجنٹس کا یہ ٹولا کسی بھی جگہ اپنا ہوم ورک کیے بنا نہیں جاتا تھا۔

فون کے اس پار اور اُس پار خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایک منٹ کے بعد ایجنٹ بولا۔ "نظام تو نہیں ہے۔ اُسے آپ کے ہی تھانے نے طلب کیا تھا۔"

"لیکن ہماری طرف تو آپ کسی اور کو بھیجنے والے تھے۔ کیا نام تھا اس کا...؟" ایجنٹ سیون نے فوراً اوپر دیکھا۔ پھر فون پر ہاتھ رکھ کر "نام" لفظ کو بے آواز ہونٹوں سے ادا کیا۔ باس نے آگے کو ہوتے لیپ ٹاپ پر نوٹس کھولے اور اس میں فوراً نام لکھا۔

"کامل ابرار کو ہم آپ کی طرف بھیجنے والے تھے۔ لیکن اس نے اچانک گھر جانے کے لئے اجازت لی تو ہم نے نظام کو آپ کے پاس بھیج دیا۔" مٹھی بند کرتے اس نے اُسے سر پر رکھا۔

صرف ایک منٹ باقی تھا کال منقطع ہونے میں۔جب دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی تو اس نے باس کو دیکھا۔"سر.. کیوں اس نے کچھ کیا ہے؟"

"نہیں..کچھ نہیں۔میں بس کنفرم کر رہا تھا۔" پھر کال کٹ گئی۔

دونوں نے ایک ساتھ گہرا سانس ہوا کے حوالے کیا۔"باس میں آئندہ المیر خلیل سے بات نہیں کروں گا۔مجھے بہت ڈر لگتا ہے اس سے۔پتا نہیں ایجنٹ فائیو کے ساتھ اس نے کیا کیا ہوگا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"لاش نہیں ملی یعنی وہ ابھی تک زندہ ہے۔مجھے یقین ہے المیر خلیل اُسے جلد ہی چھوڑ دے گا۔"

"کال کی لوکیشن کیا تھی؟" ہاں وہ اقبال ملک سے بات کرتے ہوئے کال کی لوکیشن ٹریس کروا رہا تھا۔ "سر گبسن آئی ٹی کمپنی۔"

اس نے سر ہلایا پھر قوی کی طرف پلٹا۔ "اُسے تفتیشی کمرے سے نکال کر یہاں لے آؤ۔"

چند منٹ بعد زان ہی اُسے اس کے سامنے لا کر بیٹھا دیا گیا۔ "تمہاری شناخت درست ہے۔ لیکن تمہاری یہ نقلی داڑھی تو الگ کہانی سناتی ہے۔"

اس نے سر کو دھیرے سے کھجایا پھر چہرہ اوپر کیا۔ "دراصل مجھے باڈی ڈیسمورفک ڈس آڈر ہے۔ یہ ایسی بیماری ہوتی ہے جس میں انسان کے چہرے میں کوئی نقص ہوتا ہے اور وہ اس نقص کو لے کر بہت پریشان رہنے لگتا ہے۔ لڑکپن سے اب تک میرے چہرے پر داڑھی نہیں آئی۔ اور چونکہ مجھے داڑھی رکھنے کا بہت شوق تھا تو میں اس مسلے کو لے کر بہت پریشان رہنے لگا تھا۔ پھر میرے ماہرِ نفسیات نے مجھے یہ حل بتایا کہ میں جدھر بھی جاؤں نقلی داڑھی لگا کر جاؤں۔ اگر آپ چاہیں تو میرے فون میں میری تصویریں چیک کر لیں۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں داڑھی لگا کر جاتا ہوں۔"

ہاتھ سے اشارہ کیا تو محمت نے اس سے فون لے لیا۔ اس کو مکمل طور پر کھنگالنے کے بعد اُسے واپس کر دیا۔ پھر سر ہلایا تو المیر سمجھ گیا کہ لڑکا واقعی درست کہہ رہا تھا۔

اور حقیقتاً ایسا ہی تھا۔ ایجنٹ تھری کو سچ میں یہ بیماری تھی۔ اس کی کہی ایک ایک بات سچ تھی۔ سوائے اس کے کہ اُسے کسی ماہر نفسیات نے نہیں بلکہ اس کے باس ایجنٹ ایلیون نے ہر جگہ داڑھی لگا کر جانے کا مشورہ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے.. تم جا سکتے ہو۔" وہ شکریہ کہتا ہوا اٹھا اور بنا پیچھے پلٹے تیزی سے تھانے کی دہلیز پار کر گیا۔

"سلیم.. اس پر نظر رکھو۔ دیکھو کہ یہ کس کس سے ملتا ہے۔" سلیم حکم کو بجا لاتے اس کے پیچھے نکل گیا۔

المیر پھر قوی کی طرف مڑا۔" گبسن آئی ٹی کمپنی میں جا کر پتا کرو کہ نظام حسین نامی بندہ کیا واقعی ان کے ہاں کام کرتا ہے۔"

"میڈم.. خضر واقعی بھاگ گیا ہے۔"فون سے آواز ابھری تو آئمہ خلیل نے جبڑے بھینچ لئے۔دل کیا کھڑکی کا شیشہ توڑ دیں۔"وہ پچھلے دروازے سے بھاگا ہے۔ لیکن مجھے لگتا ہے ہمارے کسی بندے نے اس کی بھاگنے میں مدد کی ہے۔"

Clubb of Quality Content!

"ان چاروں کو مارو اور اتنا مارو کہ ان کی روح جسم سے نکلنے کو تڑپے پر نکل نہ پائے۔جب تک وہ اپنا منہ نہیں کھولتے انہیں مرنے مت دینا۔"

"ایسا ہی ہو گا۔ لیکن میڈم خضر گیا تو گیا کدھر ؟"وہ کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر باہر کی طرف دیکھنے لگیں۔"پتا کرو...ڈھونڈو اُسے۔ ملنے پر مار ڈالو۔ ہم کسی بھی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

یہ ایک ہفتے بعد کا منظر تھا۔ آسمان ہلکے نیلے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ سفید بادل اس پر راج کر رہے تھے۔ پچھلے دنوں کی نسبت آج کے دن موسم تپ رہا تھا۔ اسی جگہ پر اگر آپ آسمان کے تلے نظریں مرکوز کریں تو آپ کو تھانہ نظر آئے گا جہاں پر راحم رضا احمد تفتیشی کمرے کے باہر ایک اہلکار کو حکم دیتا ہوا اندر بڑھنے کے درپے تھا۔

ایک ہفتے میں دونوں آفیسرز نے اچھے سے سی سی ٹی وی فوٹیج کو ہر طرح سے پرکھا اور چیک کروایا تھا۔ فوٹیج میں کوئی جھول نہیں تھا۔ اور نہ ہی نظام حسین کی شناخت میں تھا۔ ایک ہفتہ سلیم اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ لیکن اس کا رہن صحن عام تھا۔ وہی گھسی پٹی روزمرہ کی عادات تھیں جو عموماً لوگوں کی ہوتی ہیں۔ وہ روزانہ آئی ٹی کمپنی میں بھی جاتا تھا۔

نہ وہ کسی مشکوک انسان سے ملتا تھا اور نہ ہی فون کرتا تھا۔ محمت نے کمپنی میں جا کر استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی سے اس کے مُتعلّق پوچھا بھی تھا۔ جب اُس نے اپنے کمپیوٹر پر چیک کیا تو جواب مثبت ملا۔ عمارت میں واقعی ایک نظام حسین چند ہی دنوں پہلے کام پر لگا تھا۔

پھر کیا تھا؟ تصویر ایک دم صاف تھی۔ المیر سے بات کر کے راحم نے فیصلہ کیا تھا کہ آئمہ خلیل سے وہ خود تفتیش کرے گا۔ اور اسی غرض سے وہ دروازے کو کھولتے اب اندر بڑھ چکا تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"آئمہ خلیل۔" سر کو اثبات میں ہلاتے وہ کرسی کھینچ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اپنے کو آپ کو نام سے پکارے جانے پر انھوں نے راحم کو عجیب نظروں سے دیکھا۔

ان کی نظروں کا مطلب سمجھتے وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "اس کمرے میں..." چاروں اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ "...نہ میں آپ کو جانتا ہوں اور نہ ہی آپ مجھے جانتی ہیں۔ یہاں میں پولیس آفیسر ہوں اور آپ شک کے دائرے میں۔"

پہلے تو انہیں اس کے لہجے پر جھٹکا سا لگا۔ پھر ایک ابرو بالا کی اور طنزیہ سا مسکرائیں۔ "پوچھو کیا پوچھنا ہے، بیٹا۔"

"سعید غنی کو آپ کیسے جانتی ہیں؟" ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دباتے اُسے چالو کیا اور خود ٹانگ پر ٹانگ رکھی۔

ان کی بھنویں ناسمجھی میں بلند ہوئیں۔ "میرے شوہر کے دیرینہ دوست تھے وہ۔"

"اچھا۔ آپ انہیں کتنے سالوں سے جانتی ہیں؟" کن اکھیوں سے مقابل کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا۔ "یہی کوئی آٹھ نو سالوں سے۔"

"آپ کی پہلی ملاقات ان سے کب اور کیسے ہوئی تھی؟" آئمہ خلیل مسلسل بائیں ہاتھ کی چوتھی انگلی میں پہنی سفید ہیرے کی انگھوٹی کو اوپر نیچے کر رہی تھیں۔ "میری بیٹی عالیہ.. اس کے جنم دن پر پہلی دفعہ میں ان سے ملی تھی۔"

عالیہ کا ذکر ان کے منہ سے ہمیشہ اُسے خوش گوار موسم جیسا لگتا تھا۔ لیکن آج اُسے ان کی زبان سے عالیہ کا نام ناگوار گزرا تھا۔ "اور کون کون مدعو تھا اس دن؟"

"زیادہ لوگ نہیں تھے۔ خلیل کے دو چار دوست ہی تھے بس۔" مسکرا کر بالوں کی ایک لٹ کان کے پیچھے کی۔ "مثلاً کون کون شامل تھا؟"

"سعید غنی، فہیم بیگ، حسین وحید اور بھی تھا شاید کوئی.. یاد نہیں۔" راحم نے سر کچھ سوچتے ہوئے نیچے سے اوپر ہلایا۔ "عامر علی تھا وہ آخری انسان؟"

Clubb of Quality Content

"ہاں شاید.. مجھے کچھ خاص یاد نہیں۔" انھوں نے شانے اچکائے۔ "باقی تینوں کے نام یاد تھے تو ان کا کیسے نہیں یاد؟"

"عامر صاحب کا آنا جانا گھر میں بہت کم تھا۔ دو دو سال تک تو وہ نظر ہی نہیں آتے تھے۔ اور پھر ان کا انتقال ہو گیا تو گھر میں ان کا ذکر ہونا بالکل ہی ختم ہو گیا۔ اس لئے بس نام ذہن سے نکل گیا۔"

"سعید غنی کی موت سے ٹھیک آدھا گھنٹا پہلے آپ اس سے ملنے اس کے آفس کیوں گئی تھیں؟"اور اب آیا تھا اصل مدعا۔

آئمہ خلیل چونکی تھیں۔"میں؟میں کیوں ملنے جاؤں گی ان سے؟"راحم نے شانے اوپر کیے۔"ثبوت یہ کہتے ہیں کہ آپ اس سے ملنے گئی تھیں۔"

"ثبوت؟کیسا ثبوت..جب میں ملنے گئی ہی نہیں تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں وہاں گئی تھی؟"ان کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ہاتھوں کی رگیں نمایاں نظر آنے لگی تھیں۔

"میں وہ کہہ رہا ہوں جو میں نے فوٹیج میں دیکھا ہے۔"پھر اپنا فون نکال کے اس کی اسکرین جلائی۔آئمہ خلیل نے فون پر چلتی ویڈیو دیکھی تو ان کی آنکھیں باہر آنے کو بے تاب ہونے لگیں۔"یہ کیا بکواس ہے؟یہ..یہ نہیں ہو سکتا۔جب میں اس سے ملنے گئی ہی نہیں تو پھر یہ فوٹیج کیسی؟راحم،میں بتا رہی ہوں کوئی مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔کوئی آپ ہی کو پھنسانے کی کوشش کیوں کر رہا ہے؟ پہلے نفیسہ کے کیس میں پولیس کو آپ کا رومال ملا۔پھر اب اس کیس میں آپ کو مقتول سے ملتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔اور صرف یہی نہیں ہمیں غنی کے دفتر سے دو گلاس ملے ہیں۔ان میں سے ایک پر تو غنی کی انگلیوں کے نشان ہیں پر دوسرے پر آپ کے ہیں.. آئمہ خلیل.. آپ کے۔"اس نے شہادت کی انگلی ان کی طرف کی تو انہوں نے آنکھیں گھمائیں۔

"تو تمہیں لگتا ہے یہ سب میں نے کیا ہے؟ کیا اتنا سب کچھ میں کر سکتی ہوں.. تم خود ہی سوچو۔پورا وقت گھر پر رہتی ہوں۔۔اتنے وسائل کہاں سے لاؤں کہ کسی کے مرڈر کی پلاننگ کر سکوں؟"راحم نے ایک گہرا سانس لیا۔

"چھ اپریل رات نو سے پونے بارہ بجے تک آپ کہاں تھیں؟"دونوں بازو میز پر رکھ کر اپنا چہرہ ہتھیلی پر رکھا۔

"میں.. مجھے یاد نہیں۔ ہر چھوٹی بات میں یاد نہیں رکھتی۔" راحم رضا احمد کے جبڑے کی رگیں تنیں۔ "میں سوال دوہرانے کا عادی نہیں ہوں، مسز خلیل۔" اب کہ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے واقعی نہیں یاد.. تم مجھ پر یقین کیوں نہیں کر رہے؟" وہ پلٹا۔ دیوار کے ساتھ میز رکھی ہوئی تھی۔ جس کے ساتھ لگ کر وہ کھڑا ہو گیا اور ہاتھ سینے کے آگے باندھ لئے۔

"کیونکہ میں آپ کو اس چار دیواری میں نہیں جانتا۔ آپ میری کچھ نہیں لگتیں یہاں پر۔ اب میرے سوال کا جواب دیں۔" سبز آنکھیں لوگوں سے تفتیش کرتے ہوئے ایک الگ ہی عکس چھلکنے لگتی تھیں۔ وہ چمکتی تھیں۔ انہیں لذت ملتی تھی۔

"میں.. میں واقعی ہی بھول گئی ہوں۔" یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ انھوں نے تھوک نگلا تھا۔ پھر چہرے پر آئے پسینے کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔ "میں ایک حد تک تمیز سے بات کرتا ہوں۔ پھر میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ اس لئے ذہن پر زور ڈالیں۔" ان کے چہرے سے

صاف عیاں تھا کہ وہ جانتی تھیں اس رات وہ کہاں تھیں۔اور پھر وہ تھا بھی پولیس والا۔ سختی سے پیش آنا اس کی رگ رگ میں شامل تھا۔

"شاید.. شاید گھر پر ہی تھی۔" پھر راحم کو دیکھا جو انہیں نظروں میں عجیب سا تاثر لئے دیکھ رہا تھا۔ "اور کیا کہوں؟ میں سچ کہہ رہی ہوں۔" ان کی آواز کافی حد تک بھیگنے لگی تھی۔ راحم کا دل فوراً زور سے دکھا۔ وہ انہیں رُلانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تو نہیں تھا کہ وہ رونے لگیں۔ لیکن یہی تفتیش کا طریقہ تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کوئی ایلبائی ہے آپ کے پاس؟" وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ پھر جھٹ سے بولیں۔ "وہاج.. وہاج گھر پر تھا۔المیر اور خلیل گھر پر نہیں تھے۔"

راحم نے فون میز پر سے اٹھا کر ایک نمبر ملایا۔ "وہاج کو اندر بھیجو۔" اس نے بھی پوری تیاری کر رکھی تھی۔

چند لمحے گزرے تھے کہ وہاج اندر آیا۔سب سے پہلے اپنی ماں کو دیکھااور پھر راحم کو۔"بیٹھو وہاج۔"وہ سر ہلاتا ہوا بیٹھ گیا۔

"چھ اپریل رات نو سے پونے گیارا تک تم گھر پر ہی تھے؟"وہاج نے شانے اٹھائے تو راحم نے سر نفی میں ہلایا۔یہ لڑکا واقعی کبھی سنجیدہ نہیں ہو سکتا تھا۔"سوچو وجی سوچو۔"ماں کی آواز پر اس نے اپنے صدیوں سے زنگ لگے دماغ پر زور ڈالنے کی کوشش کی۔

"چھ اپریل کو..میں.."پل بھر کے لئے ٹھہرا۔"..ہاں یاد آیا۔سات کو یعنی اگلے دن اِشفا آپی کی سالگرہ ہوتی ہے ناں۔تو میں المیر بھائی کے ساتھ کال پر تھا۔وہ ان کے لیے کچھ خرید رہے تھے اور میں انہیں مشورے دے رہا تھا۔پھر میرا دوست آگیا اور ہم پلے اسٹیشن پر گیم کھیلنے لگے۔رات دو تک تو ہم دونوں کمرے سے نہیں نکلے تھے۔"

"کمرے سے نہیں نکلے تھے؟یعنی گھر میں کون آیا اور کون گیا..اس کی تمہیں کوئی خبر نہیں تھی؟"اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا تو آئمہ خلیل کی آنکھیں لال انگارہ ہوئیں۔بیٹا تو وہ ان کا سگا تھا پر برتاؤ سوتیلوں جیسا کرتا تھا۔

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔" ایک آخری نظر ماں پر ڈال کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ المیر نے اُسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ نفیسہ کے کیس میں آئمہ خلیل سے سوالات پوچھے جائیں گے کیونکہ نفیسہ کا زیادہ وقت ان کے ساتھ گزرتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہاج اپنی ماں کو لے کر پریشان ہو جائے۔

"اب کیا کہیں گی آپ؟" اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور اپنا پورا زور اس پر ڈالا۔ سیاہ آدھی آستینوں والی شرٹ سے دکھنے والے اس کے دودھیا بازوؤں کی سبز رگیں نمایاں تھیں۔ سیاہ شرٹ کے نیچے اس نے خاکی رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی۔

"گارڈز سے پتا کیا تم نے؟"

"ان کا کہنا ہے وہ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"کیمرے.. ! ہاں گھر کے کیمرے دیکھو۔ مجھے یقین ہے ان کی فوٹیج میں صاف ظاہر ہو جائے گا کہ میں گھر سے نکلی ہی نہیں تھی۔" مقابل نے ابرو بالا کی پھر سر جھٹکا۔ "آپ کو کیا لگتا ہے میں یہ سب پہلے نہیں کر چکا؟ چھ تاریخ کو کیمرے بند تھے۔ لہٰذا آپ کے ایلبائی کے طور پر کوئی فوٹیج نہیں ہے۔"

"کیمرے بند تھے.. کیسے؟ کس نے کیے بند؟ کیمرے تو ہر وقت چالو رہتے ہیں۔" انہوں نے کچھ قدر طیش میں آتے الفاظ کانٹوں کی طرح منہ سے نکالے۔ "شاید اسی نے بند کیے تھے جس نے عالیہ کی موت کے وقت ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔"

آئمہ خلیل کے تاثرات میں بدلاؤ نہ آیا۔ "عالیہ کے انتقال کے وقت کیمرا خراب ہو گیا تھا، راحم۔ بند نہیں ہوا تھا۔"

"خراب ہوا تھا یا کیا گیا تھا.. یہ میں پتا کروا لوں گا۔" ریکارڈر کا بٹن دبا کر اُسے بند کیا۔ "فلحال آپ جا سکتی ہیں۔ مجھے ضرورت پڑی تو دوبارہ آپ کو تفتیش کے لئے یہاں بلا لوں گا۔"

Clubb of Quality Content!

وہ ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کرتی ہوئیں فوراً کھڑی ہو گئیں۔اور وہاں سے نکلتی چلی گئیں۔

تفتیش کی پوری ریکارڈنگ راحم نے المیر کو سنائی۔المیر بے چین تھا۔اُسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی سوتیلی ماں کو کیسے بچائے؟ایک اور الزام سے کیسے روکے؟

اُسے دو ہزار سات میں تھانے میں پیش آیا واقعہ آہستہ آہستہ یاد آنے لگا تھا۔جہاں اس نے اپنی ماں کو بچایا تھا۔ان کے حق میں گواہی دی تھی۔ لیکن پھر سے ایک الزام ان پر لگ رہا تھا۔ اضطراب والی بات تو یہ تھی کہ ان ہی پر کیوں الزام لگتے تھے؟

وہ گھر میں داخل ہوئیں تو خاموشی ہی خاموشی کا راج تھا۔ نوکر سب کام کر کے سرونٹ کوارٹر میں جا چکے تھے۔ گھر پر کوئی نہیں تھا سوائے ان کے۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتیں وہ زینے چڑھتی گئیں۔

عالیہ کے کمرے کا دروازہ کھول کر باتھروم میں گھسیں۔ دیوار پر لگے ریک کے چھوٹے درازوں میں سے ایک کو کھولتے انھوں نے اس میں سے شیمپو کی بوتل نکالی۔ اس کا ڈھکن اتار کر بوتل الٹائی تو چھوٹا سا بٹنوں والا فون پھسلتا ہوا ہاتھ میں آ گیا۔

ایک نمبر ملاتے فون کو کان کے ساتھ لگایا۔ "مجھے تھانے بلایا گیا تھا۔" نووارد نے آگے سے کچھ کہا تھا جس پر انھوں نے غصے سے سر جھٹکا۔ "نہیں.. خضر کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے۔ غنی کے مرڈر کو لے کر چند سوالات کر رہے تھے۔ انہیں مجھ پر شک ہو رہا ہے۔ کوئی جانتا ہے کہ ان قتلوں کے پیچھے میرا ہاتھ ہے۔ اس لئے وہ مجھے فریم کر رہا ہے۔ پتا لگواؤ یہ کون ہے.."

نووارد نے "ٹھیک ہے" کہا تو وہ پھر سے بولیں۔ "خضر تمہارے یا میرے بارے میں کبھی گواہی نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے اغواہ کے پیچھے ہم ہیں۔ لیکن وہ یہ ضرور

جانتا ہے کہ اُسے اغواہ کیا گیا تھا۔ اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو کسی بھی وقت اپنا منہ کھول دے گا۔ اس لئے کسی بھی طرح اس کے بارے میں پتا کرو اور اُسے اُس جگہ سے غائب کرو۔ پھر پتا لگاؤ کہ اُسے وہاں سے رہا کس نے کروایا تھا۔ کوئی تو ہے جو بہت کچھ جانتا ہے۔"

مئی کا مہینہ آدھا گزر چکا تھا۔ اپریل میں جہاں کچھ روز بارش کی نظر ہو جاتے تھے وہیں اس مہینے میں بارش کم سے کم برستی تھی۔ البتہ ٹھنڈ اور ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی ابھی بھی محسوس کی جا سکتی تھی۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کا یہ موسم گھومنے پھرنے کے لیے ایک دم درست تھا۔ اکثر لوگ اس موسم میں یہاں کا یا مری کا رُخ کر لیتے تھے۔

لیکن جنہوں نے کام پر جانا ہو تا وہ بس اس کے خواب ہی دیکھ سکتے تھے۔ جیسے کہ راحم رضا احمد۔ اس وقت بھی وہ گھر کی زینوں پر بیٹھا گہری سوچ میں مبتلا تھا۔

نفیسہ کا کیس اب تک حل نہ ہو پایا تھا۔ ثبوت نہ ملنے کے برابر تھے۔ ہر راستہ بند تھا۔ وہ اکتا گیا تھا ہر دن کے بڑھتے کیسز کو دیکھتے دیکھتے۔ لیکن آج اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مومن علی سے تفتیش کرے گا۔

ابھی وہ سوچوں کے متواسط سمندر میں تیر ہی رہا تھا کہ اچانک اس کا فون بج اٹھا۔ "ہاں بولو.." دوسری طرف اس کا خبری موجود تھا۔

"سر آپ نے کہا تھا ناں کہ سات تاریخوں کو انجام پائے قتلوں سے مُتعلّق کوئی خبر ملے تو آپ کو خبر کروں۔ تو ایک بہت اہم بات پتا چلی ہے۔" میلان بڑھتا گیا تو وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"کیا؟"

"سر نومبر کی سات تاریخ کو آٹھ سال پہلے ایک شمسہ نور نامی خاتون کا انتقال ہوا تھا۔ وہ ایک ماہرِ امراضِ نفسی تھی۔ بہت پہنچی ہوئی۔ زیادہ تر خودکشی پر آمادہ مریض اس کے پاس جاتے تھے۔ سب کو آج تک یہی لگتا ہے کہ اس کی موت قدرتی تھی۔ جبکہ ایسا نہیں تھا۔ وہ کچھ ایسا

جانتی تھی جس کا جاننا اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ جو جو راز اس کے سینے میں دفن تھے مرنے سے پہلے ان سب کو وہ ایک صحافی کے حوالے کر گئی تھی۔ اندازے سے بتائیں وہ صحافی کون تھا؟"

"عامر علی؟"

" صحیح جواب۔ سو میں سے سو مارکس۔ شمسہ نور کی زندگی کے آخری چند مہینوں میں اس کا عامر سے میل ملاپ بڑھ گیا تھا۔ شمسہ کی بہن نے یہ ساری باتیں بتائی ہیں۔ پر وہ یہ نہیں جانتی کہ آخر راز کیا تھے۔" اس نے آنکھیں چھوٹی کیں۔ "آگے سنیں۔ سات تاریخوں والے تمام کیسز آپس میں ایک شخص کی وجہ سے جڑے ہوئے ہیں۔ گمان کریں وہ کون ہو گا؟"

"خلیل محمد؟" اس کے حساب سے یہی درست جواب تھا کیونکہ ایک یہی شخص تھے جن سے آ کر ہر قتل میل کھاتا تھا۔ "نہیں...اِشفا امین۔"

راحم کی بھنویں تنگ ہوئیں۔ وہ زینوں سے اٹھا اور نیچے اترا۔ "اشفا؟"

"جی بالکل۔ میں آپ کو شروع سے سمجھاتا ہوں۔ سات جولائی دو ہزار سات کو امین ہاؤس میں آگ لگ گئی۔ والدین اور بھائی مر گیا۔ الزام ان پر آگیا۔ میرے اندازے سے یہ ذہنی تناؤ کا شکار ہونے لگی تھیں۔ جس سے خود کو نکالنے کے لئے یہ ایک ماہرِ امراضِ نفسی کے پاس گئیں۔ شمسہ نور۔ شمسہ نور کو انہوں نے کچھ ایسا بتایا جو شمسہ نے عامر علی کو بتا دیا۔ پھر سات نومبر دو ہزار سترہ کو شمسہ کو کسی نے زہر دے کر مار دیا۔ عامر علی دو سال ان رازوں کو اپنے اندر لئے بیٹھا رہا۔ جب اچانک اس نے ان کو منظر عام پر لانے کی ٹھان لی۔ پھر اسے دھمکی بھرے پیغام آنے لگے۔ پھر سات فروری دو ہزار انیس کو وہ بھی جان سے چلا گیا۔ پھر اتنے سالوں بعد اب جا کر سات جنوری کو ایک اور قتل ہوا۔ نفیسہ کا۔ اور سات اپریل کو مزید ایک اور۔ ان تمام قتلوں کی سوئی ایک جگہ آکر اٹکتی ہے۔ اِشفا امین پر۔"

"اِشفا... تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ اِشفا خودکشی پر مائل تھی؟" ان تمام باتوں نے اُس کے سر میں درد کر کے رکھ دیا تھا۔ سر کی پشت کو ہتھیلی سے مسلتے وہ کار پورچ کے چکر کاٹنے لگا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جی بالکل۔اور ایک اور بات بھی ہے۔شمسہ نور کا ایک بیٹا بھی تھا۔یعنی کہ ہے۔سیفان یامین نام ہے اس کا۔حیران کن طور پر وہ اِشفا امین کا پڑوسی ہے۔دونوں میں بہت اچھی بول چال ہے۔"

"کتنی عجیب بات ہے ناں۔۔عامر علی کا بیٹا اِشفا کا اسسٹنٹ ہے اور شمسہ نور کا بیٹا اس کا پڑوسی۔"اب وہ وہاں رکھی ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ٹانگ پر ٹانگ جماتے اس نے پشت ٹکا لی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"لیکن سر ایک بات سمجھ سے باہر ہے۔کہ نفیسہ اور سعید غنی کا ان سب سے کیا تعلق ہے؟ کیونکہ اِشفا امین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"ہلکی ملائم ہوا چلی تو اس کے بھورے بال پیشانی پر بکھرے۔"نفیسہ خلیل منزل میں کام کرتی تھی اور سعید غنی خلیل محمد کے دیرینہ دوست تھے۔تم ایک کام کرو۔پتا کرو کہ جب امین ہاؤس میں آگ لگی اس وقت نفیسہ کہاں تھی۔سعید غنی کا آگے پیچھے کا سارا کرتا دھرتا نکالو۔اس کا آنا جانا،اٹھنا بیٹھنا کن لوگوں میں تھا۔اس کی جائیداد کن کن شہروں میں ہے۔ساری معلومات چاہیے مجھے۔"

"جی سر..."راحم نے کال کاٹ دی۔ پچھلے کچھ ہفتوں سے اس کے ذہن کے گوشے گوشے میں خلیل محمد اور رحمان امین گھوم رہے تھے۔کچھ تو تھا رحمان امین کے کیس میں جو سب کی نظروں سے اوجھل تھا۔

یہ سارا قصہ رحمان امین سے شروع ہوا تھا۔اس کے خیال میں تحقیقات کی ابتدا بھی وہیں سے ہونا لازمی تھی۔رحمان امین جس این جی او میں کام کرتے تھے وہاں کا ایڈریس اُسے مل چکا تھا۔آج ہی وہ وہاں جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کچھ ہی دیر قبل اس کے آدمی نے اُسے خبر دی تھی کہ نفیسہ سات جولائی دوہزار سات کو خلیل محمد کے ہاں کام کر رہی تھی۔

پھر آدمی نے اُسے سعید غنی کی معلومات دی اور راحم تحقیق کی غرض سے مطلوبہ جگہوں پر جانے کا ارادہ کر کے منزل کی جانب نکل گیا تھا۔

رحمان امین کے کام والی جگہ سے ٹھیک ٹھاک تحقیق کے بعد بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ آ پایا تھا۔ پھر اس نے سعید غنی کے حوالے سے ملنے والی جانکاری پر غور و فکر کیا پر وہاں سے بھی جواب کچھ خاص نہ مل پایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

دو گھنٹے بعد ازاں وہ مومن علی سے مختصر ملاقات کی غرض سے یونیورسٹی کی عمارت کے باہر ملا تھا۔ مومن نے اُسے وہ باتیں بتائی تھیں جن کا اُسے یقین تھا۔ اور وہ باتیں بتانے سے اجتناب برتا جن پر ابھی اُسے شبہ تھا۔

اُس نے اُسے ساری وہی معلومات دی تھی جس کا اُسے پہلے سے علم تھا۔

ایجنٹ ایلیون اپنی پوری ٹیم کے ساتھ ایک بڑے اور اعلی شان بنگلے کے سامنے کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح سیاہ کپڑے اور چہرے پر ماسک چڑھا رکھے تھے۔ آج یہ سب بہت خاص کام کے لئے یہاں آئے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

بنگلے میں قدم رکھتے ہی ایجنٹ ایلیون کے اشارے کو سمجھتے سب نے ایک ایک کر کے گارڈز کو بے ہوش کرنا شروع کر دیا۔

ہاتھ کے اشارے سے باقی ایجنٹس کو بنگلے کے باقی گارڈز کی طرف بھیجنے کے بعد۔۔ وہ اور ایجنٹ سیون اندر داخل ہوئے۔ آگے گہما گہمی کا ماحول تھا۔ اندرون پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ در و بام پر مہنگی سے مہنگی تصویریں لگی تھیں۔ ہر مہنگی سے مہنگی چیز یہاں موجود تھی۔ گھر کا

اندرون سنہرا تھا اس میں موجود ایک ایک چیز اسی رنگ کی تھی۔لوگ جگہ جگہ بیٹھے اور کھڑے ہوئے تھے۔منور قیوم کے بیٹے کا ولیمہ جو ہو رہا تھا۔

ایک اور قدم بڑھاتے ہی اس نے گن کا منہ چھت کی طرف کیا اور گولی ہوا میں چلا دی۔ہر طرف سے آتیں آوازیں بند ہو گئیں۔سب دروازے کی طرف دیکھنے لگے جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔

منور صوفے پر دونوں بازو پھیلائے بیٹھا تھا۔ گولی کی آواز پر اٹھا۔"یہ کیا بد تمیزی ہے؟" اس کی بلند آواز حلق سے نکلی۔

Clubb of Quality Content

سارے ایجنٹس اپنا کام انجام دینے کے بعد بنگلے کے باقی تمام دروازوں سے اندر آ چکے تھے۔ "ابھی میں نے بد تمیزی کی ہی کہاں ہے؟" ایک ایجنٹ نے منور کے چھوٹے بیٹے کو بازو سے پکڑا اور دوسرے نے اس کے بھائی کی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر آرام سے جوڑ کوا کھاڑ دیا تھا۔ لوگ ڈر کر چیخیں مار رہے تھے۔ایجنٹس نے آہستہ آہستہ لوگوں کو وہاں سے باہر نکالنا شروع

کر دیا۔اب کہ ہال خالی ہو چکا تھا۔وہاں صرف منور،اس کا زخمی چھوٹا بیٹا، بڑا بیٹا، چھوٹا بھائی اور کچھ نوکر موجود تھے۔

"گارڈز!!!گارڈز!!!"اس کے بڑے بیٹے نے قدم پیچھے لئے جب اس کے پیچھے کھڑا ایجنٹ ون اپنی گن اس پر تان گیا۔"نہ نہ...بھاگنے کی غلطی بھی مت کرنا۔ورنہ ولیمہ سید ھادوزخ میں ہو گا۔"

"کون ہو تم لوگ اور کیا چاہتے ہو ہم سے ؟"منور کی طرف سے سوال آیا تھا۔جواب دینا تو ایجنٹ ایلیون پر فرض تھا۔وہ چلتا چلتا اس کے مقابل آیا۔گن سے اُسے واپس صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔جب وہ بیٹھ گیا تو صوفے کی ہتھی پر اپنا پاؤں جما لیا اور گن اس کی آنکھوں کے درمیان رکھ دی۔

"لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"کو-کون سی لڑکیاں؟"

سوال کے جواب میں سوال سن کر اس نے ماسک کے اندر ایک گہرا سانس لیا پھر سر جھٹکتے ہوئے گن اس کی آنکھوں کے بیچ سے ہٹا کر بڑے بیٹے کی سمت میں کر لی اور ٹریگر دبا دیا۔ جس سے گولی سیدھا اس کی ٹانگ کو چھو کر اتنی نزدیک سے گزری تھی کہ کالے کرتوتوں والے مرد حضرات کی چیخیں نکل گئی تھیں۔

"چچ چچ چچ... کتنے نازک ہیں تمہارے اہلِ خانہ۔ جس حساب سے جرم تم کرتے ہو مجھے لگا تم نے ان کے جسم سے ہڈیاں نکلوا کر لوہا لگوا دیا ہو گا۔ تب ہی تو تمہیں ڈر نہیں لگتا۔ پر تمہیں یہ کیوں لگا کہ پولیس تم تک نہیں پہنچ پا رہی تو کوئی نہیں پہنچ پائے گا؟" ایجنٹ ایلیون ماسک کے نیچے تمسخرانہ مسکرایا۔

"تم کیا چاہتے ہو مجھ سے؟" وہ چیخ اٹھا تھا۔ درد سے۔ جو اس کے دل میں ہو رہا تھا۔ ایجنٹ ایلیون بالکل ٹھیک کہتا تھا کہ انسان کو سب سے زیادہ درد صرف تب ہی ہوتا ہے جب بات اس کے گھر والوں پر آتی ہے۔

"اغواہ شُدہ لڑکیاں کہاں ہیں؟ بکواس کرو فوراً سے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہارا بھیجا اڑا دوں۔" سختی سے جبڑا بھینچ لیا۔

"نہیں بتاؤں گا!"

"نہیں بتاؤ گے؟"

"نہیں..." اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "... نہیں بتاؤں گا۔"

سر پر گن ویسے ہی تنی رہی۔ جیب سے چاقو نکالتے اس نے اس کی ٹانگ میں کھبو دیا۔ جس سے اس کی حلق سے ایک کان چیر دینے والی چیخ برآمد ہوئی۔ "لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"نہ۔ نہیں بتا۔ بتاؤں گا..." روہانسی سی آواز میں گویا ہوا تو ایجنٹ ایلیون نے ایک ٹانگ سے چاقو نکال کر دوسری ٹانگ میں دے مارا۔ پہلی ٹانگ سے خون فوارے کی مانند نکل رہا تھا۔ وہ

Clubb of Quality Content!

چیختا گیا۔ایجنٹ ایلیون اُسے درد سے صوفے پر دوہرا تر چھا بھی نہیں ہونے دے رہا تھا۔ضبط سے اُس کی آنکھیں انگارہ ہو چکی تھیں۔

"میں نہیں چھوڑوں گا تمہیں.. تم جو کوئی بھی ہو۔۔۔!" وہ دبی دبی آواز میں گویا ہوا۔

"ایجنٹ ایلیون ہوں میں۔پتا کروا سکے تو کروا کے میرے گھر آجانا۔یہاں..." اپنی دونوں آنکھوں کے بیچ شہادت کی انگلی رکھی۔"...یہاں گولی مارنا۔کھلی اجازت ہے تمہیں۔"

"ضرور ماروں گا۔۔تمہارے سب گھر والوں کو ماروں گا۔!" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"یہاں سے بچ نکلے تو چاہے سب کو مار دینا۔لیکن فلوقت تو تمہیں میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"میں تمہیں اپنا ایک بھی راز نہیں بتاؤں گا۔مار دو مجھے۔" اس نے چاقو اس کے حلق پر رکھ دیا۔"لے آؤ اُسے۔" ایجنٹ کو اشارہ کیا۔تو وہ اس کی ماں کو اندر لے آیا۔"ماردوں ان کو بھی؟"

"منور تجھے اللہ پوچھے۔ کھا گیا اپنے گھر کو۔ گھر والوں کو۔ تجھ سے بڑا بدنصیب کوئی نہیں ہے، منور۔" اس کی ماں روتے روتے کہہ رہی تھی جو کہ اسی سال کی معلوم ہوتی تھی۔

"میری ماں کو چھوڑ دو، ایجنٹ! ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔" ایجنٹ ایلیون کا اونچا سا قہقہ گونجا۔

"میں نے ایسے بہت سے کام کیے ہیں جن پر میرا پچھتانا بنتا ہے۔ لیکن قسم سے اِس کام پر پچھتاوا نہیں ہو گا مجھے۔"

"چھوڑ دو میری ماں کو۔ تمہاری بھی تو ماں ہو گی ناں۔ تمہیں تمہاری ماں کا واسطہ...!" اس کی ماں کو سامنے والے صوفے پر بٹھا کر وہ اس کے ساتھ بادشاہوں کی طرح بیٹھ گیا۔ "واسطے مجھ پر کام نہیں کرتے۔ اور ماں ہے نہیں میری۔"

"بیوی تو ہو گی ناں؟ میری ماں بھی کسی کی بیوی ہے!" طنزیہ تاثرات اس کے چہرے کے پور پور میں بسے تھے۔ "تمہاری ماں کسی کی بیوی ہے۔ پر دوسروں کی بہو بیٹیاں کسی کی کچھ نہیں؟ کیسے دوغلے انسان ہو تم۔!"

"تو۔۔تم۔۔میری ماں کو مار دو گے؟"

"صرف ماں؟ تمہاری بیٹیاں، بیوی اور بہو بھی میرے قبضے میں ہیں۔سب جان سے جائیں گی۔"

"نہیں پلیز نہیں...ان کو کچھ نہ کرنا۔میں بتاتا ہوں۔۔سب بتاتا ہوں۔"اور ایک ایک کر کے اس نے اپنے ہر کارنامے کے بارے میں ان کو بتا دیا تھا۔لڑکیوں کے اڈے کا پتہ ملتے ہی وہاں آدمی بھیج کر کنفرم کیا گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جواب مثبت ملتے ہی اس کے بیان کی ویڈیو ہر جگہ ڈال دی گئی تھی۔ماں کو باقی عورتوں کے پاس بھجوا دیا گیا۔منور کو اپنے ساتھ لے گئے۔جبکہ گھر کے باقی مردوں کو چھوڑ دیا۔

ساری لڑکیاں اپنے اپنے گھروں تک پہنچ گئی تھیں اور اسی طرح ایجنٹ ایلیون کا نام راولپنڈی اسلام آباد میں بھی ہر زبان پر ناچنے لگا تھا۔

کچھ ہی گھنٹوں میں منور کے بنگلے میں پیش آئے واقعے کو پورے جہاں میں نشر کر دیا گیا تھا۔ کچھ اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ چلو بلا ٹلی تو کچھ تجسّس کا شکار تھے۔ کہ بلا ٹلی تو ٹلی کیسے؟ جن میں راحم شامل تھا۔

پولیس منور کے گھر والوں سے بات چیت کرنے کے بعد اُسے ڈھونڈنے میں لگ گئی تھی۔ ابھی کچھ گھنٹے بیتے ہی تھے کہ منور نے خود کو خود ہی پولیس کی حراست میں پیش کر دیا تھا۔

سب حیرت کا شکار تھے کہ یہ چمتکار ہوا تو ہوا کیسے؟ کیونکہ گزشتہ چند سالوں سے اگر وہ جیل جاتا بھی تو ایس پی صاحب اہلکاروں پر زور زبردستی کر کے اُسے باہر نکلوا لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ راحم اور المیر کو ایس پی کچھ خاص بھاتا نہ تھا۔

لیکن اس مرتبہ اس کا ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ اب اس کا باپ بھی قبر میں سے نکل کر اُسے جیل کی سلاخوں سے نہیں بچا سکتا تھا۔ایجنٹ ایلیون نے اس کا بیان ریکارڈ کر کے اور تمام ثبوت جمع کر کے پولیس کی تحویل میں بھجوا دیئے تھے۔

اس کے کالے کرتوتوں کی خبریوں پھیلی تھی کہ اب اگر ایس پی یا کوئی اور اُسے بچانے کی کوشش کرتا تو سسپینڈ

کر دیا جاتا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content!

وہ تو شکر تھا کہ اس نے خود کو المیر کے حوالے نہیں کیا تھا۔ورنہ جتنی نفرت المیر منور سے کرتا تھا، کوئی شک نہیں کہ منور کی لاش چیلوں تک کو نوچ ڈالنے کے لئے نہ مل پاتی۔

آسمان گہرے نیلے رنگ میں رنگنے لگتا ہے تو گرم ہوا کے جھونکے سرد ہونے لگتے ہیں۔اسی لمحے وہ اپنے بستر سے اٹھا۔لیکن فون بجنے کی آواز پر وہ پلٹا۔میز تک جاتے اُسے چارج سے اتار کر کان کے ساتھ لگایا۔"ہاں بولو۔"

دوسری طرف گھر کا چوکیدار موجود تھا۔"المیر بھائی.. شام کو کوریئر والا آپ کے لئے ایک لفافہ دے کر گیا تھا۔اور خاص تلقین کر کے گیا ہے کہ صرف آپ ہی کو دوں۔اس لئے میں نے اور کسی کو نہیں دیا۔تو اگر آپ کہیں تو آپ کو دے جاؤں؟"

وہ کھڑکی کی طرف بڑھا جہاں وہ نیچے کھڑا لفافہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔المیر نے اُسے ہاتھ سے اوپر آنے کا اشارہ کیا۔چند ہی لمحے گزرے تھے کہ وہ دستک دیتا ہوا اندر آیا۔پھر آگے بڑھ کر اُسے خاکی لفافہ پکڑایا۔

مقابل نے لفافے کو پلٹ پلٹ کر دیکھا۔پر اس پر نہ کوئی نام درج تھا اور نہ ہی پتہ۔"اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کس نے بھیجا ہے؟"گارڈ نے سر نفی میں ہلا دیا۔"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔"

وہ نکل گیا تو المیر اُسے لے کر بستر پر بیٹھا۔ اُسے اوپر سے چیرتے اُس نے اُس میں ہاتھ ڈالا۔ پھر اندر موجود مواد کو باہر نکالا۔ اندر سے نکلنے والا کاغذ تو اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔ جبکہ اس کے ساتھ سے نکلتی تصویر زمین پر جا گری۔

اس نے ذرا سا جھکتے اُسے اٹھایا۔ تصویر کی سفید پشت پر نیلی سیاہی سے بڑا بڑا عامر علی لکھا تھا۔ اس نے قدرے تجسّس سے اُسے پلٹا۔ لیکن جب اُس کی نظر سعید غنی کے چہرے پر پڑی تو وہ حیران ہوا۔ سعید غنی کی تصویر کے پیچھے کوئی عامر علی کیوں لکھے گا؟

اس نے اُسے ایک طرف کرتے کاغذ کو اٹھایا۔ اُسے کھول کر ابھی عنوان پڑھا ہی تھا کہ اُسے فوراً سمجھ میں آ گیا کہ اس کاغذ پر درج تحریر کیا ہو سکتی ہے۔ پاس ہی رکھے فون کو اٹھاتے اس نے کسی کا نمبر کھولا۔ ایک یہی واحد نمبر تھا اس کی سو سے زائد نمبروں کی فہرست میں.. جس کے آگے ایک لال دل ہمیشہ سے موجود تھا۔

نمبر کو ملاتے اس نے فون کو کان سے لگایا۔دو دفعہ بیل گئی اور پھر کال اٹھالی گئی۔"جی کون؟"نیند میں ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔اس نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ابھی تو گیارہ بج رہے تھے۔

"وہی جس کا تم نام نہیں لیتیں۔"کچھ پل کے لئے خاموشی چھا گئی۔"میں تو بہت سے لوگوں کا نام نہیں لیتی۔آپ ان میں سے کون سے والے ہیں؟"

"اور کون ہے جس کا تم نام نہیں لیتیں؟بتانا ذرا۔"مسکراتے ہوئے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

Clubb of Quality Content!

کسی شاپر جیسی چیز کے ہلنے کی آواز دوسری طرف سے برآمد ہوئی۔"فلحال تو یاد نہیں آرہا۔"

"تم صرف میرا نام لیتے ہوئے کتراتی ہو۔اپنی یہ عادت صرف مجھ تک محدود رکھو۔"

سُرمئی آنکھیں گہرے رنگ میں رنگنے لگیں۔

"اور اگر نہ رکھی تو کیا کر لیں گے؟"اس کی آواز اسی ٹون میں آگئی تھی جس میں وہ ہمیشہ اس سے بات کیا کرتی تھی۔وہی اندازِ بے نیازی..وہی ٹکر لیتا ہوا لہجہ۔

"تمہیں تو کچھ نہیں کہوں گا..لیکن اس تیسرے شخص کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔"فون کو اسپیکر پر کرتے اس نے اُسے سنگھار میز پر رکھ دیا۔پاس ہی رکھے بالوں کے برش کو اٹھا کر بال سیٹ کرنے لگا۔

"مجھے تو آپ ویسے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔کیونکہ میں آپ کی پسندیدہ عورت ہوں۔"اتنے قرار سے کہا گیا۔

"کس نے کہا تم میری پسندیدہ عورت ہو؟"برش کو ایک طرف رکھتے۔اس نے فون کی سکرین پر وقت دیکھا۔جس کے عین نیچے اِشفا امین کی تصویر لگی ہوئی تھی۔وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔سر پر ڈھیلا سا دوپٹہ لے رکھا تھا۔یہ ان کے نکاح کی تصویر تھی۔جو کہ خلیل محمد نے اِشفا کو نکاح کے بعد مبارک باد دیتے ہوئے بنالی تھی۔پھر المیر کو بھیجی تھی۔

جسے اس نے اپنے فون کی ہوم اسکرین پر لگایا تھا۔لاک اسکرین پر اس لئے نہیں لگایا تھا تاکہ اس کے علاوہ اس کی بیوی کو کوئی دوسرا نہ دیکھ سکے۔

"تو کیا... نہیں ہوں؟" وہ دھیرے دھیرے سر ہلانے لگا۔ صرف وہی اُسے اس طرح کے سوال کر کے مشکل میں ڈال سکتی تھی۔اس کے علاوہ کسی دوسرے کو یہ حق اس نے کبھی نہیں دیا تھا۔

"تم میری بیوی ہو.. تمہیں لگتا ہے ابھی بھی یہ سوال تمہیں مجھ سے کرنے کی ضرورت ہے؟" مسکرایا.. میٹھے انداز میں۔

کچھ پل کا سکوت چھایا پھر آواز آئی۔ "آپ نے کال کسی خاص مقصد کی وجہ سے کی ہے؟"

المیر خلیل کی ہنسی چھوٹی۔وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتی تھی۔خود کھل کر اظہار کرتی تھی اور پھر اسے اکساتی تھی۔وہ اظہار کرنے لگے تو فوراً چپ ہو جاتی تھی۔اُسے پورا یقین تھا کہ اس وقت اِشفا امین کے رخسار اور چھوٹی سی ناک سرخ ہو گی۔

Clubb of Quality Content

"میرے نام پر یہ لفافہ تم نے بھیجا ہے؟" پھر لفافے کی تصویر کھینچ کر اشفا کو بھیجی۔ جس کا جواب فوراً آ گیا۔ "نہیں تو۔ میں کیوں بھیجوں گی آپ کو کچھ؟"

"تمہیں عامر علی کی آٹوپسی رپورٹ اور تصویر کہاں سے ملی؟" اب کہ وہ فون کو لیے لیے پیچھے بستر پر آرام سے بیٹھ چکا تھا۔

"جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ میں نے آپ کو کچھ۔"

Clubb of Quality Content!

"میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں، اشفا امین۔ تمہیں لگتا ہے تمہیں تمہارا شوہر اچھے سے جانتا نہیں ہوگا؟" ایک مرتبہ پھر سے زبان پھسلی تھی۔ اپنا رشتہ جتلایا گیا تھا۔ آخری دفعہ ایسا ہوا تھا تو وہ ایک ہفتہ اپنی حرکت پر پچھتاتا رہا تھا۔ لیکن آج اس کے احساسات مختلف تھے۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "مجھے کسی نے یہ دونوں چیزیں بھیجی تھیں۔ یعنی تصویر اتار کر۔ میں نے بس آٹوپسی رپورٹ کی کاپی اور تصویر کو تصویر کی ہی شکل میں نکلوا کر آپ کی طرف بھیج دیا۔ اب اس انفارمیشن کا کیا کرنا ہے یہ آپ ہی جانتے ہیں۔ میرے تو کسی کام کی نہیں۔"

"ولیم نے بھیجی ہیں؟"

"شاید ہاں.. شاید نہ۔" اس نے سر دھیرے دھیرے اوپر نیچے ہلایا۔ "اچھا سنو؟"

"سنائیں۔"

"میں نے کسی سے بات کر کے ایک گارڈ ہائر کیا ہے۔ وہ چوبیس گھنٹے تمہارے گھر کے باہر رہے گا۔ تم جہاں جاؤ گی وہاں تمہارے ساتھ جائے گا۔"

"کس خوشی میں؟"

"یہ جو تم نے عامر علی کی آٹوپسی رپورٹ نشر کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے..اس کی خوشی میں۔" سرہانے کو ایک ہاتھ سے ذرا سا نیچے کھسکاتے وہ اس پر سر رکھ گیا۔ "مجھے کسی گارڈ کی ضرورت نہیں ہے۔اللہ کا شکر ہے میں اپنی حفاظت خود کرنا جانتی ہوں۔"

"میں اس معاملے میں بحث نہیں کرنا چاہتا، اِشفا۔ تمہاری طرف سے میں بے احتیاطی نہیں برت سکتا۔" پیشانی پر لکیریں نمودار ہونے لگیں۔ "جب میں نے کہہ دیا مجھے کوئی گارڈ نہیں چاہیے۔تو مطلب نہیں چاہیے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اشفا..ضد مت کرو۔" اس کی آواز میں ذرا سی سختی ابھرنے لگی۔ "ضد میں نہیں آپ کر رہے ہیں۔اگر مجھے کچھ ہونا ہوا تو اس کی موجودگی میں بھی ہو جائے گا۔اس لئے مجھے کسی بھی دوسرے کی موجودگی ہر گز قبول نہیں ہے۔"

"اِشفا۔" ابھی وہ آگے کچھ کہتا کہ وہ کال کاٹ گئی تھی۔اس نے حیرت سے فون کو کان سے ہٹاتے گھور کر دیکھا۔اتنی سی بات پر کون ناراض ہوتا ہے؟ وہ سوچ کر رہ گیا۔

..—.ʘʘ.—..

یہ چار روز بعد کا منظر تھا کہ آئمہ خلیل اپنے گھر کی زینوں پر کافی کا کپ اٹھائے آرام سے بیٹھیں اس کی چسکیاں لینے میں مگن تھیں۔ جب انہیں احساس ہوا کہ کوئی ان کے بغل میں آن بیٹھا ہے۔

چہرہ موڑ کر دیکھا تو اپنے سوتیلے بیٹے کو پایا۔ "آج کام سے لیٹ آئے ہو۔ سب ٹھیک ہے ناں؟"

وہ خاموش سا سامنے کی سمت دیکھتا گیا۔ "آپ عالیہ کا پتا کرنے ہسپتال کیوں گئی تھیں؟" اس دفعہ اس نے انہیں ماما نہیں کہا تھا اور یہ بات انہیں چبھی تھی۔

Clubb of Quality Content!

وہ جانتی تھیں المیر کو اس بات کی خبر ہو جائے گی۔"عالیہ میری اولاد تھی،المیر۔جب مجھے پتا چلا کہ وہ ماہرِ امراضِ نفسی سے علاج کرواتی رہی ہے تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔میں جاننا چاہتی تھی کہ وہ کس بات کے سبب ذہنی علاج کروانے پر مجبور ہو گئی تھی۔"

وہ چپ ہو گیا۔نظریں اُٹھائیں اور آسمان پر جا ٹھہرائیں۔آج آسمان ستاروں سے خالی تھا۔ تنہائی میں ڈوبا ہوا چاند اپنی روشنی سے منظر کو اجاگر کر رہا تھا۔"اگر آپ کا نفیسہ باجی یا غنی کے کیس سے ذرا سا بھی تعلق ہے تو یاد رکھیں کہ اس دفعہ آپ کا دفاع کرنے کوئی المیر نہیں آئے گا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ کہہ کر رکا نہیں۔اٹھا اور اندر کی جانب چل دیا۔جبکہ پیچھے بیٹھیں آئمہ خلیل کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ان کا بیٹا بدل رہا تھا۔وہ ان پر شک کر رہا تھا۔یہ سب اُس اِشفا کی وجہ سے ہو رہا تھا۔اِشفا کی غلطی تھی اس میں۔

اس دفعہ اِشفا میرے راستے میں آئی تو نہیں بچ پائے گی۔سوچ کر رہ گئیں۔

اشفااور المیر کی جھڑپ کو آج ایک ہفتہ ہونے کو تھا۔اتوار کی شام تھی۔ نماز پڑھ کر آئی تو اس کا فون بجنے لگا۔

اسکرین پر جگمگاتا نام دیکھا تو فون کو کان سے لگالیا۔ "ہیلو سر۔"

"اشفا۔۔آج کام پر نہیں آنا؟"احمد مرزا کی بھاری مردانہ آوازا سپیکر سے آئی۔

"سر جھوٹ نہیں بولونگی۔ کام پر آنے کا دل نہیں کررہا۔ پلیز آج اور کل کی چھٹی دے دیں۔"التجائی نظروں سے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

"خیریت ہے، بیٹا۔۔کچھ ہوا ہے کیا؟"

"نہیں...بس سر تھوڑا سا وزنی ہو رکھا ہے۔" اسپیکر سے کرسی گھسیٹنے کی آواز آئی۔ پھر پھنکے کی گھوں گھوں سنائی دی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تم آج نہ آؤ۔ لیکن کل آنا ہو گا۔" وہ بل کھاتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

"کیوں؟ میں بیمار ہوں..میں نہیں آرہی.."

"اشفا..تم نے کل دو لوگوں کا انٹرویو لینا ہے۔ کل کا دن معاف بالکل نہیں ہے۔" وہ روہانسی سی ہوئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کن کا انٹرویو ہے؟"

"اے ایس پی راحم رضا احمد اور ایس ایچ او المیر خلیل کا۔" آخری نام پر اس کا دل رک سا گیا۔ سانسیں مدھم ہو گئیں۔

آنکھیں سکور کر سامنے رکھے ٹی وی کی سیاہ اسکرین کو گھورا۔ "کس خوشی میں؟"

"تمہیں نہیں پتا؟ ٹی وی چالو کرو.. سب معلوم پڑ جائے گا۔" سوالیہ نظروں سے ٹی وی کو دیکھا پھر ریموٹ سے آن کر دیا۔

سامنے ہی یو نیوز کا چینل نمودار ہوا جس پر اسلا آباد کے مشہور اجتماعی ہال جناح کنوینشن کی لائیو فوٹیج دکھائی جا رہی تھی۔ کیمرے کا رخ ہال میں لگی نشستوں پر براجمان تماشائیوں پر تھا۔ جن میں اُسے کافی شناسا چہرے دکھے تھے۔

ناولز کلب

ہال پولیس، میڈیا اور آرمی سے بھرا پڑا تھا۔ یعنی چند ایک منٹ پہلے کوئی خاص تقریب منعقد پائی تھی۔

اس نے فون کی اسکرین کو دیکھا جہاں کال کٹنے کا نشان آ رہا تھا۔ پھر ٹی وی پر نظریں ڈالیں تو وہ چونکی۔

سامنے ہی المیر خلیل سرخ اسٹیج کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔اس کے ہاتھ میں ایک سفید اور سنہرے رنگ کی شیلڈ تھی اور گردن کے ارد گرد چار سے پانچ میڈلز موجود تھے۔

وہ حیران ہوتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ عین اسکرین کے سامنے جا کر فرش پر بیٹھی۔ یہ کیا ماجرا تھا؟ کیمرا گھوما تو چند ہی قدموں کے فاصلے پر راحم رضا بھی کھڑا تھا۔اس کی سبز آنکھیں فلیش کے زیرِاثر چمک رہی تھیں۔ چہرے پر کیمرا فوکس کر کے کچھ قدرے نزدیک کیا۔ بائیں گال میں ایک گڑھا ابھرا۔

ہیڈلائنز کو غور سے پڑھنے کے بعد اُسے معاملے سے آگاہی ہوئی۔ راحم کو گزشتہ سال میں ساٹھ سے زیادہ کیسز حل کرنے پر ایوارڈ اور میڈلز ملے تھے۔ جبکہ المیر کو دیانت دار اور انصاف پسند ایس ایچ او ہونے پر دو میڈل ملے تھے۔ شیلڈ پچھلے چار سالوں میں چالیس سے زائد کیسز کو اپنے بل بوتے پر حل کرنے اور باقی کے تین میڈلز خطرناک مجرموں کو پکڑنے پر ملے تھے۔

اور دینے والوں میں ایس پی اور چیف آف آرمی اسٹاف شامل تھے۔اس کی شہد رنگ آنکھیں سانیے بھر کے لئے موم ہوئی تھیں۔دل سو کی اسپیڈ سے بھاگا تھا۔فخر کی ایک خوش حال لہر جسم میں دوڑ گئی۔

جو کہو یہ دونوں مرد کمال کے انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین آفیسرز تھے۔

جہاں اُسے خوشی ہو رہی تھی وہاں اُسے دکھ بھی ہو رہا تھا۔آج اُسے المیر کے لیے وہاں ہونا چاہیے تھا۔پتا نہیں وہ کسی کو ساتھ لے کر گیا بھی ہو گا یا نہیں۔شاید اسی ماجرے سے آگاہ کرنے کے لئے مومن علی صبح سے اشفا کو کال کر رہا تھا۔

دوسری طرف کھڑا ارحم خوش تھا۔یا شاید کوشش کر رہا تھا۔اس کی آنکھیں لوگوں کے ہجوم میں اب کسی کو نہیں ڈھونڈتی تھیں۔یہ بات اشفا نے اچھے سے پرکھی تھی۔

اکثر راحم ٹی وی پر آیا کرتا تھا۔ کبھی کسی کیس کو حل کرنے پر ٹالک شوز میں بلایا جاتا تو کبھی ایوارڈ دینے کے لئے۔ وہ ہمیشہ پرکھتی تھی کہ اس کی نظریں لوگوں کی بھیڑ میں کسی چہرے کو تلاش رہی ہوتی تھیں۔

آج اُسے پتا چل گیا تھا کہ ان بھٹکی ہوئی نظروں کی منزل کس کا چہرہ تھی۔ اُس کا دل زور سے دکھا تھا۔ اُسے راحم کے لئے بہت برا لگتا تھا۔

اس نے اداس ہوتے ہوئے ریموٹ سے ٹی وی بند کر دیا۔ فون اٹھا کر احمد مرزا کو پیغام بھیجا کہ جو بھی ہو جائے المیر خلیل کا انٹرویو وہ ہرگز نہیں لے گی۔

اگلے روز صبح ساڑھے نو بجے وہ دفتر میں موجود تھی۔ چہرہ غصے سے لال ہو رکھا تھا۔ ٹیڑھی شکلیں بناتی وہ اس کمرے میں بیٹھی تھی جہاں اس نے ان دونوں کا انٹرویو لینا تھا۔

کل شام کو انکار والا پیغام احمد مرزا تک پہنچا تو انھوں نے آگے سے او کے لکھ دیا۔ اشفا پُر سکون ہو کر سو گئی۔ لیکن جب صبح اٹھی تو احمد مرزا کے دو لمبے لمبے آواز والے پیغام اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

جن کو سن کر اشفا کا دل کیا سر کسی مضبوط دیوار میں دے مارے۔ احمد مرزا کے مطابق المیر خلیل نے خاص شرط رکھی تھی کہ وہ انٹرویو تب ہی دے گا جب لینے والی اشفا امین ہو گی ورنہ نہیں دے گا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

احمد مرزا نے ایک ہی سانس میں اُسے دو سو واسطے دیے تھے کہ ضد چھوڑ کر چپ چاپ کام پر آجائے۔ دراصل یونیوز کی مخالف پریس کمپنی بھی راحم اور المیر کو انٹرویو کی دعوت دے چکی تھی لیکن ان دونوں نے انکار کر دیا تھا۔

اگر آج وہ اپنی انا کو توڑتے یہاں نہ آتی تو ممکن تھا کہ مخالفین کا فائدہ ہو جاتا۔ اس لئے اُسے آنا ہی پڑا تھا۔

اس کا سوجا ہوا منہ ہر شخص دیکھ چکا تھا۔ لیکن جب وجہ پتا چلی تو سب کی بتیسیاں باہر آ گئیں۔ المیر خلیل کا انٹرویو اشفا امین لے رہی تھی؟ یعنی آج عمارت میں دنگل ہونے والا تھا۔ سب بے صبری سے ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ پہلے فلور کے آخری کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ کمرہ لائیو رپورٹنگ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ کیمرے ٹھیک سے سیٹ کر دیے گئے تھے۔ کمرہ ایک دم صاف ستھرا چم چم کر رہا تھا۔ سامنے والی دیوار کے آگے اشفا کی کرسی رکھی گئی تھی۔ جبکہ ان دونوں کی کرسیاں دائیں اور بائیں جانب ذرا سے فاصلے پر تھیں۔

Clubb of Quality Content

قدموں کی چاپ پر اس نے فون سے نظریں ہٹائیں۔ کمرے میں سب سے پہلے راحم داخل ہوا تھا۔ آنکھوں کے رنگ سے ملتا جُلتا رنگ شلوار قمیض کی صورت میں پہن رکھا تھا۔ بال جیل سے سیٹ کیے گئے تھے۔ کلائی میں بھورے پٹے والی گھڑی موجود تھی جو کہ دور سے ہی مہنگی معلوم ہوتی تھی۔

عمارت میں کام کرنے والی ایک ایک لڑکی آج کسی نا کسی بہانے سے پہلے فلور پر آن پہنچتی۔ راحم رضا احمد کی ایک جھلک ہی سب کے لیے کافی تھی۔ لڑکیاں تو مرتی تھیں اس پر اور لڑکے ایک تصویر لینے کے لیے مارے مارے پھرتے تھے۔

اس کی پرسنیلٹی میں کچھ بہت خاص تھا۔ بہت الگ۔ دیکھنے والوں کا دل کرتا کہ گھنٹوں بیٹھ کر اُس کے چہرے کو تکتے رہیں۔ شاید راولپنڈی اور اسلام آباد میں وہی ایک واحد شخص تھا جسے کوئی بھی ناپسند نہیں کرتا تھا۔ سب اس کو دل و جان سے چاہتے تھے۔

"السلام علیکم..." بلند آواز کمرے میں گونجی۔ سب نے سلام کا جواب دیا جن میں کیمرا مین اور اشفا شامل تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے دائیں کرسی پر نشست ہو گیا۔ دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم کیا۔

"کیسی ہو؟"

"بہت اچھی ہوں۔آپ کیسے ہیں برادر؟" چہچہاتی آواز حلق سے نکلی۔راحم نے سوال کا جواب دیا۔

اسی لمحے المیر خلیل نے احاطے میں قدم رکھا۔صحافی صاحبہ کی نظریں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھیں۔دل جو کہ مدھم دھڑکنوں کے ساتھ رواں تھا..اب رفتار پکڑ چکا تھا۔آس پاس سے آتی تمام تر آوازیں بند ہو گئیں۔شور کان تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔چہل پہل..قدموں کی چاپ،سب کچھ اس کے کانوں سے پرے تھا۔صرف ایک دُھن بج رہی تھی۔بہت ہلکی سی۔میٹھی سی۔

وہ دور سے چلا آرہا تھا اور اس کے ہر بڑھتے قدم کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکنیں بھی بڑھ رہی تھیں۔یہ کیا ہو گیا تھا اُسے..اس کا دل ایسے برتاؤ کیوں کر رہا تھا؟

کچھ تو تھا جو بدل گیا تھا۔

سیاہ رنگ کی شلوار قمیض پہنے وہ اس تک آیا۔ سب اُسے باری باری سلام کر رہے تھے پر وہ نہیں کر رہی تھی جس کے سلام کا انتظار اُسے تھا۔

وہ آکر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اشفا نے گھنگرِیالی لٹ کانوں کے پیچھے سرکائی۔ تھوک نگلا۔ پہلو بدلا۔ کیا ہو گیا تھا اُسے آج؟

سب لوگ شیشے والے دروازے کے باہر جمع تھے۔ ہر کوئی ان دونوں سے ملنے کے لئے بے تاب تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کیمرا مین نے لائیو ٹرانسمیشن شروع ہونے کا اعلان کیا تو وہ گلا صاف کرتے ہوئے سیدھی ہوئی۔ آج سے پہلے اُسے اتنی گھبراہٹ کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"میں ہوں اشفا امین اور آپ دیکھ رہے ہیں یو نیوز۔" کیمرے کے حصار میں ابھی کے لئے صرف اسی کا چہرہ تھا۔ "آج ہمارے ساتھ دو ایسے انسان موجود ہیں جن کی کارکردگی ان کی پہچان ہے۔ ان کے کارنامے ہی ان کے تعارف کے لئے کافی ہیں۔ جنہوں نے گزشتہ چند

سالوں میں راولپنڈی اور اسلا آباد کو ہر قسم کے جرم سے پاک کر دیا۔جی ہاں ہم اے ایس پی راحم رضا احمد..."اس کی طرف اشارہ کیا۔"..اور ایس ایچ او المیر خلیل ہی کی بات کر رہے ہیں۔"

پھر حال احوال پوچھنے کے بعد اس نے منصب کو مدے نظر رکھتے ہوئے پہلے راحم سے سوال کرنا مناسب سمجھا۔"سر..کیا پولیس آفیسر بننا آپ کے بچپن کا خواب تھا؟"

مقابل مسکایا تو سب لڑکیوں نے دلوں پر ہاتھ رکھ لئے۔"نہیں..میں بچپن میں سوپر مین بننا چاہتا تھا۔پولیس فورس کیا ہوتی ہے مجھے تو علم ہی نہیں تھا۔"

اشفاد ھیرے سے ہنسی۔"نوجوان نسل کو آپ کی طرح ہونہار بننے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟"

"سب سے پہلے تو چوری چکاری کرنا بند کر دیں۔میں پکڑ پکڑ کر تھک گیا ہوں۔"کمرے کے باہر بنے لوگوں کے جمگھٹے کا ایک ساتھ قہقہ گونجا۔

"اپنی زندگی کی کوئی سب سے یادگار بات بتائیں۔لوگ سننے کے لئے بے قرار ہیں۔" کیمرے کی طرف رُخ کیا۔

"اس واقعے کو بہت سال بیت چکے ہیں۔میں ساڑھے گیارہ سال کا تھا۔جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں میرے بابا اور المیر کے والد صاحب بچپن کے دوست تھے۔جب میرا تعارف المیر سے ہوا تو مجھے یہ شخص ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔"شہادت کی انگلی اپنے سامنے بیٹھے مرد کی طرف کی۔"ہر وقت غصے میں رہتا تھا.. بولتا تو بہت ہی کم تھا۔بابا کی ڈیتھ کو چند ایک سال ہو گئے تھے۔میں خود ہی سکول جاتا تھا...پیدل۔اور بہن کو بھی لے کر جاتا تھا۔سکول ایک گھنٹے کی دوری پر تھا۔ہم چلتے چلتے تھک جاتے تھے۔میں نے دوست سے بائیک چلانی سیکھی۔ پھر پیسے جمع کر کے سستی سی ایک بائیک خرید لی۔"سانس لینے کا وقفہ لیا۔

"ایک روز شدید بارش لگی ہوئی تھی۔بہن نے چُھٹی کر لی تھی۔لیکن میرا ٹیسٹ تھا۔جانا ضروری تھا۔سکول لگنے سے ٹھیک دو گھنٹے پہلے گھر سے نکلا تھا۔سوچا تھا کہ ایک گھنٹہ بارش کی وجہ سے جانے میں لگ جائے گا تو جو وقت بچے گا اس میں پڑھ لوں گا۔"مسکرا کر کیمرے کو دیکھا۔"بیس منٹ کا سفر طے کیا تو میری بائیک میں پیٹرول ختم ہو گیا۔میں پریشان حال کبھی

ادھر جاؤں کبھی اُدھر جاؤں۔ ٹیکسی والے رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میری آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ میں اتنا شدید رو رہا تھا۔ بابا کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔" بیان کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"اتفاق سے مجھے وہاں پر المیر مل گیا۔ اس کا سکول میرے سکول سے کچھ فاصلے پر تھا۔ میں اکثر گزرتے ہوئے اسے بس سٹاپ پر کھڑا پاتا تھا۔ ہم تب دوست نہیں تھے۔ یہ فوراً میرے پاس آیا۔ پہلے مجھے چپ کروایا۔ پھر وجہ پوچھی۔ بات کرنے پر معلوم ہوا کہ موصوف کی سکول بس آکر نکل بھی چکی تھی۔ جب میں نے پوچھا کہ غلطی سے چھوٹ گئی بس؟ تو کہتا ہے نہیں۔۔ میرا آج سکول جانے کا موڈ نہیں تھا۔"

سامنے بیٹھا سُرمئی آنکھوں والا شخص اپنے ذکر پر دھیرے دھیرے مسکرا رہا تھا۔ "پھر یہ چند منٹ ٹیکسی روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ بارش اب کہ رفتار پکڑ چکی تھی۔ اس نے مجھے اپنی سُرمئی رنگ کی چھتری تھمائی۔ اور خود کچھ بھی بولے بنا کہیں چلا گیا۔ میں زارو قطار رونے میں مشغول رہا۔ قریب چالیس منٹ بعد یہ لوٹا تو سر سے پیر تک نہایا ہوا تھا۔ ہاتھ میں ایک

بوتل تھی جس میں پیٹرول تھا۔اس نے میری بائیک میں پیٹرول ڈالا تو میں حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔"

"یہ شخص میرے لیے چالیس منٹ پیدل چل کے پیٹرول پمپ پر گیا تھا کیونکہ اس وقت پمپ دور دور ہوا کرتے تھے۔مجھے خوشی بھی ہو رہی تھی لیکن ترس بھی آ رہا تھا اس پہ۔ کہ میری وجہ سے اب یہ بیمار پڑ جائے گا۔میں بائیک پر بیٹھا تو چھتری اسے واپس دینی چاہی پر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔میں سکول چلا گیا۔ٹیسٹ ہو گیا اور اس کا رزلٹ بھی آ گیا۔فیل ہوا تھا میں۔خیر.." ہولے سے ہنسا۔ "..وہ دن ہے اور آج کا دن ہے میں نے اس آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑا۔مجھے تو میرا بیسٹ فرینڈ مل گیا تھا اُس روز۔"

وہ پیار بھری نظروں سے المیر کو گھور رہا تھا۔صاف واضع تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ایک دوسرے کے لئے جان دے بھی سکتے تھے اور لے بھی سکتے تھے۔

اس نے دو تین سوال مزید اس سے کیے۔ پھر چہرہ المیر کی طرف کر لیا۔ "اس پیشے میں ایسی کون سی بات ہے جو آپ کی پسندیدہ ہے؟"

وہ چند لمحے اُسے دیکھتا رہا۔ مقابل کا چہرہ ایک دم سپاٹ تھا۔ وہ مسکرا بھی نہیں رہی تھی۔ کیا اب تک ناراض تھی اس سے؟

"اس نوکری میں مجھے سب سے دل پسند بات گن استعمال کرنا لگتی ہے۔ نشانہ باندھنا اور گولی چلانا۔" مسکراتی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر خلیل سے اسی جواب کی توقع کی جاسکتی تھی۔ "اگر آپ نوجوان نسل کو کوئی ایک مشورہ دینا چاہیں تو وہ کیا ہو گا؟"

"گھر پر رہیں۔ گھر والوں کے ساتھ وقت گزاریں۔ کیونکہ وقت بیتنے میں وقت نہیں لگتا۔" اس کے ذہن کی اسکرین پر عالیہ کی تصویر جگمگائی۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ خود کو کوستا تھا۔ کہ کیوں عالیہ کو وقت نہیں دے سکا۔

"آپ کے خیال میں ایک پولیس آفیسر بننے کے لئے کون سی خوبیاں ہونی چاہئیں؟"

"دماغ، کان اور آنکھیں ہر وقت کھلی ہونی چاہئیں۔ انصاف پسند ہونا چاہیے۔ شک کی نگاہ ہر شخص پر ہونی چاہیے۔" ایک تفصیلی نگاہ اشفا پر ڈالی۔

یونہی مزید تین سوال مزید کیے گئے۔ اس نے مختصراً جواب دیئے۔

"کیا اب میں آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟"

وہ جو بریک پر جانے کا کہنے والی تھی۔ آواز پر گردن بائیں جانب موڑ لی۔

یہ کون سا سوال کرنے والا تھا؟

"جی.." گھبراتے ہوئے زبردستی کی مسکان چہرے پر سجالی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اجازت ملنے پر کرسی سے اٹھا۔سب کی نظراس کی ایک ایک حرکت پر تھی۔لوگوں کا ہجوم تو حیران ہورہا تھا کہ المیر خلیل کو اشفا امین سے کیا سوال کرنا ہے؟

اس نے کرسی کی پشت پر تھوڑا سا اوپر کرکے ہاتھ رکھا اور اُسے کھینچتا ہوا اپنے ساتھ چل پڑا۔ عین اشفا کی کرسی کے ساتھ لا کر اُسے روک دیا۔

مقابل بوکھلائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔یہ شخص کیا کرنے والا تھا؟

Clubb of Quality Content

اس کی کرسی اب بھی اس سے کچھ فاصلے پر تھی۔اشفا کے چہرے کا اڑا ہوا رنگ اس کی گھبراہٹ کی عکاسی کررہا تھا۔کیا اس کو یاد بھی تھا کہ وہ لائیو جارہے تھے؟

وہ کرسی پر بیٹھا۔پھر اشفا کی کرسی کے پیچھے ہاتھ رکھ کر اُسے ذرا سا نزدیک کیا۔اب کہ وہ شانہ بشانہ بیٹھے تھے۔اس کی اس حرکت پر اس کا چہرہ پل میں سرخ ہوا۔سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگے۔جبکہ کچھ ہی فاصلے پر موجود راحم ہاتھ باندھے مسکرائی جارہا تھا۔

"کیا کر رہے ہیں؟ ہم لائیو ہیں۔" اس نے بے دل مسکان چہرے پر سجاتے ہوئے قمیض پر لگے چھوٹے سے مائکروفون پر ہاتھ رکھا اور پھر سر گوشی کی۔

لیکن وہ تو آج سننے کے موڈ میں ہی نہیں تھا۔ "کیا تم اب تک مجھ سے ناراض ہو؟" سوال زبان پر آیا تو اس کی آنکھیں اس حد تک کھل گئیں کہ ابھی باہر آجائیں گی۔ یہ آدمی پاگل تو نہیں ہو گیا کہیں؟ کاش چند منٹ پہلے بریک پر چلی جاتی۔

"جی؟" وہ روہانسی سی ہوتی اُسے دیکھنے لگی۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ پلیز چپ ہو جاؤ۔

مقابل نے چہرہ کیمرے کی طرف کر لیا۔ "میری بیوی مجھ سے ناراض ہے۔ گزشتہ ہفتے میری غلطی کی وجہ سے میں نے اسے ناراض کر دیا تھا۔ ایک ہفتہ ہونے کو ہے کہ یہ مجھ سے بات نہیں کر رہی۔" پھر ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا جس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ یا تو کچھ اٹھا کر اس کے سر میں مار دے گی یا تو رونے لگے گی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تو کیا تم ابھی بھی مجھ سے ناراض ہو؟ اگر ہو تو آئی ایم سوری..."

اُسے تو لگا تھا کہ وہ پوری زندگی اُسے اپنی بیوی تسلیم نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ تو اس سے نفرت کرتا تھا ناں۔

اس کا دل کیا کہ کیمرے کا اسٹینڈ اٹھا کر المیر خلیل کے سر میں دے مارے۔

اشفا امین نے دانت پیسے۔ اگر لائیو نہ جا رہے ہوتے تو یہ بتاتی اس کو۔ "میرے خیال سے ہمیں بریک لے لینی چاہیے۔" راحم جو پچھلے چند منٹوں سے مسلسل بتیسی نکال رہا تھا.. ماحول میں پھیلا تناؤ محسوس کرتے ہوئے فوراً بولا۔

کیمرا مین نے اپنے باس کو دیکھا اور ٹرانسمیشن بند کر دی۔

اس کے بند ہونے کی دیر تھی کہ اشفا اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ لوگوں کا ہجوم پہلے ہی بکھر گیا تھا۔ اب اس کا رُخ پانچویں فلور کی جانب تھا۔

لفٹ سے مخصوص فلور پر پہنچ کر اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔ داخل ہوتے ہی اے سی چالو کر دیا۔ منہ پر آئے پسینے کو ٹشو سے صاف کرتی وہ لوہے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اُسے غصے کے ساتھ ساتھ بے تحاشا رونا بھی آرہا تھا۔ وہ سر کو ہاتھوں میں بھینک کر بیٹھ گئی۔

ایک طرف دماغ تھا جو غصے سے پٹاخے مار رہا تھا تو دوسری طرف دل تھا جو خوشی سے چھلانگیں مار رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

چند منٹ بعد اُسے بھاری بھرکم بوٹ کی آواز آئی۔ کوئی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اب وہ اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اس کے نزدیک اس کے قدموں میں زانوں کے بل زمین پر بیٹھ چکا تھا۔

چہرہ ذرا سا اوپر کیا۔ غصیلی آنکھیں پل میں نرم ہوئیں۔ وہ اس کے سامنے کان پکڑے زمین پر گھٹنے ٹکائے بیٹھا تھا۔ پل میں ہونٹ مسکان میں ڈھلے۔

"اب تو معاف کر دو۔"اس کی ہنسی چھوٹی۔ سر کو دائیں بائیں ہلاتے اس کو زمین سے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"معاف کیا۔" بے نیازی سے ہاتھ ہوا میں ہلایا اور آنکھیں پھیر لیں۔ "سات سال اور چند ماہ بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے، آفیسر۔ مجھ سے ان سالوں میں ہم کلام نہ ہونے کے لئے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" ایک طرف اُسے معاف کر رہی تھی تو دوسری طرف شکوہ کر رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے ہونٹ آپس میں پیوست کر لئے۔ غلطی کا احساس اُسے پچھلے تین مہینوں سے شدت کے ساتھ ہو رہا تھا۔ لیکن یہ چند مہینے ان گزشتہ سالوں کے مقابلے میں قطرہ برابر بھی نہیں تھے۔

نفرت کے سمندر کی گہرائی اتنی زیادہ تھی کہ وہ دونوں ڈوبتے چلے گئے اور کبھی اپنے درمیان قائم ہوئے رشتے کا خیال ہی نہ رہا۔

"ان سالوں کا ازالہ نہیں کر سکتا لیکن اگر تم چاہو گی تو پوری زندگی تمہارا غلام بن کر کاٹ دوں گا۔" اس کی آنکھیں احساس چھلک رہی تھیں۔

شہد رنگ آنکھوں کا سنہرا رنگ خفیف سا ابھرنے لگا۔ الفاظ کسی شہد کی طرح اس کے کانوں میں مٹھاس گھول گئے۔ "اوہوں..." سر دائیں بائیں ہلایا۔ "...آپ بادشاہی کے لئے بنے ہیں اور بادشاہ غلامی نہیں کیا کرتے۔"

آنکھوں میں اس کے لئے عزت تھی۔ احترام تھا۔ وہ چاہے جتنی شدید نفرت اس سے کیوں نہ کرلیتی... اس کی نظر میں المیر خلیل کا رتبہ ہمیشہ وہیں قائم رہتا تھا۔

"نہیں... المیر خلیل صرف اشفا امین کے لئے بنا ہے۔" بال پیشانی پر جھول رہا تھا۔ "پھر کیسی بادشاہت... کہاں کا بادشاہ؟ تمہارے لئے سلطنت چھوڑ سکتا ہوں۔" بہت احترام سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ "یہ عہدہ.. یہ ٹھاٹھ.. سب خاک ہے تمہارے آگے۔" سیاہ بال پیشانی پر

حکمرانی کر رہے تھے۔آنکھیں تھیں کہ آج سے قبل کبھی اس طرح نرم نہ پڑیں تھیں۔
رخسار تھے کہ سرخ ہو رہے تھے۔

وہ کہاں اِس طرح اظہار کرنے کا عادی تھا؟وہ تو بس آنکھوں سے کہہ دیتا تھا۔اشفا ہمیشہ سے اُس کی آنکھیں ہی تو پڑھتی آئی تھی۔کیونکہ آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔پھر چاہے زبان لاکھ انکاری ہو۔

"اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کی چکنی چُپڑی باتوں میں آجاؤں گی تو آسمان سے زمین پر آ جائیں۔کیونکہ میں حساب برابر کیے بغیر معافی ہر گز نہیں دیتی۔" بھورے بالوں کو شانوں سے پیچھے کیا پھر رخ موڑ لیا۔

"میں نے تمہیں اتنے سال انتظار کروایا تھا اس لئے اب تم بھی مجھے سالوں انتظار کرواؤ گی؟"
نظر ترچھی کر کے ایک ادا سے دیکھا تو وہ دھیمے سے مسکرایا۔

"سالوں؟ آپ ایک سال بھی میرے لئے انتظار نہ کر پائیں۔ سالوں تو بہت دور کی بات ہے۔ حوصلے حوصلے کی بات ہوتی ہے، آفیسر۔"

" صحیح کہہ رہی ہو۔ تمہارے لئے سالوں تک انتظار کرنا میرے لئے واقعی بہت مشکل ہے۔ لیکن اگر انتظار کا مطلب ہے کہ مجھے اختتام میں تم ملو گی...تو میں سو سال بھی انتظار کرنے کے لیے تیار ہوں۔" وہ اتنے مان سے کہہ رہا تھا۔ لہجہ اتنا پُر اثر تھا۔ الفاظ اتنے گہرے تھے کہ پل بھر کے لئے اس کا دل کیا پگھل جائے۔

"ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو ملوں ہی نہ۔" اس کے جملے کی نوویت اُسے کچھ خاص سمجھ نہ آئی۔ شاید وہ فرضی بات کر رہی تھی۔ اُسے آزمانا چاہ رہی تھی۔

"تم مجھے ملو گی، اشفا، ضرور ملو گی۔" ان دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھا گئی۔ ماحول ایسے تناؤ سے گھیرے گیا جیسے وہ دونوں کمرے میں موجود ہوں ہی ناں۔ متکلم کہہ کر خاموش ہو گیا اور مستمع سن کر۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ کو یاد ہے سات سال اور چند ماہ پہلے گھر سے نکلتے ہوئے آپ نے مجھ سے کیا کہا تھا؟"
کرسی موڑ کر رخ پورا اس کی جانب کر لیا۔

"کیا کہا تھا؟"

"یہی کہ آپ مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ میں آئندہ آپ کے سامنے کبھی نہ آؤں۔"
ان سخت الفاظ کی گونج اب تک اس کے کانوں میں جھول رہی تھی۔

یہ تب ہوا تھا جب المیر نکاح کے ایک ہفتے بعد وہاج کے پاس ہونے پر مٹھائی لے کر گیا تھا۔ گفتگو کا آغاز ہوا اور کب بات پھر کر آئمہ خلیل پر آ گئی معلوم ہی نہ پڑا۔ اِشفا کو سالوں پرانا الزام اپنی ماں پر پھر سے لگاتا دیکھ وہ بہت غصہ ہوا تھا۔ تب ہی اُس نے یہ الفاظ ادا کر دیے تھے۔ گیٹ پر دونوں کی اچھی بھلی بحث ہوئی تھی۔ یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد وہ تین سال بعد ایک واردات کی جگہ پر ملے تھے۔ جہاں اُسے اِشفا کا زبردستی جائے واردات میں گھسنا بہت بری طرح چُبھا تھا۔ وہاں بھی دونوں کی اچھی بھلی جھڑپ ہوئی تھی۔

بہت مشکلات دیکھنے کے بعد اس کی فیملی سنبھلنے لگی تھی۔ ماہِ نور خلیل کی موت کے بعد المیر بہت چپ چپ سا ہو گیا تھا۔ عالیہ تو چھوٹی تھی۔ ناسمجھ تھی۔ لیکن المیر سب سمجھتا تھا۔ باپ ٹھیک سے وقت نہ دیتا تھا اور ماں تھی نہیں۔ سال بعد ہی خلیل محمد نے اُسے بتایا کہ وہ شادی کر رہے ہیں۔ خبر کانوں میں پڑتے ہی اُس کا دل ٹوٹا تھا۔

سوتیلی ماؤں کے رویوں کے جو قصے اس نے سن رکھے تھے وہ اُسے خوف زدہ کرتے تھے۔ اپنی رضامندی نہ دکھانے کے باوجود اس کے والد نے شادی کر لی۔ وہ آئمہ خلیل سے نفرت نہیں کرتا تھا۔ بس اُسے اپنے والد سے شکایت تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آئمہ خلیل نے آتے ہی عالیہ کو سنبھالنا شروع کر دیا۔ عالیہ کو خوش دیکھ کر وہ بھی خوش رہنے لگا۔ اس دوران کسی کی بھی توجّہ کا مرگزوہ نہیں تھا۔ عالیہ جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی۔ ویسے ویسے اس نے آئمہ سے زیادہ المیر سے محبت کرنا شروع کر دی۔

پھر چند سالوں بعد وہاج نے اس دنیا میں قدم رکھا اور سب اُس سے پیار کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہونے لگا۔ اُسے رشتوں کا مطلب سمجھ میں آنے لگا۔ وہ آئمہ خلیل کو آنٹی سے ماں کہنے لگا۔

اور اس دوران جب رحمان امین کا کیس منظر پر عیاں ہوا تو وہ ہر طرف سے شکست حاصل کر چکا تھا۔ دماغ کہتا تھا کہ گھر ٹوٹ جائے گا۔ دل کہتا تھا کہ اِشفا کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اُس کے سینے میں دھڑکتے دل میں اِشفا کے علاوہ اپنے گھر کے لوگ بھی رہتے تھے۔ اس لیے اُسے اِشفا کی ناراضگی قبول تھی۔ پر اپنا ٹوٹا ہوا گھر نہیں۔

پچھتاوا اسے ہمیشہ رہتا تھا۔ ایک سائے کی طرح ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ۔ کہ اس نے اِشفا کی بات پر یقین نہیں کیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی۔ لیکن ذہن کا گوشہ گوشہ چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ آئمہ خلیل کسی کا قتل کر ہی نہیں سکتیں۔ تو دل کی جگہ اس نے دماغ کی سنی۔

Clubb of Quality Content

فیصلے کا ملال اس کے ذہن پر اتنا زور آور تھا کہ وہ بچپن سے لے کر اب تک اپنے کرچیوں میں بکھرے دل کو جوڑنے میں لگا رہا۔ دلاسہ دیتا رہا خود کو کہ اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔

حال میں واپس قدم رکھیں تو وہ پل بھر کے لیے اُسے دیکھے گیا پھر..

"Comment quelqu'un pourrait te détester..."

(کوئی تم سے نفرت کیسے کر سکتا ہے؟)

اس نے نا سمجھی کے عالم میں ڈوبتے مقابل کو دیکھ کر ابرو بالا کی۔ "فرینچ بول رہے ہیں؟ دوسری زبان میں میری برائی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اردو میں ہی کر لیں۔"

"Je suis amoureux de toi."

(میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔)

مدھم سُرمئی آنکھیں، جیسے طوفان تھم گیا ہو۔ لطیف اور شیریں لب و لہجہ۔ وہ آج سے پہلے اتنی تاثیر کے ساتھ کبھی کسی سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔

ایسا اعتراف تھا جو اس کا ذہن کبھی کبھی اور دل ہر وقت کرتا تھا۔اس سے عشق کی مالا اس کی زبان اتنی شدت سے جپنا چاہتی تھی۔ لیکن لب تھے کہ ہلتے ہی نہیں تھے۔اُسے لگتا تھا وہ زبان سے نہیں کہے گا تو کوئی بات نہیں۔وہ آنکھیں پڑھ لے گی۔ کیونکہ آنکھیں اپنی بات کہہ ڈالتی ہیں۔نہ آؤ دیکھتی ہیں نہ تاؤ۔ محبت چیز ہی ایسی ہے۔انسان کو بے بس، بے گھر اور بد دماغ بنا دیتی ہے۔

اُسے اڑان بھرنا سکھاتی ہے پر یہ نہیں سیکھاتی کہ سورج کی شعاعیں جب اُس کے پر جلا دیں گی تو وہ فرشِ خاک پر واپس کیسے آئے گا؟

"کیا بول رہے ہیں؟"

"Je suis amoureux de toi."

(میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔)

"مطلب؟"

"Je suis amoureux de toi."

(میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔)

"اوہوں... ! آئی ہیٹ یو، آفیسر۔" وہ غصے سے بول رہی تھی اور وہ اُسے پیار سے دیکھ رہا تھا۔
وہ اکثر اسے یوں ہی دیکھا کرتا تھا۔ تب جب وہ اُسے نہیں دیکھ رہی ہوتی تھی۔

"Je suis amoureux de toi."

(میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مسکراہٹ کشادہ ہو گئی۔ وہ اس سے نفرت کا اظہار کر رہی تھی اور یہ تھا کہ اظہارِ محبت کر رہا تھا۔

تنگ آ کر اس نے فون کی اسکرین روشن کی اور اُسے المیر کے آگے کر دیا۔ "اب بولیں۔"
اسکرین پر ترجمہ کرنے والی ایپلیکیشن کھول رکھی تھی۔

"Tu parles trop."

(تم بہت بولتی ہو۔)

دوسری طرف سے ترجمے میں جب یہی الفاظ نکلے تو اس نے لال چہرے اور لال آنکھوں کے ساتھ اُسے دیکھا۔ "اچھا؟ اب آپ کو میرا بولنا بھی برا لگ رہا ہے؟ ایک کام کریں مجھے ایک ہی بار میں لسٹ بنا کر دے دیں کہ آپ کو مجھ میں کیا کیا ناپسند ہے۔ تاکہ میں ان خامیوں کو سدھارنے کے بارے میں سوچوں بھی ناں۔ بلکہ اضافہ کردوں۔"

ناولز کلب
Club of Quality Content

المیر سر جھٹک کر ہنسنے لگا۔ لگاتار ہنستا چلا گیا۔ اتنا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ شاید پہلی دفعہ اُسے یوں ہنستے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ دور اندر کہیں خواہش اجاگر ہوئی کہ یہ شخص ایسے ہی ہنستا رہے اور وہ اسے ایسے ہی دیکھتی رہے۔ وہ واقعی گھنٹوں دیکھے جانے کے قابل تھا۔

پھر چند سیکنڈز کے بعد لمبا لمبا سانس لیتے خود کو کمپوز کیا۔ تو کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ مومن علی منظر عام پر آیا۔ "اگر روٹھنا منانا ہو گیا ہو تو پھر سے لائیو بھی جانا ہے۔"

المیر کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔ پھر وہاں سے غائب ہو گیا۔ وہ مسکرایا اور پھر وہ دونوں واپس پہلی منزل کی طرف بڑھ گئے۔

یہ جون کے پہلے ہفتے کی ابتدائی تاریخ کا منظر تھا کہ راحم رضا احمد جو کہ مختلف اور سنگین کیسز کو دیکھنے میں پچھلے چند ہفتوں سے جکڑا ہوا تھا.. آج جا کر فراغت کے چند لمحے حاصل ہوئے تو اس نے کہیں جانے کا فیصلہ کیا۔

وہ مری روڈ پر ایک دکان کے سامنے کھڑا تھا۔ جس پر درمیانے سائز کا بورڈ موجود تھا۔ جہاں پر اسٹیچ اینڈ کلوتھنگ معلق تھا۔ اس نے دکان کے اندر قدم رکھا تو ہر طرف سے آوازوں نے اُسے گھیر لیا۔ دائیں سمت سے کینچی چلانے کی باریک آواز آرہی تھی۔ اور بائیں جانب سے مشین کی۔

Clubb of Quality Content

اس کی نظر سامنے اٹھی تو اُسے ایک خاتون نظر آئیں۔وہ ان کے سامنے گیا تو فوراً سلام پیش کیا.. جس کا انھوں نے فوراً جواب دیا۔پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گیا۔

"مردانہ کپڑے سلوانے ہیں یا زنانہ؟"فرزین ملک نے کپڑے کی چوڑائی ناپتے ہوئے سوال کیا۔"میم میں..اے ایس پی راحم رضا ہوں۔آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔"

"اوہ...ہاں کہو.."وہ کپڑے کو ایک طرف پھینکتیں بیٹھ گئیں۔"بس ایک منٹ رک جائیں.."زبان سے ابھی الفاظ نکلے ہی تھے کہ المیر خلیل دکان میں داخل ہوا۔آج ان دونوں دوستوں نے وردی نہ پہننے کا فیصلہ کیا تھا۔

راحم نے المیر کو پوری بات سے آگاہ نہیں کیا تھا۔بس یہ کہہ کر بلا لیا تھا کہ ایک کیس کی طرف سے ایک لیڈ ملی ہے۔سو وہ دوڑا ہوا چلا آیا۔"سوری میں لیٹ ہو گیا۔"

فرزین ملک سے سلام دعا کرنے کے بعد وہ راحم کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔"جی تو پوچھیں کیا پوچھنا ہے آپ نے؟"

"دراصل یہ المیر خلیل ہے۔۔ماہِ نور خلیل کا بڑا بیٹا..."اس کی طرف اشارہ کیا۔اس نے الجھی نظروں سے راحم کو دیکھا۔کیونکہ آج سے پہلے کبھی بھی ماہِ نور خلیل کے نام سے اس کا تعارف نہیں کروایا گیا تھا۔

"ماہِ نور کا۔۔مجھے لگا اس کی صرف ایک ہی اولاد ہے۔۔عالیہ۔اس کی ڈیتھ کا سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔آئی ایم سوری۔"پھر جھک کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔"آپ عالیہ کو کیسے جانتی ہیں؟"سوال راحم کی طرف سے آیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"عالیہ یہاں آتی رہی تھی۔وہ پہلی مرتبہ پچھلے سال کی شروعات میں یہاں آئی تھی۔۔ماہِ نور کے بارے میں پوچھنے کے لئے۔"

راحم نے ابرو بالا کی۔"اور آئمہ ریحام کے بارے میں بھی۔وہ میری اور ماہِ نور کی دیرینہ دوست تھی۔بہت اچھی تو نہیں پر دوست تھی بس۔"

المیر کے چہرے کے تاثرات پل میں بدلے۔ ناک کے نتھنے پھول گئے۔ دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ "آپ، ماما اور آئمہ ریحام ایک دوسرے کو کب سے جانتی تھیں؟"

"میں اور ماہ تو بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ جبکہ آئمہ سے ہم کالج میں ملے تھے۔ لیکن آپ لوگ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟" اپنے ساتھ کام کرنے والے ایک لڑکے کو اشارہ کیا۔

"عالیہ آپ کے پاس کپڑے سلوانے آتی تھی؟" ان کے سوال کو نظرانداز کر دیا۔ "نہیں.. اس سے میری پہلی ملاقات لاہور میں ہوئی تھی۔ جب اس کی یونیورسٹی کا ٹرپ وہاں گیا تھا۔ وہ لوگ جس ہوٹل میں رکے تھے.. ادھر ہی میں بھی ٹھہری ہوئی تھی۔ عالیہ چونکہ ہو بہو ماہ جیسی تھی.. تو مجھے شک ہو گیا تھا کہ یہ ماہ کی رشتے دار ہے۔ بات کرنے پر مکمل تعارف ہوا۔" سانس لیا پھر بولیں۔ "وہاں سے ہماری جان پہچان ہوئی۔ میں نے اُسے اپنے گھر کا اڈریس دیا۔ گھر پر تو نہیں پر وہ مجھ سے دکان پر ملنے آئی تھی۔ جنوری میں شاید... کپڑے تو نہیں سلواتی تھی پر کہتی تھی کہ مجھ سے بات کرنا اُسے اچھا لگتا ہے۔"

"جب عالیہ یہاں آتی تو اس سے ٹھیک پہلے آئمہ ریحام بھی ادھر آتی تھیں؟"راحم نے ایک اور سوال داغا۔وہ اتنا سنجیدہ نظر آرہا تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا آج کے آج ہی کیس حل کرنے بیٹھ جاتا۔

"بیٹا یہ بات تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتی..کافی پرانی بات ہے۔پر ہاں آئمہ آیا ضرور کرتی تھی۔"

"ماما اور آئمہ ریحام کا تعلق آپس میں کیسا تھا؟"ایک لڑکا آکر دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک ٹرے تھام رکھی تھی جس پر دو کپ رکھے تھے۔جس میں سے نکلتی چائے کی خوشبو سونگھتے ہی المیر نے کپ اٹھالیا اور لڑکے کو شکریہ کہا۔جبکہ راحم نے کپ اٹھا کر پاس رکھی میز پر رکھ دیا۔

"سچ پوچھو تو ان دونوں میں کبھی بھی بہت اچھی بات چیت نہیں رہی تھی۔آئمہ ماہ سے بہت جلتی تھی۔ماہ کیونکہ بہت خوبصورت اور ذہین تھی۔سب اس سے محبت کرتے تھے۔صرف آئمہ کو ہی اس سے مسئلہ رہتا تھا۔"

"عالیہ نے کبھی آپ سے آئمہ ریحام کے بارے میں کوئی سنگین سوالات کیے تھے ؟"انھوں نے سر ہاں میں ہلایا۔

"کیسے سوال تھے ؟"اس نے مزید ایک سوال کیا۔

"سنگین تو نہیں پر یہ ضرور پوچھا تھا کہ آئمہ کو میں کیسے جانتی ہوں۔اور آئمہ یہاں کیوں آتی ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"انھوں نے کبھی آپ سے کپڑے سلوائے ؟"

"ہاں.. سلوائے تھے۔آخری دفعہ شاید جون یا جولائی میں آئی تھی۔اس کے بعد نہیں آئی کبھی۔"

"وہ کپڑے آپ سے سلواتی تھیں یا آپ کے کسی ورکر سے؟"اس دفعہ سوال پوچھنے والا المیر تھا۔

"ہاں وہ میرا ایک ورکر تھا..اس کا پچھلے سال انتقال ہو گیا۔آگے پیچھے سے معلوم پڑا تھا کہ کسی نے اس کو قتل کیا تھا۔"

"نام کیا تھا اس کا؟"

"جمال احمد۔آئمہ اسی سے کپڑے سلواتی تھی..."ایک نظر دونوں پر ڈالی۔"...لیکن آپ دونوں یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو بیٹا؟"

"آنٹی دراصل..آئمہ ریحام المیر اور عالیہ کی سوتیلی ماں ہیں۔"انکشاف پر فرزین ملک کی آنکھیں کھل گئیں۔"کیا؟!یہ کیسے ممکن ہے؟"

"آپ نے ایسے کیوں کہا؟یعنی ایسا کیوں نہیں ممکن ہو سکتا..؟"

"آئمہ جیسی چال باز عورت سے تمہارے باپ نے شادی کر کیسے لی؟ پہلے تو میں سوچ رہی تھی تمہیں ساری بات نہ بتاؤں.. لیکن اب بتانا ضروری ہو گیا ہے.. اچھا تو سنو.." وہ آلتی پالتی مار کے ان سامنے سکون سے بیٹھ گئیں۔"...جب ہم کالج میں تھے تو ایک دن اچانک سے خبر ملی کہ آئمہ کی چھوٹی بہن کا انتقال ہو گیا۔ آئمہ بہت روئی تھی اس دن۔ لیکن جب اس بات کو ایک ہفتہ گزر گیا تو ایک دن پولیس کالج میں آکر آئمہ کو پکڑ کر لے گئی۔ ہم سب حیران تھے۔"

ناولز کلب

"جب بات باہر نکلی تو پتا چلا کہ آئمہ کی بہن نے آئمہ کو اپنی ماں پر ہاتھ اٹھانے سے روکا تھا۔ جس کی وجہ سے آئمہ نے اُسے بہت مارا۔ یہاں تک کہ اس کی جان ہی لے لی۔ لیکن آئمہ بہت امیر تھی۔ اس لیے جلدی بیل ہو گئی۔ کچھ سالوں بعد اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا.. پھر اس نے ایک لڑکے سے رشتہ جوڑا۔ وہ لڑکا کافی امیر تھا۔ آئمہ کہیں بہت پہلے سے اس پر نظر رکھے بیٹھی تھی۔ لڑکا آئمہ کو جانتا تک نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو شاید اس میں انٹرسٹڈ بھی نہیں تھا۔ خیر جیسے تیسے کر کے دونوں کی منگنی ہو گئی۔ مہینوں بعد اچانک پتا چلا کہ آئمہ کا رشتہ اس لڑکے سے ٹوٹ گیا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"جب رشتہ ٹوٹا تو آئمہ ایک دن اچانک میری اور ماہ کی یونیورسٹی آگئی۔اس نے سب کے سامنے ماہ کو تھپڑ مارا۔ماہ اتنی روئی اور اس نے مجھے روتے روتے بتایا کہ اس نے ایک غلطی کر دی تھی۔اس نے اس لڑکے کے گھر والوں کو آئمہ کی اصلیت بتا دی تھی۔پھر دوبارہ ہمیں آئمہ کبھی نہیں ملی۔لیکن اتفاق سے ماہ اسی لڑکے کی والدہ کو پسند آگئی۔اور ماہ کی شادی اسی سے ہو گئی۔اور تم جانتے ہو وہ لڑکا کون ہے؟"المیر کو دیکھا۔

Clubb of Quality Content

"کون ہے؟"

"وہ لڑکا تمہارا باپ خلیل محمد ہے۔تب ہی تو میں یہ سن کر حیران ہوئی کہ خلیل بھائی نے دوبارہ اسی عورت سے شادی کیسے کر لی؟"

وہ دونوں گنگ ہوتے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔کچھ لمحوں تک تو دونوں کا ذہن سن ہو گیا۔آس پاس سے آتیں تمام تر آوازیں مدھم پڑ گئیں۔یہ سب کیا ہو رہا تھا؟

المیر فوری طور پر اٹھا.. جیب سے فون نکالا اور کسی کا نمبر ملایا۔"آرزو؟ میں عالیہ کا بھائی المیر بات کر رہا ہوں۔کچھ کام ہے آپ سے۔کیا ہم مل سکتے ہیں؟"آرزو عالیہ کی یونیورسٹی کی دوست تھی۔جس سے المیر نے عالیہ کے انتقال کے بعد بہت سے سوالات کیے تھے۔

"میم یہ میرا اور یہ المیر کا نمبر ہے۔اگر آپ کو کچھ بھی مزید یاد آیا تو ضرور بتائیے گا۔"کاغذ پر لکھتے ہوئے اس نے اُسے ان تک بڑھا دیا اور پھر وہاں سے نکل گیا۔

سفر میں دونوں کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ اس بات کا کسی سے کوئی ذکر نہیں کیا جائے گا۔جب تک کہ کوئی ٹھوس ثبوت ہاتھ نہیں لگتا۔

اسی دن کی شام المیر اور راحم کے پلان کے مطابق دو اہلکار آئمہ خلیل کی ایک کزن سے ملنے آئے تھے۔ وہ دونوں ایک ایسے شخص کی تلاش میں تھے جو آئمہ خلیل کے فیل کے بارے میں سب کچھ جانتا ہو۔ اور ان کی کھوج انہیں اس تک لے آئی تھی۔

وہ چھوٹے سے گھر کے برآمدے میں بیٹھے اس عورت کے منتظر تھے۔ چند ہی لمحوں بعد کزن آکر ان کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ "پوچھو کیا پوچھنا ہے..."

Clubb of Quality Content

"ہم ایک عورت کے بارے میں آپ سے تحقیقات کرنے آئے ہیں۔ آپ آئمہ ریحام کو کیسے جانتی ہیں؟"

اس کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔ "آئمہ میری خالہ کی بیٹی ہے۔"

"آپ کی ان سے آخری دفعہ ملاقات کب ہوئی تھی؟"

"پانچ سال پہلے۔ ہم مال میں اچانک آمنے سامنے آگئے تھے۔"

"اور آخری دفعہ بات کب ہوئی تھی؟"

"آخری دفعہ اسی دن بات ہوئی تھی۔"

"آپ جانتی ہیں انہوں نے شادی کی ہے یا نہیں؟"

Clubb of Quality Content!

"نہیں۔ میں نہیں جانتی۔"

"آئمہ کی بہن کی موت کیسے ہوئی تھی؟"

"اُسے ملیریا ہو گیا تھا۔"

"تو پھر سب نے یہ کیوں کہا کہ آئمہ ریحام نے اُسے مارا تھا؟"

"دراصل آئمہ کے والد کی موت اُس کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔ خالہ صدمے سے پاگل ہو گئی تھیں۔ پھر جب چھوٹی بیٹی کی موت ہوئی تو وہ مزید سٹھیا گئیں اور سب کو کہنے لگ گئیں کہ آئمہ نے اس کو مارا ہے۔"

"آئمہ ریحام کا رشتہ کسی لڑکے سے ہوا تھا۔ کیا آپ جانتی ہیں اُسے؟"

"نہیں۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ اس کی کسی دوست کا اس کا رِشتہ تڑوانے میں ہاتھ تھا۔"

"رشتہ ٹوٹنے پر آئمہ ریحام کا ردعمل کیا رہا تھا؟"

"آئمہ کا دل ٹوٹا تھا جب اُسے خبر ملی تھی کہ اُس کی دوست شامل تھی۔ وہ غصے میں اُسے تھپڑ مار کر ہمارے ہی گھر آئی تھی۔ بہت روئی بھی تھی۔ میں نے اُسے سمجھایا تھا بہت۔ پھر کہیں جا کر اس نے اپنی دوست سے معافی مانگی تھی۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"معافی مانگی تھی؟"

"ہاں.. وہ اس کے گھر اس کو راضی کرنے گئی تھی۔ دونوں راضی ہو بھی گئی تھیں۔"

"آپ کے خیال میں آئمہ ریحام آج کے دور میں کس طرح کی طبیعت کی مالک ہوں گی؟"

"وہ بچپن سے بہت اچھی تھی۔ امید ہے اب بھی اچھی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ شکریہ۔" وہ دونوں کہہ کر اٹھنے لگے۔ "لیکن آپ اس کے بارے میں پوچھ کیوں رہے ہیں یہ سب؟"

"ہم ان کی بہن کا کیس کھولنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تو بس اسی لئے۔" جھوٹ بہت ہی آرام سے زبان سے نکلا تھا۔ پھر وہ دونوں گھر باہر آ گئے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اہلکاروں نے ایک ایک بات ان دونوں کو تفصیل سے بتائی تھی۔انھوں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔شکر تھا کہ آئمہ خلیل ویسی نہیں تھیں جیسا فرزین ملک بتاتی تھیں۔

"جیسے تم نے کہا تھا۔۔سب کچھ ٹھیک ویسے ہی ہوا ہے۔"آئمہ خلیل سے بات کرتے ہوئے ان کی کزن بولی۔"تھینک یو..میں تمہارے اس احسان کے بدلے تمہارے بہت کام آؤں گی۔"

آئمہ خلیل کچھ ہی وقت قبل مال سے خریداری کر کے آئی تھیں۔انھوں نے نیلے رنگ کی لمبی فراک پہن رکھی تھی۔کندھے پر سیاہ بیگ لٹکا رکھا تھا۔وہ آگے آگے چلتیں اپنے گھر کی

طرف بڑھ رہی تھیں۔ جبکہ نوکر پیچھے پیچھے چار چار شاپنگ بیگ ہاتھوں میں اٹھائے مختصر قدم لیتا آرہا تھا۔

"بھابی جی.. کیسی ہیں آپ؟" آواز بائیں طرف سے آئی تھی۔ گردن ترچھی کرکے ابرو اٹھائی پھر مسکرائیں۔ "مرزا صاحب، اللہ کا کرم ہے بس۔ آپ بتائیں آپ کیسے ہیں؟"

احمد مرزا اپنی گاڑی کی ڈگی سے سامان نکالتے ہوئے رک گئے۔ "اللہ کا شکر ہے۔ اچھا بھابی، خلیل گھر پر ہے؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کوئی احمد مرزا کی بائیں طرف کھڑا ان کے ساتھ ڈگی میں سے سامان نکلوا رہا تھا۔ آئمہ خلیل سے اس کا سراپا ڈھکا ہوا تھا۔ صرف بھورے بال واضح تھے۔ "نہیں خلیل تو دکان پر گئے ہیں۔"

"خضر، یہ ذرا اٹھا کر گھر میں رکھ آؤ۔"

نام کی پکار پر وہ جو گیٹ سے اندر بڑھنے لگی تھیں۔ فوراً ٹھہریں۔ گردن ہلائی اور پیچھے دیکھا۔ منظر پر اونچے قد کا ایک لڑکا آیا تھا۔ جس کی پشت ہی ان پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی کہ وہ اس کو بہت اچھے سے جانتی ہیں۔

آنکھیں ایسے پھیلیں جیسے ابھی باہر آجائیں گی۔ خضر ادھر کیا کر رہا تھا۔۔اور وہ بھی احمد مرزا کے ہمراہ؟

احمد مرزا نے جب آئمہ خلیل کو اُسے تکتے ہوئے پایا تو وہ بولے۔ "یہ خضر ہے۔ میرے دوست کا پڑوسی۔ میرے ساتھ ہی آج کل رہ رہا ہے۔" پھر خضر کو بازو سے پکڑ کر سامنے کیا۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ خضر کی آنکھوں میں اجنبیت تھی اور آئمہ کی آنکھوں میں ڈر۔ کون تھا جس نے آئمہ کے دل میں یہ ڈر بیٹھا دیا تھا؟ کون تھا جسے آئمہ کی ایک ایک چال کی خبر تھی؟ کون تھا جو خضر کو یہاں لے کر آیا تھا؟

"بہت پیارا بچہ ہے۔" وہ کہہ کر رکیں نہیں۔ رُخ موڑتے اندر کو بڑھ گئیں۔

"لیکن اُسے آپ ہی کی سوسائٹی میں لایا کون ہوگا؟" فون سے آواز ابھری۔ آئمہ خلیل کی ناک کے نتھنے پھولے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح آئینے میں خود کو تک رہی تھیں جیسے اکھیوں سے ہی آئنہ کرچی کرچی کر ڈالیں گی۔

"کوئی ہے جو ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ پہلے تو عالیہ تھی لیکن وہ تو مر گئی۔ تو اب کون ہے؟" غصے سے مٹھی بند کرتے وہ بیڈ سے اُٹھیں۔ "ان چاروں گارڈز میں سے بھی کوئی نہیں جانتا کہ خضر کب اور کیسے ہماری قید سے بھاگا۔"

"ہو سکتا ہے وہ تم سے جھوٹ بول رہے ہوں۔" سنگھار میز تک گئیں اور اس پر سے اپنا پسندیدہ پرفیوم اٹھایا۔ پھر اُسے دھیرے سے خود پر چھڑکا۔ "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں اس قدر مارا ہے کہ بیچارے مر گئے۔ ان کے گھر والوں کو مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی

تھی..پر کوئی کچھ نہیں بولا۔آپ جانتی ہیں جب بات اپنوں پر آتی ہے تو ہر کوئی زبان کھولنے لگتا ہے۔"

"تو پھر وہ بھاگا کیسے؟"پرفیوم اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارا۔کانچ چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ گیا۔"میں نہیں جانتا۔میں اِسی کو مسلسل ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔لیکن دیکھیں یہ آپ ہی کی سوسائٹی سے نکلا ہے۔"

"تم کچھ نہیں کر رہے۔تمہاری لاپرواہی کی وجہ سے پہلے ہی دو قتل میرے سر لگ چکے ہیں۔اب اگر ایک اور الزام مجھ پر آیا تو میں تمہاری جان نکال لوں گی۔"ہاتھ زور سے سنگھار میز پر رکھا۔

"یہ وقت ہمارے لڑنے کا نہیں ہے۔یہ وقت ہے سوچنے کا۔یہ سوچنے کا کہ کون ہے جسے ہماری ایک ایک چال کا علم ہے؟"انہوں نے پُر سوچ نظر سے خود کو آئینے میں دیکھا۔

"اُس عالیہ کی بھوری ڈائری میں بھی کچھ نہیں تھا؟" بالوں کی ایک جھولتی لٹ کو انگلیوں میں پھنسا کر گول گول کیا۔ "نہیں۔ڈائری میں کچھ نہیں تھا۔"

"میں سمجھی تھی کہ ہر وقت اس پر کچھ لکھتی رہتی ہے تو شاید ہمارے خلاف کچھ لکھا ہو گا اس نے۔ خیر تم بس مجھ پر اتنا سا احسان کر دو کہ اب اگلے قتل میں کوئی غلطی مت کرنا۔اور اس خضر کو غائب کرو۔"

"جیسا آپ کہیں۔" پھر کال بند ہو گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

..—.ᴑᴈ.—..

راحم رضا احمد اپنے دوست کی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے سکون سے بیٹھا تھا۔جب المیر اس کی مخالف کرسی پر آن بیٹھا۔ "یار کندھے ہی دبا دو ذرا سے۔" ہاتھ دائیں کندھے پر رکھا تو راحم نے اُسے عجیب تاثر سے دیکھا۔

"جب میں نے کہا تھا ایک کپ چائے بنادو تو کیسے تم نے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ بلکہ صرف اتنا ہی نہیں تم نے مجھے کام والی ماسی بھی بولا تھا۔" المیر نے مسکراتے ہوئے مقابل کو دیکھا پھر کرسی آگے کو کھینچتے میز کے اوپر سر رکھ لیا۔

"مجھے کل کا کھایا یاد نہیں رہتا اور تمہیں یہ بھی یاد ہے؟" سرگوشی نما آواز نکلی تھی۔ سبز آنکھوں والا شخص اب بیٹھا نہیں ہوا تھا۔ وہ ایستادہ ہو چکا تھا۔ اپنے دوست کے پیچھے آکر کھڑا ہوا۔ "اکڑو انسان، مجھے تو یہ بھی یاد ہے کہ تم نے میرا ادھار دینا ہے۔"

دونوں ہاتھ آگے کو ہوتے اس کے شانوں پر رکھے۔ المیر خلیل کی آنکھیں چمکیں۔ اُس کو شانوں سے پکڑ کر پیچھے کیا۔ پھر دھیرے دھیرے اُس کے دونوں کندھے دبانے لگا۔ "ہاں سارے ادھار لوٹا دوں گا۔ تم بس ذرا سا زور لگاؤ۔" دائیں کندھے کی طرف اشارہ کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"یار المیر.. اس ایجنٹ کا کیا کرنا ہے جسے تم نے کب سے قید کر کے رکھا ہوا ہے؟" اپنا سارا زور دائیں کندھے پر ڈالا۔ "سوچ رہا ہوں اُسے چھوڑ دوں۔ تم کیا کہتے ہو؟"

"چودہ اگست تو ابھی بہت دور ہے۔ قیدی تو اس دن آزاد ہوتے ہیں۔ پھر تم یعنی کہ تم.. المیر خلیل... کسی کو آزاد کرنا چاہتا ہے؟" کرسی پر بیٹھے شخص نے انکھیں گھمائیں۔

"میں اتنا اچھا نہیں ہوں کہ ہاتھ آئے مرغے کو جانے دوں۔ اس ایجنٹ کو تو میں موہرے کے طور پر استعمال کروں گا۔ اس کو جانے اس لئے دینا چاہتا ہوں کہ وہ جائے اور جا کر اپنے باس سے ملے۔"

ناولز کلب

"مطلب تم اس بیچارے کے پیچھے اپنا بندہ بھیجنا چاہتے ہو؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میرا ایک اہلکار اس پر چوبیس گھنٹے نظر رکھے گا۔ تاکہ اگر وہ کسی سے میل ملاپ کرے تو اطلاع ہو جائے۔ اب کسی ناں کسی طریقے سے اس کے باس تک تو پہنچنا ہی ہے۔"

"شناخت کی دوبارہ جانچ کی ہے؟"

"ہوں۔شناخت تو درست ہے۔" جمائی لیتے ہوئے اس نے سر کو آگے کی طرف پھینکا۔

"اور اس نظام حسین کا کیا بنا؟"

"کچھ نہیں۔اس کی بھی کوئی مشکوک حرکت ابھی تک سامنے نہیں آئی۔" راحم نے ایک گہرا سانس لیا۔"المیر ایک بات پوچھوں؟" اس نے سر ہلایا۔

"ہوں۔"

ناولز کلب
Club of Quality Content

"آئمہ آنٹی کا کیا کرنا ہے اب؟" المیر نے کانپتا ہوا سانس اپنے اندر کیا۔"پہلی مرتبہ میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں ہے، راحم۔مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا کیا چھپا رہی ہیں اور کیوں چھپا رہی ہیں؟ بہت سے سوالات ہیں میرے ذہن میں۔پر ثبوت نہیں ہیں۔"

راحم نے اس کے کندھے چھوڑے اور فاصلے پر رکھی کرسی اس کے ساتھ کھینچ کر بیٹھ گیا۔"تم کہنا چاہ رہے ہو کہ تمہیں واقعی لگتا ہے آئمہ آنٹی نے ہی ان سب کو مارا ہے؟"

"میں اُلجھ چکا ہوں۔ایک طرف مقتول ہیں جو ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔تو دوسری طرف وہ خود ہیں۔ تم جانتے ہو میں دنیا میں ہر شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھ سکتا تھا سوائے ایک شخص کے۔اور وہ آئمہ خلیل تھیں..." جھکی نظریں راحم پر اُٹھیں۔" پچھلے چھ سالوں سے میں رحمان امین کا کیس حل کرنے میں لگا ہوا ہوں۔یہ بات میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔سات سال پہلے جب اِشفا مجھ سے لڑی تھی تو اُس نے مجھے التجائی نظروں سے دیکھا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں صرف ایک دفعہ اُس کے گھر والوں کا کیس دیکھ لوں۔اُس وقت بابا کے پولیس میں بہت جاننے والے تھے۔وہ چاہتی تھی میں ان سے کیس دوبارہ کھولنے کا کہوں۔پر میں نہیں کہہ پایا۔روز رات کو لیٹتا تھا تو اس کی روتی ہوئی آنکھیں میرے ذہن میں اجاگر ہونے لگتی تھیں۔میں کروٹیں لیتا رہتا تھا۔پر نیند نہیں آتی تھی مجھے۔اور پھر میں نے ایک رات بائیک کی چابی اٹھائی اور میں بائیک پر کہیں نکل گیا۔"

دو پل کو وہ ٹھہرا۔"میرا ہر سفر مجھے گھما گھما کر اُس جگہ لے جاتا تھا جہاں میں نہیں جانا چاہتا تھا۔جہاں سے یہ کہانی شروع ہوئی تھی۔اُس رات میں اپنے پرانے گھر گیا تھا، راحم۔میں نے گھر جا کر بہت توڑ پھوڑ کی تھی۔میں غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔میں وہاں بیٹھا رہا اور روتا رہا۔

سوچتا گیا کہ آخر مجھے نیند کیوں نہیں آتی؟ کیوں ہوں میں اتنا بے چین؟ دو گھنٹے لگاتار چیزیں توڑنے کے بعد میں اسٹور روم میں گیا۔اور چیزیں توڑنے کی غرض سے۔ تم جانتے ہو مجھے ایک دفعہ غصہ آجائے تو وہ آسانی سے ختم نہیں ہوتا۔وہاں بھی میں نے بہت کچھ زمین پر گرایا تھا۔ابھی میں یہی سب کر رہا تھا جب مجھے ایک کاغذ دکھا۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔والٹ کو نکالتے اس نے اس میں سے ایک کاغذ نکالا۔اور اُسے راحم کے آگے کیا۔راحم نے اُسے کھولا تو اُس پر دو واسٹیک مین بنے ہوئے تھے۔ایک پر اِشفا لکھا تھا اور دوسرے پر عالیہ۔اور ظاہر ایسے ہو رہا تھا جیسے دونوں رو رہی ہوں۔

Clubb of Quality Content

"میں نہیں جانتا اِشفا نے یہ کب بنائی تھی۔پر اس کاغذ کے ٹکڑے نے مجھے میری منزل دکھا دی۔اس کو اسٹور روم میں پا کر میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ جو لڑکی میری بہن سے اتنا پیار کرتی تھی۔۔وہ اسی کی سوتیلی ماں پر الزام کیوں لگائے گی؟ پھر میں نے سوچا کہ میں خود اپنے بلبوتے پر ان کا کیس دوبارہ اسٹڈی کروں گا۔ہر چیز ایک طرف اشارہ کرتی تھی۔جانتے ہو کس طرف؟ میرے گھر کی طرف۔ماما پر میں اتنا بھروسہ کرتا تھا اور آج تک کرتا ہوں۔ لیکن.. لیکن اگر میں غلطی پر ہوا تو کیا ہوگا؟ حقیقت ظاہر ہونے پر میں سب کا سامنا کیسے

کروں گا؟ میں کیسے اِشفا سے نظریں ملا پاؤں گا، راحم؟ میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ میں اُسے نہیں کہہ سکا کہ وہ اس دنیا کی سب سے مضبوط لڑکی ہے۔ کہ میں اُس سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ کہ میرے گھر سے اُسے کتنا نقصان پہنچا ہے۔ مجھے بتاؤ راحم میں اُس سے نظریں کیسے ملاؤں گا؟"

اُس کا دوست خاموش تھا۔ جیسے الفاظ تلاش رہا ہو۔ وہ کچھ لمحے ایسے ہی بیٹھا رہا۔ پھر اس نے اپنی جیب میں سے فون نکالا اور اس کی اسکرین جلائی اور المیر کے آگے کر دی۔

"مجھے عالیہ کی الماری سے ایک بھورے غلاف والی ڈائری ملی تھی۔ یہ نام اور پتہ اسی میں درج تھا۔ میں نے اس پتے پر جا کر دیکھ چکا ہوں۔ یہ ایک پرائیویٹ کمپنی ہے جو آپ کو لاکر زدیتی ہے۔ اپنا قیمتی سامان رکھنے کے لئے۔ اور یہ نام.." اسکرین پر انگلی رکھی۔ "... جعلی نام ہے۔ جس پر عالیہ نے یہ لاکر خریدا تھا۔ میں نے وہاں جا کر اس کی چابی مانگی تھی۔ پر وہاں کے لوگوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتے ہیں عالیہ کا خاص حکم تھا کہ یہ چابی صرف اُسے ملے گی جس کا جنم دن گیارہ اگست کو ہوتا ہے۔ اور گیارہ اگست کو صرف تمہارا جنم دن ہوتا ہے، المیر۔ اس لاکر کو صرف تم کھول سکتے ہو۔ وہ بھی ٹھیک اُسی روز۔"

مقابل کی نظروں میں کچھ عجیب سا ابھرا۔ وہ الجھتے ہوئے دماغ کے ساتھ فون کو دیکھے گیا۔

"اس نے میرے لئے کیا چھوڑا ہو گا؟"

راحم نے شانے اچکائے۔ "اس بات کی خبر تمہارے اور میرے علاوہ کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔" المیر سر ہلاتا ہوا گہری سوچ میں پڑ گیا۔

··—·ɞɞ·—··

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

گہرے نیلے رنگ کے بیگ میں ہاتھ ڈال کر اس نے اپنا دس سیکنڈز سے مسلسل بجتا فون نکالا۔

"کہاں پر ہو، محترمہ؟"

"جنت کے باہر.." وہ اُس مخصوص کافی شاپ کے باہر کھڑی گلاس کی دیوار سے اندر جھانک کر دیوار پر لگا سیاہ رنگ کا کافی کی فہرست کا بورڈ دیکھنے کی تگو دو میں لگی ہوئی تھی۔

"ہیں.. حالانکہ حرکتیں آپ کی جہنم والی ہیں۔ لیکن چلیں جنت والوں کو میرا سلام۔"

"دو منٹ چپ کرو.. مجھے فوکس کرنے دو۔"اس سیاہ بورڈ پر سب سے اوپر کیک اور اس سے نیچے نمکین کھانوں کی فہرست بنی تھی۔اس نے اس کے ساتھ لگے سفید بورڈ پر نظریں روکیں۔

"جنت میں کس پر نظر رکھ رہی ہیں، محترمہ؟"اب کہ وہ آنکھیں سکور کر کافی کی قیمتیں پڑھنے میں مگن تھی۔

"یااللہ.! کتنی مہنگائی ہو گئی ہے۔پندرہ سو کا کافی کا ایک کپ۔پیتے ہوئے ہیرے منہ میں آئیں گے یا موتی؟"اس نے ذرا سا غصے کا اظہار کرتے شیشے کی دیوار پر ہاتھ مارا۔

"جنت میں بھی کھانے کے پیسے دینے پڑتے ہیں؟یعنی سیفان یامین نہ اس دھرتی کا نہ اُس دھرتی کا۔"دوسری طرف سے جملہ مکمل ہوتے ہی ایک گہرا سانس باہر نکالا۔

Clubb of Quality Content

"میں ہیون کافی شاپ کے باہر کھڑی ہوں۔کام کر کر کے تھک گئی تھی تو سوچا یہاں سے کافی پی کے دیکھوں۔"معصوم سے شکل بنائی پھر بچوں کی طرح گلاس پر سانس چھوڑا۔پھر جب اس کے باعث وہاں دھند چھا گئی تو اس نے اس پر دل بنانا شروع کر دیا۔

"نئی نئی شاپ کھلی ہے ناں؟ایک کام کرو میرے لئے بھی کچھ لے آؤ۔"اِشفا نے آنکھیں گھمائیں۔"کس خوشی میں؟"

"میری بائیک بنا بتائے لے کر جانے کی خوشی میں۔"لیکن وہ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔وہ تو شیشے کی دیوار کے اندر موجود ایک شخص کو دیکھ رہی تھی۔جو کہ کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"سیف..میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔"اس نے فون بیگ میں ڈالا۔اپنے شوہر کے مقابل بیٹھی لڑکی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔یہ چہرہ اتنا جانا پہچانا کیوں تھا؟

"تم نے آج اتنے سالوں کے بعد مجھے یاد کیا، المیر۔ سب ٹھیک ہے ناں؟" خود کو تم کہے جانے پر وہ چونکا تھا۔ اس کے مقابل بیٹھی لڑکی عالیہ کی یونیورسٹی کی دوست آرزو تھی۔

لیکن آج سے پہلے تو وہ اُسے آپ اور المیر بھائی کہہ کر مخاطب کرتی آ رہی تھی۔ تو پھر آج اچانک اتنا بدلاؤ کیوں اور کیسے آیا؟

"مجھے عالیہ کے بارے میں آپ سے کچھ جاننا ہے۔" سیدھا کام کی بات پر آتے اس نے میز پر رکھے اپنے دونوں ہاتھ پہلو میں گرا لئے۔

"تم مجھے تم کہہ سکتے ہو۔" وہ مسکرائی.. مسکراہٹ کشادہ تھی۔ ایسی جیسے اسی کو دکھانے کے لئے مسکرائی ہو۔ لیکن سُرمئی آنکھیں اُسے نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اس سے بات تو کر رہا تھا.. پر نظریں جھکا کر۔

"آپ اور عالیہ یونیورسٹی کی ٹرپ پر لاہور گئے تھے۔یاد ہے آپ کو؟"اس کی فرمائش کو نظر انداز کرتے اس نے موضوع فوراً بدلا۔

"ہاں... ہم لاہور تو گئے تھے۔ لیکن یونیورسٹی کی طرف سے نہیں.. وہ ٹرپ تو ہم چار سے چھ دوستوں کا پلان تھی۔"اس نے اپنی رنگی ہوئی سنہری لٹ کان کے پیچھے کی۔

المیر نے ابرو بالا کی۔عالیہ نے تو اس سے اور گھر والوں سے کہا تھا کہ وہ یونیورسٹی کی طرف سے جا رہے ہیں۔شاک کی کیفیت سے باہر نکلتے اس نے خود کو کمپوز کیا۔"پلان آپ نے بنایا تھا.. یعنی آئیڈیا آپ کا تھا؟"

Clubb of Quality Content

اس نے سر نفی میں ہلایا۔"پلان عالیہ کا تھا۔اسی نے لاہور جانے کی ضد کی تھی۔ورنہ ہم سب تو کشمیر جانے کی ٹھان چکے تھے۔"

سر اوپر نیچے ہلاتے اس نے لب کھولے۔"کس ہوٹل میں رکے تھے آپ سب؟"

لب کاٹتی ہوئی وہ سوچ میں مبتلا ہو گئی۔"ہم پانچ لڑکیاں کونہیہ مینٹل میں رکی تھیں۔ایک کا گھر وہیں تھا تو وہ اپنے گھر چلی گئی تھی۔"

"کیا عالیہ نے کبھی بتایا اس نے لاہور ہی کیوں چنا تھا؟"ویٹر آکر ان کے ٹیبل کے پاس رکا۔ ہاتھ میں تھامی ٹرے میں سے اس نے ایک ایک کپ اتار کر دونوں کے سامنے رکھ دیئے۔

اس لڑکی نے المیر کے لیے کافی منگوائی تھی۔شاید اُسے علم نہیں تھا کہ وہ کافی نہیں پیتا۔اِشفا ہوتی تو چائے منگواتی۔اُس کا خیال ذہن میں جیسے ہی آیا..المیر نے فوراً خود کی جھنجھوڑا۔ابھی اسے سوچنے کا وقت نہیں تھا۔وہ تو فرصت میں سوچے جانے کے قابل تھی۔

"عالیہ وہاں پر کسی سے ملنے گئی تھی۔یعنی ہم نے تو یہی اندازہ لگایا تھا۔کیونکہ ہم تین دن وہاں رکنے کا ارادہ رکھتے تھے۔پر عالیہ دوسرے دن کی رات کو ایک عورت سے ملی۔حیران کن طور پر وہ عورت بھی اُسے جانتی تھیں۔ہمارے ہی ہوٹل میں وہ بھی رکی ہوئی تھیں۔جیسے ہی عالیہ کی ان سے ملاقات ہوئی..اسی رات اس نے واپس گھر جانے کی ضد پکڑ لی.."ایک گہرا سانس لیا۔"..ہمیں لگا شاید اسی عورت نے اُسے کچھ بول دیا۔لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے

نہیں بتایا کہ اچانک سے اس نے اپنا ارادہ کیوں بدلا۔ پھر جب ہم دو دن بعد یونیورسٹی گئے تو ہم سب سہیلیوں نے یہی نتیجہ آخذ کیا کہ عالیہ کے وہاں جانے کے پیچھے ان ہی خاتون سے ملاقات کا مقصد چھُپا ہوا تھا۔"

"آپ نے کہا وہ عورت عالیہ کو جانتی تھیں.. کیسے؟"اس نے کافی کا کپ کچھ فاصلے پر کر دیا۔

"وہ عالیہ کو دیکھتے ہی پہچان گئی تھیں کہ وہ عالیہ ہے۔اور انھوں نے بلند آواز میں ہنستے ہوئے بولا بھی تھا کہ وہ ہو بہو اپنی والدہ پر گئی ہے۔"تو یعنی فرزین ملک سچ بول رہی تھیں۔

Clubb of Quality Content

"عالیہ ان سے ملنے گئی تھی یا وہ آئی تھیں اس کے پاس؟"

"وہ خود آئی تھیں۔ مجھے اچھے سے یاد ہے کہ عالیہ اس وقت لابی میں بیٹھنے کی ضد کر رہی تھی۔ ہم اس کے لیے دو گھنٹے وہاں بیٹھے رہے تھے۔ پھر وہاں وہ خاتون آ گئیں اور انھوں نے عالیہ سے بات شروع کر دی۔"ناجانے کیوں المیر کو شک ہو رہا تھا کہ عالیہ بہت پہلے سے فرزین

ملک کو جانتی تھی۔ وہ وہاں ان سے ملنے گئی تھی اور اپنی اُس ملاقات کو محض اتفاق دکھانے کے لئے اس نے لاہور جانے کی ضد کی تھی۔

"ہوٹل کس نے منتخب کیا تھا؟" کلائی پر بندھی سیاہ گھڑی میں وقت دیکھا۔ "عالیہ نے.."

ہوٹل بھی اس نے خود چنا تھا۔ مطلب صاف تھا وہ فرزین ملک کے لاہور میں ہونے سے بہت پہلے سے واقف تھی۔ لیکن کیسے؟ اُسے ان کے آنے جانے کی خبر کون دے سکتا تھا؟

"ٹھیک ہے... آپ کے تعاون کا بہت شکریہ۔" وہ کہہ کر اٹھنے لگا جب اس کی آواز آئی۔
"اتنی جلدی؟ کچھ دیر یہاں بیٹھ کر مجھ سے چند لمحے بات ہی کر لو۔"

المیر خلیل نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں.. جبڑے کی رگیں تنی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔
"دیکھیں بی بی، میں یہاں آپ سے صرف چند سوالات کرنے آیا تھا۔"

"تم احسان فراموش کب سے ہو گئے، المیر؟" ہنستے ہوئے اس نے کافی کا کپ لبوں سے لگایا۔ ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔ پھر ایستادہ ہوا.. جیب سے والٹ نکالتے اس نے اس میں سے پانچ ہزار کا نوٹ نکالا اور میز پر رکھ دیا۔

وہ بھی اس کی دیکھا دیکھی کھڑی ہو گئ۔ وہ جیسے ہی پلٹنے لگا تو اس نے اُس کا بازو تھاما۔ اب کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ وہ کب سے اس کی حرکتوں کو نظر انداز کرنے میں لگا ہوا تھا۔

یہاں پر ملنے کی ضد بھی آرزو نے کی تھی۔ ورنہ المیر نے تو اُسے گھر پر بلایا تھا۔ اور پھر اس کا بے تکلف ہونا اُسے ناگوار گزر رہا تھا۔

اُس نے غصے سے اُس کا بازو جھٹکا اور چند قدم پیچھے لے گیا۔ پھر بازو پر جہاں آرزو نے ہاتھ رکھا تھا اُس نے وہ جگہ تفصیلی طور پر جھاڑی۔ غصے سے۔

وہ کب سے خود پر قابو پانے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ لیکن بس اب بہت ہو گیا تھا۔اس نے اس کو ہاتھ لگایا تو لگایا کیسے ؟اِشفاامین کے شوہر کو چھونے کا اُس نے سوچا بھی کیسے ؟

وہ غصے میں گلاس کا دروازہ کھولتے اندر بڑھی۔ جہاں ان کا ٹیبل تھا اسی اور لمبے لمبے قدم اٹھائے۔ شاید آرزو نے اُسے دور سے آتے دیکھ لیا تھا۔تب ہی وہ ذرا سا اور المیر کے نزدیک ہو کر کھڑی ہو گئی۔

آرزو کو المیر کے کندھے کے پیچھے تکتا پا کر المیر خلیل پلٹا۔آنکھیں ملیں اور منظر تھم گیا۔اس نے چند قدم پیچھے لئے۔اِشفا کی طرف۔

"اِشفا...! یہ تم ہو؟"آرزو فوراً آگے آئی اور اُس کے گلے سے لگ گئی۔اِشفا کا دل کیا یہیں اُس کو بالوں سے پکڑ کر پورے اسلا م آباد کا چکر لگوادے۔اِشفا نے جب اُس کے ارد گرد حصار نہیں باندھا تو وہ خود ہی اُس سے دور ہو گئی۔

"تم یہاں کیسے ؟" چیچہاتی ہوئی آواز اس کے حلق سے نکلی۔المیر اِشفا کے چہرے کے تاثرات پڑھنے میں مصروف تھا۔اُس کا اندازہ تو یہی تھا کہ وہ المیر سمیت دونوں کو زمین میں زندہ گاڑھ دے گی۔

جب اِشفا ابھی بھی خاموش رہی تو وہ شرمندہ سی ہوتی المیر کی طرف دیکھنے لگی۔ "المیر.. یہ اِشفا ہے۔میری سکول فرینڈ۔" المیر نے اِشفا کو دیکھا۔جو کہ سینے کے آگے بازو باندھے اُسے ایسے گھور رہی تھی کہ ٹیبل الٹ کر رکھ دے گی۔ "اور اِشفا یہ -"

"المیر خلیل ہیں.. " آرزو پر نظر ڈال کر المیر کو دیکھا۔ "..میرا تعارف نہیں کروائیں گے ؟" وہ پہلے دھیرے سے مسکرایا۔پھر قلیل قدم لیتے اِشفا کے برابر میں آن کھڑا ہوا۔ "یہ میری بیوی ہے۔اور میں اس کا ایک اکلوتا شوہر۔" ایک بازو ساتھ کھڑی غصے میں نہائی اشفا کے شانوں پر رکھا اور دوسرے سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

المیر کے بازو کے بوجھ تلے اس کے سینے میں موجود دل اس لمحے زور زور سے دوڑنے لگا۔ لیکن اُسے خاموش کروانے کے بجائے وہ آرزو کو گھورنے میں مصروف تھی۔ جس کا اڑا ہوا رنگ بتا رہا تھا کہ اس کے ارمانوں پر اس نے چٹنی گرا دی ہے۔

"تم نے.. اس سے۔۔" اِشفا کی طرف اشارہ کیا۔ اُسے یقین تھا کہ اب اُس کے شوہر کے لئے اس کے منہ سے ایک اور مرتبہ تم نکلا تو یہ اُس کا سر تن سے جدا کر دے گی۔ "۔۔ شادی کی ہے؟"

جملہ جیسے ہی ادا ہوا المیر کے بازو کا وزن زیادہ ہو گیا۔ جو کہ اِشفا بخوبی محسوس کر چکی تھی۔ "ہاں.. کیونکہ مجھے اس سے اچھی لڑکی دونوں جہانوں میں نہیں ملے گی۔" پھر چہرہ ذرا سا جھکا کر اِشفا کو دیکھا۔ جو چہرہ اٹھا کر اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

آرزو نے لب بھینچ لئے۔ پھر ایک بدمزہ نگاہ دونوں پر ڈالی۔ "میں چلتی ہوں اب۔ المیر.. تھینک یو کافی کے لئے۔ میں نے کہا تھا ناں یہ کافی دنیا کی سب سے اچھی کافی ہے۔" کہہ کر پاس سے گزرنے لگی جب اِشفا نے اُسے بازو سے پکڑ کر روکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

المیر نے فوراً اپنا بازو اُس کے شانوں سے ہٹایا۔"پہلی بات میرے شوہر کافی نہیں پیتے۔ تو مجھے ان کی طرف سے بدگمان کرنے کی گری ہوئی کوشش تو تم بالکل بھی مت کرو..."بازُو کو زور سے جھٹکا تو آرزو کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ گھبراتے ہوئے چند قدم پیچھے لے گئی۔"..اور دوسری بات المیر خلیل صرف اور صرف میرا ہے...! اس لئے آئندہ مجھے تم ان کے اتنا سا بھی نزدیک دکھی.."انگھوٹے اور شہادت کی انگلی کے درمیان ذرا سا فاصلہ چھوڑا۔"..تو تمہارے ان سنہرے بالوں کو تم سمیت کاٹ کر رکھ دوں گی۔"ہاتھ بڑھا کر اس کی سنہری لٹ چھوئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے تھوک نگلا.. پھر المیر کو دیکھا۔ جو کہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن آرزو کو اپنی طرف تکتا پا کر اس کی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش ناکام ہو گئی اور وہ مسکرانے لگا۔ خود پر ایک کو غصہ کرتے اور دوسرے کو ہنستے دیکھ وہ فوراً پلٹی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

المیر کا قہقہہ چار سو گونجا۔ وہ اپنی بیوی سے اسی حرکت کی توقع کرتا تھا۔

اِشفاوہاں رکی نہیں تھی.. بلکہ وہ بھی اس کے پیچھے ہی شاپ سے باہر جا رہی تھی۔المیر اُسے جاتا دیکھ کے فوراًاُس کے پیچھے لپکا۔

"اِشفا.. میری بات تو سنو!"وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی تو وہ بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے پیچھے بڑھا۔قدموں میں جان ڈالتے وہ اس کے آگے آکر کھڑا ہو گیا۔"سامنے سے ہٹیں۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔"میں فلحال آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی.."

"جب تک تم میری بات نہیں سنو گی۔۔میں کہیں نہیں جا رہا۔"سینے کے آگے بازو باندھ لئے۔"مت جائیں.. کھڑے رہیں پورا دن ادھر ہی.. مجھے کیا!"

وہ پاس سے گزرنے لگی جب المیر نے اس کا بازو تھام کر اُسے اپنی طرف موڑا۔"مجھے وضاحت تو دینے دو۔"معصوم سی شکل بناتے دونوں ہاتھوں سے دونوں کانوں کو پکڑ کر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

سامنے والی نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا۔ "نہ مجھے وضاحتیں دینا پسند ہے اور نہ ہی سننا۔" مسکراہٹ کو ضبط کرتے ہوئے اُس نے لہجے کو سخت کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اسلام آباد اور راولپنڈی کا سب سے رعب دار پولیس آفیسر اس کے سامنے دونوں کانوں کو پکڑ کر سر جھکائے کھڑا ہو گا۔

"اچھا صرف ایک منٹ کے لئے میری بات سن لو۔ اگر اس کے بعد بھی تمہیں مجھ پر یقین نہ آیا تو میں چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں گا۔" سر ابھی بھی جھکا تھا بس آنکھیں اس کے چہرے پر اٹھی ہوئی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ایک منٹ نہیں.. صرف بیس سیکنڈ ہیں آپ کے پاس۔" سُرمئی آنکھیں چمکیں۔ "آرزو عالیہ کی یونیورسٹی کی سہیلی ہے۔ یہ عالیہ کے ساتھ لاہور گئی تھی۔ لاہور میں عالیہ کسی عورت سے ملی تھی۔ اس عورت کا اس کے کیس سے گہرا تعلق ہے۔ بس اسی لئے میں اس لڑکی سے ملا تھا۔"

اِشفا نے سینے پر ہاتھ باندھے۔ پھر کن اکھیوں سے اُسے گھورا۔ "اور کوئی سہیلی نہیں تھی عالیہ کی جس سے آپ مطلوبہ معلومات نکلوا سکتے؟"

اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "اللہ کی قسم.. بس اسی کا نمبر ہاتھ لگ پایا تھا۔ وہ بھی میں نے وہاج سے لیا تھا۔ بے شک ابھی اس سے پوچھ لو۔"

"فون نکالیں اپنا۔" اس نے بنا کسی تردّد کے جیب سے فون نکالا اور اِشفا کے آگے پیش کر دیا۔ "نمبر کھولیں اس کا۔" حکم کو بجا لاتے اُس نے آرزو کا نمبر کھولا۔ "بلاک کریں اسے۔"

Clubb of Quality Content

اسکرین پر انگلیاں چلاتے اس نے فوراً سے اُسے بلاک کیا۔ پھر لب کاٹتے ہوئے اپنی بیوی کو دیکھا۔ "اور کچھ، صاحبہ؟"

"کچھ نہیں.." اس کی مسکراتی آنکھوں میں دیکھنے کے بعد نظریں پہلو میں گرا دیں۔ المیر کے لب آنکھوں کے نقشِ قدم پر چلتے مسکراہٹ میں ڈھلے۔ چند قدم آگے لے کر اس کے کان

کے پاس جھولتی ایک گُھنگریالی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔"تم پر تو جلن بھی سوٹ کرتی ہے۔ کبھی کبھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ تم کب کب مجھے پیاری نہیں لگتیں..."

"میں ابھی بھی غصے میں ہوں۔ میرے ساتھ زیادہ فری ہونے کی کوشش مت کریں۔" نظریں غصے سے پھیریں تو مقابل کی مسکان گہری ہوئی۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے معاف کردو.."اس کی آنکھ کی سطح پر آتے ہوئے اس نے کہا۔"..یہ سوری اس لئے بول رہا ہوں کیونکہ تمہیں میرا اس سے ملنا برا لگا۔ ورنہ میں تم سے بے وفائی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے بینائی تو صرف اور صرف تمہیں دیکھنے کے لئے دی گئی ہے۔"

"زیادہ ڈائیلاگ مارنے کی کوشش نہ کریں... آئندہ میں نے اگر آپ کو اس کے ساتھ یا کسی اور لڑکی کے ساتھ دیکھا تو... میں آپ کا جینا حرام کردوں گی۔"شہادت کی انگلی ہوا میں اٹھا کر اُسے دھمکانے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔

"وہ تو تم نے پہلے ہی کر رکھا ہے۔" زیرِلب بڑبڑایا تو اِشفا نے چند قدم آگے لئے۔ "کیا کہا؟" اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر لئے۔ "میں کہہ رہا تھا تم غصہ کر کر کے تھک گئی ہو گی۔ رکو تمہیں ٹھنڈا پانی پلاتا ہوں۔"

ایک وہ وقت تھا جب المیر خلیل غصہ کیا کرتا تھا اور اِشفا امین مومن سے کہہ کر اُس کے لئے ٹھنڈا پانی منگوایا کرتی تھی۔ وقت بدلنے میں واقعی وقت نہیں لگتا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سارا موڈ خراب کر دیا میرا۔ کتنی چاہ سے یہاں کی کافی پینے آئی تھی۔" چہرے پر بدمزگی کے تاثرات سجاتے زمین پر پڑے پتھر کو زور سے ٹھوکر ماری تو وہ دور جا گرا۔

"ابھی بھی ویسے دیر نہیں ہوئی.. چلو کافی پیتے ہیں۔" ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا۔ "آپ تو کافی نہیں پیتے۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہارے لئے المیر خلیل اپنی عادتیں بدل سکتا ہے۔"وہ دونوں کندھے سے کندھا ملا کر چل رہے تھے۔لیکن المیر کے جملے پر وہ رکی۔المیر نے گردن ترچھی کر کے ابرو بالا کی۔

"رک کیوں گئیں؟"

اِشفا کا دل زور زور سے بھاگا۔اُس نے نظریں فلک پر اُٹھائیں جہاں پر بجلی چمک رہی تھی۔

موسم اچانک بدل گیا تھا۔

المیر خلیل کو اس سے محبت ہو رہی تھی۔آہستہ آہستہ..دھیرے دھیرے۔

"جب مجھے تم سے محبت ہو گی.تب میرے زبان سے اظہار کرنے سے قبل ہی تم جان جاؤ گی کہ میں تمہیں چاہتا ہوں اور صرف تمہیں چاہتا ہوں۔"

اس کے اس روز کہے الفاظ اُسے یاد آ گئے تھے۔وہ جان گئی تھی کہ المیر کے ذہن پر اس کا دل غالب آ گیا ہے۔وہ دل سے سوچ رہا ہے۔وہ محبت کر رہا ہے۔اُسے عشق ہو رہا ہے۔

Clubb of Quality Content

فلک سے نظریں ہٹا کر اُس نے سامنے کی سمت دیکھا۔نا جانے ان کی ملاقاتوں پر بارش کیوں برسنے لگتی تھی۔اس نے سر جھٹکا۔

پھر دونوں ایک ساتھ کافی شاپ کے اندر داخل ہو گئے۔کمرے کے کونے میں ایک ٹیبل پر جا کر آمنے سامنے بیٹھے۔پھر ویٹر کو بلا کر المیر نے اُسے دو کافی اور دو پیسٹریز منگوائیں۔

"تم نے بتایا نہیں کہ تم عالیہ کی دوست کو کیسے جانتی ہو؟"فون کو جیب سے نکال کر ٹیبل پر رکھا۔

"بہت لمبی کہانی ہے۔"پچھلے کچھ منٹوں کی نسبت اس کا پھولا ہوا منہ کافی پر سکون نظر آتا تھا۔"چلو پھر شروع کرو..وقت ہی وقت ہے میرے پاس۔"

"ٹھیک ہے۔۔تو پھر سنیں.."

Clubb of Quality Content!

گیارہ سال قبل

سکول کے یونیفارم میں ملبوس اِشفا کلاس ختم ہونے کے بعد گم سم سی کلاس میں بیٹھی ہوئی تھی۔اگلی کلاس ریاضی کی تھی۔اُسے ریاضی سے عشق تھا۔وہ الگ بات تھی کہ کسی دوسرے سبجیکٹ کے پرچے میں نمبر کم آئیں نہ آئیں..اس میں ہمیشہ آجاتے تھے۔

جہاں وہ بیٹھی تھی وہیں دائیں طرف دیوار پر کھڑکی لگی تھی جو کہ باہر کی طرف کھلی ہوئی تھی۔سورج سے آتی تپش اُسے مئی کے مہینے میں مزید پسینے سے شرابور کر رہی تھی۔اس نے سفید دوپٹے کا کنارہ پکڑ کر چہرے پر مارا۔پسینے کی چند بوندیں اس کے ساتھ چپکی تو وہ تر تر سا محسوس ہونے لگا۔

پھر اس نے آگے پیچھے تلاشتی نظروں سے ماحول کا جائزہ لیا۔وہ کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ایک لڑکی کلاس کے اندر آئی تو اس کی آنکھیں چمکیں۔وہ آکر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل اٹھا رکھی تھی جو کہ وہ ابھی ابھی بڑھ کر لائی تھی۔

"آرزو...اتنی دیر کیوں لگادی آنے میں؟" اپنے نام کی پکار پر آرزو پوری اس کی طرف پلٹی۔

"مجھے میری جونیئر دوست مل گئی تھی۔بس اسی سے باتوں میں لگ گئی تھی۔"

اِشفا نے سر اوپر نیچے ہلایا۔"میں تم سے ایک بات پوچھوں؟" کچھ گھبراتے ہوئے اس نے سوال کرڈالنا ہی مناسب سمجھا۔ورنہ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے خود کو روکے بیٹھی تھی۔

"ہاں۔"

"جب آج میری وجیہہ سے لڑائی ہوئی..تو تم میرے لئے کیوں نہیں بولیں؟" شہد رنگ آنکھیں اس کے چہرے پر ٹھہرالیں۔

Clubb of Quality Content

وجیہہ اِشفا امین کی کلاس فیلو تھی۔ہر مہینے کلاس کی دو مانیٹر منتخب کی جاتی تھیں۔اس مہینے اِشفا اور وجیہہ کو چُنا گیا تھا۔سب کچھ ٹھیک جارہا تھا۔بس ایک کلاس ایسی آئی کہ ٹیچر کو آنے میں تاخیر ہوگئی اور سب نے کلاس کو سر پر اٹھالیا۔اونچی اونچی آوازیں جب کمرے سے باہر جانے لگیں تو اِشفا کھڑی ہوگئی۔

اِشفاامین اپنی کلاس کی سب سے ذہین بچی تھی۔ہمیشہ ٹاپ کرتی اور کبھی بھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیتی تھی۔ریاضی میں ہلکی سی کمزور ضرور تھی۔لیکن اس کی جگہ کبھی کوئی دوسرا نہیں لے پایا تھا۔

وہ نا جانے کتنی ہی دفعہ مانیٹر کی ذمے داری اکیلے سنبھال چکی تھی۔لیکن اس جماعت میں دو دو مانیٹر بنانے کا اصول جاری کر دیا گیا تھا۔

"وجیہہ..تم شور کیوں ڈال رہی ہو؟تم تو مانیٹر ہو ناں۔"اس نے اُسے مخاطب کیا۔وہ نہیں چاہتی تھی اُسے بھی وجیہہ کی وجہ سے ڈانٹ پڑے۔

"تم میری ماں لگتی ہو؟"

الفاظ کا چناؤ ایسا تھا کہ اِشفاامین کا چہرہ پل میں سرخ ہوا۔آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو فوراً در آئے۔کبھی بھی کسی نے اس سے اس طریقے سے بات نہیں کی تھی۔اس ایک منٹ کے

لئے اِشفا کو لگا تھا کہ ابھی روئی کہ ابھی روئی۔ لیکن ضبط کر گئی تھی۔ ننھا سا دل تھا.. اکثر ٹوٹ جاتا تھا۔

وہ بنا کچھ بولے پلٹی۔ اس کے پیچھے ہی آرزو کھڑی تھی۔ ایک دم خاموش۔ اس نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ آرزو کبھی بھی اس کا دفاع نہیں کرتی تھی۔ اس کے لیے نہیں بولتی تھی۔

واقعے کو یاد کرتے اس نے آرزو سے جواب ملنے کا انتظار کیا۔ "میں کیا بولتی؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

میں کیا بولتی؟

تین لفظی جواب۔ چھوٹا سا۔ پر کلیجہ کاٹ دینے والا تھا۔ کبھی بھی کسی نے اِشفا کا دفاع نہیں کیا تھا۔ کوئی اس کے حق میں نہیں بولتا تھا۔ اس نے سب سے زیادہ نقصان دوستیوں میں اٹھایا تھا۔

جب بھی وہ ایک لڑکی کو دوست بناتی تھی تو وہ لڑکی آگے سے دو چار دوست اور بنالیا کرتی تھی۔اس طرح اس کی بات چیت اِشفا سے زیادہ باقیوں سے ہونے لگتی تھی۔

وہ دوستی میں ہمیشہ سے بد قسمت رہی تھی۔اور اس بات کا دکھ اُسے ہمیشہ رہنے والا تھا۔

تین روز بعد اِشفا نے آرزو کو وجیہہ سے بات کرتے دیکھا تھا۔وہ ہنس ہنس کے باتیں کر رہی تھیں۔ایسے جیسے دونوں میں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پھر ایک روز آرزو نے ایک اور دوست کے ساتھ مل کر اس کی جسامت کا مذاق بھی بنایا تھا۔ اِشفا کافی دبلی پتلی سی تھی۔ لیکن آج تک کسی نے اس کے جسم کو اپنے مذاق کا نشانہ نہیں بنایا تھا۔

لیکن آرزو یہ بھی کر گزری تھی۔ آرزو سے پہلے اس نے کبھی بھی اپنی جسامت پر غور و فکر نہیں کیا تھا۔ کبھی برا محسوس نہیں کیا تھا۔ لیکن اب وہ کرنے لگی تھی۔

آرزو اِشفا کے مقابلے میں وزنی تھی۔ اِشفا نے تو کبھی اُسے اس کے موٹاپے کا احساس نہیں دلایا تھا۔ تو پھر اِشفا کے ساتھ آرزو نے ایسا کیوں کیا تھا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اِشفا کے پریکٹیکل ایگزامز جاری تھے۔ ان ہی کے لیے وہ باقی بچیوں کے ساتھ ایک کلاس میں بیٹھی تھی۔ ساتھ والے کمرے میں ایک سر آیا ہوا تھا جو کہ سب سے زبانی سوال پوچھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

سب کتابوں کو ہاتھوں میں اٹھائے رٹے مار رہی تھیں۔ تب ہی... "آرزو.." اِشفا کی ہی کلاس کی ایک اور طلبہ جس کا نام فرحت تھا آرزو کے پاس آن رکی۔ پھر آنکھوں سے اُسے اشارہ کیا۔

جب اُس نے ان دونوں کی آنکھوں کے اشارے دیکھے تو وہ نظریں نیچے کر گئی۔ سب کو لگتا تھا اِشفا امین کچھ نہیں سمجھتی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ آنکھیں پڑھنے کا فن بخوبی جانتی ہے۔

آرزو بنا کچھ کہے اٹھ کر فرحت کے ہمراہ آگے پیچھے ہو گئی۔ پیچھے بیٹھی اس لڑکی کے سینے میں ایک ٹیس اٹھی۔ شاید فرحت نے آرزو سے کوئی ذاتی گفتگو کرنی تھی جو کہ وہ اس کے سامنے نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن فرحت اور آرزو میں اتنی بات چیت ہوئی کیسے؟

اِشفا کے سامنے تو آرزو کسی سے اتنی بات نہیں کرتی تھی۔ تو پھر ان میں معاملات اس طرز کے کب ہوئے کہ بات ذاتی نوویت پر آن رکی؟

لیکن وہ نظرانداز کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

سکول ختم ہو گیا تھا۔اب کہ کالج کے داخلے کھلنے کی تاریخیں شروع ہو چکی تھیں۔جب ایک روزاِشفا کو اچانک کلاس کی ہی ایک طلبہ کا فون آیا۔دونوں میں باتیں گھنٹوں تک ہوتی رہیں۔ کہ اچانک اُس کی زبان سے آرزو کا ذکر ہوا۔بات کرنے کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ اس کی آرزو سے ٹھیک ٹھاک بات چیت تھی۔

حالانکہ آرزو اس لڑکی کو ناپسند کرتی تھی۔اس کے باوجود ان کی بات چیت کیسے بڑھ گئی؟

دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے وہ اس سے سوال کر ہی بیٹھی کہ وہ آرزو سے ملتی ہے؟جواب پر خبر ہوئی کہ آرزو کسی سے جا کر کبھی نہیں ملی۔وہ تو فون پر سب سے رابطے رکھتی تھی۔ان سے بھی جنہیں وہ ناپسند کرتی تھی۔لیکن ایسا کیوں تھا؟آرزو یہ سب کیوں کر گزری تھی؟

جن لڑکیوں سے اس نے اِشفا کو دور رکھا تھا، ان ہی سے وہ خود ٹھیک ٹھاک بات چیت کرتی تھی۔ پر کیوں؟

اُس دن کے بعد سے اِشفا نے آرزو سے بات بالکل ختم کر دی تھی۔ اُسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ عیب اِشفا میں تھا یا اُن کی دوستی ہمیشہ سے ہی اتنی کھوکھلی تھی؟

اُس نے ہر وہ حرکت کر رکھی تھی جس سے اِشفا کا دل دکھتا تھا۔ وہ پھر بھی آرزو آرزو کرتی رہی تھی۔ لڑکیاں آکر آرزو سے کھڑے کھڑے باتیں کرتیں۔ جن کی سمجھ اِشفا کو قطعاً ہی نہ آتی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ڈھکے چھپے الفاظ میں کوئی ذاتی گفتگو جاری ہے۔ لیکن وہ کبھی بھی پوچھ نہیں پائی کہ وہ سب باتیں آرزو اِشفا سے کیوں نہیں کرتی تھی؟ وہ تو بہت اچھی سہیلیاں تھیں ناں۔

حالانکہ آرزو اِشفا سے ایک ایک بات کے متعلق پوچھا کرتی تھی۔ کہ کہیں کوئی خبر ادھوری نہ رہ جائے۔

اِشفا کو اُس سے ناطے توڑنے کی وجہ بچکانہ لگی تھی۔ لیکن جس دن سے اُس نے آرزو کو چھوڑا تھا.. اُسے زندگی اچھی لگنے لگی تھی۔ اُسے بہتر محسوس ہونے لگا تھا۔

ایک شخص کو سب سے بڑا دھوکا صرف اس کا دوست دے سکتا ہے۔ زندگی میں ماں باپ کے بعد دوستوں کی کمی کوئی پوری نہیں کر پاتا۔ دوستیاں ٹوٹنے سے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور ذہن وزنی ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ٹوٹے دلوں کے مالک بے بس ہو کر کبھی کوئی دوسرا دوست نہیں بنا پاتے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

انہیں ہمیشہ یہی لگتا ہے کہ اب یہ شخص بھی مجھے چھوڑ جائے گا۔ کسی اور اچھے دوست کے لئے۔ اس کے مزید دوست بن جائیں گے۔ اسے مجھ سے بہتر لوگ مل جائیں گے۔

اور حقیقتاً ایسا ہوتا بھی ہے۔ وہ دوست آپ کو چھوڑ کر خوش رہنے لگتا ہے۔ جیسے اُسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ بس اگر کوئی خوش نہیں رہ پاتا تو وہ آپ ہیں۔

جب دل دوستیوں میں ٹوٹتے ہیں توان کو جوڑنے کے لئے کسی دوسرے دوست کا ہونالازمی نہیں ہوتا۔ایک دوست کی کمی کبھی کوئی دوسرا پوری نہیں کر پاتا۔ہر انسان کی ایک انسان کی زندگی میں مخصوص جگہ ہوتی ہے۔جو کہ ردوبدل نہیں ہو سکتی۔

وہ خالی سا پن..وہ تنہائی کا احساس ہمیشہ دائم رہتا ہے۔چاہے کتنے ہی دوست آئیں..کتنے ہی دوست جائیں۔دوستوں کے ہاتھوں ٹوٹے دل جڑ نہیں پاتے۔

وہ زندگی میں خوش تو رہنے لگی تھی۔لیکن اُسے ہر قدم پر آرزو یاد آتی تھی۔اُسے اس کے ساتھ گزارا ایک ایک لمحہ یاد آتا تھا۔آرزو کے بعد اِشفا نے کبھی کوئی دوسری سہیلی نہیں بنائی تھی۔اس کا اعتبار دوستی پر سے ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا تھا۔

موجودہ وقت

وہ روتے روتے اُسے ایک ایک بات بتارہی تھی۔ شہد رنگ آنکھیں سرخ تھیں۔ ٹھیک ویسے جیسے اس کی چھوٹی سی ناک لال ہورکھی تھی۔ وہ المیر سے اس طرح شکوے کررہی تھی جیسے جانتی ہو کہ وہ سب کچھ ٹھیک کردے گا۔

ہاتھوں کو ہلا ہلا کر وہ روتے ہوئے اُسے اپنے تلخ ماضی سے آگاہ کررہی تھی۔ اور وہ چپ چاپ سا اس کو پیار بھری نظروں سے تک رہا تھا۔

جب ایک ایک پرانی یاد اُس کے گوش گزار کرچکی تو اچانک خاموش ہو گئی۔ سوں سوں کی آوازیں اب کچھ مدھم ہو گئی تھیں۔ اس نے ویٹر کو پانی لے کر آنے کا اشارہ کیا۔ پھر اپنی نشست سے اٹھا اور اِشفا کے ساتھ آن بیٹھا۔

اُسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف موڑا۔ پھر ہولے سے اپنے سینے سے لگالیا۔ اس نے ایک مرتبہ پہلے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ وہ اُسے روتا دیکھ کر بہت رویا بھی تھا۔ لیکن آج وہ چاہتا تھا وہ روئے اور روتی رہے اور المیر خلیل اُسے تھامے رکھے۔

ایک سکون سا تھا اس عمل میں۔

وہ روتے روتے خاموش ہوئی تو احساس ہوا کہ وہ المیر کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ چہرہ فوراً سرخ ہوا۔ پھر لب آپس میں پیوست کر لئے۔ اُسے علم تھا کہ جب وہ سرخ ہوتی تھی تو سرخی صاف رخساروں پر عیاں ہو جاتی تھی۔ اسی لیے وہ گھبرا رہی تھی کہ المیر اُسے دیکھ کر ہنسنے لگے گا۔

وہ فوراً اس سے دور ہوئی۔ المیر نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تو اس نے گلاس المیر سے لے کر لبوں سے لگا لیا۔ ایک گھنگریالی لٹ جھولتی ہوئی گلاس سے ٹکرانے لگی تو المیر نے ہاتھ بڑھا کر اُسے شہادت کی انگلی سے پکڑ لیا۔ پھر دھیرے دھیرے اپنی انگلی کے ارد گرد لپیٹنے لگا۔

پانی پی کر اس نے گلاس ٹیبل پر رکھا تو المیر نے بال کان کے پیچھے کر دیے۔ "کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" بالوں سے سرخ ہوتے رخساروں کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی وہ آگے پیچھے دیکھنے لگی۔ "تمہیں کبھی کسی نے بتایا ہے تم بلش کرتے ہوئے کتنی کیوٹ لگتی ہو؟"

اس نے آنکھیں میچیں پھر چہرہ موڑ کر اپنے شوہر کو دیکھا اور دھیرے دھیرے سر نفی میں ہلایا۔ "اچھی بات ہے۔ کوئی میرے علاوہ تمہاری تعریف کر کے تو دکھائے.. ہڈیاں نہ توڑ دوں اس کی میں..!"

وہ مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی۔ دیکھتی گئی.. دیکھتی گئی۔ "تھینک یو۔" زبان سے الفاظ ادا ہوئے۔

"کس لئے؟" ابرو بالا کی۔ "ہر چیز کے لئے۔" وہ کہنا چاہتی تھی کہ میری زندگی میں آنے کے لیے۔ مجھے ہر چیز سے بچانے کے لیے۔ میری پرواہ کرنے کے لئے۔ مجھے اپنا سمجھنے کے لئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہارا شوہر ہوں، یار، اتنا تو کر ہی سکتا ہوں۔" ایک تو جب جب وہ خود کو اس کا شوہر کہتا تھا تو اس کی روح کو سکون سا پہنچتا تھا۔

"اچھا سنو..."

"سنائیں۔"

"تم نے آج میرا نام لیا تھا۔ اور مجھے اپنا شوہر بھی مانا تھا۔" کشادہ سی مسکراہٹ چہرے پر پھیلی تو اِشفا دیوانوں کی طرح اُسے دیکھنے لگی۔

"نہیں میں نے غصے میں آپ کا نام لیا تھا۔ اس لئے وہ سب شمار نہیں ہوتا۔" اس کی خوشی پر پانی پھیرتے اس نے پیسٹری کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

"چلو خیر ہے.. کبھی تو وہ وقت آئے گا جب تم میرا نام لو گی۔" آنکھوں سے آنکھیں ملیں۔ پھر اِشفا کھل کر مسکرائی۔

وہ دونوں بیس منٹ مزید بیٹھ کر آگے پیچھے کی باتیں کرنے لگے۔

اگلے دن کی ایک حسین صبح آسمان ہلکے نیلے اور نارنجی رنگوں میں ڈھلا ہوا تھا۔ بادلوں کا بسیرا کہیں اور جا بسا تھا۔ آفتاب اپنی شعاعیں راولپنڈی پر بکھیر رہا تھا۔ بظاہر تو یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا پر تنگ سی گلیاں اور بھیڑ بھاڑ شہر کی اپنائیت کا پتہ دیتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ یہاں صرف بھیڑ ہی رچی رہتی تھی۔ بلکہ بڑے بڑے مال، کیش اینڈ کیری اور مارٹس اس کی خوبصورتی کو نکھارتے تھے۔ ہاؤسنگ سوسائٹیز اتنی صاف اور ہریالی سے لیز کہ گویا وہیں ٹھہرنے کا جی کرنے لگے۔ گھر اتنے خوبصورت اور ونٹیج کہ ایک دفعہ نگاہ ڈال کر ہٹانے کا جی ہی نہ کرے۔ لوگ اتنے اچھے اور مخلص کہ آپ کو باہر والوں جیسے محسوس ہونے ہی نہ دیں۔

جہاں یہاں یہ سب کچھ تھا وہیں عدالت بھی تھی۔ جہاں رنگ رنگ کے لوگ آتے جاتے رہتے۔ وکلاء سے لے کر مجرموں تک یہاں ہر ایک بندہ بہت اہمیت رکھتا تھا۔ بالکل اسی

طرح مہمان خانے یعنی عدالت میں مہمان یعنی رمیض جابر کی آمد کسی طوفان سے کم نہیں تھی۔

سیکورٹی اتنی سخت تھی کہ اس کے بھاگنے کی ممکنت صفر سے بھی کم تھی۔ کیونکہ سیکورٹی کا انتظام راحم رضا احمد نے کیا تھا۔ محمت کی جگہ آج رمیض کا نگران المیر خلیل خود تھا۔

وہ باقی آفیسرز کے ساتھ تھا جبکہ المیر راحم سے کسی موضوع پر گہری گفتگو میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب اچانک اُسے دور سے ایک لڑکی اپنی اور آتے دکھی۔ اُس نے دائیں ہاتھ کی انگلیاں آنکھوں پر رکھ لیں۔ جیسے مایوسی کا شکار ہوا ہو۔ مجال ہو جو اس لڑکی کو آرام لگ جاتا۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں آپ دونوں؟" آواز پر راحم نے چونک کر اُس سمت دیکھا پھر ایک گہری نگاہ المیر پر ڈالی۔ "وعلیکم السلام۔۔ اللہ کا شکر ہے۔ تم کیسی ہو؟"

"میں تو مزے میں ہوں۔" پھر گم سم سے کاپ کو دیکھا۔ ایک ابرو اُچکائی۔ "آپ کیوں چہرے کے زاویے بگاڑ رہے ہیں؟ اتنی بری لگ رہی ہوں تو چلی جاتی ہوں۔"

"بالکل سہی کہا۔اس وقت تم مجھے بہت..." وہ دو قدم اس کی طرف بڑھی۔ "بہت کیا؟" اس کی شہد رنگ آنکھوں میں غصے کی لہر دیکھ کر وہ چپ کر گیا۔

"...اچھی لگ رہی ہو۔ لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم یہاں کیا رہی ہو؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ "پوچھیں۔" آنکھیں گھمائیں۔ "یہاں کیا کر رہی ہو، صاحبہ؟"

لقب پر راحم کی آنکھیں پھیلیں پھر بتیسی نکلی اور پھر بہانا بناتے وہاں سے نکل گیا۔ جبکہ پیچھے کھڑی اشفالقب پر پل بھر میں سرخ ہوئی تھی۔ "کام ہے میرا ایک۔"

"کیا کام ہے؟"

"کیوں بتاؤں؟"

"کیونکہ میں پوچھ رہا ہوں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟"

"اب سے نکاح نامہ جیب میں لے کر گھوموں گا۔ کیونکہ تم مکرنے میں وقت نہیں لگاتیں میں۔" سیاہ بال پیشانی سے پیچھے کھسکائے۔

"زیادہ میرا شوہر بننے کی کوشش نہ کریں۔ ہم دشمن تھے اور دشمن ہی رہیں گے۔" وہ کہہ کر پلٹنے لگی جب اس کی اگلی بات نے اُس کے بڑھتے قدم زنجیر کیے تھے۔

Clubb of Quality Content

"تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ دشمنی میں محبت بھی ہو جاتی ہے اکثر۔"

"مجھے آپ سمجھ میں نہیں آتے۔" ہاں باقی انکشاف کو نظرانداز کرتے اس کی سوئی ادھر آن اٹکی تھی۔ کیا چیز تھی یہ لڑکی کہ محبت کو نظرانداز کر دیتی تھی۔

"مجھے خود بھی میں سمجھ میں نہیں آتا.. "وہ پلٹ گیا۔وہ اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ہمیشہ کی طرح۔

جس کام کے لیے وہ آئی تھی۔اس کی انجام دہی کے لئے اُسے بہت سی ہمت جتانی تھی۔دل تھا کہ سینے میں زور زور سے دھڑک رہا تھا لیکن چہرہ کسی بھی تاثر سے بے نیاز تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

رمیض جابر کا فیصلہ ابھی ابھی کورٹ نے دیا تھا۔اُسے ایک قتل کرنے کے جرم میں دس سال کی قید ہوئی تھی۔یہ اس کی کورٹ میں تیسری پیشی تھی۔

وہ ایک طرف المیر اور دوسری طرف راحم کی نگرانی کے زیرِاثر زینوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ظاہر تھا اب اس کی منزل سلاخوں کے علاوہ کیا ہی ہونی تھی۔اشفا کو تو لگا تھا کہ چھوٹ جائے گا یا زیادہ سالوں کی قید نہیں ہو گی پر ایسا نہیں ہوا تھا۔حیران کن طور پر جج کافی سمجھدار تھا۔کہیں سے خبر ملی تھی کہ المیر خلیل کا عزیز تھا۔

کیاایسا ممکن تھا کہ المیر نے اس کے لیے رمیض کو...؟ نہیں نہیں ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔

وہ صحافیوں کے ہجوم میں گھلی ملی ہوئی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر خضر کھڑا تھا۔ یہ اس کی ٹریننگ کے دن تھے جن میں وہ صرف اشفا کا کام اور کام کرنے کے طریقے کو اچھے سے پرکھتا تھا۔ عدالت لے جانے کا فیصلہ اشفا کا اپنا تھا۔ ایک اٹھارہ سال کے بچے کو عدالت لے جانا خطرے سے خالی نہ تھا پر مقابل حفاظت کرنا جانتی تھی۔

ہجوم کو توڑتے ہوئے وہ آگے بڑھی۔ کاش کہ اس نے احمد مرزا سے یہ ٹاسک قبول کیا ہی نہ ہوتا۔ وہ تینوں اب اسی کی دشا میں بڑھ رہے تھے۔ کیمرامین ٹھیک اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ جب رمیض کو لے کر وہ چند قدموں کی دوری پر آکر ٹھہر گئے تو اس نے مائک کو بہت ہمت کر کے فضا میں اٹھایا۔ "رمیض جابر عوام جاننا چاہتی ہے کہ آپ نے ایک فارمر اے ایس پی ہو کر قتل کیسے کر دیا؟" اُسے تو لگا تھا کہ اس کی آواز کانپ اٹھے گی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

المیر کے تاثرات برق رفتاری سے سخت ہوئے تھے۔وہ اشفا سے اسی حرکت کی توقع کر سکتا تھا۔کوئی اور بھی تو صحافی اس کام کے لئے آسکتا تھا تو پھر یہی کیوں آئی؟ کن اکھیوں سے اپنی بیوی کو دیکھا۔

"قتل کرنے کے لئے عہدے کی نہیں ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔" مکار اور کمینی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی۔

"جمال احمد سے کیا دشمنی تھی آپ کی؟"اس نے شانے اچکائے۔"کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا مجھے۔عجیب جاہل سا آدمی تھا سو میں نے مار دیا اُسے۔"

"اس سے پہلے بھی کوئی قتل کیا ہے آپ نے؟"المیر اچھے سے جانتا تھا یہ بات کو کہاں لے کر جارہی تھی۔اس نے صحافیوں کو ہاتھ دکھاتے راستہ بنانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔"

"پر قتل پر پردہ توڈالا ہے۔" یہ پہلی مرتبہ تھی کہ اس نے اُس لڑکی کے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔اتنا غور سے کہ وہ اُسے پہچان گیا تھا۔اس کی آنکھوں کا رنگ اور نخریلی کھڑی ناک اُس کی پہچان بخوبی کروادیتی تھی۔"اشفاامین۔" گردن موڑ کر المیر خلیل کو دیکھا۔"تھپڑ تو یاد ہوگا، نہیں ؟"

بس یہی جملہ..ان ہی الفاظ کی تاک میں تھی وہ۔دو بڑے بڑے قدم آگے لیتے اس نے ایک زوردار الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔اتنا سخت اور مضبوط تھا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ پاس کھڑا ایک ایک شخص حیرت انگیز نظروں سے اُسے دیکھے گیا۔جو کہ اُس گرے ہوئے شخص کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

المیر کے چہرے پر میٹھی مسکان نے احاطہ کیا تھا۔اُسے فخر تھا کہ یہ عورت اس کی بیوی تھی۔ کہیں ناں کہیں راحم کو سمجھ میں آنے لگا تھا کہ خلیل محمد نے اِشفا کے لیے المیر ہی کیوں چنا تھا؟ کیونکہ یہ دونوں بہت سی عادات میں ایک سے تھے۔ہاتھوں کا بے جا استعمال ہی مثال کے طور پر کافی تھا۔

Clubb of Quality Content

اہلکاروں نے آگے ہو کر اُسے اوپر اٹھایا جس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ایک دانت ٹوٹ کر خون سے لیز نیچے گرا ہوا تھا۔وہ سیدھا ہوا تو وحشت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔لیکن وہ ڈرنے والوں میں سے تھی ہی کہاں۔"کہیں غلطی سے مجھے دوبارہ دکھ مت جانا۔آج تو ایک دانت ٹوٹا ہے اگلی بار اکتیس کے اکتیس توڑ دوں گی۔"

اس کے الفاظ کے چناؤ پر طیش میں آتے وہ کچھ آگے کو ہوا کہ فوراً المیر نے اُسے گردن سے پکڑ لیا۔اہلکار فوراً آگے کو آئے اور اُسے لے کر نکل گئے۔

اب کہ آہستہ آہستہ ہجوم چھٹ رہا تھا۔بھیڑ کم ہو رہی تھی۔صرف وہی دونوں باقی تھے۔ "مجھے فخر ہے کہ تم میری بیوی ہو۔"تم پر زور دیتے وہ اس تک آیا۔نظریں اس کے چہرے پر ڈالیں۔

وہ ڈھیلی سی مسکرائی پھر بنا کچھ کہے عدالت کی خارجی راہ تک بڑھنے لگی۔کیونکہ کیمرا مین اور خضر چند اہلکاروں کے ہمراہ پہلے ہی نکل گئے تھے۔وہ آگے آگے چل رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔کچہری میں مردوں کی بھیڑ عموماً اتنی ہوتی کہ عورتوں کا گزرنا کٹھن ہوتا۔اسی

لئے اس بھیڑ اور پاس سے گزرتے مردوں سے اس کی حفاظت کے لیے وہ کبھی ہوا میں اس کی دائیں طرف ہاتھ رکھتا تو کبھی بائیں طرف۔ اتنا فاصلہ اس کے اور اپنے ہاتھ کے درمیان رکھتا کہ اُسے محسوس تک نہ ہوا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ کچہری سے نکل آئی۔ باہر دو سڑکیں تھیں۔ گاڑی سڑک کے اُس پار کھڑی تھی۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا جب کسی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اس نے چہرہ موڑا تو اپنے ساتھ اپنے شوہر کو کھڑا پایا۔ اس کا دایاں ہاتھ المیر کے بائیں ہاتھ میں تھا۔ "کیا کر رہے ہیں؟ مجھے سڑک پار کرنا آتی ہے۔"

"ویسے ہی اتنی مشکلوں سے ملی ہو۔ کہیں کھو جاؤ گی۔" نور بھری مسکان نے اس کے لبوں کو چھوا۔ ایک پل بھی نہ لگا تھا کہ اس کا موم دل پگھل گیا۔

ہاں وہ محرم تھا اس کا۔ ہاتھ ہی تو تھاما تھا۔ کیا برائی تھی؟ وہ بنا کچھ کہے چپ چاپ سی اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ پہلی سڑک پار ہو چکی تھی۔ لیکن اس دفعہ وہ اس کی دائیں جانب

سے بائیں جانب آگیا۔اس کا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں لیا۔ کیونکہ گاڑیاں بائیں جانب سے آرہی تھیں۔

اگر تصادم ہوتا بھی تو کم از کم وہ محفوظ رہتی۔وہ اُسے پکڑے پکڑے دوسری سڑک بھی پار کروا گیا۔ فٹ پاتھ پر پہنچ کر بھی اُس نے اُس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔یہاں تک کہ وہ اشفا کی گاڑی کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔خضر اور کیمرا امین دونوں پیچھے بیٹھے تھے۔آگے ڈر کر کوئی نہیں بیٹھتا تھا۔سوائے مومن کے۔

اس نے پہلے اپنے تھمے ہوئے ہاتھ کو دیکھا پھر سُرمئی آنکھوں والے شخص کو۔" سنیں؟"

"جی حکم کریں۔" مسکراتے ہوئے اپنے شانوں تک آتی لڑکی کو دیکھا۔"ہاتھ چھوڑ دیں پلیز۔" نظریں ہاتھوں کی طرف اُٹھیں۔اس کا چھوٹا سا نازک ہاتھ آرام سے اس کے پہلو میں چھوڑ دیا۔"آپ ڈائیلاگ نہیں ماریں گے؟"

"کون سا ڈائیلاگ؟"

"یہی کہ یہ ہاتھ..." بائیں ہتھیلی ہوا میں اٹھا کر اس کے سامنے کی۔".. چھوڑنے کے لئے تو نہیں تھاما تھا۔" وہ اس کی بات پر سر جھٹک کے ہنسا۔ پھر سر کو ہولے سے جنبش دی۔

"مجھے نہیں لگتا تمہارے لئے میرے پیار کو کسی ڈائیلاگ کی ضرورت ہے۔"

وہ اُسے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھے گئی۔ کتنا بدل گیا تھا یہ شخص۔ کیسے؟ کب؟ اور کیوں؟ اُسے حیرت تھی کہ وہ المیر جو کبھی ایک سے دوسری نہیں کرتا تھا آج بڑے اعطمینان سے اظہارِ محبت کر رہا تھا۔ یہ لمحہ یہ چند ٹھہرے سیکنڈز خواب سے لگتے تھے۔

اُسے اندیشہ تھا کہ ابھی کوئی آ کر اُسے جگائے گا اور بیدار ہونے پر حقیقت آشکار ہو گی کہ یہ تو محض ایک خواب ہے۔ صرف خواب ہی میں تو وہ خوش رہ سکتی تھی۔ اپنی ہنستی بستی زندگی گزار سکتی تھی۔ حقیقت تو ازل سے ابد تک یہی رہنے والی تھی کہ اشفا امین اپنے نام میں موجود الف کی طرح ہمیشہ اکیلی رہ جاتی ہے۔ وہ اپنی زندگی اور دوسروں کی زندگیوں میں الف کی ہی

کی تو طرح تھی۔اکیلی۔دکھوں میں۔غموں میں۔پریشانی میں۔محبت میں۔سب یک طرفہ تھااس کے لئے۔ہر لمحہ...ہر احساس۔

"آپ دو دن کے بخار کو پیار کہہ رہے ہیں؟"

"کیوں.. تمہیں کیوں لگتا ہے کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہو سکتی؟"

"دیکھیں تو مجھے...آپ کے بغل میں کوئی اسٹرونگ اور خوش اخلاق خوبصورت لڑکی اچھی لگتی ہے۔نہ کہ میں، بد تمیز اور پنگے لینے والی۔"

"ایک منٹ ایک منٹ.. جس اشفا کو میں جانتا ہوں وہ اپنی برائی کبھی نہیں کرتی۔کون ہو تم اور میری بیوی کہاں ہے؟"وہ ہولے سے کھلکھلائی۔

"کبھی کبھی دل کرتا ہے خود کی برائی کرنے کا۔اب ہر وقت تعریف کروں گی تو لوگ کیا کہیں گے؟ کتنی خود پسند ہے،اِشفاامین..!"

"کوئی بات نہیں۔ تم اپنی برائی کرتی رہا کرو۔ تعریف میں کر دوں گا۔"

"یا اللہ! آپ کون ہیں اور میرے شوہر کے ساتھ کیا کیا ہے؟" سوال کر کے ہولے سے ہنس دی۔

"جب تم یوں ہنستی ہو ناں... تو اور بھی زیادہ خوبصورت لگنے لگتی ہو۔"

اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ رخسار پر چھائی سرخی کا تو جواب نہیں تھا۔

"چپ کر جائیں پلیز..." وہ نیچے دیکھے بولتی گئی۔ ایک گھنگھریالی لِٹ مزے سے جھولتی ہوئی پیشانی پر آ ٹھہری۔ المیر نے اپنی شہادت کی انگلی سے اُسے کان کے پیچھے اڑسا۔

"تم شرما رہی ہو؟" چہرہ ذرا سا جھکا کر اُس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔ اُس نے اسی پل دوپٹہ سہی سے سر پر لیا کہ اُس کا چہرہ سامنے والے کی سُرمئی آنکھوں سے چُھپ جائے۔

"ہٹیں سامنے سے۔ میرا وقت برباد کر رہے ہیں۔" لہجے کو سخت بناتے اس کے بازو پر ہلکا سا مارتے بولی تو وہ ہنستے ہنستے سامنے سے ہٹ گیا۔

••—•✿•—••

جون کا گرماہٹ سے بھرپور مہینہ آدھے سے زیادہ بیت چکا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کی شرٹ پہنے جس کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے، مزے سے رات کے نو بجے بائیک چلا رہا تھا۔ سیاہ رنگ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ شرٹ آدھے آستینوں والی تھی۔ جس کے باعث اس کے ہاتھوں سے لے کر بازوں تک سفر کرتی رگیں نمایاں تھیں۔

رفتار کو بڑھاتے اس نے یوٹرن لیا۔ جب اچانک اس کا فون نیلگوں پینٹ کی جیب میں بجنے لگا۔ بائیک کی رفتار کم کی اور پھر سڑک کے کنارے روک کر فون جیب سے نکالا۔ "المیر خلیل؟"

"جی المیر خلیل بات کر رہا ہوں۔ کہیے؟" سر ذرا سا ہلایا تو بال پیشانی سے ہٹنے لگے۔ "میں فرزین ملک بول رہی ہوں۔ ماہِ نور کی دوست، جس سے آپ ملنے آئے تھے۔"

"جی میم.. مجھے یاد ہے۔ کہیں کیا کام ہے؟"

"راحم نے مجھے کہا تھا کہ اگر کچھ یاد آجائے تو ان سے یا آپ سے رابطہ کر لوں۔ دراصل مجھے جمال کے بارے میں کچھ یاد آیا ہے۔" آواز قدرے کٹ کٹ کر آرہی تھی۔ وہ لفظوں کا تلفظ سمجھنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ "جی بتائیں۔"

Clubb of Quality Content

"جمال ہر تین مہینوں میں ایک دن کے لئے کام پر نہیں آتا تھا۔ جب میں وجہ پوچھتی تھی تو کہتا تھا کہ وہ خون کا عطیہ دینے جاتا ہے۔ آپ کے مطابق وہ آئمہ کو جانتا تھا۔ تو ہو سکتا ہے وہ ان مخصوص تاریخوں میں آئمہ سے ملنے جاتا رہا ہو۔"

"کیا آپ کو اس ہسپتال کا نام پتا ہے جہاں وہ خون دینے جاتا تھا؟" دوسری طرف سے چیزیں ادھر اُدھر کرنے کی دبی دبی آوازیں آئیں۔ "ہاں وہ ہر اُس دن سے اگلے دن مجھے ہسپتال کی

پرچی لاکر دے دیتا تھا۔تاکہ مجھے اس کی بات پر یقین ہو جائے۔آٹھ پرچیاں میرے پاس موجود ہیں اور سب پر ایک ہی نام ہے۔ میموریل ہاسپٹل۔"

اس نے گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے سامنے والی سڑک کو عجیب نگاہ سے دیکھا۔"ٹھیک ہے۔بہت شکریہ۔"

کال منقطع ہو گئی اور وہ واپس اپنی بائیک پر بیٹھ گیا۔کلائی میں بندھی گھڑی وقت سوا نو بجا رہی تھی۔یعنی ابھی بھی وہ ہسپتال کھلا ہو گا۔اس نے بائیک اسٹارٹ کی اور اُسے ہسپتال تک لے جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔

پچیس منٹ کے دورانیہ کے بعد وہ وہاں پہنچ پایا تھا۔ہسپتال کے اندر قدم رکھتے ہی اس نے استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف رُخ کر لیا۔"ہیلو سر۔"کاؤنٹر کے اُس پار ایک بائیس سے تئیس سالہ

لڑکا بیٹھا تھا۔المیر نے سر اوپر نیچے ہلایا۔"میں پولیس آفیسر ہوں۔کسی کے بارے میں جانکاری چاہیے۔"

وہ تعارف سنتے ہی سیدھا ہوا۔"کس کی جانکاری، سر؟"

"جو جو یہاں خون کا عطیہ دینے آتا ہے اُس کا ریکارڈ آپ کے پاس ہوتا ہے یا کسی اور کے پاس؟" سینے کے آگے ہاتھ باندھے۔"میرے پاس بھی ہوتا ہے اور بلڈ بینک کے پاس بھی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ٹھیک ہے۔مجھے دیکھ کے بتاؤ جمال احمد نام کا شخص پچھلے سال کے جنوری، مارچ، اگست اور نومبر کے مہینے میں یہاں خون دینے آیا تھا؟"

وہ سر ہلاتے ہوئے اپنے سامنے رکھے کمپیوٹر کی طرف نظریں گھما گیا۔چند منٹ کی بورڈ پر انگلیاں چلانے کے بعد اس نے المیر کو دیکھا۔"جی سر۔جمال احمد یہاں پر آٹھ دفعہ خون دینے آیا تھا۔چار مرتبہ پچھلے سال اور چار مرتبہ اس سے پچھلے سال۔"

"کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟" کمپیوٹر کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو لڑکے نے کاؤنٹر کے اُس طرف ذرا سی جگہ بنائی۔ پھر وہ قدم قدم چلتا ہوا وہاں آن کھڑا ہوا۔ اسکرین کو گہری نگاہ سے دیکھتے اس نے جمال احمد کی جانکاری دیکھی۔ جو کہ درست تھی۔ تصویر بھی اسی کی تھی۔ بس ایک تبدیلی تھی۔ یہاں پر اس کا بلڈ گروپ او پازیٹیو تھا۔ جبکہ مال روڈ سے ملنے والے کھنڈر سے جو کُرتا ملا تھا اس پر بلڈ گروپ بی پازیٹیو تھا۔ اور پھر رمیض جابر کے باغیچے سے جو لاش ملی تھی، اس کا ملاپ اسی سے تو کیا گیا تھا۔

اس نے فون نکال کر اس کی ایک تصویر لی اور پھر پیشانی کو مسلتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

•-•—•-•

اگلی شام وہ تھانے میں اپنی نشست سنبھالے بیٹھا تھا۔ کل کے انکشاف نے تو المیر کے سر میں درد کر کے رکھ دیا تھا۔

ناجانے کیوں گزشتہ چند مہینوں سے وہ جمال احمد کے کیس سے کچھ خاص مطمئن نہ تھا۔اس کا دل کہتا تھا کہ کچھ تو چھوٹ رہا ہے۔

یعنی رمیض ایک غلط کیس میں اندر چلا گیا تھا؟اگر لاش جمال کی نہیں تھی تو پھر کس کی تھی؟ اس نے بہت سوچنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ کوئی تو تھا جس نے رپورٹ میں جھول کی شمولیت کی تھی۔تاکہ رمیض ہر صورت جیل جائے اور جمال احمد مردہ ثابت ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

لیکن ایسا کون کر سکتا ہے؟

رمیض ایک نہیں تو دوسرے طریقے سے پھنس ہی جاتا۔پر پھر وہ بوٹ جو اس کے گھر سے ملے تھے؟ وہ وہاں کیسے آئے؟ کیا انہیں اس کے گھر پر پلانٹ کیا گیا تھا؟لیکن ایسا کون کر سکتا تھا؟

کون تھا جو رمیض کا دشمن تھا؟اور اس حد تک چلاک تھا کہ اس نے ان بوٹ میں رمیض کا ڈی این اے تک رکھ دیا تھا۔ کیا ایجنٹ ایلیون ایسا کر سکتا تھا؟

لیکن ایجنٹ ایسا کیوں کرے گا؟ وہ تو رمیض کا ساتھی تھا۔ کیا واقعی وہ اس کا معاون تھا؟ کیا واقعی اُسے بچانے کے لئے اس نے اُسے عدالت سے اٹھایا تھا؟

اگر رمیض کو بچانا اس کے لئے اتنا ہی اہم ہوتا تو وہ کیا اُسے اُس اندھیر گھر میں مرنے کے لئے چھوڑ کر جاتا؟ آخر یہ ماجرا کیا تھا..؟ کیا تھا جو اس کی پکڑ میں نہیں آ پا رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

"قوی.. بات سنو ذرا۔" وہ جو پانی پی رہا تھا گلاس کو ایک طرف رکھتے اس تک آیا۔"جی سر؟"

"رمیض کو ایجنٹ نے عدالت سے تمہارے خیال میں کس لئے اٹھایا ہو گا؟"

"اُسے ہم سے بچانے کے لئے.." وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "لیکن بچایا تو نہیں۔ بچانا تو دور کی بات ہے اس کو مرنے کے لئے ہمارے حوالے کر دیا۔ جیسے اس کا مقصد اُسے بچانے سے کئی زیادہ مختلف تھا۔"

مقابل اپنی آنکھوں کو سامنے والی دیوار پر ایک جگہ ٹھہراتے گہری سوچ میں پڑ گیا۔ چند سیکنڈز دونوں طرف خاموشی چھائی رہی۔ پھر جیسے کسی خیال کی روشنی اس کے ذہن کو تاریکی سے نکالنے لگی۔ "سر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ ایجنٹ رمیض کے ساتھ ملوث ہو ہی نہ۔"

"چلو فرض کر لیتے ہیں کہ ایسا ہی تھا۔ تو پھر اُسے رمیض کو اغواہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" کاغذ کو میز پر رکھتے چائے کا کپ اس کے اوپر رکھ دیا تا کہ ہوا کے باعث اڑ نہ سکے۔

"ہو سکتا ہے اُسے رمیض کی مدد درکار ہو۔ اُسے اس سے کوئی کام ہو۔" المیر نے ایک ابرو اچکائی۔ "لیکن عدالت سے ہی کیوں اٹھایا اُسے؟ وہ یہ کام تب بھی تو کر سکتا تھا جب ہم رمیض تک نہیں پہنچے تھے۔"

"سر رمیض کوئی معمولی انسان تو ہے نہیں۔ جس سوسائٹی میں وہ رہتا ہے وہاں سیکورٹی کتنی سخت ہے یہ آپ اور میں دونوں جانتے ہیں۔ کوئی بھی ایرا غیرا آس پاس بھٹک بھی نہیں سکتا۔ شاید اسی لئے ایجنٹ اُسے اس کے گھر سے نہیں اٹھا پایا۔"

"اور اس کے لئے اُس نے پولیس فورس کو استعمال کیا..." مقابل الجھا۔ "استعمال؟ وہ کیسے؟"

"بوٹ پلانٹ کر کے اور پھر لاش کی رپورٹ بدل کے۔۔ اگر تو یہ کام اسی ایجنٹ کا ہے تو وہ نہایت ہی چلاک ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب کر کے رمیض پر جرم ثابت ہو جائیگا اور پھر وہ ہمارے حراست میں آجائے گا۔"

"اور پھر اسی لئے اس نے اُسے عدالت سے اٹھالیا۔ کیونکہ تھانے سے اُٹھانا مصیبت سے خالی نہ ہوتا۔ ہے ناں سر؟" اس نے دھیرے دھیرے سر کو جنبش دی۔

"وہ تھانے میں بھی رمیض سے ملنے نہیں آیا ہوگا۔ اس کا مقصد کچھ اور ہی رہا ہوگا۔ پر کیا؟"

Clubb of Quality Content

"لیکن سر اس سب کا تو یہی مطلب ہے کہ جمال احمد کا کیس ابھی بھی ٹھیک سے بند نہیں ہوا۔"

"ہاں۔اب تو مجھے یہ بھی شک ہے کہ..." وہ کہتے کہتے رکا۔ جیسے نہ کہنا چاہتا ہو۔ قوی اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھے گیا۔"..رمیض کے کیس کی خبر تمہارے اور میرے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں ہونی چاہیے، آئی سمجھ ؟" وہ سر اثبات میں ہلاتا اٹھ گیا۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ فارنزک ایکسپرٹ کے سر پر موجود تھا۔ایک ہاتھ اس کی کرسی کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ایکسپرٹ کرسی پر نشست لیپ ٹاپ کی اسکرین کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ایک دو دفعہ اسکرین کو اوپر نیچے کرنے کے بعد اس نے اُسے دیکھا۔"سر...جمال احمد کی رپورٹ محب نے بنائی تھی۔وہ ہمارے ادھر رپورٹس بناتا ہے۔"

"بلاؤ اُسے۔" اس نے ایک شخص کو اشارہ کر کے اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر اُسے محب کو بھیجنے کے لئے کہا۔

چند لمحے گزرے تھے کہ ایک نوجوان کمرے کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔ اس کی اور المیر کی نگاہ جیسے ہی ملی۔ ویسے ہی المیر سیدھا ہوا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ابھی وہ بھاگے گا۔ اور یقیناً ایسا ہی ہوا تھا۔

اپنے سامنے المیر خلیل کو دیکھتے ہی ایجنٹ ٹو نے دوڑ لگا دی تھی۔ جس دروازے سے داخل ہوا تھا.. اسی سے بھاگ کر برق رفتاری سے زینوں کو پھلانگتے وہ پہلی منزل پر پہنچا تھا۔

المیر اس کے عین پیچھے تھا۔ دونوں تیز اور بڑے قدم لیتے آگے اور پیچھے بھاگ رہے تھے۔ زینے پھلانگنے کا طریقہ ہو بہو ایجنٹ ایلیون سے ملاپ رکھتا تھا۔ وہ دروازے کو لات مار کر کھولتے عمارت سے باہر نکلا۔

المیر بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آیا۔ وہ اب اپنی بائیک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بائیک اسٹارٹ کرتے وہ فوراً اس پر بیٹھا۔ المیر بھی اپنی بائیک کو کِک مارتے، چابی گھماتے اُس پر بیٹھ گیا۔

اب کہ ایجنٹ کی بائیک سی ڈی سیونٹی آگے آگے بھاگ رہی تھی اور سُرمئی رنگ آنکھوں والے کاپ کی ہیوی بائیک اس کے پیچھے۔

وہ دونوں گاڑیوں کے بیچ سے اپنی اپنی بائیک کو گزارتے بڑی مہارت سے انہیں دوڑا رہے تھے۔ پندرہ منٹ تک یوں ہی چلتا رہا۔ کہ کبھی المیر کی بائیک اس کے عین سر پر آن پہنچتی تو کبھی ایجنٹ رفتار کو بڑھاتے دور نکل جاتا۔

ایک ہاتھ سے بائیک چلاتے اس نے دوسرا ہاتھ بیلٹ کی طرف بڑھایا اور وہاں سے گلاک فورٹی سکس پستول نکالی۔ اب کہ دونوں انڈر پاس کے نیچے سے گزرنے والے تھے جہاں پر عموماً گاڑیوں کی بھیڑ کم ہوا کرتی تھی۔

Clubb of Quality Content

جیسے ہی وہ مخصوص جگہ پر پہنچے المیر نے پکا نشانہ باندھتے ایک دشا میں گولی چلائی۔ گولی بائیک کے پچھلے ٹائر کو لگتے آر پار ہو گئی۔ بائیک ڈگمگائی لیکن ایجنٹ نے اُسے گرنے نہیں دیا۔ بائیک کے توازن کو برقرار رکھتے اس نے اُسے مزید دوڑانے کی کوشش کی۔

جب اس کی پستول سے چلتی دوسری گولی مخالف ٹائر پر ایک دم درست نشانے پر لگی اور اس کے ساتھ ہی بائیک گھسیٹتی ہوئی سڑک کے مخصوص حصے پر جا رکی۔ ایجنٹ زور سے پکی سڑک کے ساتھ لگا تھا۔

بائیک سے اترتے اس نے اُسے بھاگنے کا موقع نہ فراہم کرنے کی غرض سے اس کی طرف لمبے لمبے ڈگ بڑھے۔ دائیں ہاتھ سے اس کی شرٹ کے کالر کو مضبوطی سے پکڑتے اُسے سڑک پر سے اٹھایا۔ "زبان یہاں کھولو گے یا تھانے جا کر؟"

وہ تفتیشی کمرے میں میز کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔اس کے سامنے ہی ایجنٹ ٹو نشست تھا۔جس نے ایجنٹ ایلیون کے کہنے پر رپورٹ بدلی تھی۔"میں آخری دفعہ پوچھوں گا..رپورٹ کیوں اور کس کے کہنے پر تم نے بدلی تھی؟!"

اس کے سر کو بالوں سے پکڑ کر پیچھے کیا۔"باس-باس کے کہنے پر۔"

(ایجنٹ ایلیون اس وقت مخصوص اڈے کے برآمدے میں بیٹھا سامنے والی دیوار پر لگے ٹی وی پر نظریں لگائے ہوئے تھا۔ایجنٹ ٹو کے فون میں لگا ٹریکر یہی اندیشہ دیتا تھا کہ وہ اس وقت تھانے میں موجود تھا۔المیر خلیل کے تھانے میں۔)

"کون ہے تمہارا باس؟"

(اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔"ایجنٹ ٹو ہمارا سب سے کمزور ایجنٹ تھا۔کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان کھول دے گا۔اس لئے سامان سمیٹو..ہمیں یہاں سے کسی بھی وقت نکلنا پڑ سکتا ہے۔")

"ایجنٹ ایلیون۔"

(اس نے ایک دراز کو کھول کر اس میں سے کچھ چیزیں نکال کر میز پر رکھیں۔"اپنے اپنے فونوں میں سے حالیہ سموں کو نکال کر یہ والی سمیں لگاؤ۔")

المیر نے اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی۔جیسے جانچ رہا ہو کہ مقابل کہیں جھوٹ تو نہیں بول رہا تھا۔"کیوں بدلوائی اس نے رپورٹ؟"

("ایجنٹ ٹو کو اسی لئے میں نے ہر کام سے دور رکھا تھا۔مجھے شبہ تھا کہ اگر یہ پکڑا گیا تو فوراً سچ اگل دے گا۔")

"میں نہیں جانتا.. میرا یقین کریں۔میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جمال احمد زندہ ہے۔"اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔"تمہارا تعلق کس ایجنسی سے ہے؟"

Clubb of Quality Content!

("میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ کبھی پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تو ہم اُسے فوراً آزاد کروالیں گے۔ ہمارے پاس صرف چار سے پانچ گھنٹے ہیں۔ اس مخصوص دورانیے میں ہمیں اس کو پولیس کی حراست سے چھڑوانا پڑے گا۔")

جب اس سے جواب نہ ملا تو المیر نے سوال بدلنے کا فیصلہ کیا۔ "ایجنٹس کے نام اور تعداد بتاؤ۔" اس کے چہرے پر پسینے کا بسیرا تھا۔ اس کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ وہاں سے کسی بھی طرح بھاگ نکلے۔ "ہم۔ ہم آٹھ ایجنٹس ہیں.. باس کو ملا کر۔"

ہاتھ کے اشارے سے اُسے بات جاری رکھنے کا حکم دیا۔ "ہمیں ایک دوسرے کے نام نہیں آ۔ آتے۔"

اس نے کرسی سے اٹھا کر دو تصویریں میز پر رکھیں۔ "ان میں سے کوئی ایجنٹ ہے؟" دونوں پر باری باری نظریں ٹھہراتے اس نے المیر کو دیکھا جو کہ ایک ابرو اٹھائے کھڑا تھا۔ "یہ.. دونوں۔"

ایک تصویر اس کی تھی جو کہ اڈے پر چھاپہ مارنے سے المیر کے ہاتھ لگا تھا اور دوسرا نظام حسین تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے اپنی پیشانی مسلی۔کتنے مزے سے وہ ان کی ناک کے نیچے سے بھاگ نکلا تھا۔

اور پھر نظام حسین واقعی گبسن کمپنی میں کام کرتا تھا یا نہیں؟وہ واقعی نظام تھا بھی یا نہیں؟

سو قسم کے سوالات اس کے ذہن کے گرد چکر کاٹنے لگے۔"سلیم۔"پکار پر وہ اندر آیا۔"جی سر؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

تصویریں اُسے تھمائیں۔"یہ پکڑو۔نظام کے پیچھے ہم نے جس آدمی کو لگایا تھا اس سے کہو اسے اس کے گھر سے اٹھا لے۔"اڈے سے ملنے والے ایجنٹ کو وہ مزید کچھ دیں ڈھیل دینا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے سر۔"کمرے سے باہر نکل گیا۔

"سر دو لوگوں کے نمبر ایک جگہ ہیں۔اور تین کے ایک جگہ۔"ایجنٹ ٹو سے ایک ایک ایجنٹ کے نمبر نکلوانے کے بعد اس نے ٹریکنگ کے لئے دے دیئے تھے۔جہاں سے ابھی ابھی یہ خبر ان کے کانوں تک پہنچی تھی۔

"تم اور محمت ان دو کے پیچھے جاؤ۔میں باقی اہلکاروں کے ساتھ ان تین کے پیچھے جاتا ہوں۔" لیپٹاپ کی اسکرین پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"سر..."اس نے گردن موڑی۔"ہاں بولو سلیم۔"اس نے ہانپتے ہوئے ابھی ابھی تھانے کے اندر قدم رکھا تھا۔"سر نظام حسین کو ٹھیک پانچ بجے اپنے گھر کے اندر جاتے دیکھا گیا تھا۔پر ہماری آدمیوں سے پتا چلا ہے کہ پانچ گھنٹوں سے وہ گھر سے باہر نہیں نکلا۔گھر کے اندر جا کر دیکھ لیا ہے۔وہ وہاں نہیں ہے۔شاید بھاگ گیا ہے۔"

"اس کے فون میں لگی چپ کی مدد سے اس کا پیچھے کرنے کے لئے آدمیوں سے کہو۔" پھر اس نے اپنا رُخ چند اہلکاروں کی طرف کر لیا۔ جو کہ اُسی کے حکم کے منتظر کھڑے تھے۔

"گاڑی نکالو۔"

پچیس منٹ میں گاڑی کو اڑانے کے انداز میں وہ سب ان تین ایجنٹس کے اڈے پر پہنچے تھے۔ جو کہ پنڈی کا ایک گمنام سا علاقہ تھا۔ جہاں آج سے پہلے ان چاروں میں سے کسی کا بھی گزر نہیں ہوا تھا۔ آس پاس تنگڑے درخت کھڑے تھے۔ گھاس کافی حد تک اگ چکی تھی اور چاروں اور سے گیلی مٹی کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر ایجنٹ ٹو کو گاڑی سے کھینچ کر باہر نکالا۔ وہ اسے شکار کے طور پر استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

سب نے ایک ساتھ قدم اٹھائے۔سب سے آگے المیر خلیل تھا۔جس نے ایجنٹ ٹو کو کالر سے پکڑ کر آگے کھینچا۔پھر ہونٹوں پر انگلی رکھتے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔مختصر قدموں کے فاصلے پر ایک بھورے رنگ کا گھر تھا۔جس کا دروازہ لوہے کا تھا اور رنگ جگہ جگہ سے اترا ہوا تھا۔

بیلٹ تک ہاتھ بڑھاتے اس نے اپنی پستول نکالی اور اس کے سر پر رکھی۔ایک زور آور لات مار کر دروازہ پورا کھول دیا۔گھر اندھیرے کی نظر ہو رکھا تھا۔اس کے نقشِ قدم پر چلتے اہلکاروں نے ایک ایک کر کے ٹارچ جلائی تھی۔

Clubb of Quality Content!

روشنی پھیلی تو علم میں اضافہ ہوا کہ یہ ایک کشادہ ہال تھا۔جو کہ بالکل تہی پڑا تھا۔یہ ایک منزلہ گھر تھا۔جس کی چھت چار ستونوں کی مدد سے برقرار تھی۔

المیر نے اہلکار کو اشارہ کیا۔ایک نے قدم آگے بڑھایا تو اسے کسی کا عکس ستون کے پیچھے ہلتا ہوا دکھا۔گردن ہلکی سی موڑتے سر کو جنبش دی۔اشارہ ملتے ہی سُرمئی آنکھیں ساتھ کھڑے

ایجنٹ پر گئیں اور پھر ہاتھ اوپر کی سمت بلند کیا۔ پستول چلی تو آواز خاموش ماحول میں زور لگاتے ہوئے گونجی۔

"تمہارا آدمی ہمارے پاس ہے۔چپ چاپ ہتھیار پھینک دو۔" گرجتی آواز اس کے حلق سے نکلی۔ پھر اس نے گہری نگاہ چاروں ستونوں کی اوٹ میں اٹھائی۔"میں تین تک گنوں گا...اگر اس کے بعد بھی تم سامنے نہ آئے تو یہ اپنی جان گنواں دے گا۔"

چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ایک ایک کر کے وہ تینوں منظر عام پر آنے لگے تھے۔ایک جیسے کپڑے اور ماسک میں ملبوس وہ تینوں گویا ایک سے دکھتے تھے۔اپنے آدمی کو دیکھتے ہی تینوں نے اپنی اپنی پستولیں زمین کی طرف جھکا دی تھیں۔المیر کے چہرے پر ایک مدھم سے مسکان آن پھیلی۔اس نے پستول ان میں سے ایک کی سمت کرتے پیچھے کھڑے دو اہلکاروں کو ان کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ جبکہ پیچھے کھڑا ایک پولیس آفیسر ایجنٹ ٹو کو پکڑے ہوئے تھا۔

وہ دونوں ایجنٹس کے سر پر آن پہنچے۔ ابھی ایک اہلکار نے ایجنٹ کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ جب سب سے آگے کھڑے ایجنٹ نے پھرتی دکھاتے ہوئے لات ہوا میں اٹھائی اور اہلکار کے منہ کو نشانہ بناتے دے ماری۔ جس سے اس کے منہ سے خون نکلا اور وہ زمین پر گر پڑا۔

یہ تھا سب کا باس۔ ایجنٹ ایلیون۔ جو وار بھی ایسا کرتا تھا کہ سامنے والا گھائل بھی ہو جاتا تھا اور اسے پکڑ بھی نہیں پاتا تھا۔

اتنا اچانک سب کچھ واقعہ ہوا تھا کہ آخر ہوا کیسے؟ کسی کو بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ بازو گھماتے ایک اہلکار کو ایجنٹ سیون نے اپنے نزدیک کیا اور اس کے گلے کے گرد بازو حائل کرتے اُسے اپنے شکنجے میں جکڑا۔ پھر زمین بوس ہوئے اہلکار کے پاس ہی گری اس کی پستول کو پاؤں مارتے ایجنٹ ون نے اُسے اس کی پہنچ سے دور کیا۔ اور پھر اپنی پستول زمین سے اٹھاتے اس کی طرف پھیر دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پولیس کی طرف سے المیر خلیل سب سے آگے کھڑا تھا۔ جس کا جبڑا بھینچا ہوا تھا۔اس نے بنا دائیں طرف دیکھے پستول کا رخ اُس طرف کیا اور اُسے چلادیا۔ جس سے گولی نکلتی ہوئی سیدھی ایجنٹ ٹو کے پیر پر لگی جو کہ بھاگنے کی تیاری پکڑ چکا تھا۔

پھر پستول سامنے کی سمت اٹھی... لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر سکتا۔۔ایجنٹ ٹو کے ساتھ کھڑے اہلکار نے ایجنٹ ون پر گولی چلادی۔ جو کہ سیدھی دل کے مقام پر لگی تھی۔

اس اچانک افتاد پر ایجنٹ سیون نے سب اہلکاروں پر گولیاں کھول دیں۔ جو کہ خود کو بچانے کے لئے ستونوں کے پیچھے چُھپ گئے تھے۔

ایجنٹ ایلیون کا دل ایجنٹ ون کو زمین پر گرے دیکھ کر زور زور سے بھاگا۔ اس نے موقع کو غنیمت جانتے اُسے گھسیٹ کر ایک ستون کے پیچھے کیا۔ اور اس کے چہرے سے نقاب ہٹایا۔ گھائل زدہ شخص کی آنکھیں لال تھیں۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ وہ سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ایک مختصر سی مسکراہٹ ابھی بھی اس کے ہونٹوں پر دائم تھی۔

Clubb of Quality Content

"ایجنٹ... تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ ہم تمہیں بچا لیں گے۔"اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ انہیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔"با- باس..."وہ اس کا خون روکنے لگا تو ایجنٹ ون نے اُسے متوجہ کیا۔"ہاں ہاں؟"

"آ-آپ جائیں۔ میر-میری فکر...نہ کریں۔"ٹوٹے پھوٹے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچے۔ "اور-اور.. میری...بہ-بہن سے..."زور سے آنکھیں میچیں جیسے کوئی درد اچانک اجاگر ہوا ہو۔".. کہئیے...گا کہ...اس کا-کا بھائی...ایک برا انسان نہیں-"

آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ الفاظ رک گئے تھے۔ روح پرواز کر چکی تھی اور جسم بے سُدھ تھا۔ ایجنٹ ایلیون ٹھنڈے فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں اور مٹھی پیشانی پر رکھ لی۔

آٹھ ایجنٹس کی اس ٹیم کی تعداد اب چار ہو چکی تھی۔ ایک نامعلوم شہر میں چھپا ہوا تھا۔ اور ایک اسلام آباد میں عام انسانوں والی زندگی بسر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹریننگ کے وقت خاص حکم دیا گیا تھا کہ اگر کبھی پکڑے گئے تو ٹیم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اور اب ایک جان سے جا چکا تھا۔ جبکہ ایک پولیس کی حراست میں تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہام عرف ایجنٹ ون ایک اکیس سالہ لڑکا تھا۔ جس کے گھر پر صرف ایک عورت تھی جو کہ اس کی بڑی بہن تھی۔ چونکہ یہ گھر سے ہر وقت باہر رہتا تھا۔ اس لئے اس کی بہن کو لگتا تھا کہ یہ آوارہ گردی کرتا ہے۔ وہ اپنی آدھی سے زیادہ زندگی تو اپنی بہن کو یہ ثابت کرتے نکال گیا تھا کہ وہ نکما نہیں تھا۔ وہ غلط انسان نہیں تھا۔ اُسے ذمے داریوں کا احساس تھا۔

وہ اپنا دکھ صرف اپنے باس کے ساتھ بانٹتا تھا۔ اس کے ان حالات سے صرف ایجنٹ ایلیون واقف تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک آخری دفعہ اس کے چہرے کو تکتے اس نے آواز لگائی۔ "ایجنٹ...! بھاگو۔" گولیوں کی کان پھاڑ دینے والی آوازوں کے درمیان شاید ہی پولیس نے اُسے سنا ہو۔

لیکن ایجنٹ سیون بخوبی سن بھی گیا تھا اور سمجھ بھی گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ستون کے پیچھے چھپا ایجنٹ سیون پیچھے کو مڑا۔ ایک نگاہ باس پر ڈالی اور دوسری ساتھ کھڑے ستون کے اِس طرف لیٹے ایجنٹ ون پر۔

ایک آخری گولی چلاتے اس نے پچھلے دروازے کی طرف دوڑ لگائی اور ایجنٹ ایلیون اسی کے ساتھ تھا۔ دونوں باہر آئے تو آگے ایجنٹ فور پہلے سے گاڑی لیے موجود تھا۔ دونوں فوراً سے دروازہ کھولتے گاڑی میں بیٹھے اور ایجنٹ فور نے گاڑی دوڑا دی۔

المیر ایجنٹ ون کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک گہرے سانس کے ساتھ اس نے خود کو زمین کی طرف جھکایا۔ پھر اس کے چہرے کو دیکھا۔ یہ تو صرف ایک لڑکا تھا۔ ایک کم عمر نوجوان۔ سر نفی میں ہلاتے اس نے اُس اہلکار کو دیکھا جس نے اس پر گولی چلائی تھی۔ "کیا کہا تھا میں نے؟ کہا تھا ناں کہ مجھے ایجنٹس زندہ چاہئیں؟"

غصے سے پھنکارا تو اہلکار نے گردن جھکائی۔ "سر.. نشانہ غلط لگ گیا۔" وہ زمین سے اٹھا۔ کپڑے جھاڑے۔ "میرے تھانے میں غلط نشانوں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ کل سے کام پر آنے کی جگہ ٹریننگ پر واپس جاؤ۔ تمہیں ضرورت ہے اس کی۔"

پھر دوسرے اہلکار کی طرف مڑا۔"شناخت کرواؤ اس کی اور پھر دفنا دو اسے۔"

وہ تھانے کے باہر زینوں پر راحم کے ساتھ کھڑا تھا۔جب محمت حاضر ہوا۔"سر، جب ہم ان دو ایجنٹس کے پیچھے گئے تو وہ تو نہیں ملے پر ان کی سمیں مل گئیں۔دونوں ایک ہی جگہ پر مخالف سمتوں میں گری ہوئی تھیں۔یہ ہمیں گمراہ کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔"

Clubb of Quality Content

پھر سلیم نے گفتگو میں حصہ ڈالا۔"سر..اس مرحوم ایجنٹ کا نام وہام ہے۔چھوٹا موٹا الیکٹریشن تھا۔اکثر بجلی کے کھمبوں پر تاریں ٹھیک کرتا ہوا دیکھا گیا تھا۔گھر میں صرف ایک بہن ہے۔تیس سال کی۔باپ کا اس کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا اور ماں کا پانچ سال پہلے۔"

"اور وہ جو ایک ایجنٹ فرار ہے اس کا کیا بنا؟" راحم نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"سر کچھ پتا نہیں ہے اس کا۔ آدمی ابھی بھی اس کی تلاش میں ہے۔"

"اور وہ جو ہسپتال میں ہے؟" اس نے پھر سے ایک سوال کیا۔ "گولی تو نکال لی گئی ہے۔ پر اُسے تیز بخار ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے تم دونوں جاؤ کام پر لگو۔" وہ دونوں نکل گئے تو المیر نے راحم کو دیکھا۔ "مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر یہ ایجنٹس کا ٹولہ چاہتا کیا ہے؟ پہلے انہوں نے میرے گھر پر حملہ کیا اور اب پتا چل رہا ہے کہ جمال کبھی مرا ہی نہیں تھا۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ یہ کیس تو مزید پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ "رمیض کا کیا کریں گے اب؟"

"چاہے دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے..رمیض جیسا کمینہ انسان اب کبھی جیل سے نہیں نکلے گا۔اس سے ابھی حساب برابر کرنا باقی ہے۔" سیاہ رنگ بال پیشانی سے پیچھے کیے۔"اب اُس گھائل ایجنٹ کا کیا کرو گے؟"

"پتا نہیں۔وہ کہتا ہے اُسے اور کچھ نہیں پتا۔ٹھیک ہو گا تو دو دو ہاتھ کر کے اُس سے اگلوانے کی کوشش کروں گا۔لیکن مجھے لگتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"میرا تو دماغ گھوم کر رہ گیا ہے،المیر۔سمجھ میں نہیں آتا کہ ایجنٹ رمیض کے ساتھ ملا ہوا ہے یا جمال کے ساتھ؟اور اگر ایسا ہے بھی تو اُسے تم سے کیا مسئلہ ہے؟"

اُس نے شانے اچکائے۔"اگر نفیسہ باجی کا ہی کیس حل ہو جاتا تو شاید ہم کسی نتیجے پر پہنچ پاتے۔"

"ہاں..میں ذرا ایس ایچ او سے پتا کر لوں کہ مس نفیسہ کے کیس کا کیا بنا۔"

وہ کہہ کر نکل گیا۔

••—•⊘•—••

یہ اسی دن کا منظر تھا کہ رمیض جابر کو چھوٹی جیل سے بڑی جیل میں منتقل کرنے کے انتظامات ہو رہے تھے۔اتنے میں المیر اپنی پستول میز پر رکھتے جیل کے اندر داخل ہوا۔

رمیض کرسی پر بیٹھا تھا۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ لیکن قدموں کی چاپ پر اس نے چہرہ اوپر کیا۔ ا کھیوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے اور چہرہ مرجھایا سا تھا۔ سارا ٹھاٹ باٹ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ سج دھج اور ظاہری رکھ رکھاؤ سے واقعی اس نے کچھ نہیں کمایا تھا۔

یہ وہ شخص تھا جسے لوگوں کی زندگیاں خراب کر کے اپنی زندگی سکھ سے جینے کی عادت تھی۔ جسے پیسہ دکھتا تھا تو پیسے کے آگے ٹوٹے ہوئے دل نہیں دکھتے تھے۔ جسے حرام کھانے کی اتنی لت لگ گئی تھی کہ حلال کا مطلب سرے سے ہی یاد نہیں تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جسے لگتا تھا کہ خدا کبھی اُسے سزا نہیں دے گا۔ جو امیر لوگوں کے آگے پیچھے ہو کر غریبوں کا حق مارتا تھا۔ جسے ہر شے صرف اپنے مطلب کی پسند ہوتی تھی۔ جسے جینے سے غرض تھی اور موت سے بے خبری۔

وہ واقعی بھول گیا تھا کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ وہ بندے کی رسی تب کھینچتا ہے جب بندہ اپنے کارناموں کے باعث عروج پر ہوتا ہے۔ پھر زوال کہاں سے آن اُسے چھوتا ہے، خبر تک نہیں ہوتی۔ جو دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے۔

Clubb of Quality Content

بالکل ایسے جیسے رمیض کو دے کر آزمایا گیا تھا۔ اور اب لے کر آزمایا جا رہا تھا۔

وہ اس کے مدّے مقابل آیا۔ رمیض نے اُسے دیکھنے کے لئے گردن اونچی کی۔ "کیسے ہو، رمیض؟"

وہ اُسے دیکھے گیا۔ پھر مسکرایا۔ "ایسا ہوں کہ اگر ابھی تم مجھے رہا کرو تو میں تمہیں اور تمہاری بیوی کو زندہ دفن کر دوں گا۔"

"میری بیوی تک تو تم پہنچ نہیں پاؤ گے۔ جانتے ہو کیوں؟" رمیض نے ایک ابرو اٹھائی۔ "کیونکہ وہ میری بیوی کسی وجہ سے ہے۔ تمہیں اس تک پہنچنے کے لئے مجھ تک پہنچنا پڑے گا۔۔"

"میرے سلاخوں کے پیچھے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے علاوہ بھی تمہارے اور تمہاری بیوی کے بہت سے دشمن ہیں۔"

"سہی کہا۔ تمہارے بعد ان سب کی بھی باری آئے گی۔ لیکن پہلے میں تم سے نمٹ لوں۔"

ذرا فاصلہ اختیار کرتے اس نے اپنی پینٹ میں سے بیلٹ کھینچ کر نکالی۔ سخت چمڑے والی سیاہ بیلٹ اندھیرے میں بھی چم چم کر رہی تھی۔ جیسے بنی ہی رمیض کو پیٹنے کے لئے ہو۔

Clubb of Quality Content

وہ بیلٹ کو اپنے دائیں ہاتھ کے ارد گرد باندھتا گیا۔ساتھ ساتھ دشمن پر سے نظر نہ ہٹائی۔ بیلٹ کا تھوڑا سا حصہ اس کے ہاتھ سے لگ کر لٹک رہا تھا۔

وہ چند قدم اس تک بڑھاتا گیا۔پھر بنا کچھ کہے بیلٹ ذرا سی ڈھیلی کر کے بازو پیچھے کیا اور پھر شدت کے ساتھ آگے لایا اور زوردار جھٹکے سے بیلٹ نے رمیض کے چہرے پر لال نشان چھوڑا تھا۔

وہ کراہتے ہوئے چلایا۔وہ چیخ سن کے المیر کے پور پور میں ٹھنڈک بس گئی تھی۔روح کو سکون سا مل رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

اس نے پھر سے وہی عمل دوہرایا لیکن اس دفعہ مخالف کندھے پر۔وہ پھر سے چیخا اور نیچے گر گیا۔اس کے نیچے گرتے ہی المیر کی آنکھوں میں آٹھ سال کی اِشفا ابھری۔وہ بھی اُس دن ایسے ہی تھانے کی دہلیز سے باہر گری تھی۔

یہ مار پیٹ وہ اسی کے لئے تو کر رہا تھا۔

وہ اُسے مارتا گیا اور ساتھ ساتھ ایجنٹ ایلیون کے بارے میں پوچھتا رہا۔ لیکن رمیض نے منہ نہیں کھولا تھا۔

پندرہ منٹ تک وہ اُسے لگاتار مارتا گیا۔ جسم پر سرخ نشان اب جگہ جگہ پھیل رہے تھے۔ ایک آخری لات اس کے پیٹ میں مارتے اس نے پسینے میں نہائے اپنے سیاہ گھنگھریالے بالوں کو پیشانی سے پیچھے کیا۔ "میری عورت پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا تمہیں۔"

میز پر رکھا تولیہ اٹھاتے اس نے اس سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ پھر اُسے گردن پر مارا۔ بیلٹ اٹھا کر پینٹ میں لگائی۔ "موقع ملا تو پھر ملاقات ہو گی۔" سنجیدگی سے اُسے دیکھا جو زمین پر شاید حواس کھوئے لیٹا تھا۔

ایک آخری نظر اُس پر ڈالتے وہ جیل سے باہر آگیا۔

راولپنڈی کے علاقے صدر میں وہ دونوں المیر کی بائیک سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔
دونوں ہی آئس کریم کے دو اسکوپ کھا چکے تھا اور اب تیسرے کا آرڈر دیا تھا۔

المیر نے بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی اور راحم نے کریم کلر کی۔اپنی اپنی مصروفیت کی سر گزشت سنانے کے بعد اب راحم نے اصل موضوع کے پہلوؤں کو تھاما تھا۔

"المیر...ایک بات کہوں تم سے ؟"المیر نے اُسے حیرت سے دیکھا پھر مسکرایا۔"ایک کیوں؟دو کہو۔"وہ اس کی بات پر مسکرانا تو چاہتا تھا پر بات کا موضوع ایسا تھا کہ اس کا دل نہیں چاہا۔

"سات تاریخ کو ہوئے قتلوں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"سات تاریخ..؟سات کو نفیسہ باجی کا قتل ہوا تھا اور اب سعید غنی کا۔ابھی کیس کی تحقیق۔"
وہ اس کی بات کاٹ گیا۔"میں ان کی بات نہیں کر رہا.."

"اوہ.. تم امین فیملی کی بات کر رہے ہو۔"

"ہاں پر صرف وہی نہیں۔اور بھی قتل ہوئے ہیں اس مخصوص تاریخ کو۔"

"ہاں اُس طرح سے دیکھا جائے تو اب تک ستر سے زائد ہوئے ہوں گے۔"

"المیر... میں سعید غنی کا کیس اسٹڈی کر رہا تھا۔جب مجھے نفیسہ کے قتل کی تاریخ یاد آئی۔ حیران کن طور پر دونوں کی تاریخیں ایک ہی تھیں۔پھر میں نے کچھ سوچ کر سارے وہ قتل دیکھے جو سات کو ہوئے تھے۔امین فیملی کے علاوہ دو اور قتل ایسے ہیں جو سات کو ہوئے ہیں۔ جن کا ان سے گہرا تعلق ہے۔"

المیر نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔چہرے کو پیچھے پھینکتے آسمان پر نظریں ڈالیں۔

"تمہارا اشارہ عامر علی اور شمسہ نور کی طرف ہے، ہے ناں؟"

راحم نے چونک کر اُسے دیکھا۔"تم شمسہ نور کے قتل کے بارے میں جانتے ہو؟"

"ہاں۔صرف اتنا ہی نہیں۔میں ان کو بہت اچھے سے جانتا ہوں۔یعنی جانتا تھا۔"

"لیکن کیسے؟"

"وہ ایسے کہ..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

دو جنوری ۲۰۱۷

بھورے گُھنگریالے بالوں کی اونچی لمبی پونی بنائے سر پر ڈھیلا سادوپٹہ لئے وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔گہرے گلابی رنگ کا بیگ ہمیشہ کی طرح اس کے کندھے سے لٹک رہا تھا۔رکشے کو ڈبل روڈ کے اُس پار روکتے وہ اس میں سے اتری۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

محتاط آنکھیں ہر طرف گھمانے کے بعد سڑک پار کر کے ایک اونچی سُرمئی عمارت کے باہر ایستادہ ہوگئی۔ بالوں میں سے نکلتی ایک لِٹ مسلسل اُس کے چہرے پر جھول رہی تھی۔ چہرہ دودھیا رنگت کا حامل تو بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ شہد رنگ آنکھیں اتنی بے چین دکھتی تھیں کہ گویا کتنے ہی ذہنی دباؤ کا شکار ہوں۔

بیگ کے پٹے کو کس کر پکڑتے وہ اُس عمارت کے اندر داخل ہوگئی جو کہ ایک جانامانا ہسپتال تھا۔ وہ اچھی طرح باخبر تھا کہ اِشفا امین ادھر ہر دو ہفتوں کے بعد آتی ہے۔ اوقات ایک سے تھے بس تاریخیں تھیں جو بدل جاتی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اپنی بائیک کے ساتھ پشت ٹکائے دو گھنٹے تک اس کے نکالنے کی تاک میں رہا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر آئی اس نے بائیک اسٹارٹ کی اور اس کے پیچھے پیچھے جاتا رہا۔ وہ سڑکیں بدل لیا کرتی تھی۔ اگر رکشے پر آتی تو رکشہ اچانک سے بیچوں بیچ سے غائب ہو جاتا۔ پیدل ہوتی تو آنکھ جھپکتے ہی گم ہو جاتی۔

جیسے ابھی ہوئی۔رکشہ گلیوں میں سے گزر رہا تھا۔اس کی بائیک بھی پیچھے پیچھے ہی تھی کہ اچانک رکشہ دائیں جانب بنی تنگ سی گلی میں گیا اور غائب ہو گیا۔اس نے بائیک وہیں کھڑی کر دی۔آنکھوں پر کالا چشمہ اور چہرے پر کالا ماسک لگاتے وہ گلی میں بڑھنے لگا۔گلی ایک دم سنسان تھی۔

کہیں سے کسی گھر کی پانی کی موٹر چلنے کی آواز آ رہی تھی۔اس کے علاوہ اس کے کانوں سے کسی بھی دوسری آہٹ کا گزر نہیں ہوا تھا۔

اب اس سے آگے یا تو گلی سیدھی جا رہی تھی یا دائیں طرف ایک اور گلی میں نکل رہی تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ سیدھا چلتا گیا۔چلتا گیا۔جب اچانک کسی نے اُسے اس کی سیاہ شرٹ سے کھینچا۔اور اتنا زور سے کھینچا کہ اُس کا دماغ کچھ سیکنڈز کے لیے ہل کر رہ گیا۔

دیوار سے لگاتے ایک چھوٹا سا چاقو اس کے حلق پر رکھا۔شہد مائل آنکھیں کالے چشمے پر جا ٹھہریں۔"خبردار جو چیخے...!زبان کھینچ لوں گی۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ چشموں کے اندر سے پلک جھپکتے بار بار اُسے دیکھ رہا تھا۔ حیرت سے۔ پریشانی سے۔ تعجب سے۔

"کون ہو تم اور کیوں کرتے ہو میرا پیچھا؟" چاقو پر اپنی انگلیوں کا تھوڑا سا زور ڈالتے اُس نے دوسرے ہاتھ سے اُس کا ماسک کھینچنا چاہا جب المیر کے ایک ہاتھ نے اُس کے ہاتھ کو زور سے جکڑ لیا۔

وہ اُسے کیا بتاتا؟ نہیں.. کیا کیا بتاتا؟ کہ وہ اُس کا تعاقب پچھلے چار سالوں سے کر رہا تھا؟ جب سے اس کی ماہرِ امراضِ نفسی شمسہ نور نے خلیل محمد کو اس بات سے باخبر کیا تھا کہ اِشفا مین خودکشی کا ارادہ رکھتی ہے۔

پہلے جب اسکول جاتا تھا تو ایکسٹرا کلاس کا بہانہ بنا کر اسلام آباد سے راولپنڈی جانے والی بس پکڑ لیتا۔ اِشفا اور مہوین مختلف اسکولوں میں تھیں۔ مہوین کا اسکول چند قدم کی دوری پر تھا۔ لیکن اِشفا کو آنے جانے میں آدھا گھنٹا لگ جاتا۔ وہ تین بجے گھر پہنچتی اور وہ تب تک اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا تھا۔ تحفظ کے لیے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُسے محفوظ رکھنا اس کی زندگی کا سب سے پہلا فرض بن چکا تھا۔وہ اپنے فرائض سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔

اکثر بارش کی وجہ سے وہ دونوں بھیگ جاتے تھے۔وہ تھی کہ چھتری لاتی نہیں تھی۔المیر تھا کہ لاتا تو تھا پر اپنے اوپر لیتا نہ تھا۔لے کر کرتا بھی کیا؟اُسے یہ ہر گز گوارا نہ تھا کہ وہ بھیگتی رہے اور یہ قطروں سے دوری برتی رکھے۔

اس کے لئے اپنے جذباتوں کو وہ ہمیشہ سے انسانیت کا چولا پہنا دیا کرتا۔کہ اس ناطے سے اس کے کام آرہا ہوں۔

دیکھتے دیکھتے اسکول ختم ہو گیا۔وہ کالج جانے لگا پر اشفا ابھی بھی سکول میں تھی۔کالج کی پڑھائی سخت تھی۔سکول میں تو جیسے تیسے کر کے کام چلا لیتا تھا پر کالج میں روٹین کٹھن ہونے لگی۔

اتنی کہ وہ مشکل سے ہفتے میں صرف دو دفعہ اس کی خبر رکھ پاتا۔ دو دن ہی سہی پر اُسے تسلی تو ہوتی کہ وہ لڑکی زندہ ہے۔ اس نے کچھ بھی غلط اپنے ساتھ نہیں کرلیا۔

وقت جیسے جیسے گزرتا گیا المیر یونیورسٹی کی دہلیز پر آن پہنچا۔ وہ کالج جانے لگی۔ اب تو اس کے پل پل کی خبر رکھنا اور بھی آسان ہو گیا تھا۔ وہ جو پچھلے چند سالوں سے ہر مہینے بعد شمسہ نور کے پاس آتی تھی اب ہر دو ہفتے بعد آنے لگی تھی۔

اُسے اندیشہ تھا کہ کہیں ذہنی دباؤ بڑھ نہ رہا ہو۔ کیونکہ دنیا نے اُسے بہت ذلیل کیا تھا۔ گھر میں آگ لگنے کا الزام جیسے ہی اس پر آتا گیا ویسے ہی ہر جگہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ ٹی وی سے لے کر اخباروں تک سے ہر کوئی جان گیا تھا۔

اکثر لوگ مذاق مذاق میں اُس واقعے کا حوالہ دے دیتے تو المیر کو شدید غصہ آتا۔ دل کرتا اگلے کا منہ توڑ دے۔ ہر گلی محلے میں سب اپنے بچوں کا خاص خیال رکھنے لگے تھے کہ کل کو اِشفا امین جیسے نہ بن جائیں۔

اکثر وہ دیکھتا تھا کہ اشفا اسکول سے گھر تک آنے والی جس جس گلی سے گزرتی تھی وہاں کبھی ماچسوں کا پہاڑ بنا ہوتا تو کبھی کوئی آگ جلاتے اُسے تنگ کرتا۔

کچھ مہینوں تک تو المیر صرف اندازہ لگاتا رہا کہ یہ سب کر کون رہا ہے۔ پھر ایک دن وہ بچوں کا ٹولا پکڑا گیا۔ اس نے ان سب کو اتنا مارا تھا کہ وہ پھر کبھی وہاں نہیں دیکھے گئے تھے۔

آہستہ آہستہ لوگ بھولنے لگے تھے۔ زمانہ آگے بڑھ رہا تھا پر اِشفا کے ذہن پر سے وہ نقش ہوئی باتیں اور واقعات نہیں جا پا رہے تھے۔ خلیل محمد سے ہوئی شمسہ نور کی اُس گفتگو سے یہ چیز واضع تھی۔

Clubb of Quality Content!

حال کی طرف بڑھیں تو وہ اس کے ہاتھ کو چھوڑتے فوراً اس کی کلائی تھام گیا۔ اُسے جھٹکا دیتے پیچھے کیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ وہ اپنے آپ کو بے نقاب نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ لڑکی شرمندہ ہو۔ یہ جان کر کہ المیر اس کی حالت سے واقف تھا۔

چند مہینوں بعد دسمبر کی ایک سیاہ رات

شام کے چھ بج رہے تھے۔وہ کالج سے نکلی تو رکشہ میں بیٹھ کر گھر جانے کی جگہ کہیں اور کے لئے نکل لی۔المیر کا آج اس پر نظر رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔وہ کچھ ہی دیر پہلے اپنا آخری پرچہ دے کر نکلا تھا۔دل کیا کہ آج جانے دے۔آج نہ جائے۔لیکن وہیں دل بہت پریشان سا بھی تھا۔چہرے پر بار بار پسینہ آن ٹھہرتا۔وہ بار بار رومال سے چہرہ صاف کرتا۔

طبیعت ناساز تھی۔پر دل کو کیسے سمجھاتا؟سو اس نے ارادہ کیا کہ آج اُس کے پیچھے چلا جائے گا اور کل گھر پر آرام کرلے گا۔خود سے ایک سال آگے اپنے دوست راحم کو خبر کرتے وہ یونیورسٹی سے نکل آیا تھا۔

اب اس کی بائیک رکشہ کا تعاقب کررہی تھی۔حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ رکشہ ٹیکسلا کی اور جارہا تھا۔رکشہ کی پشت پر بنے بڑے سے گول دائرے سے صاف دکھ رہا تھا کہ اندر بیٹھی مسافرہ اپنے ہوش وحواس میں ہے۔

Clubb of Quality Content

تو جب وہ ہوش میں تھی تو ٹیکسلا کیوں جا رہی تھی؟ وہ فوراً محتاط ہوا تھا۔ پندرہ منٹ مزید رکشہ چلتا چلتا خان پور میں کچھ فاصلے پر رک گیا۔ یہاں اکثر المیر آتا رہتا تھا۔ خان پور ڈیم صاف پانی، کشتی کی سواری اور دیگر اور وجوہات کے باعث بہت مشہور تھا۔

خان پور کے راستے میں ہی ایک پل تھا۔ جس کی دائیں اور بائیں دونوں طرف پانی تھا۔ وہ سیاہ فراک میں رکشہ سے اتری۔ رکشہ کچھ ہی پلوں کے بعد وہاں سے نکل گیا۔ المیر نے بائیک ایک جگہ کھڑی کر دی۔ حیرت کی بات تھی کہ وہ اس جگہ کیوں اور کیا کرنے آئی تھی؟

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اسی لمحے المیر کا فون بجنے لگا۔ فون کو کان کے ساتھ لگاتے وہ اُسے پُل پر آگے کی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ "ہیلو؟"

"المیر.. کہاں ہو تم؟" خلیل محمد کی کانپتی ہوئی آواز آئی۔ "میں.. وہ.. ایک کام تھا۔ کیوں خیریت؟"

"زینوں سے گر گئی ہے۔اس کے سر۔سر..پر۔"اس نے رخ دوسری طرف کرلیا۔شاید یہاں سیگنل کا کچھ مسئلہ تھا۔"کون۔۔آپ کس کی بات کررہے ہیں؟"

"میں۔آ۔ما..."

"بابا آواز نہیں آرہی آپ کی۔"مقابل کچھ کہہ رہے تھے۔لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔اس کا دھیان اس لڑکی کی طرف تھا جو پل کی دیوار پر کھڑی تھی۔

اس کا سانس بے ترتیب ہوا۔اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا وہ بھاگ پڑا۔اس کے پیروں کی رفتار بڑھتی جارہی تھی پر اس کے دل کی رفتار کی تو کیا ہی بات تھی۔سر میں اٹھتی ٹیسوں اور جسم سے اٹھتے درد کو نظرانداز کرتے وہ بس بھاگی جارہا تھا۔

"آئمہ کی حالت بہت خراب ہے۔جلدی آؤ المیر۔"

آخر کار انتظار کی گھڑی ختم ہوئی تھی۔ لیکن جب تک وہ مطلوبہ جگہ پر پہنچا تھا تب تک وہ وہاں کہیں نہیں تھی۔ اس نے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس کے قدم زنجیر ہوئے۔ نظریں نمی کو تھامنے لگیں۔ آنکھ سے ایک آنسو بہہ نکلا۔

وہ بھاری قدموں کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ دیوار پر ہاتھ رکھ کر نیچے دیکھا۔ کہاں تھی وہ؟ دکھ نہیں رہی تھی۔ سورج ڈھل رہا تھا۔ ایسے میں اُسے اوپر سے ڈھونڈھنا ویسے ہی بے کار ہوتا۔

اس لئے وہ بھی اس کے پیچھے کود گیا۔ پانی کے اندر جاتے ہی اس نے چہرہ باہر نکالا۔ وہ تیرنے میں مہارت رکھتا تھا۔ سیاہ گھنگریالے بال اس کی آنکھوں میں جا رہے تھے۔ ان سے نکلتے قطرے اس کے رخسار کو ٹھنڈک پہنچا رہے تھے۔

بخار سے لتپت وہ ٹھنڈے ٹھار پانی میں صرف اس کے لئے کود گیا تھا۔ کیونکہ اس کے بقول وہ انسانیت کا رشتہ نبھا رہا تھا۔ جو کہ اُسے بہت عزیز تھا۔ اپنی جان سے بھی زیادہ۔

نظر ہر طرف ڈالی پر وہ کہیں نہیں دکھی۔ پھر چہرہ بائیں طرف کر لیا۔ وہیں پانی کے کنارے وہ اُسے نظر آئی۔ سیاہ فراک۔ سیاہ دوپٹہ۔

وہ تیز تیز ہاتھ چلاتا اس تک گیا۔ پانی سے باہر نکل کر اُسے بھی اپنے ساتھ ہی کھینچ لیا۔ جب وہ مٹی پر آئی تو اُس نے اُس کی کلائی سے نبض پر کھی۔ نبض نہیں چلی رہی تھی۔

دل تھا کہ کسی نے پیروں تلے روندھ دیا تھا۔ جان تھی کہ کوئی ریزہ ریزہ کر کے نکال رہا تھا۔ وہ کیا کرتا؟ اُسے کیسے اٹھاتا؟ اس کی کلائی تھامے تھامے ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ انگھوٹے کے نیچے وہ نبض پھڑکنے لگی۔ زور زور سے۔

وہ زندہ تھی۔ یا اللہ۔ اس نے جیب سے فون نکالا جو کہ گیلا ہو چکا تھا۔ ایک دو بار اس کو ہاتھ پر مارتے چلانے کی کوشش کی۔ جب چل پڑا تو ایمبولینس کو کال ملا دی۔

کال بند ہوئی تو اس کا فون بجنے لگا۔ "المیر کہاں ہو تم؟ تمہاری ماں کی حالت کتنی خراب ہے۔ کچھ اندازہ ہے تمہیں؟"

Clubb of Quality Content

"میں نہیں آسکتا بابا۔" سیگنل کی کمزوری کی وجہ سے کال کٹ گئی تھی۔

اُسے ہسپتال میں آج دو دن ہو گئے تھے۔ وہ اب کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی۔ مہوین اس سے ناراض تھی۔ بہت زیادہ۔ پر اتنا ہی اس کا خیال بھی رکھ رہی تھی۔ ان دونوں بہنوں کی آنکھوں کے نیچے سیاہ ہلکے پڑ چکے تھے۔ اِشفا کے سر پر چوٹ آئی تھی۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

"آپی آپ جانتی ہیں آپ کو کس نے بچایا؟" وہ اس کی خیریت معلوم کرنے آج پورے دو دنوں کے بعد ہمت جمع کر کے آیا تھا۔ دماغ کہتا تھا کہ نہ جائے۔ لیکن کیا کرتا؟ دل کے ہاتھوں مجبور جو تھا۔

انہیں بات کرتے دیکھ وہ وہیں باہر کھڑا ہو گیا۔ مہوین کی ہلکی سی جھلک سے ہی اُسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی وہی ہو گی۔ "نہیں۔ کس نے؟"

"المیر بھائی-"اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتی اِشفا فوراًاُس کی بات کاٹ گئی۔"ان کا یہاں کیا ذکر؟ کتنی بار کہا ہے ان کا نام میرے سامنے مت لیا کرو۔ نفرت کرتی ہوں میں ان سے اور ان سے جڑے ہر شخص سے۔"

نفرت۔اتنا بڑا لفظ۔یہ لفظ ایک تیز دھار تیر کی مانند اس کے سینے کے آر پار ہوا تھا۔وہ اس کا نام تک نہیں سننا چاہتی تھی۔اور وہ تھا کہ اپنی زندگی کے کئی سال اس کے پیچھے گنواں چکا تھا۔ ہر پل ہر لمحہ اس کی خبر رکھتا تھا کہ کہیں وہ خود کے ساتھ کچھ غلط نہ کر بیٹھے۔

Clubb of Quality Content!

وہ اتنی ہٹ دھرم اور سنگ دل تھی کہ اُسے المیر کی موجودگی تو دور اس کے ذکر سے بھی نفرت تھی۔وہ اس سے نفرت کیسے کر سکتی تھی؟

المیر کو لگا تھا کہ بچپن میں کہے الفاظ کہ وہ اس سے نفرت کرتی ہے بڑے ہوتے ہی بدل جائیں گے۔وہ سب بھول جائے گی۔ لیکن اس کا اندازہ غلط نکلا تھا۔

سُرمئی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور اس کے سرخ ہوتے رخسار پر گر پڑا۔ کسی نے جیسے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اس کا سینا جل رہا تھا اور ہاتھ اس طرح تپ رہے تھے کہ اگر کوئی ابھی آ کر اس کے جسم کی حرارت پرکھتا تو بخار ایک سو تین سے نیچے نہ ہوتا۔

یہ حقیقت کہ وہ لڑکی اس سے نفرت کرتی تھی کلیجہ کاٹ دینے والی تھی۔ اُسے آج تک دنیا کہ کسی بھی انسان کے خود کو لے کر جذبات سے فرق نہیں پڑا تھا۔ لیکن آج.. فرق پڑا تھا اور اثر بھی ہوا تھا۔ بہت گہرا اثر وہ بھی سیدھا اس کے ذہن پر۔

اگر وہ اس سے نفرت کرتی ہے تو ٹھیک ہے۔ وہ آج کے بعد اسے اپنی شکل تک نہیں دکھائے گا۔ بھاڑ میں گیا انسانیت کا رشتہ۔ ہر چیز آگ میں جھونک دی تھی اس نے۔ ٹھیک اسی آگ میں جس میں اس کا دل جل رہا تھا۔

اگر وہ نفرت کی طلب گار ہے تو اُسے آج سے المیر خلیل سے صرف نفرت ہی ملے گی۔

آنسو کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے وہ مہوین کے کمرے سے باہر آنے سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔

"لیکن آپی۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی رخ دوسری طرف کر کے لیٹ گئی تھی۔

حال

"اُسے لگتا ہے میں نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا.. اُسے لگتا ہے میں بے وفا ہوں۔ مجھے رشتے نبھانے نہیں آتے۔ کیا میں بے وفا ہوں، یار؟" اس نے اداس سی مسکراہٹ لئے مقابل کو دیکھا۔

"تم نے اس کے پیچھے پل سے چھلانگ لگادی.. تم کچھ بھی ہو سکتے ہو، میرے دوست.. بے وفا نہیں ہو سکتے۔" سُرمئی آنکھیں جواب پر مسکرائیں۔ "تم نے اُسے بتایا کیوں نہیں کہ اُسے تم نے بچایا تھا اُس روز؟"

اُس نے شانے اٹھائے۔ "کیا بتاتا؟ وہ مجھ سے اتنی تنفر تھی۔ مجھے دیکھنا تک نہیں چاہتی تھی۔ اور اگر بتا بھی دیتا تو وہ یقیناً مجھ سے سوال کرتی کہ میں نے اُسے کس حق سے بچایا تھا؟ تو کیا کہتا.. "

"میرا بھی تم سے یہی سوال ہے۔ایک طرف تم کہتے ہو کہ تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔ اور دوسری طرف اس کے لئے جان دے بھی سکتے ہو اور لے بھی سکتے ہو۔"

"اس کے میرے نکاح میں آنے سے پہلے تک تو میں نہیں جانتا تھا کہ میں نے اس کے لئے وہ سب کیوں کیا۔ لیکن اب میں اس کے لئے سب کچھ اس لئے کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس کے لئے سب کچھ کرنا اچھا لگتا ہے۔"

"تمہیں محبت ہو گئی ہے.. بس تم اعتراف نہیں کرتے..." اس نے تاسف سے سر ہلایا۔

"کچھ محبتیں اظہار نہیں مانگتیں... عزت مانگتی ہیں۔ مجھے محبت کے لئے الفاظ کی نہیں... اُسے دیکھنے کی ضرورت ہے۔"

راحم مسکرایا۔ دیر آئے درست آئے۔ مزید کچھ دیر بیٹھ کر وہ اس موضوع کو لئے اُسے چھیڑتا رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ابھی تو پیر کا دن چڑھا تھا کہ ساتھ ہی ہفتے کا اختتام پر کٹ ہو گیا۔ وہ بروز اتوار یونیورز کی عمارت کے باہر لگے بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چہرہ تھکا تھکا تھا اور آنکھیں سوجی ہوئیں۔

صبح سے اتنا کام کر چکی تھی کہ اگر دو سیکنڈ بھی مزید لیپٹاپ کی اسکرین کو گھورتی تو اسکرین توڑ دیتی۔ چند منٹ کے لئے کھلی فضا میں سانس لینے کی غرض سے وہ کافی کا مگ اٹھائے یہاں آن بیٹھی تھی۔

گہری سوچ میں مبتلا وہ کسی آرٹیکل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جب کوئی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان میں جکڑا مگ لے لیا گیا۔ اس نے پہلے اپنے خالی ہاتھ کو دیکھا۔ کس نے دوپہر کو اپنی شامت کو کھلی دعوت دی تھی؟

چہرہ موڑا تو اُسے اپنے ساتھ بیٹھے پایا۔ موڈ اس قدر اکھڑا ہوا تھا کہ اس نے سلام تک کرنا گوارا نہیں کیا۔ "واپس کریں جلدی سے۔"

اس پر تو جیسے اس کی بات کا اثر ہی نہ ہوا۔ دھیرے سے مگ ہونٹوں سے لگایا۔ "اوہوں... بہت میٹھی ہے۔"

"مگ واپس کریں ورنہ میں کچھ الٹا سیدھا بول دوں گی۔ میرا موڈ پہلے ہی بہت خراب ہے۔"

وہ ذرا سا پیچھے ہوا۔ پشت ٹکائی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اچھا ایک شرط پر دوں گا۔" اس نے اُس کے چہرے کو کن اکھیوں سے دیکھا۔" کیسی شرط؟"

"بولو المیر خلیل میرا شوہر ہے اور سب سے اچھا ہے۔" مسکراتو یوں رہا تھا جیسے مُقابل اگلے ہی لمحے بول دے گی۔

"آپ میرے شوہر نہیں ہیں اور اچھائی کا مادہ تو آپ میں بالکل بھی نہیں۔" المیر نے آنکھیں چھوٹی کر کے اُسے دیکھا۔" ٹھیک ہے مت بولو۔میں بھی نہیں دوں گا مگ۔"

Clubb of Quality Content

اشفا کو اس کی بات پر شدید غصہ آیا۔ہاتھ بڑھا کر کپ کو ایک طرف سے تھام لیا۔دوسری طرف سے اس نے تھام رکھا تھا۔مگ ابھی بھی گرم تھا۔اس نے اُسے اپنی طرف کھینچا جب اچانک کافی باہر آگئی اور سیدھی المیر کی شرٹ پر گر گئی۔

اُسے جلد جلتی ہوئی محسوس ہوئی تو وہ بینچ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ شرٹ کو سینے سے دور کرتے اُس نے سسکی بھری۔ وہ جو دنگ سی کبھی مگ کو تو کبھی اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی.. فوراََ اٹھی۔ شرمندہ شرمندہ سی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"سوری سوری.. پتا نہیں کیسے.." اُسے سمجھ نہ آیا کہ کیا کرے۔ سُرمئی آنکھیں اُس کے چہرے پر اُٹھیں۔ آنکھوں میں پانی لئے وہ دونوں لبوں کو آپس میں پیوست کیے ہوئی تھی جیسے ابھی رونے لگے گی۔

ہاں یہ اس کی ٹانگ کھینچنے کا اچھا موقع تھا۔ "تمہاری میرے ساتھ کوئی دشمنی ہے کیا؟ جب دیکھو مجھے تکلیف پہنچاتی رہتی ہو۔ میں جتنا پیار سے پیش آتا ہوں۔ تم اتنا ہی میرا دل دکھا دیتی ہو۔"

"میں نے جان کر نہیں کیا۔ غلطی سے ہو گیا..." دھیمی آواز حلق سے نکلی۔ وہ جانتا تھا وہ خود پر قابو کیے ہوئے تھی ورنہ کسی بھی پل اس نے رونے لگنا تھا۔

"جان کر ہی کیا ہو گا۔ آخر کو میں تمہارا دشمن جو ٹھہرا۔" مقابل نے گردن جھکا رکھی تھی۔ بچوں کی طرح۔ المیر کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ لیکن نہیں... ابھی ہار نہیں مانی المیر۔

"میں کیا آپ کو اتنی بری لگتی ہوں کہ جان کر کسی کو نقصان پہنچاؤں گی؟" چہرہ اب بھی جھکا ہوا تھا۔ لہجہ بہت نرم اور شرمندہ سا تھا۔

"کسی کو نہیں.. صرف مجھے۔ میں تمہیں نہیں پسند۔ بابا کے اسرار پر مجھ سے شادی کر لی تھی ناں تم نے۔ شاید اسی لئے..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"انکل کے اسرار پر؟ جی نہیں...! میں نے خود انکل سے کہا تھا کہ مجھے آپ سے شادی۔" طیش میں آتی وہ بولتی چلی گئی جب اچانک زبان کو بریک لگی۔ جو نہیں بولنا تھا وہ منہ سے نکل گیا تھا۔ زبان کو دانتوں کے درمیان دباتے اس نے آنکھیں میچیں۔

طوفانی رنگ آنکھوں میں سوال ابھرا۔ پھر ایک کے بعد ایک لگاتار سوالوں کا عکس نمایاں ہونے لگا۔اس بات کی خبر تو اُسے آج تک خلیل محمد نے نہ ہونے دی تھی۔ "ایک منٹ.. ایک منٹ...یعنی تم نے مجھے منتخب کیا تھا؟"

اس نے تھوک نگلا۔ جس بات کے بتانے سے انکل کو منع کیا تھا۔آج خود ہی زبان پر آگئی تھی۔ایک تو اس کی زبان۔ "نہیں! میں کیوں آپ کو منتخب کروں گی؟ آپ میں کون سا ہیرے موتی لگے ہیں۔"

"بات مت گھماؤ۔ سچ بتاؤ۔ اگر جھوٹ بولا تو فوراً جھوٹ پکڑ لوں گا۔ آخر کو ایک کاپ ہوں..."

"کاپ ہوں گے اپنے تھانے میں۔ میں بیوی ہوں آپ کی..! مجھ پر آپ کی تھانے داری نہیں چل سکتی!"

ناولز کلب

اس نے اونچا سا قہقہ لگایا پھر اُسے دیکھا۔"ابھی چند منٹ قبل ہی کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ مجھے شوہر نہیں مانتا۔۔؟"

"دیکھیں میرے ساتھ زیادہ فری ہونے کی کوشش مت کریں۔"شہادت کی انگلی اٹھا کر مقابل کو دھمکی دی۔

"کسی اور سے زیادہ بات کرتا ہوں تو ناراض ہو جاتی ہو۔اپنے ساتھ فری ہونے نہیں دیتیں.. آخر میں معصوم جاؤں تو جاؤں کہاں؟"ہونٹ باہر نکال کر اس کو معصومیت سے دیکھا۔

"اٹھیں اور کام پر جائیں۔"ہاتھ سے بائیں طرف اشارہ کیا تو المیر نے اداسی چہرے پر سجالی۔
"آپ جیسے دو چار معصوم اور ہوئے تو معصومیت خودکشی کر لے گی۔"

وہ دھیرے سے ہنسا۔پھر مزید تنگ کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے سکون سے بیٹھ کر اُس نے گفتگو کو لبریز کر دیا۔

Clubb of Quality Content

Brick built homes with weakened roofs,
Hidden murders but lack of proofs,
There lies a blue hat and a dim torch,
No cars, no bikes and no dusty porch.

جولائی کی سات تاریخ چڑھی ہی تھی۔رات کا ایک بج رہا تھا۔یہ راولپنڈی کا وہ مخصوص علاقہ تھا جہاں صرف نچلا طبقہ قیام کرتا تھا۔مٹی کے گھر اور ایک باریک سی نتھنوں کو الجھن میں ڈالنے والی بدبو ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی۔

وہیں ایک گھر کے اندر خون کی ندی بہہ کر اپنا راستہ بناتے ہوئے گھر کے دروازے سے ہوتی، تنگ سی نالی کو منزل بنا رہی تھی۔مقتول ایک پکے رنگ کا ادھیڑ عمر شخص تھا۔جس کی سفید داڑھی رات کی روشنی میں بھی چمک رہی تھی۔

اس کی گردن کے گرد رسی کے نشان تھے۔آنکھیں دم گھٹنے کے باعث کھلی ہوئی تھیں۔چہرہ اور ہاتھ نیلے تھے۔یہ ایک معمولی ساگارڈ تھاجو جگہیں بدل بدل کر نوکریاں کیا کرتا تھا۔

گھر کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔آسمان گہرے سرخ رنگ میں مبدل ہو چکا تھا۔ہوائیں تنگ تنگ سی تھیں۔تب ہی احسان کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

سورج جیسے ہی نکلا ویسے ہی راحم رضا احمد سفید شلوار قمیض میں جائے مرگ پر کھڑا تھا۔اس کے چار سو اہلکاروں کی بھیڑ تھی۔گھر کی دہلیز پر صحافیوں کا رش تھا۔وہ گھر کی ایک ایک چیز کو الٹ الٹ کر دیکھ رہا تھا۔ہر ایک شخص سے تحقیق کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر ٹھہرا تھا کہ مقتول کی کسی سے بھی کوئی دشمنی نہیں تھی۔حال فلحال میں بھی وہ سکون سے گزر بسر کرتا تھا۔

ہر چیز کو ٹھیک سے محک میں لانے کے بعد وہ دروازے کی اور چل پڑا جہاں شور ہی شور پھیلا تھا۔ "کیا مسئلہ ہے؟ چلانا بند کریں اور ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔" یہ شاید پہلی مرتبہ تھی جب لوگوں نے اے ایس پی صاحب کو غصے میں دیکھا تھا۔

"سر میرے دوست کو کس نے مارا؟" ایک شخص لوگوں کی بھیڑ سے ہوتا ہوا آگے آیا۔ "پتا چل جائے گا۔ صبر رکھیں۔" اس نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔

"میرے دوست کے پاس تو ایسا کچھ تھا بھی نہیں کہ چوری ہو سکتا۔ پھر کوئی کیوں لے گا اس کی جان؟" نووارد کی آنکھوں سے ایک آنسو نکلا۔ راحم نے شانے اٹھائے۔ "یہ بھی پتا چل جائے گا..." پھر لوگوں کے ہجوم پر نظر ثانی کی۔ "...کیا کسی کو علم ہے کہ مقتول اپنے گھر پر کوئی ایسا سامان رکھتے تھے جو کہ چوری ہو سکے؟"

سب نے سر نفی میں ہلایا لیکن ان کا دوست گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ "ایک چیز ہے جو کہ بہت قیمتی تھی۔" اس نے ایک قدم گھر کے اندر رکھتے راحم سے اجازت طلب کی تو اس نے

جانے دیا۔ وہ ایک مخصوص الماری کے سامنے آن رکا۔ اس کے پٹ کھولتے اس نے اس میں سے ایک سیاہ رنگ کی ڈبی نکالی۔ پھر راحم کے نزدیک آیا۔

"اے ایس پی صاحب اس میں ایک سفید گول موتی والی انگھوٹی ہمیشہ موجود رہتی تھی۔ وہ انگھوٹی دراصل احسان کی مرحومہ بیوی کی تھی۔ جو کہ کم از کم لاکھ دو لاکھ کی تو ضرور ہو گی۔" راحم نے اس کے ہاتھ سے اُسے لے لیا پھر اُسے اچھی طرح چیک کیا۔

"احسان کے آگے پیچھے کوئی اور رشتے دار نہیں تھا کیا؟" سینے کے آگے ہاتھ باندھے پھر گردن ذرا سی ترچھی کر کے مقابل کی زبان سے جواب نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ "سر اس کی ایک چھوٹی بہن ہے۔ آج ہی صبح جب اس نے اس کی موت کی خبر سنی تو بے ہوش ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر پہلے اُسے ہسپتال لے جایا گیا ہے۔"

سر کو ہلایا، پھر ڈبی کو اویڈنس بیگ میں ڈالتے اُس نے ایک آخری نظر اس شخص پر ڈالی۔

"احسان کی کبھی کسی سے کوئی دشمنی رہی ہو؟" قوی ہسپتال والے بستر کے پیروں والے حصے پر لگے میز کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ بستر پر لیٹی ہوئی خاتون کوئی اور نہیں بلکہ احسان کی چھوٹی بہن ثمینہ تھی۔

"نہیں.. میرے بھائی بہت اچھے انسان تھے، صاحب۔ وہ کبھی کسی سے بحث تک نہیں کرتے تھے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ نکل رہے تھے۔ لب خشک تھے۔

"شروع سے گارڈ ہی کی نوکری کرتا تھا وہ؟" اس نے سر ہلایا۔ "حالات چاہے جتنے بھی دشوار ہوں.. اس نے کبھی بھی غلط کام کرنے کا خیال اپنے ذہن میں ہرگز بھی نہیں آنے دیا۔"

اب اس کمرے سے باہر کی طرف اپنے قدم بڑھائیں تو ہمیں راحم رضا احمد ثمینہ کے گھر والوں سے زیرِ گفتگو دکھائی دیں گے۔ وہ سوالات کرنے کے بعد ثمینہ کے کمرے کی اور قدم

اٹھا ہی رہا تھا جب اس کے فون پر کسی کا میسیج آیا۔ اسکرین روشن کرتے اس نے احسان کے بینک کے اکاؤنٹ کی جانکاری پڑھی۔

پچھلے دس سالوں میں صرف دو دفعہ اُسے تیس ہزار سے اوپر کی رقم ملی تھی۔ وہ بھی اس نے ادھار لیا تھا۔ جس کی جانکاری راحم پہلے ہی ان تمام لوگوں سے اکھٹی کر چکا تھا جہاں جہاں اس نے چوکیداری کی تھی۔ اسکرین پر انگلی چلاتے اس نے میسیج کو پورا پڑھا۔ جہاں آخر میں پچھلے بیس سالوں کے پیسوں کی معلومات کا مجموعہ تھا۔

اُسے تب کچھ کھٹکا جب اُسے اٹھارہ سال پہلے منتقل ہوئے دس لاکھ کی خبر ہوئی۔ ایک اگست دو ہزار سات کو کسی نے اس کے اکاؤنٹ میں اتنی بھاری رقم جمع کروائی تھی۔

فون پر ایک نمبر ملاتے اس نے اُسے کان سے لگایا۔ "میں ایک بینک اکاؤنٹ نمبر بھیج رہا ہوں۔ اس کی ایک ایک معلومات مجھے چاہیے۔"

پھر دروازہ کھول کر کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔"کیسا محسوس کر رہی ہیں اب آپ؟"آگے بڑھ کر میز پر سے اس کی فائل اٹھائی جس میں صاف صاف درج تھا کہ اُسے دھچکا لگا تھا۔ جس کے باعث وہ ہواس کھو بیٹھی تھی۔"کیسی ہو سکتی ہوں، صاحب؟"

اس نے فہم آمیز انداز میں اُسے دیکھا۔"کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟"وہ اس کی حالت سے بے خبر نہیں تھا۔اس لئے چاہتا تھا کہ اُسے اپنی وجہ سے کسی بھی قسم کا دکھ نہ دے۔اس نے سر اوپر نیچے کیا۔

"دو ہزار سات کی ایک مخصوص تاریخ کو آپ کے بھائی کے بینک اکاؤنٹ میں کسی نے دس لاکھ روپے بھیجے تھے۔آپ اس حوالے سے کیا جانتی ہیں؟"قوی اب پیچھے رکھے صوفے پر بیٹھ کر آرام سے شربت پی رہا تھا۔جو کہ ثمینہ کے گھر والے اس کے لئے لائے تھے۔

"دس لاکھ؟اتنی بھاری رقم کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی، صاحب۔نہ ہی کبھی اس نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تھا۔"حیرت انگیز تاثرات دیتے وہ کچھ قدرے آگے ہو کر بیٹھ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ کے خیال میں اُسے اتنے زیادہ پیسے کون دے سکتا ہے؟"اس نے شانے اٹھائے۔

"معلوم نہیں۔"

"کوئی ایسا دوست یا رشتے دار تھا اس کا جس سے وہ بہت زیادہ ملتا جُلتا رہا ہو؟"

ثمینہ چپ چاپ سی سامنے کی سمت دیکھنے لگی۔ جیسے ذہن کشمکش کا شکار ہو۔"صاحب، رشتے داروں میں تو ایسا کوئی نہیں تھا۔ پر ایک انسان ہے جس سے وہ بہت زیادہ ملتا تھا۔احسان کا دیرینہ دوست زید۔ پورا نام نہیں پتا۔ پر میرا بھائی کافی سالوں سے اُسے جانتا تھا۔"

Clubb of Quality Content!

"اس کے گھر کا پتہ یا نمبر وغیرہ ہو گا آپ کے پاس؟"

"نمبر تو نہیں ہے اور نہ ہی پتہ ہے۔ پر ہاں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ قاسم مارکیٹ میں ایک سکول کی چوکے داری کرتا ہے۔"اس نے جواب دیا۔"ٹھیک ہے... شکریہ۔"

"تم زید ہو؟"نووارد کے گھر کا دروازہ پورا کھولتے وہ گھر کے اندر قدم رکھ چکا تھا۔ یہ اس علاقے کا ایس ایچ او تھا جسے راحم نے احسان کے کیس کی ذمے داری سونپی تھی۔

"جی صاحب.. پر آپ کون ہو؟"اوپر سے نیچے نظریں اٹھا کر گرائیں۔"وردی سے اندازہ نہیں ہو رہا کہ میں کون ہوں؟"پھر گھر کو گہری نگاہ سے دیکھا۔

"احسان تمہارا دوست تھا ناں؟"زید اس کے ساتھ آن کھڑا ہوا۔"جی صاحب۔ کچھ ہی دیر پہلے اس کے جنازے کو کندھا دے کر آیا ہوں۔"

"کب سے جانتے ہو اسے؟"ایک چھوٹا سا بچہ برآمدے میں گیند کے ساتھ کھیلنے میں مگن تھا۔ باقی تو گھر میں کسی بھی بشر کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔"جی سکول سے۔ کافی پرانی دوستی تھی ہماری۔"

"ہوں..اچھا یہ بتاؤ کہ کیا کبھی اس نے کسی دس لاکھ کا ذکر کیا تم سے؟" پلٹ کر مقابل کے تاثرات جانچے۔"دس لاکھ؟ صاحب کوئی علم نہیں مجھے۔وہ اکثر ادھار پیسے لیتا رہتا تھا ہر کسی سے۔اب کتنی رقم لیتا تھا؟ اس کے بارے میں میں نہیں جانتا۔"

"اچھا کبھی اس کا برتاؤ تمہیں عجیب لگا؟ جیسا کہ عضیلہ یا گھبرایا ہوا؟"

"عضیلہ تو نہیں پر ہاں ایک مرتبہ وہ گھبرایا ہوا میرے پاس آیا تو تھا۔ کہہ رہا تھا کہ اس نے کسی کا قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔" ایس ایچ او کے کان اس بات پر فوراً کھڑے ہو گئے۔

Clubb of Quality Content!

"کس کا؟"

"صاحب..وہ ایک محلے میں چوکیداری کرتا تھا۔بہت زیادہ پرانی بات ہے۔ایک دن اچانک مجھ سے ملنے آیا۔ کہتا ہے کہ اس نے محلے میں کسی کو کسی کا قتل کرتے دیکھا ہے۔ پھر کچھ دن بعد جب میں نے دوبارہ اس سے اُس معاملے کے مُتعلّق پوچھا تو اُس نے کہا کہ اُسے غلط فہمی ہوئی تھی۔اور پھر دو سے تین دن میں ہی اُس نے نوکری چھوڑ دی تھی۔"

"کتنی پرانی بات ہے یہ؟" ابرو اُچکائی۔ "یہی کوئی اٹھارہ اُنیس سال پرانی۔"

"اور وہ کس محلے میں نوکری کرتا تھا یہ تو تمہیں یاد نہیں ہو گا، ہے ناں؟" اس نے معصوم سی شکل بنا کے اُسے دیکھا تو ایس ایچ او نے ایک گہرا سانس لیا۔ "ٹھیک ہے۔"

گیلی مٹی کی کی سحر انگیز مہک اس کے چاروں اور پھیلی ہوئی تھی۔ اُسے یہ مہک بچپن سے مبہوت کرتی تھی لیکن آج وہ اتنی گم سم تھی کہ کہاں سے کون سی مہک اٹھ رہی ہے، اُسے کوئی خیال نہ تھا۔

تینوں قبروں پر گلاب کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ تینوں کی تختیوں کے آخری نام ایک سے تھے۔ امین۔ بس پہلے نام مختلف تھے۔ رحمان، سحر اور راحیل۔

آج تاریخ سات جولائی تھی۔ایک عام سی تاریخ۔اس زمانے میں یہ مخصوص تاریخ کسی کے لیے بھی خاص نہیں تھی۔ لیکن ٹھیک انیس برس پہلے اس تاریخ کو بہت کچھ ہوا تھا۔بہت سے دل ٹوٹے تھے۔روحیں قبض ہوئی تھیں۔لیکن سب سے زیادہ چھلنی اِشفاامین کے دل کو کیا گیا تھا۔

وہ ہر ہفتے اپنے ماں باپ کی قبر پر آیا کرتی تھی۔ہر ہفتے غم بھی ایک سا ہوتا تھا۔آنکھیں بھرنے لگتی تھیں۔دل ہار ماننے پر دماغ کو آمادہ کرنے لگتا تھا۔

اکثر تو وہ آمادہ ہو بھی جاتا تھا۔دل کے گرد حائل کی ہوئیں دیواریں پگھلنے لگتی تھیں۔اس جگہ پر وہ کچھ بھی نہیں تھی۔نہ بہن،نہ بیٹی،نہ بیوی... صرف ایک ہارا ہوا انسان تھی۔جس نے بہت کچھ کھویا تھا۔

وہ اس مقام پر آکر حرکت نہیں کرتی تھی۔بس یوں ہی بیٹھی رہتی تھی۔دو منٹ یا پانچ منٹ۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لیکن آج وہ بہت افسردہ تھی۔ آج دل کر رہا تھا کہ حرکت کرے۔ چیخ چیخ کر سب کو خبر کرے کہ اِشفاامین نے اپنی خوشیوں کے بغیر آج انیس برس گزار لیے تھے۔ وہ کہانی کے دو پہلوؤں کی طرح تھی۔ ایک پہلو وہ تھا جس میں اُسے صرف مسکرانا آتا تھا اور ایک پہلو وہ تھا جس میں وہ اکھڑی، بدلحاظ اور ٹوٹی ہوئی تھی۔ دنیا کے لیے اس کا روپ ہمیشہ سے مثبت رہا تھا۔ پر اپنے لئے وہ سخت تھی۔ تنہائی میں وہ اکثر رنجیدہ ہو جایا کرتی تھی۔

وہ پچھلے دس منٹ سے یہاں بیٹھی تھی۔ دل کہتا تھا اٹھ جائے پر ٹانگوں میں سانس نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن وہ اٹھنے لگی۔ آہستہ آہستہ۔ بچپن سے اب تک اُس نے خود کو خود ہی اُٹھنا سکھایا تھا۔ کیونکہ ہر کسی کی مدد کے لئے مسیحا نہیں آیا کرتے۔ اور ٹھہری اِشفاامین.. جس کی ہزار دفعہ آواز دینے پر بھی کوئی نہیں آتا تھا۔

ٹانگوں میں درد ہونے لگا تھا۔ بیٹھ بیٹھ کر ٹانگیں جکڑ گئی تھیں۔ وہ دھیرے دھیرے سیدھی ہونے لگی۔ جب اچانک اس کے پیر سے درد نکلا۔ اور اس نے دو قدم پیچھے لئے۔ لکڑی کے اوپر پاؤں آیا تو توازن بگڑا۔

توازن بگڑتے ہی پیر مڑا اور وہ گرنے کے دہانے پر کھڑی ہو گئی کہ اچانک کسی نے اُس کو شانوں سے پکڑ گرنے سے بچا لیے۔ اس نے سہم کے دو قدم آگے لئے اور پھر اُس نووارد کی طرف پلٹی۔ دل میں کلمہ پڑھتی گئی کہ کہیں کوئی جن یا بھوت ہی ناں آگیا ہو۔

ہلکے سُرمئی رنگ کی آنکھیں۔ سیاہ گُھنگریالے بال پیشانی پر منتشر۔ ہلکی ہلکی داڑھی۔ گہرے بھورے رنگ کی شلوار قمیض۔

ہاں وہ وہی تو تھا۔ وہ جو اکثر اُس کی مدد کے لئے آجایا کرتا تھا۔ وہ جسے وہ نہیں بھی پکارتی تھی تو بنا آواز لگائے ہی سن لیتا تھا۔ جس کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر شکن نہیں پڑتی تھی۔

وہ ہمیشہ وہیں تھا۔ اس سے دو قدم پیچھے۔ خاموش لب اور مدھم چال ڈھال والا المیر خلیل۔

"تم ٹھیک ہو؟" آنکھوں سے تھوڑا سا اوپر ہاتھ رکھا۔ تاکہ سورج کی روشنی اس کی آنکھوں اور اس کی بیوی کے چہرے کے درمیان حائل نہ ہو سکے۔

"ٹھیک ہوں۔"اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر دوبارہ قبروں کی طرف مڑی۔المیر کے تاثرات پل میں بدلے۔آج اس نے "میں بہت اچھی ہوں" نہیں کہا تھا۔اور وہ جانتا تھا آج وہ کچھ اچھا محسوس نہیں کر رہی۔اسی لئے وہاں آ گیا تھا جہاں اِشفا امین ہر سال سات جولائی کو آدھے گھنٹے کے لیے آیا کرتی تھی۔

وہ بھی ہر سال اس کے یہاں آنے پر ادھر کا رخ کیا کرتا تھا۔وہ قبروں کے پاس بیٹھی ہوتی تھی۔چپ چاپ سی۔اور المیر خلیل کچھ فاصلے پر کھڑا ہوتا تھا۔اتنی خاموشی سے کہ مقابل آج تک اس کی موجودگی کو محسوس نہیں کر پائی تھی۔

Clubb of Quality Content

"مجھے لگا آپ نہیں آئیں گے۔"پھر ایک آخری نظر ڈال کر اس کی طرف پلٹی۔اس نے حیرت سے اُسے دیکھا۔"کیا مطلب؟"

"آپ کو کیا لگا آپ ہر سال آج کے دن یہاں آ کر وہاں.."ایک سمت اشارہ کیا۔"...خاموشی سے کھڑے ہو جائیں گے اور آپ کی بیوی کو آپ کی موجودگی کا احساس نہیں ہو گا؟"

"تم جانتی تھیں؟"اس نے پیشانی پر شکنیں سجالیں۔"میں آپ کو آپ کے قدموں کی چاپ سے پہچان جانتی ہوں۔آپ ہزار لوگوں میں گھل مل کر بھی کھڑے کیوں نہ ہو جائیں..تب بھی میں آپ کی موجودگی سے بے خبر نہیں رہوں گی۔"

وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا وہ واقعی اس سے نفرت کرتی تھی؟ یا پھر اداکاری کر رہی تھی؟ اگر ہاں تو اُسے اداکاری نہیں آتی تھی۔

اس نے کچھ لمحے خاموشی کے حوالے کر دیے۔سوچتا رہا کہ آگے سے کیا کہے۔موضوع بدلنا آسان حل تھا تو اس نے وہی کیا۔"گھر جا رہی ہو؟"

"ہوں۔"المیر کو لگا جیسے زندگی میں پہلی دفعہ وہ اس سے نظریں چُرا رہی تھی۔جب شہد رنگ آنکھوں میں آیا پانی اس نے پیچھے دھکیل لیا تو اوپر دیکھا۔"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"اگر تم رونا چاہتی ہو تو مجھ سے لگ کر رو سکتی ہو۔میں برا نہیں مناؤں گا۔"اِشفا کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔"ویسے تو میں روتی بالکل نہیں ہوں۔لیکن اگر کبھی رونے لگوں تو

بہت روتی ہوں۔ ہو سکتا ہے گھنٹوں روتی رہوں۔ آپ گھنٹوں میرے لئے بُت بنے کھڑے رہ سکتے ہیں؟"

وہ خوبصورتی سے مسکایا۔ "تمہارے لئے میں پوری زندگی بُت بنا کھڑا رہ سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم میرے آس پاس موجود رہو۔"

"میرے ساتھ رہ رہ کے آپ کو بھی باتیں بنانا آگئی ہیں۔" پھر خالی شاپر زمین سے اٹھایا۔ جس میں وہ یہاں گلاب کی پتیاں لے کر آئی تھی۔ "تمہارے معاملے میں میں باتیں نہیں بناتا۔"

وہ پلٹ کر دھیرے سے مسکائی۔ پھر آگے بڑھ گئی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا قبرستان سے باہر آیا۔

Clubb of Quality Content!

وہ المیر کے ساتھ اس کی بائیک پر بیٹھی تھی۔ قبرستان ایسے علاقے میں واقعہ تھا جہاں گاڑی کا جانا ناممکن تھا۔ وہ ہمیشہ رکشہ پر آیا جایا کرتی تھی۔

وہ دونوں اب قبرستان سے بہت دور نکل آئے تھے۔ اِشفا نے ہلکے نیلے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔

وہ دونوں ایک بیکری کے پاس سے گزرنے لگے تو بائیک کو فوراً سے بریک لگی۔ "کیا ہوا؟" وہ فوراً بائیک سے اتری کیونکہ المیر نے اترنا تھا۔ "یہاں ایک ٹھیلے والا ہے۔ وہ شاورما بہت عمدہ بناتا ہے۔ آؤ آج ہم دونوں مل کر کھاتے ہیں۔"

اِشفا نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ "آپ باہر کا کھانا کب سے کھانے لگ گئے؟"

"تمہیں باہر کی چیزیں کھانا اچھا لگتا ہے ناں.. تو میں نے سوچا مجھے بھی اب عادت ڈال لینی چاہیے۔" اتنی میٹھی سی مسکراہٹ چہرے پر چھائی تھی کہ اِشفا اُسے مبہوت نظروں سے تکنے لگی۔ "کیوں؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں تمہارا عادی ہو گیا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ اب تمہاری عادتوں کا بھی عادی ہو جاؤں۔" پھر ایک ہاتھ بڑھا کر اِشفا کا ہاتھ تھام لیا۔ "میں یہیں رک کر آپ کا انتظار کر لوں گی۔"

"نہیں.. کہیں کھو گئیں تو میں دوسری بیوی کہاں سے لاؤں گا؟" پھر شہادت کی انگلی سے اس کی چھوٹی سی ناک کو ہلکا سا چھیڑ کر ہاتھ پہلو میں گرا لیا۔

"اول تو ٹھیلہ دو قدم کے فاصلے پر ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ اور دوم دوسری بیوی کا ذکر آج تو آپ کی زبان سے ہو گیا۔ اگر آئندہ ہوا تو وہ حشر کرونگی کہ پہلی بیوی کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔" کمر پر ہاتھ رکھتے ایک ادا سے کہا تو مقابل زور سے ہنسا۔

"مجھے تو میں ابھی بھی تمہارے قابل نہیں لگتا۔" کہہ کر پلٹ گیا۔ وہ اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ ایک بات تو وہ مانتی تھی کہ اللہ نے اس انسان کو بڑی فرصت سے بنایا تھا۔ مسکراتا تھا تو کتنا پیارا لگتا تھا۔

وہ آرام سے بائیک پر بیٹھی شاورما نوش فرما رہی تھی۔ جبکہ المیر کھڑے ہو کر کھا رہا تھا۔اس نے چند ہی منٹوں میں اُسے ختم کر کے ہاتھ جھاڑنے شروع کر دیے تھے۔"جانتی ہو اس کی خاص بات کیا ہے؟"

مزے سے کھاتی ہوئی اِشفا نے ابرو اُچکائی پر نظریں چکن پر ہی رکھیں۔"اس کی خاص بات یہ ہے کہ یہ راولپنڈی کا سب سے لذیذ شاورما ہے۔تمہیں اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔"

اِشفا نے آنکھیں اوپر کیں۔"واقعی؟"اُس نے سر ہلایا۔"اور جانتی ہو اس میں اور تم میں کیا چیز منفرد ہے؟"اُس نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"پنڈی کے لوگوں کو اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔بالکل ویسے جیسے مجھے تم جیسی کوئی دوسری نہیں ملے گی۔"آخری لقمہ لیتے ہوئے اِشفا نے تاسف سے سر ہلایا۔"دنیا جہاں کے

ڈائیلاگ مارنے کے بعد پھر کوئی کہتا ہے 'تمہارے لیے میرے پیار کو کسی ڈائیلاگ کی ضرورت نہیں ہے'''

وہ سر پیچھے پھینک کر زور سے ہنسا۔چند لمحے تو ہنستا ہی چلا گیا۔وہ اُسے ہنستے ہوئے دیکھتی گئی۔ دل کیا کہ اُسے کہے کہ مت ہنسو۔کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ یہ چہرہ یوں ہنستے ہوئے صرف میں دیکھوں۔آس پاس کے لوگ نہیں۔

جب اس نے ہنسنا بند کیا تو وہ فوراً بولی۔"ہو گیا آپ کا؟"المیر نے آنکھیں چھوٹی کیں پھر مختصراً سر ہلایا۔"چلیں اب مجھے دفتر چھوڑ دیں۔بہت کام ہے آج۔"

اپنی جیب سے اپنا مخصوص رومال نکال کر اُسے تھمایا پھر بائیک میں لگی چابی گھمائی۔اس نے اُسے رومال ہاتھ صاف کرنے کے لئے دیا تھا۔

بائیک سے ایک سرخ رنگ کا ہیلمنٹ اتار کر پلٹا۔ پھر ایک ہاتھ سے اِشفا کے بال دائیں اور بائیں طرف سے کان کے پیچھے کیے۔ پھر ہیلمنٹ اُسے آرام سے پہنا دیا۔ آگے کو ہوا اور اپنا ہیلمنٹ ٹھیک سے لگایا۔

چند منٹ میں وہ دونوں اس جگہ سے بہت دور نکل گئے تھے۔

・・—・✿・—・・

ناولز کلب
Club of Quality Content

کچھ ہی دیر قبل راحم کو خبر ملی تھی کہ احسان کو دس لاکھ جس اکاؤنٹ نے ٹرانسفر کیے تھ وہ اس کا اپنا ہی ایک خفیہ اکاؤنٹ تھا۔

جب ٹھیک سے چھان بین کی گئی تو سمجھ میں آیا کہ ان دو ہزار سات کی اُس ماہ میں اس کی ایک زمین فروخت ہوئی تھی۔ اور وہاں سے اُسے وہ رقم حاصل ہوئی اور اُس نے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروائی تھی۔ اور یہ بات اُس کی بہن کے علم میں نہیں لائی گئی تھی۔

ایک مرتبہ پھر سے وہ ایک اور کیس میں بری طرح الجھ چکا تھا۔جب اُسے ایس ایچ او نے فون کر کے اطلاع دی کہ احسان کا دوست زید تھانے آیا تھا اور دو تصویریں دے کر گیا ہے۔

پھر اُس نے ایک اہلکار کو بھیج کر تصویریں منگوالیں۔ تصویروں میں احسان ایک عورت کے ساتھ کھڑا تھا۔ کوالٹی سے تو ایسا لگتا تھا کہ تصویر کافی پرانی ہے۔ عورت کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔نہ ہی جگہ واضح تھی۔

خیر پھر زید سے پوچھا گیا کہ اُسے یہ تصویریں کہاں سے ملیں۔تو اس نے بتایا کہ کسی نے اس کے گھر کے باہر رکھی تھیں۔ جس نے بھی یہ کام کیا تھا اس نے کوئی سوراغ نہیں چھوڑا تھا کہ اس تک پہنچا جا سکتا۔

اس بات کی خبر احسان کے محلے سے لے کر تھانوں تک پہنچ گئی تھی۔

دوسری طرف اس نے جگہ جگہ سنار کی دکانوں پر بندوں کو بھیج کر سفید موتی والی انگھوٹی کے بارے میں پتا کروایا تھا۔اور خاص تلقین کی گئی تھی کہ کوئی بیچنے آئے تو فوراً اطلاع دی جائے۔

لیکن ابھی تک کوئی بھی اُسے فروخت کرنے نہیں آیا تھا۔

••——•ʚɞ•——••

ناولز کلب

جولائی کے ابتدائی تین ہفتے گزر چکے تھے۔چوتھا ہفتہ وہاج کی سالگرہ کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ہر سال کسی کی سالگرہ پر اہتمام کیا جائے یا نہ کیا جائے..وہاج کی سالگرہ ضرور منائی جاتی تھی۔ورنہ وہ ناراض ہو جاتا تھا۔

گھر خوبصورت جعلی پھولوں سے آراستہ تھا۔پہلی منزل کی سنہری اور سفید دیواریں اور سنہرا سازوسامان ہال میں لگی روشن بتیوں کے زیرِ اثر جگمگا رہا تھا۔

کچن سے بریانی کی سحر انگیز مہک اور حلوے کے دھوئیں میں ملی اس کی خوشبو آنے جانے والے کو متاثر کر رہی تھی۔

مہمانوں کا آنا جانا آخر کو شروع ہو ہی گیا تھا۔ خلیل محمد اور آئمہ خلیل کے رشتے داروں کو اور وہاج کے دوستوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ہال کے بیچوں بیچ رکھے کشادہ صوفے پر راحم رضا احمد سکون سے بیٹھا اپنے فون کی اسکرین پر انگلیاں دوڑا رہا تھا۔ گویا کسی کو میسج کر رہا ہو۔

اس نے بادامی رنگ کی آدھی آستینوں والی شرٹ اور نیچے سیاہ پینٹ پہن رکھی تھی۔اس کے بغل میں المیر بیٹھا تھا۔ جس نے نیلی پینٹ پر سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی۔اس نے راحم کے کندھے پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔ کیونکہ پچھلے ایک ہفتے سے ذمے داریوں کا بوجھ لگاتار اس پر آن پڑ رہا تھا۔

اسی لمحے گھر کا دروازہ کھلا۔راحم کی نظریں آہٹ پر فون سے ہٹیں۔ دہلیز پر دو لڑکیوں نے قدم رکھا تھا۔ان کے پیچھے چاند ایسے درخشاں تھا جیسے پہلے کبھی نہ ہوا ہو۔ نظر ٹھہری تو اس

گندمی رنگت پر۔ جس نے عنبری رنگ کی گھٹنوں تک آنے والی فراک پہن رکھی تھی۔ بال سیدھے کیے ہوئے تھے۔ جو کہ کمر سے ذرا سے اوپر جھلملا رہے تھے۔

راحم کو احساس ہوا کہ اس لڑکی کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ دور سے دیکھ کر ہی لگتا تھا کوئی ڈاکٹرنی آرہی ہے۔ اس نے اس سے نظریں فوراً ہٹالیں۔

پائل کی مدھم سنسناہٹ پر سُرمئی آنکھیں کھلیں۔ راحم کے کندھے سے سر ہٹایا تو گردن سیدھی ہوئی۔ وہ ذرا فاصلے سے چلتی آرہی تھی۔ سفید رنگ کی ٹخنوں تک آتی فراک اس نے زیب تن کر رکھی تھی۔ جس پر سرخ رنگ کی باریک کڑھائی کی گئی تھی۔ بھورے گھنگریالے بال بائیں شانے پر بکھرے ہوئے تھے۔ شہد رنگ آنکھوں میں سرمالدا ہوا تھا۔ جس کے باعث آنکھوں کا سنہرا رنگ کوسوں دور سے بھی چمکتی بھانپ دیتا تھا۔

وہ واقعی اتنی خوبصورت تھی یا صرف اُسے لگتی تھی؟ سوچتے ہوئے دھیرے دھیرے صوفے سے اٹھا۔ وہ دونوں چلتی چلتی آئیں اور کچھ فاصلے پر رک گئیں۔ اِشفا نے اُسے سر تا پیر گھورا۔

مہوین نے المیر سے سلام دعا کرنے کے بعد راحم کی جانب دیکھا۔وہ اُسے دیکھتی تھی تو جی چاہتا تھا کہ نظریں نہ ہٹائے۔اسی لیے کم سے کم دیکھتی تھی۔

راحم نے اُسے خود کو تکتے پایا تو ایک ابرو اُچکائی۔پھر مسکرایا۔یہ اندازہ تو وہ پانچ سے زائد دفعہ لگا چکا تھا کہ مہوین امین نظریں بہت چُراتی تھی۔اس مرتبہ بھی عین توَقع کے مطابق اُس نے نظریں جھکالی تھیں۔

وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ سب کے ساتھ ہی ایسا برتاؤ کرتی تھی یا صرف راحم سے اس طرح پیش آتی تھی۔

"السلام علیکم۔کیسی ہیں آپ؟"جب اُسے محسوس ہوا کہ مقابل مخاطب نہ کرنے کی قسم کھا کر آئی ہے تو اس نے خود ہی سلام کرنا بہتر سمجھا۔

بھوری آنکھیں اُٹھیں..پہلے تو جیسے اُس کا جی نہیں چاہ رہا تھا اُسے دیکھنے کا بھی۔پھر شاید مجبوری کے تحت اُس نے اُسے جواب دینا ضروری سمجھا۔راحم یہی اندازہ لگا پایا تھا۔"وعلیکم السلام۔"

دوبارہ نظریں گھما گئی تو راحم الجھا۔اتنا بھی برا نہیں تھا اب وہ کہ کسی سے برداشت نہ ہوتا۔

ایک آخری نگاہ اس لڑکی پر ڈالتے اس نے وہاں نہ رکنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دوسری طرف موجود المیر اِشفا سے حال احوال پوچھ کر اُسے اپنے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھا چکا تھا۔"بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔"زبان سے کہنا چاہتا تھا۔پر صرف دل میں ہی سوچ پایا۔

اتنے میں ایک لڑکی آئی اور المیر کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔پہلے کچھ پل تو وہ سوچتا رہا کہ اسے پہلے کہاں دیکھا ہے؟پھر کہیں جا کر یاد آیا کہ یہ تو اس کی سگی کزن تھی۔چھوٹی پھپھو کی بیٹی۔منال۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"المیر.. تم پر بلیک کلر ہمیشہ سے ہی بہت سوٹ کرتا ہے۔ پر آج تو تم بہت پیارے لگ رہے ہو۔ میں ماما سے کہہ ہی رہی تھی کہ ان کا بھتیجا دکھ نہیں رہا۔" اس نے ایک ابرو اٹھائی۔ اس کا لہجہ اُسے کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

"آئی ایم سوری.. کیا میں آپ کو جانتا ہوں؟" غیر شناسائی کی اداکاری کی۔ منال کا چہرہ فوراً مرچ کی طرح سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک نظر ساتھ بیٹھی اِشفا پر ڈالی جسے جلانے کے لیے اُس نے المیر کی تعریف کی تھی۔ اور دوسری المیر پر۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں نہیں یاد تمہیں؟ میں منال ہوں۔ تمہاری پھپھو کی بیٹی۔ وہی جس کے ساتھ مل کر تم پیڑ سے انگور توڑا کرتے تھے۔" ایک ہاتھ سے اپنے بال کندھے سے پیچھے کیے۔

"یہ بات انگوروں کو پتا ہے کہ ان کی ترقی کو بیلوں سے سیدھا پیڑوں تک کی رسائی حاصل ہو گئی ہے؟" وہ چپ کیسے رہ سکتی تھی۔ ساتھ بیٹھے اس کے شوہر نے ہنسی دبانے کی کوشش کی۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" وہ جو اُسے جلانے آئی تھی۔۔ خود ہی جل بھن گئی تھی۔"اس کا مطلب آپ کو آپ کے المیر بھائی سمجھائیں گے۔" آنکھیں پٹپٹا کر اُسے دیکھا۔

بھائی لفظ پر تو مقابل کا منہ ہی کھل گیا۔ وہ جبڑے بھینچتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔ جبکہ اِشفا المیر کو دیکھنے میں مصروف تھی۔

بندہ تو ویسے کافی ہینڈ سم ہے۔ بال بھی ٹھیک ٹھاک پیارے ہیں۔ آنکھوں کا تو جواب ہی نہیں ہے۔ جبڑے تو ایسے ہیں کہ شیشہ کٹ جائے۔ مسکراتا ہے تو ایک خواب کی طرح لگتا ہے۔ جو کہو المیر خلیل سے خوبصورت اس دنیا میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ سوچتے ہوئے وہ نظروں کو اس کے چہرے پر پھیر نے لگی۔

لیکن.. اس لڑکی نے میرے شوہر کی تعریف کیسے اور کیوں کی! بڑی آئی بلیک کلر کی کچھ لگتی۔ خیالات میں گُم اس نے جب چہرے کے زاویے بگاڑے تو المیر نے بے آواز "کیا ہوا؟" کہا۔

سوال پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔تاثرات بیان کرتے تھے کہ اس کے فتوری دماغ میں کوئی شرارتی خیال آن کودا ہے۔"آپ کے پاس سفید رنگ کی شرٹ ہے؟"

"ہاں.. کیوں؟"اس نے ناسمجھی سے اُسے دیکھا۔پھر ساتھ ہی ساتھ صوفے پر کونی رکھی اور منہ کا سارا وزن ہاتھ پر ڈال کر اُسے تکنے لگا۔

"جائیں اور ابھی کے ابھی چینج کر کے آئیں۔"مسکرا کر کہا۔پھر معصومیت سے اُسے دیکھا۔
"کس خوشی میں؟"بایاں ہاتھ بڑھا کر اس کی جھلملاتی ایک گھنگھریالے لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔اِشفا کا چہرہ فوراً سرخ ہوا۔اُس نے تھوک نگلا پھر آگے پیچھے دیکھا۔"کیوں کہ میں کہہ رہی ہوں۔"

"اور تم کون ہوتی ہو کہنے والی؟"اتنے پیار سے پوچھا کہ اتنار عبدار سوال بھی اُسے اُس کی طرح پیارا لگا۔"میں وہ ہوں جس کے آگے آپ کو کچھ نہیں دکھتا۔"اتنے یقین سے کہہ گئی جیسے اُسے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے دلیل تک کی ضرورت نہ ہو۔

"مجھے واقعی تمہارے آگے کچھ نہیں دکھتا۔جب تم سامنے ہوتی ہو تو بس تم ہی تم ہوتی ہو۔ کون کہاں ہے.. کیا کر رہا ہے.. میں سب بھول جاتا ہوں۔" اتنے پیار سے کہہ رہا تھا کہ اِشفا کا دل کیا اُٹھ کر صوفے پر چھلانگیں لگانے لگ جائے۔ایسے ڈائیلاگ تو اس نے صرف کتابوں میں پڑھے تھے۔

اُسے دیکھتی وہ قدرے سیدھی ہوئی۔"بس پھر جا کر شرٹ تبدیل کر لیں۔"

"پہلے پیار سے میرا نام لو۔پھر جو کہو گی وہ کروں گا۔" پھر وہی خواہش۔اِشفا غصے میں آتی ہوئی فوراً کھڑی ہو گئی۔"آپ اٹھ رہے ہیں یا نہیں؟"

"نہیں۔" ایک آنکھ دبائی۔اور اس کے ساتھ ہی اس کا پارا چٹان چڑھ گیا۔"تو پھر ٹھیک ہے۔پندرہ منٹ میں آپ نے سفید رنگ کی شرٹ پہنی ہو گی۔یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اور اگر وعدہ پورا نہ کر سکی تو..؟" مسکراتے ہوئے ابرو اونچی کی۔ "تو آپ جو کہیں گے وہ کروں گی۔"

"میرا نام لے لو گی؟" بچوں کی طرح خوشی سے سیدھا ہوا۔ مقابل نے آنکھیں گھمائیں۔
"لے لوں گی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" آنکھیں للکارتی ہوئی شہد آنکھوں سے ملیں۔ ایک آخری دفعہ.. اور پھر وہ لڑکی بنا پلٹے کہیں غائب ہو گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پچھلے سات منٹ سے وہ سو قسم کے حربے تصور کر چکی تھی۔ پر کسی کا بھی نتیجہ سفید شرٹ نہیں نکلتا تھا۔ پریشان حال ہوتی وہ المیر کو دیکھ رہی تھی۔ جو کہ ستون سے لگا، سینے کے آگے ہاتھ باندھے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ جہاں جہاں جا رہی تھی، المیر کی نگاہ اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اُسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ پہلے والا المیر ہی بہتر تھا۔ جس کی نظروں سے اگر نظروں کا ٹکراؤ ہو جاتا تو نظریں پھیر لیتا تھا۔ اب والے المیر سے ایک دفعہ نظر مل جاتی تو وہ ٹکٹکی باندھے نظروں کے رابطے کو گھنٹوں تک قائم رکھنے کی سکت رکھتا تھا۔ ایک تو اتنی جان لیوا نظریں تھیں پہلے ہی۔

اف یہ اسے کیا ہو گیا تھا؟ دن رات اٹھتے بیٹھتے اپنے شوہر کی تعریفوں کے پل باندھتی رہتی تھی۔

سر کو جھٹکتے ہوئے وہ رُخ پھیر گئی۔ تب ہی اُسے لگا جیسے اُسے کوئی پکار رہا ہو۔ "اے لڑکی۔" سامنے ہی ایک بزرگ عورت دکھیں تو وہ فوراً اُن تک گئی۔ "جی آنٹی؟"

"کافی بنانے آتی ہے؟" اِشفا نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ "میرے لئے ایک کپ بنا کر لانا ذرا۔"

ایک تو آج کل کے بزرگ جوانوں سے زیادہ جوان ہو گئے تھے۔ سوچا اور پھر پلٹنے لگی۔ جب ٹھہری۔ خاتون کی طرف مڑی۔ "آنٹی آپ المیر خلیل کو جانتی ہیں؟"

"لے.. المیر میرے بھائی کا پوتا ہے۔ اُسے کیسے نہیں جانتی ہوں گی میں؟" اِشفا دھیمی سی مسکرائی۔ "آپ انہیں بلا کر اپنے پاس بیٹھا سکتی ہیں؟ دیکھیں ناں کب سے بیچارے ستون کے ساتھ لگے کھڑے ہیں۔" اشارہ تو نہیں کیا تھا۔ پر خاتون کی نظر خود بخود ہی المیر کی طرف جا پہنچی تھی۔

"ہائے میرا بچہ.." افسوس سے المیر کو دیکھا۔ "..چل ٹھیک ہے۔" کہا تو اِشفا نے ذہنی طور پر خود کو شاباشی دی۔ پھر کافی بنانے کے لئے کچن کی اور چل پڑی۔

تین منٹ بعد وہ کافی کے دو کپ ایک ٹرے میں لئے خاتون کے سامنے حاضر تھی۔ توقع کے مطابق المیر ان کے بغل میں بیٹھا تھا۔ اِشفا نے ٹرے ذرا سی نیچے کی۔ آنٹی نے کپ اٹھالیا۔ المیر کی نظریں اب تک اس پر تھیں۔ وہ اس کی ایک ایک حرکت کو غور غور سے دیکھ رہا تھا۔

بس ایک سیکنڈ کے لئے المیر کی نظر ہٹی۔ اُسے لگا جیسے اُسے کسی نے پکارا اور اُس کے ساتھ ہی وہ ہو گیا جس کو کرنے میں اِشفا امین مہارت رکھتی تھی۔ کافی سے بھرا ہوا کپ المیر خلیل کے اوپر انڈیل دیا گیا۔ اور زیادہ مزے کی بات تو یہ تھی کہ کافی گرم بھی نہیں تھی۔ مانا اِشفا امین ظالم تھی پر اب اتنی بھی نہیں تھی کہ اپنے اتنے ہینڈسم شوہر کو نقصان پہنچاتی۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

کارنامہ ہو جانے کے بعد اس نے چند قدم پیچھے لئے۔ بزرگ خاتون کا تو منہ ایسے کھلا ہوا تھا جیسے اِشفا نے کافی المیر پر نہیں بلکہ ان پر گرادی ہو۔ "ستیہ ناس جائے تیرا لڑکی۔" افسوس سے المیر کو دیکھا۔ جو جبڑوں کو سخت کیے ہوئے کبھی اپنی شرٹ کو دیکھتا تو کبھی اپنی بیوی کو۔

"بھاگو.. اشفا.. اور کوشش کرنا میرے ہاتھ نہ لگنا..." اس کو چند قدم پیچھے لیتے دیکھ کر المیر خلیل ایستادہ ہوا۔ قلیل قدم اس تک لئے۔ خطرے کی گھنٹی اس کے ہر سو بجنے لگی۔ وہ مزید کچھ قدم پیچھے کھسکتی پلٹی اور بھاگ پڑی۔

المیر بھی رکا نہیں تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے ہی بھاگا تھا۔ وہ دائیں طرف سے نکلتی صوفوں کی بائیں طرف آگئی تھی۔ المیر اس کے پیچھے پیچھے تھا جب اچانک اس نے راہ بدلی اور اِشفا کے پسینے چھوٹے۔ اُس کا بازو المیر کی گرفت میں آنے ہی والا تھا کہ وہ فوراً سے ہٹی اور گھر کے دروازے کی طرف بھاگی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پورے ہال میں لوگوں کے ہجوم کے بیچ اِشفا کا قہقہ گونج رہا تھا اور المیر کی اُس کو پکارتی آواز سب کو متوجہ کر رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے باہر بھاگا۔

اِشفا باغیچے میں رکھی کرسیوں کے ارد گرد چکر کاٹ رہی تھی اور المیر کبھی ایک تو کبھی دوسری طرف سے اُسے پکڑنے کی کوششوں میں مگن تھا۔ بس ایک دفعہ ہاتھ آجائے یہ...

وہ بھاگتے بھاگتے ذرا سی پلٹی تو اس کے گُھنگھریالے بال ہوا کے زیرِ اثر ہلنے لگے۔ آنکھیں چمکنے لگیں اور چاند کی روشنی سیدھی اس کے چہرے پر پڑی۔ سفید دوپٹہ اڑتا ہوا اس کی پشت پر لہرا رہا تھا۔ قہقہ بلند تھا اور قدم بے آواز تھے۔

المیر خلیل کا دل زور زور سے دھڑکا۔ اتنی شدت سے کہ وہ اپنی حالت پر حیران ہو گیا۔ وہ ہارا تھا اسی لمحے اپنا دل۔ اُسے احساس ہوا تھا کہ جو پہلو میں روز دھڑکتا تھا وہ اسی کے لیے تو زندہ تھا۔

دل کیا اونچا سا آج کہہ ہی ڈالے کہ اُسے اُس سے محبت ہے.. عشق ہے اور بے انتہا ہے۔ اس قدر ہے کہ وہ چیخ چیخ کر پوری دنیا کو بتا سکتا ہے۔

وہ یوں ہنستی ہوئی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ المیر کا دل کیا اس کی بیوی پوری زندگی یوں ہی آگے آگے بھاگتی رہے اور وہ اُسے پکڑنے کی کوشش کرے پر ناکام ثابت ہو۔ کیونکہ اگر پکڑ لے گا تو اِشفا امین کا ہنستا ہوا چہرہ کیسے دیکھ پائے گا؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کھلکھلاتی ہوئی اِشفا نے جب گردن سیدھی کی تو کیا دیکھتی ہے کہ کچھ دیر پہلے والی اُس کے شوہر کی کزن منال سامنے سے آرہی ہے۔اس کے بھاگنے کی رفتار اتنی تھی کہ وہ جانتی تھی کہ اب بریک نہیں لگ پائے گی۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔کہ گویا اب تو تصادم ہوگا۔پر ایسا ہو نہیں پایا۔کیونکہ المیر نے اسی لمحے اُسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔پر سامنے سے آتی منال کو لگا کہ ابھی زور دار ٹکر ہوگی..اسی لئے وہ گھبرائی اور توازن برقرار نہ رکھ سکی۔دھڑام کی آواز کرتے وہ گھاس پر گر گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آئی ایم سو سوری...آپ میری وجہ سے گر گئیں۔"وہ شرمندگی کا شکار ہوتے اس تک گئی اور ہاتھ بڑھایا۔ظاہر ہے غلطی تو اس سے ہوئی تھی۔پر مقابل نے ہاتھ کا سہارا لینے کی بجائے اُسے غصے سے دیکھا۔اور اُس کا بڑھایا ہوا ہاتھ جھٹک کر خود کھڑی ہوئی۔

پھر اپنے کپڑوں کو دیکھا جو کہ کافی حد تک گندے ہو گئے تھے۔" تمہیں نظر نہیں آتا...اندھی ہو گیا؟" غصے سے شہادت کی انگلی اِشفا پر اٹھائی اور ایسے لہجے میں بولی کہ باہر موجود سات سے آٹھ لوگ ان کو دیکھنے لگے۔

مٹھی بھینچی.. سبز نبضیں عیاں ہوئیں۔اس نے اپنی بیوی کو بازو سے پکڑ کر اپنے پیچھے کیا۔ "تمیز سے.. بیوی ہے میری۔۔!" سُرمئی آنکھوں میں اترتا سرخ پن دیکھ کر منال چند قدم پیچھے خود کو گھسیٹتی ہوئی گھر کے اندر چلی گئی۔

وہ پیچھے مڑا اور اِشفا کی اور نظریں اُٹھائیں جو کہ اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ان نظروں میں مان تھا۔برسوں پہلے اُس کے پیچھے کھڑا ہوتا تھا۔درخت کی مانند چھاؤں کا ذریعہ بن کر۔اور اب اس کے آگے کھڑا ہوتا تھا ڈھال بن کر۔کوئی اِشفا سے المیر جیسی محبت کبھی نہیں کر سکتا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اس کا خول ٹوٹا۔وہ قدرے پیچھے ہوئی۔"میں دیکھ رہی تھی کہ کافی کا پرنٹ سیاہ شرٹ پر کتنا کیوٹ لگ رہا ہے۔" پھر رکی نہیں تھی۔اندر بھاگ گئی تھی۔جبکہ وہ پیچھے کھڑا مسکراتا رہا تھا۔

•••—•○○•—•••

مہوین امین کو تیز مہکوں سے سخت الجھن ہوتی تھی۔اگر وہ غلطی سے بھی کسی ایسی چیز کو سونگھ لیتی تو اس کی آنکھیں سرخ اور ناک لال ہو جایا کرتی تھی۔اور پھر بس وہ ہوتی اور اس کا ناقابلِ برداشت زکام۔

اسی چیز سے بچنے کے لیے وہ دوسری منزل پر گئی تھی۔لیکن وہاں نچلی منزل سے زیادہ تیز خوشبوئیں تھیں۔سر بھی اس قدر پھٹ رہا تھا کہ بگیچے میں جانے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ لوگوں کی بھیڑ ادھر بھی ان گِنت تھی۔

کچھ سوچتے ہوئے وہ خاموشی سے زینے پھلانگتی گئی۔پھر چھت کا دروازہ کھولا اور وہاں قدم رکھا۔وہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔اور اس قدر سکوت پھیلا ہوا تھا کہ اُسے اپنے لئے یہی جگہ بہترین لگی۔

وہ چپ چاپ سی آگے بڑھنے لگی جب اُسے دیوار کے ساتھ لگ کر باہر کے منظر پر آنکھیں ٹکائے کوئی کھڑا نظر آیا۔ایک پل کو تو اُسے لگا جیسے کوئی بھوت ہے۔پر پھر ذرا سا آگے ہوئی اور نووارد کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

یہ وہی انسان تھا جس کو نہ دیکھنے کی قسم وہ آج خلیل منزل میں آنے سے پہلے کھا چکی تھی۔خود سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ آج راحم رضا احمد کو ہر حال میں نظر انداز کرے گی۔

لیکن ہائے رے قسمت۔ جس سے چھپتی پھر رہی تھی وہی عین مقابل کھڑا تھا۔قدموں کی آہٹ پر اس نے گردن موڑی۔ مہوین کو دیکھا اور پھر چہرہ آگے کر لیا۔"سوری مجھے علم نہیں تھا کہ آپ یہاں ہیں۔" وہ وضاحت دیتی ہوئی مڑنے لگی جب آواز آئی۔"میں کرنٹ نہیں مارتا۔آپ یہاں رک سکتی ہیں۔"

ایک تو شخص تھا ہی قابل تعریف اور اوپر سے آواز ایسی تھی کہ بندہ اپنے تمام وقت کو اس کی باتوں کے نظر کر دے۔وہ رکی.. سوچتی رہی کہ اب کیا کرے؟ پھر ایک گہرا سانس لیا۔جسے راحم بخوبی سن چکا تھا۔

قدموں پر مڑی اور اس کے شانہ بشانہ آن ٹھہری۔ نظر اٹھی تو چاند پر گئی۔ جو کہ کبھی اُسے اتنا پیارا نہیں لگا تھا جتنا وہ اس وقت لگ رہا تھا۔ کہیں اندر اُسے دکھ تھا کہ خود سے کیا وعدہ ادھورا رہ گیا۔ تو کہیں خوشی تھی کہ وعدہ ادھورا رہ گیا۔

"آپ مجھ سے خفا خفا کیوں رہتی ہیں؟"

سوال اتنا اچانک کیا گیا تھا کہ مہوین اچھلی جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ پھر اپنے زوروں سے بھاگتے دل کو قابو کیا۔ دھڑکنوں کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ اُسے اس سوال کا کیا جواب دینا چاہیے تھا؟

"میں کیوں آپ سے خفا ہوں گی؟" سوال کے بدلے سوال سن کر راحم کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔ "یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں۔"

وہ بنا اُسے دیکھے اُسے دیکھنا چاہتی تھی۔ کہ نظریں ہلیں بھی نہ اور چہرہ آنکھوں تک رسائی حاصل بھی کر لے۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ سوال کرتے ہوئے اس کے تاثرات کس قدر تبدیل ہوئے ہیں۔ کہ اُسے فرق پڑتا بھی ہے یا نہیں۔

"آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں آپ سے خفا ہوں؟" وہ بھی سامنے کی سمت دیکھ رہا تھا۔ دونوں نے دیوار پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ خاموشی اتنی تھی کہ اُسے صرف اسی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"جب میں آپ کے سامنے آتا ہوں تو آپ کا چہرہ مرجھا جاتا ہے۔ آپ مجھ سے نظریں نہیں ملاتیں۔ اور نہ ہی میری طرف دیکھنا پسند کرتی ہیں۔ ان سب باتوں کے پیچھے اگر خفگی وجہ نہیں ہے تو کیا وجہ ہے؟" لہجے میں اتنی نرمی تھی کہ مہوین کا دل پل میں پگھلا۔

ایک ایک لفظ درست تھا۔ اب تک وہ کتنی ہی مرتبہ مل چکے تھے۔ کتنی ہی دفعہ وہ اس کے روبرو آیا تھا۔ اور کتنی ہی دفعہ مہوین کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ ہسپتال میں ہوئی ان کی ملاقات

کے بعد وہ گھر جا کر بہت روئی تھی۔اُسے اپنی حالت عجیب لگی تھی۔آخر ایسا بھی کیا ہو گیا تھا جو وہ اس قدر دل شکستہ ہونے پر آمادہ تھی؟

پوری رات آنکھوں میں کاٹنے کے بعد اُسے یہ احساس ہوا تھا کہ جس احساس کو وہ معمولی سی پسندیدگی کا نام دے رہی تھی۔۔بات اُس سے کافی زیادہ آگے نکل چکی تھی۔

وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا اُسے فرق پڑتا ہے؟اس نے پہلو بدلا۔"ایسا کچھ نہیں ہے۔" تھا تو بہت کچھ کہنے کو پر کہتی کیا کیا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

سبز آنکھیں پھریں اور اس پر رکیں۔راحم کے تاثرات پل میں بدلے۔اس کے چہرے کا ایک پہلو جو اس کی آنکھوں پر عیاں تھا کافی شناسا معلوم ہوتا تھا۔لیکن کیوں؟

مہوین نے بھی اُسی لمحے گردن موڑی۔دونوں کی نظریں ملیں۔اور ایسی ملیں کہ دس سیکنڈز تک جُدا نہ ہو پائیں۔اس نے اپنے رخساروں کو سرخ ہوتے محسوس کیا تو نظریں فوراً ہٹا لیں۔ جبکہ راحم ابھی بھی اُسے دیکھ رہا تھا۔

تم نے دیکھا ہے فقط آنکھوں کو
تم نے آنکھوں میں کہاں دیکھا ہے..

اتنا عجیب برتاؤ آج تک کسی نے اس کے ساتھ نہیں کیا تھا۔ان نظروں میں کچھ تو تھا پر کیا تھا؟ وہ سمجھ نہ پایا۔

وہ زیادہ دیر مزید اس کے ساتھ کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔اس لیے وہ پلٹ گئی۔ تیز تیز قدم اٹھاتے بنا کچھ کہے جہاں سے آئی تھی وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

راحم نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔اس ڈاکٹرنی نے اُسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

مہوین نیچے آئی تو اِشفا کو تلاشتی رہی۔ پھر ایک طرف نظر ڈالی تو اِشفا کو وہاج سے زیرِ گفتگو پایا۔ لوگوں کے بیچ سے ہوتی اپنی بہن کے سر جا کھڑی ہوئی۔ اِشفا نے مہوین کی طرف دیکھا۔

"کہاں تھیں؟ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔"

"وہ میں - ہوا لینے چھت پر گئی تھی۔" اِشفا اچھے سے واقف تھی کہ مہوین کو رش کچھ خاص پسند نہ تھا۔ اس لیے سمجھتے ہوئے اس نے سر ہلایا۔

"وجی کیک آگیا ہے۔ آ جاؤ۔" خلیل محمد نے آواز لگائی۔ ہال کے بیچوں بیچ اونچا سا ٹیبل رکھا گیا تھا۔ جس کے اوپر اس کا چاکلیٹ کیک موجود تھا۔

جب سے وہ آئی تھی تب سے آئمہ خلیل سے نہیں ملی تھی۔ دل کو مار کر اس نے یہاں کا رخ کیا تھا۔ وہ بھی صرف اور صرف وہاج کی خاطر۔ اور ارادہ یہی تھا کہ آئمہ خلیل سے دور ہی رہے گی۔

سارے مہمان ٹیبل کے ارد گرد کھڑے تھے۔اور وہاج ان کے بیچ میں، کیک کے عین نزدیک۔ شرارتی نظر کیک پر گئی جہاں ہیپی برتھڈے ڈے وجی لکھا تھا۔ پھر اوپر دیکھنے لگا۔ "ایک ایک کر کے میرے تحفے ادھر..." دائیں طرف رکھے صوفے کی طرف شہادت کی انگلی اٹھائی۔ "..رکھتے جائیں۔اور جو تحفوں کے بغیر آئے ہیں وہ اس صوفے پر بیٹھتے جائیں۔" مخالف سمت اشارہ کیا۔ "..کیونکہ کیک صرف اُسے ملے گا جو میرے لیے تحفہ لایا ہے۔"

سب کا قہقہ بلند ہوا تو وہ مسکانے لگا۔اس نے ہلکی نیلی شرٹ کے نیچے سیاہ پینٹ پہنی ہوئی تھی۔ بھورے بال بکھرے ہوئے تھے جو کہ اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہے تھے۔

اس کی دائیں اور بائیں طرف راحم اور المیر کھڑے تھے۔ سیاہ شرٹ سفید شرٹ کے ساتھ تبدیل ہو چکی تھی۔اور وہ جچ بھی اس پر بہت رہی تھی۔

آئمہ خلیل ذرا فاصلے پر رکھے صوفے پر نشست تھیں۔اپنی دوستوں کے ہمراہ۔

"گانا شروع کریں ناں... میں نے گفٹ بھی کھولنے ہیں۔" معصومیت سے کہا تو سب پھر سے ہنسے۔

اِشفا اور مہوین لوگوں کے ہجوم سے ہٹ کر کھڑی تھیں۔ اِشفا جانتی تھی کہ آئمہ خلیل وہاج کے ساتھ تھوڑی ہی دیر میں کھڑی ہوں گی۔ اس لیے وہ وہاں نہیں جانا چاہتی تھی۔

سب نے گانا شروع کیا۔ "ایک منٹ ایک منٹ..." المیر کی آواز بلند ہوئی تو سب خاموش ہوئے۔ وہاج نے گردن موڑ کر اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

Clubb of Quality Content

آئمہ خلیل مسکرائیں۔ وہ جانتی تھیں ان کا بڑا بیٹا اب ان کی غیر موجودگی میں انہیں پکارے گا اور وہاج کے ساتھ لا کھڑا کرے گا۔ وہ منتظر تھیں کہ وہ اب بولے گا.. یا اب بولے گا۔

"میری بیوی کدھر ہے؟"

مسکراہٹ چہرے سے ایسے چھٹی جیسے کبھی چھائی ہی نہیں تھی۔پہلو میں رکھے ہاتھ مٹھی کی صورت بند کر لئے۔دانتوں کو دانتوں پر جماتے ضبط کرنے کی کوشش کی۔

سُرمئی آنکھیں سامنے کھڑے ہجوم سے ٹکر کھاتیں اس سے پیچھے کا سفر کرنے لگیں۔وہ وہاں کھڑی تھی۔بہت دور۔ہچکچاتی ہوئی۔وہ وہاج کے نزدیک سے ہٹا اور بھیڑ سے نکلتے ہوئے اس تک گیا۔

بنا کچھ بولے اس کا ہاتھ تھاما اور پھر اس کی بہن کو دیکھا۔"ساتھ آؤ مہوین۔"اس کو تھامے وہ پھر سے لوگوں کے ہجوم کو چیرتے منظر عام پر موجود تھا۔اِشفا کو وہاج کی دائیں طرف کھڑا کرتے اُس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔اِشفا اُس لمحے ناواقف تھی کہ اُس کے گرد و نواح میں کون کون موجود ہے۔اُسے صرف یہ پتا تھا کہ اُس کے پیچھے وہ شخص کھڑا تھا جو اُسے خاص ہونے کا احساس دلاتا تھا۔

بنا کچھ کہے ہی اتنا کچھ کہہ جاتا تھا۔وہ کیوں تھا ایسا...اور کیوں تھی اِشفا اُس کے لئے اتنی خاص؟ وہ نفرت..وہ گلے..وہ ناراضی کہاں گئی؟

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا

ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

دوسری طرف کھڑی مہوین کھڑے کھڑے سوچنے لگی کہ یہیں کھڑی رہے یا وہاج کے ساتھ کھڑی ہو جائے۔"مہوین..اس طرف آجاؤ۔"اِشفانے بائیں طرف آجانے کا کہا تو مہوین نے سر ہلایا۔لیکن پھر رک گئی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہاں تو راحم کھڑا تھا۔نظریں ایک مرتبہ پھر سے ملیں۔راحم نے جگہ بنائی اور چند قدم پیچھے لے گیا۔وہ اپنی قسمت کو کوستے چھوٹے چھوٹے قدم لیتی بائیں طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔ راحم نے مزید چند قدم پیچھے لئے۔

وہ فاصلے پر موجود تھا۔یہی احساس اس کے دل کو دہلا دینے کے لئے بہت تھا۔

سب نے گانا شروع کیا اور تالیاں ہر سو گونجیں۔ وہاج کیک کاٹنے لگا۔ کاٹنے کے بعد ہلکا سا ٹکڑا لیا.. سب سوچ میں پڑ گئے کہ کسے کھلائے گا۔ پر مقابل کا نام وہاج خلیل تھا۔ وہ سب سے آگے صرف اپنے آپ کو رکھتا تھا۔ ٹکڑا اپنے منہ کے قریب لے کر جاتے مزے سے منہ میں ڈال لیا۔ پھر مسکراتے ہوئے اپنے بھائی کو دیکھا۔ جو تاسف کا شکار ہوتے سر ہلا رہا تھا۔

"اس سے پہلے کہ سب کیک پر ٹوٹ پڑیں.. میں ایک بات واضع کر دوں کہ میں اب بائیس سال کا ہو گیا ہوں۔ اس لئے اگر کسی نے مجھے اپنی بیٹی دینی ہے تو پہلے ہی بتا دیں۔ ورنہ بعد میں نہ کہنا وہاج نے پسند کی شادی کر لی۔" سب سے اونچا قہقہ راحم کا نکلا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ ہنسا تو سب ہنسنے لگے۔ راحم کے ہنسنے کی آواز ہی اس کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کرنے کے لئے کافی تھی۔ وہ ہٹی.. بنا آگے پیچھے دیکھے پاس سے نکل گئی۔ راحم ہنستے ہوئے اچانک خاموش ہو گیا۔ وہ پریشان حال ہوتا اس کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ وہ دور جا کر کھڑی ہو گئی۔

المیر نے ہلکا سا تھپڑ اس کے سر پر رسید کیا۔ وہاج نے مسکراتے ہوئے آگے پیچھے دیکھا پھر کیک کا ایک ٹکڑا مزید توڑا۔ دائیں طرف ہاتھ کرتے اِشفا کی طرف لے کر گیا پھر اُسے کھلا یا۔

"اپنے بعد کیک میں نے بھابی کو اس لئے کھلایا کیونکہ یہ میری فیورٹ ہیں۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب جب مجھے برو سے مار پڑے گی تو یہی مجھے بچایا کریں گی، ہے ناں؟"اِشفا کو دیکھا جس نے مسکراتے ہوئے سر اوپر نیچے ہلادیا۔

"اور میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ.."رکا۔۔ٹھہراؤ لمبا تھا۔"..میں خود سے بھی پہلے کیک ہمیشہ عالیہ آپی کو کھلایا کرتا تھا۔مجھے ان سے بہت محبت تھی۔اتنی تو میں کبھی خود سے بھی نہیں کر پایا۔آج وہ نہیں ہیں۔میں بہت سارا رونا بھی چاہتا ہوں لیکن میں روؤں گا نہیں۔کیونکہ میرے برو نے بڑی محنت سے میرے لیے یہ اہتمام کیا ہے۔میں ہرگز بھی اس سال اپنی سالگرہ منانے کے لئے تیار نہیں تھا۔پر بھائی نے مجھے سینے سے لگا کر ہمت دی۔"المیر کی طرف مڑا۔"بھائی آپ میری آدھی دنیا ہیں۔آئی لو یو سو مچ۔"پھر المیر کے سینے سے لگ گیا۔

عالیہ کے ذکر پر سب کی ہی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔سب نے ہی وہاج کو لفظوں سے حوصلہ دیا تھا۔راحم نے بھی۔جسے خود حوصلوں کی ضرورت تھی۔"اور میں راحم بھائی سے بھی کہنا

چاہتا ہوں کہ وہ میرے آئیڈل ہیں۔میں بالکل آپ جیسا بننا چاہتا ہوں۔کیونکہ سب سے آسانی سے صرف آپ المیر بھائی سے پیسے نکلوا سکتے ہیں۔" پھر راحم کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔

پھر ایک ایک کر کے اپنے عزیزوں کو کیک کھلانے لگا۔اتنے میں آئمہ خلیل بھی اٹھ کر اس تک آئیں۔ایک گہری نگاہ اِشفا پر ڈالی اور دوسری المیر پر۔ پھر وہاج کی طرف مڑیں۔" مجھے کیک نہیں کھلاؤ گے، بیٹا؟"

وہاج نے مسکراتے ہوئے کیک کا ٹکڑا ان تک بڑھایا جب آئمہ خلیل نے اپنا دایاں ہاتھ وہاج کے ہاتھ کے نیچے رکھا جس پر کیک موجود تھا۔کہ کہیں ٹکڑا گر نہ جائے۔

اسی لمحے المیر اور راحم دونوں کی نگاہ ان کے ہاتھ پر پڑی۔خاص کر کے درمیانی انگلی پر۔جہاں سفید گول موتی والی انگھوٹی چمک رہی تھی۔یہ ہو بہو ویسی ہی تھی جیسا اسکیچ احسان کے دوست نے بنوایا تھا۔

دونوں کی نظریں ملیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے مخاطب ہوئیں۔ان کے علاوہ کسی اور کی بھی نظر اس انگھوٹی پر تھی۔"یہ انگھوٹی..."اِشفا کی زبان سے لفظ ادا ہوئے۔المیر فوراً متوجہ ہوا۔"ہاں کیا؟"

"آفیسر..یہ انگھوٹی.."وہ الجھی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھتی گئی۔"کیا ہے اس انگھوٹی کو، اِشفا؟"

"بالکل ایسی انگھوٹی میری ماما کی بھی تھی۔"المیر کی نظریں اس پر پڑیں اور پھر سفید موتی پر۔
"تمہیں یقین ہے یہ آنٹی کی ہی ہے؟"

"مجھے یقین تو نہیں ہے پر مجھے اچھے سے یاد ہے کہ ہو بہو ایسی شکل کی انگھوٹی ماما کے پاس تھی۔جو کہ بابا نے انہیں شادی کی سالگرہ پر دی تھی۔"وہ غائب دماغی سے بس کہے جا رہی تھی۔"اگر قریب سے دیکھو گی تو پہچان جاؤ گی؟"

اس نے شانے اچکائے۔" بابا نے ماما کی جتنی بھی انگھوٹیاں بنوائی تھیں سب کی ایک خاص نشانی ہوا کرتی تھی۔"

"اور کیا تھی وہ نشانی؟"

"یاد نہیں ہے۔ سوری۔" معصومیت سے کہا تو المیر مسکرایا۔" کوئی بات نہیں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اب کہ ایک پورا گھنٹا بیت چکا تھا۔ سب کھانے میں مگن تھے۔ جبکہ المیر اور راحم کی نظر صرف اُس انگھوٹی پر تھی۔ راحم نے المیر کو ایک مزے دار سا پلان بتایا تھا۔ جس پر عمل پیرا ہونے کے لیے المیر آئمہ خلیل کے ساتھ بیٹھا تھا۔

ان کی دوستیں ان سے گفتگو میں مشغول تھیں۔ جبکہ المیر کے ایک ہاتھ میں فون تھا اور دوسرے میں آئمہ کا ہاتھ۔ وہ دھیرے دھیرے ان کی انگھوٹی کو چھو رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اُسے انگلی سے جدا کرتا گیا۔

جیسے ہی انگھوٹی ہاتھ میں آئی، اس نے اُسے گھما گھما کر دیکھا۔ نشانی غیر شناسا تھی پر پرکھ لینے میں کیا ہی جانا تھا۔ باہر سے جانچنے کے بعد اس نے اندرون دیکھا۔ جہاں صاف صاف آر اور ایس لکھا تھا۔ آر سے رحمان اور ایس سے سحر۔ اُسے لفظوں کا مطلب سمجھنے میں تیس سیکنڈ بھی نہ لگے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے راحم کو دیکھا۔ راحم اس کے تاثرات دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ معاملہ پیچیدہ ثابت ہوا ہے۔ اس نے اُسے جیب میں ڈالا اور ان سے بعد میں بات کرنے کا سوچتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

جب سب مہمان گھروں کو چل دیئے تو المیر باقی گھر والوں کے ہمراہ ہال میں نشست تھے۔ آئمہ خلیل خلیل محمد سے بات کر رہی تھیں۔ جب اچانک المیر نے انہیں پکارا۔ "ماما... یہ آپ کی ہے؟" انگھوٹی شہادت کی انگلی اور انگھوٹے کے درمیان فضا میں بلند تھی۔

آئمہ خلیل کی نظر اُس کے ہاتھ پر پڑی۔ پھر قدرے آنکھیں چھوٹی کیں۔ دماغ میں اچانک کسی خیال کا آغاز ہوا اور چہرے کے تاثرات بدلے۔ "ہاں ہے تو میری ہی۔" وہ ڈھیلی سی مسکرائیں۔

"آپ کو کہاں سے ملی یہ؟" ایک اور سوال کیا۔ اب کہ خلیل محمد اور وہاج متوجہ ہو چکے تھے۔ "یہ انگھوٹی مجھے خلیل نے ہماری شادی کی تیسری سالگرہ پر دی تھی۔ یاد ہے آپ کو، خلیل؟" پھر ان کی طرف رُخ پھیرا۔

خلیل محمد نے سنجیدگی سے اُسے دیکھا۔ "یہ انگھوٹی اس قدر خوبصورت ہے کہ اسے دیکھتے ہی رحمان نے بھی ایک ایسی ہی انگھوٹی سحر کے لیے بنوائی تھی۔"

اس نے ایک ابرو اٹھائی۔"ماما آپ کی انگھوٹی کہاں ہے؟ کیونکہ یہ تو سحر آنٹی کی ہے۔"وہاج کی حیرانی کو پرکھتے ہوئے اس نے انگھوٹی اس کی طرف اچھالی۔

"سحر کی؟ سحر کی انگھوٹی میرے پاس کیوں ہو گی؟ یہ میری ہے، المیر۔"انہوں نے ساتھ بیٹھے وہاج کے ہاتھ سے اُسے لے لیا۔"اس پر اندر کی طرف آر اور ایس لکھا ہے۔ بابا، کیا آپ نے آر اور ایس لکھوایا تھا؟"

خلیل محمد چونکے۔"نہیں... میں نے کچھ بھی نہیں لکھوایا تھا۔"سب پریشان سے ہوتے انگھوٹی کی اور دیکھنے لگے۔"میں نہیں جانتی یہ میرے پاس کہاں سے آئی۔ میں نے تو اپنی انگھوٹی پہنی تھی۔"

"تو پھر آپ کی انگھوٹی کہاں ہے؟"وہاج فوراً بولا۔ آئمہ خلیل سوال پر اُٹھیں اور کمرے تک بڑھ گئیں۔ چند منٹ بعد باہر آئیں تو گھبرائی ہوئی لگیں۔"میری انگھوٹی وہاں نہیں ہے جہاں میں نے اُسے رکھا تھا۔ اور یہ میرے پاس کہاں سے آگئی۔۔ میں نہیں جانتی۔ میرا یقین کرو، المیر۔"

"آپ جانتی ہیں پولیس اس کی تلاش میں ہے۔" انگھوٹی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ایک کرائم سین سے چوری ہوئی تھی۔ سب اس کی تاک میں ہیں۔ اور اب مجھے پتا چل رہا ہے کہ یہ مقتول کی تھی ہی نہیں۔ بلکہ سحر امین کی ہے۔ اور میرے اپنے گھر پر موجود ہے۔ اب آپ ہی بتائیں میں کیا کروں، ماما؟"

"کوئی مجھے فریم کر رہا ہے، المیر۔" وہ روہانسی سی ہوئیں تو وہاج فوراً ماں کے پاس آیا۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں لے لیا۔ "میرا سوال بھی یہی ہے۔ کہ کوئی آپ ہی کو فریم کیوں کر رہا ہے؟"

Clubb of Quality Content!

اس کے ساتھ ہی اس کا فون بج پڑا۔ اس نے اُسے کان سے لگایا۔ "المیر، احسان کے پاس انگھوٹی کیسے آئی، میں جانتا ہوں۔" راحم کی آواز ابھری۔ "کیسے؟"

"احسان وہی چوکی دار ہے جو انیس سال پہلے تمہارے محلے کی نگرانی کرتا تھا۔ خلیل انکل آس پاس ہیں تو ان سے ضرور پوچھنا۔ اور ایک اور بات۔ احسان کو جس انسان نے دس لاکھ دیئے

تھے وہ کوئی اور نہیں بلکہ نفیسہ خود تھی۔ تصویروں کو ہر اینگل سے چیک کر لیا گیا ہے۔ نفیسہ ہی وہ عورت ہے جو اس تصویر میں احسان کو کچھ پکڑا رہی تھی۔ اور وہ یقیناً پیسے ہی تھے۔"

المیر نے پیشانی مسلی۔ پھر بات کر کے فون بند کر کے سامنے رکھ دیا۔ "کیا ہوا، بھائی؟"

"بابا، احسان مرتضیٰ کو آپ جانتے ہیں؟" خلیل محمد سے مخاطب ہوا۔ جو کہ نام سن کر ہی شناسائی کی دنیا میں قدم رکھ چکے تھے۔ "احسان...ہاں نام تو سنا سنا ہے۔"

"ہمارے پرانے محلے میں چوکی داری کون کرتا تھا؟" خلیل صاحب کی آنکھیں شناخت معلوم پڑ جانے پر پل میں پھیلیں۔ "احسان.. ہاں احسان مرتضیٰ۔"

"راحم کی کال تھی۔ نفیسہ باجی دو اگست دو ہزار سات کے دن احسان سے ملی تھیں۔ اور اُسے دس لاکھ روپے دیئے تھے انھوں نے۔ اب کیوں دیئے تھے یہ کوئی نہیں جانتا۔"

"اور انگھوٹی...اس کا کیا؟" وہاج کی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔"اگر ماما سچ میں نہیں جانتیں کہ یہ ان کے پاس کہاں سے آئی ہے تو ممکن ہے کسی نے جان کر انگھوٹیاں بدل دی ہوں۔"

"تو اب کیا ہو گا..؟" وہ اداس ہو گیا تھا۔پہلے نفیسہ کے کیس میں آئمہ خلیل سے تحقیقات کی گئی تھی اور اب یہ سب سامنے آگیا تھا۔وہ اپنی ماں کو لے کر بہت فکر مند تھا۔

"جب تک پولیس کو کوئی ٹھوس ثبوت نہیں مل جاتا..تب تک ماما کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔البتہ یہ انگھوٹی اب تحویل میں دینی ہو گی۔میں معاملہ سنبھالنے کی پوری کوشش کروں گا۔آپ سب فکر نہ کریں۔"

المیر کمرے میں آیا تو اس نے آتے ہی راحم کا نمبر ملایا تھا۔"یقین کر لیا سب نے؟" راحم کی آواز ابھری۔

"ہاں..."

کہانی کا ایک پہلو عیاں تھا اور دوسرا پہلو پوشیدہ تھا۔ نہ ہی کوئی تصویر احسان کا دوست زید دے کر گیا تھا اور نہ ہی تصویر میں نفیسہ موجود تھی۔ دس لاکھ تو بہت دور کی بات تھے۔ یہ راحم کا پلان تھا۔ اگر اندر کا بندہ شامل تھا تو اس کا ماننا تھا کہ وہ ہاتھ پیر ضرور مارے گا۔ اُسے پریشانی لاحق ہو جائے گی کہ نفیسہ نے کس بات کے دس لاکھ احسان کو دیئے تھے۔ اس طرح نہ نفیسہ اور نہ ہی احسان کو جانی نقصان ہونا تھا کیونکہ دونوں پہلے ہی جان سے جا چکے تھے۔

Clubb of Quality Content

"المیر، میری چھٹی حس مجھے یہ کہتی ہے کہ جس نے رحمان امین کے گھر کو جلایا تھا۔ اسی نے انگھوٹی گھر سے اٹھالی تھی۔ اور آنٹی کی انگھوٹی سے بھی اسی نے اُسے بدلا ہو گا۔ تاکہ الزام ان پر آجائے۔ بس ایک دفعہ یہ پتا چل جائے کہ انگھوٹی سب سے پہلے کس کے ہاتھ لگی تھی تو کڑیاں ملنے لگیں گی۔"

اس نے دھیرے دھیرے سر ہلایا۔"یا تو انگھوٹی آج بدلی گئی ہے یا پھر گذشتہ چند روزوں میں۔آج گھر میں گہما گہمی اتنی تھی کہ آرام سے ادلہ بدلی ہو سکتی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ گھر میں کام کرنے والے بھی یہ حرکت کر سکتے ہیں۔"

"میرا نہیں خیال آج انگھوٹی تبدیل کی گئی ہو گی۔کیونکہ آنٹی کا کمرہ پورا ٹائم لاکڈ تھا۔ایک بزرگ خاتون نے باتھروم جانا تھا تو وہ اس کمرے کے دروازے کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھیں۔پر کھل نہیں رہا تھا۔"

"ہم مزید اب ان معاملوں کو ڈھیل نہیں دے سکتے،راحم۔بات ایک مرتبہ پھر سے میرے گھر والوں پر آگئی ہے۔"اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تم فکر نہ کرو۔ہم ساتھ مل کر سب کچھ کرلیں گے۔"المیر مسکرایا۔

وہ چند منٹ مزید بات کرتے رہے۔پھر دونوں ہی سنے کی غرض سے اپنے اپنے بستر میں گھس کر لیٹ گئے۔

"یہ رہے تمہارے پیسے..."

ایجنٹ سیون نے پچاس ہزار نکال کر میز پر پٹخے۔ پھر جیب میں سے سگریٹ کی ڈبی نکال کر سگریٹ کو منہ سے لگایا۔ "اچھا کام کیا ہے تم نے۔ باس تم سے خوش ہیں۔" پھر ایجنٹ ایلیون کی طرف اشارہ کیا جو آرام سے پیچھے کرسی پر بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

Clubb of Quality Content!

وہ خوشی سے پچاس ہزار کو اٹھاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ یہ احسان کا وہ دوست تھا جس نے مقام مرگ پر انگھوٹی کا قصہ راحم کے سامنے کھولا تھا۔

نہ ہی کوئی انگھوٹی احسان کے پاس تھی اور نہ ہی اُس دوست نے سچ بتایا تھا۔ اُسے تو بس جھوٹ بولنے کے پیسے دیئے گئے تھے۔ انگھوٹی کی وہ ڈبی جو اس نے راحم کی دکھائی تھی، اس کے بارے میں وہ عرصہ دراز سے جانتا تھا۔ وہ ڈبی واقعی احسان کی بیوی کی تھی۔ لیکن اس

میں جو انگھوٹی رکھی گئی تھی اس کو حالات کی خرابی کے پیشِ نظر احسان دو سال قبل ہی بیچ چکا تھا۔ جو کہ کم دام میں فروخت ہوئی تھی۔ بس اس کا خالی باکس یادگار کے طور پر اپنے پاس ہی اس نے رکھ لیا تھا۔ اور تب ہی اس کا دوست اس کے وہاں پڑے ہونے سے واقفیت رکھتا تھا۔

پھر بس انگھوٹی کو تبدیل کرنا تھا۔ اور ایجنٹس کا کام با آسانی ہو گیا تھا۔

ایجنٹ ون کی موت کے بعد ایجنٹس کا ٹولہ ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے لگا تھا۔ اس کی بہن کی مدد کے لئے ایجنٹ ون کے اکاؤنٹ میں پیسے ڈلوا دیئے تھے۔ اور پھر ایجنٹ سیون نے بینک مینیجر بن کر کال کی تھی اور اُسے اس رقم سے آگاہ کیا تھا۔

ساتھ میں یہ بھی بتایا تھا کہ وہام ایک اچھا انسان تھا۔ وہ ایک جگہ نوکری کرتا تھا اور وہیں سے پیسے لالا کے اکاؤنٹ میں رکھتا رہا تھا۔ خود کا تعارف جہاں انتظامیہ کے طور پر کروایا تھا وہیں یہ بھی واضع کر دیا تھا کہ اس کی وہام سے اچھی بول چال تھی۔

سب کو وہام کی موت کے بعد بڑا صدمہ لگا تھا۔اس کے انتقال کے اگلے ہی دن اُس آفیسر کو ایس ایچ اوالمیر خلیل نے نوکری سے فارغ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر ایجنٹس کے دل کو ہلکا سا سکون پہنچا تھا۔ لیکن وہام کا بدلہ ایجنٹس خود اس اہلکار سے لینا چاہتے تھے۔ سو وہ سہی موقعے کی تلاش میں تھے۔

"ادھر آؤ سب۔" ایجنٹ ایلیون نے سب کو اونچی آواز میں پکارا تو ایک ایک کر کے تینوں اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

"تم سب کا کام آج ختم ہو گیا، ایجنٹس۔ کل سے کام پر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اپنی زندگیوں کی نئی شروعات کرو۔ ہنسو، جیو اور جینے دو۔"

ان تینوں نے عجیب تاثر سے باس کو دیکھا۔ "لیکن باس ابھی تو دشمن کھلا گھوم رہا ہے۔ ہم ایسے کیسے نئی شروعات کر لیں؟" ایجنٹ سیون بولا تھا۔

"تم سب کی جان کو خطرہ ہے۔ ہم پہلے ہی ون کو کھو چکے ہیں۔اب مزید رسک کوئی نہیں لے گا۔آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ تمہارے پاس پورٹس اور جہاز کی ٹکٹ تمہیں تمہارے بستر کے نیچے مل جائیں گی۔اگست کے دوسرے ہفتے میں ملک چھوڑ دینا۔"

"لیکن باس ہمیں خطرہ لاحق کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم نے تو تمام کشتیاں جلادی ہیں۔" ایجنٹ سکس کا حلق خشک ہونے لگا تھا۔

"یاد رکھو کشتیاں جلانے پر آگ پھیلتی ضرور ہے۔پولیس جان گئی ہے کہ جمال زندہ ہے۔ یعنی کچھ شبہ نہیں کہ بہت جلد دشمن بھی جان جائیں گے۔اور جس دن دشمن جان گئے اس دن جمال اور اس کی اولاد ان کے قبضے میں ہوں گے۔اور جیسا کہ تم سب جانتے ہو..انسان سب سے زیادہ بے بس تب ہوتا ہے جب بات اس کی اولاد پر آتی ہے۔ہمارے خلاف جمال کی اولاد کو جمال سے سچ نکلوانے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔اور وہ سب سچ بتادے گا۔اس لئے تمہارا یہاں سے جانا ضروری ہے۔"

"لیکن باس ہم ایسا بھی تو کر سکتے ہیں کہ صرف جمال کو ملک سے باہر بھیج دیں۔" ایجنٹ فور نے مشورہ دیا۔

"جمال ایک مہینے تک ملک سے نہیں نکل سکتا۔ پولیس اُسے ڈھونڈ رہی ہے۔ ائیرپورٹ پر پہنچے گا تو پکڑا جائے گا۔ اور اس ایک مہینے میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کی جگہ تم لوگوں کو ہجرت کرنی ہو گی۔ پھر ایک مہینے کے اندر اندر اُسے ملک سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔"

"اور باقی ایجنٹس کا کیا ہو گا؟" ایجنٹ سیون نے ایک اور سوال داغا تھا۔

"ایجنٹ ٹو ہسپتال میں ہے۔ ایک مہینے سے اس کا بخار نہیں جا رہا۔ ممکن ہے کچھ ہفتوں میں ٹھیک بھی ہو جائے۔ لیکن اس سے پہلے ہی وہ وہاں سے فرار حاصل کر لے گا۔ رہی بات تھری اور فائیو کی.. تو... تھری پہلے سے فرار ہے۔ البتہ پولیس اُسے ڈھونڈ رہی ہے۔ جبکہ فائیو کو پولیس ہمارے خلاف بہت جلد استعمال کرے گی۔ لیکن اس کی فکر بھی تم سب مت کرو۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باس، اگر ایجنٹ ٹو پولیس کی نگرانی میں ہسپتال میں داخل ہے تو وہ وہاں سے بھاگے گا کیسے ؟" ایجنٹ سیون نے مزید ایک سوال کیا تھا۔

"المیر خلیل ایک وقت میں چار چار کیسز کو دیکھ رہا ہے۔ اس لئے اس نے اس کی زمیداری اے ایس پی صاحب کو دے دی ہے۔ جو کہ آئندہ دنوں میں شہر سے باہر چلے جائیں گے۔ بس اسی دوران وہ بھاگے گا۔"

"آپ کو کیسے پتا کہ اے ایس پی صاحب شہر سے باہر جائیں گے آئندہ دنوں میں ؟" ایجنٹ سکس تجسّس کا شکار ہوا۔

"مجھے سب پتا ہوتا ہے۔" مسکراہٹ پھیلی۔ پھر نظر ایجنٹ سیون پر ٹکی۔ "یہ دونوں اگست کے دوسرے ہفتے میں ملک چھوڑ دیں گے۔ جبکہ تم تب تک پاکستان نہیں چھوڑو گے جب تک مجھے تمہارا ملک چھورنا ٹھیک نہیں لگتا۔"

سب نے ایک ساتھ "باس" کہا۔ پھر اپنے اپنے کام میں مگن ہو گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب:۹

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اگست کی ابتدائی تاریخیں تھیں۔ موسم اب اتنا گرماہٹ سے بھرپور نہ تھا، جتنا جولائی میں تپش اور حبس کی مانند ہو رکھا تھا۔ عالیہ خلیل کے انتقال کو اس مہینے نو ماہ مکمل ہونے والے تھے۔ سب کی زندگیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مگن نظر آتے تھے۔

تبھی خلیل منزل کے دوسرے فلور کے ایک کمرے کی الماری چرچراہٹ کی آواز کرتی کھلی۔ اس کے کھلتے ہی بھورے غلاف کی ڈائری آکر الماری سے باہر گری۔ گری بھی کچھ اس انداز میں کہ اورق کو برابری میں بانٹتے بیچ والا صفحہ عیاں ہوا۔ پنکھے کی مسلسل ہوا کے باعث صفحے اڑنے لگے۔ ایک کے بعد ایک پلٹتا چلا گیا۔ ان پر کہیں بھی سیاہی کے نشانات نہیں تھے۔ ایسے تھی جیسے نئ نکور لا کر الماری میں رکھ دی ہو۔

صفحے جیسے جیسے آہٹ نکالتے پلٹتے گئے ویسے ہی وقت قید میں کئی ماہ پیچھے چلا گیا۔

کمرے کا دروازہ ہولے سے کھولیں تو ہمیں وہ سیاہ بالوں والی لڑکی گود میں بھورے رنگ کی ڈائری پکڑے بیٹھی نظر آئے گی۔ اس کے بال ہمیشہ کی طرح پونی میں مقید تھے۔ اس نے ہلکے سبز رنگ کی سویٹر پہن رکھی تھی۔

یہ منظر ابھی کا نہیں تھا۔ یہ ایک سال اور نو مہینے پرانا تھا۔ دو ہزار تئیس کے گیارویں مہینے یعنی نو دنو مبر کی یہ ایک ٹھنڈی صبح کا واقعہ تھا۔ وہ ڈائری میں اپنی نئ خیال کی گئ کہانی کے کچھ اہم نکات درج کرنے میں مشغول نظر آتی تھی۔

گھر پر کوئی نہیں تھا۔ سوائے اس کے۔اور کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ وہ اس وقت یونیورسٹی کی جگہ اپنے کمرے میں موجود ہے۔گھر کے سبھی لوگ خالہ کے بیٹے کے ایکسیڈنٹ ہونے پر اس کی عیادت کے لئے گئے ہوئے تھے۔

یہ وہ خالہ تھیں جو ماہ نور کی سب سے چھوٹی بہن تھیں۔اس لیے آئمہ خلیل ان کے ہمراہ جانے کی بجائے ایک سہیلی کے ہاں رکی ہوئی تھیں۔

ناولز کلب

وہ کام کرتے کرتے ذرا سی بستر سے اٹھی۔آج یونیورسٹی میں ایک ہی کلاس تھی۔اس لئے اس نے سوچا تھا کہ چھٹی کر لے گی۔

وہ دھیرے دھیرے ننگے پیر دروازے کے پاس سے اپنی چپل پہننے آئی جو کہ اس نے باتھروم میں پہن کر جانی تھی۔اُسے جیسے اسی لمحے کسی کے بولنے کی آواز آئی۔وہ چونک کر قدرے آگے ہوئی۔دروازہ ذرا سا کھولا اور کان لگائے۔

آنکھیں چھوٹی کرتے وہ سن رہی تھی کہ کوئی بول رہا ہے۔پر گھر پر تو کوئی نہیں تھا۔تو پھر یہ کس کی آواز تھی؟اس نے غور کرنے کے لئے دوسرے کان پر ہاتھ رکھ لیا۔تاکہ ٹھیک سے سن سکے۔

"اگر..ہاں.." بہت ہی کٹی کٹی اور دبی دبی آواز اُسے پہلی منزل سے آنے لگی۔یہ آواز تو اس کی سوتیلی ماں کی تھی۔اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

لیکن وہ بات کس سے کررہی تھیں؟لہجہ بتا رہا تھا کہ بات کافی سنگین تھی۔تب ہی تو اکھڑا پن دوسری منزل تک رسائی حاصل کرتے اس کو متوجہ کر گیا تھا۔

آج سے پہلے اس نے کبھی بھی انہیں اس قدر بد تمیزی سے بات کرتے نہیں سنا تھا۔"ہاں فرزین ملک کی دکان پر۔"

پھر آواز یک دم آنا بند ہو گئی۔ پھر دروازے کے بند ہونے کی آواز آئی۔ وہ کمرے سے باہر نکلی۔ گریل پر ہاتھ رکھ کر دروازے کی جانب نظریں اٹھائیں۔ وہ اتنی جلدی میں کہاں گئیں؟

اور یہ فرزین ملک کون ہے؟

یہ دو ہفتے بعد کا منظر تھا۔ پچھلے کتنے ہی روز سے وہ آئمہ خلیل کو پرکھتی رہی تھی۔ اُسے ان کا برتاؤ بدلا بدلا سا لگتا تھا۔ ایسا جیسے ڈھونگ کر رہی ہوں۔ یا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔ وہ پچھلے دو ہفتوں میں سے تین دن ایک ہی وقت کہیں غائب ہو جایا کرتی تھیں۔ کبھی کس تو کبھی کس سہیلی سے ملنے کی وجہ تھما کر دو گھنٹوں کے لئے گھر سے چلی جایا کرتیں۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

تجسّس سے اُس کی جان نکل رہی تھی۔ایک لکھاری کبھی بھی اپنی کتاب اور تفتیش ادھوری نہیں چھوڑتا۔ان کا یوں مشکوک طریقے سے گھر سے نکلنا سو قسم کے اندیشے اس کے دل میں پیدا کر رہا تھا۔

کہیں وہ اس کے والد سے بیوفائی تو نہیں کر رہی تھیں؟

دماغ کہتا تھا کہ جائے اور جا کر پوچھ لے۔لیکن بنا کسی ثبوت کے یوں ہی کسی پر بہتان لگانا بھی اُسے معیوب لگتا۔نہ تو وہ جانتی تھی کہ آئمہ خلیل جاتی کہاں ہیں اور نہ ہی اُسے فرزین ملک سے مُتعلّق کوئی بھی خبر مل پائی تھی۔پتا نہیں کون تھیں یہ خاتون!

دسمبر کا پہلا ہفتہ سر پر آن پہنچا تھا۔اس کے پرچے بھی جاری تھے اور تھا بھی یہ آخری سیمیسٹر۔دماغ جتنا بھی پڑھائی میں لگانے کی کوشش کر لیتی پر ذہن کے گوشے گوشے میں سوالیہ نشان جھلملا رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اسی رات وہ المیر کا لیپٹاپ لے کر بیٹھ گئی۔ارادہ تو یہی تھا کہ فرزین ملک کے بارے میں آگے پیچھے سے پتا کرنے کی کوشش کرے گی۔لیکن سوشل میڈیا پر سو سے زائد اس نام کی عورتیں موجود تھیں۔وہ پریشانی اور مایوسی کی کیفیت سے گھیرے گئی تھی۔

جب اچانک اس کی نظر اسکرین پر لکھے ایک جملے پر گئی۔"کسی کے بارے میں معلومات نکلوانی ہو تو ہم سے رابطہ کریں۔گمشدہ اور دریافت شدہ۔" ویبسائٹ کا نام ہی اتنے عجیب طرز کا تھا کہ دل نے کہا رہنے دو پر دماغ نے کہا ایک دفعہ کوشش کر لینا رائیگاں تھوڑی جائے گا۔

اس نے بہت ہمت کر کے اپنا فون اٹھایا اور اس پر نمبر ملایا۔چند لمحوں تک کال جاتی رہی۔پھر دوسری طرف سے آواز آئی۔"گمشدہ اور دریافت شدہ۔جی بتائیے ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

Clubb of Quality Content!

عالیہ بوکھلا گئی۔ سوچ کا سمندر اتنا گہرا ہو گیا کہ اس نے فوراً کال بند کر ڈالی۔ کہیں یہ کوئی فراڈ ہی نہ ہو۔ کہیں میں پھنس ہی نہ جاؤں۔

اگلی شام جب وہ اپنا آخری پرچہ دے کر گھر آئی تو یونیورسٹی سے ہی ٹھان کر آئی تھی کہ آج پھر سے اس نمبر پر کال کرے گی۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ پھر سے مطلوبہ نمبر ملا ڈالا۔

"گمشدہ اور دریافت شدہ۔ جی بتائیے ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟" لڑکی کی باریک سی آواز ابھری۔

اپنے دھڑکتے دل کو قابو میں کرتے اس نے لب جدا کیے۔ "میں.. مجھے کسی کے بارے میں جانکاری چاہیے۔"

"ہم ایسے کسی کو بھی جانکاری نہیں دیتے، مدام۔ آپ کو ہمیں اپنا نام، پتہ اور حالات سے اگاہی کرنی ہوگی۔" یہ سن کر اس نے کال کاٹی۔ سانس بحال کرنے کی کوشش اس کی ہمیشہ کی طرح آج بھی کسی کام نہ آپائی تھی۔

یہ دو مکمل روز گزرنے کے بعد کا منظر تھا۔ وہ پھر سے اُس نمبر کو اپنے فون کی اسکرین پر کھولے بیٹھی تھی۔ اسکرین پر اس کے دائیں ہاتھ کا انگھوٹا گول گول چکر کاٹ رہا تھا۔ ذہن خیالات اور وہموں کا گھر بنا ہوا تھا۔

یہ تیسری اور آخری کوشش تھی جس کے لئے اس نے بہت ہمت جٹائی تھی۔ "ہیلو؟"

"گمشدہ اور دریافت شدہ۔ بتایئے ہم آپ کے کس کام آ سکتے ہیں؟" ایک کانپتا ہوا سانس اس کے حلق سے نکلا۔ "مجھے کسی- کسی کے بارے میں جانکاری-- چاہیے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جی مدام، آپ اپنا نام بتائیں اور شناختی کارڈ نمبر بھی۔"اس نے آنکھیں مایوسی سے بند کر لیں۔اب کیا؟

"بنا نام اور-اور شناختی کارڈ کے آپ میری مدد نہیں کر سکتیں؟"بہت سوچ کر اس نے سوال کیا۔"نہیں، مدام۔یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے۔"

"لیکن.. لیکن کوئی دوسرا راستہ تو ہو گا ناں؟"اس دفعہ وہ مایوسی کے دامن کو تھامے کال نہیں رکھنا چاہتی تھی۔"نہیں.. سوری.."پھر دوسری طرف سے کوئی غیر شناسا آواز ابھری۔ایسے جیسے کوئی اور اس لڑکی سے مخاطب تھا۔چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"ہیلو؟"

زنانہ آواز اب مردانہ آواز سے بدل چکی تھی۔اس نے گھبراتے ہوئے ایک مرتبہ پھر سے کال کاٹنے کے لئے فون کو کان سے ہٹایا۔"بنا نام اور شناختی کارڈ کے ہماری کمپنی آپ کی مدد نہیں کر سکتی۔پر میں کر سکتا ہوں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

الفاظ پر اس کی انگلیاں تھمیں۔اس نے چونک کر فون واپس کان سے لگایا۔"آپ-آپ کون ہیں؟"

"مجھے سب ول کہتے ہیں۔بتائیں آپ کو کس کی معلومات نکلوانی ہے؟"امید کی ایک خوش گوار لہر اس کے پور پور میں دوڑ گئی۔"لیکن آپ میری مدد کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"سوال کافی مناسب ہے۔دراصل ہماری کمپنی ایمپلائز کو ہر مہینے بونس دیتی ہے۔لیکن یہ ملتا صرف اُسے ہی ہے جو ہر مہینے دس سے زیادہ لوگوں کو بطور کلائنٹ کے پیش کرتا ہے۔میں نے اب تک نو لوگوں کی مدد کی ہے۔اور مجھے مزید ایک انسان کی ضرورت ہے۔اگر آپ کی مدد کروں گا تو مجھے مہینہ پورا ہونا سے پہلے ہی بونس دے دیا جائے گا۔آپ کا بھی فائدہ ہو جائے گا اور میرا بھی۔"

"میں کہیں پر بھی پیش نہیں ہو رہی۔" اس نے ڈر کر کہا تو نووارد کا قہقہ گونجا۔ "مدام، یہ عدالت نہیں ہے کہ آپ کی یا کسی اور کی پیشی ہو گی۔ یہاں بس میں نے آپ کا نام فہرست میں ڈالنا ہے اور آپ کی مدد کے بدلے ملنے والے پیسے باس کی جھولی میں رکھنے ہیں۔"

"پیسے؟" پیسوں کے ذکر پر اس کا رنگ فوراً اڑ گیا۔ وہ کہاں سے لائے گی پیسے؟

"جی بالکل۔ زیادہ نہیں.. بس دس ہزار کام ہونے سے پہلے اور دس ہزار کام ہونے کے بعد۔" بیس ہزار...! اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ صرف دس یا بارہ ہزار کی بات ہوتی تو وہ اپنی جیب سے دے دیتی لیکن بیس تو بہت زیادہ تھے۔

"بیس تو بہت زیا- زیادہ ہیں۔" دوسری طرف سے ایک گہرا سانس لینے کی آواز آئی۔ "میں اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ سوری۔"

اس نے قرب سے آنکھیں میچیں۔ ہاتھ کی مٹھی بناتے وہ قدرے سیدھی ہوئی۔ "ٹھیک ہے۔۔ میں- میں دے دوں گی۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"گڈ۔ چلیں اب آپ مجھے اپنے نام بتائیں اور جس کے بارے میں معلومات چاہیے اس کا بھی نام بتائیں۔" عالیہ آلتی پالتی مار کر آرام سے بیٹھی۔ "میرا نام..."

"کچھ بھی بتادیں۔ باس کو نام سے زیادہ پیسے سے غرض ہے۔" اس نے بہت سوچنے کے بعد ایک نام کہہ ڈالا۔ "لیانور۔"

"گڈ۔ اب مطلوبہ انسان کا بھی نام بتائیں۔" صفحے پلٹانے کی آواز ابھرنے لگی۔ "فرزین ملک۔"

Clubb of Quality Content!

"ایک منٹ انتظار کریں۔ پلیز۔" وہ چپ چاپ سے انتظار کرنے لگی۔ پورا ایک منٹ بیت گیا۔ تو وہ شخص پھر سے بولا۔ "پورے پاکستان میں انچاس فرزین ملک ہیں۔ جبکہ اگر صوبوں کے حساب سے تعداد نکالی جائے تو سندھ میں کل تعداد دس ہے۔ جبکہ خیبر پختون خوا میں اٹھارہ ہے۔ بلوچستان میں چار ہے۔ اور پنجاب میں سترہ ہے۔"

"اسلا آباد اور راولپنڈی میں - میں کتنی فرزین ملک رہائش پذیر ہیں؟" آنکھیں ایسے چمک رہی تھیں جیسے اکثر چمکا کرتی تھیں۔ جب بھی اُسے کہانی کا کوئی سرا سمجھ میں آنے لگتا تھا۔

"پہلے میرے دس ہزار.. باقی کام بعد میں۔"

عالیہ نے اُکتاہٹ سے ہونٹ بھینچ لئے۔ "آپ کے پیسے آپ کو مل جائیں گے۔ میں کام ہونے کے بعد ہی آپ کے سارے پیسے دے دوں گی۔"

"اوہوں... میں اپنی بات سے نہیں پھرتا۔ دس ہزار کام ہونے سے پہلے اور دس بعد میں۔"

عالیہ کا دل کیا رونے لگے۔ کتنی قریب تھی وہ مطلوبہ جانکاری کے۔

"ٹھیک ہے۔ بتائیں کہا- کہاں پیسے لاؤں؟" اس نے قدرے بدمزہ لہجے سے پوچھا۔

"میرے بینک میں ٹرانسفر کردیں۔ میں اکاؤنٹ نمبر-"

"نہیں...! میں- میرا بینک اکاؤنٹ نہیں ہے۔ کیا کوئی اور- اور ذریعہ نہ- نہیں ہے؟" اکثر اس کی زبان بھوکلاہٹ کا شکار ہوتی زیادہ لڑکھڑانے لگتی تھی۔ "آپ مجھے اپنا ایڈریس دے دیں۔ میں آجاؤں گا پیسے لینے۔"

"نہیں!" وہ فوراً بولی۔ آج سے پہلے کبھی بھی اس کا دل یوں نہیں بھاگا تھا جیسے اس لمحے بھاگ رہا تھا۔ اُسے لگا جیسے معلومات نکلوانے کی بجائے بینک لوٹ رہی ہو۔

"اچھا پھر کسی اور جگہ مل لیتے ہیں۔" وہ اس انسان کے مشورے سن سن کر کچھ ہی منٹوں میں پک گئی تھی۔ "میں آپ سے- سے ملنے نہیں آؤں گی۔ صرف پیسے دینے ہیں تو وہ- وہی دوں گی۔"

"مرضی ہے آپ کی، مدام۔ بتائیں کہاں آؤں؟"

اگلے دن اس نے بڑی ہوشیاری دکھاتے پیسوں سے بھرا لفافہ ایک جگہ پر چھوڑا تھا۔ جو کہ ول نے اٹھا بھی لیا تھا۔

"اسلام آباد میں صرف دو فرزین ملک ہیں۔ جبکہ راولپنڈی میں پانچ ہیں۔" فون کو بستر پر رکھتے اس نے ہیڈ فون کو فون سے جوڑ کر کانوں پر لگایا۔ "لیکن مطلوبہ کونسی سے والی ہیں؟ یہ کیسے پتا چلے گا؟"

"پتا نہیں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ان میں سے کتنی ورکنگ وومن ہیں؟" پہلی دفعہ اس کا دماغ لکھاری سے زیادہ ایک پولیس والے کی طرح چل رہا تھا۔ "ان میں سے دو کام کرتی ہیں۔ ایک کی راولپنڈی میں دکان ہے۔ اور ایک اسلام آباد کے مال میں کام کرتی ہے۔"

آئمہ خلیل نے دکان ہی کا تو ذکر کیا تھا۔ "دکان والی کی دکان کہاں پر ہے؟"

"مری روڈ پر۔" صرف راولپنڈی میں ہی مری روڈ تھی۔تب ہی وہ اس کا اشارہ آرام سے سمجھ گئی تھی۔"اور یہ رہتی کہاں پر ہیں؟"

"پچھلے چار مہینوں سے لاہور میں ہیں۔ویسے اسلا آباد میں رہتی ہیں۔"

"لاہور میں کہاں پر؟"اس نے مزید ایک سوال کیا۔ذہن میں تو بہت سے سوالات تھے۔پر زبان تک چند ہی آپارہے تھے۔"لاہور میں کانٹینینٹل ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔تھینک یو۔یو سو چ۔"

"کوئی بات نہیں۔اب میرے پیسے؟"کچھ پل کے لئے رکا پھر بولا۔جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔ "آپ اس معلومات کا غلط استعمال نہیں کر سکتیں۔اگر آپ نے ایسا کچھ بھی کیا تو میں آپ پر کیس کردوں گا۔کیونکہ میں جانتا ہوں آپ کہاں پر رہتی ہیں۔"

"وہ-وہ کیسے؟"

"آپ کی کال ٹریس ہو رہی ہے ساتھ ساتھ۔" وہ چند لمحے خاموش ہی رہی۔ "میں- میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔"

یہ مہینے بعد کا منظر تھا کہ وہ پہلی مرتبہ فرزین ملک کی اسٹیچ اینڈ کلو تھنگ نام کی دکان میں گئی تھی۔اور دوسری مرتبہ فرزین ملک سے ملی تھی۔لاہور میں ان کی ملاقات کے بعد عالیہ کو انھوں نے اپنے گھر اور دکان کا پتہ دیا تھا۔

ان کے بقول وہ ہو بہو ماہِ نور خلیل جیسی تھی۔

آئمہ خلیل کا اب ہفتے میں تین بار گھر سے جانا ختم ہو گیا تھا۔وہ اب مہینے میں صرف ایک دفعہ گھر سے جایا کرتی تھیں۔جب آج وہ گھر سے نکلیں تو عالیہ موقعے کا فائدہ اٹھاتے ان کے پیچھے ہی نکلی تھی۔

Clubb of Quality Content

وہ ٹھیک چار بج کر پینتالیس منٹ پر دکان کے اندر موجود تھیں اور عالیہ دکان کے باہر رکھی ایک بینچ پر منہ پر
ماسک لگائے بیٹھی تھی۔ تیرہ منٹ گزرنے کے بعد آئمہ خلیل دکان سے باہر آئیں۔ چہرہ ڈھکا ہوا اور ہاتھوں پر دستانے۔ کتنا عجیب حلیہ تھا ان کا۔

پھر جب وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئیں تو ایک مرد دکان سے نکلا۔ اس کا بھی چہرہ چھُپا ہوا تھا۔ نظریں جھکی ہوئیں اور قدم محتاط تھے۔ کیا یہی وہ انسان تھا جس کی خاطر وہ یہاں آتی تھیں؟ اس نے سوچا۔

لیکن ثبوت نہ ہونے کے برابر تھا۔ تو جب وہ بھی نکل گیا تو وہ دکان میں پہلی مرتبہ داخل ہوئی۔ اُسے دیکھ کر فرزین ملک خوش تھیں۔ دونوں کچھ منٹ بیٹھ کر باتیں بھی کرتی رہی تھیں۔

پھر عالیہ نے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

Clubb of Quality Content!

یہ آئمہ خلیل کا دوسرا چکر تھا اس دکان پر۔ جو کہ مارچ کے مہینے میں ممکن ہوا تھا۔ پورے دو مہینے گزار کر وہ یہاں آئی تھیں۔ اور عالیہ ٹھیک ان کے پیچھے پیچھے تھی۔

پچھلی بار کی طرح اس دفعہ بھی آئمہ خلیل کے نکلنے کے ٹھیک دو منٹ بعد وہ نو وارد شخص نکلا تھا۔ اب تو عالیہ کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اسی سے ملنے یہاں آتی تھیں۔

Clubb of Quality Content!

لیکن اس مرتبہ عالیہ پورا ارادہ کر کے آئی تھی کہ بنا جان کاری حاصل کیے یہاں سے نہیں جائے گی۔ وہ اندر گئی اور فرزین ملک سے بیٹھ کر کافی دیر باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے بات کو ایسا گھمایا کہ فرزین ملک کی زبان سے خود باخود آئمہ خلیل کا ذکر ہونے لگا۔

ان کی باتوں سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ جانتی ہی نہیں تھیں کہ آئمہ ریحام اب آئمہ خلیل بن چکی ہیں۔ مزید انھوں نے اُسے ماہ نور اور آئمہ خلیل کے بیچ پیش آئے واقعے سے آگاہ کیا تھا۔

ان کے بات کرنے کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ آئمہ خلیل اور اس کی ماں کے آپسی تعلقات بالکل اچھے نہیں تھے۔ اس کا شک اتنی پھرتی سے آئمہ خلیل پر گیا تھا۔ کہ اس کی ماں کی موت ہو جانے کے بعد آئمہ خلیل نے جان کر اسی عورت کے شوہر سے شادی کر لی جس سے وہ سب سے زیادہ نفرت کرتی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اور اب جب ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ بے وفائی کرنے پر آمادہ تھیں۔ اُسے بہت دکھ ہوا تھا۔ تکلیف ہوئی تھی۔ یہ جان کر کہ اس کی سوتیلی ماں نے اپنی اصلی پہچان پوشیدہ رکھی تھی۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ قلم بند کرتی گئی۔ قلم چلتا گیا اور کہانی بڑھتی گئی۔ موسم بدلتا گیا اور چہرے بدلتے گئے۔ سب کچھ بدل رہا تھا۔ بس نہیں بدل رہا تھا تو اس کا ذہن۔ جو کہ آئمہ خلیل کو لے کر پریشان پریشان سا رہنے لگا تھا۔

اس نے اس دوران کتنی ہی مرتبہ المیریا خلیل محمد کو آئمہ خلیل کی حقیقت بتانے کی کوشش کی تھی۔ وہ روز صبح اٹھ کر سوچتی تھی کہ آج تو ضرور بتاؤں گی۔ لیکن پھر ان کی ہنستی بستی زندگی کو دیکھ کر اُس کا دل برا ہو جاتا تھا۔

پورا گھر، گھر کا ایک ایک بندہ آئمہ خلیل کے گیت گاتا تھا۔ سب کو وہ بہت پیاری تھیں۔ اتنی خوبصورتی سے جو انھوں نے چہرے پر خول چڑھا رکھا تھا۔

مئی کا مہینہ آیا تو آئمہ خلیل بیچ کی تاریخوں میں سے ایک میں گھر سے مشکوک سے قدم باہر لیتیں کہیں کے لئے نکل گئی تھیں۔ نہ خلیل محمد گھر پر تھے اور نہ ہی وہاج۔

صرف المیر گھر پر تھا۔ موقعے کا فائدہ اٹھاتے وہ خلیل محمد اور آئمہ خلیل کے کمرے میں جا پہنچی۔ ہر چیز کو اچھے سے چیک کرنے کے بعد اس نے باتھروم کا رُخ کیا تھا۔ باتھروم کی دیواروں پر نصب دراز نما ڈبوں کو کھول کر اس نے ایک ایک چیز کو کنگھال کر رکھ دیا تھا۔

مایوسی کا مظاہرہ کرتے وہ وہاں سے نکلنے ہی والی تھی جب وہ ٹھہری۔ ایک مرتبہ پھر سے دراز کو کھولتے اس نے اس میں سے شیمپو کی وہ بوتل نکالی جو پچھلے نا جانے کتنے مہینوں سے ادھر دھری ہوئی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی کہ یہ والا شیمپو تو اب گھر میں کوئی استعمال بھی نہ کرتا تھا۔ پھر بھی اس کی بوتل یہاں موجود رہتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے بوتل کو اوپر سے نیچے ہلایا۔ زور زور سے۔ کوئی آواز نہ آئی۔ پھر اس نے ڈھکن اتار کر بیسن پر رکھا اور اندر جھانکا تو اُسے ایک چھوٹا سا موبائل نظر آیا۔ موبائل کے نیچے اور آگے پیچھے روئی رکھی ہوئی تھی۔ اُسے ہر طرح سے روئی سے گھیرا گیا تھا۔ شاید اس لئے کہ جب کوئی اُسے اٹھا کر ہلائے تو فون کے ٹکرانے سے کوئی آواز کانوں تک نہ پہنچے۔

لیکن انہوں نے یہ فون چھپا کیوں رکھا تھا؟ یا پھر یہی وہ فون تھا جس سے وہ اس شخص کو کال کرتی تھیں۔

اس نے فون کی اسکرین جلائی۔ کافی پرانا ماڈل تھا۔ بٹنوں والا۔ اُسے اس کو استعمال کرنے میں بہت دشواری کا سامنا تھا۔ اس لئے اس نے جیسے تیسے کر کے میسیجز کھولے۔

صرف تین میسیج موجود تھے۔ تینوں ایک ہی نمبر پر بھیجے گئے تھے۔ پہلے دو میں او کے لکھا تھا اور آخری قدرے عجیب طرز کا تھا۔ جس میں ایک سے لے کر تین تک اعداد درج تھے اور ان کے آگے تین مختلف پتے لکھے تھے۔

ایک - قبرستان

دو - گلی اور اس کے باہر کالے اور نیلے رنگ کا بورڈ

تیسرا - اینٹوں سے بنا گھر۔ سیکورٹی گارڈ۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کی آنکھیں اتنے عجیب پیغام پر الجھن کا شکار ہوئیں۔اس سب کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اس نے سوچتے ہوئے اپنے فون کی مدد سے اس کی تصویر لی اور سب کچھ ویسے ہی واپس اس کی جگہ پر رکھ کر کمرے میں آئی ہی تھی کہ آئمہ خلیل بھی اسی لمحے کمرے کی دہلیز پر قدم رکھ گئیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو، عالیہ؟"وہ آواز پر چونکی۔دل زور زور سے بھاگا۔چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔اس نے اپنی حالت کے پیش نظر تھوک نگھلتے مسکرانے کی کوشش کی۔"میں..وہ.." آگے پیچھے نظریں ڈالیں۔"..باباکا پرفیوم دیکھنے آئی تھی جو مرزا انکل نے ان-انہیں نیا دیا تھا تو-تحفے میں۔"

Clubb of Quality Content

آئمہ خلیل نے اُسے سرتاپیر دیکھا پھر دھیرے دھیرے سر ہلادیا۔"پھر کیسی خوش بو ہے اس کی؟"آرام سے بیڈ کے کنارے جا کر بیٹھ گئیں۔

"اچ-اچھی ہے بہت۔" ایسے حالات میں اس کی لڑکھڑاتی زبان واقعی کام آجاتی تھی۔ جیسے کہ وہ ابھی سچ مچ گھبرائی ہوئی تھی اور زبان بھی اسی وجہ سے رک رہی تھی۔ پر آئمہ خلیل کو یہی لگ رہا تھا کہ اس کی زبان تو برسوں سے ایسی ہے۔

"تمہارے بابا کہہ رہے تھے کہ تمہیں ہی دے دیں گے۔ میں نے کہا عالیہ کو کہاں موتیے کے علاوہ کوئی دوسری خوشبو پسند ہے۔" ساڑھی کا پلو سہی کیا۔

"جی.." یہ تو وہی جانتی تھی کہ اس کا ڈر اُسے وہاں سے بھاگ جانے کے لئے اکسا رہا تھا۔

"کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو ناں۔" اپنے ساتھ بستر کو تھپتپایا۔

"در-دراصل میں کتاب لکھ رہی تھی۔ اگر ابھی جا کر خیال کو نہ لکھا تو بھ- بھول جاؤں گی- گی۔" آئمہ خلیل مسکرائیں اور پھر اُسے جانے کی اجازت دے دی۔

یہ جون کا وہ روز تھا جب آئمہ خلیل نے گھر پر بتا رکھا تھا کہ وہ کسی سہیلی سے ملنے چار بجے نکلیں گی۔ عالیہ کے ارادے اب قدرے بدل چکے تھے۔ وہ ان کے نکلنے سے پہلے ہی مری روڈ کے لئے نکل گئی تھی۔ فرزین ملک کی دکان پر اس نے دوسری منزل پر جا کر باتھروم میں عبایا اوڑھا تھا اور چہرے پر نقاب چڑھایا تھا۔

وہ پھر نچلی منزل پر آئی تھی۔ فرزین ملک اس کی دیکھ کر ہنسی تھیں۔ انھوں نے پوچھا تھا کہ یہ کیوں کر لیا؟ تو اس نے جواب دیا تھا کہ اس آبائے کا ناپ لے کر رکھ لیں۔ مجھے ایسا ہی ایک عبایا چاہیے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پھر پانچ ہی منٹ تک اسے ہیلز کی ٹک ٹک سنائی دی تھی۔ وہ رُخ پھیر کر بیٹھ گئی۔ اُسے موتیے کی خوشبو اس قدر پسند تھی کہ جہاں جاتی اُسے لگا کر جاتی۔ پر آج خود کی شناخت بدلنے کے لئے اس نے کوئی اور خوشبو لگائی تھی۔ تا کہ آئمہ خلیل کو شک نہ ہو۔

چند ہی منٹ بعد ایک شخص آکر اندر بیٹھا۔وہ اور آئمہ خلیل ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔اور ان کے درمیان گفتگو اتنی دھیمے لہجے اور آواز میں ہو رہی تھی کہ وہ کچھ ٹھیک سے سن بھی نہیں پا رہی تھی۔

ان کی موجودگی میں ایک ایسی حرکت بھی ہوئی تھی جس پر عالیہ کو ہنسی آئی تھی۔اور اس کے دل کیا تھا پیچھے مڑ کر دیکھے پر وہ نہیں پلٹی۔

پھر وہ دونوں چلے گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

عالیہ نے اگلے ہی دن فیصلہ کیا تھا کہ آج آئمہ خلیل سے دوٹوک بات کر کے رہے گی۔گھر پر ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔گھر کے باہر سے تیز دھوپ کھڑکیوں سے جھانک رہی تھی۔عالیہ نے ضد کی تھی کہ آج سب کام والوں کو چھٹی دے دی جائے کیونکہ وہ آئمہ خلیل سے ڈھیر باتیں کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

ٹھیک ویسے ہی ہوا تھا۔ گھر میں کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔ صرف وہ تھی اور اُس کی مخالف سمت میں بیٹھیں آئمہ خلیل۔ جن کا دل بھی ان کے لباس کی طرح سیاہ تھا۔ "بتاؤ کون کون سی باتیں کرنی ہیں تم نے مجھ سے؟" وہ مسکرائیں۔

اُسے ان کی ہر چیز سے نفرت ہو رہی تھی۔ آنکھوں سے، مسکراہٹ سے، چہرے سے۔
"آپ میرے، المیر بھائی اور وہاج میں سے سب سے زیادہ کس سے محبت کرتی ہیں؟"

وہ اس کے سوال پر دھیرے سے ہنسی۔ "یہ کیسا سوال ہے؟ تم تینوں ہی میرے بچے ہو۔ تم تینوں سے ہی میں بہت محبت کرتی ہوں۔"

عالیہ نظروں میں غیر شناسائی لئے انہیں دیکھتی گئی۔ دیکھتی گئی۔ جھوٹ واقعی ایک ایسا مادہ ہے جو کہیں بھی ایک دفعہ شامل ہو جائے.. اپنے آپ کو اس جگہ کا وارث بنا لیتا ہے۔ کہ پھر یقینی طور فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ سچ کی مقدار کتنی ہے اور جھوٹ کی ملاوٹ کتنی ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کہانی کا یہ پہلو یہیں اختتام کو پہنچتا ہے۔اب بڑھتے ہیں **حال** کی طرف۔

"تم کال کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟"سانولی مکار رنگت لئے وہ چہرہ پھولا ہوا تھا۔"میڈم کام بہت تھا۔ابھی ہی فارغ ہوا ہوں۔"

"خضر کا کیا ہوا؟"اپنی ہیرے کی انگھوٹی کو انگلی پر اوپر نیچے کرتے ہوئے انہوں نے فون کو اسپیکر پر کیا۔"خضر کو جلد ہی اٹھا لیا جائے گا۔بس میں مکمل انتظام کر لوں۔"

"اور ایک اور بات ہے۔کان کھول کر سننا۔المیر اور راحم کے پاس کچھ تصاویر ہیں۔جن میں نفیسہ احسان کو پیسے دیتے ہوئے دیکھی گئی ہے۔مجھے کسی بھی طرح پتا کروا کر دو کہ اس نے وہ پیسے کس لئے دیئے تھے اُسے۔اور یہ بھی کہ پیسے آئے کہاں سے اس کے پاس۔"

"ٹھیک ہے۔میں پتا کرتا ہوں۔"

اگلے دن کی شام وہ گھر ایک دم سنسان تھا۔ یہ پچھلے کچھ مہینوں سے بند پڑا تھا۔ آس پاس لمبی لمبی گھاس اگ آئی تھی۔ سورج کے غروب ہونے کا وقت تھا۔ آس پاس سے گیلی مٹی کی خوشبو آ رہی تھی جیسے کوئی پودوں کو پانی دے رہا ہو۔

تب ہی وہ شخص آگے پیچھے دیکھتے گھر کے ان اندر گھسا۔ یہ نفیسہ کی ذاتی جائیداد تھی۔ جو کہ ایک منزل پر مبنی تھی۔ گھر چھوٹا سا تھا۔ ہر طرف اندھیرے کا گزر تھا۔ نووارد یہاں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے مزید ایک قدم آگے بڑھایا تو اس کے بوٹس کی وجہ سے فرش سے باریک سی آواز نکلی۔ جیسے لکڑی کا ٹکڑا پاؤں تلے آگیا ہو۔ اس نے آگے پیچھے ہاتھ مار کر دیوار پر سوئچ بورڈ ڈھونڈا۔ جس پر موجود بٹنوں پر ہاتھ مارتے اس نے بتیاں جلانی چاہیں۔ پر کوئی فائدہ نہیں تھا۔ شاید یہاں بجلی سرے سے تھی ہی نہیں۔

وہ سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔پانچ منٹ کے اندر اندر وہ کمرے کو اچھے سے کھنگال چکا تھا۔دائیں ہاتھ میں ٹارچ اٹھا رکھتی تھی۔سب کچھ اچھے سے دیکھتے دیکھتے وہ کمرے کے ایک کونے تک بڑھا۔وہاں ایک الماری رکھی تھی۔اس نے چند قدم آگے بڑھائے جب اچانک اس کا پیر کسی چیز پر آیا اور اس کے ہاتھ سے ٹارچ سرکتی ہوئی زمین پر جا گری۔

وہ اُسے اٹھانے کے لئے جھکا اور اُسے آرام سے اٹھانے لگا جب اُس سے نکلتی روشنی سامنے کی سمت پڑی۔سامنے ہی ایک کرسی پر کوئی بیٹھا تھا۔روشنی کے زیرِ اثر اُس کے پاؤں نمایاں تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اُس نے ڈر کر کچھ قدم پیچھے لئے۔اور ساتھ ہی ٹارچ ایک طرف پھینک دی۔مقابل کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا پر اس کا چہرہ عیاں تھا۔اس لئے اس نے ٹارچ پھینک دی تاکہ شناخت ظاہر نہ ہو پائے۔

"آؤ آؤ تمہارا ہی انتظار تھا۔" ایجنٹ ایلیون کی آواز سنسان گھر میں گونجی۔ وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھا اور قدموں کی رفتار بڑھاتے اس تک آیا۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ نووارد حواس باختہ ہو گیا۔

ایک زور آور لات اس کے پیٹ میں لگی تو وہ کچھ قدم پیچھے ہوا۔ کراہنے کی آواز زبان سے نکلنے ہی والی تھی کہ اس نے ضبط کر لیا اور آگے بڑھتے ایجنٹ پر وار کرنے کی کی جب وہ نیچے جھکا اور اس کا وار ضائع گیا۔

نووارد کا نہیں.. اس نے اس پر مٹھی بھینچتے وار کرنے کی کوشش کی جب ایجنٹ نیچے جھک کر بازو کے تلے سے نکلا اور برق رفتاری سے اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔ اس کے بازو کو تھامتے اس نے اُسے زور سے اُس کی پشت سے لگایا۔ "مجھے پتا تھا تم ضرور آؤ گے۔ تم یہی سوچ رہے ہو گے ناں کہ مجھے تمہاری یہاں آمد کا علم کیسے ہوا؟ اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مجھے سب پتا ہوتا ہے۔ کیا کہاں اور کیسے انجام پا رہا ہے، مجھے ایک ایک خبر ہوتی ہے۔" سرگوشی کی تو نووارد نے جھرجھری لی۔

پھر اپنی ٹانگ کو اس کی ٹانگوں میں پھنساتے اُسے زور سے نیچے گرایا۔ پانچ منٹ میں وہ اس کی حالت بگاڑ چکا تھا۔ لحاظ کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے اس نے مزید دو منٹ لگا کر اس کے چہرے کا نقشہ بگاڑا۔

جب وہ حواس کھو بیٹھنے کی دہلیز پر آن پہنچا تو ایجنٹ ایلیون نے اس کو اپنی گرفت سے آزاد کیا۔ لڑائی کے دوران منہ میں جمع ہو جانے والا خون پھر اس کے پاس ہی زمین پر تھوکا۔

"تم مرو گے.. اور وہ بھی میرے ہاتھوں سے۔ تمہارے باس کے بعد تمہاری باری ہے۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔ اس لیے تیاری پکڑ لو!" اس نے زمین سے اپنی سیاہ رنگ کی لیدر کی جیکٹ اٹھا کر اچھے سے جھاڑی پھر اُس پر ایک مسکراتی نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "ایجنٹ ایلیون کہتے ہیں مجھے۔ اپنے مالک کو ضرور بتانا۔" پھر وہ وہاں سے نکل گیا۔

"باس، ایجنٹ ایلیون ہے اس سب کے پیچھے۔ وہ آپ کے خلاف ثبوت چھوڑ رہا ہے جگہ جگہ۔ نا جانے اُسے کیسے خبر ہو گئی کہ میں نفیسہ کے گھر جانے والا ہوں۔ میرے اندازہ کے مطابق اسی نے سحر امین کی انگھوٹی آپ کی انگھوٹیوں میں چھوڑی ہو گی۔" وہ اپنے زخموں پر مرہم لگاتے ہوئے اُسے بتا رہا تھا۔

"اب یہ کون ہے؟"

"ہے ایک...انسان۔ میں جانکاری نکلواتا ہوں اس کی۔"

Clubb of Quality Content!

"فلحال تو خضر کو اٹھاؤ.. باقی سب بعد میں دیکھ لیں گے۔"

اگلی صبح تمام اہلکار تھانے میں موجود اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ المیر خلیل چوری کے ایک کیس کی تحقیق کے لیے تھانے سے جانے ہی والا تھا جب قوی بھاگتا ہوا اس تک آیا۔ "سر.."

"ہاں کیا ہوا؟"اس نے میز سے چابیاں اٹھائیں پھر کرسی سے ایستادہ ہوا۔"یہ دیکھیں۔"اس نے اپنا فون اس تک بڑھایا۔

جس کی اسکرین پر ایک ویڈیو چالو تھی۔ جس میں بنا نمبر پلیٹ کے ایک سیاہ رنگ کی کورولا کسی عام سڑک سے گزرتی دیکھی جا سکتی تھی۔اس نے اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر اُسے دیکھا۔"سر..جب وہ دو ایجنٹس پولیس مقابلے سے بھاگے تھے تو وہ کسی گاڑی میں بیٹھ کر گئے تھے۔اس جانکاری کو نظر میں رکھتے میں نے آس پاس کی سڑکوں کے کیمرے چیک کیے ہیں۔ٹھیک اُس وقت یہ گاڑی..."اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔"...اسی طرف سے جی ٹی روڈ پر پڑی تھی۔"

"لیکن یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے، قوی۔"گاڑی کی نمبر پلیٹ پر زوم کرتے اس نے واپس اس کی طرف دیکھا۔

"ممکن ہے۔ لیکن اتفاق صرف ایک دفعہ ہوتا ہے۔ دو دفعہ تو نہیں۔ بالکل یہی گاڑی میں نے جمال احمد کے کیس کی تفتیش کرتے ہوئے اس کے اغواہ سے دو روز پہلے کی فوٹیج میں دیکھی تھی۔ کچھ دیر گاڑی کھنڈر سے ذرا فاصلے پر کھڑی رہی تھی۔ ٹک شاپ کے کیمرے کا رُخ ایسا تھا کہ سوار کو دیکھنا مشکل تھا پر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ اور وہ ایک ہی گاڑیاں ہیں۔"

اس نے سمجھتے ہوئے سر اوپر نیچے ہلا دیا۔ "ٹھیک ہے۔ ایک کام کرو محمت کے ساتھ مل کر نفیسہ، غنی اور احسان کی جائے واردات پر اس کی موجودگی کا پتا لگواؤ۔"

Clubb of Quality Content

"سر محمت کی امی بیمار ہیں۔ وہ آج نہیں آ پایا.. سلیم اور میں چیک کر لیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے.." وہ کہہ کر میز سے دو قدم آگے بڑھا۔ پھر کچھ سوچ کر پلٹا۔ ".. محمت سے کال کر کے پوچھو اگر اُسے کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت ہے تو مجھے ضرور بتائے۔"

"جی سر۔"

..—.ꝺꝺ.—..

ایجنٹ فائیو کے فون میں لگے ٹریکر سے وہ اُس کی ایک ایک حرکت سے باخبر تھے۔ پچھلے کچھ دنوں کی نسبت آج اس کی منزل گھر سے دفتر اور دفتر سے کوئی اور جگہ تھی۔اسی چیز کو مدے نظر رکھتے ہوئے سلیم اور قوی اس کا تعاقب کر رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"یہاں سے ٹرن لیں، بھائی۔" قوی نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو اس نے موڑ کاٹا۔ پھر ایک دکان کے آگے گاڑی روک دی۔

کچھ ہی فاصلے پر ایجنٹ فائیو ایک بینچ پر بیٹھا تھا۔ایسے جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔چند لمحے گزرے ہی تھے کہ کوئی آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔وہ پچپن سے ساٹھ سالہ شخص تھا۔اتنا تو اندازہ اس نے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں لگا ہی لیا تھا۔

"بھائی، یہ کون ہے؟"

سلیم کی آنکھیں اس پر مرکوز تھیں۔اس کا چہرہ ایجنٹ فائیو کے سراپے کی وجہ سے ڈھکا ہوا تھا۔وہ دونوں سامنے کی سمت دیکھتے زیرِ گفتگو تھے۔"جیسے ہی یہ بینچ سے اٹھے گا، ہم دونوں باہر نکل جائیں گے۔"

اگلے ہی منٹ وہ اٹھا اور پیچھے کی طرف مڑ گیا۔دو عمارتوں کے درمیان ایک تنگ سی گلی تھی۔وہ اسی سمت چل پڑا تھا۔جبکہ ایجنٹ آگے کی طرف بڑھا۔

وہ دونوں تب ہی گاڑی سے اترے اور اس کے پیچھے لپکے۔سلیم پھرتی سے آگے بڑھا اور اُس کو گردن سے پکڑ کر اپنی طرف موڑا۔"نواب منیر۔"اس کی آنکھیں پھیلیں۔"تم اس کے ساتھ ملوث تھے؟"

"کیا؟ کس کے ساتھ..اور کون ہو تم؟"

"یہ ضروری نہیں ہے۔ یہ ضروری ہے کہ تم اس ایجنٹ کے ساتھ کیا کر رہے تھے.." قوی فوراً بولا۔

"کون ایجنٹ؟ میں کسی ایجنٹ کو نہیں جانتا۔" نواب منیر ایک ریٹائرڈ ایس ایچ او تھا۔ جس کی زیرِ نگرانی بہت سے اہلکاروں نے تربیت پائی تھی۔ اور سلیم ان ہی میں شامل تھا۔ "تم وہاں اس بینچ پر جس شخص کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے، وہ کون تھا؟" بینچ کی طرف اشارہ کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"مجھے نہیں پتا۔ میں تو فون پر بات کر رہا تھا۔" وہ شاید اچانک افتاد پر قدرے گھبرا گیا تھا۔
"لیکن فون تو تم نے کان سے نہیں لگا رکھا تھا۔"

"میں نے ہینڈز فری لگا رکھے تھے۔ یہ دیکھیں..." اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اُسے ٹٹولا۔ لیکن یہ کیا؟ ہینڈز فری تو تھے ہی نہیں۔ حیرت سے آنکھیں بڑی ہو گئیں۔ "...ابھی تو جیب میں ہی تھے۔"

"تھانے لے کر جاؤ اسے۔اس کی خاطر داری کرتے ہیں بھرپور۔" پشت پر زور ڈالتے اُسے چند قدم آگے لینے پر مجبور کیا گیا۔اور قوی اُسے لے کر گلی سے نکلا۔ سلیم بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔

وہ تینوں گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔جب سلیم کو چیخنے کی آواز آئی۔وہ پلٹا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایجنٹ فائیو کو کچھ لوگ کیری ڈبے میں کھینچ رہے تھے۔اور وہ چلا رہا تھا۔

اس نے بنا کچھ سوچے اس کی طرف دوڑ لگائی۔ لیکن اس کے پہنچنے تک وہ گاڑی اُسے لے کر نکل بھی گئی تھی۔وہ آکر گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی میں لگی اسکرین پر نظریں ڈالیں۔ جہاں ٹریکر اس کی موجودگی کا پتہ آس پاس ہی دے رہا تھا۔یعنی وہ اُسے اغواہ کرنے سے پہلے اس کا فون یہیں کہیں پھینک چکے تھے۔

"کیسے جانور انسان ہو تم...! کتنے زور سے کھینچا مجھے تم نے گاڑی میں۔"اس نے ایجنٹ فور کے بازو پر تھپڑ مارا تو وہ ہولناک ہنسی کے ساتھ زور سے سر جھٹک کر ہنسا۔

"تھینک یو باس۔"اس نے ایجنٹ ایلیون کو دیکھ کر کہا جو کہ گاڑی چلا رہا تھا۔سب کچھ ایک دم پلان کے مطابق ہوا تھا۔وہ پلان جو کہ ٹریننگ کے وقت سب ایجنٹس کے گوش گزار کیا گیا تھا۔

ایجنٹس جانتے تھے کہ نواب منیر روز اس جگہ چہل قدمی کرنے آتا ہے۔اور اسی لئے اپنے ساتھی کو بچا کر انہیں اُسے پکڑوانا آسان حل لگا تھا۔

"ایجنٹ ون کہاں ہے؟"اس نے آگے پیچھے دیکھا۔تو ایجنٹ سیون اور فور نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔"وہ شہید ہو گیا۔"ایجنٹ ایلیون نے بلا جھجھک وہ کہہ ڈالا جسے کہنے میں انہیں دشواری کا سامنا تھا۔"کیا؟!"

"ہاں..پولیس مقابلے میں مارا گیا وہ۔"ایجنٹ سیون بولا۔"اور باقی ایجنٹس؟"

"ایجنٹ ٹو ہسپتال میں ہے۔اسی مقابلے میں اُسے پیر پر گولی لگی تھی۔اور ایجنٹ تھری شہر سے باہر ہے۔"ایجنٹ فور نے وضاحت دی۔"تو اب کیا پلان ہے باس؟"

"اب یہ ہو گا کہ ایجنٹ فور اور سکس اگلے ہفتے ملک سے باہر جا رہے ہیں۔اور تم اور باقی دونوں غیر قانونی راستے سے ملک سے باہر جاؤ گے۔آج ہی سارے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔"

"لیکن.. لیکن کیوں؟"اس نے اُلجھتے ہوئے باقیوں کی طرف دیکھا۔"ہمارا مقصد پورا ہونے والا ہے۔اور تم سب کی جان کو خطرہ لاحق ہے۔ہم پہلے ہی ون کو کھو چکے ہیں۔اب مزید کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔"

"اور وہ جمال؟"

"اُس کو بھی تمہارے ساتھ ہی غیر قانونی رستے سے ملک سے باہر بھیجا جائے گا۔"اُس نے افسردہ سا چہرہ بنا لیا۔"باس دشمن کا زوال دیکھنے کے لئے آپ کو ویڈیو کال کرنی پڑے گی؟"

"نہیں.. دشمن کے زوال کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ تم لوگ اُسے دیکھ کر ہی جاؤ گے، پریشان نہ ہو۔"

"ایسے کیسے ایجنٹ اغواہ ہو گیا.. تم دونوں سو رہے تھے؟" المیر نے غصے سے میز پر دونوں ہاتھ رکھے تو اہلکار اچھلے۔ "سر، میں اس کی طرف ہی جا رہا تھا کہ اتنے میں وہ لوگ آئے اور اُسے اٹھا کر لے گئے۔"

"میں نے کیا بکواس کی تھی؟ کہا تھا ناں کہ اُسے لئے بغیر نہ آنا...!" وہ غصے میں نہایا ہوا تھا جیسے ابھی کچھ اٹھا کر سر میں مار دے گا۔

Clubb of Quality Content

"لیکن سر، اُسے اغواہ کون کر سکتا ہے؟" محمت نے سوال کیا تو المیر نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔ "کوئی اغواہ نہیں ہوا ہو گا اس کا۔ ایجنٹس کے ٹولے نے مل کر ڈرامہ رچایا ہو گا تاکہ ایجنٹ بچ بھی نکلے اور ہمیں ان پر شک بھی نہ ہو۔"

اُسے نواب منیر سے تحقیق کیے آدھا گھنٹا ہو گیا تھا۔ اس کے مطابق پولیس فورس سے رخصت ہونے کے بعد وہ کوئی اور نوکری نہیں کرتا تھا۔ اور نہ ہی اس کا کسی ایجنسی سے تعلق تھا۔

اور چونکہ المیر ایک ہی وقت میں اتنے مسلے دیکھ رہا تھا اس لئے راحم نے خود ہی منیر کو جانے دے دیا تھا۔ اس کے خیال میں اس کا ایجنٹ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

رات کے دس بج رہے تھے۔ بتیوں سے درخشاں اسٹیڈیم خالی خالی تھا۔ گراؤنڈ میں سُرمئی آنکھیں اور سبز آنکھیں مدمقابل تھیں۔ آج اتنے ماہ بعد وہ دونوں فٹبال کھیلنے کا ارادہ کرتے ہوئے ادھر آئے تھے۔

راحم نے سیاہ رنگ کا ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا اور المیر نے گہرے نیلے رنگ کا۔ ریفری کے طور پر وہاج سفید رنگ کے کپڑے پہنے ان دونوں کے بیچ کھڑا تھا۔ گول کیپر کے طور پر دو لڑکوں کو رکھا گیا تھا جو کہ سٹیڈیم کے رکھوالے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

میچ کی ابتدا ہو چکی تھی۔ بال پر پہلا قبضہ راحم رضا نے کیا تھا۔

وہ بال کو لئے اُسے آگے پیچھے گھماتا جالی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور المیر اس سے اُسے چھیننے کی کوشش میں تھا۔ چند مزید منٹ یہی ہوتا رہا جب راحم نے پہلا گول داغا۔ لات اتنی شدت کے ساتھ بال کو لگی کہ جالی سے ٹکرا کر آر پار ہو گئی۔

سبز آنکھیں مخالف پر گئیں۔اس نے ایک آنکھ دبائی۔المیر نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔اب کہ بال پر اس کا مکمل قبضہ تھا۔مخالف کی ہی طرح بال کو گھماتے اس نے لمحے بھر کے تعاقب کے بعد راحم کے خلاف گول کر ڈالا۔

اب کہ دونوں کا ایک ایک گول ہو چکا تھا اور آدھا ٹائم بھی بیت گیا تھا۔بریک جاری تھی اور وہ پانی پینے میں مصروف تھے۔تب ہی کوئی دوسرا پے آکر تماشائیوں والی نشستوں پر بیٹھے۔ان دونوں نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔حیرت کے تاثرات دونوں کے چہروں پر پھیلے۔

سب سے پہلے المیر نے آگے قدم بڑھایا اور اس کے پیچھے راحم نے۔وہ دونوں کرسیوں کے پاس پہنچے تو وہاج کو ان سے باتوں میں مشغول پایا۔ایک نے بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی اور دوسری نے سیاہ رنگ کی۔

"تم دونوں ادھر؟"المیر نے مسکرا کر پوچھا پھر وہاج کو ساتھ کھسکنے کا اشارہ کرتے ہوئے اِشفا کے پاس آرام سے بیٹھ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"برووِن اینڈ برو ٹو.. بھابی اور مہوین آپی کو میں نے اس شاندار میچ پر مدعو کیا تھا۔اب میں اکیلا بور ہو جاتا تو میں نے سوچا ان کو بلا لوں۔"

راحم نے مسکراتے ہوئے سر اوپر نیچے ہلایا۔اِشفا سے حال احوال پوچھنے کے بعد اُس کی نظر مہوین پر پڑی۔جو پہلے سے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔عادت سے ہٹ کر جب اُس نے اُسے خود کو تکتے پایا تو نرمی سے مسکرایا لیکن تب ہی اُس نے نظریں جھکا لیں۔مقابل کی مسکراہٹ سمٹی۔اُس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"بریک ختم ہونے والی ہے۔چلیں واپس گراؤنڈ میں۔اور اِشفا آپی.."وہ اس کے طرف مڑا۔"..آپ کس کو سپورٹ کر رہی ہیں؟"

"میں.."تفصیلیہ نگاہ المیر پر ڈالی جو اُسے کن اَکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔"...راحم بھائی کو۔"اس نے مسکراتے ہوئے سر دائیں بائیں ہلایا۔اِشفا مین اس کی توقع پر ایک مرتبہ پھر سے پورا اتری تھی۔

"اور مہوین آپی آپ؟"اس نے اُسے مخاطب کیا۔سب نے اس کی طرف دیکھااور اُس نے گھبراتے ہوئے سب کی طرف۔

"المیر کو ہی کریں گی..میرے ساتھ تو ویسے ہی جنگ چل رہی ہے ان کی۔"زیرِلب بڑبڑایا توالمیر نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ایک ابرو اُچکائی تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"میں..المیر بھائی کی طرف ہوں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تو پھر ٹھیک ہے..."

پانچ منٹ میں وہ دونوں واپس گراؤنڈ میں موجود تھے۔گیم پھر سے جاری ہو چکی تھی۔اِشفا راحم کے اور مہوین المیر کے نام کے نعرے لگا رہی تھی۔جبکہ وہاج ان دونوں کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے اپنے نام کے نعرے لگا رہا تھا۔

پندرہ منٹ بیت چکے تھے اور آخری کے پانچ منٹ باقی تھے۔ بال المیر کی قید میں تھی وہ اُسے گول کی طرف بڑھا ہی رہا تھا جب راحم نے برق رفتاری دکھاتے ہوئے اُس سے بال لے لی۔

بڑی مہارت سے اُسے اپنے پیروں میں گھماتے اُس نے گول کی طرف دوڑ لگا ئی۔ جالی سے کچھ فاصلے پر عین مقابل کھڑے ہوتے اُس نے بال کو لات ماری اور وہ اڑتی ہوئی جالی کو چیر گئی۔ لیکن دوسری طرف اس کا توازن برقرار نہ رہ سکا اور وہ بری طرح سے گھاس پر گرا تھا۔

المیر فوراً سے پہلے بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔ راحم منہ کے بل گرا ہوا تھا۔ پھر آرام آرام سے سیدھا ہوا اور اٹھ کے بیٹھ گیا۔ "لگا دی ناں نظر..." پھر اپنے بوٹ کی طرف اشارہ کیا جو کہ آگے سے پھٹ چکا تھا۔

وہ اس کے آگے بیٹھا اور پھر اس کا بوٹ اتار کر سائڈ پر رکھا۔ اتنی دیر میں اِشفا اور مہوین بھی ان کے پاس آ چکی تھیں۔ اور وہاج دوائی والا ڈبہ لے کر ان کے پاس ہی گھاس پر زانوں کے بل بیٹھا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

المیر نے اس کے پاؤں سے موزہ نکالا تو سب کیا دیکھتے ہیں کہ راحم کا دایاں پاؤں بری طرح سے خون سے لتپت تھا۔ "راحم بھائی.. اتنا خون!" اِشفا آگے کو ہوتی حیرت سے بولی۔

"تمہارے شوہر نے نظر لگائی ہے۔" روٹھے ہوئے انداز میں المیر کو دیکھا۔ لیکن وہ اس پر نہیں اس کے پاؤں پر نظریں گاڑھے بیٹھا تھا۔ "کچھ نہیں ہے، المیر۔ پانی گراؤں گا تو ٹھیک ہو جائے گا پیر۔" اس نے پیر قدرے پیچھے کیا۔

"پانی سے تو مزید خراب ہو جائے گا زخم۔ اس پر دوا لگانی چاہیے آپ کو۔" مہوین جھٹ سے بولی۔ راحم نے ڈاکٹرنی کی جانب نظریں اٹھائیں۔ اچھا تو محترمہ بولتی بھی ہیں۔

"وہاج.. لاؤ ڈبہ دو۔" المیر نے ہاتھ بڑھایا۔ "کوئی اور نہیں لگا سکتا دوائی؟ المیر کو ٹوموفوبیہ ہے.. وہ نہیں لگا پائے گا۔" راحم کو فوراً سے یاد آیا تھا۔

ناولز کلب

"مجھے تو نہیں لگانے آتی دوائی..اِشفا آپی آپ لگا دیں گی؟"اِشفا نے سر کو اثبات میں ہلایا لیکن پھر رکی۔"مہوین تم کیوں نہیں لگا دیتیں؟ تمہیں تو علم بھی ہے کہ کیسے لگانی چاہیے۔"

"میں؟"چونک کر بہن کو دیکھا۔راحم کے چہرے پر ہلکی سے مسکراہٹ آن بیٹھی۔

"نہیں..اِشفا۔رہنے دو۔میں خود کر لوں گا۔"ایسے اچھا بھی تو نہیں لگتا تھا کہ کوئی اس کے پیر کو ہاتھ لگاتا۔اور وہ بھی ایک عورت۔

"نہیں نہیں..مہوین بہت اچھی مرحم پٹی کرتی ہے۔"نام پر اس نے نام کے مالک کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں پھر وہ وہاج کے ہاتھوں سے ڈبہ لیتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ جبکہ المیر اٹھ کر اِشفا کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

اس نے ڈبے میں سے دوا اور روئی نکالی۔پھر دوا کو روئی پر لگاتے اس کے پیر کی طرف بڑھایا۔راحم نے آنکھیں پہلے ہی میچ لی تھیں۔لیکن جب روئی پیر سے ٹکرائی تو اُسے کچھ بھی

محسوس نہ ہوا۔وہ ایک ہاتھ میں ٹشو لئے خون صاف کر رہی تھی اور دوسرے میں تھامی روئی زخم پر ہولے سے لگا رہی تھی۔

راحم نے آنکھیں کھولیں۔آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ راحم کو کسی نے کہیں مرہم لگایا ہو اور اُسے تکلیف نہ ہوئی ہو۔وہ پھونک مارتے ہوئے روئی ٹھیک سے پھیر رہی تھی اور راحم اس کے چہرے پر اپنی نظریں۔

یہ لڑکی اتنی جانی پہچانی کیوں تھی؟کیوں تھا اس کی موجودگی کا احساس اتنا شناسا؟کیا بات تھی ایسی۔۔

وہ ٹھیک سے دوا لگانے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔راحم کو اٹھا کر کرسی پر بیٹھا دیا گیا۔لیکن باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

گیارہ اگست کی تاریخ کلینڈر پر ابھری۔اس کی کلائی میں بندھی بھورے پٹے والی مہنگی گھڑی صبح کے سات بجا رہی تھی۔ایک ہاتھ سے گیئر لگاتے اس نے دوسرے ہاتھ سے سٹیرنگ وہیل گھمایا۔سیاہ گھنگھریالے بال پیشانی پر ہمیشہ کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔

ساتھ نشست شخص کی نگاہ بے وقت فلک پر اٹھی۔جس کا رنگ ہلکے سُرمئی رنگ سے تبدیل ہو چکا تھا۔شبہ تھا کہ آج بارش ضرور ہو گی۔

المیر کی سیاہ بی ایم ڈبلیو اس منزل کی طرف گامزن تھی جس کا خیال اس کے ذہن سے نکل ہی نہیں پا رہا تھا۔پچھلے کتنے ہی ہفتوں سے اس کے دماغ کا حصہ حصہ ایک عنوان پر قائم تھا۔کہ عالیہ خلیل نے اس کے لئے اس لاکر میں کیا چھوڑا ہو گا؟

بستر پر کروٹیں لیتے وہ اکثر یہی سوال خود سے کرتا تھا۔اور پھر اپنی چھوٹی بہن کے نظریے سے اس سوال کا جواب تلاشنے کی کوشش کرتا تھا۔روز صبح سویرے اٹھ کے تاریخ دیکھتا تھا کہ مزید کتنے روز گیارہ اگست میں باقی ہیں۔اور آج جب اس کی من چاہی تاریخ ابھری تھی تو اس کے صبر کا پیمانہ ہر گزرتے پل کے ساتھ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے گاڑی کو عین اس عمارت کے آگے لا روکا جہاں آج اس نے آنے کے لئے اپنے تمام ترکام جھٹلا دیئے تھے۔ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ایک ایک کر کے دونوں گاڑی سے اترے اور آگے پیچھے عمارت کے اندر داخل ہو گئے۔

المیر کے دل کی دھڑکنیں ایسی تھیں جیسے وہ عالیہ خلیل سے پھر سے مل رہا ہو۔ جیسے اُسے آخری دفعہ اپنی بہن کو گلے سے لگانے کا موقع فراہم کیا گیا ہو۔

دونوں آدمیوں کے ذہن علیحدہ علیحدہ کشمکش کا شکار تھے۔بس وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا ہر قدم انہیں سچائی کی طرف لے جا رہا تھا۔

وہ دونوں استقبالیہ کاؤنٹر کے آگے آن ٹھہرے۔ جس کے اُس پار ایک تیس یا پینتیس سالہ آدمی بیٹھا تھا۔"جی سر؟"اس نے ان دونوں کے بیچ نظریں گھمائیں۔

المیر کچھ ہچکچاتے ہوئے آخر بول اٹھا۔"میں المیر خلیل ہوں۔میری بہن نے لیانور کے نام سے یہاں ایک لاکر لیا تھا۔مجھے اُس کی چابی چاہیے۔"

وہ سر کو اثبات میں ہلاتے اپنے سامنے رکھے کمپیوٹر پر انگلیاں چلانے لگا۔"سر آپ کا شناختی کارڈ مل سکتا ہے؟"المیر نے سیاہ چمڑے والے والٹ میں سے اُسے کارڈ نکال کر تھمایا۔

اُس شخص نے اُس پر لکھی جان کاری پڑھنے کے بعد کارڈ کاؤنٹر پر رکھا اور پیچھے بنے ایک دروازے کو کھولتے کمرے میں داخل ہو گیا۔المیر اور راحم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

Clubb of Quality Content

چند ہی پلوں بعد وہ واپس باہر آ گیا اور اس نے چابیوں کے ایک گچھے میں سے ایک چابی نکالی اور المیر کی طرف بڑھا دی۔جو اس نے فوراً تھام لی تھی۔"دائیں طرف زینے ہیں اور اس کے سامنے لفٹ۔پانچویں فلور پر تھری بی کے نام سے ایک کمرہ ہے جس میں آپ کو لاکرز دکھیں گے۔اور ان لاکرز میں گیارویں نمبر والا لاکر آپ کا ہے۔"

وہ دونوں چابی لے کر لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ لفٹ کھلتے ہی اس میں قدم رکھا اور راحم نے پانچویں فلور کا بٹن دبا دیا۔ تین منٹ لگے تھے انہیں مطلوبہ منزل پر پہنچنے میں۔ پر اس دوران ان دونوں کے بیچ کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

لفٹ سے باہر آتے راحم کی نظر سامنے بنے کمرے کے دروازے پر گئی جہاں تھری اے لکھا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی تھری بی تھا جس کا دروازہ کھول کر وہ دونوں اب اندر بڑھ گئے تھے۔

کمرہ وسیع تھا۔ اس میں کھڑی دائیں دیوار کے ساتھ بیس یا پچیس لاکرز تھے اور مخالف دیوار کے ساتھ تین سے چار میز پڑے تھے جن پر لیپ ٹاپ دھرے تھے۔ ان کے آگے کرسیاں بھی موجود تھیں۔

لاکرز کو اپنی توجّہ کا مرکز بناتے وہ دونوں گنتی کر کے گیارہ نمبر پر آن رکے۔ یہ وہی مقفل ڈبہ تھا جس کے لئے وہ ایک گھنٹے کی مسافت طے کر کے آئے تھے۔ جس نے ان دونوں کو پریشان کر رکھا تھا اور تجسّس میں ڈبویا ہوا تھا۔

راحم ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا اور المیر کو آگے جانے کا اشارہ کیا۔ سر کو ہلاتے وہ اس ڈبے تک بڑھا۔ دائیں ہاتھ میں پکڑی چابی کی ہول میں ڈالتے گھمائی اور لاکر ٹھک کی آواز کرتے کھل گیا۔ اتنے ہی آرام سے۔ اس نے ایک گہرا سانس اندر کھینچ کر خارج کیا۔

لاکر کے کنڈے پر ہاتھ رکھتے اُسے باہر کی طرف کھینچا۔ اُسے اس کے اندر دو چیزیں دکھیں۔ ایک سفید کاغذ اور اُس پر پڑی سُرمئی رنگ کی یو ایس بی۔

اس نے اُسے اٹھا کر ہوا میں بلند کیا اور پھر رُخ اپنے دوست کی طرف کر لیا۔ راحم نے چند قدم آگے لئے اور یو ایس بی کو دیکھا۔ حیرت سے۔ پھر جیسے کوئی خیال اس کے ذہن میں اجاگر ہوا اور وہ قدموں پر پلٹ گیا۔

المیر اس کے پلٹتے ہی کچھ سوچ کر واپس لاکر کی طرف مڑا اور اس میں سے سفید کاغذ نکالا۔ جسے کھولتے اس نے صرف پہلے سات ہی لفظ پڑھے تھے۔ یہ لکھائی.. یہ جملہ..

سانس اچانک بے ترتیب ہوا۔ آنکھیں یکایک بھرنے لگیں۔ وہ اس لکھائی کو لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ یہ اس شخص کی لکھائی تھی جسے اس کے بھائی کی نظریں لاکھوں میں تلاشتی تھیں۔ وہ اپنی عالیہ کا ایک ایک لفظ پہچانتا تھا۔ اسے یہ تک علم تھا کہ عالیہ کی روزمرہ کی بول چال میں کون کون سے لفظ شامل تھے۔

اس نے کاغذ کو جیب میں رکھا اور تب تک وہ اس تک آیا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" اس کے ہاتھ سے یو ایس بی لیتے وہ بائیں طرف کھڑی دیوار کے آگے لگیں چار میز میں سے ایک کے آگے آن رکا۔ کرسی کھینچ کر لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا اور یو ایس بی اس میں لگا دی۔ پہلے سے درخشاں اسکرین پر ایک دو دفعہ کچھ ابھرا۔۔ اس نے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں اور ساتھ ہی...

ایک ویڈیو سامنے آئی۔

سیاہ۔

اس نے آواز بڑھائی۔اور تب ہی شناسا آواز ان کے کان کے پردوں سے ٹکرائی۔وہ آواز جو سب سے الگ تھی۔دھیمی اور میٹھی۔

"آپ میرے،المیر بھائی اور وہاج میں سے سب سے زیادہ کس سے محبت کرتی ہیں؟"

چند ہی سیکنڈز بعد کسی کے ہنسنے کی آواز آئی۔یہ آواز...

"یہ کیسا سوال ہے؟تم تینوں ہی میرے بچے ہو۔تم تینوں سے ہی میں بہت محبت کرتی ہوں۔"

قدموں کی آواز آئی۔۔"نہیں..آپ ہم میں سے کسی سے محبت نہیں کرتیں۔آپ صرف اور صرف...خود سے محبت کرتی ہیں۔"

"یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا؟تم ہوش میں تو ہو؟"غصے سے جھڑکا گیا۔

"میں ہوش و حواس میں - میں اب ہی تو - تو آئی ہوں۔ آپ دھوکے باز - باز ہیں، ماما۔ آپ ہمارا گھر - ر خراب کر رہی ہیں۔ وہ - وہ گھر جسے ب - بچانے کے لئے ہم سب نے کتنی قق - قربانیاں دی ہیں۔ آپ اور بابا کی بے جالڑائیوں کے باوجود ہم - م نے کبھی آپ - پ سے یا بابا سے اپناد - دل برا نہیں ہونے دیا۔ آپ کے لئے ہم نے کیا - کیا نہیں کیا... آپ کیوں سب - ب کچھ برباد کرنا چاہتی ہیں؟"

"کیا بکواس کر رہی ہو، عالیہ...!" تیز تیز قدموں کی آواز آئی۔ جیسے کوئی طیش میں آکر قدم آگے بڑھا گیا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپ ک - کیوں بابا سے بے وفائی کر رہی ہیں؟ میری ماما ک - کو آپ کیسے جانتی ہیں؟ ک - کیوں چھپا رہی ہیں اپنی سچائی سب سے؟" بے بس لہجہ اور بے بس الفاظ۔ "میں جانتی ہوں آ - آپ کسی سے چھپ چھپ کر ملتی ہیں۔ میں سب جانتی ہوں۔ آپ ف - فرزین ملک کی دکان پر جا ک - کر اُس شخص سے ملاقاتیں کرتی ہیں۔"

"تمہیں اندازہ ہے تم کیا بول رہی ہو؟ میں کیوں کروں گی تمہارے باپ سے بے وفائی؟"

"آپ اب بھی جھوٹ-ٹ کا سہارا لے رہی ہیں؟ آپ ایسے نہیں مانیں گی ناں.. میں ابھی سب کو-کو کال کر کے بلاتی ہوں۔" ایک مرتبہ پھر سے تیز اور بھاری قدموں کی آواز آئی۔ اور پھر ایک باریک سی چیخ کی۔

"کیا بولو گی؟ ہاں؟ بتاؤ گی کہ میں کسی سے ملتی ہوں؟ وہ تمہاری بات پر جیسے یقین کر لیں گے۔ ثبوت ہے کوئی تمہارے پاس؟"

ناولز کلب
Club of Quality Content

"میرے-میرے بال چھوڑیں..." وہ زور سے چلائی تھی۔ جیسے کسی نے بے دردی سے اُسے پکڑ رکھا ہو۔

"تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔ اگر تم نے اپنی زبان کھولی تو میں تمہارے المیر بھائی کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دوں گی۔ جیسے تمہاری ماں کو مارا تھا ٹھیک ویسے اُسے بھی مار ڈالوں گی۔"

"امی؟" عالیہ کے حلق سے ہچکی ابھری۔

"ہاں ماہِ نور۔ تمہاری ماں۔ جانتی ہو اُسے کس نے مارا؟ میں نے! میں ہوں تمہاری ماں کی قاتلہ۔ میں نے مارا تھا اُسے۔ نرس تھی میں اُس کی۔ جان لے لی۔" دھیرے سے ہنسنے کی آواز آئی۔ "یقین نہیں آرہا ناں؟"

"آئیگا بھی کیسے؟ کوئی میری بات پر یقین نہیں کرتا۔ لیکن.. لیکن میں نے بازی پلٹ دی۔ میں نے ایسی بساط بچھائی کہ سب کو۔۔ سب کو یقین آنے لگا۔ میں کہتی رہی کہ میں نے میری بہن کو نہیں مارا.. مگر کسی کو مجھ پر یقین ہی نہیں آیا۔" خاموشی پھیلی۔ "میری بہن زینوں سے گر گئی تھی۔ اُسے بہت چوٹ آئی تھی۔ لیکن سب نے کہنا شروع کر دیا کہ میں نے اُسے مارا ہے۔ کیونکہ میری پاگل ماں نے چیخ چیخ کر سب کو بتایا۔"

"لیکن۔ لیکن اس سب کا میری ماں سے کیا لے۔ لینا دینا؟" گہرے اور لمبے سانس کی آہٹ گونجی۔

"تمہاری ماں نے میرا گھر خراب کیا تھا۔اس نے میری پسند سے شادی کرلی۔پھر جانتی ہو کیا ہوا؟میں سالوں تک تمہاری ماں کی ایک ایک حرکت پر نظریں لگائے بیٹھی رہی۔اور پھر جب تمہاری پیدائش کا وقت سر پر آن پہنچا تو..تو میں نے جعلی ڈگری بنوا کر اسی ہسپتال میں نوکری شروع کردی جہاں..جہاں تمہاری ماں جایا کرتی تھی۔"

"آپ نے-آپ نے میری ماں سے بدلہ لیا؟"

وہ ہنسیں۔"انتقام وہ واحد شے ہے جو انسان کو طاقت ور بنادیتی ہے۔میں نے بھی..میں نے بھی انتقام کا سہارا لیا۔میں نے تمہاری ماں کو چائلڈ برتھ میں مار ڈالا۔جانتی ہو تمہارا باپ یہ بات جانتا ہے کہ تمہاری ماں کا مرڈر ہوا تھا۔پر اس نے کارروائی نہیں کی۔کیونکہ تمہاری ماں کی ڈاکٹر سحر امین تھی۔تمہارے باپ کے دوست کی بیوی۔میں نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔"

"آپ کی وجہ سے سحر آنٹی کو ہسپتال سے..."وہ خاموش ہوگئی۔"آپ نے-نے ہی سحر امین اور رحمان امین ک-کو مارا ہے!اِشفا ٹھیک کہتی-تی تھی۔یااللہ!"وہ زور سے چیخی تھی۔

"ہوں.. مجھے ان کو مارنا پڑا.. میں ان کو مارنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے سحر کو کہا بھی تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے دور چلی جائے.. لیکن۔ لیکن وہ ایمان داری کا پتلا بنتی تھی۔ اس نے انکار کر دیا۔ کہتی تھی میری اصلیت سب کو بتا دے گی۔"

"آپ نے گ۔ گھر خراب کر دیا ان کا۔ آ۔ آپ نے یہ کیا کیا، ماما؟!" اس کے لہجے میں دنیا جہاں کی بے بسی تھی۔

"عالیہ میری بیٹی.. ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا.." قدموں کی آواز آئی۔".. تم چاہو تو یہ بات یہیں دب سکتی ہے۔ کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اور میں، ہم دونوں اس گھر کو چلا لیں گے۔"

"د۔ دور رہیں...! میں سب کو۔ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ میں المیر بھائی کو بتاؤ نگی۔"

چند لمحوں کے توقف کے بعد ایک زناٹے دار تھپڑ کی آواز لیپ ٹاپ سے گونجی تھی۔"اگر تم نے کسی کو کچھ بھی بتایا تو میں تم سے پہلے تمہارے المیر بھائی کو ماروں گی۔اور تمہیں اس کے غم میں تب تک زندہ رکھوں گی جب تک تم خود ہی گھٹ گھٹ کر نہیں مر جاتیں!"

"خبردار! میرے-میرے بھائی سے دور رہیں۔اگر آپ نے میرے بھ-بھائی کو ک-کچھ بھی کیا تو میں آپ کی-کی جان لے لوں گ-گی۔"غصے سے پھنکاری تھی۔

"بالکل تمہاری طرح اِشفا بھی بڑی بڑی باتیں کرتی تھی۔پھر پتا ہے کیا ہوا؟میں نے اُس کے پیچھے آدمی لگا دیئے۔وہ اُسے ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔میں نے اُس کے سکول کی پرنسپل کو لاکھوں دیئے تھے صرف اُس کی زندگی عذاب کرنے کے لیے۔وہ ڈر گئی۔اس نے دوبارہ کبھی مجھ پر الزام نہیں لگایا۔"

"آپ کا-کا اصلی چہرہ ایک روز سب کے سامنے ضرور آ-آئے گا۔کوئی ایسا آپ کو مات دے-دے گا جس کی ہر چال آپ کی چ-چال پر بھاری ہو گی۔اور وہ شخص...وہ انو کٹس ہو گا۔نا قابلِ شکست۔"

وہ ایک مرتبہ پھر سے قہقہ لگانے لگی تھیں۔"فلوقت تو میرے خلاف تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔تم یا کوئی اور.. میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔اور سن لو لڑکی..اگر تم نے میرے خلاف جانے کی کوشش کی تو تمہاراانجام اچھا نہیں ہو گا۔میں تمہیں بھی مروادونگی۔میرے بہت سے بندے ہیں۔اور ایک تو بہت قریبی ہے۔جسے تم...المیر...وہاج، خلیل سب جانتے ہیں۔جانتی ہو وہ کون ہے؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کون؟"

"وہ۔"

اچانک ریکارڈنگ بند ہو گئی۔المیر نے روندھی ہوئی نظروں سے اسکرین کو گھورا۔"یہ..یہ بند کیسے ہو گئی؟"اس کی کانپتی ہوئی آواز نکلی۔

"پتا نہیں.. "اس نے ایک دو بٹن دبائے۔ لیکن تضاد تب ہوا جب ریکارڈنگ اچانک غائب ہو گئی۔اس نے ہر جگہ ٹھیک سے چیک کر لیا پر اُسے یو ایس بی ایک دم خالی دکھی۔ "المیر، ریکارڈنگ کا سارا ڈیٹا اڑ گیا۔اوہ نو!"

تب ہی کمرے میں ایک شخص داخل ہوا۔راحم اس کی طرف لپکا۔ "یہ.. ہماری فائل ڈیلیٹ ہو گئی۔یعنی اچانک سے چلتے چلتے بند ہو گئی اور اب کہیں بھی نہیں مل رہی۔" وہ شخص ان تک آیا اور پھر کمپیوٹر کو اپنے طور پر پرکھا۔

"سوری سر.. فائل تو واقعی نہیں ہے۔لگتا ہے کمپیوٹر میں کوئی خرابی آ گئی ہے۔"

"تو کیا ہماری فائل ہمیں واپس مل سکتی ہے؟"

"میں دیکھ کے بتاتا ہوں۔" وہ کہہ کر میز کی طرف بڑھ گیا۔

جبکہ راحم المیر کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ جس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ شعلہ زن آنکھیں پل میں نیم بند ہونے لگیں۔ "مجھے.. میرا دم گھٹ رہا ہے۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھا اور دل کے مقام کو زور زور سے رگڑا۔

اس کا سانس ایسے تھا جیسے ابھی اکھڑے گا اور روح پرواز کر جائے گی۔ اس کی ٹانگوں میں سے جان خارج ہو رہی تھی۔ وہ سکتے کا شکار ہوتا زانوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی آنکھیں اب پوری کھلی ہوئی تھیں۔ جیسے خوف تلے دبا ہو۔

"المیر.. ادھر دیکھو۔" اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں پکڑا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ہوں ناں..." لیکن وہ نہیں سن پا رہا تھا۔ الفاظ کو کانوں تک رسائی حاصل ہی نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں سو سوچوں کی منزل صرف اور صرف اس کا پچھتاوا تھا۔

آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے اور سانس بحال ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ "راحم.. مجھے۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔"

یہ سن کر تو مقابل کو ہاتھ پیر پڑ گئے تھے۔"المیر.. پلیز ہوش کرو۔ میرے ساتھ سانس لو۔ ایک..دو.. تین..ایک لمبا سانس کھینچو اور چھوڑو۔"

اس نے ویسے ہی کیا جیسے اس نے بتایا تھا۔"مجھے..مجھے دل میں درد۔۔"وہ جملہ پورا نہیں بول پایا تھا۔اس کے ہونٹ اسی لمحے گہرے نیلے ہو گئے۔

"تمہارا چہرہ...المیر چلو میں تمہیں ہسپتال لے کر چلوں۔اٹھو.."وہ اس کے بازو کا سارا زور اپنے شانوں پر ڈالتے اُسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

Clubb of Quality Content!

اس نے دھیرے دھیرے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔"مجھے..مجھے اس کے پاس جانا ہے..مجھے اُ- اُس سے بات کرنی..."

"لیکن تمہیں اس وقت ڈاکٹر کی ضرورت ہے.."اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس ضدی انسان کو کیسے ہسپتال لے کر جائے۔

"مجھے اپنی بیوی کے پاس جانا ہے.." وہ قدرے سیدھا ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ ہاتھوں میں جان ڈالتے وہ اٹھ رہا تھا۔ ٹھنڈے فرش پر دونوں ہاتھ جماتے اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ راحم نے اُسے سہارا دیتے ہوئے پیروں پر کھڑا کیا۔

"ٹھیک ہے۔ چلو۔"

المیر کی ضد پر وہ اُسے اِشفا کے گھر کے باہر چھوڑ کر واپس عمارت کے لیے نکل گیا تھا۔ وہاں کے عملے کا کہنا تھا کہ اب وہ فائل دوبارہ نہیں چل سکتی۔

وہ اس وقت دروازے کے باہر مشکل سے اپنے اکھڑے ہوئے سانس کو برابر کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُسے یقین تھا کہ وہ اُسے ڈانٹے گی۔ شکوے کرے گی۔ ناراض ہو جائے گی اور غصہ نکالے گی۔ پر وہ نہیں جانتا تھا کہ معافی مانگے بنا اپنا دل کیسے ہلکا کرے۔ سو وہ اس کے در پر چلا آیا تھا۔

اب کہ اس کے سینے کا درد کافی حد تک مدھم ہو گیا تھا۔ لیکن آنکھیں ابھی بھی سرخ تھیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر گھنٹی بجائی۔ لیکن اس عمل کی انجام دہی ہوتے ہی اس کے ذہن میں خیال ابھرا۔ اس وقت تو وہ عموماً کام پر گئی ہوتی ہے۔

ناجانے یہ خیال اُسے پہلے کیوں نہیں آیا تھا؟ ناامید ہوتے ہوئے وہ پیروں پر مڑا اور گیٹ سے قلیل قدم دور لے گیا۔

"کون؟"

آواز پر وہ پلٹا۔ بہت دھیرے سے۔ کیا اُسے کہنا چاہیے تھا کہ وہ آیا تھا۔ کیا وہ اس قابل تھا کہ کچھ بھی کہہ سکے؟

Clubb of Quality Content

پچھتاوا اُس کے جسم کے پور پور کو نوچ رہا تھا۔ دماغ کی شریانیں پھٹ جانے پر بضد تھیں۔ ناک سے آگ کی طرح گرم سانس خارج ہو رہا تھا اور آنکھیں بھی گرمی سے بھرپور تھیں۔

"ایس ایچ او صاحب... آپ ہیں کیا دروازے پہ؟" اس کی جھکی ہوئی نظریں فوراً اٹھیں۔ وہ حیرت کے سمندر میں ڈوبتا دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

اُس کو کیسے اس کی موجودگی کی خبر ہو جاتی تھی؟ وہ کیسے اس کے ان کہے لفظوں کو سن لیتی تھی؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اُسے قدموں کی آواز آئی۔ وہ دروازہ کھول کر اب گیٹ کی طرف ہی آ رہی تھی۔ وہ سامنے آئے گی تو المیر اس سے آنکھیں کیسے ملائے گا؟ وہ سکون حاصل کرنے اس کے پاس آ تو گیا تھا پر اگر اس نے اُسے جانے کے لئے کہہ دیا تو وہ در بہ در ہو جائے گا۔

گیٹ کھلنے کی آواز آئی.. ابھی وہ شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی اس کے مقابل آن ٹھہرے گی اور اس سے اس کی آمد کی وجہ پوچھے گی۔ وہ کیا جواب دے گا؟

وہ اب اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔شاید سوالات کی توپ کھولنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

چند لمحے بیت چکے تھے پر اس کی میٹھی آواز اس کے کانوں سے اب تک نہیں ٹکرائی تھی۔پھر اُسے کسی کا ہاتھ اپنے چہرے کے قریب آتا محسوس ہوا۔اُس کے سیاہ بال اُس نے پیشانی پر بڑے آرام سے پھیلا دیئے تھے۔

وہ تھا کہ اُس کی لٹوں کو کان کے پیچھے ارستا رہتا تھا اور اُس کی بیوی اُس کے بالوں کو پیشانی پر منتشر حالت میں پسند کرتی تھی۔

اِشفا کا ہاتھ بالوں کو ان کی صحیح جگہ دکھانے کے بعد پہلو میں گر گیا۔اس نے سُرمئی آنکھیں اس پر اُٹھائیں۔دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔"اندر نہیں آئیں گے؟"

وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا وہ اس گھر کے اندر قدم رکھنے کا حقدار تھا جس میں رہنے والوں کا ہنستا بستا گھر اس کی سوتیلی ماں اجاڑ چکی تھی؟

Clubb of Quality Content

وہ پلٹی اور گھر کے اندر قدم رکھ گئی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے بڑھا۔چپ چاپ آگے پیچھے چلتے وہ دونوں دروازے سے اندر ہوئے۔

وہ کچھ بول کیوں نہیں رہی تھی؟

برآمدے کی بتی درخشاں کرتے وہ اس تک آئی۔"آپ اداس ہیں؟کسی نے کچھ کہا ہے آپ کو؟" آنکھوں سے پریشانی چھلک رہی تھی۔وہ برسوں سے جانتا تھا کہ اس کی بیوی آنکھیں پڑھنے میں مہارت رکھتی تھی۔تب ہی تو بنا آہٹ کیے ہی اس کے ان کہے لفظ سمجھ جاتی تھی۔

وہ اس کے لیے اداس نظر آتی تھی۔کتنی مدت بعد اس نے کسی کو اپنے لئے پریشان حال میں دیکھا تھا۔

اپنا گھر بچانے کے چکر میں اُسے کم از کم اس لڑکی کا دل نہیں توڑنا چاہیے تھا۔آج لفظوں کی انتہا تھی..اور زبان کچھ بھی اگلنے سے خود کو روکے ہوئے تھی۔وہ اس سے بات کا آغاز کرتا تو کیسے کرتا؟

پچھتاوا..ندامت..کیا وہ مان جائے گی کہ اس کے جذبات جعلی نہیں ہیں۔کہ وہ سچ میں شرمندہ ہے۔کہ اُسے سچ میں خود سے نفرت ہو رہی ہے۔کہ آج اُس کی نظریں اٹھنے سے قاصر ہیں۔

قدم قدم چلتی وہ دشمن جان اُس تک بڑھی اور اپنا نازک سا ہاتھ اُس کے رخسار پر رکھا۔آنسو آنکھ سے نکلتے ہی اُس کی ہتھیلی سے جاملا۔"رونا کیوں آرہا ہے؟"اتنے دھیرے سے سوال کیا گیا تھا۔

اگر صرف سوری کہے گا تو کیا یہ مان جائے گی؟اور اگر نہ مانی تو چھوڑ کر تو نہیں جائے گی ناں؟ خیال کے ساتھ ہی دونوں آنکھوں سے ایک ساتھ آنسو بہنے لگے۔اس نے چند پلوں کے لئے

آنکھوں کو بند کر لیا۔اور پھر فوراً کھول بھی لیا۔ جیسے آج نہیں کھولے گا تو وہ کہیں چلی جائے گی۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ مرد صرف اپنی پسندیدہ عورت کے سامنے روتا ہے۔ تو اس کا مطلب میں آپ کی پسندیدہ عورت ہوں، سُرمئی آنکھوں والے آفیسر ؟"

اسی لمحے المیر خلیل کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا اور اس کے کندھے پر اپنا سر رکھ چکا تھا۔ "آئی ایم سوری... آئی ایم سو سوری... "

Clubb of Quality Content

وہ روتے روتے کہہ رہا تھا۔ اِشفا نے چونکتے ہوئے سامنے والی دیوار کو گھورا۔ ایسا بھی کیا ہو گیا تھا کہ وہ اس کے کندھے پر سر رکھ گیا تھا؟

"کس بات کے لئے سوری؟" اس نے پوچھا تو وہ اس سے دور ہٹا۔ پھر بچوں کی طرح ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو رگڑ کر صاف کیے۔ "وہ.. "رونے کی وجہ سے اس کا سانس بحال نہیں ہو پا رہا تھا۔

"آپ ادھر بیٹھیں، میں آتی ہوں۔" وہ صوفے کی طرف اشارہ کر کے خود کہیں غائب ہو گئی۔ پھر چند لمحوں بعد پھر سے ایک پانی کے گلاس کے ساتھ حاضر ہوئی۔ وہ اس کے حکم کے مطابق صوفے پر سر پھینکے بیٹھا تھا۔

اِشفا آرام سے اُس کے سامنے زانوں کے بل بیٹھ گئی۔ یکایک پانی کا گلاس آگے کیا۔ "مجھے آپ غصے میں تو قبول ہیں پر روتے ہوئے نہیں۔ اگر اب ایک بھی آنسو ان خوبصورت آنکھوں سے نکلا تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی اور اگلے پندرہ سال تک بات نہیں کروں گی۔"

وہ سر پھینکے پھینکے مسکرایا۔ "تم ویسے بھی اب مجھ سے ناراض ہونے والی ہو۔" معصومیت سے کہا گیا۔ اتنے پیار سے کہ سننے والا فوراً پگھل جائے۔

"کیوں.. آپ مجھے چھوڑ رہے ہیں کیا؟" وہ آلتی پالتی مار کر درمیانے درجہ حرارت میں لپٹے فرش پر بیٹھی۔

"نہیں.."

"تو پھر؟"

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ جس میں پچھتاوے کے احساسات چھپے تھے۔"میں نے تمہارا بہت نقصان کیا ہے۔" نظریں اُٹھیں تو اُس سے جا ملیں۔ ایک آنسو ٹپکتا ہوا ہونٹ کی اور بڑھنے لگا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اِشفا کی نظریں ٹھہریں.. پھر بھنویں تنگ ہوئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔"آپ کو سچائی سے آگاہی ہو گئی ہے، ہے ناں؟"اس کا لہجہ بدل چکا تھا۔ لہجے کی تاثیر میں بھی کمو بیشی ہو گئی تھی۔ المیر نے یہ بات اچھے سے پرکھی تھی۔

"میں جانتا ہوں.." تھوک نگلا۔"... تم اب.. اب میرے ساتھ رہنا نہیں چاہو گی۔ اب تو میں بھی اپنے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔ میں... میری غلطی کی وجہ سے تم اور مہوین.. مجھے معاف

کر دو۔ پلیز.. میں جانتا ہوں میری غلطی اتنی بڑی ہے کہ تم.. تم میری شکل نہیں دیکھنا چاہو گی۔ میں.. میں پوری زندگی اس پچھتاوے کے ساتھ جی سکتا ہوں پر یہ جان کر مر جاؤں گا کہ تم.. تم مجھ سے ناراض ہو۔ میں بالکل بھی تمہارے قابل۔"

"ہو گیا آپ کا؟"

روبرو بیٹھے شخص نے اُسے غور سے دیکھا۔ بعدازاں سر نفی میں ہلایا۔ "اگر مزید کچھ کہنا بھی ہے تو مجھے سننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" سُرمئی آنکھیں رنگ بدلنے لگیں۔ پہلے اوپر والا ہونٹ ہلا اور اُس کے بعد نیچے والا۔ دونوں ہونٹوں کو آپس میں پیوست کرتے اُس نے اپنے آنسو روکنے کی ناکام کوشش انجام دی۔ "تم اب مجھے چھوڑ.. چھوڑ دو گی؟"

اِشفا اُسے بس گھورے جارہ تھی۔ یہ خوف کہ جو اُسے اتنی مشکلوں سے ملا تھا، ہاتھوں سے نکل جائے گا.. اُسے اندر تک جھنجوڑ رہا تھا۔ اُس کا دل زور زور سے بھاگ رہا تھا۔ وہ اس قابل نہیں تھا کہ اُس کے ساتھ وہ رہتی پر وہ اتنا خودغرض تھا کہ اُس کے بغیر بھی رہ نہیں سکتا تھا۔

"تم مجھ سے.. مجھ سے نفرت کرنے لگو گی؟"اُس نے اپنی سرخی میں ڈوبی آنکھوں کو زور زور سے رگڑا۔

"آپ بھول رہے ہیں.. میرے اور آپ کے درمیان نفرت کا رشتہ کافی عرصے سے قائم ہے۔"اس نے ٹانگ پر بازو رکھا اور ہاتھ پر اپنا چہرہ اور اُسے دیکھتی گئی۔

اس نے اس کی بات پر سر دھیرے دھیرے اثبات میں ہلایا۔"تم کہتی رہیں کہ اُس روز تم نے ماما کو دیکھا تھا اور کسی نے یقین نہیں کیا۔میں نے یقین نہیں کیا۔آئی ایم سو سوری۔"دائیں سُرمئی آنکھ سے آنسو نکل کر اُس کے ہاتھ کی پشت پر گرا۔

"کوئی بات نہیں۔"

"مجھے.. میں یقین کیسے کرتا تمہاری بات پر؟ ماما نے.. ماما نے عالیہ کے سر کی قسم کھائی تھی کہ ان کا اس معاملے سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔اور عالیہ میرے لئے کوئی معمولی انسان نہیں

تھی۔مجھے لگا..مجھے لگا وہ سچ کہہ رہی ہیں۔لیکن خدا کی قسم اُس روز تھانے میں تمہارا ساتھ نہ دینے کے بعد ایک روز بھی میں سکون سے نہیں رہ پایا۔"

اس نے سر نفی میں ہلایا جیسے ابھی بات کاٹ دے گی۔"ملال اور غم نے میرا ایسا حشر کر دیا تھا کہ میں..میں چپ ہو گیا تھا۔بات نہیں کرتا تھا۔مجھے ہر جگہ تم دکھتی تھی۔تمہاری روتی ہوئیں آنکھیں..تمہارا چہرہ..تمہاری خودکشی والی حرکت کے بعد تو مجھے کئی راتوں نیند نہیں آئی۔"

ناولز کلب
Club of Quality Content

"خودکشی؟"اِشفا نے آنکھیں بڑی کر لیں۔تاثرات ایسے تھے کہ جیسے سامنے والے کو کوئی ایسی بات پتا چل گئی ہو جو نہیں پتا چلنی چاہیے تھی۔

المیر کے لب جدا ہوئے..وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔پھر اس نے سر جھٹکا۔"نہیں کچھ نہیں۔"وہ اس سے اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔اس کے ماضی کی تلخ یادوں کو اس کے سامنے نہیں لا رکھنا چاہتا تھا۔

"آپ جانتے تھے؟"اس کی آواز روندھی ہوئی تھی۔

اس نے شانے اچکا دیئے۔"کیسے؟"بھنویں آپس میں جڑ گئیں۔

"تمہاری ماہر امراضِ نفسی، شمسہ نور،انھوں نے بابا کو آکر بتایا تھا۔وہ اور بابا ایک دوسرے کو بہت وقت سے جانتے تھے۔"

"یعنی..یعنی اتنے عرصے سے آپ واقف تھے کہ میں خودکشی پر مائل ہوں؟اور..اور اس کے باوجود آپ نے مجھے نظرانداز کیا؟"

وہ اپنی بدگمان بیوی کی غلط فہمیاں کیسے دور کرتا؟اس کی نظر کا مرکز اس کا چہرہ تھا۔وہ اُسے دیکھتا گیا دیکھتا گیا۔وہ اس کو کیا کیا بتاتا؟اور کیسے بتاتا؟آیا بتاتا بھی یا رہنے دیتا؟

"آئی ایم سوری..."

Clubb of Quality Content

"آپ نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا؟"

"آئی ایم سوری..."

"آپ نے مجھے پلٹ کر نہیں دیکھا۔"

"آئی ایم سوری.."

"آپ نے مجھ سے نفرت کی.."

"آئی ایم سوری.."

"آپ نے مجھے دکھ دیا۔"

"آئی ایم سوری..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپ نے مجھے ڈوبنے سے بچایا.."

"آئی ایم سوری.."

"آپ نے میرے پیچھے چھلانگ لگا دی.."

"آئی ایم۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ نظریں اس پر سے ہٹیں۔ پھر واپس اس پر آن ٹھہریں۔

"آپ پوچھتے ہیں میں آپ کو چھوڑ دوں گی؟ میں المیر خلیل کو کیسے چھوڑ دوں؟ جس نے سات سال تک میری حفاظت کی۔ جس نے میرے لیے پڑھائی کا حرج کیا۔ جس نے میری جان بچائی۔ جس نے صرف مجھ سے محبت کی ہے۔ میں اُس المیر کو کیسے چھوڑ دوں؟" اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ پر ضبط کرنا بہت دشوار تھا۔

Clubb of Quality Content

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نے تمہیں ڈوبنے سے بچایا تھا؟"اُس نے اپنا چہرہ صاف کیا اور پھر صوفے سے اتر کر فرش پر اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"آپ کے علاوہ کون میرے لیے پل سے کود سکتا ہے؟"وہ مسکرائی۔امید سے۔مٹھاس سے۔سکون سے۔آج وہ اپنا دل ہلکا کرنے والی تھی۔

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"تو پھر تم نے ہسپتال کے بستر پر بیٹھ کر یہ کیوں کہا تھا کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو؟"

وہ ایک صوفے کے ساتھ پشت ٹکائے ہوئے تھا اور وہ اس کے ساتھ والے سے۔"آپ جانتے ہیں انکل نے ماما بابا اور راحیل کے انتقال کے بعد محلہ کیوں چھوڑ تھا؟"

"نہیں.."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "انکل آئمہ ریحام کی حقیقت بہت پہلے سے جانتے تھے۔ مہوین اور میری حفاظت اور آئمہ ریحام کو ہم سے دور رکھنے کے لئے انھوں نے محلہ چھوڑ دیا۔ تاکہ ہم ان سے دور رہیں اور انکل کے دوست کی بیٹیاں محفوظ رہیں۔" اپنے دائیں ہاتھ سے اس نے اپنی ایک لِٹ کان کے پیچھے سرکائی تو المیر نے کن اَکھیوں سے اُس کی انگلی کو دیکھا۔ یہ ذمے داری تو اُس کی تھی... کسی اور نے اُسے پورا کیا تو کیا کیسے؟

"بالکل اسی طرح میں نے مہوین کو آپ سے اور خود کو عالیہ اور وہاج سے دور رکھا تھا۔ تاکہ آپ کو ہماری وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچے.. اور جب اُس روز آپ ہسپتال میں میرے کمرے کے باہر کھڑے تھے، میں نے جان کر مہوین کی بات کاٹی تھی۔ تاکہ آپ مجھ سے نہ ملیں۔ مجھ پر ترس کھا کر ناراضگی دور نہ کر سکیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے آپ کو کسی مصیبت کو جھیلنا پڑے.."

"مصیبت کو تو میں ابھی بھی جھیل رہا ہوں۔" مسکرایا تو آنکھیں بھی مسکرائیں۔ "آپ مجھے مصیبت کہہ رہے ہیں!؟"

"ہوں.. تم ایک بہت بڑی مصیبت ہو..." ذرا سا آگے کھسکا۔ پھر اس کی لِٹ کان کے پیچھے سے نکالی۔ "..لیکن میری ہو.."

"آپ نے مجھے مصیبت بولا.. مجھ سے بات نہ کریں!" اس کے ہاتھ کو جھٹکتے وہ اٹھنے لگی۔ المیر نے اس کے ہاتھ کو تھام کر اُسے روکا۔ "تمہیں اپنا بھی تو کہا ہے.."

Clubb of Quality Content

"اوہوں..." اس نے نظریں گھمائیں پھر واپس اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"ایک اور بات پوچھوں؟" اس نے ایک ابرو اٹھائی پھر سر اوپر نیچے ہلایا۔ "نکاح کے بعد ہماری اکثر ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ تب کیوں مجھ سے آن ملتی تھیں تم؟ اس وقت بھی تو مجھے خطرہ لاحق تھا ناں۔"

"آپ کے پولیس فورس میں جانے کے بعد میری ساری ٹینشن دور ہو گئی تھی۔ مجھے پتا تھا اب کوئی بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"اور اگر بگاڑ لیتا تو؟"

"تو میں اس کی ہڈیاں توڑ دیتی...!"

"میرے لئے؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے سر ہلایا۔ "آپ کے لئے کچھ بھی..."

وہ اُسے فرحت بخش آنکھوں سے تکتا رہا۔ اُس کے لئے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ اُسے کب کب دل کے قریب سب سے زیادہ لگتی تھی۔ تب جب پیاری پیاری باتیں کرتی تھی یا تب جب مسکراتی تھی اور دل کی دھڑکنیں بڑھا دیتی تھی۔

".Je suis amoureux de toi"

(میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔)

اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔ "پھر سے فرینچ؟"

اس نے سر فوراً اوپر نیچے ہلایا۔ "جانتی ہو اس کا مطلب کیا ہے؟" اِشفا نے ایک ابرو اُچکائی۔

"مجھے فرینچ زبان پسند ہے.. بہت زیادہ نہیں پر اس حد تک کہ اس میں کہے جانے والے خوبصورت اور پیار بھرے لفظ جب جب سنتا ہوں تو تمہارا چہرہ نظر آتا ہے۔"

وہ دھیرے سے مسکرائی۔ "اس جملے میں amoureux عشق کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی کہ میں.." سینے پر شہادت کی انگلی رکھی۔ "میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں.. تمہارا عاشق ہوں۔ تمہیں چاہتا ہوں۔ تمہاری قدر کرتا ہوں۔ صرف تمہیں سوچتا ہوں اور تم سے دل لگاتا ہوں۔" اُسے سمجھ نہ آیا کہ آگے سے کیا کہے۔ "اسی طرح mon amour..

مطلب میری محبت یعنی کہ تم۔Mon cœur، مطلب میرا دل یعنی کہ تم.. Ma vie مطلب میری زندگی یعنی کہ تم۔"

اس کا سرخ چہرہ اب وہ کہاں چھپاتی؟ ایک تو پہلی دفعہ اتنی رومانوی جملے سن رہی تھی اور سننے میں اچھے بھی لگ رہے تھے۔ ورنہ کسی دوسرے جوڑے کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھ اس کا دل خراب ہوتا تھا۔

"تم دنیا بھر کی ہر زبان کے تمام خوبصورت لفظوں کا مجموعہ ہو۔ تم میری زندگی کا وہ حصہ ہو جس کا تعارف کروانے کے لئے میں صرف ایک لفظ استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ دلستان.. یعنی میرے دل کی بستی۔"

اس نے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لئے۔ سرخی سے لتپت اس کا چہرہ اس کے خیال میں اب دیکھنے لائق نہیں ہوگا۔ وہ اس کی حرکت پر ہنسا۔ "کم سے کم شرماتے ہوئے منہ تو مت چھپایا کرو.." پھر اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر چہرے سے دور کیا۔

اس کی آنکھیں اس سے کہہ رہی تھیں کہ ابھی یہ لڑکی موضوع بدلے گی۔" سنیں.."

"جی حکم کریں..."

"آپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں؟"

"ہوں..بے تحاشا بہت زیادہ۔"

"پھر میرا ایک کام کریں گے؟"

"ہاں.."

"اپنے فون سے ڈلیوری والے لڑکے کو کال کردیں پلیز..اور اس سے پوچھیں میرا آرڈر کب لا رہا ہے۔دراصل میں نے اُسے پچھلے پانچ دنوں میں اتنی کالز کی ہیں کہ اُس نے میرا نمبر بلاک کردیا ہے۔" شرارتی مسکراہٹ سجائی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اوکے.. یہ لو۔" اپنا فون کھول کر اُسے تھمایا۔اس نے نمبر ملانے کے لئے انگلیاں چلانی چاہیں جب اس کی نظریں بے وقت اس کے فون پر لگی اپنی تصویر پر جا ٹھہریں۔یہ تصویر.. یہ کپڑے تو اس نے اپنے نکاح کے روز پہنے تھے۔

وہ جو سوچتی تھی کہ وہ کسی کی بھی پسندیدہ نہیں بن پائے گی۔کہ اُسے کوئی کیوں ہی چاہے گا؟ کہ اس میں کتنی خامیاں ہیں اور کوئی ان کے ساتھ اُسے کیوں ہی قبول کرے گا۔

اور آخر ان سب سوالات کا جواب اُسے اس شخص کی صورت میں ملا تھا۔جو کہ اس کے روبرو بیٹھا تھا۔مسکرا کر اُسے سرہا رہا تھا۔آنکھیں بتا رہی تھیں کہ عشق میں ڈوبا ہوا ہے۔

اُس سے سب کچھ چھین کر اُسے یہ دیا گیا تھا۔یعنی المیر خلیل۔

"کیا ہوا..ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ بنا پلک جھپکے اُسے تکنے میں مصروف تھی جب اُس کے سوال نے اُس کے خیالات میں خلل پیدا کیا۔

اس نے سر نفی میں ہلایا۔کال کرنے کا ارادہ ترک کر کے فون واپس اُس کی طرف بڑھا دیا۔ جسے تھامتے ہوئے وہ اُسے گہری نگاہ سے دیکھنے لگا۔

"آپ کو آئمہ ریحام کی سچائی کیسے پتا چلی؟" یہ سوال تو پچھلے ایک گھنٹے سے اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔

"عالیہ سے۔۔عالیہ میرے لئے ایک لاکر میں یو ایس بی چھوڑ کر گئی تھی۔آج ہی میں اور راحم اُسے لینے گئے تھے۔اس میں ایک ریکارڈنگ تھی۔عالیہ اور آئمہ ریحام کی گفتگو کی۔عالیہ بہت پہلے سے ہی ان کے بارے میں ایک ایک بات جانتی تھی۔"

"تو..پھر..اس نے آپ سے ذکر کیوں نہیں کیا؟"

المیر نے ایک گہرا سانس لیا۔"کیونکہ میری سوتیلی ماں اُسے دھمکاتی تھیں کہ اگر اس نے کسی کو بھی کچھ بتایا تو وہ مجھے مار دیں گی۔"

"ایسے کیسے مار دیں گی؟ میرے ہوتے ہوئے کوئی آپ کو چھو بھی نہیں سکتا۔"اس نے ایک ادا سے کہا تو وہ بے اختیار مسکرایا۔"ہیرو میں ہوں تمہارا اور تم مجھ سے زیادہ ہیرو والے ڈائیلاگ مارتی ہو۔"

"آپ کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔کچھ بھی بن سکتی ہوں۔"وہ پیار بھری مسکراہٹ میں اور بھی اُسے دل پسند لگ رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میری بیوی بن سکتی ہو؟"

بے اختیار اس کی زبان سے نکلا تھا۔اِشفا کا دل زور زور سے بھاگا۔اتنی رفتار سے کہ ابھی حلق تک آن پہنچے گا۔"یعنی..."

"یعنی..اِشفا امین آپ میری بیوی بن کر میرے ساتھ، میرے گھر میں ہمیشہ کے لئے رہنا چاہیں گی؟"وہ اس کے ہاتھ کو تھامے تھامے بڑی محبت سے کہہ رہا تھا۔

"آپ مجھے برداشت کرلیں گے؟"

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں ابھی تک کیا کرتا آیا ہوں؟" کہہ کر زور سے ہنسا پھر فوراً پیچھے ہوا۔ اِشفا کا تو جواب میں سوال وہ بھی اس طرز کا سن کر منہ ہی کھل گیا۔ "آپ کو تو میں ابھی بتاتی ہوں۔" پلٹی اور صوفے سے کُشن اٹھانے لگی جب وہ فوراً فرش سے اٹھا۔

وہ بھی کُشن کو تھامے تھامے اُس کے پیچھے لپکی۔ وہ آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ اور وہ کھلکھلاتی ہوئی اُس کے پیچھے پیچھے کُشن کو کبھی دائیں تو کبھی بائیں طرف ہوا میں ہلا رہی تھی۔

وہ بھاگ کر دوسری طرف سے آیا اور صوفے کے اِس پار آن کھڑا ہوا۔ وہ اُس پار ایستادہ اُسے گھور رہی تھی۔ "سنو..."

"سنائیں۔"

"تم غصے میں بھی لال ہو جاتی ہو۔ یہ ہر بات پر تمہارا سرخ ہونا مجھے بڑا کیوٹ لگتا ہے قسم سے۔" کہنے کے بعد مقابل کے چہرے کو ٹھیک سے پرکھا۔ جس کی سرخ ناک بتا رہی تھی کہ اب وہ کیا کرنے والی ہے۔

تب ہی کُشن ہوا میں اڑتا اڑتا آیا اور المیر خلیل نے بڑی مہارت سے اُسے دونوں ہاتھ کے بیچ پکڑ لیا۔ "اتنا غلط نشانہ صرف میری بیوی ہی لگا سکتی ہے۔"

"مسٹر خلیل...!" وہ غصے سے بولی۔ "جی مسز خلیل؟"

Clubb of Quality Content!

"آپ نے میرے نشانے کو غلط بولا؟" وہ پھنکاری۔ "ہوں.. اتنے غلط نشانے کے ساتھ بھی تم نے مجھے اپنا اسیر بنا لیا۔ یعنی تم نیزا بازی میں ماہر ہو.. بس کُشن ٹھیک سے مارے نہیں جاتے، کیونکہ چھوٹی سی ہو، ہے ناں؟"

"المیر خلیل!" وہ چیخی.. تو وہ زور سے ہنسا۔ "جی کہیں؟"

"میں آپ سے اب کبھی بات نہیں کروں گی۔آپ نے مجھے چھوٹا بولا۔"وہ ہاتھ سینے کے آگے باندھ کر اُسے پشت دکھاتی چہرہ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"اچھا سنو..."وہ اُسے پکارتا ہوا دبے پاؤں اُس تک بڑھنے لگا۔"..ناراض ہوگئیں سچ مچ؟"

اس کے سامنے کھڑے ہوتے وہ ایک گھٹنا زمین پر لگاتے بیٹھ گیا۔"اگر میرے پاس محل ہوتا تو میں تمہیں وہاں کی ملکہ بنادیتا۔اگر میرے پاس بہت سارا پیسہ ہوتا تو تمہیں شہزادیوں کی طرح رکھتا۔لیکن میرے پاس صرف یہ دل ہے..."دل کے مقام پر انگلی رکھی۔"..کیا تم میرے دل پر راج کرنا چاہو گی؟کیا تم میری بیوی بننا چاہو گی،اِشفا امین؟"

وہ روٹھی ہوئی نظروں سے دیکھتی ڈھیلی سے مسکرانے لگی۔پھر المیر کی بند مٹھی کی طرف دیکھا۔"اس میں کیا ہے؟"

"انگھوٹی۔"

اِشفا نے مسکراتے ہوئے فوراً ہاتھ آگے کیا اور سر ہاں میں زور زور سے ہلانے لگی۔ وہ اُسے اب انگھوٹی پہنا رہا تھا۔ اِشفا کھل کر مسکاتی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

پھر اُس کی نظر انگھوٹی پر پڑی۔ ہاتھ ہوا میں بلند کر کے چہرے کے قریب لے کر آئی۔

"پیاز؟ آپ نے مجھے پیاز کی انگھوٹی پہنا دی!" المیر ایک مرتبہ پھر سے زور زور سے ہنسا تھا۔ نا جانے آج وہ کتنی ہی مرتبہ ہنس چکا تھا۔ پھر میز کی طرف اشارہ کیا جہاں سلاد کی پلیٹ رکھی تھی۔

"دیکھو مجھے یہاں آنے سے پہلے تو نہیں پتا تھا کہ یہاں آکر میں تمہیں شادی کے لئے پرپوز کر دوں گا۔" اِشفا نے دھیرے دھیرے سر اثبات میں ہلایا۔

"میرے پاس بھی آپ کے لئے کچھ ہے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں بلکہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر تین منٹ کے بعد واپس اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ "آنکھیں بند کریں۔"

اس نے ایک ابرو اُچکائی پھر گھبراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ ظاہر ہے اپنی بیوی کا اُسے پتا تھا۔ کارنامے سرانجام دینے میں وہ ہمیشہ سے اول رہتی تھی۔ اُسے اپنی بائیں کلائی پر کسی چیز کی موجودگی کا احساس ہوا۔ "کھول لوں آنکھیں؟"

"ہوں۔"

آنکھیں کھولنے پر اس کی نظر اپنی کلائی پر بندھی سیاہ گھڑی پر گئی۔ جس کا حصہ حصہ روشنی سے چمک رہا تھا۔ وہ کبھی گھڑی کو تو کبھی اُسے دیکھتا۔ "یہ تو.. کم سے کم دو لاکھ کی ہے۔ اتنی مہنگی گھڑی...اِشفا!!!!" وہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

"اتنی بھی مہنگی نہیں ہے۔ آپ پر تو میں کروڑوں لگا سکتی ہوں.. ہاں وہ الگ بات ہے کہ اتنے میرے پاس ہیں نہیں۔" شرارتی مسکراہٹ لئے اُسے دیکھنے لگی۔

"لیکن.. میں اتنی مہنگی گھڑی نہیں لے سکتا۔ دو لاکھ کم رقم نہیں ہے۔ اتنے پیسے تم نے مجھ پر کیوں لگا دیئے؟!"

"میری مرضی... میں اپنے شوہر پر جتنے مرضی پیسے لگاؤں اس سے آپ کو کیا؟"المیر نے سر جھٹکا۔"اتنے پیسے آئے کہاں سے تمہارے پاس؟ کہیں کوئی چوری تو نہیں کی؟"

"لو میں آپ کو ایسی لگتی ہوں؟"

"تم سے میں کسی بھی حرکت کی امید کر سکتا ہوں۔ جتنا شرارتی تمہارا دماغ ہے.. تم کچھ بھی کر گزرتی ہو۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اوہوں.. چوری کرنی ہوتی تو پہلے آپ کے گھر ڈاکہ ڈالتی۔"آنکھیں گھما کر کہا گیا۔"تو ڈال لیتیں... میرا گھر تمہارا۔ میری چیزیں تمہاری۔ میرا پیسہ تمہارا۔ تم میری اور میں تمہارا۔"

وہ کھلکھلائی پھر بولی۔"سنیں۔"

"جی حکم کریں..."

"اب آپ آئمہ ریحام کے ساتھ کیا کریں گے؟"

اس نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔"ان کے ساتھ تو میں وہ کروں گا کہ دنیا دیکھے گی۔"

"یعنی اب آپ انہیں حراست میں لے لیں گے؟"اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔"کیا میں آپ کے ان کو حراست میں لینے کے بعد ان سے مل سکتی ہوں؟"

"تمہیں مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تھینک یو۔"پھر رکی جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔"ہیپی برتھڈے۔"

"یہ دو لفظ تحفہ دیتے ہوئے بولتے ہیں شاید۔"المیر نے اس کا ہاتھ تھاما۔"بھول گئی تھی.. سوری۔"سُرمئی آنکھیں مسکرائیں تو دائیں آنکھ پر تل نمایاں ہوا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تھوڑی سی پاگل ہو پر میری ہو..." سکون سے الفاظ ادا ہوئے۔ "پاگل کس کو کہا؟" دو قدم آگے بڑھائے تو وہ ایک قدم پیچھے ہوا۔ "خود کو..." دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھا لئے جیسے سرنڈر کر رہا ہو۔

"ہوں.. پھر ٹھیک ہے۔" وہ اس کے انداز پر مسکرانے لگا۔

چند منٹ مزید وہ باتوں میں مشغول رہے پھر المیر نے تھانے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

شام کے سات بج رہے تھے۔ وہ اپنے دل کو مار کر گھر لوٹا تھا۔ اب اُسے گھر گھر نہیں لگتا تھا۔ اس کے ہر بڑھتے قدم کے ساتھ اُسے عالیہ کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ دل تو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

وہ قدم قدم چلتا ہوا آیا اور ہال کے بیچوں بیچ ٹھہر گیا۔ وہیں اس کی نانی جائے نماز بچھائے فرش پر بیٹھیں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھیں۔

اپنے بوٹ اتارتے وہ ان کے پاس بیٹھا پھر بڑے آرام سے ان کی گود میں اپنا سر رکھ لیا۔ آنکھیں بند لیں۔

"کیا ہوا میرے بچے کو؟" نانی کی آواز آئی۔ پر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ بلکہ دھیمے سے مسکایا۔ "عالیہ کا کیس سولو ہونے لگا ہے، نانو۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" نواسے کے سر کو ہولے ہولے سے دبانے لگیں۔ "نہیں، نانو... عالیہ کا کیس تو حل ہو جائے گا پر نتیجہ ایسا نکلے گا کہ سب بکھر جائیں گے۔"

"بکھرنے دو، راحم۔ کوئی بات نہیں۔ انصاف سے بڑی شے اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ عالیہ کو انصاف چاہیے۔ سو اُسے وہ لینے دو۔"

"لیکن.. میرا دوست.. اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی، نانو۔"

"وقت بہت پیچیدہ اور آسان مرہم ہے۔سب کے زخموں پر لگتا ہے۔پہلے تو ذرا سی سسکی زبان سے نکلتی ہے لیکن پھر زخم بھرنے لگتا ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا،خدا پر بھروسہ رکھو۔"

"اور میں ؟میں کیسے سکون پاؤں گا،نانو؟"وہ اتنی معصومیت سے کہہ رہا تھا کہ کسی کا بھی دل پل میں پگھل جاتا۔

"تمہیں خود اپنے آپ کو دوسرا موقع دینا ہو گا،بچے۔اگر تم خود کو محدود رکھو گے تو زمانہ تمہیں محدود کر کے رکھ دے گا۔"

"کیا مطلب ؟"

"یعنی آگے بڑھو،میرے بچے۔"ان کی نیلی آنکھوں میں پانی جمع تھا۔جو کہ کسی بھی وقت بہہ جانے کو بے تاب تھا۔

Clubb of Quality Content

"میں اُس کے بغیر آگے کیسے بڑھوں گا؟"

"دبے پاؤں... ہولے ہولے۔ زندگی تمہیں سود کھ دے گی۔ تم اُسے ہر بار ایک موقع دینا، راحم۔ اور دیکھنا اختتام پر تمہاری جیت ہوگی اور دکھ زیرِ شکست ہوں گے۔"

"اور اگر... اگر دکھوں کی جیت ہوگئی تو؟"

"نیک دل لوگوں کی ہار نہیں ہوتی، بیٹا۔ نہ اس جہان میں اور نہ ہی اُس جہان میں۔۔"

"پرامس؟" اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی آگے کی تو نانی نے بھی اپنی چھوٹی انگلی اس سے جوڑی۔ "پرامس۔"

گھر کے وہ تین افرادرات کے آٹھ بجے خلیل منزل کے بیچوں بیچ بیٹھے تھے۔وہاج آئمہ خلیل کے کندھے پر سر رکھے فون استعمال کر رہا تھا۔آئمہ خلیل میگزین دیکھنے میں مصروف تھیں اور خلیل محمد چپ چاپ سے سینے کے آگے ہاتھ باندھے بیٹھے تھے۔

تب ہی ان سب کا خول ایک ساتھ ٹوٹا جب المیر خلیل گھر کے اندر داخل ہوا۔پورا دن یہاں وہاں کے کام کرتا رہا تا کہ گھر نہ جانا پڑے۔اور پھر آخر کو اس کی منزل اُسے یہاں تک لے ہی آئی تھی۔اُسے اس کی ماں کی قاتلہ تک لے آئی تھی۔

وہ صوفوں کے قریب آیا تو دھیرے سے اپنی بائیک کی چابی میز پر رکھی۔پھر بیٹھ کر بوٹ اتارے۔گھر کتنا ویران تھا،اُسے آج اس بات کا احساس ہوا تھا۔ورنہ عالیہ کی موجودگی میں جب وہ گھر آتا تو وہ چہچہاتی ہوئی اس تک آتی اور اُسے سلام کرتی تھی۔اور اب...

ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے ایک ایک کر کے سب پر نظر ڈالی۔آخر میں آئمہ خلیل کو دیکھا جو کہ اُسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔جھوٹ،فریب اور دھوکے بازی... کتنے اچھے سے کر لیتی تھیں۔

اپنے اوپر اچھائی کا ایسا خول چڑھا رکھا تھا کہ ہر مہینے غریبوں کی مدد کرتی تھیں۔ لوگوں کے کام آتی تھیں۔ نوکروں کی مالی امداد کرتی تھیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آئمہ خلیل قاتلہ ہو سکتی ہیں۔

وہ قدم قدم چلتا ان تک آیا۔ ہر قدم کے ساتھ اُس کے کانوں میں عالیہ اور ان کی گفتگو گھوم رہی تھی۔ مٹھی بھینچتے وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ ان کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"برو.. نیچے کیوں بیٹھ گئے؟" اپنی ماں کے کندھے پر سے سر ہٹاتے وہ اُسے دیکھنے لگا۔ لیکن ایک منٹ.. یہ بھائی نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟ وہ سوچتے ہوئے اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

"بھائی۔"

"ماما، آپ نے ایسا کیوں کیا؟" وہ ان کے ہاتھوں کو تھامے اتنے پیار سے بول رہا تھا کہ خلیل محمد بھی اُسے دیکھنے لگ گئے تھے۔

"کیا کیا میں نے، بیٹا؟"

"بیٹا مت کہیں مجھے.. نہیں ہوں میں آپ کا بیٹا۔" وہ اب بھی آرام سے زیرِ گفتگو تھا۔ وہاج اور خلیل محمد کی بھنویں تنگ ہوئیں۔ "بھائی کیا-"

"کیوں مارا آپ نے میری ماں کو؟"

آواز ہال میں گونجی تھی۔ خلیل محمد جملہ سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہاج بھی صوفے سے اٹھا۔ آئمہ خلیل کی تو آنکھیں باہر آنے کی حد تک سوجھ چکی تھیں۔

"المیر کیا بول رہے ہو؟" آئمہ خلیل فوراً بولی تھیں۔ وہاج بھی قدرے حیران تھا۔ "بھائی کیا بول رہے ہیں آپ؟"

Clubb of Quality Content
novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ نے ایک بار بھی میرے اور میری بہن کے بارے میں نہیں سوچا۔ کہ ہم دونوں ماں کے بنا کدھر جائیں گے۔ کیا کریں گے۔ کیسے رہیں گے۔ آپ جانتی ہیں میں نے خود کو خود ہی پروان چڑھایا ہے۔ میری ماں نہیں تھی۔ میرا باپ گھر پر نہیں ہوتا تھا۔ میں اکیلا ہو گیا تھا۔ اور پھر... پھر بابا آپ کو اس گھر میں لے آئے۔ آپ نے میری عالیہ کو سنبھالا۔ اس کا خیال رکھا۔ اُسے پالا۔ مجھے آپ سے محبت ہو گئی۔ حالانکہ میرا آپ نے اتنا خیال نہیں رکھا تھا۔ پر میری بہن کو پالتی تھیں.. میرے لئے یہ بہت تھا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"المیر بھا۔"

"میں نے آپ کو اپنی ماں سے زیادہ پیار دیا.. عزت دی۔ جس روز رحمان امین کے گھر میں آگ لگی اس روز میں نے سچ میں آپ کو نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پرچھائی دیکھی تھی۔ اور میں نے بیان میں بھی وہی کہا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا آپ کبھی کچھ ایسا کر ہی نہیں سکتیں۔ جسے میں نے اپنی سگی ماں سے زیادہ پیار دیا وہ قاتلہ ہو ہی نہیں سکتی۔ جس کے لئے میں نے دو معصوم بچیوں کو مڑ کر نہیں دیکھا وہ فریب کار ہو نہیں سکتی۔"

"المیر۔"

"آپ نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔آپ نے مجھ سے میری وہ ماں لے لی جس نے مجھے پیدا کیا تھا اور وہ ماں بھی لے لی جس سے میں نے محبت کی تھی..."آنسو ایسے نکل رہے تھے جیسے آج نہیں رکیں گے۔"..کیوں کیا آپ نے ایسا؟"

"بھائی..آپ کیا بول رہے ہیں۔ماما کیوں ماریں گی کسی کو۔ماماماہِ نور آنٹی کو کیوں ماریں گی، بابا؟"وہ باپ کی طرف پلٹا جو کہ بس ایک طرف کھڑے ہو کر اپنے بیٹے کی زبان سے نکلتے الفاظ کو سن رہے تھے۔

المیر آنسو صاف کرتا ہوا زمین سے اٹھا۔"آپ نے ہی میری عالیہ کو مارا ہے ناں۔آپ نے مجھ سے میری گڑیا چھین لی۔آپ نے میری آدھی دنیا کو آگ لگا دی، آئمہ ریحام۔مجھے آج تک کسی سے اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی جتنی مجھے اس وقت آپ سے ہو رہی ہے۔"

وہ بھی اس کے مقابل کھڑی تھیں۔ایک ہاتھ اس کے شانے پر رکھا۔چہرے کا رنگ پل میں سرخ ہو چکا تھا۔"آپ لوگ میری سالگرہ منانا چاہتے تھے آج، پر میں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ میری سالگرہ کا اس سے اچھا تحفہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"یہ تمہارے الفاظ نہیں ہیں، المیر۔ یہ سب تمہیں اِشفا نے۔"

"خبر دار...!"شہادت کی انگلی فضا میں بلند کی۔"..جو آپ نے میری بیوی کا ذکر بھی کیا۔"

آئمہ خلیل نے ایک قدم پیچھے لیا۔ نظریں تو اس کی انگلی پر ٹکی تھیں۔وہ تو یہ سوچ نہیں پا رہی تھیں کہ اچانک یہ کیسے ہو گیا؟

"میری بیوی کے خلاف اب اگر کسی نے ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نکالا تو میں اپنی پر آ جاؤں گا۔اور پھر جو ہو گا وہ آپ سے دیکھا نہیں جائے گا۔"آئمہ خلیل کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ وہاج اپنے بھائی کو بازو سے پکڑ کر جھنجوڑ رہا تھا۔اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ناولز کلب

"بھائی... آپ جھوٹ بول رہے ہیں ناں۔" وہ رو رہا تھا۔ بہت زیادہ۔ اُسے اپنی ماں پر یقین تھا پر اُس کا بھائی بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

"ماما... بھائی کیا بول رہے ہیں؟" وہ ان کی طرف مڑا پھر خلیل محمد تک بڑھا۔ "بابا... بابا بھائی کیوں کر رہے ہیں یہ سب؟"

خلیل محمد بھی رو رہے تھے۔ انہیں تو اتنے درد ملے تھے کہ گنتی ہی بھول جائے۔ "وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، و جی۔ المیر سچ بول رہا ہے۔"

"تم.. تم سب مل کر مجھے پھنسا رہے ہو۔ پہلے کوئی مجھ پر قتلوں کے الزام لگاتا رہا۔ میرے خلاف وارداتوں کی جگہوں پر ثبوت چھوڑے گئے اور اب تم بھی میرے خلاف بول رہے ہو۔ تم سب کے سب ملے ہوئے ہو۔" وہ اتنے وقت میں پہلی دفعہ زور سے چلائی تھیں۔

اپنی سچائی کھلنے پر کون نہیں ڈرتا؟

"میں نے اپنے کانوں سے عالیہ اور آپ کی گفتگو کی ریکارڈنگ سنی ہے۔ آپ اُسے دھمکا رہی تھیں۔ آپ نے اس میں اپنے تمام جرم قبول کیے ہیں۔" اس کا لہجہ اب آرام گو ہو چکا تھا۔ اپنے چہرے پر سے ٹپکتے آنسو صاف کرتے اس نے اپنے باپ اور پھر بھائی کی طرف دیکھا۔

"کون سی ریکارڈنگ، بھائی؟ آپ نے جو بھی سنا ہو گا وہ سب جھوٹ ہے بھائی۔ ماما.. میری ماما ایسا نہیں کر سکتیں۔" وہ اپنے بھائی کے سینے سے آن لگا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا بھائی کسی بھی طرح خاموش ہو جائے۔ مزید کچھ نہ کہے۔

"ہاں.. ک- کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

وہ پہلے حیران ہوا پھر ہنسا۔ طنزیہ سا۔ "میں ایک ایمان دار پولیس آفیسر ہوں، آئمہ ریحام۔ میں کیسز بناتا ہوں.. لوگوں پر کیسز ڈالتا ہوں۔ مجھے آپ کو سلاخوں کے پیچھے کرنے کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں.. مجھے میرے وکیل سے بات کرنی ہے۔ خلیل آپ میرے وکیل کو کال کریں۔"وہ اس سب میں تو بھول ہی گئی تھیں کہ خلیل صاحب المیر کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ وہ اس قدر بھوکلا گئی تھیں۔

"آپ جانتی ہیں آپ پر اتنے قتلوں کی الزام کس نے لگائے؟ ایجنٹ ایلیون نے۔ میں نہیں جانتا وہ کون ہے پر وہ جو بھی ہے میں اس کی ہمت کی داد دیتا ہوں۔ اس نے آپ کے خلاف اتنے ثبوت چھوڑ دیے ہیں کہ آپ پر کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اگر وہ تمام تر الزام بھی ہوئے تو اب آپ کا یہ سوتیلا بیٹا انہیں یقینی بنائے گا، یہ میرا وعدہ ہے آپ سے!"

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، المیر..."وہ اس کو بازو سے پکڑ کر اس کی منتیں کر رہی تھیں۔"میری بیوی نے بھی سب کی اسی طرح منتیں کی تھیں۔ میں نے اس کا، اپنی سگی ماں کا اور عالیہ کا بدلا نہ لیا تو میں المیر خلیل نہیں۔"

وہاج روتے روتے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے لئے اتنا سب کچھ سوچنا مشکل تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے ابھی بھی لگ رہا تھا جیسے المیر مذاق کر رہا ہو۔

اسی ٹائم المیر کا فون بجا۔"ہاں آجاؤ اندر۔"

دو منٹ بعد ہی پولیس اور زنانہ پولیس اندر داخل ہوئی تھی۔لیڈی پولیس اب آئمہ خلیل کو ہتھکڑی پہناتے اپنے ساتھ کھینچ کر لے کر جارہی تھی۔وہاج رو رہا تھا..اونچا اونچا۔خلیل محمد کے آنسو بے آواز زاروقطار بہہ رہے تھے۔آج کا دن واقعی بہت انتظار کروا کر آیا تھا۔ایک مدت لگی تھی اس منظر کو آتے آتے۔کتنے ہی پل انھوں نے آنکھوں میں کاٹے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

انتظار کہاں آسان ہوا کرتا ہے؟

وہ چیخ رہی تھیں۔چلا چلا کر ایک ایک فرد کو پکار رہی تھیں پر کوئی نہیں سن رہا تھا۔ٹھیک ویسے ہی جیسے اِشفا امین کو انیس سال پہلے کسی نے نہیں سنا تھا۔جیسے اُسے نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

شور اب ختم ہو گیا تھا۔ پولیس رات کے دس بجے آئمہ ریحام کو گرفتار کر کے لے جا چکی تھی۔ خلیل منزل میں خاموشی چھائی تھی۔ بس وہاج کی سوں سوں کی آواز ایک طرف سے آرہی تھی۔

اس نے آج کا دن ایسا تو خیال نہیں کیا تھا۔ وہ تورات کو اپنے بھائی کو تحفے دینے والا تھا۔ سب ایک ساتھ مل کر اس کی سالگرہ کا کیک کاٹنے والے تھے۔ سب کچھ ویسا کیوں نہیں ہوا تھا جیسا اس نے سوچا تھا؟

وہ کیا کیا سوال کرتا اور سوال کرنے کی ابتدا کہاں سے کرتا؟ آیا پوچھتا کہ اس کی ماں نے کیا کیا رنج ڈھائے یا پوچھتا کہ وہ ماں کے بنا کیسے رہے گا۔

"وجی..." اس نے اُسے سینے سے لگایا تھا۔ اس کے سینے سے لگتے ہی اُس کے رونے کی آواز میں کافی چڑھاؤ آگیا تھا۔ وہ ایسے رو رہا تھا جیسے کوئی مر گیا ہو۔

"آپ.. آپ بھ- بہت گندے ہیں۔" وہ روتے روتے بولا تھا۔ خلیل محمد اس سے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے تھے۔ آنسوؤں کو ضبط کیے۔ خود پر قابو پائے۔

"وجی.. میری جان۔ رونا بند کرو۔" وہ اس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اُسے گھر کا رُخ کرنے سے اسی لئے خوف آ رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سب سنبھل جائیں گے بس وہاج نہیں سنبھل پائے گا۔

وہ دونوں پندرہ منٹ یوں ہی خاموش بیٹھے رہے۔ وہاج روتے روتے سو گیا۔ تب ہی اس کی نظر اپنے والد پر پڑی۔ "بابا.." اس نے آواز لگائی تو وہ اس کی اور دیکھنے لگے۔ "کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟"

انہوں نے مسکراتے ہوئے سر اوپر نیچے ہلایا۔ "تم اس کو لیٹا کر آؤ۔ میں چینج کر کے تمہارے کمرے میں آتا ہوں۔"

سُرمئی آنکھیں آسمان پر ٹکی تھیں۔ وہ شیشے کی دیوار کے ساتھ سر ٹکائے ہاتھ باندھے بیٹھا تھا۔ جب اُسے کسی کے بھاری قدموں کی آواز آئی۔ اس شخص کی چال مخصوص تھی۔ ایک سکون تھا اس کے ہر قدم میں۔

وہ اس تک آیا تو رک گیا۔ "المیر۔" گردن ٹیڑھی کر کے اپنے والد کو دیکھا۔ "بیٹھیں بابا۔"

وہ انہیں دیکھے گیا۔ سو قسم کے سوالات اس کی زبان پر آنے کو بے تاب تھے۔ وہ ان سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ ہر سوال کے بیچ کا لفظ آخر اور آخر کا لفظ کیوں تھا۔

"آپ نے آئمہ خلیل سے شادی آخر کیوں کی؟"

یہ وہ سوال نہیں تھا جو وہ پوچھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جب بھی وہ ان سے سوال کرنے کا سوچتا تھا تو اُس کے ذہن میں صرف ایک یہی سوال آتا تھا۔

خلیل محمد آرام سے اس تک آئے اور اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ "تمہیں اور عالیہ کو ایک ماں کی ضرورت تھی، المیر۔"

"لیکن ہم دونوں صرف آپ کے ہاتھوں بھی تو بڑے ہو سکتے تھے۔" وہ ان سے اتنا بد گمان کب اور کیوں ہوا تھا؟ وہ حیران ہوتے ہوئے سامنے کی سمت دیکھنے لگے۔

"تمہیں نہیں لگتا تمہیں یہ سوال مجھ سے تب کرنا چاہیے تھا جب میں آئمہ سے شادی کر رہا تھا؟" قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈالتے انھوں نے سگریٹ کی ڈبی باہر نکالی۔

"میں آپ سے بہت ناراض تھا۔ ابھی بھی ہوں۔ اس وقت سوال نہیں کر سکا کیونکہ لفظوں کا ٹھیک استعمال نہیں آتا تھا۔ اب اس لئے کر رہا ہوں کیونکہ آپ کی خاموشی میری جان لے لے گی، بابا۔" انہوں نے لائٹر جلایا اور پھر اس سے سگریٹ۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے آئمہ سے محبت کی شادی کی تھی؟" سگریٹ کو ہونٹوں سے لگاتے انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کی طرف دیکھا۔ "شاید۔"

"مجھے زندگی میں صرف ایک دفعہ محبت ہوئی ہے، المیر۔ اور اس محبت کی حفاظت میں آج تک کر رہا ہوں۔ کوئی عورت وہ جگہ نہیں بنا سکتی میری زندگی میں جو اس نے بنائی تھی..." المیر نے ان کی طرف دیکھا۔ "... تمہاری ماں کی بات کر رہا ہوں۔"

اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے حوالے کیا۔ پھر آنکھیں پل بھر کے لئے میچیں۔ "آپ جانتے ہیں، بابا۔۔ میں نے اپنی زندگی میں چار عورتوں سے سب سے زیادہ محبت کی ہے۔ اور ان چاروں میں سے کوئی مجھ سے وفا نہیں نبھا پایا تو کسی سے میں نہیں نبھا پایا۔"

"تمہیں لگتا ہے تم اِشفا سے وفا نہیں کر پائے؟" اُس نے سر ہلایا۔ "اور امی سے بھی۔ میں نے امی کا درجہ ایک ایسی عورت کو دے دیا جس نے کبھی مجھ سے محبت کی ہی نہیں، بابا۔"

"شادی صرف ایک چیز پر چلتی ہے، احترام پر۔ جب دل سے وہ اور زبان سے اُس کے لئے احترام ختم ہو جائے تو رشتے نہیں چلتے۔ آئمہ سے میری شادی کی صرف ایک وجہ تھی.. میں نہیں چاہتا تھا تم اور عالیہ اکیلے رہ جاؤ۔ مجھ سے گھر پر ٹائم نہیں دیا جاتا تھا۔ کیونکہ اول تو میرا گھر آنے کا جی ہی نہیں چاہتا تھا اور دوم بزنس میں نقصان پہ نقصان ہو رہے تھے۔ ایسے میں میری خالہ نے مجھے دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا۔ وقت لگا پر میں مان گیا۔ نا جانے کیسے پر آئمہ کا رشتہ آیا اور میں نے ہاں کر دی۔ شادی ہو گئی.. وقت بیتنے لگا۔ آئمہ کا رحمان کے گھر آنا جانا ہونے لگا۔ کہ پھر اچانک رحمان کے گھر آگ لگ گئی۔ پھر اِشفا نے اُس پر الزام لگایا۔ میں شک میں پڑ گیا۔ میں نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح بات کی تہ تک پہنچوں۔ آئمہ تم بچوں کو لے کر اپنی پھپھو کی طرف چلی گئی تھی۔ میں نے اِشفا کو گھر کرائے پر لے دیا۔ اُس کی مالی امداد کرنے کی بھی کوشش کی۔ پھر اکتوبر کے مہینے میں میری خالہ مجھ سے ملنے آئیں۔ وہی جنہوں نے میری شادی آئمہ سے کروائی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں انہوں نے مجھے بتایا کہ آئمہ نرس تھی۔ شادی سے پہلے اس نے نرسنگ کا کورس کیا تھا۔ میں حیران ہوا کیونکہ اس نے اتنے عرصے میں کبھی مجھ سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

"پھر.. پھر کیا ہوا؟"

"میں جانتا تھا آئمہ کا آخری نام ریحام ہے۔اور ماہِ نور کی نرس کا بھی نام ریحام تھا۔جب مجھے یہ معاملہ سمجھ میں آیا تو ایک ایک راز کھلنے لگا۔رحمان مرنے سے پہلے مجھ سے ملنے کا ارادہ رکھتا تھا۔سات جولائی کو صبح صبح اس نے مجھے کال کر کے ملنے کے لیے بلایا تھا۔میں نے اُسے کہا تھا شام کو مجھ سے میرے آفس آ کر ملے۔اُسے مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی تھی، المیر۔میرا دوست مجھ سے وہ بات نہیں کر سکا۔"آنکھ سے ایک آنسو بہہ نکلا۔"میں ہسپتال گیا۔میں نے ماہِ نور کی نرس کے بارے میں جانکاری نکالی۔وہاں کی ایک اور نرس نے مجھے اس کی فائل تھمائی تھی۔اور جانتے ہو اس فائل میں کیا تھا؟اس میں آئمہ کی ساری معلومات تھی۔بس نام ریحام تھا اور تصویر کسی اور کی تھی۔میرے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔"

المیر نے آنکھیں بند کر لیں۔سرباپ کے کندھے پر رکھ لیا۔"میرے پاس شمسہ نور آئی تھیں۔انھوں نے مجھے اِشفا کے ذہنی توازن سے آگاہ کیا۔وہ سب جانتی تھیں،المیر۔اِشفا نے انہیں ایک ایک بات بتائی تھی۔اِشفا پتا نہیں کیسے پر جانتی تھی کہ آئمہ نے ماہِ نور کو مارا ہے۔میں نے شمسہ کو مشورہ دیا کہ وہ عامر سے اس بارے میں بات کرے۔عامر بہت پہنچا ہوا

صحافی تھا۔ وہ ثبوت اکھٹے کرنے میں ماہر تھا۔ شمسہ کے انتقال تک عامر نے بہت سے ثبوت جمع بھی کر لئے تھے۔ لیکن پھر اُسے بھی مار دیا گیا۔ آئمہ نے میرے دو دوستوں کی جان لے لی، المیر۔ تم جانتے ہو دوستوں کا مرنا کیسا ہوتا ہے؟"

المیر کی ذہن کی اسکرین پر راحم کی تصویر درخشاں ہوئی۔ وہ اس کے بغیر کسی بھی قیمت پر نہیں رہ سکتا تھا۔ "میں ڈر گیا تھا۔ نہ میرے پاس ثبوت تھے اور نہ ہی گواہ۔ میرا واحد اثاثہ صرف تم، وہاج اور عالیہ تھے۔ میں جانتا تھا آئمہ کو اگر پتا چلا کہ میں اس کی سچائی جانتا ہوں تو وہ تم لوگوں کو بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔ اس لیے میں نے کبھی اُس پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور اتنی مدت بعد.. آج جا کر میں نے سکھ کا سانس لیا ہے، المیر۔ میں آزاد ہو گیا ہوں۔ ڈر سے.. خوف سے۔" اب کہ وہ مکمل طور پر آواز کے ساتھ رو رہے تھے۔

"آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا بابا؟" اس کی آنکھیں اب تک بند تھیں۔ اس نے چھبیس سالوں میں پہلی دفعہ اپنے باپ کے کندھے پر سر رکھا تھا۔

"تم میری بات مان لیتے؟ کوئی ثبوت نہیں تھا میرے پاس۔ تم جانتے ہو جب عامر کی موت ہو گئی تو میں کتنا ٹوٹ گیا تھا؟ ساری امید ختم ہو گئی تھی۔"

"آپ کی آئمہ ریحام سے لڑائیاں بھی تو ہوتی تھیں۔ کیوں؟" سالہ سال ہوتی رہی تھیں۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ان کے پیچھے کی وجہ کیا تھی۔

"مقابلہ.. جب رشتوں میں مقابلے ہونے لگتے ہیں ناں، المیر، تو زندگیاں خراب ہو جاتی ہیں۔ وہ مجھ سے مقابلے کرتی تھی۔ مجھے دکھ دیتی تھی۔ تب ہمارا جھگڑا ہوتا تھا۔" چہرہ موڑ کر اپنے بیٹے کو دیکھا۔ "تمہارا اِشفا کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ سب سے الگ ہے۔ وہ رشتہ تمہارا کسی سے نہیں بن پائے گا۔ قدر کرو اُس کی۔ کبھی بھی اُس سے کسی بھی قسم کا مقابلہ مت کرنا۔ اُسے کبھی کسی دوسری عورت سے نہ ملانا۔ اُسے سر پر بٹھا کر رکھنا۔ گھر بار سب بعد میں.. اِشفا کو سب سے پہلے رکھنا۔"

ان دونوں کے بیچ کچھ پلوں کے لئے سکوت چھا گیا۔

"بابا...آئی ایم سوری۔میں آپ کی حالت نہیں سمجھ پایا۔میں نے آپ سے بات کرنا بند کردی۔آئی ایم سوسوری۔"خلیل محمد مسکرائے اور پھر بیٹے کے سر پر پیار دیا۔

"کوئی بات نہیں...لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ اب تمہیں کوئی بھی بات کرنی ہوگی تو تم میرے پاس آؤ گے۔"

اس نے ہولے ہولے سر ہلایا۔"ٹھیک ہے۔پکا وعدہ۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ چہرہ جھکائے بیٹھی تھیں۔ نظریں زمین پر کچھ ٹٹول رہی تھیں۔چہرہ دس گھنٹوں میں ایسے مرجھا گیا تھا جیسے کوئی مردہ بیٹھا ہو۔

"میں آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں۔عالیہ کو آپ نے مارا ہے ؟"راحم میز پر دونوں ہاتھ جمائے کھڑا تھا اور المیر اس سے کچھ ہی فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔

یہ دونوں پچھلے دو گھنٹوں سے اس عورت سے تفتیش کر رہے تھے۔پر کسی بھی سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب وہ نہیں دے رہی تھیں۔"میں کہہ رہی ہوں ناں.. میں نے کسی کو نہیں مارا۔" آنکھوں سے آنسو ایک ساتھ نکلے۔

"آئمہ ریحام..مجھے مجبور نہ کریں سخت اقدامات اٹھانے پر۔"وہ نرم گو لہجے میں ان سے مخاطب تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا..."وہ اب بھیگی آنکھوں کو بنا اوپر اٹھائے ان کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔"مجھے جانے دو.."

"آپ کا رومال نفیسہ کی جائے مرگ سے کیوں برآمد ہوا تھا؟"یہ دو گھنٹوں میں اس کے منہ سے نکلنے والا دوسرا جملہ تھا۔

"تم ہی تو کہہ رہے تھے کہ ایجنٹ ایلیون نے میرے خلاف ثبوت چھوڑے ہیں.." سرخ آنکھیں لئے اُسے تکتی گئیں۔

"میں نے کب کہا؟"

ابرو اٹھائی تو آئمہ ریحام کے چہرے کے رنگ برق رفتاری سے ردو بدل ہوئے۔ "تم.. تم نے ہی تو کہا تھا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کب؟ کس نے سنا؟" اس نے اداکاری کرتے ہوئے پہلے انہیں دیکھا اور پھر چہرہ راحم کی طرف کرلیا۔ "تم نے سنا مجھے یہ کہتے ہوئے؟" اس نے شانے اٹھائے پھر سر نفی میں ہلایا۔

"تم.. مجھے پھنسا رہے ہو۔ تم اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟" آواز میں کپکپاہٹ واضع تھی۔ "اول تو آپ میری ماں نہیں ہیں اور دوم، میں واقعی آپ کو پھنسا رہا ہوں۔ اس

لئے آپ کے پاس صرف دو ہی راستے بچتے ہیں۔ یا تو اعتراف کرلیں یا پھر اعتراف کرلیں۔"

ڈھیلی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کے کونوں کو اٹھا گئی۔

وہ اب آواز کے ساتھ اونچا اونچا رو رہی تھیں۔ پتا نہیں کتنے ہی پل ان کے آنسوؤں کی نظر ہو گئے۔ پھر جیسے کچھ اچانک بدلا تھا۔

وہ روتے روتے پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی تھیں۔ اور دو منٹ تک ہنستی ہی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ آنسو ایک مرتبہ پھر سے نکلنے لگے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"بہت دیر کی مہرباں آتے آتے.."ہنسی کے بیچ یہ جملہ بے ساختہ ان کی زبان سے ادا ہوا تھا۔ راحم اور المیر کے چہرے کے تاثرات پل میں تبدیلی اختیار کر گئے تھے۔

چہرہ اب ایک دم سیدھا تھا۔ لٹیں چہرے پر جگہ جگہ پھیلی ہوئی تھیں۔ اب کہ وہ چہرہ پیچھے پھینک کر مسکرا رہی تھیں۔

"ہاں.."ہنسی کے بیچ وہ بولی تھیں۔"..میں نے ہی.."سر دھیرے دھیرے اوپر نیچے ہل رہا تھا۔ان کے کارناموں کی گواہی دے رہا تھا۔"..سب کو مارا ہے۔"ہنسی بند ہوئی تو ہولے سے کھانستی گئیں۔"پانی ملے گا؟"

المیر نے جبڑے بھینچتے ہوئے قوی کو پانی لانا کہا جو کہ کمرے کے باہر ہی کھڑا تھا۔وہ ایک منٹ کے اندر اندر پانی لایا اور اُسے تھما گیا تھا۔ہتھکڑی میں جکڑی کلائیاں اوپر اُٹھیں۔ہاتھ گلاس کے ارد گرد گئے اور میز پر سے اُسے اٹھایا۔پھر منہ سے لگایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دھیرے سے اُسے نیچے رکھتی گئیں۔

پھر ہاتھ کی پشت سے لبوں کے پاس ٹھہرا ذرا سا پانی صاف کیا۔"ماہِ نور، رحمان، سحر، شمسہ، عامر، نفیسہ، غنی اور احسان..سب کو میں نے مارا ہے۔اور ہاں..."راحم پر نظر ڈالی۔"...عالیہ کو بھی۔"

اعتراف جرم پر دونوں نے ایک ساتھ گہری آہ بھری تھی۔ان دونوں کو عالیہ کے نام پر سب سے زیادہ تکلیف ہوئی تھی۔المیر نے چہرہ اور گردن قدرے پیچھے کیے ہوئے تھے۔وہ چھت کو گھور رہا تھا جیسے الفاظ جمع کر رہا ہو۔

"اسی لیے اعتراف نہیں کر رہی تھی..مجھے پتا تھا تم دونوں کو تکلیف ہو گی۔دیکھو کتنی قدر کرتی ہوں میں۔"

"زبان بند رکھیں اپنی!"المیر غصے سے دھاڑا تھا۔راحم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

Clubb of Quality Content!

"سب کچھ شروع سے بتائیں.."وہ المیر کی کرسی کے ساتھ رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

"شروع سے؟میرا گلا بیٹھ جائے گا۔"معصومیت سے ہونٹ آپس میں پیوست کر لئے۔

اس نے ٹانگ پر ٹانگ رکھی..اور ہاتھ سے انہیں ابتدا کرنے کا اشارہ کیا۔انھوں نے ایک گہرا سانس باہر نکالا۔پھر گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"ماہِ نور سے مجھے بڑی جلن تھی۔ ہر کوئی اُسے پسند کرتا تھا۔ ویسے تھی وہ بہت خوبصورت.. بالکل۔۔" المیر سے نظریں ملائیں۔"۔۔عالیہ کی طرح۔ خیر میری بہت پہلے سے خلیل پر نظر تھی۔ ہماری کالج کے سامنے ہی ان کا بھی کالج تھا۔ پھر میں نے بہت پلاننگ کر کے اپنا رشتہ ان کے گھر بھیجا۔ ہاں ہونے ہی والی تھی کہ تمہاری ماں نے میری ساس کو سب کچھ بتا دیا۔ اب یہ بات تو تمہیں پتا ہی ہو گی کہ تمہاری دادی اور ماہِ نور کی ماں سہیلیاں تھیں۔"

"جب ان کو میرے اُس جرم کی اطلاع ہوئی جو کہ میں نے کبھی کیا ہی نہیں تھا، تو مجھے بہت دکھ ہوا۔ بہت روئی میں۔ سب کہتے تھے میں نے میری بہن کو مارا ہے.." وہ دیوار کو خالی خالی نظروں سے گھور رہی تھیں۔".. جبکہ میں نے نہیں مارا تھا۔ وہ سیڑھیوں سے گری تھی۔ لیکن میری پاگل ماں نے سب کو کہا کہ میں نے جان کر اُسے گرایا تھا۔ میری ماں تو بہت پہلے سے مجھ سے نفرت کرتی تھی۔ گھر والوں کے بعد جب مجھے باہر والوں سے بھی وہی کچھ ملا تو میں انتقامی ہو گئی۔"

"میں نے.. پتا کروایا کہ خلیل کی ماں کو اس بات کی خبر ہوئی کیسے؟ میرے علم میں آیا کہ اس کے پیچھے ماہِ نور کا ہاتھ تھا۔ میں اُس روز بہت غصے میں تھی۔ میں نے اُسے اس کی یونیورسٹی جا کر تھپڑ مارا تھا۔"

"اور ضروران سے معافی والی بات آپ کی کزن نے آپ کے کہنے پر کہی تھی جبکہ آپ نے کبھی ان سے معافی مانگی ہی نہیں تھی، نہیں؟" راحم بولا تھا۔

انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔ "دو سال بعد مجھے خبر ہوئی کہ خلیل اور اس کی شادی ہو گئی.. وہ دن میری زندگی کا سب سے بھیانک دن تھا۔ میں پاگلوں کی طرح روئی تھی۔ اور روتے روتے میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ ماہِ نور کو نہیں چھوڑوں گی۔ پھر تم پیدا ہوئے، المیر.. میں تمہارے گھر کی پل پل کی خبر رکھتی تھی۔" ہولے سے مسکرائیں۔ "مجھے پتا چلا کہ ماہِ نور کس ہسپتال میں ماہانہ چیک اپ کے لئے جاتی ہے۔ میں نے جعلی ڈگری بنوا کر اسی ہسپتال میں بطور نرس کے نوکری کی۔ اور سہی وقت آنے پر اس کو انجیکشن دے کر مار دیا۔"

وہ ایسے کہہ رہی تھیں جیسے کسی کو مار نا دنیا کا سہل ترین کام ہو۔" پھر میں نے خلیل کی خالہ کی طرف اپنی کام والی کے ذریعے اپنے رشتے کی بات چلائی۔ اور پھر میری اور خلیل کی شادی ہو گئی۔ میرا من چاہا مرد.. مجھے مل گیا تھا۔ میں اور کیا مانگ سکتی تھی؟" دونوں کے بیچ نظریں دوڑائیں۔

"تم جانتے ہو میں مزید کسی کو مارنا نہیں چاہتی تھی.. واقعی.. خدا کی قسم! لیکن وہ سحر...اس نے سب کچھ خراب کر دیا۔ شادی کے بعد کتنے ہی سالوں تک میں رحمان اور سحر سے ملتی رہی تھی۔ میں جانتی تھی کہ عالیہ کی پیدائش کے وقت جو ڈاکٹر موجود تھی وہ سحر ہی تھی۔ میں سالہ سال اداکاری کرتی رہی۔ تم جانتے ہو پکڑے جانے کا خوف کیسا ہوتا ہے؟"

"میری اور اس کی ہر ملاقات پر مجھے خوف آتا تھا۔ دل میں درد ہوتا تھا کہ اُسے کہیں کچھ یاد نہ آجائے اور پھر میرا خوف، ڈر حقیقت میں بدل گیا۔ اُسے یاد آگیا۔ وہ میرے گھر آئی اور مجھے دھمکانے لگی.. کہ میری حقیقت سب کو بتا دے گی۔ خلیل کو بھی۔ مجھے سب سے نہیں پر خلیل سے فرق پڑتا تھا۔ میں بوکھلا گئی۔ میں نے اُسے مشورہ دیا کہ اپنی فیملی کو لے کر نکل جائے.. دور ہو جائے۔ لیکن الٹا اس نے مجھے تھپڑ مار دیا۔ مجھے اُس وقت ماہِ نور کو مارے جانے

والا اپنا تھپڑ یاد آیا اور میں غصے سے پاگل ہو گئی۔اِشفا یہ سب دیکھ رہی تھی، وہ اُس وقت کمرے کے باہر کھڑی تھی۔مجھے بے عزتی محسوس ہوئی۔میں نے اسی روز کی رات ٹھان لی تھی کہ اس کو نہیں چھوڑوں گی۔"

"کچھ روز بعد ہی رحمان کا رویہ مجھ سے بدل گیا اور مجھے خبر ہو گئی کہ اُسے سب پتا چل گیا تھا۔ اور پھر سات جولائی کی تاریخ آئی اور میں نے نفیسہ کو اپنے ساتھ اپنے پلان میں شامل کیا۔ خلیل اس روز آفس سے رات کو آنے والے تھے۔میں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ان کے گھر میں نفیسہ کے ساتھ مل کر مٹی کا تیل چھڑکا اور آگ لگا دی۔لیکن تم۔۔"سُرمئی آنکھوں کو دیکھا۔"۔۔تم نے ان دونوں لڑکیوں کو بچا لیا۔اگلے روز وہاں کے گارڈ نے ہمارے نوکر کو روک کر کہا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ملاقات پر پتا چلا کہ اس نے نفیسہ کو رحمان کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔میں جانتی تھی مجھے کیا کرنا ہے۔میں تمہیں، عالیہ اور وہاج کو لے کر پھپھو کے گھر آ گئی۔اور احسان کو دھمکایا تاکہ وہ اپنا منہ بند رکھے۔"

"سب ٹھیک جا رہا تھا.. لیکن اِشفا..اس نے تھانے میں میرے خلاف ایف آئی آر کٹوا دی۔ جب مجھے اس بات کا علم ہوا تو میں نے المیر کے سامنے عالیہ کے سر کی جھوٹی قسم کھائی۔اور

اِسے یقین دلایا کہ میرا اس میں ہاتھ نہیں ہے۔اس لئے جب یہ تھانے گیا،اس نے میرے حق میں گواہی دے دی۔" مسکرائیں اور اکھیاں المیر پر ٹکالیں۔

"ایف آئی آر ختم کرنے کے لئے میں نے رمیض کی مدد لی۔اُسے میں نے پہلے ہی فون کر کے اطلاع کر دی تھی۔وہ آیا اور بس میرا کام چُٹکی بجاتے ہو گیا۔اِس کام کے میں نے اُسے دو لاکھ دیئے تھے۔پھر اِشفا کی آواز دبانے کے لئے میں نے اپنے آدمیوں کو اُس کے پیچھے لگادیا۔وہ اُسے ڈراتے تھے۔اس کے سکول کی پرنسپل مجھ سے پیسے لے کر اُسے تنگ کرتی تھی۔اُسے تکلیف پہنچاتی تھی۔"

"بالآخر اِشفا چُپ ہو گئی تھی۔لیکن پھر ایک روز مجھے خبر ملی کہ وہ کسی ماہرِ امراضِ نفسی کے پاس جا رہی تھی۔مجھے شک تھا کہ وہ اُسے سب بتا دے گی۔میں نے پتا کروایا کہ وہ علاج کس ڈاکٹر سے کروا رہی تھی۔اور علم ہوا کہ شمسہ نور تھی وہ ڈاکٹر۔خلیل کی جان پہچان والی۔ موقع ملتے میں نے اُسے بھی مار دیا۔لیکن اس نے جاتے جاتے ساری جانکاری عامر کو دے دی تھی۔عامر میرے خلاف ثبوت ڈھونڈ رہا تھا۔اور اس نے ڈھونڈ بھی لئے تھے.. لیکن میں نے..اُسے بھی مروا دیا۔غنی کے ہاتھوں۔"پشت کرسی کے ساتھ لگا گئی۔

"سال بیت گئے۔۔ لیکن میرے راستے کے کانٹے ابھی بھی حائل تھے۔میں انہیں زندہ کیسے چھوڑ دیتی؟اس لئے میں اپنے خاص آدمی سے ملنے فرزین کی دکان پر جاتی تھی۔ہم نے پورا نقشہ کھینچا تھا کہ کیسے کس کو اور کب مارنا ہے۔رہی فرزین کی دکان منتخب کرنے کی بات..تو فرزین میری دوست تھی۔اور ایک دو دفعہ میں نے اس سے کپڑے سلوائے بھی تھے۔مجھے یقین تھا کہ اگر اس کی دکان پر اپنے آدمی سے ملنے جاؤں گی تو کسی کو شک نہیں ہو گا۔لیکن وہ..عالیہ۔اس نے سب کچھ برباد کر دیا۔"

"ناجانے کیسے اُسے خبر ہو گئی کہ میں کسی سے ملتی ہوں۔اُس نے مجھے دھمکایا..کہ وہ تم سب کو سب کچھ بتادے گی۔اس پر بھی میں نے اِشفاوالا حربہ آزمانے کی کوشش کی تھی۔لیکن وہ تو بڑی دلیر نکلی۔میرے آدمی کا اس کو دھمکانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔اور پھر میں نے ٹھان لی کہ جہاں اپنی اور خلیل کی ہنستی بستی زندگی بنانے کے لئے میں نے اتنے لوگوں کو راستے سے ہٹایا ہے،وہاں ایک اور سہی۔"

"اور پھر دسمبر کی ابتدا میں مجھے میرے آدمی نے بتایا کہ جمال احمد اچانک سے غائب ہو گیا۔ وہ میرے اور میرے آدمی کے بارے میں بہت کچھ تو نہیں پر اتنا ضرور جانتا تھا کہ میں دکان پر کپڑے سلوانے نہیں بلکہ اس سے ملنے آتی ہوں۔ اکثر وہی ہمیں دکان پر لوگوں کی بھیڑ سے آگاہ کرتا تھا اور اس حساب سے ہم اپنی ملاقات کے اوقات مقرر کرتے تھے۔ اُسے شک تھا کہ ہم کسی غیر قانونی کام میں ملوث ہیں۔ وہ مجھے بلیک میل کرنے لگ گیا تھا۔ بدلے میں میں نے اُسے پیسے دیئے تھے۔ لیکن اس کی مانگ بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے اُسے ایک روز دھمکی دی کہ اگر اس نے دوبارہ میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کی تو میں اُس کے بچوں کو نقصان پہنچاؤں گی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اور پھر جب جمال لاپتہ ہوا تو مجھے شک رہنے لگا کہ کہیں وہ چھپ کر پولیس کی مدد کرنے کے بارے میں تو نہیں سوچ رہا۔ اس لئے میں نے اس کی بچیاں اٹھا لیں۔ ہاں وہ میں نے ہی کیا تھا۔" اپنی لٹ کو انگلی کے ارد گرد گول گول لپیٹا گیا۔ "لیکن وہاں بھی تم پہنچ گئے، راحم۔"

"ایک منٹ ایک منٹ.. اس کا مطلب ہے وہ ٹرک سے مجھ پر حملہ بھی آپ نے کروایا تھا؟"

وہ ہنسی تھیں۔"ہوں.. قسمت تھی تمہاری۔۔ورنہ وہ دن تمہارا آخری دن ہوتا اس دنیا میں۔"

"آپ جانتی ہیں مجھے کس نے بچایا تھا؟"سیاہ بال پیشانی پر پھیلے ہوئے تھے۔انہوں نے دونوں بھنویں تنگ کیں۔"کس نے؟"

"اِشفا نے.."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ان کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ پل میں چھٹی تھی۔

"خیر.. تمہاری بہن کی حالت دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی سنگین مسئلہ جاری ہے۔وہ کسی بھی وقت اپنا منہ کھول دیتی۔اس لئے میں تاک میں رہی کہ کب تم یا

خلیل میں سے کوئی گھر سے کچھ عرصے کے لیے جاتا ہے۔اور تب ہی موقع آکر میری جھولی میں گر گیا۔ تم فرانس چلے گئے اور تب ہی میرے خاص آدمی نے عالیہ کی جان لے لی۔اس کو میں نے ہی دروازے کی چابی دی تھی۔ وہ تب آیا جب ہم سب سو رہے تھے۔ سی سی ٹی وی کی تار تو بہت پہلے ہی میں نے کاٹ دی تھی۔ وہ پچھلی دیوار سے کود کر آیا تھا اس لئے چوکی داروں کو دکھ نہیں پایا۔اس نے موقعے کا فائدہ اٹھایا اور اپنا کام کر دیا۔"

"اب باقی تھے نفیسہ، غنی اور احسان۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ تینوں بھی اپنی زبان نہ کھول دیں۔اس لئے میں نے انہیں بھی راستے سے ہٹا دیا۔پر وہ ایجنٹ..اس نے میرے خلاف ثبوت چھوڑنے شروع کر دیے۔ میں ڈر گئی تھی پھر سے۔ تم جانتے ہو، راحم، ڈر انسان سے کچھ بھی کروا دیتا ہے۔ وہ بھی جسے کرتے ہوئے وہ ڈر رہا ہو۔" راحم چہرہ جھکائے بس ان کے الفاظ سن رہا تھا۔اس کی آنکھ سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"یہ ہے میرا اعترافِ جرم۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آگے میرے ساتھ کیا ہو گا۔ کیونکہ جتنی زندگی میں نے خوشی سے گزارنی تھی، گزار لی۔ پر یاد رکھنا۔۔ تم دونوں خوش نہیں رہ پاؤ گے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہماری خوشیاں تو ویسے بھی آپ کھا گئیں، آئمہ ریحام۔ لیکن ایک دفعہ وہاج کا ہی سوچ لیتیں.. آپ نے کبھی دو منٹ بیٹھ کر سوچا کہ وہ آپ کے بغیر کیسے رہے گا؟ ایک ماں کے بغیر رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے.. کیا یہ بات آپ جانتی ہیں؟" المیر آج واقعی بے بس تھا۔ اُسے ٹھہر ٹھہر کر وہاج کا خیال آنے لگتا تھا۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں، مجھے جانے دو۔" سانولی رنگت کھلکھلا رہی تھی۔ "آپ ایک ذہنی مریضہ ہیں، آپ کو ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔" راحم کی اتنے وقت میں پہلی دفعہ زبان کھلی تھی۔ وہ مزید ادھر بیٹھ کر ان کے الفاظ نہیں سن سکتا تھا۔

ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے وہ کمرے سے نکلنے لگا۔ "اوہوں.. کہیں غلطی سے مجھے پاگل قرار مت دے دینا۔ یہ نہ ہو باہر نکل کر تمہاری دوسری بیوی کو بھی مار دوں، راحم۔"

اس نے ایک غصیلی نگاہ ان پر ڈالی تھی اور پھر بنا کچھ بولے وہاں سے نکل گیا۔

"آپ کے ساتھ اس سب میں کون دوسرا ملوث ہے؟ کون ہے آپ کا خاص آدمی؟"

انھوں نے شانے اٹھائے۔"ڈھونڈ سکتے ہو تو ڈھونڈ لو۔"

"آپ نفرت کیے جانے کے قابل ہیں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں کہ آپ کی والدہ نے آپ پر الزام لگایا۔ آپ چاہتیں تو خود کے لئے آسانیاں بھی پیدا کر سکتی تھیں۔"

وہ ریکارڈر اٹھاتے ہوئے کرسی کو لات مار کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

Clubb of Quality Content!

باہر آکر اس نے راحم کو چپ کروایا تھا جو تھانے کے زینوں پر بیٹھا بے آواز رونے میں مشغول تھا۔ جب وہ روتے روتے خاموش ہوا تو ایک بھاری سوال نے سر اٹھایا کہ ان کے ساتھ ہر جرم میں شریک ساتھی کو کیسے تلاشا جائے؟

پھر ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے موبائل کا سارا ڈیٹا نکالیں گے۔اور کمرے کی اچھے سے چھان بین بھی کریں گے۔

دو مکمل دن گزر گئے تو المیر نے خلیل محمد اور آئمہ ریحام کے کمرے کی اچھے سے تحقیق کی تھی۔ لیکن پھر اُسے چھان بین کرتے ہوئے ہی خیال آیا تھا کہ آئمہ ریحام کا عالیہ کے کمرے میں بہت آنا جانا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اسی سوچ کو ذہن میں رکھتے وہ عالیہ کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔اس نے عالیہ کے کمرے کی اچھے سے تلاشی لی تھی اور تب جا کر اُس کے ہاتھ ایک بٹنوں والا فون لگا تھا۔ جس پر پاسورڈ لگا ہوا تھا۔

آئی ٹی ایکسپرٹ سے پاسورڈ تڑوانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ فون اندر سے ایک دم خالی تھا۔

··—·☙·—··

یہ ہفتے بعد کا منظر تھا۔اگست کے بیس روز گزر چکے تھے۔موسم اب قدرے بہتر معلوم ہوتا تھا۔ہلکے نیلے رنگ کا آسمان جس پر سفید رنگ کے بدل چمک رہے تھے، آج بہت خوبصورت دکھ رہا تھا۔

شاید ہمیشہ سے ہی لاجواب تھا پر اِشفا امین کو آج آسمان ہی کی طرح باقی تمام تر چیزیں خوبصورتی میں اپنی مثال آپ لگ رہی تھیں۔اس نے گوشتی رنگ کی گھٹنوں تک آتی فراک پہن رکھی تھی۔بال پونی میں مقید تھے اور اسی رنگ کا دوپٹہ سر پر ٹکا ہوا تھا۔

ڈھیلی ڈھالی سی مسکان کے ساتھ اس نے تھانے کے اندر قدم رکھا۔آج آئمہ خلیل کا یہاں کی سلاخوں کے پیچھے آخری روز تھا۔کل سے وہ بڑی جیل میں منتقل کی جا رہی تھیں۔اس لئے المیر نے اِشفا کی خواہش کا احترام کرتے اُس سے کیا اپنا وعدہ پورا کیا تھا اور اُسے آئمہ ریحام سے ملنے کی اجازت فراہم کی تھی۔

جیسے ہی اُس نے دہلیز پار کی، اُس کی سرخ رنگ کی اونچی ہیلز سے نکلنے والی ٹک ٹک کی گونجتی آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"بھابی جی..."

"سلام بھابی..."

"میڈم صاحبہ..."

"میڈم جی..."

"باس کی بیگم صاحبہ..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اور پتا نہیں کیا کیا کہہ کر سب نے اُسے ایک ایک مرتبہ مخاطب کیا تھا۔اُس نے سب کے سلام کا جواب ایک ہی بار میں دیتے اُس میز کا رخ کیا جس کے پیچھے وہ سُرمئی آنکھوں والا پیارا سا شخص بیٹھا تھا۔

اُس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اِشفا کے یہاں آنے پر ہر گز بھی راضی نہیں تھا۔پر اِشفا کے لیے وہ اپنی مرضی کے خلاف تو جا ہی سکتا تھا۔اور ویسے بھی اِشفا آئمہ ریحام کا انٹرویو لینے کی غرض سے آج خضر اور مومن کو اپنے ہمراہ لائی تھی۔

"السلام علیکم..آفیسر۔"وہ مسکراتی ہوئی اُس تک بڑھی۔جو کہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔اس وقت اس کے سامنے دو لوگ بیٹھے تھے۔جو کہ کسی کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے آئے تھے۔ المیر کے سامنے والی دونوں کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔اس لئے وہ اس کی کرسی کے پاس جا کر چپ چاپ کھڑی ہو گئی کہ بعد میں بات کر لے گی۔

وہ ان کی بات سنتے سنتے دھیرے سے اٹھا۔اس کے ہاتھ میں ایک پین اٹھا رکھا تھا جس کی مدد سے وہ ایف آئی آر درج کر رہا تھا۔ پین اور کاغذ کو لے کر وہ کرسی سے ہٹا۔ پھر دونوں ہاتھ میز پر رکھتے وہ غور سے ان کی بات سننے لگا۔

پھر جب بات مکمل ہو گئی تو مسکراتے ہوئے چہرہ موڑا۔ "وعلیکم السلام، بیگم صاحبہ۔" کرسی کی طرف اشارہ کیا۔اِشفا کی آنکھیں چمکیں۔ وہ اپنی کرسی اُس کے لئے چھوڑ گیا تھا۔

سب اہلکار حیرت سے اپنے باس المیر خلیل کو دیکھ رہے تھے جو کبھی کسی کے لئے کرسی نہیں چھوڑتا تھا۔ جس کی کرسی پر زیادہ سے زیادہ صرف راحم بیٹھتا تھا۔وہ بھی زبردستی۔

منظر کو دیکھتے قوی کے منہ میں جاتی چائے فوراً منہ سے باہر آ گئی۔ کھانستے ہوئے اس نے اپنے ساتھ کھڑے محمت کو دیکھا۔ "عشق ہو گیا ہے ہمارے سر کو۔" محمت مزے سے بولا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سر کبھی کسی کے لئے اپنی کرسی چھوڑیں گے۔" وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات لئے سامنے کی اور دیکھنے لگا۔ "وہ کسی نہیں ہیں.. سر کی بیگم ہیں۔"

"محبت کیا سچ میں انسان کو بدل دیتی ہے، محمت؟" اس نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔ محمت چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔ "نہیں... محبت میں احترام انسان کو بدل دیتا ہے۔ جب آپ کو کسی سے عشق ہوتا ہے تو آپ اُس کا احترام کرتے ہو۔ اور وہ احترام انسان میں تبدیلی لے آتا ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"یعنی سر کو عشق ہوا ہے؟"

"سر کو عشق، محبت، پیار... سب کچھ ہو گیا ہے۔ عاشق کے لئے یہ تینوں لفظ ایک سے ہوتے ہیں، قوی۔ محبوب کے لیے وہ کبھی عشق کا آئن تو کبھی محبت کا میم اور کبھی پیار کا پے بن جاتا ہے۔"

وہ اس کی بات پر غور کرتے کہیں کھو سا گیا تھا۔ پھر چہرے کے زاویے بگاڑتے اس نے شانے اچکائے۔ وہ بھی کن چکروں میں پڑ گیا تھا۔

وہ دونوں نووارد شخص اپنا کام کروا کر جا چکے تھے۔ المیر اپنی بیوی کی طرف پلٹا۔ "کچھ ٹھنڈا پیو گی یا گرم؟" میز پر آرام سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

المیر نے بھنویں تنگ کیں۔ "کیا مطلب؟" اِشفا ذرا سی آگے ہوئی۔ "مجھے تو لگا تھا آپ میرے یہاں آنے پر ناخوش ہوں گے۔"

"میں تمہارے اُس جگہ جانے پر ناخوش کیوں ہوں گا جہاں میں موجود ہوں؟"

وہ اُسے کن اکھیوں سے تکنے لگی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ المیر آج کافی خوش لگ رہا تھا۔ چہرہ بھی گزشتہ مہینوں کے مقابلے کافی بہتر اور کھلا کھلا نظر آتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سر.. میم...آجائیں۔" سلیم اسی وقت تفتیشی کمرے سے نکلا تھا۔اس نے پہلے المیر اور پھر اِشفا کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

وہ اس کی بات کاٹ گئی۔"میں آئمہ ریحام سے اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔"

سب کو ایک مرتبہ پھر سے زوردار دھچکا لگا تھا۔المیر خلیل کی بات کاٹنے کی ہمت آج تک کسی نے نہیں کی تھی۔اور یہ لڑکی کتنے آرام سے اس کی سب سے ناپسندیدہ حرکت کر گئی تھی۔ اُسے ڈانٹنے کی بجائے وہ الٹا اس کی بات پر مسکرا رہا تھا۔

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہا گیا۔آہستہ آہستہ سب کی ایک ایک کر کے بتیسیاں باہر آگئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ٹھیک ہے... جیسے تمہاری مرضی۔" وہ میز سے نیچے اترا۔ چند قدم آگے لیتے ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کیا تو اِشفا کرسی کو پیچھے کرتی اٹھی اور اُس سے آگے آگے چلتے تفتیشی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ توَقع کے بر عکس اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔

سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان کی ایک ایک حرکت کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔

کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک نہایت ہی گہرا اور لمبا سانس اپنے اندر کھینچا۔ پھر ذرا سی پلٹی۔ کچھ ہی فاصلے پر مومن اور خضر موجود تھے۔ "دس منٹ بعد اندر آنا۔" کہتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر آگے بڑھ گئی۔

Clubb of Quality Content

سانولی رنگت والی خاتون کرسی سے پشت ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھی تھیں۔ ان کے تین رنگوں والے بال جگہ جگہ سے نکلتے اس کے چہرے پر لہرا رہے تھے۔

دروازے کی آواز پر آنکھیں پل بھر کے لیے ہلیں پھر ٹھہر گئیں۔ چہرہ تھکن کی عکاسی کر رہا تھا۔ وہ کرسی کو کھینچتے اس پر آرام سے بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ آنکھیں کسی بھی عکس سے عاری تھیں۔

"آئمہ ریحام..."

آواز... یہ آواز۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ صرف آواز کے باعث۔ ورنہ کتنے ہی اہلکار آ جا چکے تھے اور وہ آنکھیں بند کرتے بیٹھی رہی تھیں۔

Clubb of Quality Content!

ان کی آنکھوں میں سب کچھ اس کے لیے ویسا ہی تھا۔ نفرت اسی جگہ تھی۔ ناک کے نتھنے ویسے ہی پھولے ہوئے تھے۔ لیکن وہ مسکرا نہیں رہی تھیں۔

ان کی وہ للکارتی مسکراہٹ کہیں بھی نہیں تھی۔ مرجھائی سی شکل پر آپس میں پیوست ہونٹ۔ اِشفا امین اپنے دونوں ہاتھ جوڑتی ذرا سی آگے ہوئی۔ ہاتھوں کو میز پر رکھا اور ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔

"کیوں آئی ہو یہاں؟" پھنکارتی آواز خشک حلق سے ابھری۔ جس میں کہیں کپکپاہٹ تو کہیں لمبے سانس موجود تھے۔

"ظاہر ہے آپ کی شکست کا تماشا دیکھنے۔" مختصر مگر مقابل کو اندر تک جلا دینے والی تبسمِ ملیح اس کے لبوں پر دوڑ رہی تھی۔

"تم ابھی مجھے جانتی نہیں ہو، اِشفا۔ سلاخوں کے پیچھے رہ کر بھی میں وہ کر سکتی ہوں جس کا خیال بھی تمہیں چھو کر نہیں گزر سکتا۔" اب کہ لہجہ سکون اور ٹھہراؤ سے لیز تھا۔ جیسے وہ اکثر لوگوں سے بات کیا کرتی تھیں۔

وہ طنزیہ سی ہنسی۔ "آپ جانتی ہیں آپ کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کیا ہے؟" سرگوشی نما آواز بناتے وہ مزید آگے کھسکی۔ انہوں نے ابرو اٹھائی۔ "مجھے زندہ چھوڑنا۔ مجھے سانس لیتا چھوڑ کر آپ نے بہت بڑی کوتاہی کی ہے، آئمہ ریحام۔ ابھی آپ مجھے اچھے سے نہیں جانتیں۔ کیونکہ اب آپ کے ساتھ وہ ہوگا جو برسوں پہلے میرے ساتھ ہوا تھا۔"

انھوں نے اپنے ہتھکڑی میں جکڑے ہاتھوں کو میز پر رکھا۔"اچھا؟ تم کیا کرو گی ایسا؟"

"میں آپ کی زندگی خراب کردوں گی۔میں آپ کو زمانے میں ذلیل و خوار کردوں گی۔کہ اگر آپ کی سزا کم ہو گئی اور کبھی آپ رہا ہو گئیں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی۔"

"مجھے نہیں لگتا تم یہ کر پاؤ گی۔کیونکہ تم ایک نادان سی لڑکی ہو۔بھولی بھالی سی۔تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"وہ اُسے اکسا رہی تھیں۔اور یہ بات وہ اچھے سے جانتی تھی۔

"چیلنج کر رہی ہیں؟ بھول گئیں میری ماں کے ہاتھ کا تھپڑ؟ میں اسی عورت کی بیٹی ہوں۔زندہ تو چھوڑ دوں گی لیکن مردوں سے بد تر حالت کردوں گی آپ کی۔"ایک ادا سے اپنی لِٹ کو پیچھے کرتے وہ قدرے پیچھے ہو کر اپنی پشت ٹکا گئی تھی۔

"بھول گئی پھر میں نے تمہاری ماں کے ساتھ کیا کیا تھا؟"

"نہیں آئمہ ریحام..."اس نے سر نفی میں ہلایا۔"...مجھے بھولنے کی بیماری نہیں ہے۔ لیکن لگتا ہے آپ کو ہے۔اگر یاد نہیں ہے تو یاد کروادیتی ہوں کہ میں آپ کے بڑے بیٹے کی محبت ہوں۔وہ میرے لئے آپ کی جان لے
لے گا۔"

"لے لے.. لیکن اپنی جان گنوانے سے پہلے میں تمہیں برباد کردوں گی،اِشفا۔تم واپس یہاں آؤ گی.. میرے پاس۔"انھوں نے شہادت کی انگلی اپنے سینے پر رکھی۔

Clubb of Quality Content!

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"یہ تو وقت ہی بتائے گا کون کس کو برباد کرتا ہے۔"

مومن اور خضر دونوں ایک ایک کرکے اندر آئے تھے۔خضر کرسی کھینچ کر اِشفا کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔اور مومن کیمرا سیٹ کرکے اُس کے پیچھے کھڑا تھا۔

آئمہ خلیل کی نظریں ان ہلکی بھوری آنکھوں پر تھیں جو جھک کر پہلو میں گرے ہاتھوں کو تک رہی تھیں۔

"مختصر سے پانچ سوالات ہیں۔ تمیز کے دائرے میں رہ کر جواب دیں گی تو انٹرویو جلد ختم ہو جائے گا۔"

انہوں نے گردن ترچھی کی پھر ایک گہری نگاہ تینوں پر ڈالی۔ "پوچھو کیا پوچھنا ہے۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ سات جولائی دو ہزار سات کی شام آپ نے رحمان امین کے گھر پر آگ لگائی تھی؟"

ایک ابرو اُچکاتے گردن دوسری طرف کرلی۔ "اُم.. سوچ کر بتاتی ہوں۔" خضر نے مومن کی طرف دیکھا اور مومن نے اُسے۔ "میں نے تو سنا تھا رحمان کی بیٹی نے گھر پر آگ۔"

"میرے سوال کا جواب دیں۔ کیا آپ نے رحمان امین کے گھر پر آگ لگائی تھی؟" اس نے آپ پر زور ڈالا۔

"وہی تو بتا رہی ہوں.. تم سن نہیں رہیں۔" اِشفا نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا۔ "کیمرا بند کرو مومن۔"

مومن نے گھبراتے ہوئے خضر اور اِشفا کے بیچ دیکھا۔ پھر کیمرا بند کر دیا۔ "تم میرا انٹرویو زور زبردستی نہیں لے سکتیں۔ میرا جو جی چاہے گا میں وہ کہوں گی۔ بلکہ مجھے تمہیں انٹرویو دینا ہی نہیں ہے۔"

"میں زور زبردستی کی قائل ہوں بھی نہیں۔ یہ میرا مشغلہ نہیں ہے۔" پھر خضر کی طرف مڑی جس پر آئمہ ریحام کی مسلسل نظر کو محسوس کرتے اُسے پچھلے چند منٹ سے شدید غصہ آ رہا تھا۔ "اٹھو خضر۔"

وہ چپ چاپ سا اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر اِشفا نکلنے کے لئے بڑھی اور اُس کے پیچھے ہی مومن لپکا۔ "المیر پر نظر رکھنا، اِشفا۔ نا جانے کب کہاں کیا ہو جائے...!"

وہ پلٹی۔ "باجی چھوڑ دیں۔" مومن کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اس کی بات کو اَن سنا کرتے آئمہ کی طرف دوبارہ گئی۔ لیکن اس دفعہ اس کے مقابل کھڑے ہونے کے بجائے ان کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

پیشانی پر ہاتھ پھیرتے اس نے ایک ہی جست میں آئمہ ریحام کو گردن کی پشت سے دبوچا۔ "میرے شوہر کو کسی نقصان نے چھوا بھی تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔ تمہیں ابھی اندازہ نہیں ہے، میں کیا کیا کر سکتی ہوں۔"

پھر جھٹکا دیتے اُسے چھوڑا تو وہ کراہتے ہوئے ہنسنے لگیں۔ اور پھر ہنستی ہی چلی گئیں۔ اِشفا سر کو جھٹکتے وہاں سے باہر آئی۔ غصے میں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہو گیاانٹرویو؟"المیر نے میز پر رکھے چند ایک دستاویزات پر سے نظریں ہٹائیں۔"جی۔" سر ہلاتے تھانے کی دہلیز پار کر گئی۔سب نے ایک دوسرے کو تسفتیشی نظروں سے دیکھا۔ المیر اس کے موڈ کو پرکھتا اس کے پیچھے ہی گیا تھا۔

"کچھ کہا ہے کیاانہوں نے؟"آواز عقب سے آئی تھی۔وہ بنا پلٹے آگے بڑھتی جارہی تھی۔ "آپ کے حوالے سے کچھ خاص اچھی بات نہیں کی انھوں نے۔آپ کی سوتیلی ماں نہ ہوتیں تو میں زبان کاٹ دیتی ان کی۔"

ناولز کلب

"تم میرے لیے پریشان بھی ہوتی ہو؟"اس نے پیشانی سے سیاہ بالوں کو پیچھے کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن پھر کچھ سوچ کر بال ویسے ہی رہنے دیئے۔پھر اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

"آپ کے لیے ہی تو پریشان ہوتی ہوں۔رات کے دودو بجے تک گھر سے باہر اپنی کھٹارا بائیک لئے گھومتے رہتے ہیں۔"المیر کا تو منہ ہی کھل گیا۔اس نے اداکاری کرتے ہوئے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔

"تمہیں کیسے پتا میں دو دو بجے تک گھر نہیں آتا؟" مسکرایا.. دھیرے سے۔

"کوئی بھی پولیس آفیسر گھر جلدی نہیں جاتا۔ یہ بات تو سب جانتے ہیں۔" گاڑی کافی دور کھڑی تھی اس لئے ان دونوں کی گفتگو طویل ہو چکی تھی۔ "اچھا سنیں۔"

"جی حکم کریں۔"

اِشفا نے آنکھیں گھمائیں۔ "میرے ساتھ اپنی لوکیشن شیئر کر دیں۔ کہ اگر کبھی آپ میری کال نہیں اٹھاتے تو مجھے اطمینان رہے۔"

"میں پتا ہے کیا سوچ رہا تھا؟ سامان باندھ کر تمہارے ساتھ ہی رہنے آجاتا ہوں۔ پھر آرام سے نظر رکھتیں رہنا مجھ پر۔" شرارتی مسکراہٹ لئے اُسے دیکھنے لگا۔

"اتنے بھی پیارے نہیں ہیں اب آپ کہ نظر رکھتی پھروں۔" ایک ادا سے کہا گیا۔

"تب ہی مجھے چھپ چھپ کر دیکھتی ہو؟" کہہ کر ایک آنکھ دبائی۔ "میں کیوں دیکھوں گی چھپ چھپ کر؟ بیوی ہوں آپ کی.. جب دل کرے گا دیکھوں گی۔"

"پہلے تو کوئی خود کو میری بیوی مانتا ہی نہیں تھا..." وہ گاڑی سے اب چند قدم کی دوری پر تھے۔ "..تو آپ کون سا مجھے اپنی بیوی مانتے تھے؟"

"میں نے کب انکار کیا تمہیں اپنا ماننے سے؟"

"آپ نے اقرار بھی تو نہیں کیا۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھا چکی تھی۔ "تمہارے علاوہ اتنے سالوں میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ کیا اتنا اقرار کافی نہیں ہے؟"

"نہیں.. میری ناولز کے ہیرو تو کیا کچھ نہیں کرتے اپنی بیویوں کے لئے۔" دروازہ کھول کر وہ پیچھے مڑی۔ "مثلاً؟"

Clubb of Quality Content!

"مثلاً جنگ چھیڑ دیتے ہیں۔" حالانکہ اُسے ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا تھا۔ کہ آج تک اُس نے جتنی بھی ناولز پڑھی تھیں ان کے ہیرو کیا کیا کرتے رہے ہیں۔۔ لیکن جو منہ میں آیا وہی اس نے بول دیا۔

وہ اس کی بات پر نظریں جھکا گیا۔ وہ اس کے لئے خود کے ساتھ ساتھ سب سے لڑتا آ رہا تھا۔ لیکن یہ بات اُسے کیسے سمجھاتا؟

وہ جواب نہ پا کر مسکرائی پھر گاڑی میں بیٹھنے ہی والی تھی جب اُسے فٹ پاتھ پر ذرا آگے کر کے خضر بیٹھا نظر آیا۔ اور مومن اس کے ساتھ بیٹھا اس کی کمر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

وہ الجھتی ہوئی گاڑی سے دور ہٹی اور ان دونوں کی اور بڑھ گئی۔ المیر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ "کیا ہوا، خضر؟ مومن؟" اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"باس، یہ چلتے چلتے اچانک گر گیا اور اس کا ہاتھ چھل گیا ہے۔ اس لئے خون دیکھ کر شاید ڈر رہا ہے۔" وہ اس کی کمر سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا جو کہ مسلسل کپکپاہٹ کا شکار نظر آتا تھا۔

اِشفا کو ایک اٹھارہ برس کے لڑکے کا یوں خوف زدہ ہونا عجیب لگا۔وہ گھٹنوں کے بل کے سامنے بیٹھی۔"زور سے لگی ہے؟"خضر نے موٹے موٹے آنسو لئے اپنی آنکھیں اٹھائیں پھر سر ہاں میں ہلا دیا۔

"درد بھی ہو رہا ہو گا، ہے ناں؟"اس نے پھر سے سر ہلایا۔اِشفا نے مومن کو اشارہ کیا تو وہ کہیں چلا گیا۔"خون دیکھ کر ڈر بھی گئے ہو۔"اس نے پھر بچوں کی طرح سر ہلا دیا۔

"پہلے کبھی چوٹ لگی ہے؟"مومن نے اس کے ہاتھ میں دوا اور روئی پکڑائی تھی۔وہ اب اس کا ہاتھ تھامتے اس پر آرام سے پھونک مارتے دوا لگا رہی تھی۔اس نے سر ہاں میں ہلایا۔

"کب؟"

"بہ-بہت دفعہ۔"المیر بھی اب خضر کے پاس بیٹھ کر اس کے کندھے پر اپنا بازو رکھ چکا تھا۔

"کسی نے مرہم پٹی کی تھی؟"اس نے سر نفی میں ہلایا۔"جب چوٹ لگی تھی تب سب سے پہلے کس کا خیال ذہن میں آیا تھا؟"

وہ سوال پر اُسے دیکھے گیا۔ دیکھے گیا۔ پھر بولا۔"اپنی بہن کا۔"اِشفا کو اس کا یوں خود کو دیکھنا قدرے عجیب لگا تھا۔ لیکن شاید اُسے اِشفا کو تک کر اپنی بہن کی یاد آرہی تھی۔

"تو بہن نے مرہم کیوں نہیں لگایا؟"وہ اب روئی کی مدد سے اس کی دونوں ہتھیلیوں سے خون ہٹا رہی تھی۔"نہ۔نہیں تھی میرے پاس۔"آنکھ سے ایک آنسو نکلا۔

Clubb of Quality Content!

"کیوں؟ کہاں گئی تمہاری بہن؟"ہتھیلی پر سے نظریں ہٹاتے وہ اب اس کے چہرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔"پتا..پتا نہیں۔"

"آخری دفعہ اُسے کب دیکھا تھا؟"نا جانے تجسّس اُس کی عام سی بات چیت کو انٹرویو کیوں بنا دیتا تھا۔"پتا نہیں۔"

"اس کا چہرہ یاد ہے؟"اس نے دھیرے دھیرے سر اثبات میں ہلایا۔"اس کے چہرے کو یاد کرتے آنکھیں بند کرلو۔ تمہیں درد نہیں ہوگا اور نہ ہی خوف آئے گا۔"وہ مسکراتے ہوئے کہتی اس کی ہتھیلیوں پر پٹی باندھتے،ہاتھوں کو چھوڑ چکی تھی جب خضر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اِشفا نے اُسے چونک کر دیکھا۔وہ اپنی آنکھیں بند کر چکا تھا۔ لیکن اس دوران اُس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑی رکھا تھا۔اشفا نے المیر اور المیر نے اِشفا کو دیکھا۔

لمحے بعدازاں اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ایک نظر اپنے ہاتھ پر ڈالی اور اس میں بند اِشفا کے ہاتھ پر بھی۔ہولے سے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔"اب..اب نہیں لگ رہا ڈر۔"وہ معصومیت سے مسکراتے کہہ گیا تھا۔

اِشفا اِستادہ ہوئی پھر دوا مومن کو پکڑائی جو کہ اُس نے جیب میں ڈال لی تھی۔پھر مومن اُس تک بڑھا اور اُس سہارا دے کر اٹھایا۔"کہیں اور تو نہیں لگی؟"المیر نے اس کے بالوں ہاتھ مارا اور پھر سوال کیا۔"نہ- نہیں.."

پھر وہ تینوں گاڑی میں جا کر بیٹھے اور گاڑی اپنی جگہ کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔

اسی دن کی شام ایسی خوشگوار ثابت ہوئی تھی کہ ہر طرف آئمہ خلیل کے کارناموں کی خبریں نشر ہو چکی تھیں۔ان کی ٹھیک ویسے ہی بے عزتی ہوئی تھی جیسے سالوں پہلے اِشفا کو ذلیل کیا گیا تھا۔

صبح سے سب اِشفا کو روک روک کر باعزت بری ہونے کی مبارکباد دے رہے تھے۔کوئی اس سے اپنے رویے کے معافی مانگ رہا تھا تو کوئی اس کا غم بانٹ رہا تھا۔لیکن جو سالوں پہلے ہوا تھا وہ اُسے بھول نہیں سکتی تھی۔

اس دوران اس کی آنکھوں میں آیا پانی کوئی نہیں دیکھ سکا تھا۔وہ تو ترس ہی گئی تھی اس دن کو دیکھنے کے لئے۔اُس کی امید ٹوٹ چکی تھی۔ہر راستہ بند تھا۔ہر منزل پر پتھروں سے رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔وہ تھک گئی تھی خود کے لئے لڑتے لڑتے۔اور آخر کار آج وہ ہو گیا تھا۔

وہ گھر آئی تھی تو گھر ایک دم خالی تھا۔ کوئی آواز کوئی صدا نہیں تھی۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ زور سے بند کیا۔ گہرے گہرے سانس لیتی وہ رونے لگی تھی۔ کتنا مشکل تھا سب کے سامنے خود کو مضبوط رکھنا۔ کتنی کٹھن ہوتی ہے مضبوط لوگوں کی زندگی۔

وہ دروازے کے ساتھ لگ کر نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو ایسے بہہ رہے تھے کہ آج نہیں تھمیں گے۔ بہت کچھ سہا تھا اس نے یہ پھل پانے کے لئے۔ خود کو ان محفلوں کا حصہ بنایا تھا جہاں اُسے کوئی پسند نہیں کرتا تھا۔ سکول کی ٹیچروں کی ماریں سہی تھیں۔ لوگوں کے طعنے اور مذاق برداشت کرتے کرتے ایک عمر کٹ گئی تھی اس کی۔

اس کا ایک صحافی بننے تک کا سفر بھی دشواریوں سے بھرپور تھا۔ بہت کچھ کھویا تھا اس نے محدود مرادیں بر لانے کے لئے۔

شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر سب کو بتائے کہ وہ سچی تھی۔ سب کے گھریبان پکڑے اور پوچھے کہ کس بات کی سزا دیتے آرہے تھے اُسے؟

بہت ذلیل کیا تھا اُسے زمانے نے۔بہت تنگ نظر تھی دنیا کی۔بڑے دھوکے کھائے تھے اُس نے بڑی عزت کمانے کے لیے۔

دونوں ہاتھوں کو فرش پر رکھتے وہ وہیں لیٹ گئی۔تھک گئی تھی وہ۔تھکن تھی کافی دیرینہ۔آج وہ سب کچھ بھول جانا چاہتی تھی۔اپنے آپ کو بھی۔

وہ روتی گئی۔۔روتی گئی۔۔گھنٹوں بیت گئے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کہ اچانک اُسے دروازے پر دستک ہونے کی آواز آئی۔ناجانے کب سے کوئی دروازہ بجارہا تھا۔اور بجانے کے طریقے سے اُس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ سیف ہو گا۔

آنسو کو صاف کرتے وہ اٹھی اور کچن میں جاکر پانی سے منہ دھویا۔پھر تولیے سے چہرے کو خشک کرتے دروازے کی اور بڑھ گئی۔

دروازہ کھولنے پر نیلی آنکھیں چمکیں۔"محترمہ...روتی رہی ہیں؟"وہ کہتا ہوا اس کے پاس سے گزرا اور صوفے پر جا بیٹھا۔"ہاں..."

"گھر والے نے رلایا ہے؟"اس کا اشارہ المیر کی طرف تھا۔اس نے سر نفی میں ہلایا۔"تو پھر؟"

"ہے کوئی..."وہ مخالف صوفے پر آرام سے بیٹھ گئی۔"تمہیں کوئی کام تھا، سیف؟"

"ہوں..وہ میں ایک دو مہینوں تک واپس چلا جاؤں گا۔"اس نے دونوں بازو صوفے پر سجا رکھے تھے۔"واپس؟"اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"انگلینڈ۔میری سر زمین۔"

"کیوں؟اتنی اچانک کیوں؟"وہ سیدھی ہوئی تھی۔"اب میرا دل نہیں لگتا ادھر۔ماما کا کیس بھی حل ہو گیا..انصاف چاہیے تھا سو مل گیا۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھی رہی۔ نیلی آنکھیں اُسے دیکھتی رہیں۔ "سیف.. میں نے کبھی کہا نہیں لیکن آئی ایم سو سوری میری وجہ سے شمسہ آنٹی کی ڈیتھ ہو گئی۔ اگر میں ان کے پاس نہ جاتی اور ان سے ساری بات شیئر نہ کرتی تو آج وہ تمہارے ساتھ ہوتیں۔ میں نے تمہارا نقصان کیا ہے.. اس کے لئے مجھے معاف کر دو۔"

سیف کی بھنویں تنگ ہوئیں۔ وہ اُسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش میں لگا ہو۔ "تم مجھ سے معافی کیوں مانگ رہی ہو؟ سب سے زیادہ نقصان تو تمہارا ہوا ہے۔ تم نے جو فیس کیا ہے اس کے مقابلے میں کسی کا نقصان چیونٹی برابر بھی نہیں ہے۔ اور تمہیں لگتا ہے میں تمہیں اپنی ماں کی موت کا ذمے دار ٹھہراتا ہوں؟"

"تو یعنی تم مجھے الزام نہیں دیتے؟ تمہیں میں بری نہیں لگتی؟"

وہ زور سے ہنسا تھا۔ "تم مجھے بری لگتی ہو۔۔۔ اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تمہارے علاوہ میرا کوئی دوسرا دوست نہیں ہے۔ مجھ سے دوست نہیں بنائے جاتے، تم جانتی ہو۔ لیکن تم سے دوستی مجھے بہت عزیز ہے۔ تم نے میری بہت مدد کی ہے۔ میرے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مشکل وقت میں میرے کام آئی ہو۔میں تمھیں ہر گز بھی برا نہیں سمجھتا..." مسکرایا.. نہایت خوبصورتی تھی۔"...وہ الگ بات ہے کہ تم بندی بہت خطرناک ہو۔"

"خطرناک.. ایسا کیا کر دیا میں نے؟"اس نے اُسے تجسّس سے دیکھا۔"اٹھائیس مرتبہ میری بائیک کی ہیڈ لائٹ اور چار مرتبہ ٹیل لائٹ تڑوا چکی ہو۔پانچ دفعہ اپنی گاڑی ٹھوکی ہے تم نے۔اور نا جانے کتنے کھلے عام سڑک پر جھگڑے کر چکی ہو۔"

"یہ سب میں نے جان کر تھوڑی کیا تھا۔ویسے کتنے میسنے ہو تم۔سارا حساب کتاب موجود ہے تمہارے پاس۔"آنکھیں سکور کر اُسے دیکھا۔

"محترمہ آپ نے جب جب کوئی کارنامہ دیا ہے تب تب مجھے میسیج کر کے بتایا ہے۔آج بھی آپ کے سارے پیغام موجود ہیں میرے پاس۔اگر گنتی کرنے بیٹھوں تو مجھے یقین ہے کہ اعداد پچاس تک تو جائیں گے ہی کم از کم۔"

Clubb of Quality Content

"دیکھو میں نے جتنی دفعہ تمہاری بائیک ماری ہے اتنی دفعہ ٹھیک بھی تو کروائی ہے۔ گھنٹوں گھنٹوں مکینک کی دکان پر وہ بھی گرمی میں بیٹھنا آسان تھوڑی ہے۔!"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"ہاں ہاں اور جو مکینک کا بل ہوتا تھا وہ واپس آکر میرے ماتھے مار دیا جاتا تھا۔ بھول گئیں؟"

"تم اب پیسوں کے پیچھے مجھ سے جھگڑا کرو گے؟"اس نے ہونٹوں کو آپس میں پیوست کر لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آج سے پہلے کبھی کیا ہے جواب کروں گا؟"اِشفا کھل کر مسکرائی۔ پھر اچانک مسکراہٹ چھٹ گئی تھی۔"تم مت جاؤ انگلینڈ۔ یہیں رک جاؤ۔ مہوین کو تمہاری ضرورت پڑے گی۔"

وہ اس کی بات پر قدرے آگے ہوا۔"کیوں تم اللہ کو پیاری ہونے والی ہو؟"

اِشفانے اُسے غصے سے گھورا۔ "بد تمیز... میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ اگر میں سسرال چلی گئی تو میری وینی کا خیال کون رکھے گا۔"

"تم اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔" مشورہ دیا گیا۔ "بہت اصول پسند ہے وہ۔ نہیں چلے گی میرے ساتھ۔" پھر ایک تفصیلی نگاہ سیفان پر ڈالی۔ "تم شادی کیوں نہیں کر لیتے، سیف؟"

"کوئی پسند آئے گی تو کروں گا ناں۔" وہ سر کو صوفے کے ساتھ ٹکا چکا تھا۔ "میں ڈھونڈوں تمہارے لئے کوئی لڑکی؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"نہیں..." یک لفظی جواب دیتے وہ چپ ہو گیا۔ "اِشفا؟"

"ہاں کہو..."

"مجھ سے تین وعدے کرو گی؟" وہ اس کی بات پر الجھی پھر بولی۔ "کیسے وعدے؟"

"یہی کہ میرے جانے کے بعد تم اپنے حق کے لئے لڑنا نہیں چھوڑو گی۔ مصیبت کا سامنا کرو گی چاہے کوئی تمہارے ساتھ کھڑا ہو نہ ہو۔اور تمہیں کبھی بھی کوئی بھی مسئلہ پیش آیا تو تم میرے پاس آؤ گی۔"

"تم میرے ملک میں نہیں ہو گے تو میں مدد کے لیے انگلینڈ آؤں گی پھر؟" سیف نے گردن ترچھی کی۔"ہاں.. انگلینڈ میں ایسی بہت سی جگہیں ہیں جہاں تم جیسی جاسوسہ کو کام مل سکتا ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے اُسے دیکھنے لگی۔ماحول میں گہرا سکوت چھا گیا۔وہ دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔

"سیف؟"

"ہوں.."

"تھینک یو..."

"کس لئے؟"

"تم جانتے ہو کس لئے..."

"ہاں میں جانتا ہوں..."

پھر سے خاموشی چار سو پھیل گئی۔"کافی پیو گے یا زہر؟"

"دونوں لے آؤ۔کافی میں پی لوں گا.. زہر تم کھالینا۔"اس کی نظر اِشفا کی عقب پر کھڑی دیوار پر لگی اپنی بنائی گئی پینٹنگ پر تھی۔"ہاں ٹھیک ہے.. تم پر ویسے بھی زہر اثر نہیں کرے گا۔پہلے ہی اچھے بھلے زہریلے ہو تم۔"

وہ سر جھٹک کر ہنسا تھا۔"جی جیسا آپ کو ٹھیک لگے، محترمہ۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہ چند روز بعد کا منظر تھا کہ مہوین ٹی وی چلاتے آرم سے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ستمبر کے مہینہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ ٹی وی پر آئمہ ریحام کی خبریں ہر طرف جاری تھیں۔ ان کی پہلی ہیر نگ پرسوں تھی۔ وہ ایک نہیں سات سات کیسز میں پھنس چکی تھی۔

اُسے یہ سن کر دھچکا لگا تھا کہ اس سب کے پیچھے آئمہ خلیل تھیں۔ اس نے اِشفا سے شکوے بھی کیے تھے کہ کیوں کر اُسے بے خبر رکھا گیا۔ اِشفا نے پھر تفصیلاً ایک ایک بات اُس کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔ بتایا تھا کہ کیسے خلیل محمد ان کی مدد کرتے آرہے تھے۔

مہوین اِشفا کے لیے روئی بھی تھی۔ اُسے اس نے خود ہی اپنی زندگی میں روبرو آنے والی پریشانیوں سے دور رکھا تھا۔ اور پھر جب مُدّتوں بعد اُسے پتا چلا کہ اِشفا پر کیا کیا ستم ڈھائے گئے تو اُس سے رہا نہیں گیا اور وہ روتی چلی گئی۔

آج اُس نے کام سے چھٹی لی تھی۔ کیونکہ کل ہی اُسے ایک بڑی آفر کی گئی تھی۔ جسے نظر میں رکھتے ہوئے وہ اِشفا کے ساتھ تبادلہ خیال کرنا چاہتی تھی۔

وہ تولیے سے ہاتھوں کو خشک کرتے مہوین کے ساتھ آن بیٹھی۔ "ہاں اب بتاؤ کیا بتانا ہے۔" میز پر سے چپس کا پیکٹ اٹھایا۔

"دراصل آپی مجھے اور ہسپتال کے باقی چند ایک ڈاکٹرز کو کنٹریکٹ ملا ہے۔ جس کے مطابق ہمیں دو سے تین شہروں میں تین مہینوں کے لیے بھیجا جائے گا۔ تاکہ ہم لوگوں کا علاج کر سکیں۔ شہر بھی وہ جہاں ہم جیسے ڈاکٹرز کی اشد ضرورت ہے۔ جیسے کہ کشمیر، سوات اور ڈی جی خان۔" اِشفا نے ایک چپس نکال کر منہ میں ڈالا۔ پھر اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

"دو دن تک ہمیں کشمیر لے جایا جائے گا اور اس کے بعد ڈی جی خان اور پھر سوات۔ اگر میں یہ کانٹریکٹ کر لیتی ہوں تو مجھے پروموشن مل جائے گی۔"

"اور کتنے ڈاکٹرز جا رہے ہیں ساتھ؟"

"نفسیات کے شعبے سے صرف میں اور دانش جائیں گے۔ جبکہ باقی کل ملا کر بیس ڈاکٹرز ہیں کم از کم۔" اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ "اور ڈاکٹر ثمر بھی جا رہے ہیں۔"

"وہ جو دل کے سب سے بڑے ڈاکٹر ہیں؟" اس نے سر ہلایا۔ "جی۔۔ اور ان کی سیکورٹی کے لئے پولیس فورس کو بھی بلایا گیا ہے۔"

"پولیس؟ المیر بھی جائیں گے؟"

"پتا نہیں آپی۔ آپ فون کر کے پتا کر لیں۔" اس نے میز پر سے اپنا فون اٹھایا۔ "میں پتا کرتی ہوں پھر اس ٹاپک پر بات کرتے ہیں۔"

اس نے نمبر ملایا۔ چند سیکنڈز کے لئے بیل جاتی رہی اور پھر مقابل نے کال اٹھالی۔ "السلام علیکم، آفیسر۔"

"آفیسر کا باس راحم رضا احمد بات کر رہا ہوں۔ کیسی ہو اِشفا؟" اِشفا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"میں بہت اچھی ہوں، راحم بھائی۔ آپ کیسے ہیں؟"

وہ جو اپنے پہلو میں گرے ہاتھوں پر غور کر رہی تھی، فوراً متوجہ ہوئی۔ اس کے نام کی پکار پر ایسے ہی اکثر اس کی آنکھیں چمکنے لگتی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے۔ دراصل تمہارا شوہر عرف میرا جگری یار کسی کیس کے سلسلے میں نکلا ہوا ہے اور اپنا فون یہیں تھانے میں بھول گیا ہے۔"

"اوہ اچھا۔ اچھا راحم بھائی آپ کو پتا ہے کہ ڈاکٹر ثمر لودھی اور ان کے ہمراہ چند ایک ڈاکٹرز مختلف شہروں میں علاج کرنے کی غرض سے روانہ ہو رہے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ پولیس کو بھی ان کی سیکورٹی کے لئے ساتھ بھیجا جا رہا ہے.." دوسری طرف سے قدموں کی دھیمی سی آہٹ آئی۔ پھر اس کی آواز ابھری۔ "ہاں... میں اور چند اور اہلکار جا رہے ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اچھا؟ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" وہ کھلکھلائی تھی۔ چلو شکر تھا کہ کوئی تو جان پہچان والا مہوین کے ساتھ ہو گا۔ "تم کیوں خوش ہو رہی ہو؟ تم نے جاسوسی کے لئے ساتھ چلنے کا ارادہ تو نہیں کر لیا؟"

"نہیں راحم بھائی.. مہوین کو بھی جانے کا موقع دیا گیا ہے۔ میں پریشان ہو رہی تھی کہ اکیلے کیسے جائے گی۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ اب وہ اکیلی نہیں ہو گی۔"

شاید المیر بھائی ساتھ جا رہے ہیں۔ اس نے سوچا۔ اور لمبا سانس خارج کیا۔ اکیلے جانے میں اُسے بھی بہت زیادہ تو نہیں پر ہلکی سی جھجھک محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں.. المیر کو آفر آئی تھی پر اس نے منع کر دیا۔ کہتا ہے میں اپنی بیوی کے بغیر نہیں رہ سکتا..." پھر قہقہے کی آواز آئی۔ ".. تم نے تو اُسے تیر کی طرح سیدھا کر دیا ہے۔" پھر کرسی گھسیٹنے کی آواز آئی تھی۔ "تم تو جانتی ہو، اے ایس پی کہاں سیکورٹی والے معاملوں میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ تو میں نے ضد کی تھی کہ مجھے بھی جانا ہے تب ایس پی صاحب نے جانے

کی اجازت دی۔ ورنہ ان کو تو مجھ سے ایسی ٹکا کے محبت ہوئی ہے کہ مجھے کہیں آنے جانے ہی نہیں دیتے۔"

"سہی ہے ناں، بھائی۔ ماحول کی تبدیلی ہو گی تو آپ اچھا محسوس کریں گے۔ ہر وقت کے جرموں سے تھوڑی سی چھٹی تو ملنی چاہیے آپ کو۔" اس نے چپس منہ میں ڈالا۔

"ہاں ناں۔"

"بس آپ پلیز مہوین کا خیال رکھئے گا۔ میں ہمیشہ دور دراز علاقوں میں اس کے ساتھ جاتی رہی ہوں۔ لیکن کام کی وجہ سے اس دفعہ نہیں جا پا رہی۔ آپ ہر وقت اس کے ساتھ رہیے گا۔ تھوڑی سی غصے کی تیز ہے..." مہوین کی طرف دیکھا جس کے چہرے کا رنگ ابھی سے اڑا ہوا معلوم ہوتا تھا۔".. لیکن دل کی بری نہیں ہے۔"

"ہاں اتنا اندازہ تو مجھے ہو ہی گیا ہے۔" پھر اس نے حلق صاف کیا۔ "تم فکر نہ کرو۔ اس کی حفاظت میری ذمے داری ہے۔"

"تھینک یو، بھائی۔" وہ مہوین کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ "اِشفا ایک بات پوچھنی تھی تم سے..."

"جی جی پوچھیں..." چپس ختم ہو گئے تھے اس لئے اس نے پیکٹ کو گول مول کر کے مہوین کی طرف پھینکا تھا جو چہرے کے زاویے بگاڑنے میں مصروف تھی۔

"اُس دن جب میں المیر کو تمہارے گھر چھوڑنے آیا تھا، تو مجھے ایسا لگا جیسے میں پہلے بھی تمہارے محلے آچکا ہوں۔" وہ سوالیہ نظروں سے اپنے ہاتھ کو گھورنے لگی۔ "ہمارے محلے؟ ہو سکتا ہے آپ آئے ہوں۔ المیر کے ساتھ۔"

اس بات پر مہوین نے چونک کر اِشفا کے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا تھا۔ دل پل بھر کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ ایک بیٹ مس ہوئی تھی۔ اس نے تھوک نگلا۔

"نہیں.. میں المیر کے ساتھ یہاں کبھی نہیں آیا۔بلکہ میں نے تمہارا گھر دیکھا ہی پہلی دفعہ ہے۔لیکن.. لیکن مجھے لگتا ہے یہ اسی لڑکی کا محلہ ہے۔شاید تب ہی مجھے گلیاں کافی حد تک شناسا محسوس ہوئی تھیں۔"

"کون سی لڑکی؟"

"اس کا نام.. نام نہیں پتا۔پر سالوں پہلے میں نے اُسے گھر چھوڑا تھا۔اس نے مجھے اپنا نام وی-"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کر پاتا اِشفا کے ہاتھ سے فون چھین لیا گیا تھا۔وہ پل بھر کے لیے بھو کلائی پھر کھینچنے والے کو دیکھا۔"مہوین.. یہ کیا کیا تم نے؟"

وہ مرتی کیا نہ کرتی بہانے سوچنے لگی۔اِشفا کو اگر راحم نام بتادیتا تو اُسے پل بھی نہیں لگنا تھا ساری کہانی سمجھنے میں۔"وہ وہ آپی... میرے سر میں.. بہت شدید درد ہو رہا ہے۔"

"ہیں؟ کیوں؟ ہسپتال کے کر جاؤں؟" وہ فوراً سے اٹھتی اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں.. نہیں.. مجھے بس.. میرا سر دبا دیں۔" یہی الفاظ اس کی زبان سے نکل پائے تھے۔

"اچھا میں دبا دیتی ہوں۔" صوفے کے پیچھے آکر کھڑی ہوتی وہ اس کے سر کو دبانے لگی تھی۔

"مہوین میرا فون اٹھا کے راحم بھائی کا نمبر پہلے اپنے فون میں سیو کرو اور پھر انہیں میسیج کرو کہ بیلنس ختم ہو گیا تھا، اس لئے کال کٹ گئی۔"

اس نے آنکھیں میچیں۔ کیا عذاب تھا قسم سے۔ اس کے فون کو اٹھاتے اس نے راحم کا نمبر اپنے فون میں سیو کیا۔ جس میں اُسے قریب قریب پانچ منٹ لگ گئے۔ اور اتنے میں اِشفا کے فون کی چارجنگ ختم ہو گئی۔

"آپی فون بند ہو گیا آپ کا۔" اس کی تو خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ چلو اب کم سے کم اُسے میسیج تو نہیں کرنا پڑے گا۔

"خیر ہے۔ تم اپنے نمبر سے انہیں میسیج کر کے بتا دو۔"

"جی آپی؟"اس کی آنکھیں باہر آنے کی حد تک پھیل گئی تھیں۔دل سینے سے باہر آجانے کے لئے بے تاب محسوس ہو رہا تھا۔"ہاں نا..بتا بھی دو کہ تم مہوین ہو۔"

"آپی یوں میسیج کرنا اچھا تھوڑی لگتا ہے۔وہ کیا سوچیں گے کہ میں نے خود ہی آپ کے فون سے ان کا نمبر نکال کر انہیں میسیج کر دیا۔"سچی بات کہنے میں اُسے پل بھی نہ لگا تھا۔

"راحم بھائی ایسا بالکل بھی نہیں سوچیں گے۔جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسا کرو..چلو شاباش۔"اس نے سر نفی میں ہلایا۔"آپی نہیں...میں میسج نہیں کروں گی۔"

"اوفو..لاؤ دو اپنا فون۔ابھی سارا معاملہ حل کرتی ہوں۔"ہاتھ بڑھایا تو اس نے جھجھکتے ہوئے اُسے فون تھمایا۔

راحم کا نمبر ملاتے اس نے فون کندھے اور کان کے درمیان رکھا اور خود اس کا سر دباتی گئی۔ایک دفعہ بیل گئی اور پھر اس نے فون اٹھالیا۔"اے ایس پی راحم رضا احمد اسپیکنگ۔"

"راحم بھائی.. میں بات کررہی ہوں، اِشفا۔"مہوین کا دل کیا رونے لگ جائے۔"ہیں؟ تم نمبر بدل بدل کر کال کیوں کررہی ہو؟ فراڈ کرنے کے لئے نئی سم تو نہیں نکلوالی؟"

"لوا گر فراڈ کرنا ہوتا تو آپ کو اپنا نام تھوڑی بتاتی...دراصل یہ نمبر مہوین کا ہے۔میرے فون کی بیٹری ختم ہوگئی تھی تو میں نے سوچا آپ کو بتادوں کہ بیلنس ختم ہونے کی وجہ سے کال کٹ گئی تھی۔آپ یہ نمبر سیو کرلیں۔آگے کام آئے گا۔مہوین کو کہا کہ آپ کو اپنے نمبر میسج کرکے بتادے کہ بیلنس کا مسئلہ تھا تو..."مہوین جھٹکے سے آگے ہوئی۔پھر بہن کی طرف پلٹی۔دونوں ہاتھ جوڑے تو اِشفا کو ہنسی آئی۔"...وہ کہنے لگی کہ میں میسج کروں گی تو آپ کیا سوچیں گے کہ اِشفا کے فون سے نمبر نکال لیا۔اب آپ ہی بتائیں.. آپ کچھ ایسا سوچ رہے ہیں؟"

"فون اسپیکر پر کرو.."اِشفا نے مسکراہٹ دبائی پھر ٹھیک ویسا ہی کیا۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں سوچ رہا۔ آپ فکر نہ کریں۔" وہی آواز تھی جسے سن کر ڈاکٹر مہوین امین کام بھول جایا کرتی تھیں۔

مہوین نے آنکھیں میچتے خود پر لعنت بھیجی۔ کیا ضرورت تھی انکار کرنے کی... اگر چپ چاپ میسیج کر دیتی تو ابھی یہ سب نہ ہوتا۔

اِشفا نے ہاتھ سے اُسے جواب دینے کا اشارہ کیا۔ مہوین نے رونے والی شکل بنالی۔ "وہ.. وہ میں.." مرمر کر آواز حلق سے نکل پائی تھی۔ گلا بھی اچانک سے بیٹھا بیٹھا سا محسوس ہونے لگا تھا۔

راحم آگے سے کچھ نہ بولا تو اِشفا نے فون اسپیکر سے ہٹاتے کان سے لگالیا۔ "سوری، بھائی.. ویسے تو یہ ایسا برتاؤ نہیں کرتی۔ کچھ دیر پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ سر میں درد ہے۔ شاید اس لئے..."

Clubb of Quality Content!

"نہیں..انہیں سر میں درد نہیں ہے۔دراصل میں ان کے لئے سر درد ہوں۔"اِشفا کو اس کا لہجہ فوراً بدلا بدلہ سا لگا تھا۔"نہیں نہیں..ایسی کوئی بات نہیں ہے۔آپ پلیز برا مت منایئے گا۔"

"میں نہیں برا مناتا..."پھر دھیرے سے اس کے ہنسنے کی آواز آئی۔"..اچھا اِشفا..ایک کام آگیا ہے۔پھر بات ہو گی۔"

یہ کہہ کر دونوں نے خدا حافظ کا تبادلہ کیا تھا اور کال منقطع ہو گئی تھی۔اِشفا نے فون صوفے پر اچھلتے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر اُسے گھورا۔"یہ کیا حرکتیں کر رہی ہو تم آج کل؟"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا..."وہ کندھے اُچکاتے واپس صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

یہ دو دن بعد کا منظر تھا کہ ڈاکٹرز سے بھری وہ بس آکر کشمیر کے ایک خوبصورت علاقے میں رکی تھی۔ہریالی سے بھرپور وہ خطہ واقعی دیکھے جانے کے قابل تھا۔فضا ایسی کھلی کھلی اور ہوا ایسی نرم کہ انسان کا دل چاہے گھنٹوں کھلے آسمان تلے بیٹھا رہے۔

اگر بس کی ونڈ سکرین سے باہر نظریں دوڑائیں تو ہمیں ایک شاندار اور وسیع چار منزلہ عمارت دیکھنے کو ملے گی۔جس کے باہر ایک درمیانے سائز کا بورڈ لگا ہوا دکھے گا جس پر یقینی طور پر ہوٹل کا نام معلق تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

ہوٹل کی بیرونی جگہ خوبصورت تھی کہ لفظوں میں بیان کرنا کٹھن لگنے لگے۔انیس ڈاکٹرز کی اس بس کا دروازہ کھل چکا تھا۔ایک ڈاکٹر جس کا نام ثمر تھا اپنی گاڑی میں آیا تھا۔جس کے ساتھ گاڑی میں پانچ سے چھ اہلکار موجود تھے۔جن میں حقیقتاً احمر رضا احمد بھی شامل تھا۔

سفر میں اس کی آنکھ بار بار لگتی تو سبز آنکھیں اندھیرے میں دکھنے لگتی تھیں۔وہ گھبرا کر دو سے تین مرتبہ خود کو جگا چکی تھی۔جب آخری دفعہ اس کی آنکھ لگی تو ایک بار پھر سے وہ خوبصورت آنکھیں اس کے ذہن کی اسکرین پر ابھری تھیں۔اس نے جھٹ سے آنکھیں

کھول ڈالیں اور ہوا کے لئے شیشہ کھول کر نظریں باہر کے منظر پر مرکوز کر لی تھیں۔ جیسے صرف اسی کو نہ سوچنا چاہتی ہو۔

لیکن اسی لمحے اس کی نظریں ساتھ گزرتی سیاہ گاڑی کی پیسنجر سیٹ پر بیٹھے راحم سے ملیں۔ وہ بے تاثر سا چہرہ لئے اُسے ایسے تک رہا تھا جیسے کسی کھوج میں ہو۔ وہ فوراً نظروں کو دوسری دشا میں پھیر گئی تھی۔

حالیہ منظر کی طرف بڑھیں تو ایک ایک کر کے سارے ڈاکٹر بس سے اتر رہے تھے۔ وہ بھی اپنا سوٹ کیس اٹھاتی، کندھے پر بیگ لگاتی بس سے اتری۔ ڈاکٹر دانش اس کے ساتھ ساتھ ہی تھا۔ دونوں یونیورسٹی کے زمانے سے ایک دوسرے کو اچھے سے جانتے تھے۔

ہوٹل پر نظریں ٹھہرائیں پھر ذرا سی نیچے سرکیں۔ یہاں تو دس سے بارہ زینے تھے۔ یعنی اب اُسے اپنے ساتھ ساتھ بیگ کو بھی گھسیٹ کر اوپر چڑھنا ہو گا۔

ایک لمبا سانس خارج کرتی وہ آگے بڑھی۔ باقی تمام افراد جن میں کچھ اس سے آگے زینوں پر سے اپنے اپنے بیگ کو اوپر لے جا رہے تھے اور کچھ اس کے پیچھے اُسی کی طرح زینوں کو دیکھتے بل کھا رہے تھے۔

اس نے چند قدم آگے بڑھائے اور زینوں کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اب کہ اس نے سوٹ کیس کی طرف اُسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ کسی کے ہاتھوں نے پہلے ہی اس کے بیگ کو اٹھا کر اوپر چڑھانا شروع کر دیا تھا۔

اس نے چونک کر ہاتھوں کے مالک کو دیکھا۔ اور دل ڈوب کر ابھرا کیونکہ یہ ہاتھ اسی کے ساتھ جس سے وہ بھاگتی پھر رہی تھی۔ اس نے آس پاس سب کو خود ہی اپنے بیگ لے جاتے پر کھا تو شرمندہ ہوئی۔

کندھے سے لٹکتے بیگ کی تڑی کو تھامتی وہ اس کے پیچھے پیچھے زینے چڑھنے لگی۔ جب وہ اوپر پہنچ گیا تو بنار کے بیگ کو گھسیٹتے ہوئے استقبالیہ کاؤنٹر تک پہنچا۔ وہ اب وہاں کھڑی ایک لڑکی سے بات کر رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مہوین جب ہوٹل میں داخل ہوئی تو لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس تک گئی۔"مہوین امین کا روم نمبر کیا ہے؟"

"سر.. روم نمبر ایک سو پانچ۔"اس نے سر ہلایا پھر پلٹا۔"وہ.. آپ میرا بیگ چھوڑ دیں۔ میں خود لے جاؤں گی۔"بہت سی ہمت جتاتے وہ یہ کہہ پائی تھی۔

کاؤنٹر پر سے کمرے کی چابی اٹھاتے وہ اپنے بیگ کو دیکھ رہی تھی۔ خود تو راحم نے ایک ہی بیگ ساتھ لایا ہوا تھا جو کہ سیاہ رنگ کا تھا۔ کندھے کے ساتھ چپکے اس بیگ کو دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ دو چار کپڑوں کے جوڑے ہی ہوں گے۔

"کوئی بات نہیں۔ ویسے بھی ہمارے کمرے آمنے سامنے ہی ہیں۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں جہاں آپ جا رہی ہیں۔"وہ کہہ کر لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے لپکی۔

ایک اور مصیبت۔ان کا کمرہ مختلف منزل پر بھی تو ہو سکتا تھا۔اس نے خود سے کہتے چہرے کے زاویے بگاڑے۔

لفٹ آئی تو دونوں سوار ہوئے۔ان کے بیچ اور بھی لوگ موجود تھے۔تیسری منزل کا بٹن دباتے راحم نے چند قدم پیچھے لئے۔لفٹ دوسری منزل پر پہنچ کر کھلی تو چند ایک اور مرد اس میں سوار ہوئے۔اب کہ صرف مہوین ہی ایک اکیلی لڑکی اس میں موجود تھی۔

وہ دبک کر لفٹ کی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔راحم کی نظریں بے ساختہ اس پر اٹھیں جو نظریں جھکائے نا جانے زمین پر کیا ڈھونڈ رہی تھی۔اُسے پل بھر کے لئے لگا جیسے وہ گھبرا رہی ہو۔

لفٹ اوپر جا رہی تھی اور پانچ سے چھ مرد کبھی ادھر ہوتے تو کبھی ادھر۔لفٹ تیسری منزل پر رکنے کے بجائے چوتھی منزل پر جا ٹھہری۔دروازہ کھلا تو مزید دو مرد اندر قدم رکھ چکے تھے۔

جب آخری مرد سوار ہوا تو مہوین کے آگے کھڑا ایک لڑکا یکدم پیچھے ہوا۔اس سے پہلے کہ اس کی پشت مہوین کو لگتی۔راحم نے اس کی پشت پر اپنا بھاری ہاتھ رکھتے اُسے آگے کی طرف کیا جس پر اُس نے پیچھے مڑ کر پہلے راحم کو دیکھا اور پھر مہوین کو۔پھر سوری کہہ کر ذرا سا آگے ہو گیا۔

"مہوین..."آواز پر اس نے گردن موڑی۔"جی؟"

"یہاں آکر کھڑی ہو جائیں۔"اُسے لفٹ کے کونے کی طرف کھڑے ہونے کا کہا جہاں دو سیکنڈز پہلے وہ خود کھڑا تھا۔وہ اس کی بات مانتے عین اس کے پیچھے آن کھڑی ہوئی تھی۔اور وہ اس کی حفاظت کے لئے اُسے اپنے سراپے سے بلاک کر چکا تھا۔

بالآخران کی منزل بھی آ ہی گئی تھی۔دو تین مرد نکلے تھے اور چار ابھی بھی سوار تھے۔"جگہ دیں۔"وہ آواز بلند کرتا سب کو ایک ایک کر کے لفٹ سے باہر نکال چکا تھا۔پھر سب کے نکلتے مہوین آرام سے نکل پائی تھی۔

لفٹ کی دائیں طرف کمرہ نمبر ایک سو پندرہ تھا۔وہ آگے آگے چل رہی تھی۔چند کمروں کے فاصلے پر اس کا کمرہ تھا اور ٹھیک اس کے سامنے کمرہ نمبر ایک سو بیس یعنی راحم کی رہائش گاہ۔

مہوین نے فوراً چابی سے کمرہ کھولا۔دروازہ کھولتے داخل ہوئی تھی۔راحم نے احتیاط سے اس کا سوٹ کیس دروازے میں رکھا اور خود پلٹ گیا۔

"تھینک یو۔"

ناولز کلب
Club of Quality Content

عقب سے آواز آئی تو اُسے قدرے حیرت ہوئی۔وہ بنا رُخ موڑے سر ہلاتا اپنا کمرہ کھول کر اندر داخل ہو چکا تھا۔

سب کو وقت پر کھانا ملا تھا۔وہ بھی اپنے اپنے کمروں میں۔مہوین نے کھانا کھا کر ایک گھنٹے تک اِشفا سے کال پر بات کی تھی۔

・・—・ʚɞ・—・・

اگلے دن کی صبح اسلام آباد کے اُس ہسپتال میں چہل پہل جاری تھی۔ مریض تو مریض ڈاکٹر بھی افراتفری میں ادھر اُدھر بھاگنے میں مصروف تھے۔ کیونکہ آج پیر کا روز تھا۔ عموماً اس روز ہسپتال مریضوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔

اس کی حالت کے پیشِ نظر اس کو الگ کمرہ دیا گیا تھا۔ پیر میں گولی لگنے کے باعث اسے پیر کا کوئی انفیکشن ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا بخار نہیں جاتا تھا۔ اور ایجنٹ ٹو کے ساتھ یہ سب قدرتی طور پر پیش آیا تھا۔ اس میں اس کی کسی بھی قسم کی کوئی کارستانی شامل نہیں تھی۔

اُسے معلوم تھا آج کے دن اُسے کیا کرنا ہے۔

کچھ دیر قبل ہی ایک نرس اُس کے جسم کا درجہ حرارت پر کھ کر گئی تھی۔جو کہ ایک سو ایک تھا۔خدا ہی جانتا تھا کہ وہ اتنے مہینوں سے کیسے اس کیفیت کو جھیل رہا تھا۔لیکن آج اُسے اپنا آپ کافی حد تک بہتر محسوس ہوا تو اس نے آج ہی کارنامہ سرانجام دینے کا سوچا۔

ڈاکٹر کے معائنے کا وقت ایک جیسا نہیں ہوتا تھا۔ہر روز اوقات بدلتے تھے۔کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر اس کو دیکھنے آیا تھا۔یعنی اب اس کا اگلا پھیرا تقریباً دو گھنٹے بعد لگنا تھا۔اور اس سے اچھا فرار حاصل کرنے کا دوسرا موقع اُسے نہیں ملنا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بخار ایک سو ایک تک پہنچ گیا تھا یعنی جلد ہی مکمل طور پر غائب بھی ہو جانا تھا۔اس لیے اُسے جو کچھ کرنا تھا آج کے آج ہی کرنا تھا۔

اپنے بازو میں سے کینیولا نکالتے وہ کراہتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔اس کی کسٹڈی المیر سے راحم اور اب راحم سے شیخ کو ملی تھی جو کہ اسلام آباد کے اسی علاقے کا ایس ایچ او تھا۔

کمرے کے باہر دو اہلکار موجود تھے۔ راحم کی زیرِ نگرانی چار اہلکار ہر وقت کمرے کے باہر موجود رہتے تھے۔ جو کہ ہر ایک گھنٹے بعد اندر جھانکتے رہتے تھے۔

اس نے بیڈ سے نیچے قدم رکھے۔ ٹانگوں میں جیسے نا جانے کتنے سالوں بعد جان آگئ تھی۔ ایک ٹانگ سن تھی اور دوسری پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جس پر زور ڈالنے سے سختی سے روکا گیا تھا۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا کمرے کی کھڑکی کے پاس آیا۔ جہاں سے پردے کو ہٹاتے اُس نے دونوں اہلکاروں کو اپنے اپنے فون پر مصروف پایا۔

سکھ کا سانس لیتے وہ واپس مڑا۔ ڈاکٹر نے درد کم کرنے کے لئے پینکلرز لینے کی تائید کی تھی۔ اور وہ اس وقت اس کے بیڈ کے ساتھ رکھی میز پر موجود تھی۔ اس نے اُس میں سے دو گولیاں نکالتے پانی کے ساتھ لیں۔

کیونکہ جو وہ کرنے جا رہا تھا اس کے لیے اُس کے درد کا کم ہونا لازم تھا۔

ایک کھڑکی باہر کی طرف کھلتی تھی۔ حالانکہ پہلے اُسے ایسے کمرے میں رکھا گیا تھا جہاں پر بالکل بھی ہوا دوا کے لیے کھڑکی نہیں تھی۔ لیکن اُسے ایک دو دفعہ پینک اٹیک آئے تھے۔ یعنی اُس نے اداکاری کی تھی۔ جس کے باعث اسے دوسری منزل کے اس کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

کھڑکی کو کھولتے اس نے اونچائی کا اندازہ لگایا۔ پھر چہرہ موڑا۔ ایک لمبا سا لوہے کا پائپ اوپر سے نیچے تک جا رہا تھا۔ ایک گہری آہ بھرتے اس نے بیڈ پر سے سفید چادر کھینچ کر اتاری۔

Clubb of Quality Content

پھر اس کا ایک کونا پکڑ کر ذرا سا آگے کو ہوتے پائپ کے ساتھ کس کر باندھا۔ اور دوسرا کونا اپنی کمر کے گرد باندھ لیا۔

پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے کھڑکی کی کناری پر بیٹھا۔ پیر کافی حد تک دکھ رہا تھا۔ پر اس درد کو نظر انداز کرتے وہ بڑی مہارت سے دونوں ہاتھ پائپ کے گرد جما چکا تھا۔

اب کہ وہ صرف اور صرف اس پتلی سی چادر اور پائپ کے رحم و کرم پر تھا۔ بنا نیچے دیکھے وہ بنا آواز کے نیچے اترتا گیا، اترتا گیا۔ پیروں میں چپل نہ ہوتے کی وجہ سے اُسے دیوار کافی حد تک کھردری محسوس ہو رہی تھی۔

پانچ منٹ مزید لگے اور اس کے بعد اس کے پیر پتھریلی زمین سے ٹکرائے تھے۔ نیچے پہنچتے ہی اس نے فوراً چادر اپنے گرد سے اتاری تھی۔ آگے پیچھے نظر گھماتے وہ پچھلے گیٹ سے باہر نکلتا چلا گیا۔ اور آخر کار اُسے راہِ فرار مل ہی گئی تھی۔

گردن کو دائیں بائیں ہلاتے وہ چلتا گیا۔ چلتا گیا۔ اور پھر دو سڑکوں کو پار کرتے جب ہسپتال سے فاصلے پر ہو گیا تو ٹیکسی پکڑ کر اس میں بیٹھ گیا۔ اور ٹیکسی اُس اور چل پڑی جہاں جانے کی اُس نے پچھلے دو مہینوں سے ٹھان رکھی تھی۔

اسی دن کی شام اِشفا گھر آئی ہی تھی کہ گھر کی گھنٹی بجی۔ وہ واپس دروازہ کھولنے بڑھ گئی۔ لیکن دروازے پر وہاج کو دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔

"وجی... تم!" اُسے لگا المیر بھی آیا ہو گا اس لئے اُس نے گیٹ کھول کر اُسے آنے کا راستہ دیا اور خود باہر جھانکنے لگی۔ "بھابھی... بھائی نہیں آئے۔ میں اکیلا آیا ہوں۔"

"آجاؤ وجی... بتاؤ کیسے ہو؟" وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی اندر بڑھی۔ دونوں آرام سے صوفے پر نشست ہو چکے تھے۔ "میں ٹھیک ہوں۔ آپ... ٹھیک ہیں؟"

Clubb of Quality Content

وہاج خلیل اور سنجیدگی؟ اِشفا نے اسے سر تا پیر گھورا۔ "میں ٹھیک ہوں پر مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہے۔ کیا ہوا ہے؟"

اِشفا کو پل میں اُس کے تاثرات بدلتے دکھے۔ اُسے لگ ہی رہا تھا کہ ابھی وہ رو دے گا اور بِلا شبہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کے ہونٹ بچوں کی طرح اندر کی طرف مڑے تھے اور ساتھ ہی اس کے آنکھوں سے آنسوؤں کا ڈھیر بہنے لگا تھا۔

"وہاج.. کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟ المیر نے ڈانٹا ہے؟" وہ اس کے پاس فوراً سے پہلے آن بیٹھی۔اس کی کمر کو سہلاتے اُسے دیکھنے لگی۔

پندرہ سیکنڈز تک وہ مسلسل روتا گیا۔ پچھلے دو ہفتوں کا غبار اب آنسوؤں کی صورت نکل رہا تھا۔جب خود پر قابو پالیا تو آنسو صاف کر کے اُسے دیکھا۔"آپی.. آپی مجھے معاف کر دیں۔ آئی-آئی ایم سو سوری..." وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہا تھا۔اِشفا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کس بات کی معافی مانگ رہے ہو، و.جی؟ پاگل ہو گیا؟" اس نے اُسے ڈپٹتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو ایک ہاتھ میں پکڑا۔"میری ماما کی وجہ سے.. میری ماما کی وجہ سے آپ کے ساتھ اتنا سب ہو گیا۔" وہ ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔

اِشفا کو اُس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔"تم کیوں معافی مانگ رہے ہو، وہاج؟ اس سب میں تمہاری کیا غلطی؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں.. میں ان کا سگا بیٹا ہوں ناں...وہ میری ماما ہیں۔مجھے.. میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری ماما ایسا کریں گی۔میں.. میں بیشک بھائی کا سگا بھائی نہیں ہوں پر۔۔پر قسم سے میں بہت شرمندہ ہوں۔میں.. میں بالکل بھی ان جیسا نہیں ہوں۔آپ میرا یقین۔"

"چپ کرو،و.جی۔میں ماروں گی تمہیں اب۔"اس کے کان کو زور سے پکڑ کر کھینچا۔"آپی میرا کان..."اس نے چہرہ دور کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں چھوڑوں گی۔تم نے سوچا بھی کیسے کہ تم المیر کے سوتیلے بھائی ہو؟ان کو یہ پتا چلا تو تم جانتے ہوا نہیں کتنا دکھ ہو گا؟"کان چھوڑ کر اب وہ اُسے افسوس سے دیکھ رہی تھی۔

وہ ندامت کا شکار ہوتے نیچے دیکھ رہا تھا۔"تم ہمیشہ سے ہمارے بچے تھے،و.جی۔اور ہمیشہ ہم سب کے لئے بچے ہی رہو گے۔مجھے نہ کبھی تم سے کوئی شکوہ تھا،اور نہ ہے۔تم اپنی ماں کی طرح نہیں ہو.. جانتے ہو کیوں؟"

اس نے نظریں اُٹھائیں۔"کیونکہ تم المیر کے ہاتھ میں بڑے ہوئے ہو۔انھوں نے تمہیں پالا ہے۔تم اپنی ماں سے زیادہ ان کے بچے ہو۔"

اس کی آنکھ سے ایک آنسو پھسلا۔"میں جانتا ہوں میں غلط سوچ رہا ہوں۔لیکن میں کیا کروں؟ مجھ سے پہلے میری بہن اور پھر میری ماں دور ہو گئی۔میں کیا کروں،آپی؟"

وہ اُسے دیکھے گئی اور سوچتی گئی کہ کیا کہے۔"تمہیں لگتا ہے تمہاری ماں کو سزا نہیں ملنی چاہیے؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اُس نے سر نفی میں ہلایا۔"نہیں..انہوں نے ایک نہیں بہت سی زندگیاں برباد کی ہیں۔میں ایسی عورت کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا،آپی۔"

"اور تم المیر کو قصوروار بھی نہیں سمجھتے ناں؟"

"نہیں.. وہ میرے بھائی ہیں۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ خود سے بھی زیادہ۔" مسکرا کر کہہ گیا تھا۔

"گڈ.. "کچھ سوچتے ہوئے چپ کر گئی۔ "وہاج ایک مشورہ دوں؟"اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ "انکل کو اب تمہاری سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ تم چھوٹے ہو.. المیر کام پر جاتے ہیں۔ وہ انکل کو ویسے وقت نہیں دے سکتے جیسے تم دے سکتے ہو۔ اس لئے انکل کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارا کرو۔"

اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ "میں پوری کوشش کر رہا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔"

··—·◌·—··

یہ ہفتے بعد کا منظر تھا کہ احمد مرزا کی کال اس کے فون پر آنے لگی۔ "جی سر؟"

"المیر.. خضر غائب ہو گیا ہے۔"

وہ جو بیڈ پوسٹ کے ساتھ پشت ٹکائے بیٹھا تھا اچانک آگے کو ہوا۔"کب؟"

"آدھا گھنٹہ پہلے.. آج اس کی طبیعت خراب تھی۔اس لئے میں نے اُسے گھر پر ہی رہنے کا کہہ دیا۔لیکن ابھی گھر آیا ہوں تو وہ گھر پر نہیں ہے۔اور اس کا فون بھی نہیں ہے۔"

"آپ ٹینشن نہ لیں۔میں کچھ کرتا ہوں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"سر یہ رہا اس کا فون.."سلیم نے خضر کا فون لا کر اس کے سامنے میز پر رکھا۔"سوسائٹی کے باہر گھاس میں گرا ہوا تھا۔میرے خیال سے اُسے اغواہ کار پہلے سوسائٹی سے باہر لے کر آیا اور پھر اس کا فون وہاں پھینک کر اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔"

"وہاں تو کوئی کیمرا ابھی نہیں ہے۔" المیر نے تاسف سے کہا تھا۔ "ٹریکر آن ہوا اس کا؟"

"نہیں سر.. جب تک وہ اُسے آن نہیں کرتا تب تک ہم اُسے ٹریک نہیں کر سکتے۔" سلیم فوراً بولا تھا۔

وہ دونوں اس وقت سلیم کے گھر پر موجود تھے۔ تَوقع کے مطابق خضر اغواہ ہو گیا تھا۔ لیکن دشمن کو ڈبل کراس کرتے اُس کی انگھوٹی میں ایک ٹریکر لگایا گیا تھا جو کہ اُسی انگھوٹی میں لگے ایک بٹن سے آن ہوتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ سب المیر خلیل کے پلان کا حصہ تھا۔

لیکن ابھی تک خضر نے ٹریکر آن نہیں کیا تھا۔ اس لئے اس تک پہنچنا ناممکن تھا۔ یہ ایک خاص قسم کا ٹریکر تھا جو خاص خضر کے لیے ڈیزائن کروایا گیا تھا۔ تاکہ جب دشمن اس کی تلاشی لیں تو ٹریکر چھپا رہے اور کسی بھی ڈیوائس سے سامنے نہ آ سکے۔

"خضر کی غیر موجودگی کی کسی کو بھی کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔" سلیم نے سر اثبات میں ہلاتے اس کی مخالف نشست پر جگہ بنالی تھی۔

ستمبر کا آخری ہفتہ باقی تھا۔ کشمیر کا موسم ہر گزرتے دن کے ساتھ بدلتا جارہا تھا۔ یہاں کی نم گھاس کی مہک انسان کے حواسوں پر چھاجاتی تو گویا انسان خوابوں کی دنیا کی سیر کرآتا تھا۔

یہاں کا ہر ایک علاقہ تفریح کے قابل تھا۔ ہوائیں ایسی تھیں کہ روح کو سکون حاصل ہو جائے۔ رات کو فلک پر تارے بھی ایسے ٹمٹماتے جیسے بنے ہی یہاں کے لئے ہوں۔

ایسے میں اگر ہم کشمیر کے مخصوص ہوٹل کے کمرہ نمبر ایک سو پانچ پر نظر ثانی کریں تو ہمیں مہوین امین سنہرے رنگ کی فراک میں ملبوس نظر آئے گی۔

بالوں کو نفاست سے پونی میں مقید کیے اس نے سر پر اُسی رنگ کا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔آج اُسے یہاں آئے تین ہفتے مکمل ہو گئے تھے۔باقی تھا آخری ہفتہ۔اور اس کے بعد اس کی منزل بدل جانی تھی۔

کچھ دیر پہلے ہی ایک فیلو ڈاکٹر نے اُسے آ کر بتایا تھا کہ آج ہوٹل کے باہر بگیچے میں ایک چھوٹا سا کھانے پینے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔پہلے تو اس کا دل کیا کہ انکار کر دے۔لیکن جب سے وہ یہاں آئی تھی مسلسل مریضوں کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی۔اس لیے وہ مان گئی تھی۔

لیکن اس کا ذہن صرف ایک ہی شخص کے گرد طواف کر رہا تھا۔وہ جو اُسے اتنے دنوں سے روز صبح دکھتا تھا۔جب ناشتہ کر کے کمرے سے نکلنے لگتی تب ہی وہ بھی اپنے کمرے سے نکلتا تھا۔دونوں کی نظریں روز ٹکراتی تھیں۔وہ مسکرا کر سلام کرتا تھا اور یہ نظریں چُرا کر جواب دیتی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سنگھار میز پر سے اپنا فون اٹھاتے وہ کمرے سے نکلی۔اس کے کمرے کی جانب نظریں اٹھائیں۔بتیاں بند تھیں یعنی وہ یہاں نہیں تھا۔ایک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ لفٹ میں سوار ہوئی اور پھر بگیچے کی اور چل دی۔

جہاں اچھا انتظام کرر کھا تھا۔کھانوں کی خوشبو اس کی ناک کو چھیڑ رہی تھی۔ان سب میں سب سے منفرد مہک بریانی کی تھی۔اُسے بریانی بہت پسند تھی۔

گھاس پر ایک طرف کر کے تین سے چار کرسیاں رکھی گئی تھیں۔جبکہ بیٹھنے کا انتظام نیچے کیا گیا تھا۔چٹائیوں پر دستر خوان بچھائے گئے تھے۔

سارے ڈاکٹرز آچکے تھے۔شاید وہی سب سے دیر سے آئی تھی۔سب کو باری باری سلام کرتے وہ چٹائی کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ان سب میں وہ صرف دانش اور حلیمہ کو جانتی تھی۔ حلیمہ معدے کی ڈاکٹر تھیں اور بہت نفیس خاتون تھیں۔

چند منٹ گزر گئے تھے۔وہ حلیمہ کے ساتھ زیرِ گفتگو تھی۔اس کی دائیں طرف دانش اور بائیں طرف حلیمہ بیٹھی تھیں۔

تب ہی اس کے اطراف میں ایک عجیب سا احساس اجاگر ہوا۔اس نے جھکی نظروں کا زاویہ سامنے کی سمت برقرار کیا اور تب اُسے وہ دور سے آتا نظر آیا تھا۔اس نے آدھی آستینوں والی سیاہ شرٹ اور اس کے نیچے نیلے رنگ کی پینٹ پہنی ہوئی تھی۔

بگیچے میں درخشاں بتیوں کی سفید اور پیلی روشنی اس کی آنکھوں میں پڑی۔زمرد رنگ واضع ہوا۔وہ مسکراتا ہوا چلا آرہا تھا اور اس کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ مہوین کا دل جیسے دھیرے دھیرے دھڑکنا بھول رہا تھا۔

وہ دستر خوان کے پاس آن رکا۔پھر سب طرف نگاہ دوڑائی۔تین جگہیں خالی تھیں۔ایک ابتدامیں..دوسری اس کے سامنے اور تیسری وہاں جہاں وہ کھڑا تھا۔

انجانے میں اس کی نظر دستر خوان کی دوسری طرف بیٹھے افراد پر اٹھی۔ پھر سفر کرتی اُس پر رکی۔ وہ باتوں میں مشغول تھی۔ وہ بوٹ اتارتا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ دانش نے اُسے سلام کیا تو اُس نے سلام کا جواب دیا۔

پانچ منٹ بعد ہی کھانا پیش کر دیا گیا تھا۔ سب کھانے میں مگن تھے۔ راحم نیچے دیکھ کر کھا رہا تھا اور مہوین کھا نہیں پا رہی تھی۔ ایک تو اس کے سامنے نا جانے اُسے کیا ہو جاتا تھا۔ وہ گھٹنوں کو موڑے بیٹھی تھی۔ اس لئے ایک ٹانگ سے سارا زور دوسری ٹانگ پر ڈالتے اس نے پہلو بدلا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

راحم نے بریانی کی ڈش اٹھا کر اپنے سامنے رکھی۔ سب سے ہوتی ہوتی وہ اب ان کی طرف آئی تھی۔ بہت کم چاول باقی تھے۔ شاید ایک پلیٹ۔

اس نے اُسے اپنے سامنے رکھی پلیٹ میں ڈالا اور ڈش ایک طرف کر کے رکھ دی۔ پھر نظر بے ساختہ مہوین پر اٹھی جو چہرے کے زاویے بگاڑنے میں مصروف تھی۔

کیااس لڑکی کو خبر تھی کہ اس کے ذہن کے تمام تر خیالات اس کے چہرے پر عیاں ہو جاتے تھے؟ کیونکہ اس وقت یہی ہو رہا تھا۔ راحم کو اس کے تاثرات دیکھ کر ہنسی آئی۔ وہ جانتا تھا اس سے اِس کی موجودگی برداشت نہیں ہو رہی ہو گی۔ اور وہ یہ جانتے ہوئے بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

پلیٹ میں چمچ رکھتے اس نے پلیٹ آگے بڑھائی۔ مہوین نے چہرہ اوپر کیا۔ "مجھے.. مجھے بریانی نہیں پسند۔ آپ کھالیں۔" پھر نیچے دیکھنے لگی۔

"جھوٹ بول رہی ہیں؟" وہ مسکرایا تھا کھل کر۔ واقعی اسے جھوٹ بولنے نہیں آتا تھا یا راحم اس کا جھوٹ جلدی پکڑ لیتا تھا؟

"نہیں..." وہ زیرِ لب بڑبڑائی تھی۔

"لیکن اِشفا نے تو بتایا تھا کہ آپ کو بریانی بہت پسند ہے۔" ابرو سے پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ظاہر ہے وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ "میں دے رہا ہوں اس لئے نہیں کھا رہیں؟"

اس کے چہرے کے تاثرات پھر سے بدلے تھے۔راحم کو خبر تھی کہ اب وہ سوچ رہی ہو گی کہ اِشفا نے اسے یہ کیوں بتایا تھا؟اب اسے کون بتاتا کہ وہ جھوٹ بولنے میں ماہر تھا۔

وہ بنا جواب دیے نیچے دیکھتی گئی تو راحم کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔وہ ذرا آگے کو ہوا اور ہاتھ بڑھا کر مہوین کے منہ کے آگے دھری سفید خالی پلیٹ میں اپنی پلیٹ سے بریانی منتقل کی۔ اور پیچھے ہو گیا۔

"اب تو کھا سکتی ہیں ناں.."ایک صاف ستھری چمچ چمچوں کی پلیٹ سے اٹھا کر اس کے آگے کی۔اُس کے خیال میں اب وہ دل ہی دل میں اُسے سو باتیں سنا رہی ہو گی۔

لیکن اُس نے بنا کچھ کہے چمچ اس کے ہاتھ سے لے لی۔

دیکھتے ہی دیکھتے سب کھانا کھا چکے تھے۔دستر خوان خالی ہو چکا تھا اور رات بھی گہری ہو گئی تھی۔ٹھنڈ اب کچھ بڑھ گئی تھی۔

چند افراد ایک ایک کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔باقی کے سب کھڑے تھے کیونکہ کرسیاں کم تھیں۔اس لئے ہوٹل کے اسٹاف کے دو لوگ باقی کی کرسیاں لینے گئے تھے۔

دو کرسیاں خالی تھیں۔مہوین ایک طرف ہو کر اِشفا سے فون پر بات کرنے میں مصروف تھی۔جبکہ راحم بھی کسی کو کال کر رہا تھا۔ان دونوں کی کال ایک ساتھ ہی اختتام کو پہنچی تھی۔

مخالف دشاؤں سے چلتے چلتے وہ دونوں خالی کرسیوں تک پہنچے۔لیکن ان کے پہنچتے ہی دانش کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔اب کہ صرف ایک آخری کرسی باقی تھی۔ان دونوں کی نظریں ملیں..ایک بیٹھتے ہوئے جھجک رہی تھی اور دوسرا احتراماً بیٹھ نہیں سکتا تھا۔

راحم نے قدم بڑھائے اور کرسی تک گیا۔کرسی دانش کے پاس سے اٹھا کر وہاں لے آیا جہاں مہوین کھڑی تھی۔اس کے نزدیک لا کر زمین پر رکھ دی۔"بیٹھیں۔"

وہ حیران سی ہوتی اُسے دیکھنے لگی۔ وہ جتنا اس سے دور بھاگتی تھی وہ اتنی ہی پیاری پیاری حرکتیں کر کے اس کے دل کو پگھلا دیتا تھا۔

"نہیں.. آپ بیٹھ جائیں۔ میں کچھ دیر کھڑی رہنا چاہتی ہوں۔" ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ بیٹھ جاتی اور راحم جو کہ اس سے دور بڑا تھا کھڑا رہتا۔

ایک تو وہ اس کے سامنے کشمکش کا شکار ہو جاتا تھا ہمیشہ۔ وہ دونوں ہی کھڑے رہے جب تک کہ مزید کرسیاں نہیں آ گئیں۔ کرسیاں لا کر مخالف سمت میں رکھیں۔

Clubb of Quality Content!

تب ہی ایک آواز نے انہیں متوجہ کیا۔ "راحم.. آپ ادھر آ جائیں۔" ڈاکٹر سبینا کی آواز تھی یقیناً۔ بنا انہیں دیکھے ہی وہ پہچان گئی تھی۔

وہ اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ اسی اور چل دیا جہاں سبینا نشست تھیں اور کرسیاں بھی موجود تھیں۔ گیارہ بارہ خالی کرسیوں کی قطار میں سے اس نے ایک کرسی اٹھائی پھر کھینچتا ہوا مہوین کی کرسی کے پاس لے کر آ گیا۔ وہ اب نشست ہو چکی تھی۔

مہوین نے جب اُسے سبینا کی جگہ اپنے ساتھ کرسی رکھ کر بیٹھتے دیکھا تو دل خوشی سے چھلانگیں لگانے لگا۔ لیکن پھر.. اُسے وہ وعدہ یاد آگیا جو راحم نے اس کی بہن سے کیا تھا۔ کہ اس کی حفاظت کرے گا۔ شاید اسی لئے وہ اس کے ساتھ ساتھ موجود تھا۔

آدھا گھنٹا مزید وہ سب بیٹھے رہے۔ باتوں کا سلسلہ چٹان پر چڑھ چکا تھا۔ کبھی کوئی ایک مذاق کرتا تو کبھی کوئی دوسرا۔ راحم بھی بڑھ چڑھ کر اس محفل میں حصہ لے رہا تھا۔ سب کے پھیکے مزاقوں کے آگے اس کا سالوں پرانا سینس آف ہیومر قابل تعریف تھا۔

"راحم.. آپ کے آگے کے کیا سینز ہیں؟ آپ نے آگے کیا کرنا ہے اب؟" عورتوں سے بھری اس محفل میں سبینا کے علاوہ بھی آخر کار کسی نے اس کو پکارا تھا۔

مہوین نے اُکتائی ہوئی نگاہ ڈالی۔ سب کے سب ہی دل پھینک تھے۔ آخر کار اس نے آنکھیں گھمانے کی اپنی عادت پر آج قابو پا ہی لیا تھا۔ اشفا اور اس میں یہ ایک منفرد عادت تھی۔

Clubb of Quality Content!

راحم اب اس کے سوال کا جواب دے رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے مزید کچھ لیڈی ڈاکٹرز نے اس سے سوال کی لمبی فہرست کھول ڈالی۔ یہ سب تو شروع سے ہی راحم رضا احمد کو چاہتی تھیں۔ جب سے اس نے ہسپتال میں نوکری شروع کی تھی تب سے اُسے روز یہی سننے کو ملتا تھا کہ ایک راحم نامی بندہ ہے اور بہت ہینڈسم ہے۔

لیکن اُس وقت وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ راحم یہ راحم تھا جسے وہ جانتی تھی۔ اُس ٹائم تو تعریف کے پُل باندھتے ان کے الفاظ سے اُسے کچھ خاص فرق نہ پڑتا تھا لیکن آج نا جانے کیوں...

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے سوچتے ہوئے سر زور سے جھنجھوڑا۔ اس کے ارد گرد وہ منٹ کے لئے بھی نارمل انسان کی طرح برتاؤ نہیں کر پاتی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر بیچوں بیچ رکھی میز پر سے پانی کی بوتل اٹھائی اور دھیرے سے اس کا ڈھکن کھول کر منہ سے لگایا۔

"جیلیس ہو رہی ہیں؟"

الفاظ شناسا آواز میں سن کر بے اختیار اس کے منہ میں جاتا پانی فوارے کی مانند باہر کو آیا تھا۔ اسی لمحے راحم نے منہ کے آگے اپنی بند مٹھی رکھ کر ہنسی دبانے کی کوشش کی۔اس نے کھانستے ہوئے ایک غصیلی نگاہ راحم پر ڈالی تو وہ فوراً سیریس ہوا۔

ایک تو پہلے ہی اس کا یہاں بیٹھنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔اوپر سے راحم کی اُس بات کے بعد اس نے ٹھان لی کہ اب مزید نہیں بیٹھے گی۔اس لئے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ اُسے اپنی سبز آنکھوں سے دیکھے گیا۔اب ایسا بھی اس نے کچھ نہیں کہا تھا کہ وہ ناراض ہی ہو گئی۔وہ چپ چاپ سی دور جا رہی تھی۔کچھ سوچتے ہوئے وہ بھی اس کے پیچھے اٹھا۔لیکن اس سے پہلے اپنی کالی جیکٹ اٹھانا نہ بھولا تھا۔

وہ باگیچے سے نکل کر سڑک کی طرف بڑھ رہی تھی۔شاید فٹ پاتھ پر چہل قدمی کا ارادہ رکھتی تھی۔وہ بے آواز قدموں کے ساتھ اس کے پیچھے سے اس کے ساتھ آن ٹھہرا پھر قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

"ناراض ہو گئی ہیں؟"

"اوہوں.." سر نفی میں ہلایا گیا۔ "مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں پھر؟"

اس نے شانے اچکائے۔ "میں برداشت نہیں ہوتا آپ سے؟"

اس نے گردن ترچھی کر کے اُسے گھور کر دیکھا تو راحم نے خوف کھاتے چند قدم پیچھے لئے۔ وہ جو کسی سے نہیں ڈرتا تھا، اُس کی غصیلی آنکھوں سے ڈرنے لگا تھا۔

Clubb of Quality Content!

"آپ سے یہ کس نے کہا؟"

"آپ کی آنکھوں نے۔ جو مجھے دیکھتے ہی رنگ بدل لیتی ہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا اور وہ چہرے کے زاویے بگاڑ رہی تھی۔

"غلط فہمی کا شکار ہیں آپ۔" آپ پر زور ڈالتے اس نے قدموں کی رفتار بڑھادی تھی۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ خوش فہمی کا شکار ہے اس کا دل تب ہی اس کی آنکھیں رنگ بدلنے لگتی ہیں۔

"ایک سوال پوچھوں آپ سے؟"

اس نے ایک گہرا سانس اندر کھینچتے باہر خارج کیا۔ "جی۔۔"

"آپ کو میں نہیں پسند ہے ناں؟ آپ اس لئے مجھ سے چڑتی ہیں کیونکہ میں نے آپ سے ہماری پہلی ملاقات میں جھگڑا کیا تھا۔"

پہلی نہیں دوسری...زبان سے پھسلتے پھسلتے تھما تھا۔

ان پیاری آنکھوں کو اس کے چہرے کو دیکھتے ان کی پہلی ملاقات کیسے یاد نہیں آتی تھی؟ جبکہ مہوین اپنی اس سے دوسری ملاقات میں اُسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

غیر ضروری۔بس یہی الفاظ اس کے ذہن میں آتے تھے اور اس کی حالت پر بیٹھتے بھی تھے۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"آئی ایم سوری.. اس دن کے لئے۔میں آپ پر غصہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔بیشک میں آپ کو برا لگتا ہوں پر اتنا بھی برا نہیں ہوں اب۔" چہرہ جھکا اور ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"دراصل اُس دن میں بہت پریشان تھا.. عالیہ کو لے کر۔" وہ وضاحتیں دینے کا قائل نہیں تھا۔پر آج دے رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مہوین کا دل چاہا ادھر ہی بیٹھ کر رونے لگ جائے۔وہ اس سے زیادہ اُس سے محبت نہیں کر سکتی تھی۔اور ہر گزرتے پل کے ساتھ وہ اُسے احساس دلاتا تھا کہ وہ اُس کے دل میں جگہ بنا رہا ہے اور بناتا رہے گا۔

وہ اُسے کیا کہتی آگے سے؟ وہ اُس سے اُس حرکت کی معافی مانگ رہا تھا جس کو بھولے اُسے زمانے ہو گئے تھے۔

"میں...میں..راحم.."اس کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔اس نے پہلی مرتبہ اس کا نام اس طرح لیا تھا۔وہ رک گیا کیونکہ وہ بھی رک کر اُسے دیکھ رہی تھی۔"..آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔آپ کو معافی مانگنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔"

وہ اس کی زبان سے اپنے لئے بے رُخے الفاظ تو سن سکتی تھی پر اس سے معافی کے بول سننا اُسے ہرگز بھی منظور نہیں تھا۔

"یعنی آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟"

وہ اُس سے کیسے ناراض ہو سکتی تھی جو دنیا کا سب سے خوبصورت دل رکھنے والا تھا؟ اُسے شکوے تھے تو صرف اپنے آپ سے۔

Clubb of Quality Content

سر نفی میں ہلایا۔"میں ناراض نہیں ہوا کرتی۔"اور وہ واقعی ناراض نہیں ہوتی تھی۔

"یعنی اگر آپ کو کسی کی بات بری لگتی ہے تو آپ اُسے در گزر کر دیتی ہیں؟"چاند کی روشنی بھوری آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔وہ اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"نہیں..میری زندگی بہت کم لوگوں پر مشتمل ہے۔اور وہ لوگ میرا دل نہیں دکھاتے۔اس لئے ناراض یا خفا ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔وہ لڑکی بہت مختلف تھی۔

"اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو کیا میں آپ کو اپنی جیکٹ آفر کر سکتا ہوں؟"وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔یا اللہ یہ شخص اس قدر مسکراتا کیوں تھا؟

اس نے مسکان سے نظر ہٹاتے اس کے سوال پر غور کیا۔ جیکٹ؟ آنکھوں میں سوال لئے وہ اُسے دیکھے گئی جب اُس اونچے لمبے شخص نے اپنے کندھے پر ڈالی جیکٹ اتاری اور اُس تک بڑھائی۔ "پہن لیں.. بیمار پڑ جائیں گی۔"

اس نے پہلے اس کے ہاتھوں میں پکڑی اُس سیاہ جیکٹ کو دیکھا اور پھر ان آنکھوں کو۔ "آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟"

وہ الجھا.. "کیا مطلب؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آپ میری فکر کیوں کر رہے ہیں؟"

"فکر کرنا بری بات ہے؟" سبز آنکھیں بھوری آنکھوں سے ملیں۔

"بے جا فکر کرنا بری بات ہے۔ اور وہ بھی جب سامنے والا اجنبی ہو۔" تلخ ہی سہی پر حقیقت تو تھی۔

"میں اجنبی ہوں... کیا واقعی؟" وہ آنکھیں بڑی کر کے اُسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اُس نے نہایت ہی غلط بات کر دی ہو۔

"آپ اور میں.. ہم ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ یعنی ہمیں ایک دوسرے کی عادات کا علم نہیں ہے۔ اور جن کی عادات سے ہم لاعلم ہوتے ہیں، ان کی فکر کرنا بیوقوفی ہوتی ہے۔" وہ ہمیشہ اُسے ایسی ہی کوئی نصیحت کرتی تھی اور وہ اُلجھ کر رہ جاتا تھا۔

"آپ بھلے مجھے نہ جانتی ہوں۔ پر میں آپ کو جانتا ہوں، مہوین۔ آپ کیوں اتنی بے رخی کا مظاہرہ کرتی ہیں؟" یہ واحد لڑکی تھی جس سے بات چیت کرتے ہوئے وہ بے چین ہو جاتا تھا۔

"آپ مجھے نہیں جانتے.. اگر آپ مجھے جانتے ہوتے تو سالوں پہلے-" وہ کہتے کہتے سنبھل گئی تھی۔ جب حقیقت کا ادراک ہوا کہ زبان سے کیا اعتراف ہونے والا تھا تو اس نے رخ پھیر لیا۔

"سالوں پہلے کیا؟" وہ آگے بڑھ گئی تھی.. تیز تیز قدموں کے ساتھ۔اور وہ اس کے پیچھے اس سے قدم ملانے کی کوشش میں تھا۔"مہوین..."

کیوں لیتا تھا وہ اس کا نام ؟ کیوں پکارتا تھا اُسے اتنا؟ کیوں تھا وہ اس قدر دل کو بھا جانے والا ؟

وہ ٹھنڈ سے مخالف بازوؤں پر ہاتھ رکھے انہیں سہلا رہی تھی۔اس نے واپس ہوٹل جانے کی راہ پکڑ لی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اگر وہ حق رکھتا ہوتا تو اس کے تردّد کو ان سنا کرتے اُسے جیکٹ پہنا دیتا۔لیکن وہ حق نہیں رکھتا تھا اور زور زبردستی کی اُسے عادت نہیں تھی۔

ان کی واپسی خاموشی کی نظر ہو گئی۔وہ دونوں ہوٹل میں داخل ہوئے۔ایک ساتھ ہی لفٹ میں سوار ہوئے اور اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

چابی لگاتے دونوں نے کمروں کے دروازے کھولے تو راحم اندر بڑھنے ہی لگا تھا جب اُسے آواز آئی تھی۔ "سالگرہ مبارک آپ کو۔" اور وہ یہ کہتے ہی اندر بڑھ کر دروازہ بند کر چکی تھی۔

وہ تعجب کا شکار ہوتا کبھی اس کے کمرے کو تو کبھی گھڑی کو دیکھے گیا۔ دیوار پر لگی گھڑی رات کے بارہ بجا رہی تھی۔ جب اُسے اپنی سالگرہ یاد نہیں تھی تو اس کو کیسے تھی؟

فون کی اسکرین جلاتے اس نے تاریخ دیکھی۔ پچیس ستمبر۔

ایک گہرا سانس لیتے وہ کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

اگلے دن کی ایک کڑکتی صبح پیلی اور نارنجی روشنی یک سو پھیلی ہوئی تھی۔وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے سیفان کی بائیک ٹھیک کروانے مکینک کی دکان پر آئی ہوئی تھی۔یہ اسلا آباد کی وہ سڑک تھی جہاں پیر کے روز بھیڑ اکثر بڑھ جایا کرتی تھی۔

اور دوپہر کے قریب تو بندے پر بندہ چڑھا ہوتا تھا کیونکہ پاس ہی میں جناح سوپر مارکیٹ تھی جہاں پکوڑے، سموسے اور روزمرہ کا باقی سامان دستیاب ہوتا تھا۔

گردن کو دائیں بائیں ہلاتے وہ تھکی ماندی سی لکڑی کی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔آج وہ آفس نہیں گئی تھی کیونکہ آج کام سے اس کی چھٹی تھی۔

"انکل اور کتنا ٹائم لگے گا؟"

"بس بیٹا آدھا گھنٹہ۔" چہرہ موڑ کر اُس نے ایک گہرا سانس کھینچا۔پتا نہیں کون کمبخت اس وقت ہانڈی بنا رہا تھا۔چار سو خوشبو نے بسیرا کر رکھا تھا۔

اگلے دس منٹ وہ انتظار کرتی رہی۔ پھر تنگ آکر اٹھی۔ ارادہ تو اس کا تھا کہ مارکیٹ میں جا کر کپڑے دیکھ لے پر کسی اور منظر نے اس کے ذہن کو اپنے حصار میں لے لیا۔

اس نے چہرہ بائیں طرف موڑا۔ کچھ دوری پر ایک لڑکی کندھے سے بیگ لٹکائے سکول یا کالج کے سفید کپڑوں میں دھیرے دھیرے چل رہی تھی اور اس کے عین پیچھے ایک بیس سے بائیس سالہ لڑکا خاموش قدم لیتا جا رہا تھا۔

پہلے تو اُسے لگا کہ شاید دونوں کا آپس میں کوئی رشتہ ہو گا لیکن پھر اُسے محسوس ہوا کہ وہ لڑکی کافی ڈری سہمی سی معلوم ہو رہی تھی۔

کوئی بھی ان دونوں کی طرف متوجہ نہ تھا سوائے اشفا کے۔ وہ کچھ سیکنڈز ماجرے کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ کبھی لڑکا اس کی دائیں طرف سے گزرتا تو رک جاتا پھر کبھی اس کی بائیں طرف سے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جب وہ آگے نکل جاتی تو وہ عمل دوہراتا۔اس نے مٹھی بھینچ لی۔ لیکن تضاد تب ہوا جب وہ عین اس کے سامنے آن رکا۔ لڑکی کی پشت اور لڑکے کا چہرہ اشفا ٹھیک سے دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس کا راستہ روک رہا تھا اور لڑکی بیچاری بُت بنے کھڑی ہو گئی۔

اور صحافی صاحبہ کا ضبط اس کے ساتھ ہی ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہ ان تک پہنچی۔

لڑکے کو ردِ عمل دینے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔اشفا کا ہاتھ اس کی شرٹ کے کالر پر تھا جسے زور سے کھینچتے اس نے اُسے اپنی طرف موڑا۔ جیسے ہی وہ پلٹا ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر جھڑ دیا گیا۔ تصادم اتنا زور آور تھا کہ لڑکے کا اگلا دانت ٹوٹ کر زمین پر جا گرا اور اس کے منہ سے خون چھوٹ پڑا۔

وہ سیدھا ہوا تو اس نے ایک لات اس کے پیٹ میں ماری۔ وہ آہ و بکا ہوتا زمین پر ڈھے گیا۔ پھر کیا تھا؟ ایک کے بعد ایک زوردار لات اس کے پیٹ میں لگ رہی تھی۔

"ذلیل آدمی.. لڑکی کو چھیڑو گے تم؟ یہ مردانگی ہے تمہاری؟" وہ اس پر زور آزمائی کر رہی تھی اور زمین بوس ہوا وہ لڑکا سسکیاں بھر رہا تھا۔

قریب دس منٹ تک وہ اُسے مارتی گئی۔ اب کہ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ پلکیں لرز رہی تھیں۔ لوگوں کا ہجوم ان کے ارد گرد حائل ہو چکا تھا لیکن سب لوگ کچھ فاصلے پر موجود تھے۔ ایک نے بھی قدم آگے بڑھانے کی جرآت نہیں کی تھی۔

کچھ لوگ منہ کھولے کھڑے تھے تو کچھ کی آنکھیں باہر آنے کو بے تاب تھیں۔ ظاہر ہے آج کل کے زمانے میں کون لڑکی اس طرح کسی مرد کو مار سکتی تھی؟ کس میں اتنی ہمت اور طاقت تھی کہ ایک مرد کا مقابلہ کرتی۔

عورت ذات اتنی بلندی تو کبھی چھو ہی نہیں پائی تھی کہ حق کے لئے آواز اٹھاتی۔ اپنے حملہ آور کو کس کر لگاتی۔ گھریبان سے پکڑ کر اس کے چہرے کا نقشہ بگاڑ دیتی۔ آج کی عورت تو ڈری ہوئی تھی۔ سہمی ہوئی تھی۔ لرزتی تھی اگر کوئی مرد نزدیک سے گزر بھی جائے۔

رونے لگتی تھی اگر کوئی راہ چلتا آنکھ دبا جائے۔خوف کھاتی تھی اگر کوئی دس سیکنڈ سے زیادہ اُسے گھورے۔زنانہ سماج تو مردانہ سماج سے دبا ہوا تھاناں۔تو پھر یہ لڑکی کون تھی؟

یہ لڑکی نہیں تھی۔ عورت تھی۔وہ عورت جس کی زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی چلتے تھے۔ جو اگر مذاق کرنا جانتی تھی تو کھال ادھیڑنا بھی جانتی تھی۔بات کرنا جانتی تھی تو زبان کھینچنا بھی جانتی تھی۔ادب کرنا جانتی تھی تو ذلیل کرنا بھی جانتی تھی۔

مردوں اور عورتوں کی بھیڑ کو چیرتے ہوئے اب ایک آدمی آگے کو آرہا تھا۔منظرِ عام پر اس کا پہلا قدم پڑا تو وہ تیزی سے اشفاامین کی طرف لپکا۔مار کھانے والے کا دوست جو تھا۔عورت سے تھپڑ برداشت کہاں ہوتے تھے کسی سے؟

اشفا اس سے بے خبر لڑکی کو سینے سے لگائے کھڑی تھی جو کہ مسلسل رو رہی تھی۔مردوں کے لئے تو بہت آسان ہوتا ہے عورت کو تنگ کرنا۔اُسے چھیڑنا۔لیکن ایک بچی؟ایک لڑکی؟ ایک عورت کے لئے وہ منظر کیسا ہوتا ہے کیا مردوں کو یہ بات پتا ہے؟

وہ لب بھینچ کر اس آدمی کو دیکھ رہی تھی جو کب کا حواس کھو چکا تھا۔ اگر یہ منظر لڑکی کے دل و دماغ پر نقش ہونے والا تھا تو لڑکے کے جسم پر بھی نقش ہونا چاہیے تھا۔ اور وہ بخوبی یہ کام بھی انجام تک پہنچا چکی تھی۔ ایک آخری لات اُسے مارنے کے لیے وہ آگے بڑھی جب اس کا دوست بھی اس پر حملے کی غرض سے لپکا۔

پاؤں پیٹ میں لگنے ہی والا تھا کہ... کسی نے غصے میں نہائی اشفا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ اس شخص کے چوڑے بازو سے آلگی۔ آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو وہ شناسا آنکھیں اُسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

اس نے اُسے ایک ہاتھ سے اپنے پیچھے کیا جبکہ حملہ آور عورت کی جگہ مرد کو دیکھ کر وہیں رک گیا۔ نووارد شخص نے پولیس کی وردی پہن رکھی تھی۔ سیاہ گھنگریالے بال پیشانی پر بسیرا کیے ہوئے تھے۔ چہرے پر سخت تاثرات چھائے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ تھا مرد۔ایسا مرد جو اپنی عورت کے ساتھ ساتھ ہر عورت کی عزت کرنا جانتا تھا۔اور جو عزت نہیں کرتا تھا... پھر المیر خلیل اس کے ساتھ کیا کرتا تھا یہ بات حملہ آور کے جلد جی گوش گزار ہونے والی تھی۔

المیر سے کچھ فاصلے پر موجود قوی آگے آیا۔اس لڑکے کو گردن سے پکڑا اور اپنے ساتھ لے گیا۔جبکہ زمین پر پڑا الڑکا پانی کا چھڑکاؤ کرنے پر آہستہ آہستہ ہوش کی دنیا میں لوٹ رہا تھا۔

لیڈی انسپکٹر آگے آئی لڑکی کو لے کر پولیس کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔اُسے گھر چھوڑنے کا ذمہ اب پولیس کا تھا۔

اُس کے جسم کو سیدھا کیا تو اس کے چہرے کی اور پھر جسم کی حالت دیکھ کر المیر خلیل کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔چہرے پر ایسی دلکش مسکان چھائی۔کیا بیوی تھی اس کی۔

وہ چاہتا تو تھا کہ اس کی تعریف کرے۔مگر اگر اس کی تعریف کی تو اسے شے مل جائے گی۔ اور یہ ہر راہ چلتے کا سر دو حصوں میں کر دے گی۔

جبکہ پیچھے کھڑی اشفااب بھی ادھر ہی موجود تھی کیونکہ کسی نے اُس کی کلائی مضبوط گرفت میں جو لے رکھی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اب کیا ہونے والا تھا۔اب المیر اسے اچھی بھلی سنانے والا تھا۔اپنی عزت افزائی کے لئے وہ تیار کھڑی تھی۔

لیکن مقابل کچھ نہیں بولا۔وہ مڑا تو اُسے اپنے ساتھ لیتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھایا پھر ڈرائیونگ نشست پر آن بیٹھا۔

اب کہ اس کا رُخ سفید شلوار قمیض میں موجود اپنے بغل میں بیٹھی شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی کی طرف تھا۔وہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھتے اُس کی طرف رُخ پھیر کر بیٹھ گیا۔

اُسے گھورتا گیا تو وہ پہلو بدل کے رہ گئی۔ کیا مسئلہ ہے۔ "ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟" تنک کر سوال کیا۔ جواب میں خاموشی اس کے کان کے پردوں کے ساتھ ٹکرائی۔

"بولیں بھی کچھ۔"

"کیا بولوں میں؟ تم نے مجھے کچھ بولنے کے قابل چھوڑا بھی ہے؟" سختی کی بجائے نرمی سے جملے ادا ہو گئے تو اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوسا۔ ایک تو اس لڑکی پر یہ ٹھیک سے غصہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مقابل نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔ بے عزتی اب سے تین سیکنڈ میں اپنی بلندی کو چھونے والی تھی۔

"کتنا مارا ہے تم نے اُسے۔ اگر وہ مر گیا تو سیدھا جیل جاؤ گی۔!" وہ اُسے ڈرا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا یہ آئندہ ایسی حرکت بالکل نہ کرے کیونکہ ہمیشہ تو المیر اسے بچانے نہیں آ سکتا تھا۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میری طرف سے ابھی مر جائے۔ لڑکی کو چھیڑے گا تو کوئی نہ کوئی تو بولے گا ہی ناں۔"

"ایگزیکٹلی۔ زبان سے بولنے اور ہاتھوں سے بولنے میں فرق ہوتا ہے۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ ہاتھا پائی کرو؟"

"میں جو کرتی ہوں اپنی مرضی سے کرتی ہوں۔ کوئی کچھ بول کے تو دکھائے۔"

"صاحبہ.. انسان بنیں۔ مانا آپ کا شوہر پولیس آفیسر ہے پر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آپ آتے جاتے لوگوں کی پٹائی شروع کر دیں گی۔" بالائی لب اب میٹھی مسکان میں ڈھل چکا تھا۔ وہ اُسے مسکراتی نظروں سے دیکھتا گیا۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں روز لوگوں کو مارتی ہوں۔" روٹھی ہوئی نظریں اپنے شوہر پر ڈالیں تو وہ محظوظ سا ہوتا دھیرے دھیرے سر دائیں بائیں ہلانے لگا۔

"تمہارا کچھ پتا بھی نہیں ہے۔ کل پھر کسی کو پکڑ کر دو تھپڑ لگا دو۔ آفت کی پر کالا جو ٹھہریں۔" اشفا کا منہ پورا کھل گیا۔ روہانسی سی شکل بناتے ساتھ بیٹھے کوپ کو دیکھا۔

"اگر میں آفت کی پر کالا ہوں تو آپ آفت کی پر کالا کے شوہر ہیں۔"

"ہاں وہ تو میں ہوں۔" وہ کھل کر مسکرا رہا تھا۔ گہرے سُرمئی رنگ کی آنکھیں اب بہت ہی مدھم روپ اختیار کر چکی تھیں۔

کتنے ٹائم بعد وہ اسے یوں مسکراتا دیکھ رہی تھی۔ کتنا پیارا لگتا تھا یوں۔ اتنا پیارا کہ نظر لگ جائے۔ لیکن اس سے بہتر تھا نہ ہی مسکرائے۔

کم از کم نظر سے تو بچ جائے گا۔

ایک طرف اُسے دیکھ دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی تو دوسری طرف اُسے ہول اٹھ رہے تھے۔

"ایس ایچ او صاحب، اگر وہ سچ میں مر گیا تو؟" دھیرے سے الفاظ ادا ہوئے تھے۔

پہلے تو المیر نے اُسے نرمی سے دیکھا پھر غصے کی ایک لہر دوڑی۔"تم سے میرا نام نہیں لیا جاتا؟"

"لیا جاتا ہے۔آپ مجھے اَن پڑھ سمجھتے ہیں کیا؟"

"نہیں۔پڑھی لکھی جاہل ہو تم۔شوہر کو نام سے بلانے کی بجائے رینک سے بلاتی ہو۔" غصیلی نگاہ اس پر ڈال کر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔یہ کیا؟المیر خلیل ناراض ہو گیا تھا وہ بھی بچوں کی طرح؟اشفا کو ہنسی آئی۔

"اوہیلو..زیادہ میرا شوہر بننے کی کوشش نہ کریں۔اتنی ہی اگر آپ کو پسند ہوتی ناں تو چھ سال تعلق توڑ کر نہ رکھتے۔"آنکھیں گھمائیں۔جملہ سن کے وہ دوبارہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کس نے کہا تم مجھے پسند نہیں تھیں؟"

ماحول میں پھیلتا تناؤ بڑھ چکا تھا۔ سکوت کانوں میں گھر بنا رہا تھا۔ اشفا کا چہرہ آہستہ آہستہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب بھی وہ بلش کرتی ہے تو ٹماٹر بن جاتی ہے۔

جواب دینے کی بجائے اس نے اپنا چہرہ بائیں طرف کر لیا۔ ساتھ بیٹھا شخص پہلے سکون سے اس کی حرکتوں کو دیکھتا رہا۔ "اچھا سنو؟"

"ہوں؟"

"اگر تمہیں ٹماٹروں کے ساتھ سلاد والی پلیٹ میں رکھا جائے تو فرق کرنا مشکل ہو گا کہ اصل ٹماٹر کون سا ہے۔" وہ فوراً پلٹی۔

"المیر خلیل۔۔! " اور اپنا نام سنتے ہی اس کا زوردار قہقہ گونجا تھا۔ مسکراتے ہوئے کم پیارا لگتا تھا کہ اب ہنسنے بھی لگا تھا؟

"لے لیا ناں میرا نام۔" ایک ابرو اُچکائی تو اشفا نے چہرے کا زاویہ بگاڑا۔

"یہ کاؤنٹ نہیں ہوتا۔ میں نے غصے میں کہا تھا۔"

"پیار سے کہو یا غصے سے۔۔ مجھے اپنا نام تمہاری زبان سے ہر صورت میں قبول ہے۔"

جملہ تھا کہ تیر جو اشفا کے دل کے آر پار ہوا تھا۔ وہ خاموش ہو کر پہلو میں گرے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ رخسار یوں تپ رہے تھے جیسے ایک کلومیٹر بھاگ کر آئی ہو۔ اس آدمی کو دن بہ دن کیا ہوتا جا رہا تھا؟ غصے میں جبڑے بھینچ لینے والا کوپ کہاں چلا گیا؟

Clubb of Quality Content!

خود پر قابو پاتے وہ سیدھی ہوئی۔ "آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کون سا سوال؟"

"یہی کہ اگر وہ لڑکا مر گیا اور اس کے گھر والوں نے مجھ پر کیس کر دیا۔ پھر میں جیل چلی گئی تو میرا کیا ہو گا؟"

"کچھ نہیں ہو گا۔ میں دیکھ لوں گا سب کو۔" لہجے میں اطمینان تھا۔ سکون تھا۔ اس نے گردن اس کی طرف سے موڑ لی۔

اگر اس شخص نے کہہ دیا تھا کہ وہ سب کو اور سب کچھ دیکھ لے گا۔ تو مطلب اُسے فکر مند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اکتوبر کا دوسرا ہفتہ گزر گیا تھا۔ موسم میں ہلکی ہلکی خنکی محسوس کی جا سکتی تھی۔ مسافرین آخر کوڈی جی خان پہنچ گئے تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ سہی رہے گا کہ انہیں یہاں پہنچے دو ہفتے ہو گئے تھے۔

راحم کی مہوین سے آخری ملاقات کشمیر کے اُس ڈینز کی رات ہوئی تھی۔اس کے بعدان دونوں کی راہیں الگ تھیں۔ مہوین ہراُس جگہ سے اجتناب کرتی دکھتی تھی جہاں راحم کا سایہ بھی لگ جائے۔

وہ بھی اب اس کی عادتوں کا عادی ہو گیا تھا۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔وہ ہوٹل کی تیسری منزل پر منتخب اپنے کمرے کے بستر پر شطرنج کا بورڈ رکھے بیٹھا تھا۔سیاہ اور سفید دونوں طرف سے کھیلتے اُسے خاک مزہ آرہا تھا۔پر جاگ کر سوچنے سے بہتر تھا یہی سب کرلیتا۔کیونکہ لائٹ نہیں تھی۔اور اتنی شدید گرمی اور فون کی بتی میں وہ صرف یہی کر سکتا تھا۔

تب ہی اس کا فون زور زور سے بجا۔دیوار پر لگی گھڑی پر وقت دیکھتے اس نے اُسے کان سے لگایا۔"اِشفا..اتنی رات کو کال کر رہی ہو۔۔سب ٹھیک ہے ناں؟"اُسے فوراًالمیر کا خیال آیا تھا۔

"بھائی، سوری میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ دراصل مہوین کو کال کر رہی ہوں پر وہ اٹھا نہیں رہی۔ آپ پلیز جا کر دیکھ سکتے ہیں وہ کدھر ہے؟"

وہ جھٹکے سے بیڈ سے اٹھا۔ ذہن میں مہوین کے چہرے کے سو قسم کے بگڑے ہوئے تاثرات وہ خیال کر چکا تھا۔ لیکن اب کیا کرتا؟ مجبوری تھی۔

کمرے سے باہر آتے وہ لفٹ میں سوار ہوا۔ اس کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے کمرے کے باہر کھڑا ہوا۔ ہاتھ بڑھا کر دو سے چار دفعہ دستک بھی دی۔ پھر جواب نہ پا کر اس نے پریشانی سے دروازے کو گھورا۔

"مہوین، آپ اندر ہیں؟" دروازے کے ہینڈل کو گھماتے اس نے اُسے کھولنے کی ناکام کوشش کی۔ دو سے تین دفعہ اس عمل کو دوہرانے کے بعد اس کی بس ہو گئی۔ وہ پیروں پر مڑا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

دس منٹ بعد وہ پھر سے اس کے کمرے کے باہر کھڑا ماسٹر کی سے کمرے کے دروازے کو کھول رہا تھا۔جب دروازہ کھل گیا تو اس نے دستک دی۔ "مہوین، میں اندر آرہا ہوں۔"

چند قدم بڑھائے ہی تھے جب اُسے احساس ہوا کہ کمرہ تو ایک دم خالی تھا۔اس نے پریشان ہوتے ٹھیک سے ہر جگہ دیکھا اور پھر رُخ باتھروم کی طرف کر لیا۔

"مہوین.. "اس نے باتھروم کے دروازے پر بھی دستک دی جب آواز آئی۔ "میں اندر بند ہو گئی ہوں۔دروازہ نہیں کھل رہا اور لائٹ بھی نہیں ہے۔"اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

راحم کی آنکھیں پھیلیں۔تب ہی وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔دروازے سے چند قدم پیچھے لئے گئے۔ "مہوین اگر آپ دروازے کے پاس ہیں تو دور ہٹ جائیں۔"

چند لمحوں کے انتظار کے بعد اس نے ایک زوردار لات ماری اور دروازہ کھل گیا۔پھر فون سے نکلتی روشنی اندر کے منظر پر ڈالی۔

سامنے ہی وہ پسینے سے شرابور بیسن سے لگی کھڑی تھی۔اس کی آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ناک کافی حد تک سرخ ہو گئی تھی۔

وہ لمبے لمبے سانس لیتی اس کے نزدیک سے گزر کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔پھر سانس بحال کرنے میں مگن ہو گئی۔راحم نے میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اس کے سامنے کیا۔

اُسے تھامتے اس نے بڑے بڑے گھونٹ لیتے اُسے حلق سے نیچے اتارا۔اپنے کمر کو بیڈ سے ٹکاتے وہ آنکھیں بند کر گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آپ کو دمہ ہے؟"

اس نے سوال پر آنکھیں کھولیں۔"نہیں۔"

"پھر یہ سب کیوں ہوا؟"اس نے ایک اور سوال کیا۔

"میری سانس کی نالیاں پیدائشی تنگ تھیں۔ لیکن بچپن میں علاج ہونے کی وجہ سے میں کافی بہتر ہوگئی تھی۔ پھر جب گھر پر آگ لگی تو چار سے پانچ گھنٹے لگاتار دھواں اندر جانے کی وجہ سے دوبارہ یہ سب شروع ہو گیا۔"

اُسے اچانک اس بات سے عالیہ کی یاد آئی تھی۔ کہ جیسے اس کی بھی سانس کی نالیاں پیدائشی تنگ تھیں۔

"پھر آپ نے علاج کروایا؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کروایا تھا.. لیکن کچھ خاص افاقہ نہیں ہوا۔" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ "میں ایک ڈاکٹر کو جانتا ہوں۔ ہم نے عالیہ کا علاج ان سے کروایا تھا۔ کافی اچھی ہیں۔ آپ ان سے رابطہ کیجیے گا۔"

عالیہ کے ذکر پر مہوین نے نظریں پہلو میں گرالیں۔

"آپ کو عالیہ کی یاد آتی ہے؟" نا جانے کیوں وہ یہ سوال کر بیٹھی تھی۔اس کی نگاہ اوپر اٹھی۔

"ہوں...آتی ہے۔" وہ اس کے سوا کیا کہہ سکتا تھا۔وہ اُسے روز یاد آتی تھی اور وہ بھی شدت سے۔

"وہ کیسی عادات کی مالک تھیں؟"

ہاتھوں کو آپس میں جوڑے وہ گردن جھکا گیا۔"وہ..بہت خاموش تھی۔کسی سے لڑتی نہیں تھی۔خوش رہتی تھی۔مسکراتی بہت تھی۔اُسے غصہ نہیں آتا تھا۔"

اس کے دل میں ایک ٹیس اٹھی۔یہ تمام عادات تو راحم میں خود بھی موجود تھیں۔اُسے اپنے جیسی ہی بیوی دی گئی تھی۔وہ اسی جیسی لڑکی ڈیزرو کرتا تھا۔خوش اخلاق اور خوبصورت۔

جبکہ مہوین تو غصے والی تھی...

"وہ خوبصورت تھیں؟"راحم نے اُسے چونک کر دیکھا۔یہ ایسے کیوں پوچھ رہی تھی جیسے عالیہ سے پہلے کبھی نہیں ملی؟

"ہاں..بہت زیادہ۔اُس کے سیاہ بال تھے۔"اس نے کندھے تک آتی اپنے لِٹ کو دیکھا جس کا رنگ سنہرا تھا۔

"اس کی بڑی بڑی خوبصورت بھوری آنکھیں تھیں۔"ہاتھ بڑھا کر اپنی ایک آنکھ چھوئی۔اس کی آنکھیں بھی اُسی رنگ کی تھیں پر بڑی نہیں تھیں۔

"جب وہ مسکراتی تھی،ایسے لگتا تھا جیسے محفل درخشاں ہو گئی ہو۔"کیا اس کی مسکراہٹ اس قدر خوبصورت تھی کہ کسی کی محفل روشنی کی لپیٹ میں آجاتی؟

اس نے آج سے پہلے خود کو کسی سے نہیں ملایا تھا۔لیکن آج وہ یہ بھی کر گزری تھی۔اور اس بات پر اُسے بہت دکھ ہو رہا تھا۔وہ راحم سے مل کر رنجیدہ ہو جایا کرتی تھی۔اب تو بس وہ اتنا

چاہتی تھی کہ کسی طرح آخر کا ایک ماہ اور دو ہفتے گزر جائیں تا کہ وہ راحم رضا احمد سے بہت دور چلی جائے۔

وہ اس کی خوشی کا ذریعہ تھا تو افسوس کی راہ بھی تھا۔

"آپ رو رہی ہیں؟" اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے دیکھ وہ گھبرایا تھا۔ "کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے؟ میری کوئی بات بری لگی آپ کو؟"

وہ الجھن کا شکار تھا۔ پہلی مرتبہ وہ اس کے سامنے رو رہی تھی اور راحم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

انگلیوں کے پوروں سے رخساروں پر حائل ہوتے قطروں کو چھوا۔ اُسے تو اتنی سی باتوں پر رونا نہیں آتا تھا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں..." ہاتھ کی پشت سے ناک رگڑی۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے چلے جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ "کیا ٹھیک کہتا ہوں؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ مجھے بالکل نہیں پسند۔آپ کی ایک ایک حرکت مجھے ناگوار گزرتی ہے۔آپ بالکل ویسے نہیں ہیں جیسا میں نے سوچا تھا۔"

وہ تو اس کی سوچ سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔دل سے، دماغ سے اور روح سے۔اتنا خوبصورت کہ اُسے چاہنے والے بس دیوانہ وار اُسے دیکھتے جائیں۔اُس کے پیچھے مارے مارے پھریں۔اُس کے لئے زندگی کے کئی سال آنکھوں میں میں کاٹ دیں۔

وہ واقعی ویسا نہیں تھا جیسا اس نے سوچا تھا۔وہ ایک حسین خواب کی مانند تھا۔اُسے ہر کسی کے دل میں جگہ بنانے کا قرینہ کس نے سکھایا تھا؟

وہ کیوں تھا چاہے جانے کے قابل؟

اور وہ کیوں تھی ایک عام سی لڑکی...

وہ کیوں ہی چاہے گا اُسے ؟

"تو پھر کیسا ہوں ؟" سینے پر ہاتھ باندھے گئے تھے۔ بڑی دلچسپی سے وہ اس کے جواب کا منتظر تھا۔

تیرے خیال سے، دامن بچا کے دیکھا ھے
دل و نظر کو، بہت آزما کے دیکھا ھے

نشاطِ جاں کی قسم، تو نہیں تو کچھ بھی نہیں
بہت دنوں تجھے ھم نے، بھلا کے دیکھا ھے

"ایسے کہ... میں آنکھیں بند کروں تو خواب کی مانند میرے ذہن پر چھا جائیں اور کھول لوں تو بھول جائیں، ذہن سے نکل جائیں۔" وہ اتنی دھیمی آواز میں بولی تھی کہ راحم سن نہ پایا تھا۔

"سو جائیں جا کر۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

لیکن اس کے سوال کا جواب...؟ وہ سر جھٹکتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا جبکہ وہ قرب سے آنکھیں بند کر گئی۔

••—•ʚɞ•—••

"سر.. خضر واپس نہیں آیا؟" وہ احمد مرزا سے فون پر بات کر رہی تھی۔ ہلکے سبز رنگ کی شلوار قمیض اس نے پہن رکھی تھی۔ وہ اس وقت گھر پر تھی۔

Clubb of Quality Content!

"نہیں.. اس کی پھپھو کی طبیعت گزشتہ دنوں کی نسبت کافی حد تک ناساز ہو گئی ہے۔ امید ہے اس مہینے کی آخر تک واپسی ہو جائے گی اس کی۔" پھر کچھ لمحوں تک خاموش ہو گئے۔ "تم مس کر رہی ہو اُسے؟"

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "ہوں۔ مجھے اس کے ساتھ کام کرنے میں مزہ آتا تھا۔ بہت پیارا بچہ ہے وہ۔"

"مومن کے ساتھ کام کرنے میں مزہ نہیں آتا؟" وہ ہنس کر بولے تھے۔ "مومن میرے بھائیوں کی طرح ہے جبکہ خضر..." دھیرے سے مسکرائی۔ "...وہ میرے بچوں کی طرح ہے۔ مجھے اُسے دیکھ کر اپنا لڑکپن یاد آجاتا ہے۔ اُس کی آنکھیں.. وہ بالکل ویسی ہیں جیسی میری ہوا کرتی تھیں۔ خوابوں سے بھرپور امید بھری۔"

وہ آگے سے کچھ نہ بولے تھے۔ شاید الفاظ تلاش رہے تھے۔ "خضر جلد واپس آجائے گا، اِشفا۔ لیکن اس دفعہ آئے تو اُسے واپس مت جانے دینا کبھی۔"

Clubb of Quality Content

وہ کافی کا کپ میز پر رکھتی مسکرائی تھی۔ "وہ میرے کہنے پر رک جائے گا، سر؟"

"کہنے سے کوئی نہیں رکتا کبھی۔ تمہیں اُسے روکنے کے لئے انتظامات کرنے ہوں گے۔"

"اغواہ کر لوں اُسے؟" اس کے شرارتی دماغ میں یہی خیال ابھرا تھا۔ "نہیں.. اُسے پیار سے رکھنا اپنے ساتھ۔ دیکھنا وہ پھر کبھی جانے کا سوچے گا بھی نہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں پوری کوشش کروں گی۔"

چند منٹ بعد ہی ان کی کال منقطع ہو گئی تھی۔اس نے میز پر سے کپ اٹھایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔وہاں کپ کو کاؤنٹر پر رکھا اور ہاتھ دھونے لگی۔

جب اچانک فون بجا۔شہادت کی انگلی سے ایک جھولتی لِٹ کو کان کے پیچھے کیا اور سر سری سی نگاہ سکرین پر ڈالی۔جس پر جگمگاتا نام دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آج اچانک ان کی کال؟

فون کو کان سے لگایا۔"السلام علیکم خالہ۔"وہ ان سے چار سے پانچ یا شاید اس سے بھی زائد سالوں بعد ہم کلام ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔اِشفا،میری بچی..."ان کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔"خالہ،آپ رو رہی ہیں؟" پانی کا نل بند کرتے وہ وہاں سے دور ہوئی اور فون کو تھامے تھامے کچن سے باہر آئی۔

"مجھے معاف کردو..میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا۔"وہ قدرے چونکی۔آج اچانک سے انہیں معافی مانگنے کی یاد کیسے آگئی؟

"خالہ..آپ کس بات کی معافی مانگ رہی ہیں؟"

"میں نے..تمہارے ماموں..ہم سب نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا۔ہمیں وہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ہم بہت شرمندہ ہیں۔تم..تم کہو گی تو سارے خاندان کو بتائیں گے کہ تمہاری اُس روز کوئی غلطی نہیں تھی۔سارا داغ ہٹ جائے گا۔"

"داغ تو کب کا ہٹ چکا۔آپ نے بہت دیر کردی۔لیکن..میں نے آپ سب کو کب کا معاف کردیا۔میرے دل میں آپ کے لئے کوئی بات نہیں ہے۔"

"دل سے معاف نہیں کیا تم نے.. تب ہی ہمارے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے۔" وہ روتے روتے کہہ رہی تھیں۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ الجھی تھی۔

"تمہارے ماموں اور میں، ہم جس سوسائٹی میں رہتے ہیں ناں.. اس کو کسی اور نے کچھ ہی روز قبل خرید لیا ہے۔ اور ہمیں وہاں سے نکال دیا ہے۔ ہم سو دفعہ منتیں کر چکے ہیں کہ ہمیں واپس آنے دو یا کم از کم آگاہ تو کرو کہ ہم سے کیا کوتاہی ہو گئ.. پر وہ وہاں کا مالک ہم سے ملتا نہیں ہے۔"

Clubb of Quality Content!

"ایسے کیسے باہر کر دیا آپ کو؟" وہ صوفے پر سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔ اُسے واقعی اب پریشانی لاحق تھی۔

"ہم نہیں جانتے.. تم.. تم صحافی ہو ناں.. تم ہماری مدد کرو پلیز۔ کراچی آکر اُس آدمی سے ملو۔"

"آپ کو اس کا نام پتا ہے؟"

"ہاں.. المیر خلیل۔ سنا ہے پولیس میں ہے۔ تمہارا شوہر.. کیا نام تھا اس کا؟ وہ بھی تو پولیس میں تھا ناں.. اس سے کہو ہماری مدد کر دے۔"

اُس کی آنکھیں ایسے پھیلیں جیسے پہلے کبھی نہ پھیلیں۔ وہ بل کھاتے ہوئے ایستادہ ہوئی۔ المیر خلیل؟

"آپ.. آپ کو علم ہے، المیر خلیل کون ہے؟" ایسا کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کا نام بھول جاتیں۔ وہ تو صدیوں پرانی بات بھی یاد رکھتی تھیں۔

"ہاں.. ابھی تو بتایا۔ پولیس میں ہے وہ۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یعنی انہیں نہیں یاد تھا۔اس نے ایک بے آواز گہرا سانس کھینچا۔"خالہ،آپ فکر نہ کریں۔ میں کچھ کرتی ہوں۔"پھر کال اختتام کو پہنچی تھی۔

اس نے پھرتی دکھاتے اس کا نمبر ملایا۔"السلام علیکم،محبت،کیسی ہو؟"

"میں اس وقت شدید غصے میں ہوں۔اگر ابھی کہ ابھی آپ میرے گھر نہیں آئے تو اچھا نہیں ہوگا آپ کے لیے۔"وہ غصے سے گویا ہوئی تھی۔

"مجھے مس کر رہی ہو تو کہہ دیتیں..بہانے سے بلانے کی کیا ضرورت ہے؟"اِشفا نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"چپ چاپ گھر آئیں۔باقی بات اب گھر پر ہوگی۔"

"جیسا تم کہو۔"

وہ کچن میں کھڑی جوسر مشین کی مدد سے چقندر کا جوس نکال رہی تھی۔ سیب کا جوس اس نے پہلے ہی نکال لیا تھا اور اب وہ اس کا جوس سیب کے جوس میں ڈالنے والی تھی۔

"کیسی ہو؟" کان کے قریب آواز آئی تو وہ اچھلی۔ فوراً دل پر ہاتھ رکھ کر پیچھے دیکھا۔ "پیچھے ہو کر کھڑے ہوئیں۔ پہلے یہ سب کر لوں پھر آپ سے نمٹتی ہوں۔"

وہ اُس چابی کو استعمال کر کے اندر آیا تھا جو اِشفا نے خود اسے اس مہینے کی شروعات میں دی تھی۔

سیاہ رنگ بال پیشانی پر منتشر تھے۔ جب سے اس نے اِشفا کو چاہنا شروع کیا تھا تب سے وہ پیشانی سے بل نہیں ہٹاتا تھا۔ اگر اس نے ایک مرتبہ کہہ دیا کہ وہ یوں اچھا لگتا ہے تو مطلب یوں ہی اچھا لگتا ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ کیا کیا؟"اس کے دودھیا ہاتھوں پر سرخ نشان دیکھتے وہ فوراً آگے کو آیا تھا۔"کیا نہیں ہے.. کرنے والی ہوں۔"

"کیا؟"

"آپ کا خون۔"

وہ چہرہ اس کی طرف موڑ کر مسکرایا۔"مجھے مارنے سے پہلے ایک دفعہ اپنی زبان سے میرا نام لے لینا۔میں خوشی خوشی مر جاؤں گا۔"

وہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھتی اس کی طرف پلٹی۔"میں سیریس ہوں،المیر!"

"اچھا؟مجھے لگا تم میرا عشق ہو۔"اس نے آنکھیں گھمائیں۔محبت میں مبتلا مرد کو سنبھالنا کتنا مشکل تھا اُسے آج احساس ہوا تھا۔

Clubb of Quality Content

"پکڑیں یہ۔"اُسے جوس سے بھرا گلاس پکڑاتی وہ کچن سے باہر نکلی اور صوفے پر جا بیٹھی۔

"یہ ہے کیا؟"

"چقندر، سیب، ادرک اور لیموں کا جوس۔دل کے لئے بہت مفید ہوتا ہے۔اس کو پینے سے دل کے امراض
دور ہوتے ہیں اور خون صاف ہوتا ہے۔"

"ہوں۔ویسے تو میرا دل بھی ایک مرض کا شکار ہے۔پر وہ مرض لا علاج ہے۔"اس نے تاسف سے اُسے دیکھا تھا۔

Clubb of Quality Content

"مثلاً کون سا مرض؟"اُسے جانچتی نظروں سے دیکھتی وہ اُس سے پوچھ رہی تھی۔

"عشق...مرضِ عشق۔"

وہ اُسے دیکھے گئی پھر زیرِ لب یااللہ کہا گیا۔ "میرے ایک ایک سوال کا ٹھیک جواب دیں۔ پھر آپ کے مرض کا علاج کرتی ہوں میں۔"

"ہاں.. ہاں پوچھو۔" گلاس کو لبوں سے لگاتے اس نے پشت صوفے سے ٹکائی۔

"آپ نے کوئی سوسائٹی خریدی ہے؟" اس نے ایک ابرو اٹھائی پھر سر اثبات میں ہلایا۔ گلاس واپس لبوں سے لگا لیا۔ "اتنے پیسے کہاں سے آئے؟"

"بابا سے۔ یعنی بابا نے سارا بزنس میرے اور وہاج کے نام کر دیا ہے۔ وہ اب بس گھر بیٹھ کر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں نے سوسائٹی خرید لی۔"

"اچھا؟ آس پاس سوسائٹیاں ختم ہو گئی ہیں جو آپ نے سات گھر چھوڑ کر کراچی میں پڑاؤ ڈالا ہے؟" سینے کے آگے ہاتھ باندھے۔

"کراچی سات گھر چھوڑ کر واقعہ ہے؟" وہ مزے سے کہہ کر جوس کے مزے اڑانے لگا۔

"اور صرف یہی نہیں آپ نے میری خالہ اور ماموں کو گھر سے بے دخل تک کر دیا۔یہ حرکت کرتے ہوئے ذرا افسوس نہیں ہوا آپ کو؟"

"انہیں تم پر تشدد کرتے ہوئے افسوس ہوا تھا؟"گلاس کو میز پر رکھتے وہ اب کافی حد تک سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اُس بات کو زمانے ہو گئے ہیں، آپ اب تک کیوں اُس واقعے کو ذہن میں بسائے بیٹھے ہیں؟"

"میری بیوی کے ساتھ جو جتنا برا کرے گا،اُس سے دوگنا نتیجہ اُسے سہنا پڑے گا۔" گردن صوفے سے ٹکائی۔"اور جہاں تک تعلق ہے زمانے بیتنے کا۔۔تم اس قدر میری ہو کہ میں تم سو سال بعد بھی تم سے جڑی ایک ایک بات یاد رکھوں گا۔"

Clubb of Quality Content!

"میرے ساتھ جو ہوا بہت غلط ہوا پر جو آپ کر رہے ہیں وہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ایک تو ایک پوری سوسائٹی خرید لی اور اوپر سے اپنی مرضی سے لوگوں کو اس سے باہر بھی کرنا شروع کر دیا۔"

"میرے لئے ایک سوسائٹی خریدنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔اور تمہارے لئے تو میں دس مزید جگہیں خرید سکتا ہوں۔رہی بات لوگوں کو باہر کرنے کی.. تو میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، سو اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا.. سوری۔" مسکراتے ہوئے جواب دیا گیا تھا۔

"بہت غلط حرکت ہے یہ..اگر آپ میری تھوڑی سی بھی عزت کرتے ہیں تو انہیں ان کی جائیداد واپس کریں۔"

"ہوں.. سوچوں گا۔" ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور صوفے پر دونوں بازو پھیلائے۔

"آپ میری بات نہیں مانیں گے؟" وہ آنکھیں پٹپٹا کر کہہ رہی تھی۔

"تمہارے علاوہ کسی کی نہیں مانوں گا۔" چہرے کے نیچے ہاتھ رکھتے اُسے سہارا دیا۔ اُسے سُرمئی آنکھوں سے دیکھتا گیا۔ "پھر میرے لئے اپنا فیصلہ بدلیں گے؟"

وہ اُسے پُرسوچ نگاہ سے دیکھتا گیا۔ "تم جانتی ہو میں بہت ضدی ہوا کرتا تھا۔ کسی کی نہیں سنتا تھا۔ کوئی مجھ سے اپنی بات نہیں منوا سکتا تھا۔ لیکن تمہارے آگے میری ہر ضد چھوڑ دیتی ہے۔ تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا..."

وہ شرارتی نگاہیں لئے مسکائی تھی۔ "میں نے کہا تھا ناں میں آپ پر تعویز کروا رہی ہوں۔"

"پھر کون سا تعویز کروایا؟"

"محبوب آپ کے قدموں میں والا.."

"اوہوں.. میں محبوب نہیں عاشق ہوں اور تم میرا عشق..."

"اس کا مطلب ہے آپ میری بات رد نہیں کریں گے، ہے نا؟"

"نہیں.. نہیں کروں گا۔ تم جیسا کہو گی ویسا کروں گا۔" ہاتھ بڑھا کر جیب میں سے اپنا فون نکالا۔ کسی کا نمبر ملایا۔ "نعیم.. انہیں ان کی جگہ واپس کر دو۔ میری بیوی کا حکم آیا ہے۔ میں اس کی بات رد نہیں کر سکتا۔"

پھر کال کاٹ دی۔ "اور کچھ، صاحبہ؟"

"نہیں.. کچھ نہیں۔" اور وہ بس مسکراتی گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

··—·ƏG·—··

"قریب دو مہینے ہونے لگے ہیں، المیر.. خضر کا پتا لگواؤ.. مجھے بہت ٹینشن ہو رہی ہے۔" مرزا صاحب سے وہ فون پر رابطہ قائم کیے بیٹھا تھا۔

"سر، میں کوشش کر رہا ہوں۔ بس اس کا ٹریکر آن ہو جائے ایک دفعہ۔ پتا نہیں اس نے ابھی تک اُسے آن کیوں نہیں کیا۔"

"کہیں اُسے کچھ ہو تو نہیں گیا؟" ان کی پریشانی سے لیز آواز ابھری۔

"سر!" سلیم کی آواز آئی تھی۔ وہ دونوں اس وقت اسی کے گھر میں موجود تھے۔ سلیم نے لیپٹاپ کے پیچھے بیٹھ کر آواز لگائی تھی۔ "کیا ہوا؟" وہ بھاگتا ہوا اس کے پاس گیا۔

"ابھی ابھی اس کا ٹریکر آن ہوا تھا۔ لیکن اچانک بند ہو گیا۔ لیپٹاپ سیگنل کیچ نہیں کر پایا۔" وہ دونوں اسکرین کو گھور رہے تھے۔

"یعنی وہ زندہ ہے.." اس نے سکھ کا گہرا سانس اپنے اندر کھینچا تھا۔ "نظر رکھو.. ہو سکتا ہے وہ دوبارہ ٹریکر کو چالو کرے۔"

پھر اس کے پاس سے نکلا۔ "سر خضر ٹھیک ہے۔ اس کا ٹریکر ابھی آن ہوا تھا۔"

کال کی دوسری طرف آواز آئی۔ "شکر ہے اللہ کا۔ جیسے ہی کوئی خبر ملے مجھے ضرور بتانا۔"

"سر۔" پھر کال کٹ گئی تھی۔ وہ واپس سلیم کے ساتھ رکھی کرسی پر براجمان ہو گیا تھا۔

سیاہی ہر سمت پھیل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے کناروں پر پانی جمع تھا۔ شاید وہ پچھلے کچھ گھنٹوں، دنوں یا ہفتوں سے رو رہا تھا۔ نیم بند آنکھیں خود میں جان ڈالتی کھلتی گئیں۔ اس کے ہونٹوں کے کنارے پر خون جمع تھا۔ جسم پر جگہ جگہ چوٹوں کے نشان اور سوکھا ہوا خون موجود تھا۔

اس کے اعضا تکلیف میں تھے۔ جیسے کتنی راتیں مشقت میں صرف کردی ہوں۔ کہیں کوئی آواز نہ تھی۔ صدا نہ تھی۔ خاموشی اس کے اعصاب پر زور آزمائی کر رہی تھی۔ وہی خاموشی جس سے بھاگ کر وہ بہت دور چلا آیا تھا۔

ہر شے کی آواز اُسے ایک دم صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کے پیچھے دائیں جانب یقیناً کوئی کھڑکی تھی، تب ہی پتوں کی سنسناہٹ گونج رہی تھی۔ جبکہ بائیں جانب گہری سکونِ صدا تھی۔

اُسے اسی طرف سے کسی کے بھاری بوٹ کی آواز آئی۔ اسی اور کوئی چلا آرہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ سے گزرتے اب اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اپنی کافی حد تک سوجی ہوئی آنکھیں اس نے ایک مرتبہ پھر سے کھولیں۔ پر اس دفعہ کھلیں تو گویا ایک چہرے پر ٹک گئیں۔

اس کے ہونٹ جدا ہوئے۔ حلق خشک ہونے لگا۔ وہ بے نقاب کھڑا تھا، اپنی ہولناک آنکھیں لئے۔ پہلے چند منٹ اس کا دل کام کرنا ہی بھول گیا اور یکے بعد دیگرے دل زور زور سے دھڑکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہ وہی آنکھیں تھیں جو اس کے خوابوں میں آکر اُسے خوفزدہ کرتی تھیں۔ لیکن چہرہ نقاب سے پوشیدہ ہوتا تھا۔ پر آج نو وارد ہر طرح سے عیاں تھا۔ اس کے دل کی سیاہی اور چہرے کی وحشت ہر طرح سے عام تھی۔

"کیسے ہو، خضر؟"

اس کی آواز.. وہی تھی۔ شناسا، بھاری اور وحشت سے لیز۔ وہی لہجہ جو اُس بند گھر کے باہر اکثر اُسے سننے کو ملتا تھا۔ جسے سنتے ہی اُس کا دل زور زور سے دھڑکتا تھا۔ یہ شخص ہر جگہ تھا۔ اس کے پیچھے یہاں بھی چلا آیا تھا یا پھر.. وہ ہمیشہ سے ادھر ہی تھا۔ موجود، سانس لیتا ہوا۔

اس نے خضر کا چہرا بالوں سے پکڑ کر زور سے پیچھے کیا تو بے اختیار اس کی زبان سے چیخ نکلی۔ وہ سب لوٹ رہا تھا جس سے وہ بھاگ چکا تھا۔

"مجھے.. مجھے..." اس کی آواز دبی دبی تھی۔ نو وارد نے اپنا کان اس کے ہونٹوں کے قریب کیا۔ "کیا بولا؟"

"مجھے میری بہن.. میری بہن کے پاس۔۔" زور سے اس کے چہرے کو اپنی گرفت سے آزاد کیا۔اس کی گردن میں ٹیس اٹھی۔

"مل چکے تم تمہاری بہن سے۔ وہ تمہاری آخری ملاقات تھی اس سے۔" ذرا سے فاصلے پر رکھی کرسی اس نے کھینچ کر اب اس کے مقابل رکھ لی تھی۔ وہ اس پر نشست ہو کر ٹانگ پر ٹانگ رکھ چکا تھا۔ "آج بیس اکتوبر ہے، خضر۔ تم قسمت والے ہو۔ میں اکتوبر کے مہینے میں اپنے ہاتھ خون سے نہیں رنگتا.. تمہارے پاس گیارہ روز باقی ہیں۔ اپنی بچی کچی سانسوں کا اچھا استعمال کرو۔"

"آپی.. اِشفا آپی سے ملنے دو مجھے..." وہ رو رہا تھا۔ اُس کی آدھی سے زیادہ زندگی روتے نکل گئی تھی۔ اور آج تو دل پھٹ جانے کی دہلیز پر کھڑا تھا۔ "...میں مرنے سے پہلے ان کے گلے سے لگنا چاہتا ہوں۔ پلیز.."

ہلکی بھوری آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے خواب تھے اور بکھری ہوئیں یادیں۔ اُسے صرف ایک دفعہ اُس کی گود میں سر رکھنا تھا جس سے وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ اُسے اِشفا کے پاس جانا تھا۔ ہمیشہ کے لیے یا فقط ایک لمحے کے لئے۔

"نہیں، خضر، اب بہت دیر ہو گئی۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ مختصر مگر دل دہلا دینے والی مسکراہٹ۔
"آج کا روز تمہارے اور میرے نام۔ پوچھو جو پوچھنا ہے۔"

"آپ نے.. آپ نے یہ سب کیوں کیا؟" وہ پہلی دفعہ، اپنی اٹھارہ سالہ زندگی میں پہلی دفعہ اس کے سامنے زبان کھول رہا تھا جس کی آنکھوں سے اُسے خوف آتا تھا۔ اُسے اپنے ڈر سے لڑنا اِشفا نے سکھایا تھا۔ اس کی سگی بہن نے۔

"پیسے کے لئے.. جرم ہمیشہ محبت یا رقم کے پیچھے ہوتا ہے۔" اپنی شرٹ کی آستینیں چڑھاتا وہ اب سینے کے آگے ہاتھ باندھ رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ مجھے چھوڑ نہیں سکتے؟" وہ منت کرنے کے انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ اب تھک گیا تھا۔ ہر چیز سے۔ "چھوڑ ہی تو رہا ہوں۔ آزاد کر رہا ہوں تمہیں۔"

"مجھے میری بہن کے پاس جانے دیں۔ میں.. ان کے لئے اتنے سال اذیت جھیلتا رہا ہوں۔ مجھے ان سے مل کر اپنی شناخت بتانی ہے۔ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ پلیز۔" اس کی انکھوں سے اشک مسلسل پھسل رہے تھے۔

نہیں.. نووارد کو ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ "میں نے تمہیں آدھا سال دیا تھا خضر۔ تم چاہتے تو اپنی بہن کو اپنی حقیقت بتا سکتے تھے۔ پر تم یہ نہیں کر پائے۔ کیونکہ تمہیں ڈر تھا کہ تمہاری بہن تمہیں قبول نہیں کر پائے گی۔ ہے نا؟"

"نہیں.. یہ وجہ نہیں تھی! میری بہن.. اِشفا آپی.. وہ کیوں نہیں کریں گی مجھے قبول؟ وہ مجھ سے کتنے پیار سے پیش آتی رہی ہیں۔"

"وہ تم پر رحم کھا کر تم سے دو بول بول دیتی تھی اور تمہیں لگتا رہا کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے؟"

اس نے زور زور سے سر نفی میں ہلایا۔ "میری بہن، وہ ایسی نہیں ہیں۔ آپ مجھے اکسا رہے ہیں۔" وہ غصے اور روندھے ہوئے انداز کے ملے جلے تاثرات لئے بول رہا تھا۔

"اچھا؟ اگر وہ تم سے اتنی ہی محبت کرتی ہوتی جتنی تمہارے خیال میں وہ کرتی ہے تو اس نے تمہارے ماضی کے بارے میں جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" آنکھیں خضر کی سرخ آنکھوں میں گاڑھیں۔ "کیونکہ وہ صرف تم سے ہمدردی کر رہی تھی۔"

وہ کچھ پل اُسے تکتا گیا۔ خالی خالی نظروں سے۔ پھر اُس کے چہرے پر مدھم سی مسکان در آئی۔ "تجربے سے بول رہے ہیں؟" اور پھر وہ زور سے ہنسا تھا۔

اِشفا کے ساتھ بتائے ان چند مہینوں میں اُس نے کچھ سیکھا ہو نہ سیکھا ہو، سامنے والے سے زبان درازی کرنا بخوبی سیکھ لی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نووارد مسکرایا۔ پھر جھٹکے سے اٹھا اور ایک زوردار گھونسہ اس کے چہرے پر دے مارا۔ تب ہی ان کے ہونٹ کے کنارے کی پہلے سے پھٹی ہوئی جلد سے خون ایک مرتبہ پھر سے رسنے لگا تھا۔

پر یہ زخم اس کی مسکراہٹ مٹا نہ سکا تھا۔ "یعنی.. آپ کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔ آپ کو دھتکارا گیا ہے۔" منہ میں آیا خون زمین پر تھکتے اس نے اپنے خون سے لتپت دانت دکھاتے مسکراہٹ عیاں کی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اُس نے آگے بڑھ کر ایک زور آور تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارا۔ وہ کراہیا۔ لیکن مسکراہٹ قائم رہی۔ مقابل تو جیسے پاگل ہی ہو گیا تھا۔ وہ اُسے مارتا جا رہا تھا اور خضر مسکراتا جا رہا تھا۔

اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ چپ چاپ مار کھا رہا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کے سامنے بولنا اُسے اچھا لگا تھا۔

اس کے ذہن پر وہ شہد رنگ آنکھیں ابھریں۔ وہ درخشاں مسکراہٹ ابھری۔ "اس کے چہرے کو یاد کرتے آنکھیں بند کرلو۔ تمہیں درد نہیں ہوگا اور نہ ہی خوف آئے گا۔" اس نے اپنی بہن کے چہرے کو یاد کرتے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔

وہ صرف یہی خیال کر پا رہا تھا کہ وہ اپنی بہن کے ساتھ کھڑا ہے۔ موسم خوش گوار ہے اور وہ دونوں مسکرا رہے ہیں۔ اور یہ سوچتے ہی اس کا سارا درد غائب ہو گیا تھا۔

نووارد کی مار اس کے اپنی بہن کے لئے دائم پیار کے آگے کچھ نہیں تھی۔ نا جانے وہ کتنی ہی دیر لرزتا رہا۔ اس کے جسم پر نشان آتے گئے۔ اور پھر ہر سو اندھیرا چھا گیا۔

حواس کھونے سے پہلے اس کے ذہن میں آنے والا آخری خیال اس کی بہن ہی کا تھا۔ وہ حقیقت سے پرے خوابوں اور خیالوں کی دنیا تک رسائی حاصل کر گیا تھا۔ خیالات میں گم ہو کر جب انسان سکون کی طرف راغب ہوتا ہے تو اُسے کچھ ایسے خواب آتے ہیں جو اُسے حقیقت سے دور کر دیتے ہیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کردار کہانی کے ہوں یا زندگی کے، مات تب ہی ملتی ہے جب خیال اونچائی پر ہوں اور انسان زمین پر۔ ہر کسی کے خواب ایک سے نہیں ہوتے پر انہیں توڑنے والے ایک سے ہوتے ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اختتام حصہ سوم

جاری ہے..

باقی آئندہ قسط میں۔

باب ۱۰

آخری حصہ: حصہ چہارم: حقیقت

نومبر کے ماہ کی ابتدائیت ہو چکی تھی۔ ہوا میں برودت کا احساس پھیلا ہوا تھا۔ آسمان ہلکے نیلے رنگ اور بادلوں سے رنگا ہوا تھا۔ سوات کے ہریالی سے بھرپور پہاڑ قابلِ ستائش تھے۔ کشادہ سڑکیں اور ان پر چھوٹی چھوٹی دکانیں اپنائیت کا احساس دلاتی تھیں۔

پاکستان کے صوبے خیبر پختون خوا میں واقعہ یہ وادی ہر طرح سے سراہے جانے کے قابل تھی۔ ایک سکون سا تھا اس کی فضا میں۔ پہاڑوں سے آگے بڑھتے ہم ہوٹل کی طرف سفر

میں گامزن رہیں تو ہمیں احساس ہو گا کہ گزشتہ سڑکوں کے برعکس یہ والی سڑکیں لوگوں کی بھیڑ اور دکانوں سے مکمل نظر آتی تھیں۔

یہاں کا منظر ٹھیک ویسا تھا جیسی راولپنڈی کی مری روڈ چوبیس گھنٹے رہتی تھی۔

جگہ جگہ ہوٹل اور دکانیں تھیں۔ سرزمین اتنی کشادہ نہ سہی پر مقیم لوگوں کے دل فراغ تھے۔ جو کہ ان کی شناخت کی ایک واحد صفت تھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

سوات کے اُس علاقے میں ڈاکٹر زہر گزرتے دن کے ساتھ مریضوں کے علاج میں مصروف نظر آتے تھے۔ آج کا دن بھی فراغت سے خالی نہ تھا۔

ان کے ساتھ آنے والے اہلکاروں کا تبادلہ ممکن پایا تھا۔ دو اہلکار صحت کی خرابی کی وجہ سے واپس اسلا آباد کا رُخ کر گئے تھے۔ اور ان کی جگہ المیر نے قوی اور محمت کو بھیجا تھا۔ اور سیکورٹی کے لئے چند اہلکار سوات کے تھانوں سے بلوائے گئے تھے۔

حالیہ منظر کشی کچھ اس طرز کی تھی کہ ہوٹل کی لابی میں ایک کونے میں چار صوفے لگے تھے۔سامنے استقبالیہ عملہ میز کے اُس پار نشست تھا اور لوگ آس پاس سے آجا رہے تھے۔ کوئی اندر آتا تو کوئی الوداع کہہ کر باہر نکل جاتا۔

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ یہی ہوتے دیکھ رہا تھا۔وہ صوفوں کے درمیان رکھی میز پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔اس کے بیٹھنے کے انداز پر پاس سے گزرتا استقبالیہ عملہ اُسے گھوری سے نوازتا پر وہ تھا کہ اُس سمت کان ہی نہیں دھر رہا تھا۔

کبھی کبھی وہ سوچتا تھا کہ اس کے ساتھ وہ واقعے کیوں پیش آتے تھے جن کا کسی بھی نارمل انسان کی زندگی میں رونما ہونا ناممکن تھا؟

جیسے کہ اپنا تمام تر سامان کمرے میں چھوڑ کر چابی بھی اندر ہی چھوڑ دینا اور پھر روم کا نہ کھلنا۔ یہی واقعہ آج صبح اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ڈاکٹر ثمر ہوٹل کے باہر ہی میز لگا کر مریضوں کا علاج کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔اس لئے راحم رضا احمد نے سوچا دور تھوڑی جا رہے ہیں جو فون کی ضرورت پڑے۔اس لئے اس نے اپنا فون کمرے میں رکھا اور کمرہ بند کر دیا۔

یہاں کے کمرے ایسے تھے جن کو بند کرنے کے لیے چابی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔اگر صرف ہینڈل ہی گھما دو تو دروازہ بند ہو جاتا تھا۔البتہ کھولنے کے لئے چابی درکار ہوتی تھی۔

اور یہیں آ کر راحم بری طرح پھنسا تھا۔اس نے چابی فون کے غلاف کے اندر رکھی ہوتی تھی۔

اس لئے جب اس سے فون کو کمرے میں چھوڑا تو ساتھ چابی بھی اندر ہی رہ گئی اور کمرہ بند ہو گیا۔جب ایک گھنٹہ پہلے ہی وہ بوریت کے باعث بیٹھ بیٹھ کے تھک گیا تو خیال آیا کہ جا کر کمرے سے فون اٹھا لے آئے۔

اپنے کمرے کے دروازے کے آگے کھڑے ہو کر اس نے فون کے غلاف سے چابی نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا اور فون کے لئے جیب کو ٹٹولا۔ فون نہ پا کر آندھی آئی۔ طوفان آیا اور ڈھیر سارا رونا بھی۔

یاداشت پر زور ڈالنے پر ذہن کی اسکرین پر اپنی حرکت کی داستان روشن ہوئی۔ فون کمرے میں تھا اور چابی بھی۔

لیکن وہ ناامید نہیں ہوا تھا۔ واپس لابی میں آیا اور ماسٹر چابی کی درخواست عملے کے سامنے لا رکھی تو جواب حیران کن تھا۔ ہوٹل والوں کا کہنا تھا کہ ان چابیوں کی ماسٹر چابی نہیں ہوا کرتی۔ لیکن ڈپلیکیٹ چابی ہوتی ہے۔ عملے میں شامل لڑکا ایک کمرے میں گیا اور وہاں کمرہ نمبر سولہ کی چابی تلاشتا رہا۔

واپس خالی ہاتھ آیا تو راحم رضا احمد نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ عملے نے اُسے یقین دلایا کہ چابی مل جائے گی۔ آپ تھوڑی دیر لابی میں انتظار کر لیں۔

تھوڑی دیر کیا ایک پورا گھنٹہ بیت گیا تھا۔وہ کب سے بیٹھا اُس چابی کے انتظار میں تھا۔فون بھی نہیں تھا اور دوسری کوئی مصروفیت بھی۔اُکتاہٹ کے دہانے پر کھڑے اُس شخص کو نیند سے جمائیاں آنے لگی تھیں۔

مجبور ہوتے وہ میز سے اٹھا اور صوفے پر لیٹ گیا۔اور چند ہی منٹوں میں وہ نیند کی وادی میں کھو گیا تھا۔

اُسے سوئے ہوئے پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے جب زمرد رنگ کی شلوار قمیض پہنے،اوپر لیب کوٹ اوڑھے وہ سراپا اپنی ڈیوٹی سے لوٹ کر لابی میں داخل ہوا تھا۔

بے وقت بھوری آنکھیں صوفے پر لیٹے شخص پر گئیں۔آتے جاتے لوگوں کے لئے اُسے نظر انداز کرنا مشکل تھا۔اور ان ہی کی طرح وہ بھی نظر انداز کرنے میں ناکام ثابت ہوئی تھی۔

سوالیہ نظروں سے اُس کے سوئے ہوئے چہرے کو دیکھتے وہ ٹھٹکی۔ پھر سامنے کی اور چل دی۔ استقبالیہ میز کے اُس پار بیٹھے آدمی سے اُس کے وہاں سونے کی وجہ پوچھی تو اُسے سننے کو پوری روداد ملی۔

اُسے تعجب ہوا۔ خیر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کھانا کھا کر چائے بھی پی چکی تو آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر ایک گھنٹے بعد اٹھی اور باہر ٹہلنے کا ارادہ کرتی وہ لابی میں آن پہنچی۔

نظریں اُس کو نظرانداز کرنے سے انکاری تھیں۔ ہوٹل کے خارجی دروازے تک آئی اور رک گئی۔ چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا جو بازو سینے سے جوڑے بڑی مشکل سے صوفے پر سو رہا تھا۔ صرف جسمِ بالا صوفے پر تھا۔ قد ہی اتنا تھا کہ ٹانگیں لٹک رہی تھیں۔

شاید اسے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ دماغ کہہ رہا تھا چپ چاپ گزر جائے۔ دل ہمیشہ روک لیتا تھا اُس کے دور جاتے قدموں کو۔ عادت سے مجبور ہوتی وہ قدموں پر پلٹی اور راہداری میں کہیں غائب ہو گئی۔

واپس آئی تو ہاتھ میں ایک کمبل تھا۔جو کہ ہوٹل انتظامیہ کی جانب سے اضافی طور پر دیا گیا تھا۔اسٹاف کا ایک بندہ پاس سے گزرا تو اس نے آواز لگائی۔"جی میڈم؟"

"یہ ان پر دے دیں۔"اس کی طرف اشارہ کیا۔وہ مسکراتے ہوئے کمبل لے کر اس تک بڑھا۔اُسے اچھی طرح اُس پر پھیلانے کے بعد وہ وہاں سے نکل گیا۔

ایک پُر سکون لہر اُس کے دل و دماغ میں دوڑی اور وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ انگڑائی لیتے ہوئے اٹھا اور آس پاس دیکھنے لگا۔وہ یہاں کب سویا؟پھر اچانک صبح میں پیش آئے واقعے کو یاد کرتے اس نے لب بھینچے۔

اتنے میں نظر اپنے اوپر دیئے گئے کمبل پر پڑی تو وہ کشمکش کا شکار ہوا۔پھر مسکرا کر استقبالیہ میز کے اُس پار کھڑے لڑکے کو دیکھا۔ضرور اُسے ہی اس پر ترس آگیا ہو گا۔

بالوں میں ہاتھ مارتے اس نے انہیں ٹھیک سے سیٹ کیا اور کمبل تھامے تھامے اُس تک گیا۔
"یہ کمبل آپ نے دیا ہے نا؟ تھینک یو سوچ۔ مجھے واقعی ٹھنڈ لگ رہی تھی۔" مسکرایا تو گال میں گڑھا بڑی شان سے ابھرا۔

"میں نے نہیں دیا سر۔ یہ تو، وہ آپ کے ساتھ نہیں ہوتیں ڈاکٹرنی.. انہوں نے دیا ہے۔"

اس کی بھنویں حیرت سے بلند ہوئیں۔ آنکھوں میں تعجب اور لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "وہ جن کے گال پر تل ہے؟ یہاں پر..." رخسار کے بیچوں بیچ انگلی رکھی تو وہ تیزی سے سر ہلانے لگا۔ "انھوں نے خود مجھ پر کمبل دیا تھا؟"

اس نے سر ہلایا۔ "لائی وہ تھیں۔ دیا مشتاق نے تھا۔ اسٹاف کا ممبر ہے۔" وضاحت دینا ضروری سمجھا۔

گہری مسکراہٹ کے ساتھ وہ منہ کھولے خوش تاثرات کے ساتھ باہر کی جانب بڑھ گیا۔
لیکن اس سے پہلے کمبل کو ٹھیک سے طے کر کے میز پر رکھا اور لڑکے کو اس پر نظر رکھنے کا کہنا نہ بھولا تھا۔

باہر آیا تو نگاہ سب سے پہلی پڑی ہی اُس پر جو باگیچے کے ایک کونے میں سب سے الگ تھلگ کُرسی رکھے آرام سے بیٹھی تھی۔

اُسے خیال بھی رکھنے آتا تھا؟

یہ کیسا اعلان جنگ تھا؟

چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ ابھی گھاس کے بیچوں بیچ پہنچا ہی تھا جب اُسے زور سے چھینک آئی۔اور پھر ایک کے بعد ایک آتی ہی چلی گئی۔زرد مائل سپید پر کھڑی اونچی ناک فوراً سرخ ہوئی تھی۔

وہ جو اس تک جاتی راہ لئے قدم بڑھا رہا تھا فور اُرکا۔اُسے تو زکام کی شکایت ہو گئی تھی۔ایسے میں اس کے پاس گیا تو ممکن تھا کہ اُسے بھی زکام ہو جاتا۔مایوسی سے معصوم چہرہ بناتے اُس نے رُخ موڑ لیا۔

پچھلے دو ہفتوں سے وہ اس سے نہیں ملا تھا۔نہ بات کی تھی۔ظاہر ہے وہ اسے اس قدر ناپسند جو کرتی تھی۔لیکن اب جب اس نے بہت سی ہمت اکھٹی کر کے بات کرنے کا ارادہ کیا تو یہ مسئلہ آن ٹپکا تھا۔

وہ جب سے المیر سے دور آیا تھا اُسے بہت مس کرتا تھا۔یہاں کوئی بھی اُس جیسا نہیں تھا۔سب بہت مختلف تھے۔ایسے میں اُسے صرف مہوین سے شناسائی کا احساس ہوتا تو دل چاہتا بے شک بات نہ کرے بس اُس محفل کا حصہ بن جائے جہاں وہ تھی۔

لیکن یہ بھی انجام پاتا اُسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اب دائیں طرف جا رہا تھا۔ وہاں رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر وہ نشست ہو گیا۔ اس کی تو مت ہی ماری گئی تھی جو آدھی آستینوں والی شرٹ پہن لی۔ باہر تو اندر سے بھی زیادہ ٹھنڈ تھی۔ لیکن اندر بیٹھ کر مچھر مارنے سے بہتر تھا یہاں بیٹھ کر خود کو مصروف رکھتا۔

اس دوران اس کی چھینکوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک کے بعد ایک آئے ہی جا رہی تھی۔ اس نے ٹشو کے لئے جیب ٹٹولا اور آخر کار ایک ٹشو برآمد ہو ہی گیا۔

Clubb of Quality Content!

آنکھیں میچتے اس نے سر کرسی کے ساتھ ٹکایا۔ ایک تو اُسے زکام لگتا بھی ایسا تھا جو ہفتے ہفتے جان نہیں چھوڑتا تھا۔ اب اگر بیمار پڑ گیا تو مجبوراً واپس بھیج دیا جائے گا۔ اور ایسے میں مہوین کی حفاظت کون کرے گا؟

اب المیر یہاں ہوتا تو چائے بنا دیتا۔ نہیں تو دوائی لا دیتا۔ اُسے شدت سے اس کی غیر موجودگی ستا رہی تھی۔

اتنے میں اُسے کسی چیز کو میز پر پٹکنے کی آواز آئی۔ جھٹ سے آنکھیں کھولتے اُس نے پہلے اُس کپ کو دیکھا جو میز پر
رکھا گیا تھا اور پھر اُس کو جس نے اُسے رکھا تھا۔

"کافی پی لیں۔ بہتر محسوس کریں گے۔"

کہا گیا اور ساتھ رکھی کرسی پر آرام سے بیٹھ گئی۔ وہ اُس کے پہل کرنے پر حیرت زدہ ہوا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ پھیلنے کو بے تاب تھی۔ لیکن وہ مسکرانا نہیں چاہتا تھا۔ اور مسکراتا بھی کیوں؟ مقابل نے صاف واضع کر دیا تھا کہ اس کی موجودگی اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

پچھلے ان گِنت روزوں سے یہی سوال اس کے ذہن کے گرد گھوم رہا تھا کہ وہ اس قدر کسی کو ناپسند کیسے ہو سکتا تھا؟

"اتنی ٹھنڈ میں ہاف سلیوز کون پہنتا ہے؟"

سوال کا گزر کانوں کے نزدیک سے ہوا تو اس نے اپنے دونوں بازوؤں پر نظر ڈالی جن پر موجود بال کھڑے ہو کر ٹھنڈ کی شدت کی عکاسی بخوبی کر رہے تھے۔

"مجھے ٹھنڈ نہیں لگ رہی۔" کہتے ہوئے چہرہ مخالف سمت میں پھیر لیا گیا۔اس کی اِس حرکت کو پر کھتے اس نے آنکھیں سکیڑ کر اُسے دیکھا۔اُسے اس کے روٹھنے پر ہنسی آئی تھی پر وہ دبا گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ناک سرخ کیوں ہو رکھی ہے پھر؟"اُس نے راحم کو اس کی ناک چھوتے دیکھا۔

"پتا نہیں۔"مہوین کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔وہ پہلی دفعہ اُسے اس طرح برتاؤ کرتے پا رہی تھی۔

"کافی پی لیں، ٹھنڈی ہو جائے گی۔" وہ اب کہ مزید رُخ پھیر کر بیٹھ گیا تھا۔"پی لوں گا۔"

"ناراض ہیں؟" دھیمی مائل آواز میں پوچھا گیا۔ چند لمحے جواب نہ آیا پر پھر اس نے بنا ہلے گردن پھیر کر پیچھے بیٹھی مہوین کو دیکھا۔ "میری ہر بات آپ کو ناگوار گزرتی ہے۔ اس لئے خاموش ہوں۔"

اس روز کہے اپنے جملوں پر وہ گزشتہ ہفتوں سے بے حد نادم تھی۔ وہ جانتی تھی وہ نہیں سمجھے گا۔ اور افسوس بھی اس نتیجے پر تھا کہ وہ نہیں سمجھے گا۔

وہ اپنی سبز آنکھیں گھاس پر جھکائے اس سے مخاطب تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی تھی کہ کسی کا پورا کا پورا وجود خاموشی پر قائم کیسے ہو سکتا ہے؟ پوری دنیا کے لیے وہ ہر وقت بولنے والا ارحم تھا پر مہوین کے لئے وہ حساس آنکھوں اور ان کہے الفاظ کو دل میں دبا کر رکھنے والا ارحم تھا۔

اس کا چہرہ دیکھ کر اُسے لگتا تھا وہ اپنے اندر بہت سی باتوں، رنج اور تکلیفوں کا غبار سمیٹے ہوئے ہے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہ ہر طرح سے اُس کے لیے پرفیکٹ تھا۔ لیکن اُس کا نہیں تھا۔ فرق تھا تو صرف دو لفظوں کے لگانے اور ہٹانے کا۔

"آئی ایم سوری۔ اس دن کے لئے۔ مجھے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں اپ سیٹ تھی اُس روز۔ میں عموماً ایسے برتاؤ نہیں کرتی لیکن آپ.." کہتے کہتے سنبھل گئی۔ اسی لئے اُسے زیادہ بولنا پسند نہیں تھا۔

"لیکن میں سامنے آتا ہوں تو آپ کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ "اُس روز اپ سیٹ کیوں تھیں آپ؟"

وہ اُسے دیکھتی رہی۔ اس کی مسکان آنکھوں تک جا پہنچی۔ سوال کا جواب خود سوال پوچھ رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں بتا سکتی۔" چاند بادلوں کے پیچھے چھپا تھا۔ شام رات میں بدل چکی تھی۔ وہ چاند کو دیکھ رہا تھا اور مہوین اُسے۔ آس پاس کھڑے درخشاں اسٹریٹ لیمپ کی روشنی اس کی زمرد رنگ آنکھوں میں چمک رہی تھی۔

چاند کی روشنی نہیں تھی۔ آج وہ مرجھایا مرجھایا سا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں کو چمکنے کے لئے بیرونی روشنی کی ضرورت تھی ہی کہاں۔

کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا ترا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرا ترا

ہم بھی وہیں موجود تھے ہم سے بھی سب پوچھا کیے
ہم ہنس دیئے ہم چپ رہے منظور تھا پردہ ترا

اس شہر میں کس سے ملیں ہم سے تو چھوٹیں محفلیں
ہر شخص تیرا نام لے ہر شخص دیوانا ترا

کوچے کو تیرے چھوڑ کر جوگی ہی بن جائیں مگر
جنگل ترے پربت ترے بستی تری صحرا ترا

"میں پوچھ رہا ہوں اس لیے؟"اس کی نظریں بادلوں سے چاند تک کا سفر طے کرتیں فلک پر پھیل رہی تھیں۔

"نہیں...آپ پوچھ رہے ہیں اس لئے۔"آپ پر زور ایسے دیا گیا جیسے وہی مرض بھی ہو اور مرض کی دوا بھی۔

"اور اگر میری جگہ کوئی اور پوچھتا تو؟"وہ اتنے سوال تو کسی سے نہیں کرتا تھا۔تفتیش کے دوران بھی نہیں۔لیکن آج اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پوچھے اور وہ بتاتی جائے۔

کیا وہ چاہتا تھا کہ وہ بولتی جائے اور وہ سنتا رہے؟

"آپ کی جگہ کوئی اور نہیں پوچھ سکتا تھا۔" وہ اتنے نرم لہجے میں گویا ہوئی تھی کہ پل بھر کے لیے راحم کی نظریں چاند سے ہٹ کر اس پر آ ٹھہریں۔ "کیوں؟"

"کیونکہ آپ..."

"میں کیا..؟"

"...آپ..."

وہ جواب کا منتظر تھا۔ انتظار نہ کرنے کی اپنی عادت کو وہ چند لمحوں کے لیے بھلا چکا تھا۔ آج جواب سننے کے لئے وہ سالوں انتظار کی نظر کر سکتا تھا۔ اس قدر کشمکش میں مبتلا تھا وہ۔

"...آدھا چاند ہیں۔" خوبصورت۔ "ایک حصہ عیاں.." خوبصورتی سے بھرپور پر دور۔"... اور ایک حصہ چھپا ہوا۔" سب سے خوبصورت۔

Clubb of Quality Content!

اس کی بھنویں تنگ ہوئیں۔ وہ اُسے چاند سے تشبیہ کیوں دے رہی تھی؟ کہاں وہ اور کہاں چاند۔ "میں کچھ سمجھا نہیں۔" اس کی باتوں کے جواب میں اکثر اس کا ذہن یہی جملہ دوہرایا کرتا تھا۔ پر آج ان الفاظ کو زبان تک رسائی مل ہی گئی تھی۔

"یہی تو مسئلہ ہے..." کہ آپ کچھ سمجھتے نہیں۔ وہ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ بیٹھی نہیں رہی تھی۔ وہ مزید بیٹھ کر اپنا دل نہیں توڑ سکتی تھی۔ چپ چاپ سی اٹھی اور ایک آخری نظر اُس کافی کے کپ پر ڈالی جو کہ شاید اب تک برف کی طرح ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

پھر وہ دور چلتی گئی اور منظر سے غائب ہو گئی۔

حالانکہ گھڑی پر پانچ بج رہے تھے، اُس علاقے کا آسمان گہرے نیلے رنگ میں ڈھل رہا تھا۔ ٹھنڈ آہستہ آہستہ ہر گزرتے روز کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ چونکہ آج ہفتہ تھا اور کل اتوار، اس بنا پر تمام ڈاکٹرز کے یہ دو روز ہر قسم کی مصروفیت سے عاری تھے۔

یہی ذہن میں رکھتے ہوئے ڈاکٹر ثمر نے تجویز کی تھی کہ ان دو روز سیر سپاٹوں کے قابل مختلف جگہوں کا دورہ کیا جائے گا۔ اسی غرض سے دوپہر میں آس پاس کے علاقوں سے ہو کر وہ مالم جبہ سے کچھ فاصلے پر قیام کرنے کے لیے ایک ہوٹل تلاش چکے تھے۔

ناولز کلب

ادھر پاس میں ہی ایک ہریالی سے بھرپور جگہ تھی جہاں ایک ہی ہوٹل اپنی جگمگاتی دو منزلہ عمارت کے ساتھ کھڑا تھا۔ جس کے باہر وہ تمام تر افراد کھانا نوش فرمانے کے بعد گپوں میں مشغول کرسیوں پر بیٹھے نظر آتے تھے۔

مہوین امین کے سامنے راحم رضا نشست تھا۔ وہ زیرِ گفتگو تھا، ہر چھوٹے موٹے موضوع پر۔ لیکن اس کی آنکھیں ہر دو منٹ کے بعد اُس سانولی رنگت پر آن ٹھہرتی تھیں۔ جس کو حد سے زیادہ نیند آ رہی تھی۔ ہر چند لمحوں بعد وہ جمائی لیتی آنکھیں نہ بند کرنے کی کوشش میں تھی۔

تمام اہلکار بھی ان کے ساتھ ہی نشست تھے۔مہوین کی دائیں طرف ڈاکٹر آسیہ اور بائیں طرف ڈاکٹر دانش موجود تھے۔

اس نے ہاتھ لٹکا کر گھاس پر رکھی پانی کی بوتل کو اٹھایا اور اس کا ڈھکن کھول کر اُسے منہ سے لگالیا۔اُسے ٹھنڈ میں پیاس بہت لگ رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

Jingle Bells, Jingle Bells

Jingle all the way

Oh what fun it is to ride in a

One horse open sleigh

Jingle bells, Jingle Bells

Jingle all the way

اور ساتھ میں کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے کسی شخص کا فون بجنے لگا۔ پھر اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ کوئی اب کرسی کھینچ کر ان کے درمیان بیٹھ رہا تھا۔ نظروں میں جیسے پل بھر کے لئے کچھ ابھرا۔

اس کا دل زور زور سے بھاگا۔ حلق خشک ہونے لگا اور چہرہ اتنی ٹھنڈ میں بھی گرماہٹ کا مرکز بن گیا۔ اُسے عالیہ کی یاد آئی۔ عالیہ... وہ اسی سے تو ڈرتی تھی۔ اس نے نظریں مقابل سے ملائیں.. وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے تھوک نگلا اور نظریں پہلو میں گرالیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے چہرے پر پسینہ آنے لگا تھا۔ سانس اچانک اپنی رفتار بڑھا گیا تھا۔

"مہوین، تم ٹھیک ہو؟" دانش کی آواز پر اس نے برق رفتاری سے چہرے کو موڑتے اُسے دیکھا۔ وہ بلاشبہ ڈری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں پل بھر میں بڑی ہو گئی تھیں۔

حقیقت واقعی ایسی تھی کہ ذہن شل ہو جائے۔

اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں میں پہلے سے تھامے ٹشو سے چہرے کو صاف کیا۔ پھر دشواری کا سامنا کرتی ہوئی مسکرائی۔ "دانش.. میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میں اپنے روم میں جا رہی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے فوراً اٹھی۔ کرسی کو جھٹکے سے پیچھے کرتے اس نے قدم اس سے دور لئے۔

پھر خاموشی سے منظر سے غائب ہو گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

راحم کو اُس کا اچانک اٹھ جانا قدرے عجیب لگا تھا۔ لیکن وہ اس کے پیچھے نہیں گیا تھا۔

"آپی.. پلیز فون اٹھالیں۔" وہ فون کی اسکرین کو گھورتی کمرے میں گول گول چکر کاٹ رہی تھی۔ "مجھے پتا چل گیا ہے عالیہ کا قاتل کون ہے۔"

گھنٹی بج رہی تھی پر وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔ اس نے غصے سے اُسے دیکھا اور پھر اپنے بے ترتیب ہوئے سانس کا جائزہ لیا۔

انسان واقعی ویسے نہیں ہوتے جیسے دکھتے ہیں۔

"پلیز کال اٹھالیں..." خوف نے چاروں اور سے اُسے قابو میں کر لیا تھا۔ اُس کا ذہن کچھ بھی مزید سوچنے سے عاری تھا۔ دل ایسے دوڑ رہا تھا جیسے ابھی اچانک بند ہو جائے گا۔

اُسے سر میں دھڑکن محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی چال بھی لرزی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

اسی لمحے اُسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی پڑی۔ وہ اسی طرف آرہا تھا۔ اُس نے ڈر کر دروازے کو گھورا.. ٹھکانہ کوئی نہیں تھا۔ وہ کہاں جاکر چھپتی؟

اور اُس کے ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

··—·ᘓᘐ·—··

شناسا نام اسکرین پر جگمگاتے دیکھ وہ افراد کے اُس ہجوم میں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "کیسی ہو اِشفا؟"

"میں ٹھیک ہوں.. بھائی، مہوین آپ کے ساتھ ہے؟" اس کی آواز میں بوکھلاہٹ شامل تھی۔ اُس کا گھبرایا ہوا لہجہ اُس نے اچھے سے محسوس کر لیا تھا۔ "نہیں۔ ہم سب باہر ہیں، جبکہ وہ پچاس منٹ پہلے ہی ہوٹل میں واپس چلی گئی تھیں۔ کیوں کیا ہوا؟"

کچھ لمحے کا وقفہ چھا گیا۔ "اس نے مجھے چالیس منٹ پہلے کال کی تھی۔ میرا فون کمرے میں تھا اور میں سر مرزا کے ساتھ تھی۔ اس لئے کال اٹھا نہیں سکی۔ اب پچھلے دس منٹ سے کال کر رہی ہوں تو وہ نہیں اٹھا رہی..."

راحم نے الجھتے ہوئے ابرو اُچکائی۔ "شاید سو گئی ہوں... تم ٹھہرو میں پتا کرتا ہوں۔" بنا پلٹے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوٹل کے داخلی دروازے سے اندر آیا۔ چونکہ مطلوبہ کمرہ پہلی منزل پر ہی تھا۔ اس لئے اس نے کمرے کی طرف جاتے راستے پر چلنا شروع کر دیا۔

اس کے کمرے کے باہر کھڑے ہوتے اس نے زوروں سے دستک دی۔ اور مسلسل دیتا ہی چلا گیا۔ "مہوین؟"

جب اگلے تیس سیکنڈ تک بھی کوئی آواز نہ آئی تو اُسے فکر لاحق ہوئی۔ کہیں پھر سے باتھروم میں بند تو نہیں ہو گئیں؟ سوچتے ہوئے اُس نے چند قدم پیچھے لئے اور پھر شدت سے آگے بڑھتے ایک زور آور لات دروازے کے درمیانے حصے پر ماری، جس سے دروازہ فوراً کھلا۔

وہ تیزی سے اندر بڑھا۔ کمرے کے حصے حصے پر نظر ڈال کر اُسے متلاشی نظروں سے ڈھونڈا۔ وہ یہاں نہیں تھی۔ باتھروم کی طرف چہرہ موڑتے اس نے اس کا دروازہ کھٹکٹانے کے بعد، ہینڈل گھما کر اُسے کھولا تو منظر خالی پایا۔

یہ کہاں چلی گئی؟

کمرے میں سب کچھ ٹھیک تھا۔ کہیں بھی کوئی چیز بے ترتیب نہیں تھی۔ پیشانی پر ہاتھ پھیرتے وہ ایک دفعہ پھر سے پلٹا۔ کمرہ اندر سے لاکڈ تھا.. اگر یہاں سے نہیں گئیں تو۔۔

نظریں بے اختیار بائیں طرف دیوار پر لگی ایک کھڑکی پر گئیں۔ وہ اُس تک آیا۔ کھڑکی بند تھی۔ اس نے اُسے کھولتے سامنے والے منظر پر آنکھیں مرکوز کیں۔ یہاں کی راہ سیدھی کھیتوں کی طرف جاتی تھی۔ پیشانی پر شکنیں ابھریں۔

اس نے کھڑکی کے اطراف کو اچھے سے پرکھا۔تب ہی اس کی نظر ایک کیل کی طرف اٹھی۔ جہاں کسی کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا اٹکا ہوا تھا۔اس نے آگے پیچھے نظریں گھماتے کسی چیز کی کھوج لگائی۔ٹشو کے ڈبے پر نظر پڑتے اس نے ٹشو نکالا اور اس کی مدد سے کپڑے کے ٹکڑے کو کیل کے ساتھ سے اتارا۔

ٹکڑے کا رنگ ہلکا اناری تھا۔لمحے بعد ہی اُسے یاد آیا کہ مہوین نے بھی آج اسی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔اس کا دل زور زور سے بھاگا۔

لیکن اس کی خراب ہوتی کیفیت میں خلل فون کی گھنٹی سے پیدا ہوا۔ٹکڑے کو ٹشو میں لپیٹتے اس نے اُسے سنگھار میز پر رکھا اور پھر گھنٹی کی دُھن سنتے اس کا پیچھا کرتے کرتے بیڈ کے قریب پہنچا۔وہیں اُسے وہ زمین پر پڑا دکھا۔

اس نے فون کو اٹھایا اور اسکرین کو گھورا۔جہاں مہوین کی تصویر لگی تھی اور کال اِشفا کی آرہی تھی۔اس پر انگلیاں چلاتے اس نے کال اٹھائی۔"اِشفا، مہوین کا فون مل گیا ہے پر مہوین یہاں نہیں ہیں۔"

"بھائی، پلیز سہی سے دیکھیں۔"اس کی آواز کٹ کٹ کر آرہی تھی۔"میں دیکھتا ہوں۔ انتظار کرو۔"کال کاٹتے وہ کمرے سے باہر نکلا۔

دس منٹ میں وہ ہوٹل کا کونا کونا چھان چکا تھا۔اب وہ محمت اور قوی کے لئے حکم صادر کر رہا تھا۔اُس کی حالت اب پچھلے ایک آدھ گھنٹے کی نسبت بگڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔بال بکھرے ہوئے، آنکھیں زرد اور چہرہ مرجھایا ہوا۔

ناولز کلب

اہلکاروں نے علاقے کا چپہ چپہ چھان لیا تھا پر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔

چہرے پر دونوں ہاتھ باری باری پھیرتے اس نے پریشان حال چہرہ فلک کی طرف اٹھایا۔اُس نے محسوس کیا تھا کہ ایک ان چاہی سی کیفیت اس کے دل پر قابض ہو چکی تھی۔وہ اپنی حالت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

زندگی میں دوسری دفعہ کسی چیز سے وہ خوف زدہ ہوا تھا۔اس سے پہلے اُسے اس کی غصیلی آنکھوں نے ڈرایا تھا۔

اُس نے مایوس ہوتے دل کے ساتھ کال ملائی۔"بھائی، ملی وہ؟"اس نے سوال پر تھوک نگلا تھا۔

"نہیں۔۔"یک لفظی جواب اور وہ بھی خاموشی آمیز۔

"وہ کہاں جاسکتی ہے؟پتا نہیں اس نے مجھے کال کیوں کی تھی..."روندھی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔اس کے پاس ان سوالات کے جواب نہیں تھے۔

"ان کے کمرے کی کھڑکی بند تھی لیکن اس کے پاس لگی ایک کیل میں ان کے کپڑوں کا ٹکڑا پھنسا ہوا تھا۔مجھے لگتا ہے وہ دروازے کی جگہ کھڑکی سے گئی ہیں.."

"لیکن، لیکن وہ ادھر سے باہر کیوں جائے گی..وہ بھی اپنے فون کے بغیر؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اس کا ایک ہی مطلب ہے..."اس کی آواز میں چھایا گہراؤ محسوس کیا جا سکتا تھا۔"کیا؟"

"وہ خود نہیں گئیں،انہیں لے جایا گیا ہے۔"

لفظوں کی ادائیگی پر اب اِشفا کے رونے میں اضافہ ہو چکا تھا۔پھر اچانک آواز آہستہ ہوئی۔

"اس کی واچ..بھائی،وینی ایک گھڑی ہمیشہ پہنی رکھتی ہے۔سمارٹ واچ۔اس میں ایک سم ہے۔ہم اس کے ذریعے اُسے ٹریس کر سکتے ہیں۔"

Clubb of Quality Content

"وینی؟"اس کی بھنویں بے وقت آپس میں ٹکرائیں۔

"جی اس کی واچ.."

"تم نے کہا وینی؟"نام کی ادائیگی کے ساتھ ہی اس کا دل جیسے پل کو دھڑکنا بھول گیا۔اس کے ذہن کا حصہ حصہ متذبذب کا شکار تھا۔

"ہاں.. مہوین۔ وینی میں مہوین کو بچپن سے کہتی آ رہی ہوں۔ یہ اس کا نک نیم ہے۔"

حقیقت اتنے وقت سے اس کی نظروں کے سامنے عیاں و بیاں تھی۔ وہ اُسے ڈھونڈھ رہا تھا جو اس کے اتنا نزدیک موجود تھی۔ وہ بھوری آنکھیں، وہ چہرہ اسی لئے اتنا مانوس معلوم ہوتا تھا۔

رفتہ رفتہ پچھلے گیارہ ماہ میں اس کے اور مہوین کے درمیان پیش آئے واقعات اور اَن گنت ملاقاتوں میں پیش آنے والی ان کی گفتگو اور اس کی چور نظریں۔ اس کا سرد مہر رویہ، تلاشتی آنکھیں، تلخ زبان...

یعنی.. یعنی وہ اتنے وقت میں اس صدقِ حال سے واقف تھی۔ دھیرے دھیرے اُسے سب سمجھ آنے لگا تھا۔ ان کے گھر کا اُسے شناسا لگنا۔ اس کی ناراض نظریں۔ یک لفظی مدھم جواب۔

وہ اس لئے اس سے ناراض تھی کیونکہ وہ اُسے پہچان نہیں پایا تھا۔"مجھے لگتا ہے اب کبھی اُس سے ملا تو پہچان جاؤں گا.."ماضی میں اپنے ہی کہے جانے والے الفاظ اُس کے ذہن کے گرد گول دائرے میں چکر کاٹنے لگے۔

"شاید وہ اب آپ سے ملنا نہ چاہے۔"

"انسان ملنا تو ان سے نہیں چاہتا جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ جن پر وہ غصہ ہوتا ہے۔ وہ اور میں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔ تو پھر وہ مجھ سے ملنا کیوں نہیں چاہے گی؟"

"کچھ سوالوں کے جواب نہیں ہوا کرتے۔ اور جن کے جواب میسر نہ ہوں، ان سوالوں کے پیچھے بھاگنے کی کوتاہی کبھی نہیں کرنی چاہیے ہے۔"

اصلیت اتنے وقت سے اس کے سامنے گھوم رہی تھی اور وہ آنکھیں موندے بیٹھا رہا۔ کتنی بڑی غلطی سرزد ہو گئی تھی اس سے۔ وہ کیسے پہچان نہیں پایا کہ مہوین ہی وینی ہے..؟

مگراس نے آخر کیوں کر اُسے سچائی سے اگاہ نہیں کیا؟

"راحم بھائی آپ سن رہے ہیں؟"اِشفا کی آواز سے اُس کے اطراف میں اِستادہ ہوا خول ٹوٹا تھا۔وہ سوچوں کی دنیا سے باہر آیا تھا۔"ہاں کیا؟"

"میں نے اس کی سمارٹ واچ پر کال کی ہے۔نمبر بند جا رہا ہے۔آپ پلیز کمرے میں جا کر دیکھیں کہ وہ وہاں ہی رکھی ہے یا نہیں.."

سر کو دھیرے دھیرے جنبش دیتے اس نے کال کاٹی اور واپس کمرے کی طرف بڑھا۔وہاں داخل ہوتے اس نے سارا سامان الٹ کر رکھ دیا تھا پر اُسے وہ گھڑی نہیں ملی۔

اس بات کی خبر اس نے اِشفا کو کی اور خود اہلکاروں کی طرف بڑھ گیا۔

سیاہ رنگ بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ چھت سے لٹکتے پنچنگ بیگ پر بڑی صفائی سے زور زور کے گھونسے مار رہا تھا۔ المیر خلیل اس وقت فائرنگ رینج کے ساتھ بنے جم میں کھڑا تھا۔ اس کے ماتھے سے ٹپکتا پسینہ نیچے تک کا سفر کرنے میں مشغول تھا۔

پچھلے تین مہینوں سے مسلسل کبھی قتل تو کبھی چوری کے کیسز کو دیکھتے، وہ ایک دن پہلے ہی فارغ ہوا تھا۔ گزشتہ ہفتوں کی نسبت اس کا چہرہ کمزور اور جسم دبلا پتلا نظر آتا تھا۔

کون کہتا ہے انسان بیماریوں سے ہلاک ہوتے ہیں؟ دکھ، رنج اور پریشانیاں انسان کی جان نکالنے کے لئے کافی ہوتی ہیں۔

اس کے سر میں روز ہی برقرار رہنے والا ایک برداشت سے باہر درد اٹھتا تھا۔ جس سے پیدا ہونے والی ٹیسیں اُسے حواسوں سے چند لمحوں کے لیے بیگانہ کر دیتی تھیں۔ ہر لمحے اُسے ایک ہی پچھتاوا رہتا تھا کہ وہ اپنی عالیہ کو نہیں بچا سکا۔ قاتل اُس کے گھر میں موجود تھا اور وہ سڑکوں کی خاک چھانتا رہا۔

Clubb of Quality Content

وہ اتنا برا بھائی تھا کہ اس کی بہن اس کو آ کر اصلیت باور نہیں کروا پائی۔ کیوں تھا وہ اس قدر بد نصیب؟ کیوں تھی اس کی قسمت ایسی؟ کیوں وہ سب اُسے چھوڑ جاتے تھے جن سے وہ محبت کرتا تھا؟ کس بات کی سزا دی جا رہی تھی اُسے؟

اُسے لگتا تھا عالیہ کا مجرم سامنے آئے گا تو سب کچھ سمٹ جائے گا۔ لیکن یہاں تو جواب منفی اور حالات امید کے برعکس تھے۔ سب کچھ بکھر رہا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کب تک چلے گا۔

اس کی ناہموار سوچوں کو پرے کرتے اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالتے اُسے باہر نکالا اور پھر اس پر جگمگاتا نام دیکھا۔ ایک گہری آہ بھرتے وہ وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

"المیر، مہوین نہیں مل رہی..." غمزدہ آواز دوسری طرف سے آئی تو وہ قدرے سیدھا ہوا۔

"کیا؟"

"دو گھنٹے پہلے اس کی میرے فون پر کال آئی تھی۔ میں مصروف تھی اس لئے اٹھا نہیں سکی۔ فارغ ہو کر کال کرتی رہی پر اس نے نہیں اٹھائی۔ میں نے راحم بھائی سے کہا اس کے کمرے میں جا کر دیکھیں۔ وہ دیکھ چکے ہیں.. وینی کہیں بھی نہیں ہے۔"

"ایسے کیسے؟ ٹھیک سے نہیں دیکھا ہو گا.. وہ کہاں جا سکتی ہے۔ تم ٹھہرو میں راحم سے بات کرتا۔"

"وہ ہر جگہ دیکھ چکے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کمرہ اندر سے بند تھا۔ اگر وہ باہر گئی بھی ہے تو دروازے سے نہیں گئی۔ کھڑکی سے گئی ہے۔ راحم بھائی کے بقول کھڑکی کے پاس لگی ایک کیل میں اس کے کپڑوں کا ٹکڑا اپھنسا ہوا ملا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، المیر۔ اُسے کچھ ہو گیا تو؟"

"کچھ نہیں ہو گا۔ اس کا فون ملا؟" اب کہ وہ زمین سے اٹھ چکا تھا۔ "جی، وہ کمرے میں ہی تھا۔ لیکن.. اس کی گھڑی.. سمارٹ واچ.. نہیں تھی۔ وینی اُسے ہر وقت پہنی رکھتی ہے۔ اگر میرا شک ٹھیک ہے تو ابھی بھی وہ گھڑی اس کی کلائی پر بندھی ہو گی۔"

"تم کال بند ہوتے ہی مجھے اس گھڑی کی سم کا نمبر بھیجو۔" جس پر اس نے ٹھیک ہے میں جواب دیا تھا۔

"تم رونا بند کرو پلیز۔ میں کچھ کرتا ہوں.. اُسے کچھ نہیں ہو گا۔ تم رونا نہیں اب، ٹھیک ہے؟" سوں سوں کی آواز آنا لمحے بھر کے لئے بند ہو گئی۔

"پکا وعدہ.. آپ اُسے ڈھونڈ لیں گے..؟" معصومیت سے لیز اس کی آواز ابھری۔ اس نے قرب سے آنکھیں میچیں۔ مہوین کا اچانک لا پتہ ہو جانا اچھی علامت نہیں تھا۔

"ہاں، میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں اُسے ڈھونڈ لوں گا۔"

ایک پورا دن گزر چکا تھا۔ابھی تک مہوین امین کی کوئی خبر نہیں مل پائی تھی۔وہ قلبی بے چینی سے دوچار تھا۔دل میں سو قسم کے وسوسے گھر کر رہے تھے۔اُسے ایک مرتبہ پھر سے کسی کو کھو دینے کا ڈر لاحق ہوا تھا۔

وہ جو سمجھتا تھا کہ اب کیا ہی نقصان ہو سکتا ہے اس کا۔وقت نے پھر ایسا وقت اس کے سر پر لا کھڑا کیا تھا کہ وہ کسی کو کھونے سے خوف کھا رہا تھا۔آخر کیوں پڑ رہا تھا اُسے اس قدر فرق؟

اس کی ایک ایک بات،ایک ایک زبان سے نکلا ہوا جملہ اس کے ذہن کے گرد گھوم رہا تھا۔وہ ہر بات اتنی پیچیدگی سے کہہ کر گئی تھی کہ وہ یقین ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ یہ وہی سالوں پہلے والی شرارتی نظروں کی مالک ہے۔

وہ اُس سے مل کر اُس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیوں کر اُس نے اپنی شناخت چھپائی؟کس بات کا ڈر تھا اُسے؟

اُس نے خیال میں گم اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی کھولی۔ جس کی کلائی پر سیاہ رنگ کی گھڑی بندھی تھی۔ جو اس کی بڑھی ہوئی دھڑکن کی عکاسی کر رہی تھی۔

ہتھیلی کے بیچوں بیچ دو کانٹے رکھے تھے۔ یہ اس کے پاس وینی کی امانت تھی۔ وہ جہاں جاتا تھا ان کو ساتھ لے کر جاتا تھا کہ کب کہاں کیسے اس کی پھر سے وینی سے ملاقات ہو جائے تو وہ اُسے اس کی چیز لوٹا دے گا۔ کیونکہ اُسے ڈر رہتا تھا کہ وہ ملے گی تو پھر سے لاپتہ ہو جائے گی۔

اور اُس کا وہ ڈر اُس کے روبرو آن ٹھہرا تھا۔ وہ واقعی لاپتہ ہو گئی تھی۔

Clubb of Quality Content!

لیکن وہ امید نہیں کھو سکتا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے نہیں جا سکتی تھی۔ بنا اُسے وجہ بتائے تو کبھی بھی نہیں۔ وہ اُسے تلاشے گا اور ضرور تلاشے گا۔ گلی گلی، کونے کونے۔

لمحے بعد ازاں اس کا فون بجا۔ اس نے جلتی ہوئی اسکرین پر آیا المیر کا میسیج دیکھا۔ "گھڑی کی پانچ گھنٹے پہلے کی لوکیشن مل پائی ہے۔ جو کہ اسلام آباد کی ہے۔"

پورا میسیج پڑھتے ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔ بجلی کی مانند اس نے تیزی سے اس کا نمبر ملایا۔

"پانچ گھنٹے پہلے کی؟"

"ہاں۔ میں اس وقت لوکیشن پر ہی کھڑا ہوں۔ اسلا آباد کا سنسان سا علاقہ ہے۔ سڑک کے کنارے ایک کیاری سے گھڑی بر آمد ہوئی ہے۔ میرے خیال سے اگر تو وہ اغواہ ہوئی ہے۔ تو اغواہ کار نے سفر کے دوران اس کی گھڑی اتار کر پھینکی ہو گی۔"

"میں ابھی ہی اسلا آباد کے لئے نکل رہا ہوں۔ محمت اور قوی کو بھی ساتھ ہی لاؤں گا۔" وہ تیز رفتاری سے بیڈ سے اٹھا تھا۔ "لیکن ڈاکٹر ثمر۔"

"بھاڑ میں گیا ڈاکٹر ثمر!" کال کاٹتے وہ اب الماری میں لگے ہینگرز سے اپنے کپڑوں کے تین جوڑے نکال رہا تھا۔ جو کہ وہ دومنٹ کے اندر اندر بیگ میں ڈال چکا تھا۔

راہداری میں ٹھہر کر اس نے قوی کا نمبر ملایا جس کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔"اپنا سامان باندھو۔ہم واپس چل رہے ہیں.."کال کاٹنے لگا تھا جب ٹھہرا۔"..ڈاکٹر مہوین کے بیگ نیچے لابی میں پڑے ہیں۔انہیں بھی گاڑی میں رکھو۔"

کچھ دیر قبل ہی اُسے خبر ملی تھی کہ مہوین کی گھڑی بکھری ہوئی حالت میں اسلا آباد کے ایک نامعلوم علاقے سے ملی ہے۔المیر کے بقول پولیس نے ہر جگہ اچھے سے دیکھ لیا تھا۔وہ وہاں بھی نہیں تھی۔

Clubb of Quality Content

ہزار قسم کے سوالات اطراف میں سر اٹھا رہے تھے۔لیکن سب سے بڑا سوالیہ نشان اُس سوال کے آگے لگتا تھا کہ مہوین سوات سے اسلا آباد آئی کیسے؟ہر جواب اس کے اغواہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

وہ کل سے ایک منٹ کے لئے بھی چین کا سانس نہیں لے پائی تھی۔ کبھی کس کے پاس تو کبھی کس کے پاس جا کر مدد مانگ رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے وزیرِ اعظم صاحب کی بیوی سے بھی مدد مانگی تھی پر انھوں نے انکار کر دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ وہ ایسے معاملات میں کچھ نہیں کر سکتیں۔

حالیہ منظر کچھ یوں تھا کہ وہ گیٹ سے دروازے تک جاتی راہ کے چکر کاٹ رہی تھی۔ چوبیس گھنٹوں سے زائد وقت بیت چکا تھا اور اس نے ابھی تک کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ بھوک کی وجہ سے پیٹ میں الگ درد تھا پر کھانے کا جی چاہ نہیں رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

کچھ دیر پہلے ہی سیفان یہاں سے ہو کر گیا تھا۔ وہ اب اپنے طور پر المیر کے اِشفا کو بتائے گئے پتے پر جا کر چیک کرنا چاہتا تھا۔

کمر پر دونوں ہاتھ رکھے وہ اچانک راہ کے بیچ رکی۔ چہرے کے تاثرات بدلے۔ چہرے کی زبان کچھ ایسی رونما ہوئی تھی کہ جیسے اُسے کچھ یاد آگیا ہو۔

"تم ابھی مجھے جانتی نہیں ہو، اِشفا۔ سلاخوں کے پیچھے رہ کر بھی میں وہ کر سکتی ہوں جس کا خیال بھی تمہیں چھو کر نہیں گزر سکتا۔"

دو مہینوں پہلے سنے گئے آئمہ ریحام کے الفاظ اس کے ذہن کے دروازے پر دستک دینے لگے۔ اچانک ہی اس کا دم گھٹنے لگا اور اس نے خود کو کمپوز کرنے کے لئے عمیق سانس لئے۔

وہ روشنی کی رفتار کی مانند پلٹی اور زینوں کی طرف بڑھی جہاں اس کا فون اور گاڑی کی چابیاں رکھی تھیں۔ انہیں تھامتے وہ گیٹ سے باہر نکلتی چلی گئی۔

Clubb of Quality Content!

وہ اُس بڑی اور خوفناک جیل کے باہر کھڑی تھی۔ اس نے زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ اُسے ایک روز یہاں کا رُخ بھی کرنا پڑے گا۔

بہت ہمت کرتے اُس نے چند قدم اندر لئے۔ سامنے ہی ایک میز رکھی تھی اور اُس کے اُس پار شلوار قمیض میں ملبوس ایک چالیس سے پینتالیس سالہ آدمی نشست تھا۔

وہ میز تک گئی۔ اُس آدمی نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ پھر ایک ابرو اُچکاتے اُسے سر تا پیر دیکھا۔ اُسے خود کو اس کا یوں دیکھنا چبھا تھا۔ جبڑے بھینچتے اُس نے سخت نظر اُس پر ڈالی۔

"مجھے کسی سے ملنا ہے۔"

اس نے دھیرے دھیرے اپنی سفید اور بھوری داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ "کس سے ملنا ہے؟"

"آئمہ ریحام سے.."

"آپ ان کی رشتے دار ہیں؟"

"نہیں.. صحافی ہوں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کورٹ کے آرڈر لے کر آئی ہیں؟"

اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ اس کے آگے کیا۔ اتنی جلدی میں وہ کہیں سے بھی کورٹ کے آرڈر نہیں بنوا سکتی تھی۔ اس لئے اس نے سیف سے کہہ کر جعلی آرڈر تیار کروایا تھا۔ جس پر ہو بہو کورٹ کی مہر موجود تھی۔ یہ کاغذ وہ گیٹ پر کھڑے گارڈ کو دکھا چکی تھی۔ اور اس کا نام بھی اس گارڈ نے داخلہ فہرست میں درج کر لیا تھا۔

سیفان یامین نے جعلیت میں ایسی ملاوٹ کی تھی کہ اصلی اور نقلی میں بھید بھاؤ کرنا دشوار تھا۔

اس نے کاغذ پر لکھی تحریر کے اختتام پر اسی وکیل کا نام لکھوایا تھا جس کے پاس آئمہ خلیل کا کیس موجود تھا۔ اور اس کے عین نیچے ایک نمبر بھی لکھا تھا۔ جو کہ سیفان کا دوسرا نمبر تھا۔ اس سے کچھ ہی فاصلے پر جج کا نام اور دستخط موجود تھے۔

توقع کے مطابق سامنے والا عقل کا دشمن اسی نمبر کو ملانے میں مصروف نظر آتا تھا۔"سرِاشفا امین نامی لڑکی کورٹ کے آرڈرز لے کر آئی ہے۔آئمہ خلیل سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔"

حقیقی طور پر وہ دوسری طرف موجود سیفان یامین سے زیرِ گفتگو تھا۔دونوں میں چند بولوں کا تبادلہ ہوا اور پھر اس نے فون اپنے سامنے ہی میز پر رکھا۔اس نے ایک گہری آہ بھری۔اگر وہ جج کو کال کر دیتا یا کسی بھی متعلقہ شخص کو،تو اِشفا امین ایک پل میں اچھی شہری سے قیدی بن جاتی۔

آج تک اس نے زندگی میں اتنے رسک لئے تھے کہ گنتی بھول گئی تھی۔ہر دفعہ ہی اسے ڈر لاحق ہوتا تھا کہ کہیں پھنس نہ جائے۔لیکن خطرات کو اب جیسے اس کی عادت ہو گئی تھی۔وہ اُسے دیکھتے ہی ٹل جایا کرتے تھے۔

"شناختی کارڈ یہاں رکھیں...اور دومنٹ بیٹھیں۔" پیچھے لگی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے اس نے کہا تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "میں کھڑی ٹھیک ہوں۔ آپ جلدی کریں۔" لہجہ قدرے سرد مہر تھا۔ اس نے کارڈ نکال کر سامنے دھر دیا۔

وہ ایک آخری تفصیلی نگاہ اُس پر ڈالتے وہاں سے ہٹا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ چند منٹ بعد وہ لوٹا تھا۔ "میرے ساتھ آئیں۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی ایک کمرے میں داخل ہوئی تھی جہاں آئمہ ریحام شیشے کے اُس پار بیٹھی تھیں۔

وہی دل چیر دینے والی مسکراہٹ۔ وہی جسے دیکھتے اِشفا امین کا دل چاہتا تھا ان کے چہرے کا نقشہ بگاڑ دے۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی شیشے کے اِس پار رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ جبڑے کو زور سے بھینچتے اُس نے ایک آخری دفعہ گہرا سانس لیا اور اُس کے ساتھ ہی دائیں طرف لگا فون کان سے لگایا۔

ایسا ایک نہیں بلکہ دو فون اس کمرے میں شیشے کے اس اور اُس پر موجود رہتے تھے۔ یہ دونوں افراد کے بیچ رابطہ قائم کرنے کا واحد ذریعہ تھے۔

"میں نے کہا تھا تم ضرور آؤ گی۔" مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اگر درمیان میں تگڑے شیشے کی دیوار نہ ہوتی تو وہ ایک ہی جھٹکے میں ان کی گردن مروڑ دیتی۔

"میں آپ کی بکواس سننے نہیں آئی۔ میری بہن کہاں ہے؟" الفاظ کے چناؤ پر آئمہ ریحام ہنسی پھر تاسف میں سر ہلایا۔ "چچ چچ.. بڑوں سے ایسے بات کرتے ہیں؟ ماں باپ نے تمیز.. اوہ سوری! تمہارے تو ماں باپ ہی نہیں ہیں۔"

اس نے سر پیچھے پھینکتے چھت کی طرف دیکھا۔ پھر چہرہ سیدھا کیا۔ "خدا کی قسم اگر آپ کے اور میرے بیچ یہ شیشہ نہ ہوتا تو میں آپ کی جان لے لیتی!" اس نے کھا جانے والی نظروں سے مقابل کو گھورا۔

Clubb of Quality Content

"میری جان لے لیتیں تو پتا کیسے چلتا تمہاری بہن اور خضر کہاں ہیں؟" مسکرا کر دانت دکھائے اور آنکھیں پٹپٹائیں۔ خضر کے ذکر پر اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں۔

"خضر؟"

"اوہ! تمہیں المیر نے نہیں بتایا؟ چلو یہ خبر تم مجھ سے سن لو، اِشفا امین۔ کیا یاد رکھو گی۔" پھر ذرا سی آگے کو ہوئیں۔ "تمہارا اسسٹنٹ خضر میرے آدمی کے قبضے میں ہے۔ پچھلے دو مہینوں سے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔ لیکن آئمہ ریحام سے اس حرکت کی توقع بخوبی کی جاسکتی تھی۔ "خضر نے آپ کا کیا بگاڑا ہے، آئمہ ریحام؟ وہ تو صرف ایک بچہ ہے۔" یکدم اس کے دل میں مختلف طرز کے خیالات ابھرنے لگے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اُسے المیر اور احمد مرزا پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

"خضر...وہ صرف ایک بچہ نہیں ہے۔ لیکن خیر اس موضوع پر ہم بعد میں بات کریں گے۔ پہلے تمہاری بہن کا ماجرا سمجھ لیتے ہیں۔" سینے کے آگے ہاتھ باندھے اور پشت کرسی سے لگائی۔

"میری بہن کو اگر کچھ بھی ہوا تو میں آپ کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔ آج سے پہلے اس نے کبھی بھی خود کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُسے اِس عورت کے پاس آنا پڑے گا۔

"نہ نہ.. دھمکیاں مت دو۔ کہیں ایسا نہ ہو تمہاری بہن اور تمہارا بھائی جان سے چلے جائیں اِشفا امین۔" اور کہتے ہی ایک ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔ "اوپس! یہ تو نہیں بتانا تھا تمہیں۔"

اُسے لگا جیسے اس نے غلط سن لیا ہو۔ اشتغال بے خبری میں ڈوبی وہ بے چین سی ہو گئی۔ چند ثانیے کو جیسے عقل پر
پردہ آن پڑا ہو۔ "آپ نے کہا میرا بھائی.. آپ نے میرے بھائی کا ذکر کیا؟"

انہوں نے بھنویں بلند کرتے سر اثبات میں ہلایا۔ "تمہارا بھائی.. خضر۔" اِشفا کے چہرے پر نا واقفیت کے تاثرات ابھرے۔ "یہ کیسا مذاق ہے؟ میرے بھائی کا نام راحیل تھا۔!"

"اچھا؟ یعنی خضر راحیل نہیں ہے۔" ہونٹوں کو آپس میں پیوست کرتے انھوں نے انگڑائی لی اور گردن گھمائی۔ "تو پھر اس کی آنکھیں ہو بہو تمہاری جیسی کیوں ہیں؟ اس کے بال تمہارے باپ جیسے کیوں ہیں؟ اس کا چہرہ تم سے کیوں ملتا ہے، اِشفا؟"

ماؤف ذہن اور بے جان جسم کے ساتھ اُس کے ہاتھ سے فون کھسک کر ہوا میں لٹکنے لگا۔ وہ خالی خالی نظروں سے سامنے کے منظر کو دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر اتر آیا اور اِشفا امین کا ضبط جواب دے گیا۔

وہ بے آواز رونے لگی۔ فاتح ہو کر بھی اس کا نصیب ہمیشہ زیرِ شکست رہ جاتا تھا۔ ایک مدھم سی ٹیس سینے میں اٹھی۔ وہ اس کا بھائی تھا۔ اس کا اپنا راحیل۔ اس کی جان۔ اس کا ننھا بچہ۔

وہ وہی تو تھا۔ ہاں وہ سہی کہہ رہی تھیں۔ خضر ہو بہو اس کی طرح تھا۔

آنکھوں سے آنسو لگاتار نکل رہے تھے۔اس کا بھائی مرا نہیں تھا۔اس کا بھائی سانس لے رہا تھا۔زندہ تھا۔سلامت تھا۔

وہ اس کا اِشفا کے ہاتھ کو پکڑ کر آنکھیں بند کر لینا۔اور کہنا کہ اُسے ڈر نہیں لگ رہا۔اُسے خوف نہیں آرہا۔وہ اس کی بہن کے لئے اس کا پیار۔یعنی وہ اس کے چہرے کو ذہن میں رکھتے آنکھیں بند کر گیا تھا۔یعنی خضر اِشفا سے محبت کرتا تھا۔اُسے اپنی بہن کی یاد آتی تھی۔اُسے اِشفا امین یاد تھی، یاخدایا! یہ کیسے ممکن تھا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آنسوؤں کو تیزی سے صاف کرتے اُس نے دماغ میں آئے سوالات پوچھنے کا ارادہ کیا۔

"راحیل..یعنی خضر جانتا ہے میں اس کی بہن ہوں؟"وہ پہلی مرتبہ انہیں چمکتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہوں... کمبخت کہیں کا! میں نے پروان چڑھایا اُسے۔اُسے کھلایا، پلایا۔اس کے ناز نخرے اٹھائے۔اُسے اِس قابل بنادیا کہ وہ میرے کام آسکے۔اُسے اس قابل بنادیا کہ وہ تم سے

نفرت کر سکے اور میرے خاص آدمیوں میں شامل ہو جائے۔تاکہ میں اُسے تمہارے خلاف استعمال کر سکوں۔ لیکن وہ احسان فراموش...وہ غدار نکلا!"

"اُس روز تمہارے گھر پر آگ لگانے سے پہلے ہی میں نے خضر کو نفیسہ کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ اُسے لے کر اپنے گھر چلی آئی تھی۔ گھر پر آگ اس قدر لگی تھی کہ تمہارے ماں باپ کے جلے ہوئے جسموں کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا تھا۔ پولیس کا یہی کہنا تھا کہ بچہ بہت چھوٹا تھا اس لئے اس کے جسم کی بس راکھ ہی مل سکی ہے۔ جب وہی ہوا جو میں نے سوچا تھا تو میں اُسے لے کر رحیم یار خان چلی آئی تھی۔ یہ تب ہوا تھا جب تمہارے ماں باپ کی موت کے بعد میں وہاج، المیر اور عالیہ کو لے کر اپنے رشتے داروں کے ہاں رک گئی تھی۔"

"رحیم یار خان میں میں نے کرائے پر ایک گھر لیا تھا۔ سارا ضرورت کا سامان ہر مہینے ڈلوا دیا کرتی تھی۔ اور اس کی دیکھ بھال کے لئے میں نے وہاں ایک کام والی چھوڑی تھی۔ اٹھارہ سال تک وہ اسی گھر میں مقیم رہا تھا۔ میں خود کبھی اُس کے سامنے نہیں گئی لیکن میرے آدمی اُس پر نظر رکھے رہتے تھے۔ چار گارڈز ہمیشہ گھر کے باہر موجود ہوتے تھے۔"

"لیکن میرے آدمیوں میں سے کوئی آستین کا سانپ نکلا اور اس نے خضر کو بھاگنے دیا۔ نا جانے وہ بھاگ کر کب اور کیسے احمد مرزا کے ہاتھ لگا۔ اور آگے کی کہانی تو تم جانتی ہی ہو۔ اگر وہ میرے خلاف نہ جاتا تو میں اُس کے قتل کی سازش کبھی نہ کرتی۔ میں نے اُسے دنیا کی ہر آسائش دی تھی۔ پر وہ میرا نہیں بن سکا۔!"

شہد رنگ آنکھوں سے اشک ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ وہ اس کے ذکر پر رو رہی تھی۔ اس کے نام پر رو رہی تھی۔ اس کی تکلیفوں پر رو رہی تھی۔ وہ اپنے بھائی کے لئے رو رہی تھی۔

"وہ.. وہ کبھی آپ کا نہیں بن سکتا تھا، آئمہ ریحام۔ کیونکہ آپ نے اُسے سب کچھ دیا پر.." رخسار ہاتھ کی پشت سے خشک کرتے اُس نے انہیں دیکھا۔ ".. آپ اُسے پیار نہیں دے پائیں۔ آپ کو کبھی پیار کرنا آیا ہی نہیں۔ آپ سے بڑا بد نصیب شخص میں نے اس کائنات میں نہیں دیکھا!"

وہ ان کے زخموں پر نمک چھڑک رہی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی دو دو جانیں ان کے قبضے میں ہیں۔ "میں.. میں بدنصیب نہیں ہوں! میں نے جو چاہا ہے وہ پایا ہے!" غصیلی نگاہیں اِشفا کے چہرے پر پھیل گئیں۔

"آپ نے جو چاہا وہ پایا نہیں، چھینا ہے۔ اور جانتی ہیں، چھینی ہوئی چیز کبھی آپ کی نہیں بن سکتی۔ بتائیں آج تک جس جس سے آپ نے جو جو چھینا ہے وہ آپ کا بن پایا ہے؟ خلیل انکل؟ المیر؟ عالیہ؟ راحیل؟ وہ عیش و عشرت؟ وہ نام وبقا؟ ارے آپ کا اپنا خون آپ کا نہیں بنا... یہ تو کیا ہی بنیں گے۔" وہ طنزیہ سے ہنسی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُسے ان کے بدلتے تاثرات ہو بہو دکھ رہے تھے۔ نگاہوں میں ایسا تاثر تھا کہ ابھی کچھ غلط کر بیٹھیں گی۔ "منہ بند کرو! میں نے سب کچھ پایا ہے۔ سب کچھ اپنا بنایا ہے۔ تم.. تم کچھ نہیں جانتیں۔!"

وہ سر ہلاتے ہوئے مسکرانی گئی۔"اگر محبت سے آپ کو جہاں ملتا ہے تو اسی کی بدولت آپ خالی ہاتھ بھی رہ جاتے ہیں۔افسوس ہے مجھے آپ پر۔۔چھینا ہوا بھی آپ کا نہیں بن سکا۔ آپ ترس کھانے کے قابل ہیں۔"

ان کا چہرہ اب سوج گیا تھا۔غصے سے لال انگارہ ہو رکھی تھیں۔جبڑے بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ "بکواس بند کرو اپنی! یہ طریقہ ہوتا ہے مدد مانگنے کا؟اب دیکھو میں تمہارے بہن بھائی کے ساتھ کیا کرتی ہوں.."

اس نے بازو پہلو میں گرایا اور کرسی کے ساتھ ٹیک لگا گئی۔پھر دونوں بھنوؤں کو آپس میں جوڑتے ایک میٹھی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کے ساتھ ساتھ آنکھوں تک جا پہنچی۔"میں دشمن سے مدد نہیں مانگتی۔تھوکتی ہوں اس پر۔"

جھٹکے سے اٹھتے اس نے کرسی کو ٹھوکر مار کر پیچھے کیا۔پھر بنا پلٹے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

وہ باہر آئی تو میز کے قریب آن ٹھہری۔ وہ شخص فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا شناختی کارڈ اٹھایا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

"اے لڑکی!"

صدا پر وہ پلٹی لیکن سامنے والے کے تاثرات دیکھ کر اُسے معاملہ سمجھ آگیا۔ تُھوک نگھلتے وہ رُخ پھیر گئی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے بھاگنے کے انداز میں گارڈ کے پاس سے گزرتی گیٹ سے باہر ہولی۔

"بشیر روک اُسے!"

دھڑکتے دل کے ساتھ اُس نے بھاگ کر سڑک پار کی۔ کسی کے قدم اس کے تعاقب میں تھے۔ ضرور اُس وارڈن نے تصدیق کے لیے عدالت میں کال کی ہو گی اور تب ہی اُسے اس کی سچائی سے آگاہی ہوئی ہو گی۔

Clubb of Quality Content

فٹ پاتھ سے اترتے وہ اگلی سڑک پر آن پہنچی۔اب کہ اس کے کانوں میں ایک سے زائد قدموں کی آہٹ پہنچی۔وہ جیسے ہی بائیک کے پاس آئی اس نے سیفان کو اس سے ٹیک لگائے کھڑے پایا۔

وہ اس کے پاس پہنچی تو اُسے بائیک سے ہٹنے کا اشارہ کیا۔"یا تو میرے پیچھے بیٹھ جاؤ یا ادھر ہی بیٹھے رہو۔"اس کی اُنگلیوں میں گھومتی چابی کو روشنی کی سی تیزی سے کھینچتے اُس نے اُسے بائیک میں لگا کر گھمایا اور کِک مارتے چالو کیا۔پھر ہیلمنٹ کو سر پر لگایا۔بنا پلٹے اپنی گاڑی کی چابی اس کی طرف اچھالی۔

"اور فری میں موت کے فرشتے سے ملاقات کرلوں؟نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔"قدم پیچھے لے گیا اور تب تک وہ بائیک قدرے آگے لے گئی تھی۔"اور سنو!میری بائیک کو سہی سلامت میرے گھر پر پہنچا دینا ورنہ ناراض ہو جاؤں گا اور پوری زندگی بات نہیں کروں گا!"

"دیکھیں گے۔۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے بائیک کی رفتار بڑھا چکی تھی۔ وارڈن یا گارڈ میں سے کوئی اس کے عین پیچھے اپنے سکوٹر پر موجود تھا۔

سگنل سبز سے سرخ ہونے میں چند سیکنڈ باقی تھے۔ اس نے رفتار کو مزید کھینچتے بائیک کو گاڑیوں کے بیچ سے نکالا۔ وہ اُسے دائیں سے بائیں تو کبھی بائیں سے دائیں کرتے اپنی راہیں بار بار بدل رہی تھی۔

جیسے ہی وہ سگنل کے قریب پہنچی، اُس کی بتیاں سرخ ہو گئیں اور سگنل بند ہو گیا۔ گاڑیاں تھوڑا سا آگے کچھ ہی فاصلے پر رک گئی تھیں اور یہی موقع جان بچانے کا واحد تھا۔ وہ ایک سیاہ ہونڈا اور مہران کے بیچ سے اُسے گزارتے سگنل بڑی مہارت سے توڑ چکی تھی۔

ایک ہاتھ سے بائیک کا توازن برقرار رکھتے اس نے دوسرا ہاتھ گردن پر مارا جہاں اُسے پسینے کی موجودگی کی وجہ سے ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی۔ گردن کی پشت پر سے پسینے کو صاف کرتے اُس نے ایک ہی جھٹکے میں ہیلمنٹ اتار کر بائیک کی ٹینکی پر رکھا اور بائیک کو راولپنڈی سے اسلام آباد تک جاتی سڑک پر ڈال دیا۔

بالوں میں پھنسا کیچر اب قدرے ڈھیلا ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ بھورے بال اس میں سے نکل رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے بال بکھر گئے تھے۔ وہ اب ہوا میں جھولتے اپنے کھلے بالوں کو چاروں اور اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

چالیس منٹ کی مسافت پندرہ منٹ میں طے کرتے اس نے بائیک مطلوبہ مقام کے آگے آن روکی۔ برق رفتاری سے اس پر سے اتری۔ "آفیسر!!!" بلند آواز میں پکارا گیا۔

اتنے میں وارڈن بھی اپنے سکوٹر کو روکتا اُس پر سے پیر نیچے رکھ رہا تھا۔

دہلیز پر قدم رکے۔ آنکھیں منظر کو سمجھنے کی جدوجہد میں لگیں۔ زینے اتر کر وہ سامنے آن ٹھہرا۔ شہد رنگ آنکھوں کی مالک منٹ بھی لگائے بغیر اس کے پیچھے چھپ گئی۔ "یہ آدمی میرا پیچھا کر رہا تھا۔" شہادت کی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

ایس ایچ او صاحب کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔ وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا اس تک گیا۔ پھر گردن کی پشت سے پکڑ کر اُسے آگے کیا۔ "کیوں کر رہے تھے میری بیوی کا پیچھا؟!"

تعارف پر اس کی آنکھیں پھیلیں۔ وہ یک ٹک پہلے اُسے دیکھتا رہا اور پھر اُس مسکراتی ہوئی لڑکی کو۔ اُس نے تھوک نگھلتے نظریں جھکائیں۔

"سر، میڈم کورٹ کے جعلی آرڈرز لے کر ایک مجرم سے ملنے آئی تھیں۔ میں نے روکنا چاہا پر یہ بائیک چلا کر نکل گئیں۔ بس اسی لئے میں ان کے تعاقب میں تھا۔" اِشفا نے اُس کی معصومیت سے لیز آواز سنی تو آنکھیں چھوٹی کیں۔

المیر نے دونوں بھنویں ایک ساتھ اُٹھائیں اور پھر گردن موڑ کر اپنی بیوی کو دیکھا۔ جو ہونٹوں کو آپس میں جوڑے ہنسی دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے نظریں اٹھائیں تو سُرمئی آنکھوں سے ملائیں۔ان میں ناچتی شرارت کو دیکھ کر المیر نے ایک گہرا سانس لیا۔زندگی میں پہلی دفعہ وہ کارنامہ سرانجام دے کر اس کے پاس آئی تھی۔وہ اُسے ناامید نہیں لوٹا سکتا تھا۔

"میری بیوی چاہے جو مرضی کرے.. تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس کے پیچھے آنے کی؟" تمہاری پر زور دیتے کہا گیا۔اس کے الفاظ پر اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"سر وہ،انہوں نے اصول توڑے ہیں۔سیگنل بھی توڑ کر آئی ہیں۔"اس نے اپنی مزید شکایت پر لب بھینچ کر وارڈن کو دیکھا۔

"اس نے سیگنل توڑے ہیں کیونکہ تم اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ایسے میں سیگنل پر رک کر تمہیں ہائی فائیو کرتی؟"اِشفا کی ہنسی چھوٹی تو وارڈن کو شرمندگی سی ہوئی۔"اور اگر میری بیوی نے سیگنل توڑے ہیں تو تم اس کے بالکل پیچھے تھے۔یعنی تم نے بھی توڑے ہوں گے۔ اندر ڈالوں؟"ابرو اُچکائی تو اس نے زور زور سے سر نفی میں ہلایا۔

"سر معاف کر دیں.. آئندہ نہیں کروں گا۔" وہ اس سے دور بڑا ہو کر اُسے سر بول رہا تھا۔ یعنی اُس کے شوہر کے پولیس میں ہونے کے بہت فائدے تھے۔ یعنی اُسے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔

"اگر کسی کو اس معاملے سے آگاہ کیا تو دونوں ٹانگیں توڑ دوں گا۔ اب جاؤ یہاں سے!" گمبھیر لہجے میں گویا ہوا تو وارڈن فوراً سر ہلاتے اپنے اسکوٹر پر بیٹھا اور نکل گیا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ پھر رخ اس کی طرف کر لیا۔ "یہ کیا حرکت تھی؟" ڈانٹ کے ڈر سے بند کی ہوئی آنکھیں فوراً کھلیں۔ "وہ.. وہ دراصل.."

وہ چلتا چلتا اس کے عین مقابل آن ٹھہرا۔ "دراصل کیا؟" ہاتھ بڑھا کر اس کی ایک لٹ کو کان کے پیچھے سرکایا۔ "دراصل.. میں-" اس کی زبان کو بریک لگی۔ اُسے فوراً آئمہ خلیل کی زبان سے ہوا انکشاف یاد آیا۔ "آپ نے مجھے خضر کے اغواہ ہو جانے کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟"

المیر کی اکھیوں میں حیرت جلوہ گر ہوئی۔"تم سے یہ کس نے کہا؟"

"پہلے میرے سوال کا جواب دیں۔"وہ سینے کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی ہو گئی اور کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھتی گئی۔

ایک تو پتا نہیں اس سے کوئی بات کیوں نہیں چھپ پاتی تھی؟

"تم پریشان ہو تیں،اس لئے۔"وہ اس کے کندھوں پر بازو رکھتا اُسے اپنے ساتھ چلاتا کہیں لے جا رہا تھا۔وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا وہ جانتا ہے خضر کی اصل شناخت کے بارے میں؟

لیکن اگر وہ جانتا ہوتا تو اُسے ضرور بتاتا۔اس بنا پر کیا اُسے اس بات کا ذکر کرنا چاہیے تھا؟اُس سے کہنا چاہیے تھا کہ خضر اس کا راحیل ہے؟

اس کی آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر سے پانی آہستہ آہستہ آرہا تھا۔ زندگی میں اُسے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی آج ہوئی تھی۔ اس کا بھائی زندہ تھا۔ اس کے ساتھ اٹھا بیٹھا تھا۔ اس کے قریب رہا تھا۔ وہ اُس کی موجودگی سے محروم ہر گز بھی نہیں رہی تھی۔

"کیا ہوا.. خاموش کیوں ہو گئیں؟" رک کر اپنے ساتھ کھڑی اِشفا کو دیکھا جس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ "رو کیوں رہی ہو؟" وہ پریشان سا ہوا۔

"آپ خضر کو میرے پاس سہی سلامت لا سکتے ہیں؟" وہ بچوں کی طرف اس کے بازو کو اپنے شانوں سے دور کرتی اُسے معصومیت اور ناراضگی کے ملے جلے تاثر لئے دیکھ رہی تھی۔

"ہم اُسے ڈھونڈھنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا ہے تم سے کہ مہوین کو بچالوں گا۔ فکر نہ کرو خضر بھی مل جائے گا۔" اس نے رخساروں پر پھیلا پانی صاف کیا۔

"آپ کی سوتیلی ماں جانتی ہیں میری بہن کہاں ہے۔" اس کی آنکھوں میں حیرت نہیں تھی۔

"جانتا ہوں۔ لیکن وہ کبھی سچ نہیں بتائیں گی۔"

"آپ کے ہاتھ ابھی تک کچھ نہیں لگا۔اگر میری بہن کو کچھ ہو گیا تو..؟"اس کے لئے تصور کرنا ہی لاوے میں کود جانے کے مترادف تھا۔

"مہوین کی سمارٹ واچ کی گزشتہ لوکیشن پتا چلی ہے۔اسلا آباد کا ہی ایک علاقہ ہے۔راحم نماز پڑھ کر آئے گا تو ہم اُس جگہ جائیں گے۔"وہ اس کے ہاتھوں پر نظریں ٹکائے بول رہا تھا۔ بول چکا تو نظریں اوپر کیں۔"تم نے کچھ کھایا؟"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔وہ جھوٹ بول رہی تھی۔"محمت!"اس نے آواز دی تو وہ دوڑا ہوا چلا آیا۔"جی سر؟"

"ریستوران سے جا کر بریانی کی ایک پلیٹ اور پانی کی بوتل لاؤ۔پانی ٹھنڈا نہ ہو۔"جیب سے نکالے ہوئے پانچ ہزار اُسے پکڑائے۔مقابل اپنی راہ پر گامزن ہو گیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

اس کے ہاتھ کو تھامتے وہ اپنی گاڑی تک چلا آیا۔ دروازہ کھولتے اسے اندر بٹھایا اور بعد ازاں خود ڈرائیونگ نشست پر سوار ہو گیا۔

وہ پہلو میں ہاتھ گرائے پُر سوچ نگاہوں سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ اس نے اس کی خاموشی کو پرکھتے ہوئے ابرو بالا کی۔ "کچھ کہنا ہے مجھ سے؟"

اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔ لمحے بعد سر نفی میں ہلایا۔

"میں نہیں جانتا تم کیا چھپا رہی ہو۔ اور نہ ہی میں جاننے کے لئے تم پر زور ڈالوں گا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ میں جو کر رہا ہوں تمہارے لئے کر رہا ہوں۔ شاید عنقریب تمہیں میرے فیصلوں پر شبہ ہونے لگے۔ جان لو میں جو کرتا ہوں سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔"

وہ کس بارے میں بات کر رہا تھا؟ کیا کوئی ایسی بات تھی جس سے وہ ناواقف تھی؟

تب ہی گاڑی کے شیشے پر دستک ہوئی اور المیر نے شیشہ نیچے کر کے محمت کے ہاتھ سے کھانے کا شاپر لیا۔

اس میں سے بریانی کے ڈبے کو نکالتے اس نے اُسے کھولا اور اس میں چمچ رکھی۔ ڈبے کو اِشفا کے آگے کرنا چاہا جب رک گیا۔ اُسے ڈیش بورڈ پر رکھتے وہ پیچھے مڑا۔ پچھلی نشست پر رکھی اپنی فیورٹ کالی جیکٹ اٹھائی اور اِشفا کی ٹانگوں پر پھیلا دی۔

پھر ڈبے کو اٹھا کر اس کی گود میں رکھا۔ "چلو کھانا شروع کرو۔" اس نے اکتائی ہوئی شکل بنائی تو المیر مسکرایا۔ "اگر چاہتی ہو آج والی حرکت پر ڈانٹ نہ پڑے تو چپ چاپ کھانا کھاؤ۔"

ایک تو یہ لڑکی اُسے خاموش بالکل بھی قبول نہیں تھی۔

بھوک تو اُسے واقعی لگ رہی تھی۔ ذہن کی مزاحمت کو نظر انداز کرتے اُس نے چپ چاپ کھانا شروع کر دیا۔ وہ آدھے گھنٹے تک کھاتی رہی اور وہ اُسے دیکھتا گیا۔

··—·ↀ·—··

فلک پر سیاہی کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی نمی محسوس کی جاسکتی تھی۔ جگہ سنسان تھی اور سڑکیں صاف ستھری اور کشادہ۔ کالی ہونڈا کو روکتے راحم رضا احمد نے گاڑی کی چابی نکالی اور دروازہ کھولتے باہر نکلا۔

سیاہ شرٹ کی آستینیں اوپر چڑھاتے اس نے ہولسٹر میں سے پستول نکالی اور اس میں گولیاں دیکھیں۔ پھر واپس رکھ دی۔

Clubb of Quality Content

یکے بعد دیگرے دوسری نشست سے گہرے نیلے رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس المیر خلیل اترا۔

وہ دونوں یہاں اکیلے آئے تھے۔ یہ وہ علاقہ تھا جو کہ مہوین کی گھڑی کے گزشتہ پتوں میں شامل تھا۔ موٹروے ختم ہوتے ہی سڑک کے کنارے پر واقعہ ایک ٹک شاپ سے دو سڑکیں پیچھے یہ گھر واقعہ تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے دبے پاؤں چلتے گھر کے گیٹ کے سامنے آن رکے۔ آس پاس نہ بندہ بندے کی ذات تھا۔ راحم نے دونوں ہاتھوں کو گیٹ کے اوپر رکھتے اُسے جھنجھوڑا۔ لیکن گیٹ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

دونوں کی نظریں ملیں۔ "اندر سے بند ہے۔ کودنا پڑے گا۔" المیر نے سر ہلایا اور زمین پر گیٹ کے پاس زانوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر قدرے بلند کیے۔ مزید کچھ سوچے بغیر راحم نے اس کے ہاتھوں پر پیر رکھا اور دونوں ہاتھ گیٹ پر رکھ کر خود کو اوپر کھینچا۔ پھر بڑی مہارت سے اندر کی طرف کود گیا۔

"اوہو جناب کدھر چل دیئے.. گیٹ ہمایوں سعید آکر کھولے گا؟" اس نے جب اُسے گھر کی طرف بڑھتے دیکھا تو آواز لگا کر کہا۔ جس پر وہ فوراً پلٹا۔ "اوہ سوری میں بھول گیا تھا۔"

راحم کب سے اہم باتیں بھولنے لگ گیا؟اس نے تعجب سے اسے دیکھا جواب بنا آواز کیے گیٹ کھول رہا تھا۔"سب ٹھیک ہے ناں، راحم؟"

سبز آنکھیں قدرے عجیب تاثر لئے اُس کے سوال پر ایک غیر مرعی نقطے پر مرکوز تھیں۔ پچھلے ایک روز سے راحم کا بوکھلایا ہوا برتاؤ اس کی نظروں کے حصار سے اوجھل نہ رہ پایا تھا۔

"ہاں۔"یک لفظی جواب سن کر اس نے اس بات کی تردید بعد میں کرنے کے خیال کو ذہن میں محفوظ کیا اور اس کے پیچھے پیچھے سامنے کی سمت بڑھ گیا۔

راحم دروازے سے کان لگائے اندر کے حالات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ جبکہ المیر گھر کے اطراف میں جا کر کھڑکیوں کی تلاش میں تھا۔اس کی تلاش ختم ہوئی تھی، جب دائیں طرف ایک کھڑکی اُسے دکھی۔

لیکن کوئی فائدہ نہ تھا کیونکہ کھڑکی پر اندر کی طرف سے اخبار چپکار کھی تھی۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے واپس دروازے تک آیا۔

چند قدم آگے لئے ہی تھے کہ راحم نے اُسے اشارہ کر کے خاموش رہنے کا کہا اور وہ وہیں پیروں پر جم گیا۔ پھر انگھوٹے سے دروازے کی طرف اور بعدازاں کان کی طرف اشارہ کیا جس سے یہ بات اُس پر واضع ہو گئی کہ اندر سے آہٹ آرہی تھی۔

گردن ہلاتے اُسے اپنے برابر میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور دل میں تین تک گنتی گنی۔ ایک ساتھ دروازے پر دونوں نے لات ماری جس کی وجہ سے دروازہ فوراً کھل گیا۔

اس عمل سے نکلنے والی زوردار آواز کے بعد انہیں بھاری بھاری قدموں کی آواز آئی۔ گھر میں دھیمی روشنی تھی۔ دو منزلیں اور قلیل فرنیچر رکھا تھا۔ ایک ہی لمحے میں چاروں اور سے دشمن ان پر حاوی تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی پشت سے لگے گول گول گھوم کر دشمنوں کی تعداد کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ کُل آٹھ لوگ تھے۔ جن میں کوئی بھی شناسا چہرے کا حامل نہیں تھا۔

چونکہ سامنے والوں کے ہاتھ ہتھیار سے خالی تھے اس لئے ان دونوں نے بھی بات ہاتھا پائی سے نپٹانے کا فیصلہ کیا تھا۔

چار لوگ ایک، تو چار لوگ دوسرے کی طرف تیزی سے بڑھے۔ المیر خلیل نے سامنے سے آتے ایک شخص کو پیٹ میں لات ماری۔ جبکہ پیچھے سے ایک نے اُسے زور سے پکڑنے کی کی جب اس نے سر جھٹکے سے پیچھے کیا اور اُس کے چہرے پر دے مارا۔ جس سے وہ زمین بوس ہوا تھا۔

دوسری طرف لڑتا ہوا راحم چہرے کو دائیں بائیں ہلاتے ایک کے چہرے پر گھونسہ اور دوسرے کے ماتھے پر اپنا ماتھا مارتے اُسے پیچھے کی طرف گرا چکا۔ باقی دو میں سے ایک نے راحم کے دونوں بازوؤں کو پیچھے سے پکڑ لیا اور اس کا ساتھی اس کے چہرے پر لگاتار گھونسے جھڑنے لگا۔

المیر ایک کو زمین پر گرائے اس پر بیٹھ کر اُسے زور زور سے تھپڑ مارنے میں مگن تھا۔تب ہی لکڑی کے ٹکڑے سے ایک زوردار وار اس کے سر کے پیچھے کیا گیا۔تصادم اتنا سخت تھا کہ اُسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

لیکن ابھی منظر یہاں ختم نہیں ہوا تھا۔اوپر والی منزل سے اچانک گولیاں چلیں۔گولیاں ان کے نہایت ہی نزدیک سے گزری تھیں۔راحم نے اپنی دائیں ٹانگ پیچھے کی طرف اٹھاتے پیچھے کھڑے دشمن کی ٹانگ کے گرد لپیٹی اور اُسے زور سے زمین پر گرایا۔

Clubb of Quality Content

فوراً سے اپنی پستول نکالتے اُس کا بٹ اُس کے سر میں مارا جس سے وہ بے ہوش ہو گیا اور آگے والے کو ٹانگ پر گولی ماری۔

نظریں ساتھ گھمائیں تو المیر کو صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے پایا۔اس نے بھی سارے دشمن مار گرائے تھے۔اور جو ہال کے بیچوں بیچ صوفہ رکھا تھا وہ اس کو دفاع کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔

اسی کی طرح راحم نے بھی صوفے کا سہارا لیا اور خود کو مسلسل بجتی گولیوں کی پھوار سے چھپایا۔ "تم ٹھیک ہو۔؟" اس کی طرف پریشانی سے دیکھتے وہ گویا ہوا۔

"ہوں.." دونوں اپنی اپنی گن نکال چکے تھے۔

ایک صوفے کے اِس کونے تو دوسرا اُس کونے کے ساتھ لگا دشمنوں پر گولیاں چلا رہا تھا جو کہ اب نچلی منزل پر ان سے کچھ ہی فاصلے پر اپنے آپ کو ڈھکے ہوئے تھے۔

Clubb of Quality Content!

جہاں جہاں ان دونوں کی نظریں جا رہی تھیں، انھوں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ پیچھے چار لوگ ہی باقی تھے۔

ایک دشمن نے جگہ بدلنے کی کی جب راحم کی پستول سے نکلنے والی گولی اس کے سر میں جا لگی۔ پیچھے بچے تھے تین لوگ۔

جن میں سے ایک انہیں زندہ سلامت چاہیے تھا۔ جانکاری کے لئے۔

ان دونوں کے اطراف میں ایک ایک ستون کھڑا تھا۔ صوفے پر ہونے والے مسلسل چھید کی وجہ سے وہ دونوں ایک ساتھ اٹھے اور ستونوں کے پیچھے جا چھپے۔

راحم کے ماتھے سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ اس نے پستول کے بٹ سے اُسے صاف کیا اور پھر میگزین نکال کر گولیاں گنیں۔ پیچھے ایک گولی باقی تھی۔ میگزین کو واپس اندر ڈالتے اس نے آخری گولی چلائی جس نے دوسرے شخص کو بھی مار گرایا تھا۔

Clubb of Quality Content!

دوسری طرف موجود المیر مسلسل سامنے کی سمت گولیاں چلانے میں مصروف تھا۔ سر سے نکلتا خون بالوں سے سفر کرتے اب چہرے سے گزر کر ہونٹ سے نیچے گردن تک جا رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے ہونٹوں کے پاس سے خون کو صاف کیا۔ سیاہ بال پیشانی پر جھول رہے تھے۔ پسینے سے لتپت۔

"راحم..!"اس نے آواز لگا کر اُسے متوجہ کیا اور پھر دوسری منزل کی گرل کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک دشمن چھپا ہوا ان پر گولیاں چلا رہا تھا۔

ایک ہاتھ میں پکڑی گن سے گولیاں چلاتے وہ دوسرا ہاتھ پینٹ تک لے کر گیا اور وہاں سے اپنی دوسری گن نکالی۔

اُسے راحم کی طرف اچھالتے اُس نے گولیاں چلانے کا اپنا تسلسل ٹوٹنے نہ دیا تھا۔

یکایک اوپری منزل سے گولیاں چلیں لیکن ان تک آنے کے بجائے زمین پر بیہوش ساتھیوں کے سر میں لگیں۔ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

وہ شخص ثبوت مٹا رہا تھا۔

اب کہ پیچھے صرف وہی رہ گیا تھا۔راحم نے سیٹی بجا کر المیر کو متوجہ کیا۔پھر اشارہ کیا جسے سمجھتے وہ ستون کی دوسری طرف سے نکلا اور دوڑ لگا کر زینوں کی طرف بڑھا۔اس کے قدم

بے آواز تھے۔ راحم نے دشمن کو گولیوں کے وار میں الجھایا ہوا تھا۔ جبکہ وہ اس پر پیچھے سے حملہ کرنے کے ارادے سے دھیرے دھیرے زینے چڑھ رہا تھا۔

دو دو زینے پھلانگتے وہ عین اس کے سر پر پہنچا۔ دائیں ٹانگ کے گھٹنے کو اس کی دونوں ٹانگوں کے پیچھے مارتے اُسے زور سے زانوں پر بٹھایا اور گن اُس کے ہاتھ سے لے لی۔

زمین بوس ہوئے ایک ایک شخص کی نبض چیک کرتے اب وہ بھی زینے پھلانگ رہا تھا۔ اوپر آیا تو دشمن کے چہرے کا تفصیلی جائزہ لیا۔ شکل سے تو کوئی معمولی سا چور اچکا معلوم ہوتا تھا۔

Clubb of Quality Content

"ادھر کون سا دھندا چالو کر رکھا تھا تم نے؟" بالوں سے پکڑ کر اُس کے چہرے کو پیچھے کیا۔ وہ سسکی بھرتے اپنے بال چھڑوانے کی تگودو میں تھا۔ "بولو ورنہ اس گن میں بچی آخری گولی تمہاری موت کا سامان بن جائے گی۔!"

راحم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔اس نے سختی سے جبڑے بھینچتے بھاری قدم اٹھائے اور ایک زور آور گھونسہ اس کے جبڑے پر مارا۔ جس سے اس کا ہونٹ فوراً پھٹ گیا۔پھر اُس کے گھریبان کو زور سے ہاتھ میں لیتے اُسے کھینچ کر کھڑا کیا۔

اُس کی پشت کو گرل کی طرف جھکاتے اُس نے اُس کے توازن کو اپنے ہاتھوں کی مدد سے برقرار رکھا۔"وہ لڑکی کہاں ہے؟!"وہ چیخ رہا تھا۔غصے سے۔

"ک-کون؟"اپنی دبی چیخوں کے درمیان وہ یہ سوال کر پایا تھا۔"مہوین امین۔وہ ڈاکٹرنی جسے تم اٹھا کر یہاں لائے تھے۔"

"میں-میں کسی مہوین کو نہیں جانتا..!"چہرہ موڑتے وہ اوپر سے نیچے تک کے فاصلے کا اندازہ لگا کر خوف کھا رہا تھا۔فاصلہ اتنا تھا کہ اگر گرا تو سر پھٹنے کی ممکنت سو فیصد تھی۔

Clubb of Quality Content

"آخری دفعہ پوچھ رہاہوں۔وہ لڑکی کہاں ہے؟"دانت پیس کرواقعی یہ اس نے آخری مرتبہ پوچھا تھا۔کیونکہ اس کے بعد اس نے ہاتھ پیچھے کر لئے تھے۔اس کے جسم کو چھوڑ دیا تھا۔جس سے وہ نچلی منزل کے ٹھنڈے فرش سے جا ٹکرایا تھا۔

سبز آنکھیں بے زاری سے پلٹیں۔المیر نے آج سے پہلے اُسے اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا۔وہ ہاتھ آئے دشمنوں کی جان لینے کے خلاف تھا۔ہمیشہ کوشش کرتا تھا کہ نقصان کم سے کم ہو۔اور آج خود ہی اس نے آخری دشمن کو نیچے پھینک دیا تھا۔اور تضاد کہ ان سبز آنکھوں میں ملال بھی نہیں تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اب زینے اترتا جارہا تھا۔المیر نے نا سمجھی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھا۔پھر شانے اُچکاتے جیب سے فون نکال کر ایمبولینس کو بلایا اور اس کے بعد پولیس اہلکاروں کو۔

وہ زینے اترتا نیچے آیا۔سب پر ایک نظر ڈالی اور پھر اس تک گیا جو سر کے بل گرا خون سے لتپت ہو رہا تھا۔اس کی سانسیں ابھی باقی تھیں۔

گن لوڈ کرتے کلک کی آواز آئی اور اس کی میگزین میں بچی آخری گولی اس کی سانسوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر گئی تھی۔

گن کو پینٹ میں لگاتے وہ لاشوں کے اوپر سے گزرتا باہر نکل گیا۔

مہوین کو بچانے کا یہ آخری ذریعہ بھی رائیگاں گیا تھا۔وہ دونوں اب مکینک کی دکان کے آگے گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

دونوں میں طویل گفتگو واقعہ پائی تھی۔یہی طے ہوا تھا کہ گھڑی کے وہاں موجود ہونے کے وقت کو نظر میں رکھتے ہوئے آس پاس سے گزرتی گاڑیوں کے آنے جانے کو جگہ جگہ لگے کیمروں میں پرکھیں گے۔اور پھر آگے تفتیش کریں گے۔

اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔پیشانی پر شکنیں ابھرتیں اور یکدم غائب ہو جاتیں۔ہاتھ بیڈ شیٹ کو انگلیوں کے درمیان دبوچے ہوئے تھے۔وہ ہر طرح سے خواب کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

بند آنکھوں کے اُس پار اطراف میں ایک دشا میں سورج ڈھل رہا تھا۔بادل نہ ہونے کے برابر تھے۔اوپر پل تھا اور نیچے ایک تنگ سا راستہ۔ناجانے وہ راستہ اُسے کہاں لے جا رہا تھا۔

وہ کسی کا تعاقب کر رہا تھا۔اس کے پیروں کی آواز اتنی تھی کہ آگے بھاگتا ہوا شخص محتاط ہو جائے۔پتھریلی زمین پر قدم جہاں جہاں پڑ رہے تھے وہاں وہاں پتے منتشر تھے۔پیلے اور نارنجی رنگوں کے۔اس کے منہ سے گرم سانس خارج ہو رہا تھا۔ذہن شل تھا اور قدم بے لگام۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نو وارد بھاگ رہا تھا۔ پچھلے چند منٹ سے یا شاید چند گھنٹوں سے۔ وہ اُسے پکڑنے کے لئے انتھک محنت کر رہا تھا۔ ہاتھ اس تک جاتے پر وہ ہاتھ نہ آتا۔ دل ڈوب کر حلق کو آنے لگتا۔ جیسے آج اس شخص کا چہرہ نہیں دیکھا گیا تو پوری زندگی پچھتاوے کے تلے نکل جائے گی۔

نو وارد دائیں طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے تعاقب میں گامزن تھا۔ کہ اچانک ایک بند سی جگہ دکھی اور وہ سراپا اُس طرف دوڑ گیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے داخل ہوا۔

آس پاس نظریں پھیر کر منظر دیکھنے کی کی۔ لیکن گھپ اندھیرے نے اُسے کچھ بھی دیکھنے سے پرے رکھا۔ وہ لمبے لمبے سانس لیتا وہاں سے نکلنے لگا جب اُس غار نما جگہ کا دروازہ بند ہو گیا۔ جیسے کسی نے ایک بڑا سا پتھر غار کے منہ کے آگے پھینک دیا ہو۔ جیسے کوئی اس کا راستہ روکنا چاہتا ہو۔

اُسے سانس کی کمی محسوس ہونے لگی۔ دشواری اس حد تک منزلیں طے کر گئی کہ وہ زور زور سے کھانستے ہوئے بے جان قدم آگے لے گیا۔ کہ اچانک اس کا پیر کسی چیز پر آیا اور وہ منہ کے بل زور سے گرا تھا۔

زمین سے تصادم ہوا تو ایک نوکیلا پتھر اس کی پیشانی پر لگا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اُس نے اُس کی جلد میں سوراخ کر دیا ہو۔ جیسے وہ اندر تک دھنس گیا ہو۔

کراہنے کی آواز دھیرے سے نکلی اور وہ ہولے ہولے سیدھا ہوتا گیا۔ جب اُسے آواز آئی۔

"بھائی..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ آواز...

وہ برق رفتار سے رُخ پھیر گیا۔ یہ آواز کتنے وقت بات اُسے سننے کو ملی تھی۔ وہ اس آواز کا تعاقب پوری زندگی کر سکتا تھا۔

وہ نظریں گھماتا گیا۔ ڈھونڈتا گیا وہ چہرہ جسے دیکھنے کے لئے وہ جان دے سکتا تھا۔ اس کی بہن کا چہرہ۔ وہ بھوری آنکھیں۔ وہ کالے بال۔ کہاں تھی وہ.. دکھ کیوں نہیں رہی تھی؟

وہ زمین پر ہاتھ مارتا آگے پیچھے نظریں پھیر رہا تھا۔ دیوانوں کی طرح۔ کہ اس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ سے ٹکر کھا کر پیچھے ہوا۔ اس نے خوف کھاتے وہاں دیکھا جہاں اُسے کسی کے ہاتھ کا احساس گھیر گیا تھا۔

وہ نیچے جھکا۔ اتنی تاریکی میں اس کی آنکھیں اُس چہرے پر پڑیں۔ ویران چہرہ۔ نیلے ہونٹ۔ اٹکی سانس۔ وہ ڈر کر ہاتھوں کے بل پیچھے ہوا۔

"بھائی..."

یہ آواز اسی جسم سے آ رہی تھی۔ وہ جسم عالیہ کا نہیں تھا۔ اس کا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اتنی خوبصورت تھی۔ گڑیا کی طرح۔

"بھائی... بچا لیں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ گھبراتے ہوئے آگے ہوا۔اس کے ہونٹوں کے نزدیک اپنا کان کیا۔"موت۔"ایک لفظ۔ صرف ایک لفظ۔وہ خوف سے قدرے پیچھے ہوا۔ غور سے چہرہ دیکھا۔ہاں یہ وہی چہرہ تھا۔ وہی جسے دیکھ کر اس کی جان میں جان آجاتی تھی۔

"کسے...کسے بچالوں؟"چہرہ یوں سفید تھا جیسے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔جسے ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو۔اچانک سانس بے ترتیب ہوا۔اکھڑی آہ نکلی اور جسم نڈھال ہو گیا۔بے سُدھ۔بے پرواہ۔ہر شے سے۔جیسے روح نکل گئی ہو۔

وہ اسی لمحے اٹھ بیٹھا۔سانسوں کی گہرائی اس قدر تھی کہ ابھی انہیں بحال نہیں کرے گا تو گویا مر ہی جائے گا۔اس نے کانپتے ہاتھوں کو میز کی طرف بڑھایا اور اُس پر سے گلاس اٹھایا۔پھر اُسے لبوں سے لگایا۔

یہ کیسا خواب تھا؟بلکہ اُسے خواب آیا ہی کیوں؟اُسے تو سالہ سال سے خواب آنا بند ہو گئے تھے۔

گلاس وہیں اپنے نزدیک بیڈ پر رکھتے اس نے چہرے پر ہاتھ مارا۔ پسینے میں نہایا اس کا چہرہ گرماہٹ کا پتلا تھا۔ اُسے آج سے پہلے اتنا خوف کبھی نہیں آیا تھا۔

اس کے ذہن سے عالیہ کا مردہ چہرہ ویسے بھی نہیں نکلتا تھا اور اُسے یقین تھا کہ آج کے بعد یہ منظر بھی نہیں نکل پائے گا۔

لیکن.. وہ آئی کیوں اس کے خواب میں؟ وہ کیا کہنا چاہتی تھی؟ اس کی زبان سے جو لفظ نکلا تھا وہ موت تھا۔ کس کی موت، کب اور کیسے؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ بے چین سا ہوا تو اپنے اوپر پھیلی ہوئی چادر ایک دم سے دور کی۔ پھر زور زور سے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ درود پاک کا ورد کرتے ہوئے اس نے گردن پیچھے پھینکی اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

آسمان سیاہی سے لیز تھا۔ بادل گہرے سُرمئی رنگ میں گھل رہے تھے۔ جیسے ہر بادل ایک کہانی لکھ رہا ہو۔ بجلی گرج رہی تھی۔ جیسے کہانی کا پہلو بدل بدل کر سنا رہی ہو۔ موسم ٹھنڈا مگر ویران تھا۔ بے چینی سے بھرا ہوا۔

وہاں ہلکی ہلکی خنکی ہر سو وسعت اختیار کیے ہوئے تھی۔ قدم ادھر سے اُدھر اٹھ رہے تھے۔ سب کام میں مگن تھے۔

تب ہی سلیم کی آواز آئی۔ "سر!" باتوں میں مصروف ان دونوں مردوں کے اُس کی پکار پر کان کھڑے ہوئے۔ دونوں ہی ایک ساتھ اٹھتے اُس تک بڑھے جو میز کے آگے کرسی رکھے لیپٹاپ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔

"ہاں؟"

"خضر کا ٹریکر آن ہو گیا ہے۔ سیگنل پکڑ لیا گیا ہے۔ وہ یہاں پر موجود ہے۔" اس نے اسکرین پر انگلی رکھی۔ دونوں کی نظر انگلی کے نیچے میپ پر موجود جگہ کے نام پر گئی۔

یہ اسلام آباد کا ایک علاقہ تھا۔ جو بھیڑ سے ہر وقت سانس لیتا تھا۔ یہاں باقی علاقوں کے برعکس بندہ بندے پر چڑھا ہوتا تھا۔ "اس کے مطابق وہ ایک عمارت میں موجود ہے۔ جو کہ مارکیٹ میں واقعہ ہے۔"

"سر!" منور کی آواز پر ان دونوں نے اس کی طرف سر اٹھایا۔ "ایجنٹس کی گاڑی کی لوکیشن مل گئی ہے۔" وہ دونوں وہاں سے ہٹے تو اس تک بڑھے۔ اس نے بھی گود میں رکھے لیپٹاپ کی اسکرین پر انگلی جمائی ہوئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ تو راولپنڈی کے علاقے صدر سے کچھ فاصلے پر بنی ایک سڑک کی لوکیشن تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ تعجب اور تجسّس سے۔ ایک ہی وقت میں ان دونوں پہلوؤں کا کہانی سے آملنا جن کی تلاش میں وہ مارے مارے پھر رہے تھے، قدرے عجیب تھا۔

المیر نے بھنویں تنگ کرتے ہوئے سیاہ بال پیشانی سے پیچھے کیے۔"میں ایجنٹ کے پیچھے جاتا ہوں۔ تم خضر کو بچانے جاؤ۔"وہ کہہ کر منور کی کرسی سے اپنا ہاتھ پیچھے کر گیا۔

"میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ خضر کے لئے محمت اور۔"

"نہیں۔۔اہلکاروں کے ساتھ تمہارا یا میرا ہونا ضروری ہے۔مجھے ایجنٹس کے پیچھے جانے دو۔ تم اہلکاروں کو لیڈ کرو۔"وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے کہہ گیا تھا۔

"تمہارا اکیلے جانا لازم تو نہیں ہے۔وہ تمہارا ایجنٹ ایلیون الٹی کھوپری کا مالک ہے۔ تم وہاں تنہا نہیں جاؤ گے۔مجھے نہیں لے جانا چاہتے تو کوئی بات نہیں۔ محمت یا قوی میں سے کسی کو لے جاؤ۔"وہ دونوں اب آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"تمہیں اہلکاروں کی زیادہ ضرورت ہے۔نا جانے اُس عمارت میں کتنے لوگ ہوں۔اس لئے۔"

"المیر.. مجھے بحث نہیں چاہیے۔ تم ان میں سے کسی کو ساتھ لے کر جاؤ گے ورنہ نہیں جاؤ گے۔ ڈیٹس فائنل!" المیر نے ناگواری سے اُسے گھورا۔ پھر دھیرے سے مسکایا۔ "اتنی جلدی تمہاری جان نہیں چھوڑوں گا، میرے یار۔ فکر کیوں کرتے ہو؟" پھر اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر تسلی بخش انداز میں رکھا۔

راحم نے اُسے اُکتاہٹ سے دیکھا۔ "منہ بند رکھو۔ مجھے تم سہی سلامت میرے سامنے چاہیے ہو۔" پھر گردن موڑ کر سلیم کو دیکھا۔ "تم یہ لیپ ٹاپ منور کو دو اور اِس کے ساتھ جاؤ۔"

"سر، گاڑی میں پیٹرول نہیں ہے۔ کیسے جائیں گے؟" منور فوراً بولا تھا۔ کچھ ہی دیر قبل المیر نے پولیس کی گاڑی میں پیٹرول ڈلوانے کے لیے کہا تھا۔ "تو میں نے کیا بکواس کی تھی؟" وہ غصے سے پھنکارا تھا۔ جس پر سب اہلکار زمین پر دیکھنے لگے تھے۔

پھر اس نے چہرہ راحم کی طرف کیا۔ "پیٹرول بھی نہیں ہے اب تو۔ میں بائیک پر نکل جاؤں گا۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "سلیم تم بائیک پر آئے ہو، ہے ناں؟"

جس پر اس نے سر تیزی سے اثبات میں ہلایا۔"دونوں اپنی اپنی بائیکس پر نکلو۔میرے گھر سے میری گاڑی لے
جاؤ۔پولیس کی دوسری موبائل ہم لے جائیں گے۔"

"یہ مشورہ اچھا ہے ویسے۔ہم دونوں بائیک پر ہی ایجنٹ کی گاڑی کے پیچھے نکل جاتے ہیں۔ ویسے بھی صدر کی سڑکیں کتنی تنگ ہیں۔"جس پر راحم نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔
"مار مت کھا لینا مجھ سے۔میں نے کہہ دیا گاڑی پر نکلو گے تو مطلب گاڑی پر نکلو گے۔"

"یار، کیوں ضد کر رہے ہو؟"اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔اسی لمحے سلیم بھی آگے آیا۔
"سر، بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ہم بائیکس پر نکلیں گے تو جلدی پہنچ جائیں گے۔کیونکہ اس وقت سڑکوں پر رش بھی بہت ہوتا ہے اور دوسرا صدر کی سڑکوں کی حالت تو پہلے سے ہی آپ کو پتا ہے۔"

سبز آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ہاتھ اٹھا کر پیشانی تفصیلیہ مسلی گئی۔پھر کچھ سوچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔"ٹھیک ہے۔لیکن گنز اور میگزینز لے کر نکلنا۔اور دونوں زندہ سلامت

مجھے یہاں ملنے چاہیے ہو۔" روٹھی ہوئی نگاہوں سے اپنے دوست کو دیکھا جو اُسے دیکھ کر مسکرائے جا رہا تھا۔

اتنی تاریخیں پلٹی تھیں اور آج جا کر المیر راحم اور راحم المیر کی طرح برتاؤ کر رہا تھا۔ یہ بات ہر دیکھنے والے کے لیے حیران کن تھی۔

"جی سر!"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

دس منٹ کے اندر اندر راحم باقی اہلکاروں کے ساتھ تھانے کے باہر سڑک پر کھڑا تھا۔ گاڑی چالو تھی۔ وہ اپنی منزل کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بس المیر خلیل کا انتظار تھا۔

زینے اترتے وہ نیچے آیا اور چابی کو انگلی کے گرد گول

گول گھماتے بائیک تک بڑھا۔چابی اس میں لگا کر بائیک اسٹارٹ کی۔ سلیم نے بھی اس کی دیکھادیکھی اپنی بائیک چالو کی تھی۔

المیر نے دائیں اور بائیں جانب کے شیشے ٹھیک سے سیٹ کیے اور ہیلمنٹ پہنا۔جب اُس کی نظر شیشے پر پڑی۔اُسے اُس میں پریشان سارا راحم کھڑا دکھا۔وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔المیر نے مسکراتے ہوئے سر تاسف میں ہلایا اور ٹانگ بائیک سے ہٹاتے وہاں سے اترا۔

پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا اس تک گیا۔اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔"تمہارے پاس یہاں لوٹوں گا،راحم۔پہلی دفعہ تو نہیں ہو رہا کہ میں دشمن کے پیچھے جارہا ہوں۔پھر بھی تمہیں کیوں لگتا ہے مجھے کچھ ہو جائے گا؟"راحم کی آنکھیں اُس وقت سے زیادہ اب تذبذب کا شکار تھیں۔

"میرا دل پچھلے دو دنوں سے پریشان ہے۔مجھے کچھ خاص اچھا محسوس نہیں ہو رہا۔"اس نے ابرو اٹھائی۔"کچھ نہیں ہو گا۔"وہ ساتھ ہی اس کے سینے سے آلگا تھا۔اس نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے المیر کے گرد بازو حائل کیے تھے۔

دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو دونوں کی آنکھیں ملیں۔ان کی دوستی واقعی رشک کرنے کے قابل تھی۔دونوں نے ایک آخری دفعہ ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اپنی منزل کی طرف قدم اٹھا لئے۔

المیر بائیک پر بیٹھا۔جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا فون نکالا۔سکرین روشن کی۔مسکراتی ہوئی عالیہ..اس کی گڑیا۔پھر فنگر پرنٹ لگاتے اس نے لاک کھولا تھا۔ہوم اسکرین پر اس کی تصویر تھی۔اس خوبصورت لڑکی کی۔اس کی شہد رنگ آنکھیں...وہ دیکھ کر مختصراً مسکرایا اور اُسے کال کرنے سے خود کو بڑی مشکل سے روک پایا تھا۔

ایک آخری نگاہ آسمان پر ڈال کر اس نے فون کو واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔راحم ٹھیک کہتا تھا،دل تو اس کا بھی آج کی رات بہت خفا تھا۔

راحم رضا احمد باقی اہلکاروں کے ہمراہ اسلام آباد کے مخصوص علاقے میں ایستادہ تھا۔ سامنے ہی وہ عمارت کھڑی تھی۔ جو کہ کم سے کم چار منزلہ تھی۔ عمارت خالی تھی اور اس کے بیرونی حصے پر ایک سفید رنگ کا بورڈ معلق تھا۔ جس پر "کرائے کے لیے خالی" درج تھا۔

اُس ٹولے کو پلان کی ضرورت تھی۔ اور وہ سبز آنکھیں اُس عمارت کو گھورتیں وہی خیال کر رہی تھیں۔ "میں اور تم تین..." اہلکاروں کی قطار میں ایک طرف کر کے کھڑے تین کی طرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ "...پہلے جائیں گے۔ ہم پہلی منزل کو ٹھیک سے پرکھ کر دوسری کی طرف بڑھیں گے اور تم چار سیگنل ملتے ہی اندر آؤ گے اور ایک ایک جگہ کو کراس چیک کرو گے۔ اگر اندر آدمی ہوئے تو بھی ہم بتا دیں گے۔"

سب نے ایک ساتھ سر کی آواز بلند کی تھی۔ اور پھر راحم اور وہ تین آدمی اس کے پیچھے پیچھے عمارت میں داخل ہوئے تھے۔

منظر اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ ہر ایک نے ہاتھ میں پکڑی ٹارچ درخشاں کی۔ کہیں کوئی آواز، کوئی صدا نہیں تھی۔ بس ان کے قدموں کی آہٹ تھی۔ وہ مزید احتیاط برتتے بے آواز

قدموں کے ساتھ آگے پیچھے بڑھے تھے۔راہدری تھی اور اس کے دائیں اور بائیں طرف تین تین کمرے تھے۔

دو ایک طرف اور دو مخالف سمت کی اور بڑھ گئے۔

راحم اور اس کے ساتھ ایک اہلکار کمرے میں داخل ہوا تو ٹارچ نے منظر پر روشنی ڈالی۔وہ ایک دم خالی تھا۔چیزوں سے بھی اور انسانوں سے بھی۔دونوں بعدازاں ساتھ والے اور اس کو بھی خالی پا کر اس کے بغل والے کمرے میں داخل ہوئے۔

Clubb of Quality Content

ادھر بیچوں بیچ دو کرسیاں رکھی تھیں۔اور اس کے علاوہ کوئی دوسری شے موجود نہیں تھی۔ وہ دونوں ایک ساتھ کمرے سے نکلے تو باقی دو اہلکاروں کو بھی وہیں پایا۔انھوں نے سر نفی میں ہلایا تو راحم نے سر ہلاتے سامنے کی اور قدم بڑھائے جہاں زینے تھے۔

وہ چار زینوں کو پھلانگتے آہستے آہستے اوپر چڑھ رہے تھے تا کہ آواز نہ آسکے۔جب آخری سیڑھی باقی رہ گئی تو راحم نے کان میں لگے بڈ پر ہاتھ رکھا۔"کلیئر۔"

اب ان کا اگلا ہدف دوسری منزل تھی۔

•·—·ʚɞ·—·•

وہ دونوں صدر میں اپنی اپنی بائیکس پر سوار، داخل ہو چکے تھے۔ مختلف سڑکوں پر رش مختلف طرز کی تھی۔ گاڑیوں کی بھیڑ میں سے خود کو نکالتے وہ آگے پیچھے اُس گاڑی کی تلاش میں تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ان کی اگلی منزل مال روڈ تھی۔ جیسے ہی بائیک اس پر پڑی ویسے ہی وہ سیاہ گاڑی ان کے سامنے آئی۔

کہانی کا آغاز کہانی کے اختتام سے کچھ مختلف نہ تھا۔ داستان دو طرفہ تھی۔ پہلا پہلو آخری پہلو سے جا ملنے والا تھا۔

بنا نمبر پلیٹ کے وہ گاڑی باقی گاڑیوں کے بیچ سے روشنی کی سی رفتار سے نکل رہی تھی۔ جیسے چلانے والے کو اندیشہ ہو گیا ہو کہ اس کے تعاقب پر کچھ لوگ قائل تھے۔

المیر نے اپنی بائیک کی رفتار کم کی۔ سلیم اس کے برابر آیا۔ ہیلمنٹ کا شیشہ اوپر کرتے سوالیہ نگاہیں اس پر مرکوز کیں۔ اس نے جواب میں بائیں طرف اشارہ کیا۔ "ضرورت پڑنے پر بھی گولی مت چلانا۔ مجھے یہ انسان سانس لیتا ہوا چاہیے۔" سر کو ایک مضبوط جنبش دیتے سلیم بائیں طرف بڑھ گیا۔ جہاں ایک تنگ سی گلی تھی۔

ناولز کلب

مال روڈ کی یہ سڑک آگے جا کر ایک ایسی سڑک سے جا ملنے والی تھی جس کو بائیں طرف سے ایک اور سڑک لگتی تھی۔ اسی بات کو نظر کے حصار میں رکھتے ہوئے سلیم ایجنٹ کی گاڑی بائیں طرف سے گھیرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ المیر کی تمام ہدایات کو ذہن کے ایک گوشے میں محفوظ کرتے ہوئے وہ بہت سوچ سمجھ کر اگلے مراحل طے کرنے والا تھا۔

جبکہ المیر ایجنٹ کے عین پیچھے تھا۔ جیسے جیسے گاڑی آگے بڑھ رہی تھی ویسے ویسے اس کی بائیک کی رفتار غیر یقینی حد تک بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا ایجنٹ کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ایجنٹ ایلیون کے دونوں ہاتھوں میں سیاہ دستانے موجود تھے۔ ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ وہیل سنبھالتے اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنی سائڈ کا بیرونی شیشہ ٹھیک کیا۔ اس کا چہرہ کچھ ایسی دشا میں کر دیا کہ اُسے بائیک پر بیٹھا ہوا المیر خلیل صاف نظر آ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔ وہ آج بھی اپنے مخصوص کپڑوں میں موجود تھا۔ لیکن ہر روز کی طرح اُسے آج ان کپڑوں کو پہننا جنونیت کی حد تک عزیز تھا۔ کیونکہ آج اس کے انتقام کی آخری مدت بھی پوری ہونے والی تھی۔

وہ زیر کرنے آیا تھا دشمنوں کو۔

گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک بڑھاتے اس نے دو گاڑیوں کے درمیان سے نہایت ہی جذباتی کیفیت میں اپنی گاڑی نکالی تھی۔

پولیس اس کے پیچھے تھے اور وہ سب سے آگے۔اس وقت خوف اُسے چھو کر بھی نہیں گزر سکتا تھا۔کیونکہ اس لمحے میں ایک عجیب سی دلجمی تھی۔ایک نہ ختم ہونے والا قرار تھا۔

اس نے ہارنا نہیں سیکھا تھا۔اُسے جیتنے کی لت تھی۔نہ وہ شخص غالب تھا،نہ مغلوب۔وہ انوکٹس تھا۔ناقابلِ شکست۔

اُسے خبر تھی اس کے تعاقب پر راضی دو اہلکار دوسے ایک کیسے ہو گئے۔اُسے ایک ایک بات پتا تھی۔اس کی باریک نگاہ سے کسی کی بھی چال پوشیدہ نہ رہ پائی تھی۔

Clubb of Quality Content!

گیئر پر ہاتھ رکھتے اس نے اُسے آگے کی طرف کیا اور وہیل کو گھماتے گاڑی ڈرفٹ کی۔اس حد تک کہ بائیں سڑک سے آتے اہلکار کو اپنی بائیک یکایک روکنا پڑی۔ نہیں تو زبردست تصادم ہوتا۔

ایجنٹ ایلیون بڑی مہارت سے اہلکار کے نزدیک سے گاڑی نکال چکا تھا۔رفتار اس حد تک تیزی پکڑ چکی تھی گویا گولی کی مانند شکار کا سینہ چیر دینے پر آمادہ ہو۔

اس نے ہاتھ بڑھاتے پیسنجر سیٹ کے نیچے سے اپنی پسندیدہ پستول نکالی۔گاڑی کے توازن کو ٹھیک سے برقرار رکھتے اس نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے پستول لوڈ کی تھی۔کلک کی آواز جیسے ہی اُس میں سے نکلی،اس نے گن دائیں ہاتھ میں پکڑ کر شیشے سے باہر نکالی۔

ایک نگاہ سامنے لٹکتے شیشے پر رکھی اور دوسری باہر کا منظر دکھاتے بیرونی شیشے پر۔منظر پر صرف اہلکار تھا۔المیر خلیل کہیں بھی نہیں تھا۔اس کی پستول کی نالی کا نشانہ اہلکار تھا۔وہ جانتا تھا اہلکار یہ بات جان چکا ہے۔

وہ اب اپنا بچاؤ کرنے کے لئے بار بار نیچے جھک رہا تھا۔اسی دوران اس کی بائیک کی رفتار کم ہونے لگی۔اس کی پیشانی سے نشانہ ہٹاتے اس نے گولی چلائی جو کہ عین اس کی بائیک کے ٹائر سے لگ کر آر پار ہو گئی اور بائیک رگڑتا ہوا سڑک پر ایک طرف گر گیا۔

اس نے ہاتھ اندر کر کے پستول بغل والی سیٹ پر پھینکی اور اپنی پوری توجّہ سامنے کی سمت کر لی۔رات کے دس بج رہے تھے۔اس سڑک سے گاڑیاں جہانگیر روڈ پر چڑھتی تھیں۔ لیکن ایجنٹ الٹا چل رہا تھا۔وہ جہانگیر روڈ سے گاڑی اس سڑک پر لے آیا تھا۔

اگر کوئی گاڑی سامنے سے آجاتی تو بلا شبہ تصادم دل دہلا دینے والا ہوتا۔

لیکن اب جبکہ اس کی نظریں سامنے کی طرف مرکوز تھیں تو اُسے نظر آیا کہ کوئی سڑک کے بیچوں بیچ کچھ ہی فاصلے پر اپنی بائیک سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

واپسی کی کوئی راہ نہیں تھی۔بہت ہی کم فاصلے سے وہ گاڑی موڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ایجنٹ ایلیون نے مسکراتے ہوئے ریس پر پیر رکھا اور رفتار میں اضافہ کر دیا۔اب جب کوئی راہ نہ بچی

ہی نہیں تھی تو پلان بی کا کام میں لانا لازم تھا۔اُسے عادت تھی اس سب کی۔جہاں منزل پر رکاوٹ ہو، وہاں وہ راہیں خود پیدا کرتا تھا۔

اور آج بھی وہ یہی کرنے والا تھا۔

دائیں ہاتھ کو گاڑی کے دروازے پر جماتے اس نے اُسے کھولا اور ایک آخری نگاہ ذرا سے فاصلے پر مطمئنی انداز میں ایستادہ المیر خلیل پر ڈالی۔اور اس کے ساتھ ہی اسٹیر نگ وہیل کا رخ بائیں ہاتھ سے بائیں طرف کر دیا۔اور دیکھتے ہی دیکھتے خود گاڑی سے کود گیا۔

Clubb of Quality Content!

اس کا جسم جیسے ہی پکی سڑک سے ٹکرایا، جسم کے حصے حصے میں درد کی ایک ناقابل برداشت لہر اپنا کام کر گئی۔وہ زہر کی مانند اس کے جسم میں گھل رہی تھی۔اس نے ہر طرف سے اٹھتی ٹیسوں کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔

ہاتھوں پر جسم کا تمام تر زور ڈالتے وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔دائیں طرف ساتھ ہی وہ سڑک تھی جہاں سے اس نے گاڑی جہانگیر روڈ پر ڈالی تھی۔برق رفتاری سے سڑک پار کرتے اب

اس کا ارادہ اُس تنگ سی گلی میں گھسنے کا تھا۔جو دو دکانوں کے بیچ سے نکل کر مسافر کو کہیں لے جاتی تھی۔

وہ یکدم ٹھہرا۔ گردن موڑی اور پیچھے کا منظر آنکھوں میں اتارا۔اس کی گاڑی سڑک سے جا لگی تھی۔جہاں وہ انسان اپنی بائیک لئے کھڑا تھا ٹھیک اُس سے کچھ ہی فاصلے پر۔وہ اس کے پیچھے ہی تھا۔اتنے کم وقت میں اتنا نزدیک کب اور کیسے آیا؟اپنی آنکھوں کو سنجیدگی سے کھولتے بند کرتے اُسے اپنے پیچھے ہی سڑک پر گاڑیاں آتی جاتیں سنائی دیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ان کے درمیان دو گاڑیوں کا فاصلہ تھا۔

ایجنٹ ایلیون نے اس کے ساتھ ہی ناک کی سیدھ میں بھاگنا شروع کر دیا تھا۔اُس کے قدم آج نہ رکنے کے لئے اٹھ رہے تھے۔اُسے انتظار تھا اپنے دشمن سے جا ملنے کی گھڑی کا۔

انتظار واقعی آسان نہیں ہوا کرتا۔انوکٹس کے لئے تو ہرگز بھی نہیں۔

وہ منتظر تھا کب دشمن کی گردن اس کے ہاتھوں میں آئے گی اور کب وہ اُسے توڑے گا۔

گلی کی نکڑ پر پہنچتے اس نے دائیں طرف رُخ کیا تھا۔وہ واپس وہاں جارہا تھا جہاں سے اس نے اس جنگ کا آغاز کیا تھا۔

..—.ʘʘ.—..

عمارت کی دوسری منزل میں وہ چھ سے سات اہلکار زینوں کے سامنے بنی کچھ ہٹ کر واقعہ راہداری میں کھڑے تھے۔دشمنوں کی موجودگی کا احساس اُسے یہاں قدم رکھتے ہی ہوگیا تھا۔اس لئے وہ سب کو پلان سمجھا رہا تھا۔

قوی باقی اہلکاروں کو لے کر ابھی ہی ان میں شامل ہوا تھا۔"ہتھیار کا استعمال کوئی نہیں کرے گا۔ہم بنا آواز کے سب کو مار گرائیں گے۔تاکہ خضر کی جان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔"

سب نے ایک ساتھ سر ہلایا تھا۔ قوی تین اہلکاروں کے ہمراہ پہلے وہاں سے نکلا تھا۔ حکم کے مطابق وہ دیواروں کے ساتھ چپک کر گزر رہے تھے۔

ان کے پیچھے ہی راحم بھی دو اہلکاروں کے ہمراہ کام پر لگ گیا تھا۔

پانچ منٹ میں انھوں نے آدھے آدمی مار گرائے تھے۔ جن میں کم سے کم دس آدمی شامل تھے۔ تعداد زیادہ تھی۔ آخر کے دو کمرے باقی تھے اور پھر سامنے زینے تھے جو تیسری منزل سے جا جڑتے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

راحم نے اہلکاروں کو دو حصوں میں بانٹ کر دونوں کمروں کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود آخری منزل کی طرف بڑھ گیا۔ بے آواز قدموں کے ساتھ اس نے سیڑھیاں پھلانگی تھیں۔

وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔

ڈھکے ہوئے سراپے کے ساتھ اس نے ذرا سا سر باہر نکالا۔ باقی دونوں منزلوں کے برعکس یہ والی منزل ایک کھلے میدان کے مانند تھی۔ زمین پر لگیں سُرمئی رنگ کی ٹائلیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ چھت سے دو سے تین بتیاں لٹک کر ماحول کو درخشان کر رہی تھیں۔

چار آدمی کچھ ہی فاصلے پر کھڑے تھے۔ان کی کمر اس کی طرف تھی۔ان کے چہرے ایک ہی سمت میں تھے۔ایسے جیسے کسی کو دیکھ رہے ہوں۔اس نے مزید آگے کو ہوتے دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامی کا سامنا ہوا۔

معاملے کو سمجھتے وہ آگے پیچھے دیکھنے لگا۔اُسے ماحول کی سنگینی کا اندازہ لگانا تھا تاکہ اگر یہاں خضر موجود ہے تو وہ حالات کو اُس حساب سے سنبھالتا۔ وہ وہیں نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ نظروں کے زاویے میں ان چار آدمیوں کو رکھتے اس نے یہی نتیجہ آخذ کیا تھا کہ خضر ادھر موجود نہیں تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

یکے بعد دیگرے قوی باقی اہلکاروں کے ساتھ مطلوبہ منزل پر موجود تھا۔ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا۔اب کہ آدمی آہستہ آہستہ منظر سے ہٹ کر مختلف دشاؤں میں بڑھ رہے تھے۔

اور تب ہی اُس کی نظر زمین پر گرے اُس لڑکے پر پڑی۔جہاں وہ کھڑا تھا وہاں سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ خضر تھا یا نہیں۔اس نے چہرہ موڑ کر اپنے آدمیوں کو حالات کی نوعیت سے آگاہ کیا۔

ان آدمیوں کے پاس بڑے بڑے اسلحے تھے۔عام اغواہ کاروں یا کرائے کے غنڈوں کے پاس عموماً ایسے اسلحے نہیں پائے جاتے۔جو کہ صاف اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ان کا تعلق کسی گینگ سے تھا۔اسلحہ بھی کوئی عام اسلحہ نہیں تھا۔مہنگے سے مہنگی گن ان کے پاس اٹھا رکھی تھی۔

تب ہی اس کے ذہن میں ایک خیال کی روشنی آن کودی۔اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اُسے اچھی طرح ٹٹولا۔اس کی انگلیوں کے درمیان اپنا پین آیا۔وہ جو وہ اکثر اپنے ساتھ لئے گھومتا تھا۔

پھر اپنے اہلکاروں کو اس نے ایک ایک قدم پیچھے لینے کا کہا اور خود بھی پیچھے ہو گیا۔اس نے نشانہ باندھتے پین کو زینوں کے آگے زور سے پھینکا۔جس سے ایک زور کی آواز پیدا ہوئی۔

قدموں کی آہٹ پر انہیں احساس ہوا کہ دشمن کو آواز پہنچ گئی تھی۔اس نے اہلکاروں کو مزید پیچھے ہو جانے کا کہا۔چند قدم خود بھی پیچھے لئے۔یکایک قدموں کے اٹھنے کی آواز آنے لگی۔

روشنی کے زیرِ اثر اُسے کسی کا سایہ اپنی اور آتے دکھا۔اور جیسے ہی وہ آدمی اُس طرف آیا، راحم نے اُسے کھینچ کر زینوں سے نیچے اتارا اور اپنی پستول کا بٹ اُس کے سر کے پیچھے دے مارا جس سے وہ بیہوش ہو گیا۔پھر لات مار کر اُس کے بے سُدھ جسم کو زینوں سے نیچے گرایا اور وہ دوسری منزل پر پہنچ گیا۔

اب کہ تین آدمی باقی تھے۔اُسے پتا تھا اب اپنے ساتھی کی غیر موجودگی کو پرکھتے اس کے لیے باقی آدمی بھی ضرور آئیں گے۔اور بلاشبہ یہی ہوا تھا۔

لیکن اس دفعہ ایک کی جگہ دو دو ایک ساتھ ان کی اور آرہے تھے۔وہ بنا آواز کیے ایک وقت میں ایک ہی کو سنبھال سکتا تھا۔اس لئے اب کی باراُسے پستول کا سہی استعمال کرنا پڑا۔دیوار کے ساتھ سے نکلتے اس نے زمین پر لیٹ کر دونوں پر باری باری گولیاں چلائی تھیں۔وہ دونوں اسی وقت زمین بوس ہوئے تھے۔

لیکن یہ عمل پیچھے کھڑے ان کے آخری ساتھی کو محتاط کر گیا تھا۔اُسے جیسے گولیوں کی آواز آئی،اس نے اپنی گن زمین پر لیٹے اس شخص کے اوپر تان دی۔"چپ چاپ اپنی پستول پھینک دو۔ورنہ میں اسے مار دوں گا۔"

اُس شخص کو اب راحم بخوبی دیکھ سکتا تھا۔کیونکہ دونوں اب آمنے سامنے ایک دوسرے سے کچھ ہی فاصلے پر موجود تھے۔وہ ایک جانا مانا اغواہ کار تھا۔جس کا انسانوں کے خرید وفروخت

میں بہت بڑا ہاتھ اور نمایاں کردار تھا۔اس کا نام اعجاز وحید تھا۔اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کا بڑا بھائی بھی اس کے ساتھ ہر جرم میں ملوث پایا جاتا تھا۔

پولیس اور دیگر فورسز انہیں کب سے تلاش رہی تھیں۔ لیکن راحم کے لئے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ حضرا تنے خطرناک مجرموں کے ہاتھ لگا کیسے؟ کیونکہ وہ اور المیر دونوں اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ آئمہ ریحام کا اس کے اغواہ کے پیچھے بہت بڑا ہاتھ ہے۔یعنی ان کا تعلق ایسے لوگوں سے تھا؟

"میں اسے رکھ رہا ہوں یہاں پر۔"اس نے اپنی پستول زمین کی طرف بڑھانا شروع کردی۔ ایک نظر اعجاز پر تھی اور دوسری اپنے ہاتھ میں پکڑی پستول پر۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنی پستول جھکا گیا تھا۔ابھی وہ زمین سے ٹکرائی کہ راحم نے اس سے شوٹ کیا اور گولی اس کی نالی سے نکلتی اعجاز کی ٹانگ میں جالگی۔وہ کراہتے ہوئے زمین پر گرا تھا۔

راحم نے اس کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ پیچھے پیچھے سب اہلکار بھی اس کے پیچھے اس لڑکے کی طرف بھاگے تھے۔راحم نے منہ کے بل لیٹے اُس شخص کو سیدھا کیا تھا۔جب نظر چہرے پر

پڑی توز خموں سے چُور، خون سے لتپت اُس کے چہرے کا حصہ حصہ عیاں ہوا۔ہاں یہ خضر ہی تھا۔اس نے اس کی گردن پر دو انگلیاں رکھیں اور اس کی نبض کو اپنی انگلیوں کے تلے کانپتا محسوس کیا۔یعنی وہ زندہ تھا۔ایک تشکر سانس نکالا گیا۔

اس کے کے چہرے پر ہاتھ رکھتے اُسے زور زور سے تھپتھپایا۔کچھ لمحے اُسے جھنجھوڑنے کے بعد وہ ہوش میں آنے لگا تھا۔اس کی آنکھیں کھل رہی تھیں۔ "پانی..."

راحم نے فوری طور پر پیچھے کھڑے اہلکاروں کو دیکھا۔قوی نے اعجاز کو پکڑ رکھا تھا۔اس نے اُسے اہلکاروں کے حوالے کرتے آگے پیچھے پانی تلاشا۔"سر پانی تو نہیں ہے۔"

"جاؤ جا کر کہیں سے بھی لے کر آؤ۔" پھر اُس معصوم سے بچے کی طرف دیکھا۔جو کہ ایک مرتبہ پھر سے نڈھال ہونے کے درپے تھا۔"لڑکی.." اس کی بھنویں تنگ ہوئیں۔اس نے کان اس کے ہونٹوں کے قریب کیا۔"لڑکی..ایک لڑکی۔"

"کون؟"

"ایک لڑکی.. "کانپتی ہوئی شہادت کی انگلی سیدھی اٹھی تھی۔ جیسے وہ اوپر کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔ پھر ہاتھ نیچے گرا اور وہ چیخا۔ جیسے کتنی ہی تکلیف میں ہو۔ راحم نے اس کے پورے جسم کو ٹھیک سے دیکھا۔ اس کا بایاں ہاتھ اس کے پیٹ پر موجود تھا۔ اور وہ خون سے لتپت تھا۔

راحم نے جب اس کا ہاتھ ہٹایا تو کیا دیکھتا ہے کہ پیٹ سے خون آرہا ہے۔ وہ بھی بہت سارا۔ برق رفتاری سے اس کی شرٹ کو ہٹاتے اس نے دیکھا کہ اُسے پیٹ کے نچلے حصے میں گولی لگی تھی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "کہاں پر ہے ایمبولینس؟ ابھی تک آئی کیوں نہیں...!" وہ چیخا تھا غصے سے۔

Clubb of Quality Content!

"سر بس آ۔"

"اس کو احتیاط سے اٹھاؤ اور نیچے لے کر جاؤ۔ میں اوپر جا کر دیکھتا ہوں یہ کس لڑکی کی بات کر رہا ہے۔ "حکم سنتے ہی اہلکار حواس باختہ خضر کی طرف بڑھے تھے۔

اعجاز کو گردن سے دبوچتے اس نے اُسے اپنی طرف کیا تھا۔"کس لڑکی کی بات کر رہا ہے یہ؟"

اس نے تیزی سے سر نفی میں ہلایا۔"میں.. میں نہیں جانتا۔"جواب سے مطمئن نہ ہوتے اس نے جبڑے بھینچے تھے۔پھر اس بات کی تصدیق کرنے وہ اس کو اپنے ساتھ ہی لئے چھت سے جاملتے زینوں کی طرف بڑھا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر نے گلی میں آکر ہر جگہ دیکھ لیا تھا۔ایجنٹ ایلیون منظر سے ایسے غائب ہوا تھا جیسے یہاں کبھی آیا ہی نہ ہو۔اس کے پاس یہ واحد موقع تھا اُسے پکڑنے کا اور وہ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا تھا۔

وہ گلی کے آخر میں آکر رک گیا۔اُسے دائیں طرف جانا چاہیے تھا یا بائیں طرف؟اندازہ لگانا کافی دشواری کا کام تھا۔

اگر وہ ایجنٹ ہوتا تو کیسے سوچتا؟ بائیں طرف جہانگیر روڈ تھی اور دائیں طرف...

آنکھیں پل بھر میں روشن ہوئیں۔ مال روڈ۔ جہاں اس نے اپنی شناخت کا پہلا سوراغ چھوڑا تھا۔ کیا ایسا ممکن تھا وہ وہیں گیا ہو؟

اس نے اپنے خیال کی تصدیق کرنے کے لئے دائیں گلی میں قدم رکھا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ جب اس کی نظر ایک گھر کے زینوں پر بیٹھے آدمی پر گئی۔ "یہاں سے آپ نے کسی کو بھاگتے دیکھا ہے؟"

Clubb of Quality Content!

ادھیڑ عمر شخص نے پُر سوچ نگاہ سے اُسے گھورا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔ "ایک آدمی یہاں سے بھاگتا ہوا گیا تھا کچھ ہی لمحوں پہلے۔" وہ اُسے شکریہ کہتے تیزی سے قدم اٹھا گیا تھا۔

اس نے کھنڈر کے اندر قدم رکھا۔یہ وہی کھنڈر تھا۔اجڑاہوامیدان، حد سے زیادہ اگی ہوئی گھاس،اب کچھ بھی ویسا نہیں رہا تھا۔کوئی کھنڈر کو پھر سے آباد کرر ہا تھا۔یہاں ایک وسیع عمارت تعمیر کی جارہی تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔کہیں سے ہوا کے ساتھ گیلی مٹی کی خوشبو چلی آرہی تھی۔شاید کسی علاقے میں بارش ہورہی تھی۔

اس نے چہرہ اوپر کیا،آسمان کی اور۔اور پھر اس کے محتاط اور بے آواز قدم داخلی دروازے سے اندر بڑھ گئے۔

Clubb of Quality Content

اپنی سیاہ پینٹ میں سے پستول نکالتے اس نے بنا چھپے اپنے آپ کو منظر پر ظاہر کردیا۔اُسے کسی کا ڈر نہیں تھا۔مارے جانے کا بھی نہیں۔اس نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ اُسے مار کر چھوڑے گا۔

اور ایجنٹ ایلیون سب کچھ تھا،پر وعدہ خلاف نہیں تھا۔

یہ دو منزلہ عمارت تھی۔ جس کا ابھی صرف ڈھانچہ ہی کھڑا کیا گیا تھا۔ پہلی منزل کے بیچوں بیچ دو ستون سر بلند کھڑے تھے اور آدمی اس کے بیچوں بیچ اسلحے سے لیز ایستادہ تھے۔ کل تعداد آٹھ سے زائد تھی۔

یہ جگہ مہمان خانہ تھی اور یہ لوگ اس کے میزبان۔ دشمن نے پوری تیاری کر رکھی تھی۔ اس کے خلاف بندوں کی قطار جمع کی گئی تھی۔اُسے زندگی میں کبھی مضبوط دشمن ملے ہی نہیں تھے۔اور یہ بھی باقیوں کی طرح لاغر تھا۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

اس نے اُس گروہ پر پہلا وار سامنے سے کیا تھا۔ گولی نکلی اور چھت سے جا لگی۔ وہ ان کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے پستول زمین پر پھینک دی۔ جتنا مزا ہاتھ سے گردن توڑنے کا تھا اتنا گولی سے سینا چیرنے کا نہیں تھا۔

آدمی اب ایک ساتھ گردنیں موڑ کر اس پر نظر ثانی کر چکے تھے۔ جیسے اسی کے انتظار میں ہوں۔ ایک دم تیار۔ سب نے پستولیں تھام رکھی تھیں۔ ایجنٹ کی آنکھیں چمکیں۔ سب نے اُسے چاروں اور سے گھیر لیا تھا۔

سب سے پہلا وار پیچھے سے ہوا تھا۔ آدمی نے اُس کی کمر میں لات ماری تھی جس سے وہ چند قدم آگے کو ہوا اور ساتھ ہی ساتھ سامنے سے گولی چلی جس سے خود کا بچاؤ کرتے وہ نیچے کو جھکا تھا۔ سب ایک ساتھ اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس نے ایک ایک کر کے اپنے ہاتھوں پر سے دستانے کھینچ کر اتارے۔ دونوں ہاتھوں پر پیتل کے بند انگشت پہن رکھے تھے جو کہ اتنے مضبوط تھے کہ سامنے والے کو خونو خون کر دیں۔

اس نے دائیں طرف کی ٹانگ ہوا میں اٹھاتے، لات ایک کے پیٹ میں مارتے دوسرے کے منہ پر گھونسہ مارا۔ پھر ایک کو گردن سے دبوچتے دوسرے کا سر اس کے سر پر مارا اور لگاتار تین گھونسے مارے جس سے وہ دونوں نیچے گر گئے۔

Clubb of Quality Content

پیچھے سے حملے کا احساس ہوتے اس نے کوئی زور سے پیچھے کی۔ جو کہ ان میں سے ایک کے پیٹ میں لگی تھی۔ برق رفتاری سے اپنی دونوں ٹانگوں کو گھماتے اس نے ان سے اس پر دو دفعہ وار کیا تھا۔

پانچ آدمی باقی تھے۔

چھت پر ایک لوہے کا ڈنڈا لگا ہوا تھا۔ اس نے خود کو اوپر کرتے اس پر دونوں ہاتھ پھنسائے اور سامنے سے آتے دو آدمیوں کو ایک ساتھ لاتیں ماریں۔ پھر زمین پر قدم رکھے اور بقیہ آدمیوں کو بھی ایک ایک کر کے اس نے مار گرایا تھا۔

بالائی لب سے نکلتے خون کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے اس نے جھک کر زمین سے پستول اٹھائی اور دوسری منزل کی اور بڑھ گیا۔

چھت کے دروازے کو ایک ہی جست میں کھولتے وہ اعجاز کے سر پر پستول رکھے چھت کے دروازے سے باہر نکلا تھا۔ لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر راحم رضا احمد کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

مہوین۔

وہ وہاں تھی۔ اس سے کچھ ہی فاصلے پر۔

وہ رو رہی تھی۔ وہ کہیں سے بھی ڈاکٹر مہوین امین نہیں لگ رہی تھی۔ لیکن وہ اُسے پہچان گیا تھا۔ اس بار وہ اُسے پہچان گیا تھا۔ شناخت ظاہر تھی۔ راز عیاں تھے۔

اُس کے سر پر کسی نے گن تانی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں پل بھر میں غصے سے سرخ ہوئیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اُسے نقصان پہنچانے والے کو یہاں سے نیچے دھکا دے کر اس کی جان نکال لے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کے ساتھ اعجاز کا بڑا بھائی محمود کھڑا تھا۔ خرید و فروخت اور اسمگلنگ کی دنیا کا سب سے بڑا مالک۔

"راحم..." بھیگی ہوئی آواز تھی۔ یہ وہ آواز نہیں تھی جو اُسے اتنے ماہ سے پریشان کیے ہوئے تھی۔ یہ برسوں پرانی اُس لڑکی کی آواز تھی۔ وہ معصوم سی۔

یہ وینی کی آواز تھی۔

اس کے لہجے میں سب کچھ تھا۔ قرب، درد اور جینے کی امید۔ وہ اُسے کھو نہیں سکتا تھا۔ کم از کم اُسے تو کبھی بھی نہیں۔

"اسے جانے دو۔" اس نے دل کو مار کر حلق سے آواز نکالی تھی۔ وہ محمود سے مخاطب تھا۔

"اپنی پستول نیچے رکھو، اے ایس پی۔ ورنہ یہ ماری جائے گی۔"

اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر سے اپنی زندگی کے سب سے قرب ناک حادثے میں جا پہنچا تھا۔ جس میں اس کی بیوی کا سفید اور نیلا چہرہ بکھری ہوئی حالت میں اُسے ایک ٹک تک رہا تھا۔

اُس نے اپنے سر کو زور سے جھنجھوڑا۔ وہ ہار نہیں مان سکتا تھا۔ اس دفعہ تو بالکل بھی نہیں۔ بہت نقصان اٹھائے تھے اس نے۔ اب کی بار نقصان اٹھائے گا تو مر جائے گا۔

"تم نے اگر اُسے کچھ بھی کیا تو میں تمہاری جان نکال لوں گا!" اعجاز کے سر سے لگی اس کی پستول اب کافی حدّ تک مضبوطی پکڑ چکی تھی۔ جیسے ابھی اندر دھنس جائے گی۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اتنا غصہ اُسے کبھی نہیں آیا تھا۔

"میرے بھائی کو جانے دو۔ اُسے کچھ مت کرنا۔ میں اس کو بھیجتا ہوں۔ تم میرے بھائی کو جانے دو۔"

ایک یہی راہ تو باقی تھی۔یہی راہِ فرار واحد تھی۔وہ اُسے کسی بھی قیمت پر بچانا چاہتا تھا۔چاہے اُس کے لئے اُسے سب سے خطرناک مجرم کو جانے کیوں نہ دینا پڑے۔

"ٹھیک ہے۔میں اسے چھوڑتا ہوں۔تم اُسے میری طرف بھیجو۔" کہتے ہی اُس نے اعجاز کے سر سے پستول دور کر دی۔اعجاز نے ہولناکوں کی طرح پہلے اُسے مڑ کر دیکھا اور پھر محمود کو۔

وہاں سے اُس نے بھی مہوین کے سر سے گن ہٹالی تھی۔مہوین بھی روتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔اُسے بس سامنے سے آتی وہ لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔جس کے چہرے پر مٹی اور خون لگا ہوا تھا۔وہ اس کو سر تا پیر دیوانوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔کہ کہیں کوئی زخم تو نہیں۔وہ اس کی چال کو دیکھ رہا تھا۔کہیں وہ درد میں تو نہیں؟

وہ بت بنا بس اُسے ایک ٹک تکنے میں مگن تھا۔جیسے وہ اُس تک آئے گی تو اُسے سانس آئے گا۔

مہوین اور اعجاز ایک دوسرے کے پاس سے گزرے تھے۔دونوں نے آدھے سے زیادہ فاصلہ طے کر لیا تھا۔وہ اب بھاگ کر اس کی طرف آ رہی تھی۔راحم کی پستول کا رُخ اعجاز کی طرف تھا اور محمود کا مہوین کی طرف۔

وہ اس کے قریب آنے ہی والی تھی۔کہ یکدم گولی چلی تھی۔کچھ لمحوں کے لئے اُس لڑکی کے ارد گرد کا منظر دھندلا گیا۔وہ وہیں رک گئی۔اُسے موت سے خوف آتا تھا۔اور آج جب وہ موت کو اتنا نزدیک سے محسوس کر رہی تھی تو اُسے سمجھ میں آیا تھا کہ زندگی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُسے انتظار تھا کہ کب وہ گولی اُسے آ کر لگے گی۔اُس نے ہلنا بند کر دیا تھا۔لیکن مضبوط ہاتھوں نے اُسے کھینچ کر ایک طرف کر لیا۔راحم رضا احمد اور مہوین امین ایک ساتھ زمین پر گرے تھے۔

گولی پیچھے دیوار میں جا لگی تھی۔

راحم نے اسی وقت اپنی پستول سے محمود کا نشانہ باندھا اور گولی چلا دی۔ وہ رکا نہیں تھا۔ اس کی پستول سے نکلنے والی اگلی گولی اعجاز کے سینے سے آر پار ہو گئی تھی۔

اس نے نڈھال ہوتے ہاتھ کو پہلو میں گرایا۔ نظریں پھر کر مہوین کے چہرے پر آ ٹکیں۔ وہ خوف زدہ سی ہوتی آنکھیں میچے ہوئے تھی۔ آنسو سمندر کی مانند نکل رہے تھے اور تھم ہی نہیں رہے تھے۔

"میں نے تمہیں بچالیا..." اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ خوشی بہت چھوٹا لفظ تھا۔ جس کیفیت سے وہ گزر رہا تھا اس کے لئے لغت بھی کم تھی۔ وہ وہیں لیٹ گیا۔

اس نے آخر اُسے بچالیا تھا۔

ایجنٹ ایلیون دوسری منزل پر کھڑا تھا۔ کن اکھیوں سے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ آنکھیں اس کی تلاش میں تھیں۔ تب ہی اُسے بھاری بوٹ کی آہٹ سنائی پڑی۔ وہ نہیں پلٹا۔ وہ اس کے لئے اپنی گردن کو تکلف میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

"آؤ آؤ ایجنٹ ایلیون۔ مجھے کہیں ناں کہیں شبہ تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" وہ گھوم کر اب اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ چہرہ.. وہ آواز۔

ایجنٹ ایلیون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ جمال احمد نے اسی کی شناخت کی تصدیق اس روز کی تھی۔ ایجنٹ ایلیون شروع سے جانتا تھا اس کا دشمن کون ہے۔ اور دشمن کا معاون کون۔

"اپنے کام ادھورے چھوڑنا میری فطرت میں نہیں ہے۔" وہ اب اپنے ہاتھوں کو کھول کر بند کر رہا تھا۔ انگلیاں ٹھیک سے اوپر نیچے کر رہا تھا۔ گویا خود کو جنگ کے لئے تیار کر رہا تھا۔

مجرم طنزیہ سا مسکرایا۔ "ویسے ماننا پڑے گا۔ تم نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔"

"کاش میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال ہوتا۔ پر افسوس تمہاری شخصیت میں کوئی بھی بات متاثرانہ نہیں ہے۔" مقابل کے جبڑے کھینچے گئے پر وہ مسکراہٹ نہیں چھٹی۔

اس نے سر اثبات میں ہلاتے اپنی پستول کی نالی سر سے رگڑی۔ "ایک بات بتاؤ.. تمہیں یہ خبر کیسے ہوتی تھی کہ میں کب کہاں اور کیسے کسی کو مارنے والا ہوں؟ یعنی یہ بات صرف میں اور آئمہ میڈم جانتے تھے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے سینے کے آگے اپنے ہاتھ باندھے۔ پھر گردن ترچھی کر کے اُسے دیکھا۔ "ایک عقلمند کبھی اپنے راز دشمن کو نہیں دیتا۔ وہ بھی تب جب دشمن مرنے والا ہو۔"

اس نے طنزیہ انداز سے سر اثبات میں ہلایا۔ "تم خضر کو یہاں سے لے جانے آئے ہو۔ لیکن افسوس وہ تو یہاں ہے ہی نہیں۔" لمحے بھر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر مجرم نے سر اٹھایا۔ "خضر میرے پاس تھا۔ کل تک۔ وہ آخری قتل... وہ خضر کا ہی ہونا تھا۔ مجھے میڈم نے حکم دیا

تھا کہ اُسے مار دوں۔ پر میں نہیں مار پایا۔ بلکہ میں نے اس کا اس سے بھی اچھا انتظام کر دیا۔ میں نے اُسے بیچ دیا۔ پیسوں کے لئے۔"

ایجنٹ کی دونوں مٹھیاں باری باری بند ہوئیں۔ خون کھولا اور آنکھوں میں اتر آیا۔ لیکن مجرم نے اپنی بات جاری رکھی۔ "وہ بچہ میرے سامنے بڑا ہوا تھا۔ میں ہر مہینے اُس کی دیکھ بھال کے لئے جایا کرتا تھا۔ میڈم نے اس کے لیے ایک کام والی بھی رکھی تھی۔ ہم نے اس کے لیے گھر کے گرد گارڈ کھڑے کیے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک غدار نکلا۔ اس نے آہستہ آہستہ خضر کو اس کی حقیقت بتا دی۔ خضر کو اس کی بہنوں کا سچ بتا دیا۔"

Clubb of Quality Content

"اور ایک دن اچانک، خبر ملی کہ خضر فرار ہو گیا۔ میڈم کے کہنے پر میں رحیم یار خان اُسے ڈھونڈنے گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ اُس گارڈ نے اُسے سب سچ بتانے کے بعد یہاں کے ایس ایچ او المیر خلیل کو کال کر کے ساری معلومات بھی دے دی تھی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے المیر خلیل نے اُسے بڑی آسانی سے وہاں سے نکلوا لیا۔ کاش کہ اُس دن وہ ٹرک اُسے روند کر چلا جاتا۔" ایک گہرا سانس لیا۔ "میں نے اُس گارڈ کو مار دیا۔ بلکہ میں نے سارے گارڈز کو مار

ڈالا۔ خضر کو میں نے بہت ڈھیل دی۔ میں چاہتا تو اُسے بہت پہلے ہی اٹھا سکتا تھا۔ پر میں نے اُسے اس کی بہن کے پاس رہنے دیا۔ کیا کروں انسان ہوں نا.. "

مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "اور پھر.. میں نے اُس کی آزادی ختم کر دی اور اُسے اٹھا لیا۔ لیکن پھر مجھے خبر ملی کہ المیر خلیل مجھ تک پہنچنے کے لئے خضر کا استعمال کر رہا ہے۔ اس نے مہارت کے ساتھ اس کی انگھوٹی میں ٹریکر لگا رکھا تھا۔ میں اُسے مارنے والا تھا.. لیکن پھر مجھے خیال آیا۔ کہ کیوں نا منافع کمایا جائے۔ اور میں نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ میں نے خضر کو پاکستان کے سب سے خطرناک مجرموں کے آگے بیچ دیا۔ اچھی بھلی رقم کمائی۔ اُسے ان کے حوالے کرنے کے بعد میں نے اس کی بے ہوش حالت کا فائدہ اٹھاتے، اس کا ٹریکر آن کر دیا تھا۔ "

"میں نے جال بچھایا تھا تمہارے لیے اور المیر خلیل کے لئے۔ جس عمارت میں وہ اس وقت موجود ہیں اس میں بمب لگا ہوا ہے۔ جو کہ اپنی مدت پوری کرتے ہی اپنے ساتھ سب کو تباہ کر دے گا۔ " ایجنٹ ایلیون کی ہنسی نکلی تو مجرم کی بھنویں تنگ ہوئیں۔

"تم ہمیشہ سے اتنے بیوقوف تھے یا ابھی ہوئے ہو؟ المیر خلیل میرے پیچھے تھا۔ تم جانتے ہو۔ اور وہ میرے پیچھے یہاں تک چلا آیا۔ بلکہ ایک منٹ..."اس نے لبوں پر انگلی رکھتے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔"..وہ کچھ ہی دیر میں ادھر آجائے گا۔"

اس کی آنکھیں پل بھر کے لیے پھیلیں۔ پھر جیسے اُس نے اِس حیرت کو قدرے ضبط کیا تھا۔ "اس کے یہاں آنے سے پہلے ہی میں تمہارے چھترے اڑادوں گا، ایجنٹ۔"وہ کرسی سے اٹھا تھا۔

"آزما کے دیکھ لو۔ اگر مار سکے تو مار دینا۔ ورنہ یاد رکھنا میری زندگی تمہاری موت کے مترادف ہو گی۔"اس نے سینے کے آگے سے ہاتھ ہٹاتے ہاتھ کو زور سے جھنجھوڑا تھا۔

مجرم جھکا اور اپنی پستول زمین پر اپنے پیروں کے نزدیک رکھ دی۔ اس کے عمل کے جواب میں ایجنٹ نے بھی اسی کا عمل دوہرایا۔ وہ دونوں اب آمنے سامنے کھڑے تھے۔

پہلا وار دشمن کی طرف سے ہوا تھا۔ایک جسم ہلا دینے والا گھونسہ ایجنٹ کے چہرے پر لگا تھا جس سے اس کے منہ سے خون چھوٹ کر ماسک پر پھیل گیا تھا۔وہ سیدھا ہوا تو مقابل نے مضبوط لات اس کے پیٹ میں مارتے اُسے زمین پر گرایا۔

وہ زانوں کے بل دونوں ہاتھ زمین پر رکھے جھکا بیٹھا تھا۔چہرہ اوپر کیا۔مقابل کو دیکھا۔پھر ایک ہی جھٹکے میں دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوا۔اب کی بار جب مجرم اس پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھا تو ایجنٹ نے اس کی ٹانگوں کے درمیان اپنی ٹانگیں پھنسائیں۔اور اُسے زور سے نیچے گرایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پھر اُسے سیدھا کرتے لگاتار گھونسے اُس کے چہرے پر جھڑے جس سے وہ ہوش سے بیگانہ ہونے لگا۔پر اُس نے بھی ہار نہیں مانی تھی۔ایجنٹ کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لیتے اس نے اپنا سر زور سے ایجنٹ کے سر پر مارا تھا۔جس سے ایجنٹ کی آنکھوں کے سامنے کا منظر کچھ لمحوں کے لئے دھندلا گیا۔اس نے دو سے تین دفعہ اپنے سر کو جھنجھوڑا۔وہ بیٹھتا چلا گیا تھا۔اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔

اُسے مجرم کے اٹھنے کی آہٹ سنائی پڑی۔ وہ اب اُٹھ کر اُس پر کہیں سے وار کرنے والا تھا۔ کہاں سے؟ اپنی سماعتوں پر غور کرتے وہ فوراً دائیں طرف کھسک گیا اور تب ہی اُس کی آنکھوں کے آگے کا منظر سیاہی سے رنگوں میں متبادل ہوا تھا۔

مجرم کا وار خالی جانے کے باعث اب وہ قدرے طیش میں نظر آتا تھا۔ اس کی ناک سے مسلسل خون آرہا تھا۔ ایجنٹ زخمی چہرے کے ساتھ مسکایا۔ چہرے کی حالت قابلِ تعریف تھی۔

وہ گھٹنوں سے پیروں پر ہوا اور سامنے سے آتے اس کے دوسرے وار کو بلاک کرتے اس نے اپنا گھٹنا اس کے پیٹ میں مارا تھا۔ جس سے وہ کراہیا اور قدم پیچھے لے گیا۔ لیکن جیسے ہی وہ پیچھے ہوا اس کا ہاتھ ایجنٹ کی پستول پر گیا اور اس نے وہ اٹھا کر نشانے کے حصار میں اُسے رکھا۔

تب ہی ایجنٹ نے بھی پیروں سے مجرم کی پستول اٹھاتے اُسے ہوا میں اچھالا تھا۔ گن کو فوری طور پر پکڑتے اس نے نشانہ داغا۔

سب سے پہلے ایجنٹ کی پستول کا ٹریگر دباتھا۔ جو کہ مجرم کے ہاتھ میں تھی۔ وہ دونوں ہی گولی نکلنے کا انتظار کرتے رہے۔

لیکن یہ کیا؟ اس میں تو گولیاں ہی نہیں تھیں۔ مجرم کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر ایجنٹ کا ہوا میں قہقہ گونجا۔ اس کی میگزین میں صرف دو ہی گولیاں تھیں۔ باقی میگزین تو سرے سے وہ خالی کر کے لایا تھا۔

مجرم کی آنکھوں میں خوف کی لہر ابھرتے دیکھ ایجنٹ نے مجرم کی پستول کی میگزین نکال کر گولیاں گنیں۔ "اس میں تو گولیاں پوری ہیں۔ یعنی تم نے اپنے کفن دفن کا انتظام پہلے سے کر رکھا ہے۔ اعلیٰ!"

مجرم نے چند قدم پیچھے لئے تھے۔ اور ساتھ ہی اس نے زینوں کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ وہ پہلی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایجنٹ ایلیون مطمئن انداز میں اس کے پیچھے بھاگا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آگے پیچھے نظریں گھماتے اس نے جب مجرم کو نہ پایا تو باہر کی طرف چل پڑا۔اب کہ وہ عمارت سے باہر اُس چاردیواری کے بیچ کھڑا تھا جہاں گیارہ مہینے پہلے اُس نے وہ خون آلود کُرتا چھوڑا تھا۔ جس پر ایجنٹس نے جمال کی جگہ کسی دوسرے انسان کا خون لگا کر پولیس کو ٹھیک ٹھاک گمراہ کیا تھا۔

اور ٹھیک کُرتے کی جگہ پر مجرم ایستادہ تھا۔وہ گھائل تھا۔ بری طرح سے۔

ایجنٹ ایلیون اُس کو اور وہ ایجنٹ کو دیکھ رہا تھا۔دونوں جانتے تھے اب کیا ہونے والا ہے۔ ایجنٹ نے نشانے پر اس کو رکھتے پستول ہوا میں اٹھائی۔ٹریگر پر انگلی رکھی۔اور تب ہی گولی چلی تھی۔

لیکن وہ گولی ایجنٹ کے ہاتھ میں پکڑی پستول سے نہیں بلکہ محمت جہانگیر کی پستول سے چلی تھی۔اس کے چہرے پر وحشی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔وہ چوتھا یعنی آخری قتل کرنے والا تھا۔

ایجنٹ پیٹ پر ہاتھ رکھتا مٹی سے بھرپور زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔خون پانی کی طرح اب اس کے پیٹ کے اُس حصے سے نکل رہا تھا۔اور ساتھ ہی ساتھ منہ سے بھی۔

محمت جہانگیر رکا نہیں تھا۔وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ کچھ قدم آگے آیا تھا۔لیکن ابھی بھی ان دونوں میں فاصلہ باقی تھا۔"میں نے کہا تھاناں...کہ المیر خلیل کے یہاں آنے سے پہلے ہی تمہاری کہانی کا اختتام کردوں گا۔"

اُسے ہار نہیں مانی تھی۔وہ پیٹ پر بایاں ہاتھ رکھتے ہولے ہولے اٹھ رہا تھا۔دونوں کی پستولیں ایک مرتبہ پھر سے روبرو تھیں۔

گولی دونوں طرف سے چلی تھی۔

جن میں سے ایک محمت جہانگیر کی آنکھوں کے درمیان لگی تھی اور دوسری ایجنٹ ایلیون کے سینے پر۔وہ دونوں زمین پر پل بھر میں ڈھیر ہوگئے تھے۔

محمت جہانگیر کے جسم میں سانسیں باقی نہیں تھیں۔بہت مدت کے بعد ایجنٹ ایلیون کا مقصد پورا ہوا تھا۔وہ سر کے بل وہاں گرا ہوا تھا۔آسمان سے بارش قطرہ قطرہ کر کے برسنے لگی تھی۔

نہ ناک سے اور نہ ہی منہ سے اُسے سانس آ رہا تھا۔لیکن وہ مسکرا رہا تھا۔اس کی مسکراہٹ کانپتی ہوئی اور کمزور تھی۔اُس نے اپنا خون آلود ہاتھ اپنے چہرے کی طرف بڑھایا تھا۔اُسے سانس چاہیے تھا اور ماسک کی وجہ سے اس کا ٹھیک سے آنا ناممکن تھا۔وہ کھانس رہا تھا اور کھانسنے کے باعث اس کے جسم کے متاثر حصوں میں روح نکال لینے والا درد اٹھ رہا تھا۔

تب ہی اُسے قدموں کی آواز آئی۔کوئی اُس کی اور آ رہا تھا بھاگ کر۔بارش پتھروں کی طرح برس رہی تھی۔جیسے آج تھمے گی ہی نہیں۔وہ اب محمت کے قریب بیٹھا تھا۔

اس کی آنکھیں لرز رہی تھیں۔وہ محسوس کر سکتا تھا کہ وہ چال کس کی تھی۔سماعتوں پر بس ان بھاری بوٹ کی آواز چھائی تھی۔

وہ کیوں آیا تھا یہاں پر؟ اُسے نہیں آنا چاہیے تھا۔ کم از کم المیر خلیل کو تو بالکل بھی نہیں۔

مٹی پانی اور خون کے ملاپ پر جاگ اٹھی تھی۔ ہوا میں دونوں کی مہک نتھنوں کو اثر انداز کر دینے والی تھی۔

تب ہی وہ شخص اس تک آیا۔ وہ اس کے پاس زانوں کے بل بیٹھ رہا تھا۔ ایجنٹ ایلیون اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسے آج بند ہو گئیں تو دوبارہ کبھی نہیں کھلیں گی۔

Clubb of Quality Content

المیر خلیل اب اس کے چہرے سے ماسک ہٹا رہا تھا۔ وہ سیاہ ماسک ہٹا اور ہٹتا ہی چلا گیا۔ جب آدھا چہرہ عیاں ہو گیا تو اس کے ہاتھ تھم گئے۔ وہ گنگ سا اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ دل رک گیا، الفاظ دم توڑ گئے۔ روح کانپ اٹھی تھی۔

No master calls, no flag I raise,

I owe no soul, I seek no praise.

My compass points to fractured ends,

To the one who waits... and lives for revenge.

"ا-اِشفا.."

وہ بس یہی کہہ پایا تھا۔ سکتے کی کیفیت اُس پر کچھ اس طرح سے طاری تھی کہ آنکھیں ابھی باہر آجائیں گی۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟

"میں آپ کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ کچھ بھی بن سکتی ہوں۔" اُسے اپنے سن ہوتے کانوں میں بس اُس کا وہ جملہ سنائی پڑ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کے آگے کا منظر کالا ہوا۔ اس کا دماغ شل تھا۔ وہ غائب دماغی سے بس اُس چہرے کو تک رہا تھا۔ وہ شہد رنگ آنکھیں...وہ مسلسل ہل رہی تھیں۔ وہ نہیں جانتا تھا جب وہ ہلنا بند ہو نگی تو کیا ہو گا۔

اس نے بکھرے ہوئے دل کے ساتھ اپنے کانپتے ہاتھوں میں جان ڈالی۔اِشفا کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔"اِشفا، پلیز.. پلیز آنکھیں بند مت کرنا..."وہ اونچی آواز کے ساتھ رونے لگا تھا۔آنسو بارش کے ساتھ مل کر اس کے چہرے کا سفر کر رہے تھے۔"...یہ تم نے کیا کیا.." بے یقینی کی کیفیت اُسے ہر اور سے گھیر گئی تھی۔اور تب ہی اِشفا کی آنکھوں میں ہوتی لرزش بڑھ گئی تھی۔جیسے اُسے اُس جملے کو سن کر بہت تکلیف ہوئی ہو۔"نو نو نو نو....اِشفا.. تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں...میں مر جاؤں گا..."وہ پاگلوں کی طرح اشک بہا رہا تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

اِشفا کی آنکھوں کے سامنے راحیل گھوم رہا تھا۔وہ راحیل سے ملنا چاہتی تھی۔اُسے جینے تھا اُس کے لئے۔وہ اُس کو سینے سے لگانا چاہتی تھی۔

آنکھیں اُس چہرے کو تک رہی تھیں۔وہ رو رہا تھا۔وہ اُسے چپ کروانا چاہتی تھی۔

"میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔"اس کا کہے جانے والا ایک ایک جملہ اس کے ذہن میں گھر کر رہا تھا۔وہ اُسے مسکرانا سکھا کر اُس کی اداسی کی وجہ بننے جا رہی تھی۔

کیا یہ اِشفا امین کی زندگی کے آخری سات منٹ تھے؟

ان شہد رنگ آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر بکھرا۔ وہ ہل نہیں پا رہی تھی۔ اس کا جسم اس کے سانس کو بحال نہیں ہونے دے رہا تھا۔ جیسے اس کی روح آہستہ آہستہ نکل رہی ہو۔

المیر مسلسل کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن اُسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے سینے کی چبھن رفتار اختیار کر گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ان دونوں کو بارش بھگو چکی تھی۔ وہ زور زور سے پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ وہ بس اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس چہرے پر مسکراہٹ کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ اُسے مسکراتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی.. ایک آخری دفعہ۔

"سر..."سلیم کی آواز پر اس نے چہرہ موڑا۔"میری بیوی کو بچالو، پلیز..."سلیم کو معاملہ سمجھ میں نہ آیا پر اس نے اپنے روتے ہوئے سر کی حالت کو نظر میں رکھتے جیب سے فون نکالتے کسی کو کال کی تھی۔

"میں مر جاؤں گا... پلیز، پلیز..."وہ زور زور سے رو رہا تھا۔اس کی آواز چار دیواری میں پھیل رہی تھی۔ بارش کے باوجود اس کی آواز سنی جاسکتی تھی۔

انوکٹس کی آنکھیں اسی لمحے بند ہوئی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"نہیں...!"ایک سہمی ہوئی چیخ اس کے حلق سے نکلی۔ فلک پر کڑکتی بجلی کی آوازوں کے درمیان اس کا روتا ہوا وجود بے بس اور بے سہارا تھا۔

ایجنٹ ایلیون کے چہرے پر ایک پورامید مسکراہٹ تھی۔ وہ ہاری نہیں تھی۔اس نے میدانِ جنگ فتح کر لیا تھا۔اس نے اپنے پیاروں کو قید سے رہا کروالیا تھا۔اُسے کوئی رنج، کوئی دکھ نہیں تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اِشفا امین داستان کا آخری پہلو تھی۔ وہ پہلو جو اُسے انو کٹس قرار دیتا تھا۔ اُس نے بہت کچھ کھویا تھا بہت کچھ پانے کے لیے۔ کیونکہ یوں ہی ہر کوئی ناقابلِ شکست نہیں بنتا۔ اپنا آپ لوٹانا ہوتا ہے دشمن کو لوٹنے کے لئے۔

حقیقت یہ ٹھہری کہ انو کٹس ماضی بھی تھا، حال بھی اور سب کا زوال بھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب ۱۱: آخری باب

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آئی سی یو کا دروازہ بند تھا۔اس کے باہر لگی بتی سرخ رنگ سے درخشاں تھی۔راہداری میں رکھی بینچ پر بیٹھا وہ شخص پچھلے تین گھنٹوں سے مسلسل رو رہا تھا۔اس کے دل پر اور ذہن پر ان دیکھے زخم آئے تھے۔حالات کی ستم ظریفی نے اُسے بے اختیار کر دیا تھا۔

اس کے دماغ میں سوچوں کا جھرمٹ قائم تھا اور دل پر پہاڑ کے مترادف بوجھ۔وہ ہر چیز کو بے زاری سے تک رہا تھا۔جیسے آنکھیں تھک گئی ہوں اور دل اچٹ گیا ہو۔

Clubb of Quality Content!

ہر گزرتے پل کے ساتھ اُسے اپنا وہ خواب یاد آ رہا تھا۔عالیہ کا وہ سفید چہرہ...وہ اس کے الفاظ۔

ہر یاد پر ہی یادوں کا سلسلہ جاری تھا۔ہر بات پر اُسے اس کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔وہ اس کے ذہن کے گوشے گوشے اور دل کے حصے حصے میں روشن تھی۔اس کا کہا ایک ایک لفظ اس کے کانوں کے گرد گونج رہا تھا۔

وہ ایجنٹ ایلیون کے بہت قریب تھا۔ سب سے زیادہ نزدیک۔ اُسے زندگی میں پہلی دفعہ شکست کا سامنا ہوا تھا۔ جس ایجنٹ کو ڈھونڈنے کی خاطر وہ گلی گلی کا راہ گیر بنا تھا، وہ ایجنٹ ہمیشہ سے اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ اُس کی بیوی کے روپ میں۔

بینچ پر بیٹھے بیٹھے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یادوں کی بازگشت کا سلسلہ سیاہی پر اپنی تصویر کھینچ رہا تھا۔

پرچھائی کچھ یوں تھی کہ وہ اس کے سامنے کان پکڑے زمین پر گھٹنے ٹکائے بیٹھا تھا۔ اُس سے معافی مانگ رہا تھا۔ ہر بات پر آنکھیں بھر آنے کو بے تاب تھیں۔ وہ کتنی جلدی معاف کر دیتی تھی... شکووں کی تمہید باندھتی تھی پر معاف کر دیتی تھی۔

ذہن کا ایک گوشہ اس کی انگلیوں کو ملنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ اُسے مس کر رہا تھا۔ اس کی جھولتی لٹ، وہ اس کو اس کے کان کے پیچھے اڑسنا چاہتا تھا۔ کتنی چاہت تھی کہ حقیقت ایسی نہ ہوتی۔ ارمان ادھورے اور یادیں تلخ نہ ہوتیں۔

وہ اس کا فرصت میں اُس سے شکوے کرنا... جیسے وہ چاہتی ہو کہ وہ اس کے لئے سب کچھ ٹھیک کر دے۔ اُسے تکلیفوں سے نکال لے۔

"میں وہ ہوں جس کے آگے آپ کو کچھ نہیں دکھتا۔"

سہی ہی تو کہا تھا اس نے۔ امید کے موتی اس نے ایک ایک کر کے دھاگے پر پروئے تھے۔ وہ اس کے اور اپنے درمیاں سب کچھ ٹھیک کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ۔

Clubb of Quality Content!

وہ اس کا بات بات پر مسکرا دینا۔ شہد انڈ یلتی آنکھوں سے شرارت کرنا۔ المیر کے ذرا سے اظہار پر موضوع بدل دینا۔

کیا اس کا چھوٹ جانا وہ برداشت کر پائے گا؟ سوچوں کی مسافت گہری تھی۔ اُسے یادیں تھکا دیتی تھیں۔ لیکن اِشفا کے ساتھ گزرا وقت یاد کر کر کے وہ کام کے دوران بھی مسکراتا رہتا تھا۔ پر آج ان لمحات کی یادہانی چیخ چیخ کر اُسے تڑپا رہی تھی۔

"المیر خلیل صرف بادشاہت کے لیے بنا ہے۔"

یہ کیسی دشمنی نبھا گئی تھی وہ؟ دشمنی تھی بھی یا نہیں؟ یہ کیسا رشتہ قائم تھا ان کے درمیان؟ جہاں وہ اس کی عزت کرتی تھی۔ اُسے ذلیل نہیں کرتی تھی۔

کہتی تھی کسی کو بھی اُسے نقصان پہنچانے نہیں دے گی۔ اور خود کا کیا؟ المیر نے یہ تو نہیں چاہا تھا۔ ہنستے ہنستے اس کی باتوں کو ہوا میں اڑا دیتا تھا۔ کبھی جملوں اور الفاظ کو گہرائی سے پرکھ ہی نہیں پایا۔ سوچ ہی نہیں سکا کہ وہ یہ سب کیوں کہتی تھی؟

"میں آپ کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

وہ کیوں نہیں سمجھ پایا اس جملے کے پیچھے کی کہانی؟ وہ کہتی تھی اس کی اور المیر کی داستان ہو گی۔

"اِشفاامین اور سُرمئی آنکھوں والے اس کے شوہر کی داستان دائم رہے گی۔ ہمارے بعد بھی۔ پھر چاہے میں آپ کے پاس آؤں یا نہ آؤں..."

اُسے اس سے سوالات کرنے چاہیے تھے۔ پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرتی ہے؟ کیا سوچ کر کرتی ہے؟ کیوں کہتی تھی کہ وہ اس کے پاس نہیں آئے گی؟ کیا المیر خلیل کو چھوڑ جانا اتنا آسان تھا اس کے لیے؟

ملال، ملامت اور محبت... یہ تینوں لفظ میم سے بنے تھے۔ ان تینوں کے معنی الگ پر مقصد ایک سا تھا۔ تکلیف۔ وہ اپنی قسمت کو کوسنا چاہتا تھا۔ رو دینا چاہتا تھا۔ ایسے کون سے گناہ ہو گئے تھے اس سے کہ نصیب ہمیشہ اُسے گھریبان سے آن پکڑتے تھے؟

کیا اُسے نظر نہیں آیا کہ ماہِ نور خلیل، عالیہ خلیل کے بعد اِشفاامین کا چلے جانا اُسے کس قدر توڑ کر رکھ دے گا؟ کیا اُسے المیر خلیل کی اُس سے وابستگی نظر نہیں آئی؟ یا وہ یہی سوچتے ہوئے آنکھیں بند کر گئی کہ المیر اس سے نفرت کرتا ہے؟

کیا اس کے لئے المیر کی غلطیوں کو بھول جانا اتنا مشکل تھا کہ اُسے چھوڑ جانا سہل لگا؟

چہرے پر آنسو بکھر رہے تھے۔ ریزہ ریزہ، قطرہ قطرہ۔ مصیبتیں تھیں کہ اس کے ویران اور ہارے ہوئے دل کو دیکھ کر تھمتی ہی نہیں تھیں۔ آزمائشوں کا لشکر اُس کی سانسیں اُس پر تنگ کیے رکھتا تھا۔ کیا اتنا بُرا تھا وہ کہ خوشیاں ڈیزرو ہی نہیں کرتا تھا؟

ایک عمیق سانس اس نے چھوڑا اور تب ہی اچانک آئی سی یو کا دروازہ کھلا۔ سفید کوٹ میں ملبوس ایک لیڈی ڈاکٹر باہر آئیں۔ اس کے پیچھے پیچھے مزید دو ڈاکٹرز بھی نکلنے لگے۔

Clubb of Quality Content!

وہ یکدم ایستادہ ہوا۔ قدم بے جان ڈاکٹر کی جانب اٹھ رہے تھے۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ کہیں مایوسی چھائی ہوئی تو جواب دل کاٹ دینے والا ملے گا۔

ڈاکٹرنی آکر اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ اُسے اندیشہ تھا کہ نظریں اٹھائے گا تو دل ٹوٹ جائے گا۔ لیکن نظریں نہ اُٹھائیں تو سانسیں تھم جائیں گی۔

"آئی ایم سوری..."

جھکی ہوئی آنکھیں جو پہلے سے ہی نمی میں تیر رہی تھیں، پل میں سامنے کی سمت جا ٹھہریں۔
کیا اس نے صحیح سنا تھا؟

وہ ہولناک سا چہرہ لئے اپنے پاس سے گزرتی پشت کو دیکھتا رہا۔ وہ کیا کہہ کر گئی تھیں؟

سانس کا اکھڑنا رفتار پکڑ چکا تھا۔ وہ وہیں کانپتے ہاتھوں اور دل کی گرفتگی کے باعث کھڑا رہا۔
آنکھیں ایک ٹک بس سفید دیوار پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ مزید کچھ بھی سوچ نہ پایا تھا۔

بے اختیار اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے ابھی دل بند ہو جائے گا۔ اور
تب ہی۔

"المیر!" کسی نے اُسے زور سے جھنجھوڑا تھا۔ وہ اچانک افتاد پر حالات کو سمجھنے کی کوشش میں مگن رہا۔ اس نے منظر پر نظر ثانی کی۔ نہ اطراف میں کوئی آئی سی یو تھا اور نہ ہی کوئی ڈاکٹر۔
"تم ایسے کیوں کانپ رہے تھے؟"

اس نے بے سُدھ پڑے اپنے ہاتھ کو پسینے سے لتپت چہرے پر پھیرا تھا۔ وہ خواب کی کیفیت میں تھا۔ شکر ہے وہ سب خواب تھا، حقیقت نہیں۔ سانسیں بھاری اور ذہن کشمکش کا شکار۔ وہ ہر طرح سے وقت کے ہاتھوں مجبور نظر آتا تھا۔ "میں...اِشفا.. وہ کہاں ہے؟"

ناولز کلب
Club of Quality Content

لال انگارہ آنکھیں اپنے ساتھ بیٹھے راحم سے ملائی تھیں۔ "وہ ٹھیک ہے اب۔ اُسے آئی سی یو سے کمرے میں منتقل کر دیا گیا ہے۔" وہ اب اپنے ہاتھ میں تھامے رومال کی مدد سے المیر کا چہرہ خشک کر رہا تھا۔

یادہانی پر گزشتہ گھنٹے کے واقعات ذہن میں درخشاں ہوئے۔ آدھے گھنٹے پہلے ہی آئی سی یو سے خبر آئی تھی۔ اِشفا امین خطرے سے باہر تھی۔ اور تب ہی تشکر کا سانس لیتے اُس نے فجر

کی نماز پڑھی تھی۔ جس سے ملتے سکون کے باعث وہ وہیں رکھی بینچ پر بیٹھا اور تب ہی اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

"میں.. میں اس سے مل کر آتا ہوں۔" وہ حواس باختہ سا ہوتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ تب ہی راحم کے ہاتھ نے اُسے روکا تھا۔ "وہ ہوش میں نہیں ہے۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے نیند کی ادویات اور بے ہوشی کے ٹیکوں کے زیرِ اثر اُسے غنودگی سے نکلنے میں کچھ وقت لگے گا۔"

المیر اُسے دیکھے گیا۔ آنکھیں قدرے سوج چکی تھیں۔ ہونٹ خشک تھے اور چہرہ بے رنگ۔ "میں اُسے دیکھ تو سکتا ہوں ناں؟ مجھے بس اُسے دیکھنا ہے ایک مرتبہ۔" وہ یہ کہہ کر آگے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

مشینوں میں جکڑے اس کے بائیں ہاتھ کو وہ اپنے ہاتھوں میں لئے بیٹھی تھی۔اس کے چہرے کے زخم کمرے میں پہلی سفید روشنی میں نکھر کر ابھر رہے تھے۔اپنی بہن کے ہاتھ کو چومتے وہ چپ چاپ سی اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔

المیر نے اُسے بتایا تھا کہ اِشفا غلط ٹائم پر غلط جگہ پر موجود تھی۔اس کے باعث دہشت گردوں نے اس پر گولیاں چلائی تھیں۔اور تب ہی وہ گھائل ہوئی تھی۔

رخسار پر خشک آنسوؤں کے سیاہ نشان موجود تھے۔حالت بگڑی ہوئی اور بال بکھرے ہوئے۔دل سو کی رفتار سے بھاگ رہا تھا۔پچھلے اڑتالیس گھنٹوں میں اس نے بہت سے واقعات کا سامنا کیا تھا۔

اُس روز اغواہ ہونے سے ٹھیک دو منٹ پہلے اُس کے کمرے کے دروازے پر ڈھیلی سی دستک ہوئی تھی۔اُسے علم تھا کہ محمت جہانگیر اس کی آنکھوں میں چھایا وحشت زدہ عکس دیکھ چکا تھا۔اور دروازے کے پار وہی موجود تھا۔

وہ ڈر کر دروازہ نہیں کھول رہی تھی۔ لیکن اچانک دروازہ خود بخود ہی کھلتا چلا گیا۔ چیخ حلق میں ہی اٹک گئی تھی۔ سب کچھ روشنی کی سی رفتار سے انجام پایا تھا۔اس نے کمرے میں آتے ہی اُسے مزاحمت کا موقع دیے بغیر اس کے سر پر کسی بھاری چیز سے وار کیا تھا۔ جس کے باعث اس کے سامنے کا منظر ایک پل بھی لگائے بنا سیاہ ہو گیا۔

اگلی دفعہ جب آنکھیں کھلیں تو اس نے خود کو ایک سنسان سے گھر میں پایا تھا۔ وہ کرسی پر بندھی بیٹھی تھی۔ گردن ایسے اکڑی ہوئی تھی جیسے کسی نے لوہے کا پائپ دھنس دیا ہو۔

Clubb of Quality Content!

ہوش و حواس میں آتے اس نے سب سے پہلے چیخ ماری تھی۔ جو کہ منہ میں کپڑا ہونے کی وجہ سے دبی ہوئی سسکی کی مانند کانوں سے ٹکرائی تھی۔ اس نے بارہا کرسی کو ہلانے اور خود کو اس قید سے آزاد کروانے کی کوشش کی تھی پر ناکام رہی۔

کرسی سے نکلتی آواز نے کسی کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ کوئی اس کے پاس آیا تھا اور اس نے ایک ذہن جھنجوڑ دینے والا تھپڑ اس کے گال پر مارا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ایک مرتبہ پھر سے ہوش کھو بیٹھی تھی۔

اگلی دفعہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک کشادہ ہال نما جگہ پر موجود تھی۔ اب کہ جگہیں تبدیل ہو چکی تھیں۔ پیاس کی مانند اس کے حلق سے آواز کا نکلنا ناممکن تھا۔ سر بھاری اور گردن تھکن کا شکار تھی۔ اُس درد سے اٹھتی ٹیس کو ضبط کرنے کے لئے جب اُس نے اُسے پیچھے کیا تو اُس کا سر کسی کے سر سے ٹکرایا۔ کوئی عین اُس کے پیچھے بیٹھا تھا۔

Clubb of Quality Content

تصادم سے تو اُس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ جو کوئی بھی تھا اس کا سر اس کے سر سے آن لگا تھا۔ اس نے چہرہ موڑ کر پیچھے دیکھنے کی ان گنت کوششیں کی تھیں۔ کہ اچانک نووارد کے سر کی پشت اس کے کندھے پر آن گری تھی۔ چہرہ نظروں میں آیا تو مہوین نے محض ایک اٹھارہ سے بیس سالہ لڑکے کو بے ہوشی کی حالت میں پایا۔ اس کے چہرے پر جگہ جگہ چوٹیں آئی تھیں اور ہونٹ بھی پھٹے ہوئے اور خون سے لیز تھے۔

کندھے کو ہلاتے اس نے اُسے جگانا چاہا۔ یہاں تک کہ آواز بھی لگائی پر وہ لڑکا نہیں جاگا تھا۔ اُسے اندیشہ ہوا جیسے وہ مر گیا ہو۔ اس نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کے سانس کی ترتیب کو پرکھا۔ تب جا کر اُسے یقین ہوا کہ وہ سانس لے رہا تھا۔

شاید وہ دونوں ہی اغواہ کیے گئے تھے اور کرسیوں پر باندھ کر بٹھائے گئے تھے۔ اور نتیجتاً دونوں کی کرسیوں کی پشت ایک دوسرے سے لگی ہوئی تھی۔

اس نے آگے پیچھے دیکھا تو احساس ہوا کہ سوائے زینوں کے یہاں کوئی بھی دوسری جگہ موجود نہیں تھی۔ اور نہ ہی کوئی انسان ان دونوں کے آس پاس بھٹک رہا تھا۔ کچھ گھنٹوں تک وہ وہاں سے نکلنے کے ایک سو ایک طریقے سوچتی رہی۔ ساتھ ہی ساتھ لڑکے کو جگانے کی کوشش کرتی رہی۔ کہ اتنے میں اس کی آنکھ لگ گئی۔

جب جاگی تو اس نے خود کو کسی جگہ کی چھت پر پایا تھا۔ وہ وہاں خردری زمین پر دیوار سے لگی بیٹھی تھی اور اس کے سامنے ہی ایک شخص دروازے میں کھڑا اندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بے وقت اس نے مہوین کو مڑ کر دیکھا تھا۔اس کا چہرہ دیکھتے مہوین کی آنکھیں پھیلی تھیں۔وہ اس شخص کو مہینہ پہلے نیوز میں دیکھ چکی تھی۔ مختلف جرائم میں اس کا ہاتھ ہوتا تھا۔لیکن سب سے اونچائی پر اس کا انسانوں کے خرید و فروخت کا بزنس چالو تھا۔

ایک آنسو اسی لمحے آنکھ سے نکلا اور کھسکتا ہوا ہونٹ کے پاس آکر منہ میں داخل ہو گیا۔وہ ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تھی۔یعنی اب وہ نہیں بچ پائے گی۔

پل بھر میں سو قسم کے خدشات نے اُسے آن گھیرا تھا۔ناامیدی کی کیفیت سے دوچار ہوتی وہ آنسو بہانے میں مصروف رہی۔جب وہ آدمی لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا اور اُسے کھینچ کر کھڑا کیا گیا تھا۔

وہ لڑکھڑاتی ہوئی اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔دل زور زور سے دھڑک تھا۔جس کی آواز اس کے کانوں تک آ رہی تھی۔اُسے ٹھنڈے پسینوں کے ساتھ ساتھ جسم میں کرنٹ کی ایک باریک لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اب اس کے سر پر گن رکھ رہا تھا۔اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس نے یونیورسٹی میں پڑھا تھا کہ ڈر کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ڈر مختلف طرز میں بانٹا جاتا ہے۔ جیسے کسی کو کھو دینے کا ڈر۔ اکیلا رہ جانے کا ڈر۔ ہار جانے کا ڈر۔ پکڑے جانے کا ڈر۔ موت کا ڈر۔

آج اُسے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ ہر قسم کے ڈر اور خوف پر آج بھی مر جانا کا ڈر قابض تھا۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے یہی سوچتی رہی کہ اگر مر گئی تو میری روح کہاں جائے گی؟ میرا انجام کیا ہو گا؟ مجھے قبر میں سانس کیسے آئے گا؟ میں اپنی بہن کو دوبارہ کیسے دیکھوں گی؟

Clubb of Quality Content

موت کو قریب سے دیکھتے اس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کہ اچانک چھت کا دروازہ بلند آواز کرتا کھلا تھا۔ وہاں سے آتے دو انسانوں میں سے ایک کے شناسا چہرے کو دیکھ کر اس کا نا امیدی کے باعث ٹھہری دھڑکنوں والا مدھم سا دل اپنی رفتار واپس تھامنے لگا۔اس کے ذہن کو سکون آیا تھا۔ دل میں ایک مدھم سی امید کی کرن جگمگانے لگی تھی۔

وہ جانتی تھی راحم اُسے بچا لے گا۔

سبز آنکھوں میں اس نے پہلی مرتبہ اپنے لئے فکر دیکھی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے اس نے کبھی سبز آنکھوں میں دیکھا ہی کہاں تھا؟ ہمیشہ نظر جھک جایا کرتی تھی۔ وہ سامنے ہوتا تو وہ مجبوری میں بھی اس کی آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملا پاتی تھی۔

اس کا ہر قدم اسے راحم کی اور لے جا رہا تھا۔ وہ یہی تو چاہتی تھی۔ کہ اس کی ہر راہ اُسے اس تک لے جائے۔ مسافر وہ ہو اور منزل راحم۔

جب وہ اس کے سامنے آن ٹھہری تو بے وقت گولی چلی تھی۔ اس نے آنکھیں میچ لی تھیں۔ وہ وہیں جم گئی تھی۔ لیکن راحم کے مضبوط ہاتھوں نے اپنے ساتھ اُسے بھی موت سے بچالیا تھا۔ اُس نے اُسے آخر کار بچالیا تھا۔ یہ وہ آخری شخص تھا جسے وہ خود کو بچانے کا تصور کر سکتی تھی۔

ان دونوں آدمیوں کو باری باری گولی مارنے کے بعد راحم رضا احمد وہیں لیٹتا چلا گیا تھا۔ وہ دیوار سے لگی بیٹھی تھی۔ بارش کے ٹھنڈک بخشتے قطرے ٹپ ٹپ ایک دوسرے کے تعاقب

میں ان دونوں پر گر رہے تھے۔ وہ وہاں لیٹا مسکرا رہا تھا۔ سبز آنکھیں آسمان پر ٹکی تھیں۔ اس کی مسکراہٹ فاتحانہ تھی۔ جیسے اس نے میدان مار لیا ہو۔

وہ کافی دیر وہیں اسی پوزیشن میں موجود رہے تھے۔ کہ خاموشی کو توڑتے راحم کا چہرا پیچھے کی طرف ترچھا ہوا تھا۔ اس نے مہوین کو دیکھتے خود کو سیدھا کیا تھا۔ "تمہیں پتا ہے میں آج سے پہلے اتنا خوش کبھی نہیں ہوا۔" وہ آلتی پالتی مارے اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ "تم دنیا کے آخری کونے میں بھی ہوتیں تو میں تمہیں ڈھونڈ نکالتا۔"

وہ بھری ہوئی آنکھوں سے اُسے مسکاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ لب کپکپاہٹ کا شکار تھے۔ دل سینے میں کانپ رہا تھا۔ اس نے آج سے پہلے ایک کے بعد ایک ایسے واقعات نہیں دیکھے تھے۔

"کچھ بولو..." وہ ٹانگوں پر دونوں کونیاں رکھے، ہاتھوں میں اپنا چہرہ رکھ کر اُسے کن اکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سر نفی میں ہلایا۔ "پلیز بولوں گا تو بولو گی..؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کا دل پل میں پگھلا تھا۔ وہ قدرے سیدھی ہوئی تھی۔ سر اثبات میں ہلایا گیا۔ آنکھیں چمکیں۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتے وہ بولا تھا۔ "پلیز...کچھ کہو۔ میں تمہیں سننا چاہتا ہوں۔"

اس نے نظریں نیچے کیں۔ آس پاس پتھر ایک قطار میں بکھرے پڑے تھے۔ "تھینک یو۔"

آنکھوں میں زمرد عکس نمایاں ہوا۔ گال میں گڑھا ابھرا۔ "میرا شکر ادا نہ کرو۔ میں نے تمہیں بچایا کیونکہ..." زبان یکدم رکی تھی۔ الفاظ زبان سے ادا ہونا چاہتے تھے پر وہ جھجھک رہا تھا۔

راحم رضا احمد کو جھجھکنے کی عادت تو کبھی تھی ہی نہیں۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اگر کچھ کہہ دیا جو اُسے کِلفت آمیز گزرا تو وہ پھر سے اُس کی موجودگی کو ناگوار سمجھنے لگے گی۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی سے بار بار خوف کھاتا تھا۔

"کیونکہ... کیا؟"

Clubb of Quality Content!

اس نے تیزی سے سر نفی میں ہلایا۔ پھر دھیرے دھیرے ایستادہ ہوا۔ "چلو گھر چلیں۔" وہ کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا۔ اُسے اٹھنے کی جگہ فراہم کی گئی۔ وہ اس کے الفاظ کے چناؤ کو سنتے چونکی تھی۔

لیکن کچھ بھی کہے بنا اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اگلے دس منٹ میں وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ راحم گاڑی چلا رہا تھا اور وہ شیشے سے باہر تک رہی تھی۔

"اگر تم سونا چاہتی ہو تو سیٹ پیچھے کر لو۔" چہرہ اس کی طرف موڑا تھا۔ "نہیں.. گھر جا کر آرام کروں گی۔" پھر اُسے دیکھا تھا۔ "آپ کے فون سے آپی کو کال کر لوں؟"

راحم نے بنا کچھ بولے ڈیشبورڈ پر رکھا اپنے فون اس کے آگے کیا تھا۔ جسے وہ تھام گئی تھی۔ دو تین منٹ کے لئے چار سو خاموشی چھا گئی۔

"آپی کال نہیں اٹھا رہیں۔" اس نے یہ کہتے ہوئے فون واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا تھا۔ "اٹھا لے گی۔ تمہارے لئے بہت پریشان تھی اِشفا۔ دیکھنا اب تمہیں دیکھ کر کتنی خوش ہو گی۔"

مہوین کے چہرے پر مسکان پھیلی تھی۔ اس نے ان دنوں سب سے زیادہ اپنی بہن کو مس کیا تھا۔ اُسے احساس ہوا تھا کہ اس کی بہن نے اُس کو کس قدر اسائشات دے رکھی تھیں۔ وہ اس کی زندگی کو آسان بنانے کی غرض سے خود کتنی مشکل زندگی جی رہی تھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"کیا سوچنے لگ گئیں؟" سامنے کے منظر سے نظریں ہٹا کر اُس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر ٹکا لیں۔ "کچھ نہیں..." ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کر لیا۔ "آپ مجھ تک کیسے پہنچے؟"

"بہت لمبی کہانی ہے۔ گھر چلو تمہیں اور اِشفا کو ایک ساتھ ہی سناؤں گا۔" کلائی میں پہنی گھڑی پر وقت دیکھا تھا۔

لیکن اس کی نظروں میں الجھن دیکھتے اس نے ایک ابرو اٹھائی تھی۔"میں آپ سے تم کب ہوئی؟"

وہ گہری نگاہ سے سڑک کو دیکھتا رہا۔آس پاس سے گاڑیاں رفتار پکڑتے گزر رہی تھیں۔وہ کہنا چاہتا تھا،وہ تم سے آپ ہوئی تھی۔آپ کیونکہ وہ اس کی بہت عزت کرتا تھا اور تم کیونکہ وہ اُسے اپنی لگتی تھی۔

"تم۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

فون کے بجنے کی آواز نے اُسے روکا تھا۔اُس نے فون اٹھا کر اسکرین پر جگمگاتا نام دیکھا۔پھر اُسے کان سے لگایا۔"المیر...اللہ کا شکر ہے تم ٹھیک ہو۔"وہ جملے پر چہرہ موڑ کر اُسے دیکھ رہی تھی۔اس بات کا کیا مطلب تھا؟

"راحم..."اُس پار سے روندھی ہوئی آواز سن کر اُس کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ فوری طور پر غائب ہوئی تھی۔"کیا ہوا؟!"گاڑی کو سڑک کے کنارے روکتے اس نے فون کو مخالف کان کی طرف منتقل کیا تھا۔

"راحم..اِشفا...راحم پلیز جلدی سے آجاؤ۔"اس کی بھنویں تنگ ہوئیں۔"کہاں آنا ہے اور کیا ہوا اِشفا کو؟"اپنی بہن کے ذکر پر وہ سیدھی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا آپی کو؟"جواب کا منتظر وہ چہرہ پریشانی چھلک رہا تھا۔

"اُسے گولی لگی ہے۔میں..میں اس وقت ہسپتال میں ہوں۔تم۔تم جلدی سے آجاؤ۔" سوں سُوں کی آواز اس کی زبان سے نکلتے ہر لفظ کے ساتھ نکل رہی تھی۔راحم کے لیے اپنے کانوں پر یقین کرنا مشکل تھا۔بلکہ معاملے کی نوعیت سمجھے بغیر اس کے لئے یہ سب ہضم کرنا ہی دشوار تھا۔"گولی؟"

Clubb of Quality Content

یہ سننے کی دیر تھی کہ مہوین امین نے فوراً اُس کے ہاتھ سے فون کھینچا تھا۔"المیر بھائی.. کیا ہوا آپی کو؟"

"مہوین... تم مل گئیں..." وہ رو کیوں رہا تھا؟ کوئی کچھ بتا کیوں نہیں رہا تھا اُسے؟

"کیا ہوا ہے میری بہن کو؟" اس دفعہ اس نے لفظ پیس پیس کر ادا کیے تھے۔"مہوین...اِشفا کو..اُسے گولی لگی ہے۔"

اُسے لگا جیسے سماعت چھین لی گئی ہو اُس سے۔ایک باریک سی آواز اس کے اطراف میں گونج رہی تھی۔اس کے جسم کا ایک ایک اعضا سن ہو گیا تھا۔

"کہاں پر ہیں آپی؟"

المیر نے کمرے کے دروازے کو کھولنے کے لئے دستے پر ہاتھ جمایا تھا۔ کیا اس میں اتنی ہمت تھی کہ وہ اُسے اُس حالت میں دیکھ سکتا؟

دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔ وہ اُسے بغیر دیکھے دیکھنا چاہتا تھا۔ دستے پر ہاتھ مضبوط ہوا تھا۔ اُس نے ایک گہرا کانپتا ہوا سانس ہوا کے سپرد کیا اور دروازے کو ایک ہی جست میں کھولا۔

ہر طرف سے سفیدی میں ڈوبے کمرے میں وہ سفید ہی بستر پر لیٹی مشینوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ کی رگوں میں ناجانے کون کون سی تاریں دھنسی ہوئی تھیں۔

اُسے لگتا تھا وہ چپ ہوتی تھی تو ناقابل برداشت لگتی تھی۔ اُسے صحیح لگتا تھا۔

آنکھ سے ایک آنسو بہہ نکلا۔ نظر اُس کے پاس ہی بیٹھی مہوین پر پڑی۔ جو اپنی بہن کا ہاتھ تھامے اُسے مسلسل چوم رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

قدموں کی آواز پر مہوین نے دروازے کی اور دیکھا تھا۔المیر کو کھڑا پا کر وہ مشکل سے مسکرائی تھی۔اس کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے سو دنوں سے سویا نہ ہو۔کپڑوں پر جگہ جگہ خون اور ہاتھ بھی اسی سے لتپت۔وہ ہر طرح سے بے حال معلوم ہوتا تھا۔

اُسے دیکھ کر اُس نے آرام سے اِشفا کا ہاتھ واپس اُس کی جگہ پر رکھا اور اٹھ کر المیر کے پاس آئی۔"بھائی آپ بیٹھیں میں آتی ہوں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

المیر کے سر کو اثبات میں ہلانے پر وہ چپ چاپ آگے بڑھی اور منظر سے غائب ہو گئی۔

راحم رضا کمرے کے باہر دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا جب اُسے قدموں کی آواز آئی۔ چہرے کو یکدم موڑا اور مہوین کو کمرے سے نکلتے پایا۔ عام دنوں کے برعکس اس کے کپڑے مٹی سے بھرپور تھے۔ کپڑوں پر خون کے قطرے اور چہرے پر جگہ جگہ جما ہوا خون اس کے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا۔

اس نے کسی کی نظر اپنے اوپر محسوس کی تو نظروں کا زاویہ گھمایا اور مقابل کو تکتے پا کر اس نے ابرو بالا کی۔ راحم نے بے اختیار سر کو جنبش دی۔

جواب نہ پا کر دھیرے دھیرے اس کی اور چل دی اور کچھ ہی فاصلے پر ایستادہ ہو گئی۔

"راحم.."

دراز قد راحم کو چہرہ جھکا کر اس سے مخاطب ہونا پڑ رہا تھا۔ وہ اس کے کندھے سے بھی نیچے تک آ رہی تھی۔ بازو سینے کے آگے سے ہٹ کر پشت پر بندھ گئے۔ "..آپ نے آج میرے لئے جو بھی کیا، اس کے لئے تھینک یو۔"

اس نے ہولے ہولے سر اثبات میں ہلایا۔ "تھینک یو کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو بچانا میرا فرض تھا۔"

اس کو ایک مرتبہ پھر سے تم سے آپ پر آتے دیکھ وہ کن اکھیاں لئے ایک سمت میں گھورتی گئی۔ اس کا لہجہ سرد مہری اختیار کر چکا تھا۔ کیا اس نے سچ میں اُسے صرف اسی لئے بچایا تھا کیونکہ یہ اس کی ڈیوٹی کا حصہ تھا؟

مہوین نے تھوک نگلا۔ پل بھر میں بدلتے رویوں سے اُسے سخت چڑ تھی۔ لیکن جان تو واقعی راحم نے اس کی بچائی تھی اور اس بات کو بھول جانا اس کے لیے مشکل تھا۔

شاید اس نے اس لئے اس کو بازیاب کروایا تھا کیونکہ وہ عالیہ کی مدد۔

اس نے سر جھٹکا۔ وہ اپنا مقابلہ عالیہ سے نہیں کر سکتی تھی۔ عالیہ خلیل اس کی منکوحہ تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ وہ اس کی جگہ نہیں لے سکتی تھی اور نہ ہی لینے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"مجھے آپ کا فون مل سکتا ہے؟ میں نے اوبر بک کروانی ہے۔" راحم نے بنا کسی تردّد کے فون جیب سے نکال کر اُسے تھمانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا جب وہ ٹھہر گیا۔

ذہن میں اچانک وہ گزرا ہوا ایک روز آن اترا جب اُس نے اس کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ پریشان سی ایک طرف سمٹ کر کھڑی مہوین امین کے چہرے کا دھندلا پن جو لاکھ یاد کرنے پر چھٹتا نہیں تھا، اب ہٹنے لگا تھا۔

اس کی جانچتی نظریں اور چہرے پر چھائی دنیا سے بیزاری آج بھی بالکل ویسی ہی تھی جیسے قریب چھ سال پہلے تھی۔ اُس روز راحم نے جب اُسے اس کے گھر فون کرنے کی غرض سے فون تھمایا تھا تو وہ اُس سے فون چھیننے کے سے انداز میں تھام گئی تھی۔ اور کال کرنے کے بعد اُس نے نمبر بھی ڈیلیٹ کر دیا تھا۔ اس بات کا احساس اُسے تب ہوا جب وہ اُس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا، اُسے گھر چھوڑنے کی غرض سے سڑک پر گاڑی ڈال چکا تھا۔ تب ہی فون کو کھولتے اُس نے جب گزشتہ ملائے گئے نمبرز کی فہرست پر نظر ثانی کی تو بے وقت مسکرایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ دونوں زیرِ سفر خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ راحم وینی سے مسلسل باتیں کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ خاموش ہو کر اداس ہو جائے۔ سو اس نے بات کا آغاز ایک موزوں عنوان سے کیا تھا۔

"تمہارا فیورٹ کلر کون سا ہے؟" سوال پر وینی نے نگاہیں اس پر ڈالیں۔ پھر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ "مجھے وائٹ کلر بہت پسند ہے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی تھی۔ چہرے پر اب ایک بھی بیزاری کا تاثر باقی نہ رہا تھا۔

"مجھے بھی.." رُخ پھیر کر وینی کو دیکھا جس کی آنکھوں کی چمک اُسے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ "آپ کا پسندیدہ ملک کون سا ہے؟ پاکستان کے علاوہ۔"

وہ سوال پر گہری سوچ میں مبتلا ہو گیا۔ ایک ہاتھ گیئر پر رکھتے اُسے آگے کی طرف کیا اور دوسرے ہاتھ سے سٹیرنگ وہیل گھماتے موڑ کاٹا۔ "میں کسی دوسرے ملک کبھی گیا نہیں۔ اس لئے آج تک اس سوال کا جواب جان نہیں پایا۔"

وینی دھیرے سے مسکرائی۔ پھر چہرہ جھکایا اور پہلو میں دیکھنے لگ گئی۔ جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہیں کھانے میں کیا پسند ہے؟"

وہ لڑکی اب بدمزہ سے تاثرات چہرے پر سجائے اپنے کانوں سے کانٹے نکال کر رہی تھی۔ عمل مکمل ہو جانے کے بعد اس نے باری باری دونوں کانوں کی لو کو مسلا۔

"مجھے بریانی بہت پسند ہے۔اور آپ کو؟"

"مجھے بھی..." وہ جان کر نہیں کہہ رہا تھا۔اُسے سچ میں بریانی بہت پسند تھی۔ بچپن ہی سے۔

"جب آپ کسی سے ملتے ہیں تو ان کی ایسی کوئی بات یا حرکت جواب چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کر پاتے، وہ بتائیں۔"

ناولز کلب

سوال گہرا تھااور راحم کا دماغ بے چین۔ ونڈ اسکرین سے باہر کے منظر کو آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھتے اس نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ "پتا نہیں.. میرے آس پاس کام کرنے والے مردوں پر میں نے کبھی اتنا غور نہیں کیا۔"

"اور عورتوں پر؟"

سوال کی نوعیت پر راحم نے پرکھتی اور الجھی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا۔ جس پر اُس نے ہنسی دبائی تھی۔ "استغفر اللہ! میں عورتوں کو نہیں دیکھتا۔ خدا کا نام لو، لڑکی۔" وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔ وینی بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی تھی۔

"اگر یہی سوال میں تم سے کروں تو کیا جواب دو گی؟" اس نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھا اور سوچ میں پڑ گئی۔ "آج سے پہلے میں نہیں جانتی تھی لیکن اب جانتی ہوں کہ مجھے آنکھیں بہت پسند ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ اب پوری اس کی طرف گھوم کر بیٹھ گئی تھی۔"میں آج کسی ایسے انسان سے ملی ہوں جس کی آنکھیں مجھے بہت پسند آئی ہیں۔" کہتے ہوئے ٹھہری۔"میری آپی کہتی ہیں آنکھیں چہروں کا آئنہ ہوتی ہیں۔"

"اُس انسان کی آنکھیں دیکھ کر تمہیں اس کے بارے میں کیا پتا چلا؟" وہ اب اس کے جوابات سے محظوظ ہو رہا تھا۔اُسے اِس بات چیت میں بڑھتی اپنی دلچسپی کا اندازہ اچھے سے ہو چکا تھا۔
"یہی کہ اگر میں اُسے آج سے سو سال بعد بھی دیکھوں گی تو پہچان جاؤں گی۔"

Clubb of Quality Content

"اتنی خوبصورت آنکھیں ہیں اُس کی؟" اُس کی دلچسپی اب مزید بڑھ گئی تھی۔

"صرف خوبصورت نہیں ہیں۔حیا والی ہیں۔" وہ اس کی جانب دیکھ کر کہہ رہی تھی اور وہ مزید تجسّس میں مبتلا ہو چکا تھا۔"رنگ کیا ہے اس کی آنکھوں کا؟"

"ایسا کہ میں کسی کو بھی بتانا نہ چاہوں.."

راحم حیرت کے تاثرات لئے بس مسکرائی جارہا تھا۔"کیوں؟"

"کیونکہ آنکھیں چہرے کا آئینہ ہوتی ہیں۔" وہ اپنی ہی کہی گئی بات کو پھر سے دوہرا رہی تھی۔
راحم اس کی بات کا مطلب سمجھ نہ پایا۔

"بس یہیں روک دیں۔ میرا گھر پاس میں ہی ہے۔" اُس نے قدرے چونک کر گاڑی گلی کے کنارے لگائی تھی۔ یہ سفر اتنی جلدی کیسے طے ہوا تھا؟

Clubb of Quality Content

اس نے برق رفتاری سے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔ لیکن نکلنے سے پہلے اُسے ایک آخری دفعہ دیکھنا نہ بھولی تھی۔ "میں بھی نہیں جانتی تھی کہ میرا پسندیدہ ملک کون سا ہے۔ پر آج جان گئی ہوں۔"

راحم مسکراتے ہوئے سٹیرنگ وہیل پر اپنے بازو کی کونی رکھتے اُسے رُخ پھیر کر دیکھ رہا تھا۔
گال میں گڑھا نمایاں ہو گیا تھا۔ "کون سا ہے؟"

"تب بتاؤں گی جب ہم اگلی دفعہ ملیں گے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ گاڑی سے اتر کر گلی میں ہی کہیں غائب ہو گئی تھی۔

وہ جب واپس اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا اور پہنچا تھا تو گاڑی سے نکلتے ہوئے اس کی نظر ڈیش بورڈ پر رکھے ان کانٹوں کی جانب گئی تھی۔ وہ حیران سا ہوتا انہیں اپنی ہتھیلی پر رکھ چکا تھا۔ پھر جیسے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔ یعنی وینی جاتے جاتے انہیں یہاں چھوڑ گئی۔

ایک گہرا سانس لیتے اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں جلد ہی اس کے حوالے کر دے گا۔

ہوا میں رکا ہوا ہاتھ اس نے ایک مرتبہ پھر سے اس کی طرف بڑھانا شروع کیا تھا۔ مہوین نے فون اس کے ہاتھ سے فوراً لے لیا۔ لیکن اس دفعہ لیا تھا، چھینا نہیں تھا۔ وہ چہرہ جھکا کر اُس یاد پر مُسکرا رہا تھا۔

"ویسے اوبر کیوں بک کرنی ہے؟"

اس کے فون پر چلتی مقابل کی انگلیاں تھمیں اور اس نے چہرہ اوپر کیا۔"گھر جا کر تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔ پھر آپی کے پاس آ جاؤں گی۔ بس اسی لیے..."

"میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ اتنی رات میں اکیلے جانا صحیح نہیں ہے آپ کے لیے۔" جیب سے گاڑی کی چابی نکالتے وہ پلٹ گیا تھا۔ اُسے تردّد کرنے کا موقع دیے بنا۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتی۔" اس نے پیچھے سے کہا تھا۔ راحم کے قدموں کی رفتار میں کمی واقع ہوئی تھی۔ "میں تو ڈرتا ہوں ناں.." قدرے بلند آواز میں کہہ کر وہ راہداری سے غائب ہو گیا تھا۔

Clubb of Quality Content

وہ اس کے بستر کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ آنکھیں جھکی ہوئیں اور آنسو بے ربط تھے۔ سوالات نے اس کے دماغ میں ایک گہرائی سے بھرپور کنواں کھود لیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کی کہانی نے کب اور کیسے اتنی مسافت طے کی تھی؟ محمت جہانگیر کا کیا کردار تھا اس سب میں؟ وہ ایجنٹ کب بنی اور محمت کو اس نے کیوں مارا؟

آہستہ آہستہ جہاں سوالات اس کے ذہن کو اثرانداز کر رہے تھے۔ وہیں جوابات بھی اُسے متاثر کیے ہوئے تھے۔ اس کی سوتیلی ماں یعنی آئمہ ریحام کو پکڑوانے میں سب سے بڑا ہاتھ اس کی ہی بیوی کا تھا۔ وہ جگہ جگہ جائے واردات پر ان کے خلاف ثبوت چھوڑتی رہی۔

اس نے جمال کے قتل کا الزام رمیض پر لگوا دیا۔ رمیض المیر کے ہاتھ آیا کیونکہ وہ چاہتی تھی۔ اس نے سب کچھ اتنی حاضر دماغی کے ساتھ کیا تھا کہ المیر خلیل ساکت تھا۔ اس نے کتنے آرام سے رمیض کو اس کیس میں پھنسایا جس سے اس کا کچھ لینا دینا ہی نہیں تھا۔

وہ پولیس کی مدد سے جمال کی اولاد تک پہنچی۔اس نے رمیض کا استعمال کر کے اُس سے جانکاری نکلوائی۔اور پھر اُسے اُتنی ہی پھرتی سے پولیس کی تحویل میں دے دیا۔

وہ جانتی تھی کہ المیر اس کے پیچھے آرہا ہے۔تب ہی اس نے اپنی راہ بدل لی تھی۔لیکن کیسے ؟

اس نے دونوں ہاتھوں کو سر کے گرد رکھا۔درد کی شدت گزشتہ مہینوں کے مُقابلے میں بڑھ گئی تھی۔آج تو انتہا ہی ہو گئی تھی۔اس نے ایجنٹ بن کر اس کی ماں کا سچ سامنے لانے کی کوشش کی۔کیونکہ کوئی اس کا اعتبار نہیں کرتا تھا۔المیر خلیل بھی نہیں۔

Clubb of Quality Content!

"سارا قصور میرا ہے۔میں خود کو کبھی اس قابل بنا ہی نہیں پایا کہ تم اپنے مسلے لے کر میرے پاس آ سکتیں۔میں نے خود تک آتیں راہوں میں رکاوٹ خود ہی پیدا کر دی اور تم سے امید لگاتا گیا کہ تم اپنی پریشانیاں لے کر میرے پاس آؤ گی..."ایک آنسو نکل کر اِشفا کے بے سُدھ پڑے ہاتھ پر گرا۔"...میں جانتا ہوں میں بہت بُرا ہوں۔لیکن اتنا بھی نہیں کہ تم مجھ پر بھروسہ نہ کر سکتیں۔مجھے لگتا تھا مجھ سے زیادہ تمہیں کوئی نہیں جانتا۔لیکن اب لگتا ہے میں ہی تمہیں نہیں جانتا۔"اس نے میں پر زور دیا تھا۔

"یہ کیا کیا تم نے، اِشفا؟" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا سر ٹکا چکا تھا۔ وہ سکون کا متلاشی، اُسے سکون کہتا تھا۔ پر آج اس کے سکون کو بھی قرار نہیں تھا۔

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے آواز کی طرف دیکھا۔ دروازہ ہولے سے کھلا اور منظر پر مومن علی کا سراپا نمایاں ہوا۔ "میں آجاؤں اندر؟"

اس نے ہاتھ سے اُسے اجازت دی تو وہ چند قدم بڑھاتا اِشفا سے کچھ ہی فاصلے پر اِستادہ ہوا۔ "میں نے باس کو کبھی اتنا خاموش نہیں دیکھا۔" ہاتھ میں اٹھایا گلدستہ اس نے بستر کے پیروں کی طرف رکھے ٹیبل پر رکھ دیا۔ "میں نے باجی کو منع کیا تھا..." اس نے سر جھکا کر بیٹھے المیر پر نظر ڈالی۔ "..کہ محمت کے پیچھے نہ جائیں۔"

المیر نے چہرہ فوراً اوپر کیا۔ اس کی نظروں میں امنڈتے سوالیہ نشان کو دیکھ کر مومن نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا تھا۔ "میں ان کے ساتھ شریک تھا۔ ان کا سب سے خاص ایجنٹ۔ ایجنٹ سیون۔" مسکرا کر کہا۔ جیسے اُسے اس بات پر فخر ہو۔

المیر نے مٹھی زور سے بند کی۔ وہ برق رفتار کا مظاہرہ کرتے تیزی سے پیروں پر کھڑا ہوا تھا۔ "تم اس کے ساتھ شامل تھے؟ مومن..." وہ جیسے اس سے مایوس ہو گیا تھا۔ شاید اُسے مومن سے ایسی حرکت کی تَوقع نہیں تھی۔ "تمہارے والد ایک عظیم صحافی تھے۔ تمہیں ان کے جیسا بننا تھا، مومن۔"

"میں ایک عظیم صحافی بننا چاہتا تھا۔ لیکن وہ بھی تب تک جب تک مجھے سچائی سے آگاہی نہیں تھی۔ میں نے جو کچھ بھی کیا، خود سے یا ان کے کہنے پر، مجھے اس پر رتی بھر بھی پچھتاوا نہیں ہے۔"

المیر کے جبڑے بھینچے گئے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اس کی جان لے لے۔ "مجھے ایک ایک بات شروع سے بتاؤ۔ ایک بھی راز میرے کانوں سے رہ گیا تو تمہاری دونوں ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

مومن نے سمجھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا اور اُسے لے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

اِشفا امین سے شروع ہو کر بڑی منزلوں تک کی مسافت طے کرنے والے ایجنٹ ایلیون کے کردار کا باب آخر کو اختتام کو پہنچا تھا۔ اس پر کی جانے والی محنت کی کہانی بہت کٹھن اور مبہم تھی۔ اس کو نکھرتے ہوئے برسوں لگے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ ایجنٹ ایلیون یعنی اِشفا امین سیکھی سکھائی میدانِ جنگ میں اتر کر راہیں ہموار کر چکی تھی۔ وہ اس روپ اور اس کی ذمے داری کو سمجھتے سمجھتے بہت دفعہ گھٹنوں کے بل گری تھی۔ بہت دفعہ دل شکستہ ہوئی تھی۔

اُسے انتقام لینا تھا۔ اور انتقام سب کچھ ہوتا ہے پر آسان نہیں ہوتا۔

اس نے اس ذمے داری کے سائے تلے خود کو پہچانا تھا۔ سات برس پہلے تک تو اُسے علم ہی نہیں تھا کہ اُسے منزل تک جاتی راہ پر قدم کیسے رکھنا ہے۔

یہ سب کب شروع ہوا تھا؟ آغازِ سفر تب ہوا جب اِشفا امین صرف بیس برس کی تھی۔ اُسے یونیورسٹی جاتے ہوئے ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا۔ کہ شمسہ نور کی موت کے ٹھیک دو سالوں بعدازاں عامر علی کی موت ہو گئی۔ اُسے جس جس بات کا علم تھا وہ سب کچھ اس نے شمسہ نور کے بعد عامر علی کو بتایا تھا۔ اور ایسے میں عامر علی کی اچانک موت تمام ثبوتوں کو بھی مٹا چکی تھی۔

ناولز کلب

اُس عظیم صحافی کی موت نے اُسے ہر طرح سے قید کر دیا تھا۔ نہ اُسے علم تھا کہ خود کو اس دلدل سے کیسے نکالے اور نہ ہی کوئی ثبوت باقی تھا۔ وہ آشفتہ حال تھی اور صبر کے آخری دہانے پر اِستادہ بھی۔ اب مزید کس کے آگے ہاتھ پھیلاتی؟ کس کو مدد کے لئے پکارتی؟ اُسے انصاف چاہیے تھا۔ اور ہر حال میں چاہیے تھا۔

اور پھر یہ پچھتاوا کہ اس کی وجہ سے ایک نہیں دو دو عظیم انسانوں نے دنیا کو خیر آباد کہہ دیا، اُسے راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔

اُسے صرف ایک دفعہ ناانصافی کوروک کراپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنا تھا۔اپنے گھر والوں کا بدلہ لینا تھا۔اتنے سالوں سے اس خواہش کواپنے اندر وہ دبائے بیٹھی رہی۔اس تاک میں کہ ایک دن تو ایسا آئے گا ہی کہ وہ سرخرو ہو گی۔ کہ اس دن کے بعد سے اُسے کبھی بھی ڈر کر نہیں جینا ہو گا۔ کہ پھر اُسے اپنے پیاروں کو کھونے کا خوف باقی نہیں رہے گا۔

لیکن ایسانہ ہو سکا۔وہ ایک دن نہیں آیا۔

اس کا دل ٹوٹ گیااور آنکھیں ویران ہو گئی تھیں۔جن میں کبھی اجاگر خواب اب صرف سیاہی چھلکتے تھے۔

وہ راتیں اس نے فلک کی اور نظریں اٹھاتے کاٹ دی تھیں۔بے بس اور رنج سے دوچار۔وہ اور اس کا ذہن۔گود میں ایک کاغذ اور ہاتھ میں پین۔وہ کچھ لکھ رہی تھی اس پر۔شاید کسی کا نام۔

آنسو آنکھ سے ٹوٹ کر سیدھا اُس نام کے پہلے حرف پر گرا۔ سرخ سیاہی پھیل گئی۔ نظریں نیچے کیں اور نام پر ٹک گئیں۔

وہ نام...ماہِ نور خلیل تھا۔

سالوں پہلے اپنی ماں اور آئمہ کی جھڑپ کے دوران اس نے یہ نام بارہا دونوں خواتین کی زبان سے سنا تھا۔ کیا تعلق تھا ان دونوں کا خلیل محمد کی پہلی بیوی سے؟ وہ دیر رات گئے بس اس مدّعے پر سوچ وچار کرتی رہی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آخر کون تھا وہ جو اُسے ان کے حوالے سے کچھ بتا سکتا تھا؟

جب ہر انسان کا خیال ذہن سے نکل گیا تو خلیل محمد کا نام اس کی زبان پر در آیا۔ اب صرف وہی اس کی مدد کر سکتے تھے۔

اگلے کچھ روز اس نے یونیورسٹی کی پڑھائی میں جکڑے ہوئے گزار دیئے تھے۔ پھر اتوار کا روز آیا اور اس نے خلیل محمد کی سنار کی دکان کی طرف اپنا رُخ کیا۔ وہ وہیں موجود تھے۔ حال احوال پوچھ کر وہ سیدھا موضوع کی طرف دوڑی چلی آئی تھی۔

ماہِ نور کے نام کے ذکر پر ان کی آنکھوں میں ایک نمایاں عکس ابھرا تھا۔ اس نے انہیں اپنی والدہ اور آئمہ ریحام کے جھگڑے کی پوری بات بتائی تھی۔ توَقع کے برعکس وہ حیرت زدہ نہیں تھے۔ بس خاموش تھے۔ اور تب ہی انھوں نے اُسے اپنے شبہات سے آگاہ کیا تھا۔

بتایا تھا کہ وہ بہت پہلے سے یہ بات جانتے تھے کہ آئمہ نے ماہِ نور کو قتل کیا ہے۔ پر ثبوت کی غیر موجودگی کے باعث ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اِشفا نے ان سے مختلف طرز کے سوال کیے تھے۔ ہر سوال پر بس وہ خاموشی اختیار کرتے جاتے۔

انھوں نے اس سے صرف یہ کہا کہ وہ اگلے اتوار کو ان سے یہاں آکر ملے۔ وہ بے چین سی ہوتی وہاں سے نکل گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اگلے اتوار وہ ٹھیک اسی جگہ ان کے سامنے نشست تھی۔انھوں نے اُسے دو تصاویر تھمائی تھیں۔دونوں میں اس کی والدہ سحر امین اپنے ہسپتال کی راہداری میں ایک نرس کے ساتھ کھڑی تھیں۔نرس کا چہرہ ہر طرح سے چھپا ہوا تھا۔بصارت میں صرف پشت ہی نقش ہو پائی تھی۔

اِشفا کے سوالوں کے جواب میں انھوں نے اُسے یہ بتایا کہ یہ تصاویر انہیں عالیہ کی پیدائش اور ماہِ نور کے انتقال کے دو روز بعد ہسپتال کے عملے نے دی تھیں۔وہ بھی صرف اس لئے کہ سحر امین کے خیال میں یہ نرس ان کی بیوی کی قاتلہ تھی۔

Clubb of Quality Content

کتنے ہی برس وہ ان کو سنبھال کر بیٹھے رہے کہ ایک دن انہیں آئمہ کے پاس نرسنگ کی ڈگری موجود ہونے کی خبر اپنی خالہ سے ملی۔وہ صرف حیران تھے۔کیونکہ اس بات کا ذکر آئمہ نے خود کبھی ان سے نہیں کیا تھا۔

چند روز بعد ازاں ہی وہ اپنی الماری کو ترتیب دے رہے تھے کہ لاکر کے اندر رکھے دستاویزات کو چھانتے ہوئے ایک دستاویز گرفت میں آیا۔یہ وہ لاکر تھا جس کی چابی صرف

ان کے خود کے پاس رہتی تھی۔ وہ وہی دستاویز تھا جو انہیں ان تصاویر کے ساتھ ہسپتال کے عملے نے تھمایا تھا۔ وہ اُسے پہلے بھی کئی مرتبہ کھول کر دیکھ چکے تھے۔ ہر دفعہ ہی جواب منفی ملتا۔ لیکن اس مرتبہ انھوں نے اُسے کھولا تو ان کے احساسات اور خیالات نئے اور مختلف تھے۔

پہلے ورق کو پلٹتے جب دوسرے پر ان کی نظریں ٹھہریں تو وہ نام ان کی نظر کے حصار میں قید ہو گیا۔ ریحام۔ وہ برسوں سے جانتے تھے کہ اس نام کی نرس نے ان کی بیوی کا قتل کیا ہے۔ لیکن اس دفعہ جب یہی خیالات ذہن کے ایک گوشے میں ابھرے تو ساتھ میں آئمہ خلیل کا نرس ہونا ان کے ذہن میں گھر کرنے لگا۔

پھر انہیں اپنی دوسری بیوی کا دوسرا نام یاد آیا۔ ریحام۔ ان کا دماغ سن ہو گیا تھا۔ مزید کچھ بھی سوچنے سے خود کو باز رکھتے انھوں نے اپنا فون اٹھایا اور آئمہ کی پھپھو کے ہاں کال کی۔ اور بس ایک سوال کیا۔ جس کا جواب کچھ یوں تھا کہ وہ امراضِ نسواں کی نرس تھیں۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ وہ اسلام آباد کے ایک نامی گرامی ہسپتال میں کام بھی کرتی رہی ہیں۔

Clubb of Quality Content

فون کان سے ہٹالیا گیا اور دل کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

اور وہی تصاویر اِشفاان کے ہاتھوں سے لیتے ان کی زبان سے ان کے حصے کے دکھوں کی داستان سن رہی تھی۔ وہ بنا آواز کے رو رہے تھے۔ تصاویر کو اپنے بیگ میں ڈالتے اس نے ان سے صرف یہی کہا تھا کہ وہ جلد ان کے پاس آئے گی۔ اور پھر وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔

اگلی چند طویل راتوں میں گود میں وہ کاغذ اور اس کے ساتھ ایک تصویر رکھی رہی تھی۔ کاغذ کے سرے پر ماہِ نور اور اختتام پر آئمہ درج تھا۔ ان تصاویر کے علاوہ اس قتل کا واقعی کوئی ثبوت نہیں تھا۔

اگلے چند روز اسی قتل کو سوچتے نکل گئے۔ کہ پھر ایک ڈھلتی شام اس کے ذہن نے اس سے ایک سوال کیا۔ وہ سوال یہ تھا کہ آئمہ ریحام شمسہ نور اور عامر علی، دونوں کے قتل کے اوقات پر اپنے گھر میں موجود تھیں۔ تو پھر ان کے کہنے پر یہ قتل کس نے کیے تھے؟ کون تھا جو ان کے ساتھ ملوث تھا؟

یہ سوالات اُسے اٹھتے بیٹھتے پریشان کرتے تھے۔

اگلے چند روز وہ سیفان سے بھی اس حوالے سے زیرِ گفتگو رہی تھی۔ لیکن اس کے پاس بھی اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ عامر علی کے گھر والوں سے اس حوالے سے دریافت کرے گی۔

عامر علی کی موت کو چند مہینے بیت گئے تھے۔ اگلے ہی روز وہ افسوس کرنے کی غرض سے عامر علی کے گھر جا پہنچی تھی۔ تب ہی اس کی پہلی دفعہ مومن علی سے ملاقات ہوئی۔ وہ تب اٹھارہ برس کا تھا۔ معصوم سا چہرہ اور اجڑی ہوئی آنکھیں۔

اِشفا اُس کی اور اُس کی ماں کی حالت دیکھ کر کوئی بھی سوال نہیں کر پائی تھی۔ حالانکہ اُس کا ارادہ بہت کچھ پتا کرنے کا تھا۔ اُس کی ماں کا ذہنی توازن کافی حد تک بگڑ چکا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ کھانا پکانا کر لیتی تھیں۔ پر روزمرہ کے باقی کاموں سے وہ بے نیاز رہتیں۔

اِشفا ایک مہینے تک عامر علی کے گھر آتی جاتی رہی۔اسی دوران اس کی مومن سے بات چیت بڑھ گئی تھی۔مومن نے جب اس سے دریافت کیا کہ وہ اس کے والد کو کیسے جانتی ہے؟تو اس نے جواب میں کہا تھا کہ اس کے والد سے وہ ایک ایونٹ پر ملی تھی۔

وہ مومن کا غم بانٹتی اور اُسے دلاسہ دیتی گئی۔

اُس دوران مومن نے اُس سے ذکر کیا کہ وہ اپنے والد کی طرح ایک ماہر صحافی بننا چاہتا ہے۔ اور اسی غرض سے جب ایک سال بعد اُس کے کالج کی پڑھائی اختتام کو پہنچی تو اُس نے صحافت کا انتخاب کیا۔اُس کی یونیورسٹی اِشفا کی یونیورسٹی سے کافی اچھی اور جانی مانی تھی۔

اُسے پڑھائی میں اکثر مدد کی ضرورت پڑتی تو وہ اِشفا کو کال کر کے اُس سے مختلف مضمون سمجھ لیا کرتا تھا۔جب اسی سال اُس کے والد کی برسی آئی تو وہ بہت مضطرب حال اور بدحواس تھا۔

اُسے لگتا تھا کہ وہ فیل ہو جائے گا اور اپنے والد کی طرح ایک اچھا صحافی نہیں بن پائے گا۔ وہ اپنے والد کے مجرموں تک کبھی نہیں پہنچ پائے گا۔ وہ کبھی بھی اپنے غموں کا مداوا اور والد کا انصاف نہیں لے پائے گا۔

اس نے اسی کیفیت کے زیرِ اثر اِشفا کو کال کر کے گھر بلایا تھا۔ وہ صحافت کی پڑھائی چھوڑ نے کی ٹھان چکا تھا۔ اِشفا نے اُسے سمجھانا تو چاہا پر اُس کی زبان سے نکلتا ایک بھی لفظ اُس کو اچھا محسوس نہیں کروا پا رہا تھا۔ اور پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے اُس نے یہ بات اُس کے سامنے قبول کی تھی کہ اُس کی وجہ سے مومن نے اپنے والد کو کھویا تھا۔

Clubb of Quality Content

مومن کے لئے اپنی سماعتوں پر یقین کرنا مشکل تھا۔ پر وہ جانتا تھا اِشفا جھوٹ نہیں بولتی۔ اور تب ہی آخر کار اِشفا کی زبان سے وہ لفظ نکلا جسے سن کر وہ سیدھا ہو گیا۔

انتقام۔

ساری کہانی سن کر وہ بس یہی نتیجہ آخذ کر پایا تھا کہ وہ بدلہ لے گا۔اور ہر قیمت پر لے گا۔اس کی آنکھوں میں اترتا خون اِشفا کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔وہ اس کے سامنے ایک سال سے خیال کیے جانے والا اپنا پلان بیان کر چکی تھی۔

اور وہاں سے ہماری کہانی نے ایجنٹس نامی انسانوں کو جنم دیا تھا۔

اگلے دو ماہ ان دونوں نے آئمہ ریحام پر بہت سی جانکاری نکالی تھی۔لیکن ان معلومات میں کچھ بھی ایسا نہ پایا گیا تھا جس کی مدد سے آئمہ ریحام پر کیس کیا جاتا۔

اور تب ہی کہانی کا منفرد اور سب سے مثبت کردار سیفان ول یامین ان کے پلان کا حصہ بنا تھا۔وہ ایک اور نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ولیم۔

سیفان کافی سالوں سے کبھی ایک تو کبھی دوسری خفیہ کمپنی کے لئے کام کرتا آرہا تھا۔ جہاں سے اُسے ہر فرد کی اچھی سے اچھی اور بری سے بری گہری باتوں اور اعمال کا علم رہتا۔

بینکر، آرٹسٹ اور محلے میں سب کا پسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت شاطر اور حاضر دماغ تھا۔ خفیہ اداروں سے منسلک ہونے کے باعث اکثر وہ لوگوں کی معلومات کو فروخت کرتا اور ان سے پیسے لیتا تھا۔ اپنے کام کو دنیا بھر کے افراد تک پہنچانے کے لیے اس نے ایک کمپنی بھی کھولی تھی۔ جو کہ گمشدہ اور دریافت شدہ نام سے مشہور تھی۔

جب لوگ اُسے مدد کے لئے فون کرتے تھے تو وہ ان سے ان کا شناختی کارڈ مانگتا۔ پھر اس کارڈ پر درج معلومات سے اُسے خبر ہوتی تھی کہ انسان اس کے کاروبار کے لئے نقصان دہ تو نہیں ہے۔ اس پر درج جانکاری کو وہ دوسرے لوگوں کی مدد کے لئے اپنے پاس جمع کرلیتا تھا۔

کئی عرصہ یوں ہی اُسے اس کاروبار سے عیش و عشرت کا سامنا رہا اور پھر دو سال پہلے ہی پولیس اس غیر قانونی کام سے واقف ہو گئی تو اس نے فوری طور پر کمپنی بند کر دی اور خود تک آتا ہر راستہ مسدود کر دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لیکن کمپنی بند ہو جانے سے کئی برس پہلے ہی اس کی مدد سے اِشفا نے چھ لوگوں کو اپنے ٹولے میں شامل کیا تھا۔اُسے ایسے چھ لوگ درکار تھے جنھیں پیسوں کی ضرورت ہو اور جن کے پاس خاص قسم کا ہنر ہو۔

وہام شاہد جس کو ایجنٹ ون کے نام سے جانا جاتا تھا،الیکٹریکل انجینئر نگ میں ڈپلومہ کر رہا تھا اور اس کے پہلے سال میں تھا۔جبکہ کل دو سال تھے۔وہ تاروں والے ہر کام میں فنکار تھا۔ اس لئے اُسے چُنا گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

محب حدید ایجنٹ ٹو کے طور پر رکھا گیا تھا۔جو کہ اسلا آباد کی ایک مشہور طبّی لیب میں کمپیوٹر کا کام سنبھالتا تھا۔وہ لیب بہت سے تھانوں سے وابستہ تھی۔نظام حسین عرف ایجنٹ تھری چھوٹا موٹا مکینیک تھا۔ایجنٹ فور کا نام سہیل احتشام تھا۔وہ راولپنڈی کا ایک چھوٹا موٹا باکسر تھا۔روحیل صاحبزادہ ایجنٹ فائیو تھا۔جو کہ لکڑی کی دکان میں کام کرتا تھا اور ایجنٹ سکس کا نام نعمان احمد تھا۔وہ سول انجینئر نگ کے پہلے سال میں تھا۔

اور ایجنٹ سیون مومن علی خود تھا۔

یہ سب اٹھارہ سے انیس برس کے تھے۔اِشفا نے بہت سوچ سمجھ کر ان کا انتخاب کیا تھا۔

ایجنٹ سیون کو چھوڑ کر تمام ایجنٹس کو پیسوں کی اشد ضرورت تھی اور اِشفا کو ان کی۔مومن نے اِشفا سے وعدہ کیا تھا کہ پیسوں کا سارا نظام وہ دیکھ لے گا۔جبکہ ایجنٹس کی تربیت کا ذمہ اِشفا کو اٹھانا ہو گا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آہستہ آہستہ ٹریننگ شروع ہوئی تھی۔

اُس عرصے میں انھوں نے اپنے مختلف اڈے چنے تھے۔مومن علی کے پیسوں سے انھوں نے راولپنڈی اور اسلام آباد کے سنسان علاقوں میں جگہیں خریدی تھیں جہاں کسی کا بھی آنا جانا نہیں تھا۔

گن چلانے سے لے کر ہاتھوں سے مقابلہ کرنے تک وہ سب ایک ایک چیز سے بڑی باریکی سے آشنا ہوئے تھے۔اور ایک سال کے اندر اندر وہ نڈر اور مضبوط انسان میں تبدیل ہو چکے تھے۔

اب ان کا اگلا قدم تھا لباس کا چناؤ۔اِشفا نے جیسا لباس
خیال کر رکھا تھا، ویسا ہی اُس نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔جو کہ سیاہ رنگ میں ہر طرح سے ڈوبا ہوا تھا۔جسے پہن کر ایجنٹس سر سے لے کر پاؤں تک ڈھکے ہوتے کہ کسی کو بھی ان کے جنس اور چہرے کی شناخت کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔اس نے لباس کے ساتھ سیاہ دستانے بھی ڈیزائن کروائے تھے جو کہ ہر ایجنٹ ہر وقت ہر قیمت پر پہنے رکھتا تھا۔

لباس کے اندر بولٹ پروف جیکٹ بھی موجود تھی اور ٹانگوں اور بازوؤں کے دفاع کے لیے ان کے حصوں پر بھی بولٹ پروف کپڑا لگایا گیا تھا۔جس کی بدولت لباس کے وہ حصے ہاتھ لگانے یا دیکھنے سے تگڑے نظر آتے تھے۔

آواز کی تبدیلی کے لیے ایجنٹ ون نے خود ایک ایسی ڈیوائس تیار کی تھی جسے لباس کے ساتھ جڑے ماسک میں لگایا گیا تھا۔تا کہ آواز سے شناخت کرنا مشکل ہو۔ جس کا ایک سرا کان میں آلے کے طور پر موجود رہتا اور دوسرا حلق کے قریب بیرونی جلد پر۔ کہ جب ایجنٹ کسی سے مخاطب ہوتا تو ساتھ ساتھ اُسے اپنی آواز سنائی پڑتی رہتی تھی۔

اور یوں آج تک ہر کوئی ایجنٹس کے حوالے سے تجسّس میں مبتلا رہا تھا۔

ایجنٹ ایلیون کے اُس ٹولے کی آئمہ ریحام کے ایک ایک قدم پر نظر رہتی تھی۔ وہ ان کے فرزین ملک کی دکان پر چکر لگانے سے بے نیاز ہر گز نہیں تھے۔وہ بخوبی اندازہ لگا چکے تھے کہ وہ وہاں کسی سے ملنے جاتی ہیں۔اور تب ہی انھوں نے دسمبر کی ابتدا میں اپنے پلان کا پہلا مرحلہ جمال احمد کو اغواہ کر کے عبور کیا تھا۔اور اس کے لیے اِشفا نے جمال کے ہی مکان کے نزدیک ایک کھنڈر نما پلاٹ کو کام میں لانے کا فیصلہ کیا تھا۔

جمال کو اٹھا کر انھوں نے اس سے سچ اگلوایا تھا۔اور تب ہی اِشفاامین کے علم میں یہ بات آئی کہ آئمہ ریحام اپنے جرائم میں اکیلی ہر گز نہیں تھیں۔ان کے ساتھ محمت جہانگیر شامل تھا۔

اسی روز اِشفا نے جمال سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی بچیوں کو محفوظ رکھے گی۔لیکن اُس کے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ منظر عام سے غائب ہو گئیں۔اُسے انہیں کسی بھی قیمت پر بازیاب کروانا تھا۔

جمال سے ملی جانکاری کے مطابق جمال نے ان دونوں کو چار قتلوں کے بارے میں بات کرتے سنا تھا۔یہ وہ آخری خبر تھی جس کے بعد جمال کا مرنا طے تھا، کم از کم جمال تو یہی سمجھ رہا تھا۔

لیکن واقعات اس کی سوچ کے برعکس انجام پائے تھے۔اُس روز اِشفاامین نے اُس پلاٹ کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر گولی چلائی تو تھی۔پر ہوا میں۔

جس کی تیز آواز سن کر جمال حواس کھو بیٹھا تھا۔تب ہی ایجنٹ فور نے اپنی باس کے حکم کے مطابق جمال کے گھر سے اٹھایا ہوا،اسی کا کُرتا، جائے واردات کی جگہ رمیض جابر کے کھنڈر پر ثبوت کے طور پر چھوڑا تھا۔اور ساتھ میں خلیل محمد کے گھر کی شیشم سے بنی کرسی بھی رکھی گئی تھی۔ایجنٹ چاہتا تھا کہ پولیس کسی بھی قیمت پر رمیض تک پہنچے۔اور جو خون اس پر لگا تھا وہ کس کا تھا؟اس بات کا پوشیدہ پہلو ایجنٹ فور کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔اُسے بس حکم ملا تھا کہ کرتے پر خون کے دھبے ہونے چاہئیں۔اس لئے اس نے کسی بھی طرح یہ کام پورا کیا تھا۔ اس کے بعد وہ جمال کے نڈھال ہوئے جسم کو لے کر اپنے اڈے پر جا پہنچا تھا۔اس کے حواس کھونے سے پہلے اُس کے کرتے پر اشفا نے سرخ مار کر سے اڈے کا پتہ لکھا تھا جس پر اُسے لے جانا تھا۔

Clubb of Quality Content!

جمال کے خون کی جگہ کسی دوسرے شخص کے خون سے لتپت کُرتا اس لئے کھنڈر پر چھوڑا گیا تھا تاکہ پولیس جمال تک نہ پہنچ پائے اور اس کا تمام تر زور صرف اور صرف رمیض کو پکڑنے پر خارج ہو۔کیونکہ اگر پولیس رمیض سے زیادہ جمال پر توجّہ دینے لگتی تو بِلا شبہ وہ جمال تک پہنچ جاتے۔

اُس روز کے بعد سے ان کی ایک نگاہ آئمہ پر رہتی تو ایک محمت کے قدم قدم پر۔ اِشفاامین کی پہلی ملاقات محمت سے اسی کھنڈر میں ہوئی تھی۔ اُس روز اُس نے اُسے گہری نگاہ سے پرکھا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ اُسے محمت کو مجرم ثابت کرنے میں کافی وقت لگے گا۔ کیونکہ وہ المیر خلیل کا سب سے بھروسہ مند سپاہی تھا۔

تب ہی ایجنٹ ایلیون نے اپنے باب کے دوسرے مرحلے پر قدم رکھا تھا۔ خلیل محمد کی مدد سے اس نے آئمہ خلیل کی کچھ استعمال شدہ چیزیں منگوائی تھیں۔ جیسے کہ ایک گلاس، پلاسٹک کا باؤل اور رومال۔ شیشم کی کرسی بھی ان کے ہاتھ خلیل محمد ہی کے تعاون سے لگ پائی تھی۔

لیکن افسوس تو اُسے تب ہوا جب المیر خلیل نے کرسی کے بارے میں پتا کروانے کے باوجود گہرائی میں سوچنا چھوڑ دیا۔

Clubb of Quality Content!

وہ قدم قدم پر خبر رکھتی تھی کہ المیر کب کیا اور کیسے کر رہا ہے۔ وہ حالات و واقعات کو اس کے نظریے سے دیکھنے کی کوشش کرتی۔ اور اسی بنا پر وہ اس سے ہر مرحلے میں دو قدم آگے رہتی۔

اس دوران ایجنٹس کے لیے یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ چار قتل والا ماجرہ آخر تھا کیا؟ جس کے لئے انھوں نے مختلف طرز کے حربے آزمائے تھے۔ لیکن ناکام ٹھہرے تھے۔

شکست کی چادر کے پہلوؤں کو ہاتھوں سے چھوڑتے انھوں نے رمیض جابر اور پولیس فورس کے لیے ایک تگڑا جال بچھایا تھا۔ اِشفا امین اچھے سے جانتی تھی کہ المیر خلیل کھنڈر کی زمین کے مالک کو بھی شک کی نگاہ کے حصار میں رکھے گا۔ اُسے رمیض جابر سے ہر حال میں اُس تھپڑ کا بدلہ لینا تھا۔ لیکن اس کے لئے اس پر جرم ثابت ہونا بہت ضروری تھا۔

رمیض جابر شطرنج کی بساط کا دوسرا پیادہ تھا۔ یہ بات اس کے علم میں تھی کہ اس کے پولیس کی حراست میں آنے کے بعد ہی انتقام کی پہلی منزل پار ہو گی۔

اور حقیقتاً رمیض کو حراست میں لے لیا گیا تھا۔ انقلاب تو تب آیا جب رمیض نے شراب پی کر ایک آدمی سے جھگڑا کیا اور اُسے بہت مارا۔ اتنا کہ وہ آدمی جان سے چلا گیا۔ اور پھر جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے اس نے مقتول کے جسم کو آگ لگا کر اپنے ہی گھر کے باغیچے میں اس کی لاش دفن کر دی۔ اس بات کی خبر انہیں رمیض کے گھر کے پہرہ دار سے ہوئی تھی۔ جس نے پیسوں کی خاطر منہ کھولا تھا۔ اسی نے انہیں المیر اور محمت کے رمیض کے گھر پر آنے کی اطلاع دی تھی اور ان کی گفتگو میں انجام پائی ایک ایک بات کو ان تک پہنچایا تھا۔

شاید رمیض کو کہیں ناں کہیں یقین تھا کہ اس کے ریٹائرڈ اے ایس پی ہونے کے باعث کوئی بھی اس پر شک نہیں کرے گا۔ لیکن اُسے یہ نہیں پتا تھا کہ ایجنٹ ایلیون کا دماغ اُس اُس جگہ جا ٹکراتا تھا جہاں کسی کی سوچ بھٹکتی بھی نہیں تھی۔

ایجنٹ ایلیون اور اس کی ٹیم جانتی تھی کہ پولیس آج نہیں تو کل جمال کے گھر تک پہنچ ہی جائے گی۔ اور ایسے میں صرف ایک نہیں بلکہ ایک سے زائد قرینوں کا ہونا لازمی تھا جو رمیض کی طرف اشارہ کرتے۔ مزید دلیلوں کی موجودگی کے لئے جمال کے غائب ہونے کے ٹھیک ایک روز بعد ایجنٹ فور رمیض کے اسی گارڈ سے ملا تھا۔ گارڈ کو مزید پیسوں کی ضرورت

تھی۔ جس کے باعث اس کی ضرورت کو پورا کرتے رمیض کے ایک بوٹ کا جوڑا اس نے ایجنٹ کے حوالے کر دیا۔

بڑی احتیاط سے بوٹ کے جوڑے کو پلاٹ پر گیلی مٹی پر رکھ کر وہاں اس کے نقشے پا چھوڑے گئے تھے۔ اُسے کام میں لانے کے ایک روز بعد ازاں ہی ایجنٹ نے بوٹ اُسے واپس لا دیے تھے۔ جو اُس نے ایسے ان کی جگہ پر رکھ دیئے، جیسے کبھی اٹھائے ہی نہیں گئے تھے۔ اور ایجنٹ سے ہی لیا ہوا خون سے لتپت مار کر رمیض کے کمرے کی الماری میں چھپا کر رکھ دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کے بعد ایجنٹ ایلیون نے سب سے پہلے اپنے ایک ایجنٹ کو پولیس کی وردی میں المیر خلیل کے تھانے کی طرف روانہ کیا تھا۔ وہ ٹوپی پہن کر اور جعلی داڑھی مونچھ لگا کر بڑی آسانی سے کمرہ تفتیش میں تب داخل ہوا جب ایس ایچ او تھانے میں موجود نہیں تھا۔ اور تب تک وہیں رہا جب تک کہ کوئی تحقیقات کے لئے رمیض کے سامنے نہیں آن بیٹھا۔

اِشفاامین کی زندگی ممکنت پر مبنی تھی۔ جیسے کہ اس نے المیر خلیل کی طرح سوچتے یہ نتیجہ آخذ کیا تھا کہ پچپن فیصد ممکنت تھی کہ خود رمیض سے تفتیش کرے گا اور پینتالیس فیصد ممکنت تھی کہ تفتیش خود نہیں کرے گا۔ اُس کے علم میں یہ بات اچھے سے نافذ تھی کہ اگر اس نے اس کام کا بیرہ اٹھایا تو اِشفا کا بھیجا ہوا آدمی منٹوں میں پکڑا جائے گا۔

توَقع کے مطابق راحم نے تفتیش کے کام کو انجام دیا تھا۔ اور کمرے میں کھڑے اس ایجنٹ نے بس اس بات کی تصدیق کرنی تھی کہ رمیض کے پاس الیبائی ہے یا نہیں؟ اور تب ہی اس کے کانوں سے مطلوبہ معلومات ٹکرائی۔ لیکن اتنے میں راحم رضا احمد کا اس پر شک بڑھ گیا تھا۔ اس لئے مزید کچھ بھی کرنے سے خود کو باز رکھتے اس نے دشواری کا سامنا کرتے ہوئے تھانے سے خود کو نکالا تھا۔

ایک ایک قدم پلان کے مطابق اٹھایا گیا تھا۔ پولیس جمال کے گھر کے پاس واقعہ پلاٹ میں گئی تھی اور اُسے توَقع کے عین مطابق وہاں کسی کے بوٹ کے نقشے پا ملے تھے۔ اور پھر جب وہی بوٹ رمیض کے گھر سے برآمد ہوئے تو ان کے نیچے لگی مٹی کا پلاٹ کی مٹی سے ملاپ کیا

گیا۔ نتیجہ سامنے آنے کے بعد صاف واضح تھا کہ رمیض کا جمال کے ساتھ کوئی گہرا واسطہ تھا۔

آگے سے ایجنٹ ٹو نے معاملہ سنبھالا تھا۔جب رمیض کے باگیچے سے ملنے والی جلی ہوئی لاش کو ڈی این اے ٹیسٹنگ کے لئے لایا گیا تو اس نے بڑی باریکی سے اس کے بلڈ گروپ کو بی پوزیٹو ثابت کر دیا تھا۔اور مزید یہ کہ اچھے سے واضح کر دیا گیا کہ یہ لاش سو فیصد جمال ہی کی تھی۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے رمیض پر چھوٹا سا کیس بھی سانسیں تنگ کرنے لگا۔

جمال کے بعد اب اس کی بیٹیوں کی باری کی تھی۔انہیں ڈھونڈنا لازمی تھا۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس موضوع پر کوئی سوچ وچار کرتی، راحم رضا احمد نے کہانی کو جانے انجانے میں ایک نیا رخ دیا تھا۔

اُسے عامر علی کے کیس میں اِشفا کی مدد درکار تھی۔اور اشفا اسی تک میں تھی کہ کب عامر علی کا کیس دوبارہ کھولا جائے گا۔اور اسی بنا پر اِشفا نے سیفان یامین عرف ولیم کو ایک باحیثیت کردار ادا کرنے کے لیے متعارف کروایا تھا۔اس نے راحم کو معلومات دی تھی کہ ولیم نامی

ایک خبری عامر علی کی موت کے بارے میں کچھ جانتا ہے۔ لیکن وہ صرف فرانس میں ہی اس خبر کو ان تک پہنچا سکتا ہے۔

اور یہیں سے اس نے پہلا تیر چھوڑا تھا جو کہ سیدھا نشانے پر لگا تھا۔ فرانس تک صرف المیر خلیل کو رسائی حاصل تھی اور سیفان یامین کا فرانس آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اور چونکہ اُسے شک تھا کہ خلیل منزل اور اُس میں مقیم افراد کے فون ٹیپ کیے جا رہے ہیں اس لیے پاکستان میں تو ولیم اور المیر خلیل کا ملنا ناممکن تھا۔

ناولز کلب

امید کے مطابق المیر فرانس گیا۔ سیفان اس سے مل کر اُسے ایک ایک بات بتانے والا تھا۔ اور جن رازوں سے وہ پردہ ہٹاتا وہ دشمن کی سماعتوں تک ہرگز بھی نہ پہنچ پاتے۔ کیونکہ المیر خلیل کو خاص ہدایت کی گئی تھی کہ صرف برنر فون کو ہی اپنے ساتھ لے کر وہ ولیم سے اپنی ملاقات کو عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔

لیکن ان کی ملاقات سے عین چند سیکنڈ پہلے ہی سیفان یامین کے دشمن وہاں پہنچ گئے تھے۔ پانچ سال قبل اس نے وہاں کے ایک شہری کا بہت پیچیدہ راز لوگوں سے بھرے کمرے میں

بتادیا تھا۔اور چونکہ المیر خلیل سیفان یامین سے ملنے کی غرض سے آیا تھا۔اس لئے دشمنوں نے اُسے بھی اپنے وار کا نشانہ بنایا تھا۔

ان دونوں کی ملاقات اُس روز ادھوری رہ گئی تھی۔ لیکن اِشفا امین اپنے کام ادھورے اور ارادے آدھے نہیں چھوڑتی تھی۔ ولیم اِشفا امین کے پلان بی کے مطابق المیر کے تعاقب میں رہا تھا۔اور جیسے ہی اُسے المیر سے ملنے کا موقع ملا،اُس نے اُسے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

اُس روز باربیزون میں وہ المیر کے ساتھ بینچ پر آن بیٹھا تھا اور باتوں ہی باتوں میں اُس نے اُس کی قمیض کے جیب میں وہ تصویر ڈال دی تھی جو کہ آئمہ خلیل کے خلاف خلیل محمد سے ملنے والا وہ آخری ثبوت تھا جو مٹایا نہیں گیا تھا۔

وہاں سیفان وِل یامین نے اپنی ذمے داری نبھائی تھی اور یہاں اِشفا امین نے اپنے پلان میں ایک قدم آگے لیا تھا۔جمال کی بیٹیوں کو اغواہ کر کے کس جگہ رکھا گیا تھا،اُسے خبر مل گئی تھی۔اور ان کو رہا کروانے کے لیے اس نے پولیس فورس کا استعمال کیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اگلی فلائٹ پکڑ کر سیفان پاکستان واپس آگیا تھا۔

اس نے راحم کو کال کر کے المیر کے ساتھ پیش آنے والے ٹرک کے حادثے سے آگاہ کیا تھا۔ تفصیلی بات کرنے کے بعد اس نے ڈھکے الفاظ میں ٹرک میں ڈرائیور کے ساتھ ایک اور شخص کی موجودگی کا ذکر کیا تھا۔ جس کو سن کر راحم کو معاملہ پیچیدہ لگا۔ ڈرائیور کو ڈھونڈتے ہوئے وہ لوگ اس کے اڈے پر پہنچے۔ تب ہی انہیں جمال کی بچیاں سہی سلامت مل پائی تھیں۔

پولیس نے بچیوں کے ملنے کے بعد انہیں جمال کے ایک رشتے دار کے ہاں چھوڑ دیا تھا۔ اِشفا ان کے گھر بچیوں کی ٹیچر بن کر پرکٹ ہوئی تھی۔ اور انہیں مشورہ دیا تھا کہ بچیوں کو بورڈنگ سکول میں کروادیں۔ جو کہ وہ فوراً مان گئے تھے۔

اور یوں جمال کا اپنی اولاد سے ملن اور اِشفا کا ادھورا وعدہ پورا ہو پایا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لیکن عالیہ کی اچانک موت کے بعد حالات بدلنے لگے تھے۔اِشفا جانتی تھی اس کی موت حادثاتی نہیں ہوسکتی۔ لیکن جب المیر نے اُسے خود آکر اُس کے قتل کی خبر سنائی تو اُس کا شک یقین میں بدل گیا۔

اُسے سو فیصد وثوق تھا کہ اس میں بھی آئمہ ریحام کا ہاتھ ہو گا۔

ان ہی روزوں میں محمت جہانگیر کے گھر پر ہونے والا حملہ بھی اِشفا نے کیا تھا۔اِشفا اور سیفان دونوں رات کے اندھیرے میں اُس کے گھر گھسے تھے۔انہیں یقین تو نہیں تھا پر شک تھا کہ محمت نے ہی عالیہ کو آئمہ ریحام کے کہنے پر مارا تھا۔

وہ اس کے گھر ثبوت ڈھونڈنے گئے تھے۔ پر کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آیا تھا۔نکلتے نکلتے سیفان نے لطف اندوز ہونے کے لئے محمت جہانگیر کو بہت پیٹا بھی تھا۔ لیکن چونکہ اس نے عام استعمال والا ماسک اوڑھ رکھا تھا اس لیے محمت نے اُس کی نیلی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔

پہلے قتل کی ابتدائی لیڈ تب ملی جب رمیض کے گارڈ نے ایجنٹ فور کو فون کر کے بتایا کہ اچانک ہی اُسے ایک خاص بات یاد آگئی تھی۔ لیکن اس بات سے پردہ ہٹانے کے اس نے ان سے پیسے لئے تھے۔اور پھر نتیجتاً بیان کیا تھا کہ رمیض کے پولیس کے حراست میں جانے سے قبل ہی خلیل محمد کی بیوی یعنی آئمہ ریحام خلیل اس سے ملنے آئی تھیں۔

اتنے برسوں بعد ان کا رمیض سے ملنا اچھی علامت نہیں تھی۔شک گہرا تھا اور منزل دشوار۔ وہ ان کی اُس ملاقات کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔اس کے لئے رمیض سے جانکاری نکالنا بہت ضروری تھا۔وہ بھی اس کی سزا نامزد ہونے سے پہلے۔اس لئے ایجنٹس نے منصوبہ تیار کیا تھا۔جس کے تحت رمیض کو اس کی ہیئرنگ کے روز عدالت سے اٹھا لیا گیا تھا۔

جب رمیض سے انہیں مطلوبہ معلومات مل گئی تو انھوں نے اُسے دوبارہ پولیس کے حوالے کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے نفیسہ کا قتل ہو گیا اور ایک ایجنٹ نے آئمہ خلیل کا رومال جائے مرگ پر ثبوت کے طور پر چھوڑ دیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ کام پورا ہونے کے بعد رمیض کو پولیس کے حوالے کرنے کے ارادے پر عملی اقدامات اٹھاتے، المیر خلیل نے ان کے اڈے پر نا جانے کیسے چھاپہ دے مارا تھا۔

پولیس اور ان کے درمیان چھڑی اس جنگ میں اِشفا امین کی پستول سے نکل کر گولی سیدھی محمت جہانگیر کے بائیں کندھے پر لگی تھی۔ وہ اُسے جان سے مارنا چاہتی تو سیدھی آنکھوں کے درمیان کا نشانہ داغتی لیکن اُسے وہ زندہ چاہیے تھا۔

اسی دوران المیر خلیل کی پستول سے چلنے والی گولی اِشفا کے بازو کے بہت قریب سے پر چھو کر نکلی تھی۔ خون اور تکلیف کی اسی کیفیت میں اس نے مقابلہ کیا تھا۔ لیکن حالات کے پیشِ نظر ان کے پاس بھاگنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ وہ زخمی حالت میں اپنے ایجنٹس کے ہمراہ وہاں سے بھاگی تھی پر ایجنٹ فائیو پکڑا گیا تھا۔

ایجنٹس اپنے باس ایجنٹ ایلیون کو سیدھا ہسپتال لے گئے تھے۔اور وہاں سے ایجنٹ سیون یعنی مومن علی نے معاملے کو سنبھالا تھا۔اِشفا جانتی تھی کہ معاملہ سنگین ہو گا۔ڈاکٹرز فوراً پولیس کو اطلاع دیں گے اور اسی واسطے انہیں ایک اچھی بیک سٹوری کی ضرورت تھی۔

مومن علی نے المیر خلیل کی جگہ راحم رضا کو کال کر کے اس بات سے باخبر کیا تھا کہ اِشفا پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے۔اور امید کے مطابق وہ دوڑا ہوا چلا آیا تھا۔ہسپتال آتے ہی اُس نے حالات کو فوری طور پر اچھے سے قابو میں کر لیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پھر دیکھتے ہی دیکھتے المیر خلیل بھی وہاں آن پہنچا۔منصوبے کے لحاظ سے اُسے جائے واردات وہ بتائی گئی تھی جہاں کسی بھی قسم کا کوئی کیمرا موجود نہیں تھا۔تا کہ اگر المیر اس معاملے کی تفتیش کرتا تو کسی بھی قسم کا کوئی ثبوت اس کے ہاتھ نہ لگتا۔یہی وجہ تھی کہ المیر خلیل کو اِشفا پر کیے جانے والے حملے کا ایک بھی سوراغ نہیں مل پایا تھا۔

نفیسہ کی جائے مرگ پر چھوڑے گئے رومال کو لے کر پولیس کی تفتیش جاری تھی۔ لیکن آئمہ ریحام نے باآسانی المیر کی مدد سے اپنے آپ کو باعزت بری کروالیا تھا۔

اب کہ ایجنٹ ایلیون طیش میں آچکی تھی۔ اس نے تب ہی فیصلہ لیا تھا کہ خلیل منزل پر نظر رکھنا سب سے ضروری کام ہے۔ کیونکہ آئمہ خلیل کو محمت سے ملتے ہوئے دوبارہ کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس کے ذہن میں تب ہی اس سوال کی روشنی آن کودی کہ اگر وہ اس سے ملاقات نہیں کرتیں تو اس سے رابطہ کیسے قائم رکھتی ہیں؟

دسمبر کے ماہ کے درمیانے حصے میں وہ جس طرح چالاکی سے جعلی سوشیل میڈیا اکاؤنٹ بنا کر وہاج کو استعمال کر کے گھر میں داخل ہوئے تھے اور بلب بدل کر کیمرے والے بلب لگائے تھے۔ لیکن یہ سب بھی خلیل محمد کی مدد کی بدولت انجام پایا تھا۔ انھوں نے ہی اِشفا کا بنایا ہوا جعلی ایڈ وہاج کو دکھایا تھا۔

ٹھیک اسی طرح وہ ایجنٹ ون اور فور کے ہمراہ خلیل منزل کی چار دیواری میں اتری تھی۔ اس نے مائکروفونز لگانے کے عمل کو عملی بنایا تھا۔

اِشفا امین عرف ایجنٹ ایلیون کو اسی فیصد یقین تھا کہ المیر خلیل شبے میں مبتلا ہوتے ہی پورا گھر دیکھ لے گا پر اپنا کمرہ نہیں دیکھے گا۔ لیکن واقعات اس کی سوچ سے پرے ثابت ہوئے تھے۔ اس کے شوہر نے سب سے پہلے اپنا کمرہ ہی دیکھا تھا۔

جب اس نے اِشفا کو بازوؤں سے پکڑ کر دیوار سے لگایا تھا تو اُس کا دل چیتے کی مانند بھاگ رہا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ وہ اُسے پہچان جائے گا۔ لیکن وہ نہیں پہچان پایا تھا۔ شاید اس لیے کہ اِشفا سر سے پیروں تک کالے لباس سے آراستہ تھی۔ آنکھوں سے لے کر پیروں کی انگلیوں تک وہ ہر طرح سے ڈھکی ہوئی تھی۔

Clubb of Quality Content

لمحے بعد ہی مزاحمت پر المیر کے بھاری ہاتھ کا گھونسہ کمر میں لگتے ہی اس کی چیخیں ذہنی طور پر بلند ہوئی تھیں۔ تکلیف کی کیفیت اتنی جسم کے پور پور میں دھنس جانے والی تھی کہ اس کے لئے اپنی زبان دانتوں تلے دبا کر ضبط کرنا کسی پہاڑ سر کرنے سے کم نہیں تھا۔

اگر وہ جوابی کاروائی نہ کرتی تو پکڑی جاتی۔اسی بنا پر اُسے ناچاہتے ہوئے بھی المیر خلیل پر وار کرنے پڑے تھے۔یہ وہ پہلی اور آخری مرتبہ تھی جب اس نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

وہ اس کا شوہر تھا اور دنیا کا وہ آخری انسان بھی نہیں تھا جسے وہ نقصان پہنچاتی۔یہی وجہ تھی کہ ایجنٹس سے جب جب پولیس کا آمنا سامنا ہوتا، المیر خلیل کو ایک بھی خراش نہ آتی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنے آدمیوں کو تلقین کر رکھی تھی کہ چاہے جیسے بھی حالات منظر پر روشن ہوں، المیر خلیل پر کوئی حملہ نہیں کرے گا۔

ناولز کلب

نفیسہ کی جائے مارگ پر جن بوٹ کے نقشے پا موجود تھے اس نے پہلے سے ہی ان کو خلیل منزل کی زینوں کے نیچے رکھتے، جاتے جاتے آئمہ ریحام کا بال ان میں سے ایک میں چھوڑا تھا۔تاکہ پولیس گھر کی تلاشی لینے آئے تو بال کے ڈی این اے کی مدد سے سارا شک آئمہ ریحام پر جائے۔

چند روز بعد ہی اُسے اڑتی اڑتی خبر ملی تھی کہ پولیس نفیسہ کے کیس کی تفتیش میں خلیل منزل چھان بین کرنے گئی تھی۔اور وہاں ان کو وہ جوتے باآسانی مل گئے تھے۔جس میں اس نے آئمہ ریحام کا سنہرا بال ثبوت کے طور پر چھوڑا تھا۔

لیکن وہاں آئمہ ریحام بازی لے گئیں۔انھوں نے ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے لیب سے بال غائب کروادیا تھااور بیان دیا تھا کہ خلیل منزل سے برآمد ہونے والے مردانہ جوتوں سے ان کا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

اِشفاامین ہمیشہ سے جانتی تھی کہ آئمہ ریحام کو فریم کرنا ہر گز بھی آسان نہیں ہوگا۔وہ چالیں چلیں گی اور المیر خلیل بدگُمانی میں اپنی سوتیلی ماں کا ساتھ دے گا۔

ان واقعات کے تسلسل کو توڑتے خلیل محمد قلیل روزوں بعداِشفا کے گھر وزیرِاعظم کی بیوی کے کام سے آئے تھے۔وہ اُس کام سے انکار کر دیتی اگر عامر علی کے کیس کا سوال نہ ہوتا۔

وزیرِ اعظم کے کتب خانے سے مطلوبہ دستاویزات نکالنے کے باوجود بھی وہ کسی بہتر نتیجے پر نہیں پہنچ پائی تھی۔ان میں لگے اوراق بس یہی داستان گوش گزار کرتے تھے کہ عامر علی کو کیسے قتل کیا گیا تھا۔

وہ اس جانکاری کا سوائے اس کو نشر کرنے کے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔اس لئے اس نے وہی کیا تھا۔

وقت بہت کم تھا اور دوسرے قتل کی معلومات ملنا ہر گزرتے پل کے ساتھ ناگزیر ہوتا جا رہا تھا۔ خلیل منزل میں لگے مائکروفونز اور کیمروں نے بھی ان کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔اور اس پر تضاد راحم رضا اور المیر خلیل نے گھر کے کونے کونے میں لگے ان خفیہ مائیکروفونز اور کیمروں کو پکڑ لیا تھا۔

اپریل کی سات تاریخ جلد گزری ہوئیں تاریخوں میں شامل ہونے والی تھی۔اور آخر اُس تاریخ کی صبح ان کے سننے میں سعید غنی کے انتقال کی خبر آئی تھی۔ غنی کا ماضی پر کھنے کے بعد ان کے علم میں یہ بات آئی کہ غنی اور عامر علی اچھے دوست تھے۔اس کے ساتھ ساتھ اس کا

اچانک قتل ہو جانا انہیں شک میں مبتلا کر چکا تھا۔ وہام نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ جو کہ یہ تھی کہ ہو سکتا ہے وہ دوسرا قتل اسی کا ہو۔

اب کہ ایجنٹس کو کسی بھی صورت آئمہ ریحام کے خلاف ثبوت چھوڑنے تھے۔ اور اس کے لئے اس نے پولیس کے غنی کے دفتر پہنچنے سے پہلے ہی خلیل محمد سے لیا گیا گلاس جس پر آئمہ ریحام کی انگلیوں کے نشانات موجود تھے، وہاں رکھ دیا تھا۔

شاید اُس گلاس سے کچھ ثابت نہ ہو پاتا اگر پہلے سے وہاں عام کے شربت سے آدھا ادھورا گلاس نہ رکھا ہوتا۔ ایجنٹس نے تو بس ہوا میں تیر چھوڑا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ تیر نشانے پر جا لگے گا۔ آٹوپسی رپورٹ کے مطابق غنی نے موت سے آدھا گھنٹا پہلے اُس گلاس میں سے شربت پیا تھا۔ وہیں رکھی پانی کی بوتل سے آئمہ ریحام کے گلاس میں ذرا سا پانی انڈیل دیا گیا تھا۔

اور وہاں سے پولیس کا آئمہ ریحام پر شک پختہ ہوا تھا۔اس شک کو مضبوطی کی نظر کرنے کی خاطر ایجنٹ ایلیون نے فوٹیج کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ لیکن یو ایس بی کی تبدیلی کے کام کو انجام دینے والا ایجنٹ تھری پکڑا گیا تھا۔

پہلے ہی ایک ایجنٹ پولیس کی حراست میں تھا۔اگر مزید ایک سے ہاتھ دھو بیٹھتے تو ایجنٹس کی تعداد میں پیدا ہوتی قلت کی وجہ سے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑتا۔

اس کی رہائی کے لئے تب ہی سب نے مل کر ایک نیا منصوبہ بنایا تھا۔ جس کے تحت وہام شاہد عرف ایجنٹ ون نے ایک ماہر الیکٹریشن ہونے کی حیثیت سے ان کو با آسانی اس مسلے سے نکال لیا تھا۔ جیسے ہی المیر خلیل کو آئی ٹی کمپنی کی طرف سے ٹھوس گواہی ملی، ایجنٹ تھری کو چھوڑ دیا گیا۔

لیکن المیر خلیل کی بیوی اچھے سے جانتی تھی کہ وہ اس معاملے کو اتنی آسانی سے رفع دفع نہیں ہونے دے گا۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ اس نے ہو نہ ہو کوئی نہ کوئی سپاہی ایجنٹ

تھری کے تعاقب میں بھیجا ہو گا۔ لیکن وہ تو اس کی سوچ سے بھی زیادہ تیز نکلا جب اس نے محمت جہانگیر کو آئی ٹی کمپنی بھیج کر سچائی کی تصدیق کرنی چاہی۔

مومن علی کی وہاں پہلے سے موجودگی کے باعث وقت پر استقبالیہ کاؤنٹر کے کمپیوٹر کو سیفان یامین کی مدد سے ہیک کر کے حالات کو سنبھال لیا گیا تھا۔ المیر کا دھیان اس طرف سے ہٹانے کے لئے اس نے غنی کی تصویر اور عامر علی کی آٹوپسی رپورٹ المیر کے گھر بھیج دی تھی۔

لیکن آگے سے اس کی زبان سے ایک گارڈ کی پیشکش سن کر اِشفا کو سمجھ میں نہ آیا کہ انکار کیسے کرے؟ کیوں کہ اگر گارڈ گھر کی پہرہ داری اور چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہنے پر معمور کر دیا جاتا تو وہ ایک ایجنٹ کی حیثیت سے کبھی بھی اپنی ذمے داری کو پروان نہ چڑھا سکتی۔ بس اسی غرض سے اس نے فوری طور پر آگے سے انکار کر دیا تھا اور جلدی میں کال بھی کاٹ دی تھی تا کہ المیر اُسے قائل کرنے کی کوشش نہ کرے۔

مزید کچھ روز امن میں گزرے ہی تھے کہ المیر خلیل نا جانے کیسے ایجنٹ ٹو یعنی محب تک جا پہنچا تھا۔ اُس پر جمال احمد سے جڑی سچائی عیاں ہو گئی تھی۔ لیکن ایجنٹ ٹو کا پولیس کی حراست

میں ہونا خطرے کی بات تھی۔ کیونکہ وہ اِشفا کا سب سے کمزور دل ایجنٹ تھا۔ وہ پہلے سے جانتی تھی کہ اگر وہ کبھی پولیس کے ہاتھ لگا تو منٹوں میں سچ بول دے گا۔

وہیں سے ان کے منصوبے کو نقصان پہنچا تھا۔ کچھ ہی وقت میں پولیس ان کے اڈے تک پہنچ آئی تھی۔ وہ ایجنٹ ٹو کو چھڑوائے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے انھوں نے پولیس کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ لیکن سارا کھیل الٹ گیا جب وہام بولٹ پروف جیکٹ نہ پہننے کے باعث شہید ہو گیا۔

اِشفا امین کو اس کے مارے جانے کا بہت افسوس تھا۔ وہ اُسے نہیں بچا پائی تھی۔ وہ زندگی جینا چاہتا تھا۔ اُسے تو ابھی بڑی لمبی عمر بتانی تھی۔ پر قسمت کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔ منصوبوں کی بھی نہیں۔

وقت گزر رہا تھا اور جولائی کی سات تاریخ کی خوشامد کرتیں ابتدائی تاریخیں رفتار پکڑتے بدلتی جا رہی تھیں۔ جب اچانک مخصوص دن آن چڑھا اور اِشفا امین کے محلے میں احسان نامی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گارڈ کے قتل کی خبر چار سو پھیل گئی۔آگے پیچھے سے معلوم ہوا کہ وہ محلے کا پرانا پہرے دار تھا جو کہ سات جولائی دو ہزار سات سے کچھ ہی تاریخوں بعد نوکری چھوڑ گیا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ احسان کا اِس معاملے یا اُس کے گھر والوں کی موت سے کیا تعلق تھا۔

وہ بس یہ جانتی تھی کہ پولیس جلد ہی جائے مرگ پر پہنچ کر تحقیقات کا آغاز کردے گی۔اس لئے اس نے احسان کے عزیز و اقارب میں ایسے انسانوں کو تلاشا جن کو پیسوں کی سخت ضرورت ہو۔اور تب ہی احسان کے ایک دوست کا اس کی نظر سے گزر ہوا تھا۔

Clubb of Quality Content!

اُسے ادھار چکانے کے لئے رقم درکار تھی اور اِشفا کو اُس کی مدد۔اُس نے پانچ منٹ میں سیفان کی مدد سے اُس کے گھر کا پتہ نکلوایا اور ایجنٹ سیون کو آدھی رقم کے ساتھ اُس کے گھر روانہ کیا۔سب کچھ من چاہے طریقے سے انجام پایا تھا۔

احسان کے دوست نے بڑی مہارت کے ساتھ راحم رضا احمد کے سامنے جھوٹ گڑھا تھا کہ احسان کی بیوی کی سفید موتی والی انگھوٹی غائب ہے۔وہ اس کے گھر کے کونے کونے سے

واقفیت رکھتا تھا۔اس لئے اس نے راحم کے آگے اپنی بات کی تصدیق کرنے کے لئے اسی ڈبی کو بطور ثبوت پیش کیا تھا۔

جب اس کے حصے کا کام انجام تک پہنچ گیا تو وہاج کی سالگرہ پر مدعو کیے جانے کے ساتھ موقع آکر اِشفا کی جھولی میں گرا۔اُس کا پلان صرف پولیس کی توجّہ کو احسان اور سحر امین کی طرف راغب کرنے کا تھا۔پر موقعے کے ملتے ہی وہ خود کو روک نہیں سکی۔اس لیے وہاج کی سالگرہ کے روز جب آئمہ ریحام باتھروم جانے کی غرض سے اپنے کمرے میں گئیں تو جاتے جاتے اپنی تمام انگھوٹیاں سنگھار میز پر رکھ گئی تھیں۔اس نے موقعے کا فائدہ اٹھایا اور برق رفتاری سے بنا کسی کو خبر کیے آئمہ ریحام کی انگھوٹیوں میں اپنی والدہ سحر امین کی انگھوٹی رکھ دی۔

دراصل اس روز آئمہ ریحام نے سفید موتی والی وہ انگھوٹی پہنی ہی نہیں تھی۔وہ پہن ہی نہیں سکتی تھیں۔کیونکہ وہ سال پہلے ہی اُسے بیچ کر جمال احمد کی زبان بند کرنے کے لئے اُسے پیسے دے چکی تھیں۔

المیر اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا اور اُس کے شبے کو پختگی بخشنے کی غرض سے اِشفا نے فوراً اپنی ماں کی انگھوٹی پہچاننے کی تصدیق کی تھی۔ اِشفا بس خیال ہی کر سکتی تھی کہ جب المیر کے سوال کرنے پر وہ سحر امین کی انگھوٹی اپنی انگلی میں دیکھیں گی تو ان کے چہرے کے تاثرات کیسے ہوں گے۔

اسی روز کی رات کو وہاج نے اِشفا کو کال کر کے بتایا تھا کہ اُس کی ماں کی انگھوٹی آئمہ ریحام کے پاس ہے۔ اور پھر اُس نے اُسے احسان کا پورا قصہ سنایا تھا جو کہ خود اُس نے المیر سے سنا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہیں سے اِشفا کو خبر ملی تھی کہ پولیس کے پاس کچھ تصاویر ہیں جن میں نفیسہ احسان کو پیسے دیتے ہوئے دیکھی گئی تھی۔ اِشفا کے علم میں ایسی کوئی بات نہیں لائی گئی تھی۔ اس لئے وہ ایجنٹ ایلیون کا روپ دھارے نفیسہ کے گھر چھان بین کرنے کی غرض سے گئی اور وہیں اس کی ملاقات محمت جہانگیر سے ہوئی تھی۔

اب کہ المیر آئمہ ریحام کے ان قتلوں سے تعلق کو سنجیدگی سے گہری نگاہ کے ساتھ پرکھنے لگا تھا۔ یہ موقع ایجنٹ فائیو کی پولیس سے جان چھڑوانے کا واحد تھا۔ حکم کے مطابق ایجنٹ فائیو جس پر اہلکاروں نے نظر رکھی ہوئی تھی، اسی بینچ پر جاکر بیٹھا جہاں نواب منیر روز گھر سے چہل قدمی کرنے آتا اور بیٹھ جاتا تھا۔

ایجنٹ فائیو کو بچانے کا آخری قدم اُس کے اغواہ کو منظرِ عام پر لانا تھا۔ تب ہی اس کے اغواہ کی اداکاری کی گئی تھی۔ پھر وزیرِ اعظم صاحب کی بیوی کی مدد کرنے کے بدلے میں اُس نے ان کے ذریعے ایجنٹ فور اور سیون کو چھوڑ کر بقیہ ایجنٹس کو ملک سے باہر نکال دیا تھا۔ ایجنٹ فور جمال احمد اور اس کی بچیوں کے ہمراہ غیر قانونی طریقے سے ملک سے باہر نکل گیا تھا۔ اب صرف ایجنٹ ٹو کو فرار حاصل کرنے کا موقع چاہیے تھا۔

ایک مہینہ پہلے سے ہی المیر خلیل کے ذریعے اِشفا امین کو اس بات کی بھنک لگ گئی تھی کہ ڈاکٹر ثمر شہروں کے دورے کے لیے کچھ ڈاکٹرز اور پولیس کے ہمراہ نکلے گا۔ المیر نے اسی وقت اُسے کہہ دیا تھا کہ وہ نہیں جائے گا۔ آگے سے اِشفا نے ہی اُسے مشورہ دیا تھا کہ کیوں

ناں راحم کواُس کی جگہ بھیج دیا جائے۔وہ مختلف شہروں میں گھومے گا تو بہتر محسوس کرے گا۔المیر نے وقتی طور پر حامی بھر دی تھی۔

لیکن اِشفا کو یہ بات نہیں پتا تھی کہ اُس کی بہن بھی ان ڈاکٹرز میں شامل تھی۔جب راحم تمام ڈاکٹرز کے ہمراہ سفر پر نکل گیا تو جاتے جاتے ایجنٹ ٹو کا کیس کسی اور ایس ایچ او کے حوالے کر گیا تھا۔اور تب ہی ایجنٹ کا بھاگنا ممکن ہو پایا تھا۔

سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا۔پر محمت جہانگیر کھلا گھوم رہا تھا اور اس حوالے سے اِشفا امین کو کافی شبہات تھے۔وہ جانتی تھی وہ زیادہ وقت تک چپ نہیں بیٹھے گا۔اور حقیقتاً یہی انجام پایا تھا۔مہوین کے اغواہ کے بعد جب اُسے خضر کے اغواہ کی خبر ملی تو وہ طیش میں آگئی تھی۔اُسے کسی بھی قیمت پر اپنا بھائی چاہیے تھا۔اور تب ہی اس نے محمت سے اپنا بھائی اور اپنی بہن کو بازیاب کروانے کا منصوبہ بنایا تھا۔

وہ محمت کی لوکیشن ٹریس کر کے اس تک پہنچنا چاہتی تھی۔ وہ مال روڈ کے کھنڈر پر موجود تھا۔ اپنی گاڑی کی اسکرین پر آتی المیر کی بائیک کی لوکیشن اُسے بہت پہلے سے ہی آگاہ کر چکی تھی کہ وہ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی اِس لڑائی کے دو مختلف نتیجے نکل سکتے تھے۔

اور بالآخر نتیجہ ایسا ہی نکلا تھا۔ وہ خضر کو نہیں ڈھونڈ پائی تھی۔ لیکن اپنی آنکھیں بند ہونے سے پہلے کم سے کم اس نے اُس شخص کو اس دنیا سے مٹا دیا تھا جس سے اُس کے انتقام کا آخری مرحلہ طے ہوا تھا۔

وہ محمت کو مارنے ہر گز نہیں آئی تھی۔ وہ اُس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتی تھی جو ایجنٹس باقی مجرموں کے ساتھ کرتے تھے۔

اس نے ابتدا سے پلان کا نقشہ کچھ اس طرح سے کھینچا تھا کہ محمت قابو میں آیا تو اس سے سچ اگلوائے گی اور پھر اس کے بیان کی ویڈیو انٹرنیٹ پر ڈال کر اُسے پولیس کی تحویل میں دے دے گی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ اُسے قابو میں کرتی، وہ اس پر پستول اٹھا چکا تھا۔ایسے میں اپنے بچاؤ کے لیے اُسے محمت جہانگیر کو مارنا ہی درست لگا۔

یہاں تک کی طے کی گئی انتقامی مسافت میں عالیہ خلیل کا باحیثیت کردار رہ چکا تھا۔وہ گمشدہ اور دریافت شدہ کمپنی کے جس ایمپلائی سے زیرِ گفتگو تھی، وہ سیفان ول یامین ہی تھا۔خالی وہ اب تک اس بات سے بے خبر رہا تھا کہ عالیہ تھی کون۔

اِشفا امین نے اِشفا امین اور ایجنٹ ایلیون، دونوں ہی روپ دھار کر انتقام لیا تھا۔اس کے منصوبوں میں دم نہیں تھا، دم اس کی شخصیت میں تھا۔

وہ جانتی تھی اُسے شکست نہیں ہو سکتی۔کیونکہ وہ اپنی کہانی کی فاتح تھی۔

"تمہیں اور اِشفا کو چھوڑ کر پانچ ایجنٹس بچتے ہیں۔ وہ سب کہاں ہیں؟" مشکل ہی سے اُس کے لب سچائی سننے کے بعد ہل پائے تھے۔ وہ حیران بھی تھا اور پریشان بھی۔

"ملک سے باہر۔ اِشفا آپی نے وزیرِ اعظم کی بیوی کو فیور دینے کے عوض یہی مانگا تھا ان سے۔ وہ چھ لوگ اور جمال اپنی فیملی کے ساتھ وہاں ہے جہاں کوئی ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں تک کہ میں بھی نہیں جانتا کہ ان کو کس ملک بھیجا ہے باس نے۔"

اس نے ایک گہرا سانس اپنے اندر کھینچا تھا۔ "تمہیں اور تمہاری باس کو پکڑنے کے لئے میں نے دن رات ایک کی تھی، مومن۔ مجھے لگتا تھا جس دن ایجنٹ ایلیون میرے ہاتھ آئے گا، اس دن میں جیت جاؤں گا۔ لیکن یہ تو محض میرا وہم تھا۔"

مومن نے ٹانگ پر ٹانگ جمائی تھی۔ "باس کی کوئی غلطی نہیں تھی، بھائی۔ انھوں نے جو کیا ہم سب کے لئے کیا۔ اگر وہ محمت کو نہ مارتیں تو ہمیں بہت سے نقصان اٹھانے پڑ جاتے۔ محمت باجی کو مار دیتا اور آج وہ ہم سب کے درمیان موجود نہ ہوتیں۔ میں جانتا ہوں باجی اور

میرا انصاف لینے کا طریقہ غلط تھا۔ لیکن میں پھر سے کہوں گا.. مجھے کوئی ملال نہیں ہے۔ اور باجی کو بھی نہیں ہو گا۔"

"تم نہیں جانتے، مومن، میں کس قرب سے گزر رہا ہوں۔" اس نے گردن کی پشت صوفے کے ساتھ ٹکائی تھی۔ کب سے تو وہ بس یہی سوچ رہا تھا کہ اس معاملے کو سنبھالے گا کیسے؟

"میں جانتا ہوں آپ کے لئے یہ سب آسان ہر گز نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ کسی کو سزا دینا چاہتے ہیں، تو مجھے دیں۔ باجی خوشیاں ڈیزرو کرتی ہیں۔ اگر وہ میرے بابا، شمسہ آنٹی، عالیہ آپی اور اپنے گھر والوں کا بدلہ نہ لیتیں تو آئمہ ریحام کے ہر روز کے بڑھتے جرائم ہماری زندگی دشوار کر دیتے۔ عالیہ آپی کے بعد ان کے نشانے پر آپ تھے، بھائی۔ اِشفا آپی آپ کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ جب بات آپ پر آئی تو انھوں نے وہ کیا جو انہیں ٹھیک لگا۔"

اس نے کچھ لمحوں کے لئے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ جن کی بالائی جلد مسلسل رونے کی مانند حد سے زیادہ سوجی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ "گھر جاؤ، مومن۔"

مومن نے اسے التجائی نظروں سے دیکھا۔اسی لئے اس نے اِشفا کو منع کیا تھا محمت کے پیچھے جانے سے۔وہ جانتا تھا کہ اگر دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو زندہ صرف ایک ہی بچے گا۔اور نتائج ایسے نکلیں گے کہ بات ہاتھ سے نکل جائے گی۔

وہ خاموش قدم اٹھاتا وہاں سے اٹھا اور دروازے کی اور چل دیا۔ایک آخری نگاہ اپنی باس پر ڈالی اور وہاں سے باہر نکلتا چلا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ہسپتال سے مہوین کے گھر تک کا ابھی پانچ ہی منٹ کا فاصلہ طے ہوا تھا۔وہ شیشے سے باہر منظر کو دیکھ رہی تھی۔گاڑی میں چھایا گہرا سکوت اُسے نیند کی وادی میں اتر جانے پر آمادہ کر رہا تھا۔پر وہ سونا نہیں چاہتی تھی سو اُس نے خود کو مصروف رکھنے کے لیے آنکھوں کو کام میں لانے کی ابتدا کر دی تھی۔

اس کے خیالات اپنی بہن کے گرد گھوم رہے تھے۔ کہ اچانک اس کے سامنے ڈیشبورڈ پر کچھ رکھا گیا۔ اس عمل سے نکلتی آواز نے اُسے رُخ پھیرنے پر مجبور کیا تھا۔ وہاں دو کانٹے رکھے تھے۔ اُس نے الجھتے ہوئے بنا انہیں چھوئے آگے کو ہوتے ان کا تفصیلی جائزہ لیا۔

حقیقت کا ادراک جیسے ہی ہوا، مہوین امین کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے تھوک نگھلتے اپنے آپ کو سیٹ کے ساتھ جوڑا اور لرزتی ہوئی پلکوں کے ساتھ ڈرائیو کرتے راحم کو دیکھا۔

جو پہلے سے ہی اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔ پر اُس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ ان کا زمرد حصہ روشنی چھلک رہا تھا۔ اس نے گھبراتے ہوئے پہلو بدلا۔ "یہ کیا ہے؟" اپنی آواز کا توازن برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی۔

"تمہاری امانت۔" ایک مرتبہ پھر وہ آپ سے تم پر آ گیا تھا۔ لیکن مہوین کا دھیان اس کے الفاظ سے زیادہ اُس بات پر تھا جس نے اس کے حوش اڑا دیے تھے۔

"میری امانت؟" انجان بننے کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

راحم نے اس کی غیر شناسائی پر اُسے گھور کر دیکھا تھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اُس نے گاڑی کو سڑک کے کنارے روکا اور سینے کے آگے ہاتھ باندھے۔ "آپ نے مجھ سے اپنی پہچان کیوں چھپائی؟"

وہ جانتی تھی وہ سب جان گیا ہے۔ اور دکھ بھی اسی بات کا تھا کہ وہ سب جان گیا ہے۔

"آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں، راحم؟" اس کی دونوں بھنویں بلند ہوئیں۔ حیرت کے زیرِ اثر وہ بس یہی سوچ سک رہا تھا کہ وہ ابھی تک اِس حقیقت کو کیسے جھٹلا سکتی ہے؟

"آپ اچھے سے جانتی ہیں میں کس بارے میں بات کر رہا ہوں۔" مہوین نے ذہنی طور پر آنکھیں گھمائیں۔ وہ اس وقت اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ سہل ہوگا کہ وہ کبھی بھی اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے چہرے کو اس کی طرف سے موڑتے ایک مرتبہ پھر سے شیشے سے باہر تکنا شروع کر دیا۔

"میری طرف دیکھیں۔ آپ مجھے اگنور نہیں کر سکتیں۔" پر وہ نہیں سن رہی تھی۔ راحم رضا احمد نے اس کے انداز پر ایک گہری آہ بھری۔ وہ اس پر غصہ نہیں کر سکتا تھا۔ "پوری زندگی میں آپ کی پہچان سے لاعلم رہتا تو پوری زندگی آپ مجھے لاعلمی میں رکھتیں؟"

اس کی بات پر مہوین متوجہ ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصے کی لہر اب صاف عیاں تھی۔ "اگر آج میں غائب ہو جاؤں.. تو آپ کو پل بھی نہیں لگے گا مجھے بھولنے میں۔ رہی بات پوری زندگی کی... تو پوری زندگی نہ آپ نے میرے ساتھ رہنا ہے اور نہ میں نے آپ کے ساتھ۔" وہ دبے الفاظ میں گویا ہوئی تھی۔

"آپ غائب ہوئی تھیں۔ اور میں نے آپ کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ آپ جانتی ہیں حقیقت پتا چلنے کے بعد میں کتنی تکلیف میں تھا کہ میں آپ کی حفاظت نہیں کر سکا؟"

مہوین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔اس نے تیزی سے دروازے کو کھولا اور سڑک پر پیر جماتے گاڑی سے باہر نکل گئی۔اُسے خود کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وقت درکار تھا۔ورنہ وہ جانتی تھی،غصے میں کچھ بھی بول جائے گی۔

اپنے پیچھے اُسے دروازہ بند کرنے کی آواز آئی تھی۔وہ اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔اس کے بھاری قدموں کی آواز اب قدرے بڑھ گئی تھی۔اس کے پیروں کی رفتار سے اپنے قدموں کی رفتار ملاتے وہ اس کے آگے آکر اس کا راستہ روک چکا تھا۔

"بنا جواب ملے میں آپ کو جانے نہیں دوں گا..."

"میں آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں ہوں.!"

وہ اس کی بات کو سرے سے ہی نظر انداز کر چکا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجھ سے اپنی پہچان کیوں چھپائی آپ نے؟ کیوں جھوٹ کہا مجھ سے؟ کیوں کر حقیقت سے آگاہ نہیں کیا؟ کیوں اتنی بے رخی سے پیش آتی رہیں؟ کیوں مجھ سے دور بھاگتی رہیں؟ کیا میں نے کوئی غلطی کی تھی؟ میرے سے کوئی کوتاہی ہو گئی کیا؟ یا سالوں پہلے میری کسی حرکت نے آپ کو مجھ سے بدگمان کر دیا؟"

سیاہ آسمان میں ارغوانی اور سفید رنگ میں لپٹی بجلی چمک رہی تھی۔ لیکن اُس بجلی کی دھاڑ سے قدرے اونچی آواز راحم کے لفظوں کی تھی۔ وہ جیسے ضبط ٹوٹنے کے دہانے پر کھڑا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مجھے... مجھے اِس بارے میں بات نہیں کرنی.."

الفاظ کی ادائیگی ہوتے ہی وہ اُس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ جو کہیں سے بھی نرم نہیں تھے۔ وہ پہلی دفعہ سوالات کے جوابات چاہتا تھا اور وہ جوابات ہی نہیں دے سکتی تھی۔

"کیوں نہیں کرنی؟ ایسا بھی کیا ہے جو آپ مجھ سے نہیں کہہ سکتیں؟"

وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ کہہ نہیں سکتی۔اور ملال بھی اسی بات کا تھا کہ وہ کہہ نہیں سکتی۔

"میری مشکلوں میں اضافہ مت کریں۔ہٹیں میرے راستے سے!"

وہ غصے سے پھنکاری تھی۔وہ اُسے قائل کر رہا تھا۔وہ ہر کسی سے قائل نہیں ہوتی تھی پر گمان تھا کہ اس سے ہو جائے گی۔

کوئی بھی بصارت رکھنے والا انسان بخوبی اِس بات کی تصدیق کر سکتا تھا کہ مہوین امین کو راحم رضا احمد پسند تھا۔پھر نا جانے کیوں اُسے ہی یہ نہیں دکھتا تھا جس کے لئے وہ تکلیف سے گزر رہی تھی۔

کیا وہ جان کر انجان بن رہا تھا یا جاننے کے لیے انجان بن رہا تھا؟

"نہیں ہٹوں گا۔آپ جہاں جہاں جائیں گی وہاں وہاں آپ کے پیچھے آؤں گا۔آپ کی ہر راہ میں کانٹے کی طرح ابھروں گا۔جب تک کہ آپ مجھے اِس ذہنی دباؤ سے آزاد نہیں کر دیتیں۔"

وہ خود کو اس کی راہ کا کانٹا قرار دے رہا تھا۔جبکہ مہوین کے لیے تو وہی راہ تھا اور وہی منزل۔

"میں تھک گئی ہوں، راحم۔مجھے گھر جانا ہے۔"

اس کی آنکھوں میں سمندر آہستہ آہستہ چڑھ رہا تھا۔وہ کمزور نہیں پڑ سکتی تھی۔

وہ کیوں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ کہتے ہوئے ڈرتی تھی؟یقیناًدل شکستہ وہ تب ہی خود کو پاتی تھی کیونکہ وہ نہیں سمجھتا تھا۔

"میں بھی تھک گیا ہوں، مہوین۔مجھے صرف سچ کی تلاش ہے۔میری مشکلیں آسان کر دیں پلیز..."

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں کیسے-"

"..مجھے اندھیرے میں رکھ کر آپ کو کیا مل جائے گا؟ میں مانتا ہوں میری موجودگی آپ کو نا گوار گزرتی ہے۔ میرا چہرہ دیکھ کر آپ کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔ مجھے اپنے ارد گرد پا کر آپ جگہ بدل لیتی ہیں۔ میں مانتا ہوں! اسی لئے بس اس بات کا جواب چاہیے مجھے۔ آخر کیوں ہوں میں آپ کو ناپسند... ایسا کیا کر دیا میں نے؟"

بجلی کی آواز سے اپنی آواز کو بڑھاتے وہ اب شدید غصے میں تھا۔ وہ بجلی کی ہی تیزی سے ایک قدم آگے بڑھی۔

"کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں...!"

وہ ساکت کھڑا رہا۔ اُسے دیکھے گیا۔ گمان ہوا تھا کہ شاید غلط سن لیا ہو۔ دونوں طرف سے الفاظ دم توڑ گئے تھے۔ بھوری آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ وہ اظہار نہیں کرنا

چاہتی تھی۔ کبھی بھی نہیں۔اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ گھر جائے گی تو زندگی میں آگے بڑھے گی اور مزید یہ کہ اس کا نام کبھی اپنی زبان پر نہیں لائے گی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر انگلیوں کے پوروں سے اپنے رخساروں پر پھسلتے قطروں کو صاف کیا۔

وہ کچھ کہہ نہیں رہا تھا۔وہ اسی تاثر کی امید رکھتی تھی۔وہ چپ چاپ سے اُسے دیکھ رہا تھا۔وہ جانتی تھی وہ بات نکلنے پر مایوس ہو گا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ سب جانتی تھی۔

بنا پلک جھپکائے اس کی نظر ایک سمت ایک چہرے پر ٹکی ہوئی تھی۔وہ حصے حصے، ذرے ذرے سے لفظ چن رہا تھا۔خود کو اپنی بیگانی کیفیت سے باہر دھکیل رہا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ اُسے چند اور مختصر ہی سہی پر کچھ الفاظ تو کہے۔

روبرو کھڑی لڑکی بھی اسی امید سے اُسے تک رہی تھی۔کہ وہ کچھ تو کہے۔

جب اگلے کچھ پل تک بھی جواب اس کے کان سے نہ ٹکرایا تو وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ پلٹ گئی۔ زِندگی میں پہلی مرتبہ اُس نے اظہار کیا تھا۔ ورنہ وہ جیسے بھی حالات سے دوچار ہو، کبھی بھی دل کی بات زبان کے کنارے تک نہیں لاتی تھی۔

یہ پہلی اور آخری دفعہ تھی۔

پلٹنا مشکل تھا۔ قدم بھاری اور بے آواز تھے۔ لیکن کھڑے رہنا اس سے بھی دل گرفتہ عمل تھا۔ وہ ہمیشہ ہار جاتی تھی۔ کبھی حالات سے، تو کبھی حالات پیدا کرنے والے سے۔

جہاں وہ اس وقت موجود تھی، وہاں سے اس کا گھر آٹھ منٹ کی مسافت پر تھا۔ وہ وہاں رکی نہیں بلکہ بھاگتی چلی گئی۔ اُسے کیسے بھی کر کے گھر جانا تھا اور بہت سارا رونا تھا۔

پچھلی مرتبہ صرف امید ٹوٹی تھی۔ مگر اس دفعہ مہوین امین ٹوٹی تھی۔

تین روز بعد ازاں

آپس میں گوند کی طرح جڑی آنکھیں لرزتے ہوئے جدا ہونے لگیں۔ سیاہی چھٹی اور دھندلائے ہوئے منظر کا چہرہ ابھرنے لگا۔ جسم کو ہلانے کے عمل کے لئے وہ کوشاں تھی۔ مگر سینے میں اٹھتی ٹیسیں اُسے ایک جگہ ہی جمے رہنے پر آمادہ کر چکی تھیں۔

لمحے بعد دونوں ہاتھوں کی انگلیاں یکایک ہلنے لگیں۔ جو کہ اُسے اکڑی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ اس کے جسم کے حصے حصے میں ٹھنڈ سے لیز لہریں دوڑنے لگیں۔

دھیرے دھیرے ہی سہی پر منظر صاف ہونے لگا تھا۔ اس کی نگاہوں کے حصار میں سفید رنگ کی دیوار آئی تھی۔ جو کہ چھت تھی۔ وہاں سے نظر ہٹی تو سامنے کی سمت جا اٹھی۔ ہلکے بھورے رنگ کا دروازہ آدھ کھلا تھا۔

دل کیا کہ گردن ہلا کر اطراف پر نظریں ڈالے پر یہ عمل کرنا بھی محال تھا۔ دونوں بازوؤں پر زور ڈالتے اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اٹھ پاتی اس کے حلق میں خراش ہوئی جس سے وہ زور زور سے کھانسنے لگی۔

کھانسنے کی وجہ سے سینے میں جان نکال لینے والا درد اٹھا اور وہ فٹ سے واپس لیٹ گئی۔ تب ہی اُسے بھاری بھاری قدموں کی آواز دائیں سمت سے آئی۔ "آپی.. اِشفا آپی۔"

کسی نے اُسے گلے سے لگایا تھا۔ وہ جانتی تھی اس وقت ہسپتال میں تھی۔ پر تعجب تو اس بات پر تھا کہ بچ کیسے گئی؟ حالانکہ اُسے پوری امید تھی اس دفعہ نہیں بچے گی۔

مہوین کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اب اس کی مریضوں والی قمیض کے کندھے کو تر کر رہے تھے۔ پھر اس نے مومن کو مہوین کے ساتھ کھڑا پایا۔ مومن آنسو چھپانے کی خاطر کھل کر مسکرا رہا تھا۔

"باجی..."ضبط ٹوٹا تو بچوں کی طرح دونوں ہونٹ باہر کی طرف آئے۔آنسو ایک کے بعد ایک نکل کر چہرے پر پھیلنے لگے۔وہ مسکرا بھی رہا تھا اور رو بھی رہا تھا۔"...کیسی ہیں آپ؟"

اس نے دائیں ہاتھ کو بستر پر ہی رکھے رکھے انگھوٹے کو ہوا میں اٹھایا۔جیسے کہہ رہی ہو ایک دم اچھی ہوں۔اس کی اِس حرکت پر وہ دونوں کھل کر مسکرائے تھے۔

اس کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ لمحے بعد زائل ہوئی تھی۔تکلیف کے آثار واضع تھے۔ جیسے ہی مہوین اس سے الگ ہوئی۔اس نے دائیں ہاتھ میں جان ڈالتے بائیں ہاتھ میں پیوست ڈرپ کی سوئی کو نکال باہر کیا۔جہاں سے اب خون رسنے لگا تھا۔اگر ہاتھ سے سوئی نہ نکالتی تو تکلیف سے دوچار ہوئی رہتی۔

"یہ کیا کیا؟"مومن نے مایوسی سے اُسے دیکھا۔جو ہاتھ سے کسی چیز کا اشارہ کر رہی تھی۔ ایک بھی پل ذائع کیے بنا مہوین نے پانی سے بھرا گلاس اس کے لبوں سے لگایا تھا۔جسے وہ غٹا غٹ حلق سے نیچے اتار گئی تھی۔شہادت کی انگلی ہوا میں اونچی کی تو مہوین نے اُسے ایک اور گلاس پانی پلایا۔

پھر اِشفا کے سر کے نیچے رکھا سرہانا اونچا کیا اور وہ اُس سے پشت ٹکا گئی۔ پھر مسکراتے ہوئے مہوین کا ہاتھ تھاما اور اُس کی ہتھیلی کو چوما۔ "میری جان.. کیسی ہو؟"

اس کی آواز جب ان دونوں کے کانوں سے ٹکرائی تو ان دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ آن بیٹھی تھی۔ کتنے ہی وقت بعد وہ اس کی پُر امن آواز سن پائے تھے۔

"ٹھیک ہوں، آپی۔ پہلے نہیں تھی پر اب بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ کو دھیرے دھیرے مسل رہی تھی۔ "مومن جاؤ ڈاکٹر کو بلا کر لاؤ۔"

حکم کو بجالاتے وہ تیزی سے کمرے سے نکلا تھا۔ اِشفا نے تب ہی مہوین کا ہاتھ زور سے دبایا تھا۔ "اداس کیوں لگ رہی ہو، وینی؟"

اس نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔ "نہیں ہوں اداس۔ میں تو بہت خوش ہوں۔" وہ پرکھ گئی تھی کہ اس کے الفاظ اس کی آنکھوں سے میل نہیں کھا رہے۔

"راحم بھائی کدھر ہیں؟"

اس کے نام کی پکار سنتے ہی مہوین کا دل زور سے دھڑکا تھا۔اس نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کے لئے شانے اچکا دیئے۔"اور..المیر؟"

بڑی مشکل سے وہ اس کا نام لے پائی تھی۔

"بھائی کو میں نے زورزبردستی کر کے ناشتہ کرنے بھیجا تھا۔بیچارے نے پچھلے تین روز سے کچھ نہیں کھایا۔پھر وہاں سے کہیں چلے گئے۔"

"مجھے یہاں تیسرا روز ہے آج؟"اس نے سر ہلا کر بات کی تصدیق کی تھی۔اِشفا نے ایک گہرا سانس لیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

تب ہی قدموں کی آواز آئی اور دروازے سے ہوتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اندر آئے تھے۔ انھوں نے اِشفا سے اُس کی طبیعت پوچھنے کے بعد اُس کے اسرار کے باوجود دوبارہ سے ڈرپ لگائی تھی۔اور تاکید کر کے گئے تھے کہ اب نکلنی نہیں چاہیے۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد مومن اندر آیا تھا۔اور اس کے ساتھ وہاج بھی۔وہاج نے آتے ہی اِشفا کو غلاب کا گلدستہ تھمایا تھا اور ایک کارڈ بھی۔جس پر get well soon درج تھا۔

"بھابی آپ کے ہسبنڈ تو ادھر نہیں ہیں۔پر میں آپ کو ان کا نظارہ کروا سکتا ہوں۔ایک منٹ رکیں.."مومن کمرے میں رکھے صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔جبکہ مہوین بستر کے ساتھ رکھی کرسی پر آرام سے بیٹھ کر وہاج کی حرکتیں ملاحظہ فرما رہی تھی۔

اِشفا کی ابرو چند لمحے کے لیے بالا ہوئی۔پھر اس نے جواب مثبت دیا تو وہاج نے فوراً آگے ہو کر ریموٹ کی مدد سے ٹی وی چلایا تھا۔چینل کو بدلتے وہ اپنے مطلب کا چینل لگا چکا تھا۔

اسکرین پر ایک صحافی مسلسل خبریں دے رہا تھا۔اس نے آواز قدرے بڑھائی تھی۔اور اچانک ہی صحافی اسکرین سے غائب ہوا تھا اور منظر بدل چکا تھا۔

"ایک مرتبہ پھر مال روڈ کے کھنڈر کو جائے مرگ میں بدل دیا گیا۔جی ہاں ناظرین، ریٹائرڈ اے ایس پی رمیض جابر جن کو جمال احمد نامی شخص کو قتل کرنے کے الزام میں اندر کیا گیا تھا،ان ہی کی ملکیت کو ایک مرتبہ پھر سے خون سے رنگ دیا گیا۔"اس نے بیچ میں چند لمحوں کا توقف پیدا کیا۔"صدر راولپنڈی میں تین روز پہلے ایک دل دہلا دینے والا واقعہ پیش آیا۔ جب ایک ساتھ گولیاں چلنے کی آوازیں سنی گئیں تو پولیس تحقیقات کے لیے جائے واردات پر پہنچی۔اس سے آگے کی کہانی جانتے ہیں ایس ایچ او المیر خلیل سے..."

مائک المیر کی جانب کیا گیا جو کہ گہرے نیلے رنگ کی شلوار قمیض پہنے کھڑا تھا۔چہرے پر ہمیشہ کی سی سختی عیاں تھی۔سیاہ رنگ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ایک گہری نگاہ کیمرے پر ڈالتے وہ سخت نظر سے سامنے کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"..جی تو ایس ایچ او صاحب۔۔ ہمیں تفصیل سے بتائیں اس روز کیا واقعہ رونما ہوا تھا۔"اس کے چہرے کا اجاڑ پن اِشفاہر زاویے سے پرکھ چکی تھی۔

وہ ایک دم پُر سکون تھی۔اُسے اچھے سے علم تھا کہ اگلے کچھ جملے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتے ہیں۔وہ جانتی تھی کہ المیر خلیل اپنی نوکری سے بیوفائی نہیں کر سکتا۔اُسے انصاف کا مظاہرہ کرنے کی دیرینہ عادت لاحق تھی۔وہ اپنے بیانات میں جھوٹ کی ملاوٹ ہرگز بھی نہیں کرتا تھا۔

"سب سے پہلے میں ہی جائے واردات پر پہنچا تھا۔میرے سپاہی کسی دوسرے کرائم سین پر تفتیش کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔"ایک گہرا سانس اندر کھینچا۔"جب میں داخل ہوا تو مجھے لاشیں بے سُدھ وہاں پڑی نظر آئیں۔سب سے پہلے میں اُس لاش کی اور گیا جو مجھ سے چند قدموں کی دوری پر تھی۔وہ شخص منہ کے بل زمین پر گرا ہوا تھا۔جب میں نے اُسے سیدھا کیا تو دیر رات بارش ہونے کی وجہ سے اُس کا چہرہ ہر طرح سے مٹی سے لتپت تھا۔"

"میں نے جب اُس کے چہرے سے مٹی صاف کی تو دیکھا کہ وہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ میرا خاص سپاہی محمت جہانگیر تھا۔ جو پچھلے کئی سالوں سے میرے ساتھ کام کر رہا تھا۔ اُسے کسی نے آنکھوں کے درمیان.. "پیشانی پر ٹھیک اسی جگہ شہادت کی انگلی رکھی۔ "... گولی ماری تھی۔ وہ مر چکا تھا۔ مزید قدموں کے فاصلے پر ایک اور جسم بھی بے سُدھ پڑا تھا۔ وہ.. وہ ایک صحافی تھیں۔ اِشفا امین۔ غلط وقت پر غلط جگہ پر موجود ہونے کے باعث ان کے ساتھ یہ سب ہوا۔ یونیوز کے مالک سے بھی بات ہوئی ہے جو کہ ان کے باس ہیں۔"

"انھوں نے بتایا کہ اِشفا امین بِلا شبہ اس بات سے باخبر تھیں کہ کھنڈر ایک مرتبہ پھر سے آباد ہو رہا ہے۔ ان کا تجسّس انہیں وہاں کھینچ کر لے گیا۔"

صحافی ہولے سے ہنسا تھا۔ "اشفا امین کو کون نہیں جانتا؟ وہ اپنی حرکات کو لے کر خاصی مشہور ہیں۔ لیکن اس دفعہ وہ صرف ایک صحافی نہیں ہیں... آپ کی زوجہ بھی ہیں۔ جی تو ناظرین..." اس نے کیمرے کی جانب رُخ کیا۔ "... ماہر صحافی اِشفا امین چونکہ اسلا آباد کے ایس ایچ او المیر خلیل کی منکوحہ ہیں.. اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ المیر خلیل ہمیں کھنڈر پر اِشفا

امین کے ساتھ پیش آئے واقعات سے آگاہ کریں.. عوام جاننا چاہتی ہے کہ آخران کے ساتھ ہوا کیا تھا.."

اس نے گہری نگاہ سے صحافی کے چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھتے وہ سیدھا ہوا۔ "اِشفا امین رات کے سناٹا خیز پہر کھنڈر پر خفیہ کوریج لینے کی غرض سے گئی تھیں۔ یہ بات ان کا معاون مومن علی جانتا تھا۔ وہ گواہی بھی دے چکا ہے۔ مومن علی کا کہنا ہے کہ صحافی صاحبہ اور اُسے کہیں سے خبر ملی تھی کہ کھنڈر کو نئے سرے سے تعمیر کیا جا رہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ سانحہ کے روز دوپہر میں ہی ان دونوں کو خبر ملی تھی کہ کھنڈر میں غیر قانونی اسلحہ چھپا کر رکھا گیا تھا۔ جسے وہ اسی رات وہاں سے کہیں اور منتقل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ اِشفا امین کھنڈر کی صرف باہر سے ہی تصاویر لینا چاہتی تھیں... جس سے ہم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ انھوں نے وہاں محمت کو دیکھ لیا ہوگا۔ جس کے باعث ان کا تجسّس انہیں اندر تک کھینچ کر لے گیا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تعمیر شدہ عمارت کے اندر ہر قدم پر لاشیں تھیں۔ محمت کے علاوہ باقی تمام افراد زندہ تھے۔ بس ہوش میں نہیں تھے۔ پولیس کو کافی عرصے سے ان کی تلاش تھی۔اس لئے انہیں ہوش میں لاتے ہی اپنی حراست میں لے لیا گیا۔"

اِشفا نے ایک گہری آہ بھرتے پشت ٹکائی۔ایک مدھم سی مخصوص مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر حاضر ہوئی تھی۔وہ تین لوگ کبھی اس کو تو کبھی ٹی وی کی سکرین کو دیکھ رہے تھے۔

مہوین نے اپنی بہن کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔جبکہ مومن کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔اس کمرے میں مومن اور اِشفا کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ المیر اِشفا کے ساتھ پیش آئے واقعے کو بیان کر رہا ہے۔

"ان سب کا کہنا ہے کہ کسی مضبوط انسان نے ان کے ساتھ ہاتھا پائی کی تھی۔ لیکن آگے کے واقعات فرضی ہیں۔ پولیس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اِشفا امین کے وہاں پہنچنے سے پہلے کوئی وہاں آیا اور اُس نے محمت کے ساتھ ملوث بندوں کو اپنے نشانے پر رکھا اور خوب مار پیٹ کی۔

شاید محمت جہانگیر اسی پُراسرار واقعے کی تحقیق کرنے دوسری منزل سے پہلی منزل پر آیا ہوگا جب صحافی صاحبہ نے اُسے وہاں دیکھ لیا۔ وہ اندر گئی ہوں گی...ان سے بات کرنے.. محمت پکڑے جانے کے ڈر سے یقیناً خوف زدہ ہوا ہوگا۔ دونوں کو گہری چوٹیں آئی ہیں.. جس سے یہی اندازہ لگایا گیا ہے کہ محمت نے اِشفاامین کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی اور جوابی کارروائی میں صحافی صاحبہ نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر پیشانی سے بال سرکائے۔ اس کا چہرہ بلاشبہ کشمکش کا شکار ہونے کی عکاسی کر رہا تھا۔

مومن نے خوشگوار حیرت سے اِشفا کو دیکھا۔ جو مسکراتے ہوئے اپنے شوہر کو زندگی میں شاید پہلی دفعہ اتنی صفائی سے جھوٹ بولتے دیکھ رہی تھی۔

"محمت جہانگیر کے مقابلے میں اِشفاامین کو گہری چوٹیں آئی ہیں۔ اِشفاامین کے پاس سے ہمیں جو پستول ملی ہے وہ محمت کی تھی۔ ہاتھاپائی کے دوران انھوں نے اپنے بچاؤ کے لیے اس سے اس کی پستول چھین لی ہوگی۔ جس سے نکلنے والی گولی محمت کے ماتھے پر لگی تھی۔ جبکہ محمت کے پاس اٹھائی ہوئی پستول غیر قانونی طور پر حاصل کیے گئے اسلحے میں سے لی گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جس سے دو گولیاں نکلی تھیں۔ایک اِشفاامین کے پیٹ میں اور دوسری ان کے سینے پر لگی تھی۔"

"یعنی محمت کا قتل مکمل سیلف ڈیفنس تھا۔"المیر نے سر اثبات میں ہلایا۔"اور آس پاس کے سی سی ٹی وی کیمرے کیا کہتے ہیں؟"

"مال روڈ پر لگے سی سی ٹی وی کیمرے ایک عرصے سے کام نہیں کرتے۔کچھ دکانوں کے فاصلے پر ایک کیمرہ سلامت تھا لیکن اُس روز کی برستی موسلادھار بارش کے باعث فوٹیج دھندلی ہے۔اُسے صاف کروانے کی کوشش بھی رائیگاں گئی ہے۔اس کے علاوہ پولیس اب تک صرف اس نتیجے پر پہنچ پائی ہے کہ محمت غیر قانونی کاموں میں ملوث تھا۔وہ لوگ جو ہمیں بے ہوش حالات میں ملے انھوں نے اس کے لئے کام کرنے کا اعتراف کر لیا ہے۔"

"کھنڈر پر عمارت تعمیر کی جا رہی تھی۔اس کے علاوہ قانون کو مطلوب افراد کے اُس گروہ نے اقبالِ جرم کیا کہ محمت کی نگرانی میں غیر قانونی اسلحہ کی آمدورفت جاری تھی۔وہ لوگ اُسی کی دیکھ بھال کے لئے متعین کیے گئے تھے۔ان زخمیوں کو دیکھ کر پتا چل رہا تھا کہ جس کسی

نے ان کی یہ حالت کی تھی..."آنکھیں قدرے چھوٹی کیں۔"...وہ ایک طاقت ور انسان تھا۔ جیسے وہ جرم کو سرے سے مٹانا چاہتا ہو۔"

"آپ کے ان کے ساتھ ملوث ہونے کے اب تک کتنے ثبوت مل پائیں ہیں پولیس کو؟" صحافی نے سوال کیا تھا۔

"محمت جہانگیر میرا سب سے اعتبار کے قابل سپاہی تھا۔ لیکن... تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ کھنڈر محمت نے خرید لیا تھا۔ بظاہر تو کسی امان نامی شخص نے کھنڈر کی حقِ ملکیت کے کاغذات پر دستخط کیے ہوئے تھے۔ لیکن گہرائی میں تحقیق کرنے کے بعد سچائی سامنے آئی کہ امان محمت کا دوست تھا۔ جس نے اسی کے کہنے پر وہ زمین خریدی تھی۔ محمت عمارت کے اندر غیر قانونی اسلحہ اور منشیات فروشی کا کام کر رہا تھا۔"

"اس کے علاوہ عامر علی، رحمان امین اور دیگر مقتولوں کی قاتلہ آئمہ ریحام کے ساتھ محمت جہانگیر کو تحقیق پر شریک جرم پایا گیا ہے۔ آئمہ ریحام اپنے ساتھ ملوث شخص کے ساتھ ایک خفیہ فون کے ذریعے زیرِ گفتگو تھیں۔ پولیس نے پہلے بھی اُس سم کے ذریعے آئمہ ریحام کے

معاون تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ پر سم بند تھی اس لیے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لیکن جب پولیس نے محمت کے گھر کی تلاشی لی تو محمت کے گھر سے ملنے والے فون میں وہی سم موجود تھی جس پر آئمہ ریحام کال کرتی رہی ہیں۔ قتل کہاں اور کیسے کرنے ہیں، ایک ایک میسیج اُس پر موجود تھا۔"

"ان میسیجز میں آپ کو کیا ملا؟"

"مقتولوں کے نام اور جائے مرگ کا پتہ۔ جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ آئمہ ریحام نے محمت سے ہی وہ قتل کروائے تھے۔"

"اِشفاامین کی صحت یابی کے حوالے سے آپ کیا جانتے ہیں؟"

"وہ ابھی ہسپتال میں ہیں۔ ان کے ہوش میں آتے ہی ان سے مکمل تحقیق کی جائے گی اور پھر مزید کارروائی ہوگی۔"

ابھی خبریں جاری ہی تھیں جب راحم رضا احمد کمرے میں داخل ہوا۔اس کی نظر سب سے پہلے مہوین پر ہی پڑی تھی۔ جو اس کی طرف کمر کر کے بیٹھی ہوئی تھی۔اِشفا نے جب اُسے داخل ہوتے دیکھا تو کھل کر مسکرائی۔"راحم بھائی...ابھی میں آپ ہی کا مہوین سے پوچھ رہی تھی۔"

اس کے نام پر تو جیسے مہوین کو کرنٹ لگا تھا اور وہ بل کھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ روشنی کی مانند اس کے پاس سے گزرتی وہ وہاج کے ساتھ صوفے پر جا بیٹھی تھی۔

راحم نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈال کر آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا تھا۔"کیسی ہو جاسوسہ؟"

لقب پر اِشفا کھی کھی کرتی ہنسنے لگی۔"بہت اچھی ہوں۔"وہ سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔"سینے پر گولی کھانے کے بعد صرف اِشفا امین ہی یہ کہہ سکتی ہے۔میں تو سوچ رہا ہوں المیر کی چھٹی کر کے تمہیں اس کی جگہ ایس ایچ او منتخب کر لوں۔"

اس کی بات پر سب نے ایک ساتھ قہقہ لگایا تھا۔بس ایک مہوین ہی سمٹی سی بیٹھی تھی۔

"جب مجھے المیر نے بتایا کہ تم جائے واردات پر غلط ٹائم پر
موجود تھیں تو میں دو دن تک تو یقین ہی نہیں کر پایا کہ تم اتنی دلیر ہو سکتی ہو کہ وہاں بھی
صحافت کے جوہر دکھانے پہنچ گئیں۔" وہ حقیقت سے واقف تھا۔ پر باقیوں کے سامنے سچائی
سے پردہ نہیں اٹھا سکتا تھا تو اسے اتنا ہی کہنا ٹھیک لگا۔ اِشفا تو اُس کی بات پر بس دانت نکال رہی
تھی۔

اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ جان گئی تھی کہ وہ اصلیت سے آشنا تھا۔ اُسے اتنا تو
اندیشہ تھا ہی کہ راحم اُسے اُس کی اِس حرکت پر سپورٹ کرے گا۔ بس مسئلہ تھا تو صرف المیر
خلیل کا۔

ابھی وہ اس کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ اس کی نظر دو سراپوں پر گئی۔ جو نا جانے کب
سے دروازے میں کھڑے تھے۔ اس کی آنکھیں ان ہلکی بھوری آنکھوں سے ملی تھیں۔ ان
آنکھوں کا مالک رو رہا تھا۔

اُسے کمرے میں آتا دیکھ ہر کوئی بستر سے دور ہو گیا تھا اور جو بیٹھے ہوئے تھے وہ ایستادہ ہو گئے تھے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اُس تک آ رہا تھا۔ دھیرے دھیرے۔ ہر قدم دونوں کی دھڑکنوں کو بڑھا رہا تھا۔

اِشفا امین کے ذہن میں ہلچل ہوئی تھی۔ وہ اسی لمحے اپنے اوپر سے چادر ہٹا چکی تھی۔ اپنے جسم میں اٹھتے درد کو نظرانداز کرتے اس نے خود کو آگے کی طرف گھسیٹا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اس کا بھائی تھا۔

راحیل۔

راحیل جیسے ہی اس کے مقابل آیا، اس نے اِشفا کے آگے بیٹھتے اُس کے گرد بازو حائل کر لئے تھے۔ وہ اونچا اونچا رو رہا تھا۔ اِشفا نے بھی اُس کے گرد بازو باندھے تھے۔ وہ بچوں کی طرح اُس سے لپٹ گیا تھا۔

سب انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ پچھلے دو دنوں سے وہ بس اسی بات کی مالا جپ رہا تھا کہ اُسے اپنی بہن سے ملنا ہے۔اور آج یہ ممکن ہو گیا تھا۔

"آپی کی جان..." وہ اس کی کمر سہلا رہی تھی جس کے رونے میں کئی زیادہ زیادتی ہو گئی تھی۔

اِشفا نے اُسے خود سے الگ کرتے اُس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرا تھا۔ پھر اُس کی پیشانی چومتے اُس کے گال باری باری چومے تھے۔

وہ بس اُسے مبہوت نظروں سے تک رہا تھا۔اُس نے زندگی میں صرف ایک خواہش کے پورے ہونے کی جی جان سے دعا کی تھی۔اور آج وہ دعا قبول ہو گئی تھی۔وہ اپنی دونوں بہنوں سے مل چکا تھا۔اس سے زیادہ اس کی زندگی مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے بچوں کی طرح ناک رگڑی۔"اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو..؟"اب وہ اپنے رخسار صاف کر رہا تھا جن پر اِشفا نے پیار دیا تھا۔اُس کی اس حرکت پر سب کی ہنسی نکلی تھی۔

وہ اِشفا کے ہاتھ کی پشت کو اپنے چہرے سے لگا رہا تھا۔اور وہ مسکراتے ہوئے اُس کے گال کھینچ رہی تھی۔جب وہ باری باری دونوں ہاتھوں سے وہ عمل دوہرا چکا تو ایک مرتبہ پھر سے اِشفا سے آن لگا تھا۔

وہ اس کی اِس حرکت پر کھل کر مسکرائی تھی۔"ہم سب باہر جاتے ہیں آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں، آپی۔"مہوین کی آواز پر اِشفا نے اُسے دیکھا تھا۔پھر راحیل کے ہاتھ پر پیار دیتی وہ اُس سے الگ ہوئی۔

سب نے مہوین کی بات کی تائید کرتے اس کے مشورے کے مطابق ایک ایک کر کے کمرے سے نکلنا شروع کر دیا تھا۔

اب کہ کمرہ ایک دم خالی تھا۔وہ بستر کے کنارے پر آن پہنچی تھی۔چادر کو دونوں ہاتھوں میں جکڑتے اُسے آخری دفعہ رونما ہوئے واقعات یاد آنے لگ گئے تھے۔

ناولز کلب

اگر وہ محمت کو نہ مارتی تو محمت اُسے مار دیتا۔اور وہ کبھی بھی اپنے اپنوں سے نہ مل پاتی۔راحیل کو سینے سے لگانے کی چاہ کہیں اندر ہی دل میں دب جاتی اور اسی کے ساتھ اُس پر مٹی ڈال دی جاتی۔

وہ آخری چہرہ المیر کا تھا جو اس نے آنکھیں بند کرنے سے پہلے اپنے ذہن میں قید کر لیا تھا۔

اُسے وہی یہاں لایا تھا۔

پر وہ آیا کیوں نہیں تھا ابھی تک؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ بستر کی دائیں طرف بیٹھے بیٹھے نظریں سامنے اٹھا گئی تھی جہاں باتھروم تھا۔اس نے اپنے پیر ایک ایک کر کے ٹھنڈے فرش پر رکھے تو جسم میں کپکپاہٹ کا مختصر احساس پیدا ہوا۔

فرش پر اس کے پاؤں سے قدرے بڑے مردانہ سلیپر رکھے ہوئے تھے۔جن میں اب وہ پیر ڈال رہی تھی۔جب ٹھیک سے پہن لئے تو ڈرپ کے اسٹینڈ پر ایک ہاتھ جماتے اس نے دوسرے ہاتھ پر زور ڈالتے خود کو کھڑا کیا تھا۔

ایک قدم آگے بڑھایا تو کمر میں عجیب سا درد اٹھا۔ آنکھیں میچتے اس نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا۔ سوچا کہ مہوین کو مدد کے لئے بلا لے۔ لیکن اس کے لئے بھی اس کا دروازے کے قریب جانا لازمی تھا۔ گلا اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ یہاں سے آواز لگانے کی کوتاہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

دروازے تک جانے کی غرض سے اس نے مزید ایک قدم آگے لیا جب اچانک اس کا پیر جوتی سے باہر کی طرف نکلا اور وہ چند قدم آگے ہوئی۔ جھٹکا اس قدر تیز اور درد جگا دینے والا تھا کہ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب تو پکا زمین بوس ہو گی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ گرتی، کسی نے اُسے بازوؤں سے تھام کر سیدھا کیا تھا۔ چہرہ اوپر کر کے مددگار کو دیکھا۔ سُرمئی آنکھیں، سیاہ گھنگھریالے بال اور گندمی رنگت۔

اِشفافوراً اُس سے دور ہوئی تھی۔اُس کے خود کو مکمل دھکا دینے کے انداز پر المیر نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔"کیوں آئیں ہیں اب؟ضرورت کیا تھی آنے کی؟میری تو کوئی فکر ہی نہیں ہے آپ کو۔بیوی چاہے مر جائے،آپ کو اپنی نوکری زیادہ عزیز ہے۔"

وہ جو تین دن سے یہ سوچ رہا تھا کہ جاگے گی تو کیا کیا باتیں سنائے گا۔صرف اتنا ہی نہیں اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر مکمل طور پر خود کو تیار کیا تھا۔کہ پگھلے گا تو ہرگز بھی نہیں۔پھر چاہے جو مرضی ہو جائے۔

لیکن اس کی آواز سنتے ہی وہ پل میں پگھلا تھا۔یہ آواز تو سننے کے لئے وہ ساری رات اس کے سرہانے بیٹھا رہتا تھا۔یہی خیال آتا کہ کب ہوش میں آجائے اور کچھ کہنے لگے۔

اس نے چند قدم بڑھائے اور اُسے شانوں سے تھام کر اُس کا توازن برقرار کیا۔اُس کے مسلسل جاری تردّد کو ہر طرح سے نظرانداز کرتے اُس نے اُسے سینے سے لگایا تھا۔چند لمحوں کی مزاحمت کے بعد وہ چپ ہو گئی تھی۔

“Ma vie est centrée sur toi. Je ne peux pas te perdre"

(میری زندگی تم پر مرکوز ہے۔میں تمہیں کھو نہیں سکتا۔)

اس کے گرد باندھے اپنے حصار کو توڑتے اس نے بضد سی اِشفا کے جکڑے ہوئے بازوؤں کو اپنے گرد باندھا تھا۔غصے سے ہی سہی پر کم از کم اُس کی بیوی اُس سے بولی تو۔

وہ دلکشی سے مسکرا رہا تھا۔پچھلے تین دنوں میں یہ پہلی دفعہ ہوا تھا۔مختصر لمحات کے گزر جانے کے بعد وہ اس سے الگ ہوئی تھی۔اس کا موڈ اب کافی حد تک بہتر ہو چکا تھا۔لیکن چہرے کے تاثرات نہ بدل پائے تھے۔

اکھیاں سکیڑ کر اُسے دیکھے گئی۔پھر ہاتھ بڑھا کر اُس کے بے ترتیب بالوں کو ترتیب دے کر پیشانی پر پھیلا دیا۔

"یہ مت سمجھنا میں پگھل گیا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں خود سے نتیجے آخذ نہیں کرتی جب مجھے پورا یقین ہو۔" وہی اندازِ بے نیازی۔ وہی باور کروانے والی مسکراہٹ۔

اس نے دونوں ابرو اُچکاتے سر کو تاسف میں ہلایا۔ "تم نے گیارہ مہینے میرا دماغ گھمایا ہے۔ لیکن اس سے پہلے میں تم سے خود پر تشدد کا حساب لینا چاہتا ہوں۔"

"تشدد... کیسا تشدد؟" وہ سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتے کراہتی ہوئی واپس بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔

"وہ جو میرے گھر میں گھس کر تم نے مجھے مارا تھا..." یاددھانی پر اشفا کا منہ کھل گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہنسی بھی آئی۔ ایک نظر سینے کے آگے ہاتھ باندھ کر ایستادہ المیر پر ڈالی اور دوسری پہلو میں گرے ہاتھوں پر۔

"اگر میں آپ کے حملے کا جواب نہ دیتی تو آپ میرا ماسک نکال لیتے۔ سارا پلان دھرا کا دھرا رہ جاتا۔" ڈرپ کے اسٹینڈ کو اپنی اور کھینچتے ہوئے کہا گیا تھا۔

"اپنے پلان کی خاطر تم نے شوہر کی ناک توڑ دی؟ اللہ معاف کرے، کیسی بیوی ہو تم..." باری باری دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا گیا۔

"آپ نے جو میری کمر میں گھونسہ مارا تھا... اس کا کیا، ہاں؟" اس نے شہادت کی انگلی غصے سے ہوا میں اٹھائی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اب کوئی غیر بندہ سیاہ کپڑے پہن کر آدھی رات کو میرے کمرے میں گھسے گا تو میں اس کے ساتھ برف پانی تو کھیلنے سے رہا۔" اِشفا کو اُس کے الفاظ کے چناو پر ہنسی آئی تھی۔

"بجائے یہ کہ آپ مجھ سے سوال کرتے کہ میں وہاں کیا کر رہی تھی، آپ نے سیدھا حملہ ہی کر دیا... بھلا ایسے کوئی کرتا ہے کیا؟"

"اس کے بعد کیا سوال کرتا... یہ کہ ایجنٹ جی چائے میں چینی کتنی چمچ لیں گے ؟"اِشفا کو اس کے انداز پر ایک مرتبہ پھر سے ہنسی آئی تھی۔"صرف یہی نہیں... تمہارے پیچھے میں بہت خجل ہوا ہوں، ایجنٹ ایلیون۔ تم ایک دفعہ ٹھیک ہو جاؤ.. چن چن کے بدلے لوں گا۔"

اس نے آنکھیں گھمائیں۔"پہلے یہ بتائیں میرے جاگنے سے پہلے آپ کو میرے پاس ہونا چاہیے، کہاں تھے آپ؟"

"کیوں بتاؤں کہاں تھا؟ تم نے مجھے بتایا تھا تم ایجنٹ ہو؟"روٹھا ہوا چہرہ لئے وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔اِشفا کو اس کی حرکت قدرے پیاری لگی تھی۔

"اس بات کا اُس بات سے کیا تعلق؟"ابرو بالا کر کے پوچھا گیا۔

"بہت گہرا تعلق ہے۔اگر تم ایجنٹ نہ بنتیں تو آج ادھر نہ ہوتیں۔ادھر نہ ہوتیں تو میں نے پچھلے تین روز رو رو کر نہ کاٹے ہوتے.."

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ فاصلے سے بس اتنا اندازہ لگا سک رہی تھی کہ المیر کی آنکھوں میں آنسو تھے۔وہ چہرہ جھکا کر اُس سے نظریں چُرا رہا تھا۔

"آپ میرے لئے روتے رہے ہیں...اتنی اچھی لگتی ہوں میں آپ کو؟" کھلکھلا کر گویا ہوئی۔تاکہ اس کا شوہر رونے نہ لگے۔

"صرف اچھی؟Je suis amoureux de toi"(میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔)

اس کی مسکان کشادہ ہوئی تھی۔فرینچ زبان تھی ہی اس قدر حسین یا المیر خلیل اُسے سننے لائک بنا دیتا تھا؟

"مجھے لگا تھا آپ مجھے ہتھکڑی پہنا کر قیدی بنا دیں گے.." وہ لب کاٹتے ہوئے کہہ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اس کے تاثرات کا مکمل جائزہ لے رہی تھی۔

"تم سے عشق نے مجھے غدار بنادیا۔اگر ضرورت پڑتی تو میں تمہارا جرم اپنے سر لے لیتا..."

وہ بڑی چاہت سے کہہ رہا تھا۔آنکھوں میں صدق تھا۔وہ واقعی حقیقت بیاں کر رہا تھا۔

"زندگی کے کسی موڑ پر اگر کبھی آپ کو پچھتاوا ہوا تو...؟"المیر نے دونوں کونیوں کو ٹانگوں پر رکھتے ہاتھ ایک دوسرے میں پیوست کیے تھے۔وہ ان پر اپنا چہرہ رکھ کر اُسے دیکھ رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کیسا پچھتاوا؟"

"یہی کہ کاش اس آفت کو وقت رہتے جیل میں ڈال دیتا.."

"میں نے کہا تھا... تم ایک بہت بڑی مصیبت ہو... لیکن میری ہو۔"بڑے سادہ انداز میں کہا گیا۔"مجھے اپنی مصیبت اچھے سے جھیلنے آتی ہے۔"

اِشفا نے آنکھیں تنگ کی تھیں۔"خبر دار جو مجھے مصیبت کہا.. میں تو آپ کے صبر کا پھل ہوں۔"نیم بند آنکھوں سے ایسے کہا گیا جیسے خواب کی سی کیفیت کا شکار ہو۔

"ہاں.. صبر کا وہ پھل جس کی گھٹلی حلق میں جاتے ہی جان نکال لے.."زیرِلب بڑبڑایا تو مقابل نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔

"آپ نے مجھے گھٹلی بولا؟"تنک کر پوچھا گیا اور ہولے ہولے بستر سے اٹھتی قدم اُس کی طرف بڑھانے لگی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ بھی اس کی دیکھا دیکھی نشست سے کھڑا ہوا تھا۔"ہاں بولا۔کیا کرلو گی؟"

وہ مزید کچھ قدم آگے آئی تھی۔"میں گھٹلی تو آپ.. آپ تربوز!"

اس کے مقابل آن ٹھہری اور شہادت کی انگلی اس کے چہرے کے سامنے کی تو المیر نے اپنی شہادت کی انگلی اس کی انگلی کے گرد لپیٹی۔"میں تربوز تو تم انار دانا.."

اِشفا کا تو منہ ہی کھل گیا۔"میں انار دانا تو آپ پہاڑی پودینہ..!"

المیر کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔"میں پہاڑی پودینہ تو تم پہاڑی دھنیا۔"

"پہاڑی دھنیا تو ہوتا ہی نہیں ہے..."بچوں کی طرح اُسے زبان دکھاتے چڑھانے لگی۔

"پہاڑی دھنیا ہوتا ہے.. تمہیں کیا پتا؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں دھنیا تو آپ بخار کی دوا۔"

اُسے محسوس ہوا جیسے اس کی طوفانی آنکھوں کا رنگ بدل گیا ہو۔اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی لِٹ کو کان کے پیچھے کیا تھا۔"تم وہ والی دوائی ہو...وہ جو نیلی پیلی گلابی رنگ میں آتی تھی۔ بہت کڑوی سی۔"کہہ کر دو قدم پیچھے ہوا۔جانتا تھا سامنے والی کو مار پٹائی میں مہارت حاصل ہے۔

"آپ نے مجھے کڑوی کیسے بولا؟" وہ روہانسی سی ہوتی گویا ہوئی تھی۔

"زبان سے۔"

"آپ نے مجھے کڑوی کیوں بولا؟ اپنے الفاظ واپس لیں۔!"

"نہیں لوں گا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"الفاظ واپس لیں ابھی اور اسی وقت!"

"اچھا پہلے میرا نام لو... کہو المیر خلیل آپ میری زندگی کا حسین ترین حصہ ہیں۔"

وہ کمر پر ہاتھ جمائے اُسے دیکھے گئی۔ پھر سر نفی میں ہلایا۔ "آپ میری زندگی کا حسین ترین حصہ نہیں ہیں۔" اس کی بھنویں بلند ہوئی تھیں۔ "آپ میری زندگی ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کے ہونٹ پل بھر میں مسکراہٹ کا شکار ہوئے تھے۔لیکن اچانک کچھ یاد آنے پر اس نے اپنے سخت تاثرات کو برقرار رکھا تھا۔

وہ اُس سے ناراض رہنا چاہتا تھا پر نا جانے کیوں ناراض رہ نہیں پا رہا تھا۔

"کیا محمت سچ مچ غیر قانونی اسلحہ ضبط کیے بیٹھا تھا؟ کیونکہ جب میں وہاں گئی تو میں نے باقی کسی بھی چیز پر غور نہیں کیا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس نے سر کو جنبش دی۔"بالکل...اس کے ساتھ ملوث افراد نے بہت سے اعتراف کیے ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔"

"میرے وہ...سیاہ کپڑے...ایجنٹ والے..وہ کہاں پر ہیں؟"اچانک سے جیسے ذہن میں کوئی جھماکا سا ہوا تھا۔

"اویڈنس بیگ میں ڈال کر میں انہیں گھر لے گیا تھا۔"

"ان پر مائکروفون لگا ہوا تھا۔ جس کی ریکارڈنگ گھر پر رکھے میرے لیپٹاپ میں سیو ہو گئی ہو گی۔ محمت کا ایک ایک لفظ اس میں ریکارڈ ہو گا۔ آپ کے بیان میں کام آ سکتا ہے وہ۔"

اِشفا کے پھولتے ہوئے سانس کو بحال کرنے کے لیے وہ اُسے لیے لیے بستر پر بیٹھ چکا تھا۔ پھر پانی سے بھرا گلاس اُس کے سامنے کیا تو وہ ٹھہر ٹھہر کر پینے لگی۔

"ہسپتال کے عملے نے مجھے ایجنٹ والے کپڑوں میں دیکھ کر سوال نہیں کیے؟ یا یہ نہیں پوچھا کہ یہ سب کیسے ہوا؟"

"کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ میں نے پوچھنے ہی نہیں دیا۔"

"پتا ہے کیا؟ آپ کہنا کہ میں چونکہ آپ کے بقول خفیہ کوریج لینے گئی تھی اس لئے میں نے اُسے کسی سے بات کرتے ہوئے سن لیا تھا اور تب ہی اُس کی باتیں ریکارڈ کر لی تھیں۔"

"تم فکر کیوں کرتی ہو؟اس کیس کا ہینڈلر میں ہوں...اسے میں اپنے طریقے سے ہینڈل کرلوں گا۔تم بس اپنی خیر مناؤاب۔"

"آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"ہاں کیونکہ تم نے اپنے own پر ہی خود کا بہت کچھ بگاڑ رکھا ہے۔"تاسف سے سر ہلادیا۔ پھر نظریں اِشفا کے مسکراتے چہرے پر پڑیں تو ہونٹ بھینچے۔اتنے کارنامے سرانجام دینے کے بعد کس ڈھیٹائی سے مسکرا رہی تھیں، صحافی صاحبہ۔

چند منٹ خاموشی کی نظر ہوئے تو وہ فوراً بولی۔"لیکن میرے لئے آپ اپنے پروفیشن سے غداری نہیں کر سکتے،آفیسر۔"وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں جوڑے بڑی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب دوبارہ کہہ رہا ہوں۔ مجھے تمہارے آگے کچھ نہیں دکھتا، اِشفا امین۔ اگر تو تم نے بے جا محمت کی جان لی ہوتی، تب بھی میں تم پر آنچ نہ آنے دیتا۔ لیکن تم نے انصاف کے تحت اُسے مارا ہے۔" وہ اس سے آنکھیں ملا کر کہہ رہا تھا۔ "اس نے میری بہن کو مارا... میری سوتیلی ماں کے ساتھ مل کر اُسے نقصان پہنچایا۔ مہوین اور راحیل کو اغواہ کیا۔ اگر تم اُسے نہ بھی مارتیں تو میں اُس کی جان لے لیتا۔ ویسے بھی میں نے جو کچھ اُس روز پیش آیا تھا سب کچھ ٹھیک بتایا ہے۔ بس یہی نہیں بتایا کہ تم ایجنٹ ایلیون ہو۔ چند الفاظ سے پھر جانا تو میرے لئے کوئی مشکل بات نہیں۔"

"میں عالیہ کی ڈیتھ سے پہلے ہی محمت کے کارناموں سے واقف تھی۔ بس مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ عالیہ بھی یہ سب جانتی ہے۔ ورنہ.. میں اُسے بچا لیتی۔"

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ محفوظ کر لیا۔ "میری بہن کو اس کا انصاف تمہارے ذریعے ملا ہے۔ میں پوری زندگی تمہارا مقروض رہوں گا۔"

"میں نے انتقام قرض کے طور پر نہیں لیا۔ آپ کے اور میرے رشتے میں قرض کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

اس کی چمکتی ہوئی شہد رنگ آنکھیں اچانک سے سنہرا عکس دینے لگی تھیں۔ اس نے یہ بات کئی دفعہ پرکھی تھی۔

"تو پھر کس چیز کی اہمیت ہے؟"

"آپ کی... بہت زیادہ۔" آنکھیں چھوٹی کر کے مسکرائی۔ "اور میری آپ سے بھی زیادہ۔" المیر کے منہ کو کھلتا دیکھ وہ زور سے کھلکھلائی تھی۔

"تمہاری مجھ سے زیادہ کیوں؟" پیشانی پر بچوں کی طرح شکنیں ابھار لی گئیں۔

"کیونکہ میں آپ کی پہلی محبت اور آخری عشق ہوں۔" ہونٹ کے پاس ننھا سا تل نمایاں ہوا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہوں.. "گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کیں۔ "اور میں تمہارا کیا ہوں؟"

سوال پر اس کے رخسار ذرا سے سرخی مائل ہوئے تو چہرہ دھیرے سے موڑا۔ "آپ میرے..." دوبارہ اس کو دیکھا۔ "... سر درد کی دوا ہیں۔"

"یعنی میں پناڈول ہوں؟" اس کے چہرے کے زاویے بگاڑنے پر اشفا ہنسی تھی۔ "میں نے تمہیں میرا عشق کہا اور تم نے مجھے دوائی بنا ڈالا۔ تم مجھ سے محبت ہی نہیں کرتیں..."

وہ رُخ پھیر کر بیٹھ گیا۔ ہولے سے مسکاتی ہوئی وہ ذرا سی کھسکی اور اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ گئی۔ "شکر کریں پناڈول بولا ہے بروفین نہیں کہا۔ وہ تو بدمزہ بھی بہت ہے۔"

"ناراض ہوں میں.."

"میں آپ سے بے حد محبت کرتی ہوں، المیر خلیل۔"

چہرہ پھرتی سے اس اس کی طرف کیا۔ وہ اس کے شانے پر سر رکھے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"پھر سے کہو..."

"میں آپ سے بے حد محبت کرتی ہوں..."

"نہیں یہ نہیں... جو اس کے بعد کہا۔"

"المیر خلیل.."

اس نے اس کی زبان سے اپنا نام سن کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہاتھ کو تھامے تھامے اس سمیت اپنے ہاتھوں کو اپنے دل کے مقام پر رکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرے لیے اپنا نام تمہارے منہ سے سننا اظہارِ محبت ہے۔"

لمحات گزرے تھے لیکن وہ دونوں ویسے ہی بیٹھے رہے تھے۔

"اچھا سنو..."

"سنائیں.."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تم نے میری بائیک پر ٹریکر کب لگایا؟"

اِشفا کی آنکھیں باہر آجانے کی حد تک پھیلیں۔"آپ کو کس نے بتایا؟"

"تمہاری وہ سیاہ گاڑی...اس کے ذریعے یہ راز عیاں ہوا تھا مجھ پر۔ تمہیں ہسپتال پہنچانے کے بعد مجھے سلیم نے کال کی تھی۔ وہ مجھے کچھ دکھانا چاہتا تھا۔اس نے مجھے اس کے گھر کے پاس واقعہ شوروم میں بلایا تھا۔وہیں وہ گاڑی کھڑی تھی۔اور اس کے اندر لگی ایل سی ڈی پر میری

بائیک اور گاڑی کی لوکیشن صاف دیکھی جاسکتی تھی..اس کے بعد میں نے اُس گاڑی کو ٹھکانے لگادیا۔"

"محمت آپ کے بہت قریب تھا۔میں بہت ڈرتی تھی کہ کہیں وہ کچھ کر ہی نہ دے۔بس اسی لئے یہ سب کیا میں نے..."ذراسی شرمندگی نے بھی اُسے آن گھیرا تھا۔کیا کیا نہیں چھپایا تھا اس نے المیر سے۔

"تمہیں کم از کم میرے لئے اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیے تھی۔"وہ اُس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں الجھائے بیٹھا تھا۔

"کوئی بات نہیں..."

"ایک تو میں تمہارے ہر الٹے کام کے بعد کوئی بات نہیں کہنے والی عادت سے بہت تنگ ہوں۔آئندہ کسی بھی طرز کا کارنامہ سرانجام دینے سے پہلے مجھ سے آکر کہنا۔میں سب ٹھیک کردوں گا۔"

"اوکے...اب سے یہی کروں گی.."

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ کر سچائی ڈھونڈ رہا تھا۔شہد میں ڈوبی مستی کو پرکھتے اس نے سر جھٹکا۔وہ بھی کس کو سیدھی حرکتیں کرنے کی تلقین کر رہا تھا...

··—·◎◎·—··

"مہوین..." وہ تیز قدموں کے ساتھ اس کے پیچھے آرہا تھا۔وہ آواز جو خود کو اس کے لیے لاکھوں میں نمایاں کرتی تھی،آج اُسے روکنے کے لئے ناکافی تھی۔"صرف ایک منٹ رک کر بات سن لیں.."

اس کے رخسار سرخ تھے۔شرمندگی سے۔اظہارِ محبت کے بعد والی شرمندگی قیامت خیز تھی۔وہ ٹھہر کر ایک منٹ تو کیا ایک لمحے کے لئے بھی اس کے روبرو نہیں ہو سکتی تھی۔اس دفعہ تو بالکل نہیں۔

یہ بات اس کی سمجھ سے دور تھی کہ آخر وہ راحم سے ناراض کس بات پر تھی؟اس لئے کہ وہ اس سے یک طرفہ محبت کر بیٹھی.. یا اس لیے کہ وہ اس سے محبت کر بیٹھی؟

وہ اُسے آوازیں دے رہا تھا۔ایک آخری دفعہ.. وہ دھیرے سے پلٹی تھی۔نہ پلٹتی تو پوری زندگی کا ملال رہ جاتا۔ لیکن پلٹ کر اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد اُسے احساس ہوا تھا کہ نہ پلٹنا ہی بہتر تھا۔

"میں اور آپ.. "ایک دوسرے کے بیچ انگلی دوڑائی۔"...اجنبی ہیں۔آج سے نہیں....بہت پہلے سے۔مجھے آپ سے محبت کرنے پر افسوس نہیں ہے۔ محبت کرنے پر افسوس ہے۔"اس نے محبت لفظ پر زور دیا تھا۔"یہ ہماری آخری ملاقات ہے، راحم۔اس کے بعد ہم ایک دوسرے کو صرف دکھ پائیں گے، ملیں گے نہیں۔"

اس نے قرب سے آنکھیں میچی تھیں۔وہ نہ اس کو اور نہ ہی خود کو سمجھ پا رہا تھا۔"میں جانتی تھی آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ہمیشہ سے جانتی تھی۔آپ کا کوئی لفظ مجھ پر اثر نہیں کرے گا۔آپ عالیہ کے تھے،ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔"

وہ آنسو لئے آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔اس نے خود ہی جان کر انجان بن کر اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری تھی۔اُسے راحم سے مثبت جواب کی تَوقع تو تھی ہی نہیں۔لیکن ایک جواب تو مل ہی سکتا تھا ناں اُسے؟وہ بھی نہیں ملا۔

محبت اس کے لئے اور وہ محبت کے لئے نہیں تھی۔

"مہوین..."سبز آنکھیں پریشانی میں مبتلا ہو کر اس کے چہرے کو ٹھیک سے دیکھ ہی نہیں پا رہی تھیں۔"...آپ مجھے جواب دینے کی مہلت بھی نہیں دیں گی؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں... میں نے اپنا دماغ بنالیا ہے۔ جس سوال کا جواب وقت گزر جانے کے بعد ملے، وہ جواب نہیں رحم ہوتا ہے۔ اور مجھے رحم نہیں جواب چاہیے تھا۔ آپ نے میرا نقصان نہیں کیا۔ میں نے خود کا نقصان کیا ہے۔ اگلی پوری زندگی خود کو قصوروار ٹھہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ایک اچھے انسان ہیں۔ آپ سے کسی کو بھی محبت ہو سکتی ہے۔" لیکن مجھے 'کسی سے' محبت نہیں ہو سکتی۔ وہ صرف سوچ ہی پائی تھی۔

"میں نہیں جانتا تھا آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا تھا..! اگر کوئی مجھے آکر کہہ بھی دیتا تو میں یقین نہ کرتا۔"

"کوئی بات نہیں... زندگی ویسے ہی اتنی دشوار ہوتی ہے۔ اسے محبت کی نظر کر کے خراب میں نے خود کیا ہے۔ میں غلط ہوں۔ آپ نہیں۔"

"آپ غلط نہیں ہیں۔ جذبات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ لیکن میں یہ نہیں سمجھ پا رہا کہ آپ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کیسے چلی گئیں اُس روز؟"

"میں کبھی بھی اظہار نہ کرتی اگر آپ مجھے اکساتے نہ۔ آپ کا جواب سننے کی سکت نہیں تھی مجھ میں۔ میں خود غرض ہو گئی ہوں۔" اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا تھا۔ "مجھے اب آپ کا جواب نہیں چاہیے، راحم۔"

تین روز بعد کس کمبخت کو جواب کا انتظار اور من چاہے الفاظ کی چاہت ہو گی۔ بات اب آگے بڑھ گئی تھی۔ مہوین امین نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ آگے بڑھے گی۔ اتنا آگے کہ اُسے بھول جائے گی۔

راحم رضا احمد کو بھول جائے گی۔

خیال ذہن میں ابھرا تو آنسوؤں نے بھی رفتار پکڑنے کا فیصلہ کیا۔ ایک آخری دفعہ وہ بس اُس چہرے کو جی بھر کر دیکھنا چاہتی تھی۔ افسوس تو اس بات کا تھا کہ آج کے بعد وہ اُسے دیکھے گی لیکن افسوس سے۔ ملال سے۔ رنج سے۔ تکلیف سے۔

Clubb of Quality Content!

امید سے نہیں۔

اُس کی سبز آنکھیں.. وہ ان کا زمردپن...وہ درخشاں عکس۔وہ کھلکھلاتا چہرہ...وہ مسکاتی آنکھیں۔سب کچھ اس کے ذہن کے حصے حصے پر نقش رہنے والا تھا۔

لیکن کب تک؟ یہ بات وہ نہیں جانتی تھی اور جاننا چاہتی بھی نہیں تھی۔

اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ اس نے ان آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔وہ آنکھیں افسردہ تھیں اس کے لئے۔شاید پچھتاوا تھا کہ اس کا دل ٹوٹ گیا۔یا ملال تھا کہ دل نہیں ٹوٹنا چاہیے تھا۔

اُسے علم تھا کہ وہ اپنے آنسو ضبط کر رہا ہے۔اُس کے چہرے پر کہیں بھی نرم تاثرات نہیں تھے۔وہ بہت کچھ ضبط کر رہا تھا۔

"وہ سوال پوچھیں مجھ سے جو ہماری سالوں پہلے ہوئی ملاقات پر جواب کے بنا ادھورا رہ گیا تھا۔"

راحم کا چہرہ الجھن کا شکار ہوا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا اور تب ہی اُسے یاد آیا۔ "آپ کا پسندیدہ ملک کون سا ہے؟" وہ آنسوؤں کے باوجود مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔ وہ رونا چاہتا تھا۔ بس رو نہیں سکتا تھا۔

"میرا پسندیدہ ملک آپ سے مل کر بدل گیا۔ میرے لئے وہی میرا ملک تھا جہاں آپ تھے۔ آپ ترکی جاتے تو مجھے ترکی سے محبت ہو جاتی۔ آپ انگلینڈ جاتے تو مجھے انگلینڈ سے محبت ہو جاتی۔ آپ چائنہ جاتے تو مجھے چائنہ سے محبت ہو جاتی۔ مختصراً یہ کہ سوال ملک کا نہیں، آپ کا تھا۔ میں نے آپ سے محبت کی ہے۔"

وہ آگے نہیں سن سکتا تھا۔ اس نے چہرے کو دوسری طرف موڑ کر آنکھ سے پھسلتا آنسو صاف کیا۔ اس کا ضبط ٹوٹ رہا تھا اور سامنے والی کا دل۔

وہ آج تک دل تُڑواتا آیا تھا۔اور اُسے اس احساس سے نفرت تھی۔ لیکن آج جب وہ کسی کا دل توڑ رہا تھا تو اس پر یہ بات واضع ہو گئی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی دل توڑنا دل تڑوانے سے کئی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں کو پیچھے دھکیلنے کے لئے مسلسل ہلچل کا شکار تھیں۔ایک گہری آہ اس کے حلق سے نکلی اور وہ پلٹ گئی۔

وہ ہمیشہ پلٹ جاتی تھی۔اور وہ اُسے روک نہیں پاتا تھا۔وہ جان گیا تھا کہ اگلی دفعہ ملے گی تو پلٹے گی نہیں،رُخ پھیر لے گی۔

وہ اُسے ہسپتال کے باہر باگیچے میں لے آیا تھا۔وہیل چیئر پر وہ بیٹھی مبہوت نظروں سے آج قریب پانچ دن بعد بڑھی ہوئی گھاس اور خوش گوار موسم کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ چکا تھا۔دونوں ٹانگوں کو آگے کرتے اپنے ہاتھ ان کے گرد باندھے تھے۔کچھ تھا اس کی نظر میں جو پوشیدہ تھا۔جیسے اس کی زبان کچھ کہنا چاہ رہی ہو پر وہ خود کو روکے ہوئے ہو۔

"سنیں..."

"جی حکم کریں.."ایک مریض پر سے دھیان کو ہٹاتے اس نے اپنا رجحان اس کی طرف کیا۔

"آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے؟یعنی..."دل کیا کہ اضافی الفاظ ڈال کر جملہ مکمل کرے۔پر وہ جانتی تھی جتنا کہہ چکی تھی اتنا ہی اُسے مطلب سمجھانے کے لئے کافی تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کہاں سے شروع کروں؟" شانے بے پرواہی میں اٹھے تھے۔وہ ہر طرف سے مایوسی میں قید نظر آرہا تھا۔برسوں پرانی ایک آس،ایک امید بھی تاثرات میں باقی نہ رہی تھی۔

"جہاں سے شروع کرنا آپ کو سہل لگے۔"

وہ سرا ثبات میں ہلاتا سیدھا ہوا۔آلتی پالتی مارے بیٹھا اور دونوں ہاتھ اس کی وہیل چیئر پر رکھے۔"میں تم سے خفا ہوں۔بہت زیادہ۔دل کرتا ہے تمہیں ڈانٹوں۔بہت کچھ سناؤں۔لیکن میں یہ نہیں کر پارہا۔میں ایک سفاک یا جابر انسان تو نہیں تھا ناں،اِشفا؟ایسا کہ تم میرے پاس آنا محال سمجھتیں۔میں نے تمہارا اعتبار نہیں کیا،میں مانتا ہوں۔میں غلط تھا،یہ بھی جانتا ہوں۔پر تم مجھے آکر کچھ تو بتا ہی سکتی تھیں ناں؟کچھ تھوڑا سا..ذرا سا..اتنا کہ میں آج اذیت میں نہ ہوتا۔میرا دل اتنے ٹکڑوں میں بٹا نہ ہوتا۔میری زندگی گمنام راہوں پر گامزن نہ ہوتی۔بس کہہ دینے کی دیر تھی۔تم نے کیوں نہیں کہا؟"

کیا تھا وہ اس کے ویران لہجے میں؟الفاظ یا کہنے کا انداز جس نے اِشفا کا دل کاٹ کر رکھ دیا تھا۔وہ رو نہیں رہا تھا۔لہجے میں ایک ڈھکی ہوئی التجا بکھری ہوئی تھی۔

"اپنی جان جھوکم میں ڈالنے کے بجائے اگر تم مجھے صرف اور صرف محمت کی ہی اصلیت بتا دیتیں تو میں تمہاری بات کی نفی نہ کرتا۔ میں مانتا ہوں میں نے تمہیں خود سے دور رکھا.. لیکن خود تک آتی ہر راہ ہمیشہ کھولی رکھی تھی۔ کہ یوں بھی اگر تم نہیں آتیں تو کسی ایک راہ پر چل کر شاید آ جاؤ۔ میرا نمبر تھا تمہارا پاس... میرے تھانے کا پتہ تھا۔ گھر کا پتہ بھی تھا...اور سب سے بڑھ کر... میں خود تھا۔ تم مجھ تک آ کر بتا کیوں نہیں پائیں؟ میں اتنا لا علم بھی نہیں تھا تمہیں لے کر۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بات کہاں جا رہی تھی، اُسے خبر تھی۔

"چلو میں غلط تھا، میں نے خود کو اس قابل بنایا نہیں کہ تم اپنے مسائل کا کرتا دھرتا مجھے دکھا سکتیں۔ لیکن.. لیکن ہم میں سب کچھ ٹھیک ہو رہا تھا۔ میں نے خود کو بدل لیا تھا۔ میں تم تک آ رہا تھا.. تم مجھ تک آ رہی تھیں۔ ہر چیز بدل چکی تھی...تو پھر مجھے بے خبر کیوں رکھا تم نے؟ میں اتنا برا ہوں کیا؟"

سانس حلق سے پھنس پھنس کر نکلا تھا۔ ٹھنڈی شام میں دھواں بن کر۔ مختصر اور کانپتا ہوا۔

"آئندہ بھی ہمارے درمیان مخفی باتیں دیوار بن کر سر بلند رہیں تو یہ.. "اپنے بعد اس کی اور اشارہ کیا۔ ".. کیسے چلے گا؟ میں تمہارا محافظ ہوں۔ محافظ جانتی ہو کون ہوتا ہے؟ جو ہر پل اپنی ذمے داری کی دیکھ بھال کے ساتھ اس کا دفاع کرے۔ تو پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ المیر خلیل تمہارا ساتھ نہیں دے گا؟"

اس نے لب ایک لمبی لکیر میں کھینچ لیا۔ اس موضوع پر زیرِ گفتگو ہونے کے لئے اُسے الفاظ جمع کرنے تھے۔ جس میں بہت سا وقت وقف ہونا باقی تھا۔

"تمہارے غنودگی سے اٹھنے پر میں نے اپنی عجلت کا ذکر زبان پر نہیں لایا۔ کیونکہ میں چاہتا تھا تم ٹھیک ہو جاؤ۔ اور پھر مجھے کھل کر بتاؤ۔ اب میں تمہارا جواب سننا چاہتا ہوں۔ جانتا ہوں تمہیں وضاحتیں دینا اور سننا ناپسند ہے۔ مگر میرے لیے بھاری جملے نہیں پر چند عمیق الفاظ تو کہہ ہی سکتی ہو ناں؟ مجھے بتاؤ میں کہاں غلط تھا.. مجھے خود میں کیا سدھارنا ہے۔ میری ان

عادات سے مجھے آشنا کرواؤ جن کو نظر میں رکھتے تم نے اتنے رنج اٹھائے اور اکیلی ہی محاذ پر نکل گئیں۔ میری مدد کرو اس سلسلے میں.. "

نہیں.. آج سے قبل کتنی مرتبہ اس نے اتنا کچھ اور وہ بھی ترکی بہ ترکی بولا تھا؟

"میں... ہمارے درمیان بدگمانیوں کا سمندر کھڑا تھا۔ ایک طرف آپ تھے اور دوسری طرف میری ٹوٹی ہوئی امید۔ میں امید کے سہارے آپ کے پاس آ بھی جاتی تو اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ دل نہیں ٹوٹے گا؟ چلیں دل کی تو خیر ہے۔ وہ تو ٹوٹنے کی چیز ہے، اکثر ٹوٹ بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پر امید.. امید ٹوٹنا دشوار تھا۔ میرے لئے۔ بدگمانیوں پر صرف بدگمانیاں راج کر سکتی ہیں۔ امیدیں نہیں۔"

"جہاں غلط فہمیوں کے پہاڑ سانس لے رہے ہوں، وہاں خوشیوں کے گھر زیادہ عمر قائم نہیں رہ سکتے۔ میرے پاس ان خالی ہاتھوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں آپ کو ٹھیک سے جانتی تک نہیں تھی۔ میرا آپ کے ساتھ صرف بچپن گزرا تھا... ویسے تو یوں اکثر کہہ دیا کرتی تھی کہ المیر خلیل کو بہت اچھے سے جانتی ہوں۔ پر جھوٹ کہتی تھی سب۔ میں نہیں جانتی تھی آپ

کو۔یہ تک نہیں جانتی تھی کہ اصلیت جان کر آپ کا ردعمل کیسا ہوگا؟ایک طرف ڈر تھا کہ میرے لگائے ہوئے الزامات کو آپ رد کرتے کرتے ایک روز مجھے چھوڑ ہی نہ دیں۔ویسے چھوڑ دینا ٹھیک ہے..پر حال پر چھوڑ دینا جان لیوا ہوتا ہے۔میں طلاق کے داغ کے ساتھ نہیں جینا چاہتی تھی۔ایک خوف سا برپا تھا میرے گرد و نواح میں۔دماغ کمبخت یاد کرواتا رہتا تھا کہ آپ اپنی سوتیلی ماں کے ہیں۔ان کے پیار میں ڈوبے ہوئے۔اگر آپ نے ان کا کہا مان کر مجھے چھوڑ دیا تو؟یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔شاید ہوتا اگر میں ایک ٹوٹی ہوئی بدبخت سی لڑکی نہ ہوتی۔"

"یہ خیال کہ کہیں ایک روز اپنی سوتیلی ماں اور پھر میرے الفاظ پر مجبور ہوتے آپ نے کوئی ایسا قدم اٹھالیا جس سے انصاف کی امید تو چھینی جائے گی ہی...ساتھ میں بہت ہی اہم رشتہ بھی لے لیا جائے گا،مجھے آپ کو کچھ بھی بتانے سے باز رکھتا تھا۔گھر والے کس کو پیارے نہیں ہوتے؟سب کو ہوتے ہیں۔ہر کوئی ان کی خوشیاں چاہتا ہے۔ایسے میں میں تو گھر والوں میں نہیں آتی تھی۔میں باہر والی تھی۔بیشک آپ کے منکوحہ ہوں،پر ایک بے نام رشتے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"میرے ایک قدم اٹھانے سے صرف ایک ہی زندگی تباہ ہوتی۔یعنی میری...شورساذہن کو ساکت کیے رہتا تھا کہ اگرآپ بھی بے وفائی کے دعویدار نکلے تو کیا ہوگا؟ نکاح تو آپ سے میں نے کرلیا تھا...پر شک تو زندگی کا حصہ ہیں۔ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔"

"جانتے ہیں لڑکیوں کی شادیوں کے معاملے کتنے سنگین اور نازک ہوتے ہیں؟ میں نے پھر بھی آپ سے نکاح کرنے کو ترجیح دی۔آپ کو سب سے اول رکھا۔کیونکہ کچھ..بیشک بہت کم...پر کچھ امید باقی تھی۔لیکن اگرآپ کو آکر دوبارہ انہیں الزامات کی سنوائی کرواتی تو آپ برہم ہو جاتے۔جانتے ہیں ایک غصہ میں نہایا مرد کیسا ہوتا ہے؟ بددماغ۔جس کے ذہن کا ہر حصہ ناکارہ ہوتا ہے۔جو زبان سے کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔عورت بہت معصوم اور نازک ہوتی ہے،المیر۔اُسے سب سے زیادہ اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ایسے میں طلاق کے بول اور پھر ان کا داغ لگ جانا موت کے مترادف ہوتا ہے۔"

"میں ڈر گئی تھی۔جیسے حالات جارہے تھے،میرا ڈرنا بنتا تھا۔آپ کے غصے کی داستان صرف سنی سنائی نہیں تھی۔آنکھوں دیکھی تھی۔"

لبوں پر قفل لگا تھا۔المیر خلیل اس کے الفاظوں کی تمہید کے آگے لاجواب اور صامت تھا۔
ذہن کا کچھ حصہ پریشان تو کچھ گنگ تھا۔

"تمہیں لگتا ہے میں باقی مردوں کی طرح ہوں۔کہ میں غصے میں آکر تمہیں چھوڑ دیتا؟"
بے یقینی کی کیفیت اس پر چاروں طرف سے حاوی تھی۔دل پر بوجھ نے قبضہ کر رکھا تھا۔

وہ گھٹنوں پر ہوا تھا۔ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ تھامنے سے پہلے اس سے اجازت چاہی۔
آنکھوں سے۔وہ اچانک ہی کترانے لگا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اِشفا نے خود ہی دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے تو وہ انہیں تھام گیا۔یہ اس کی خام خیالی تھی کہ
اِشفا اعتبار نہیں کرتی تھی اس پر۔وہ تو محض ڈرتی تھی۔

"میں نہیں جانتا.. نہیں جانتا کہ غصے میں آکر میں کیا کرتا۔لیکن تمہیں چھوڑنا؟یہ اتنا آسان
نہیں تھا اِشفا کہ میں کر گزرتا۔میں عورت کی عزت کرنا جانتا ہوں۔اور تم تو میری بیوی ہو۔
میں تمہیں رسوا ہونے کے لئے تھوڑی چھوڑ دیتا۔میری ذات سے وابستہ ہو۔میں خود سے

منسلک چیزوں کو سنبھال کر رکھتا ہوں۔ تم تو پھر ایک انسان ہو۔ مجھ سے جڑی ہوئی.. میری۔"

کیا ان الفاظ سے اس کا ڈر ختم ہو رہا تھا؟ کیا وہ اس پر اپنا کھویا ہوا اعتبار بحال کر پا رہی تھی؟ کیا الفاظ کافی تھی اس کی یقین دہانی کے لیے یا اُسے کچھ اور بھی کرنا چاہیے تھا؟

اس نے رخسار پر پھسلتے آنسو صاف کیے۔"میں صرف الفاظ کا سہارا لے کر تمہیں امید نہیں دلاؤں گا اب سے۔ میں تمہیں عمل سے سے باور کرواؤں گا کہ چھوڑ دینا آسان نہیں ہوتا۔ تمہیں پوری دنیا بھی چھوڑ دے تو بھی میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تم عزت ہو میری..."

وہ اس کے جملوں پر بس مسکرا رہی تھی۔ غلط فہمیاں اور پھر بدگمانیاں...رشتے نزدیک کے ہوں یا دور کے.. دیمک کی طرح ہر احساس، ہر جذبے کو چبا جاتی ہیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آئندہ اگر تمہیں لگے کہ میں غلط ہوں۔یا میری کوئی حرکت بری لگے۔میرے الفاظ سے تم ڈرنے لگو یا میرا غصہ تمہیں ستائے تو کچھ بھی سوچے سمجھے بنا مجھے زور سے کھینچ کر ایک تھپڑ لگا دینا۔زیادہ زور سے نہیں.. تمہارے ہاتھوں کی مار کھا چکا ہوں۔" بات کے اختتام پر ہنس دیا۔

"سچ میں تھپڑ مار دوں؟"

ایسے خوشی سے اچھلنے کی کوشش کرنے لگی جیسے اس نے دنیا گھومنے کا ٹکٹ تھما دیا ہو۔

"ہاں... تمہارے ڈر کے آگے ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں۔" لہجے میں صدق پوشیدہ تھا۔

"مجھ سے وعدہ کرو ہماری آئندہ زندگی میں تمہیں کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوا تو تم مجھ تک آؤ گی۔دھڑلے سے میرا کالر پکڑو گی اور مجھے غصے میں بتاؤ گی کہ کیا ہوا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے آگے ہوئی اور آرام سے اس کا کالر پکڑ لیا۔"ایسے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ سر اثبات میں ہلا گیا۔اِشفا کو تب ہی ایک واقعہ یاد آیا۔اس کی پڑوسن فہمیدہ آنٹی کے ہاں ایک تئیس سے چوبیس سالہ کام والی آیا کرتی تھی۔تب اِشفا محض سترہ برس کی تھی۔

ایک روز اُس نے آنا بند کر دیا۔تو اِشفا تجسّس کا شکار ہوئی اور آخر کو فہمیدہ آنٹی سے سوال کر ہی بیٹھی کہ آپ کی کام والی اب نہیں آتی؟تو جواب آیا کہ اس نے غصے میں آکر اپنے شوہر کا گھریبان پکڑا تھا۔مرد تھا تو اس سے توہین برداشت نہیں ہوئی اور اس نے اُسے کھڑے کھڑے رشتے سے فارغ کر دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ بھی تو مرد تھا۔جو اس کے سامنے بیٹھا تھا۔مسکرا مسکرا کر اس کے تاثرات کا کھلا جائزہ لے رہا تھا۔اور کہہ رہا تھا کہ آکر میرا کالر پکڑ لینا۔

"ویسے ہمارے نکاح کی پوری کہانی سننے کے لئے میں بے تاب ہوں۔ابھی سناؤ گی؟"خوشی خوشی اس کے ہاتھ کو تھامے تھامے آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا۔

"سناتی ہوں۔" اس کے رخسار لال ہوتے دیکھ المیر ہنسا تھا۔ یعنی ماجرا کچھ ایسا تھا کہ بیگم صاحبہ شرما رہی تھیں۔

··—·୨୧·—··

المیر نے محمت کے دوست ارمان کو مزید تحقیق کے لیے تھانے بلایا تو اس کے علم میں اضافہ ہوا کہ محمت پچھلے پانچ سالوں سے اس کے ہاں کافی بھاری رقم رکھواتا آرہا تھا۔

Clubb of Quality Content!

اور وہ جب جب اپنے ہاں رقم رکھتا تو تاریخوں کو لکھتا جاتا۔ اس لئے اس نے اس حوالے سے معلومات فراہم کرنے کے لئے اپنی ڈائری المیر کو دی۔ جس میں وہ تمام تاریخیں درج تھیں۔

اس نے پھر آئمہ ریحام کے بینک اکاؤنٹس کو ٹھیک سے کھنگالا۔ بینک سے ملنے والی جانکاری کے تحت اُسے خبر ہوئی کہ ٹھیک ان ہی تاریخوں میں آئمہ ریحام نے بھی پیسے نکلوائے تھے۔ ٹھیک وہی رقم۔

جس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ ان پیسوں سے کیا کیا کرتی تھیں۔

اس کے علاوہ ارمان نے اُسے بتایا کہ محمت نے بچپن سے لڑکپن تک بہت برے مالی حالات دیکھے تھے۔ جس کی بنا پر وہ پیسوں کے پیچھے بھاگنے لگ گیا تھا۔

اس بات سے یہی نتیجہ آخذ کیا گیا کہ محمت نے جو کیا تھا پیسے کے لیے کیا تھا۔

پھر المیر محمت جہانگیر کی ضعیف ماں سے بھی ملا۔ جو کہ ستر سالہ خاتون تھیں۔ محمت سے پہلے ان کے دو اور بچے بھی تھے۔ بڑی بیٹی محمت سے دس سال بڑی تھی، جبکہ اس سے چھوٹی پانچ سال بڑی تھی۔

المیر نے انہیں پوری بات بتائی کہ کیسے محمت غلط لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگا تھا۔ اس کا ہاتھ غیر قانونی کاموں میں پایا گیا تھا۔ جس پر وہ افسوس کرتی رہ گئیں۔ انھوں نے بھی اعتراف کیا تھا

کہ محمت پیسے کمانے کے لیے مختلف طرز کے حربے آزماتا رہتا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ وہ اس حد تک گر گیا۔

پھر اس نے قوی کو آئمہ ریحام سے ملنے کے لیے جیل روانہ کیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ کیسے محمت انہونی انجام دینے سے پہلے ہی مارا گیا۔ وہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہیں۔ اور پھر اچانک اُسے بتانے لگیں کہ کیسے محمت کی ماں بچپن میں آئمہ ریحام کی ماں کے گھر کام کرتی تھیں اور وہاں سے آئمہ انہیں جانتی تھیں۔

ان کی معاشی حالت سے وہ بہت اچھے اور پہلے سے واقف تھیں۔ اور اس طرح انھوں نے ان ہی کے بیٹے کو اپنے ساتھ جرم میں شریک کیا تھا۔

یہ ہفتے بعد کا منظر تھا۔ کرائے کے اس گھر کے باہر رحمان امین کے نام کی تختی معلق تھی۔ دروازے سے اندر جا کر آپ کو ہال کے بیچوں بیچ رکھے صوفوں پر نشست چند افراد نظر آئیں گے۔ جن میں اِشفا، مہوین، مومن، راحیل، المیر اور وہاج شامل تھے۔

راحیل ان کو ماضی میں اپنے ساتھ پیش آئے واقعات سے آگاہ کر رہا تھا۔ سب سمجھتے ہوئے دھیرے دھیرے سر ہلا رہے تھے۔ جبکہ اِشفا کسی گہری سوچ میں مبتلا تھی۔ "آپ کو راحیل کو بچانے میں اتنا وقت کیوں لگ گیا؟ وہ اسے مار بھی تو سکتے تھے..."

"آپی..." اس نے اس کی گود میں سے سر اٹھایا تھا۔ "مجھے رحیم یار خان سے نکالنے والے المیر بھائی ہی تھے۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ جب آئمہ ریحام کے معمور کردہ گارڈ نے المیر بھائی کو میرے بارے میں بتایا تو وہ دوڑے چلے آئے تھے۔ پھر انہوں نے ہی مجھے آپ دونوں کے بارے میں بتایا تھا۔" ایک نظر اِشفا اور دوسری مہوین پر ڈالی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ کے بارے میں جان کر میں بہت رویا تھا۔میں نے آپ دونوں سے ملنے کی بہت ضد کی تھی۔المیر بھائی نے مجھے بہت سمجھایا کہ اگر میں آپ سے ملا تو آپ کی اور میری، ہم دونوں کی جانوں کو خطرہ ہوگا۔ لیکن میں کیا کرتا؟ میں نہیں رہ سکتا تھا آپ کے بنا۔"

"تو پھر المیر بھائی نے پلان بنایا تھا جس کے مطابق میں سر احمد مرزا کے ذریعے آپ کے پاس کام سیکھنے کی غرض سے آیا تھا۔اور میں نے المیر بھائی سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کو اپنی شناخت نہیں بتاؤں گا۔"اِشفا کی بھنویں تنگ ہوئیں۔"ایسا کیوں؟"اس نے المیر کی طرف دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کیونکہ راحیل چاہتا تھا میں اس کے ذریعے اُس کے اغواہ کاروں تک پہنچوں۔اگر ایسے میں تم اسکی اصلی پہچان جان لیتیں تو حالات خراب ہو سکتے تھے۔اگر بات باہر نکل جاتی تو میں کبھی بھی اس کے اغواہ کاروں تک نہ پہنچ پاتا۔اور اس کی جان کو بھی خطرہ ہوتا۔بس میں اتنا نہیں جانتا تھا کہ ماسٹر مائنڈ میری سوتیلی ماں ہیں۔اگر مجھے پہلے پتا ہوتا تو میں کبھی بھی اس کو سر احمد کے حوالے نہ کرتا۔نہ ہی اُسے آئمہ ریحام سوسائٹی میں دیکھتیں اور نہ ہی یہ سب ہوتا۔"

"میری حفاظت کے لئے انہوں نے مجھے ایک انگھوٹی بنوا کر دی تھی جس میں ایک ٹریکر لگا تھا جو صرف چالو کرنے پر ہی آن ہوتا تھا۔ یہ اس لیے تاکہ دشمن ٹریکر بھانپ نہ پائیں۔ میں نے اغواہ ہو جانے کے کچھ ہی وقت بعد انہیں ٹریکر آن آف کر کے سیگنل دیا تھا کہ میں زندہ ہوں۔" مسکرایا تو گال کے گڑھے ابھرے۔ وہاج نے زور سے اس کے گال کھینچے تھے جس پر اس نے اپنے گالوں کو زور زور سے سہلایا تھا۔

"ویسے میں تم سے پوچھنا چاہتی تھی پر بھول گئی۔ تمہارے اغواہ سے پہلے تم نے مجھے کال کیوں کی تھی؟" سب مہوین کو تکنے لگے تھے۔

اس نے سوال کو سمجھتے ہوئے لیپ ٹاپ خود سے کچھ فاصلے پر رکھا تھا۔ "عالیہ نے میرے ساتھ اپنے سیشنز میں ایک روز مجھے بتایا تھا کہ اس کے کتاب کا مرکزی کردار ایک ٹیون سے بہت خوف کھاتا ہے۔ اور وہ ٹیون تھی بھی کسی پولیس والے کے فون کی۔ یہ بتاتے ہوئے وہ خود بھی بہت ڈری ہوئی لگ رہی تھی۔ میں نے اُسے ٹائم اندازہ لگا لیا تھا کہ انھوں نے کردار کو سامنے رکھ کر اپنے ڈر کا اظہار کیا تھا۔"

"اور پھر جب اغواہ کے روز باغیچے میں محمت ہمارے درمیان آکر بیٹھا تو اس کے فون کی رنگ ٹون بجی۔ میں سنتے ہی پہچان گئی تھی کہ اتنا بڑا اتفاق نہیں ہو سکتا۔ ایک پولیس آفیسر کے فون پر وہی ٹیون ہونا مجھے شک میں ڈال گیا تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ سارے واقعات ایک قطار بنا کر میرے ذہن میں رونما ہونے لگے۔ محمت کے لیے عالیہ کو مارنا آسان بھی تھا، وہ المیر بھائی کو اچھے سے جانتا تھا۔ اور چونکہ میں ایک ماہرِ امراضِ نفسی ہوں، اس لئے اُس لمحے محمت نے جن نظروں سے میری اور دیکھا تھا۔ وہ نظریں مجھ سے پرے نہ رہ پائی تھیں۔ ان میں وحشت اور ایک عجیب سا خوف تھا۔ وہ مجھے دیکھتے جان گیا تھا کہ میں اُس کی حقیقت سے واقف ہو گئی ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی گھر کی گھنٹی بجی تھی۔ وہاج اور راحیل دونوں ایک ساتھ دروازہ کھولنے گئے تھے۔ پچھلے گیارہ روزان دونوں میں کافی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ وہاج کو پہلی مرتبہ بڑا بھائی بننے کا موقع ملا تھا۔ اور وہ اُسے اپنا چھوٹا بھائی سمجھ کر اُس کا خیال رکھتا تھا۔

کچھ لمحات بعد ہی گھر کا دروازہ کھلا تھا اور دو لوگ داخل ہوئے تھے۔سب نے نظریں اُس طرف کیں تو سیفان یامین کو اندر آتے دیکھا۔اور اس کے پیچھے راحم رضا احمد مسکراتے ہوئے چلا آرہا تھا۔

مہوین کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ بل کھاتے ہوئے فوراً اُٹھی تھی۔لیپ ٹاپ اور فون کو اٹھا کر صوفے سے ہٹی تو اِشفا نے اُسے چُبتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔"کہاں چل دی؟"

"میری ڈیوٹی کا وقت ہو گیا ہے۔"وہ یہ کہہ کر مڑی ہی تھی کہ راحم کو ٹھیک اپنے پیچھے کھڑے پایا تھا۔دونوں زبردست تصادم سے بچے تھے۔اس کی آنکھیں راحم کی آنکھوں سے ٹکرائیں تو دل کی دھڑکن قدرے بڑھی۔وہ نگاہیں جھکا گئی تھی۔

راحم دائیں طرف ہوا اور الجھتی نظروں سے اُسے دیکھا تھا جو اُسے دیکھتے ہی بھاگ جانے کا ارادہ کر چکی تھی۔

اِشفا کی نگاہوں سے ان دونوں کا ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھہر جانا اور پھر مہوین کا بنا سلام کیے پاس سے گزر جانا او جھل نہ رہ پایا تھا۔ اس نے چہرہ موڑ کر المیر کو دیکھا اور المیر پہلے سے ہی اُسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے راحم کی اور ابرو سے اشارہ کیا تو المیر نے شانے اٹھائے۔

"سلام قبول کیجئے گا، محترمہ۔" نیلی آنکھوں والا سیفان یامین سیاہ شرٹ اور سفید پینٹ میں ملبوس تھا۔

کشادہ پیشانی اور ہلکی سی مسکراہٹ لئے وہ المیر کے مقابل آن ٹھہرا جو اُسے دیکھ کر ایستادہ ہو چکا تھا۔ "المیر خلیل..." اس نے ہاتھ آگے بڑھایا جسے وہ چند پل بعد تھام چکا تھا۔ "سیفان یامین۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو گہری نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے سر تا پیر، دل و دماغ سمیت ایک دوسرے کو آنکھوں سے اسکین کر رہے ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سیف تم نے ہسپتال کے بعد سے دوبارہ شکل ہی نہیں دکھائی۔" راحم بیٹھتے ہی اس سے مخاطب ہوا تھا۔ سیفان یامین اِشفا کے ہوش میں آنے کے پانچ گھنٹے بعد ہسپتال جا کر اُس سے ملا تھا۔ تب اُس کی ملاقات صرف راحم اور وہاج سے ہوئی تھی۔

اور آج آخرکار المیر خلیل سے اس کی دوسری ملاقات ممکن ہو پائی تھی۔

"یار کیا بتاؤں.. مجھے دو مہینے پہلے ایک پورٹریٹ بنانے کا آرڈر ملا تھا۔ میں بھول گیا اور کسٹمر گھر تک آ کر شور مچانے لگ گیا۔ پھر ایک ہفتہ لگا کر میں نے اُسے اس کی چیز تھمائی۔" نظر المیر پر ٹھہرائی اور واپس راحم پر لے گیا۔ "عالیہ.. کی ڈیتھ کا سن کر افسوس ہوا تھا۔ بہت اچھی انسان تھیں وہ۔"

اس نے ہونٹوں کو ایک پتلی لکیر میں کھینچ کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔ "تم نے عالیہ کے کام آ کر اور پھر اِشفا کی مدد کر کے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے، سیفان۔"

"کال می سیف۔" مسکرایا اور پھر اِشفا کو دیکھا۔ "محترمہ، ایک کپ کافی ملے گی؟"

"نہیں..."اس کو صاف انکار کرتے دیکھ سیفان نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔"میری تو کوئی عزت ہی نہیں ہے.."زیرِلب بڑبڑایا تو اِشفا ہنسنے لگی۔"اچھالاتی ہوں۔"

وہ جب کافی بنانے کے لئے چلی گئی تو سیفان نے المیر پر نظریں مرکوز کیں۔"بار بیزون میں آپ سے اپنی بات کو طول دینے کے لئے معذرت خواہوں۔میری مجبوری تھی۔اگر میں آپ کو باتوں میں لگا کر وہ تصویر آپ کی جیب میں نہ ڈالتا تو آپ کی بیوی میری ٹانگیں توڑ دیتی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ ذرا سا آگے ہو کر بیٹھا۔"تم مجھے تم کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو۔"جس پر سیفان قدرے تعجب کا شکار ہوا تھا۔"اُس بات پر تو نہیں پر غیر قانونی طور پر لوگوں کی معلومات کا غلط استعمال کرنے پر تم پر کارروائی کی جا سکتی ہے۔"

سیفان نے ہولناک ساچہرہ لئے اُسے دیکھا۔"بیوی مجھے جان سے مارنے کی دھمکیاں دیتی ہے اور شوہر جیل میں ڈالنے کی باتیں کررہاہے۔غلط لوگوں میں پھنس کررہ گیاہوں میں۔" تاسف کا شکار ہوا تو راحم نے اس کی کمر تھپتپائی تھی۔

"لیکن چونکہ تم نے میری بہن کی مدد کی تھی۔اوراس کے رازوں کوراز رکھا تھا۔اس لئے میں اس دفعہ تمہیں جانے دے رہاہوں۔"

"ہاں ناں..اور ویسے بھی مجھ معصوم پر کارروائی کرکے تمہیں کیا مل جائے گا؟میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔میں نے تو ابھی اپنے بچے بھی نہیں دیکھے۔اور رہی بات غلط کاموں کی تو وہ تو میں پچھلے دوسالوں سے چھوڑ چکاہوں۔اب ایک نہایت ہی شریف شہری کے طور پر زندگی بسر کررہاہوں۔"ہاتھ باندھ کر بیٹھ گیا۔

"اچھا؟تو پھر میرے ساتھ مل کرو وزیرِ اعظم۔"

"چپ!"اِشفا کو خاموش کرواتے فوراً اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا اور اُس کے ہاتھ سے کافی سے بھرا کپ لیا۔"اللہ کا واسطہ آپ کو، محترمہ۔آج دشمنی مت نکالیے گا۔"منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔

جس پر اِشفا نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"میں ایک دم معصوم ہوں اب۔آئندہ کوئی غلط کام نہیں کروں گا۔"جس کی خبر آپ تک پہنچ جائے۔دل دل میں خود سے مخاطب ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ویسے مجھے ایک اور بات بھی کرنی تھی۔"ایک عمیق سانس لیا۔"میری کل رات کی فلائٹ ہے۔"اس جملے نے سب کو اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔

"کیا کرو گے واپس جا کر؟ادھر ہی رہو۔"راحم نے فوری طور پر مشورہ دیا تھا۔

"وہ میری سرزمین ہے۔اور ویسے بھی اب یہاں رک کر کیا کروں؟ بینک والی نوکری بھی نہیں رہی اور مکان مالک بھی جلد مجھے باہر کی راہ دکھادے گا۔"

"بینک سے نکال دیا تمہیں؟"اِشفا سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔قدرے حیرانی سے اُسے گھورا تھا۔

ہولے سے سر کو جنبش دی۔"مجھے کوئی کہیں سے نکال سکتا، محترمہ۔نوکری میں نے خود چھوڑی تھی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"لیکن مکان مالک تو نکال دے گا۔"دانت نکال کر کہا۔اس نے المیر کی طرف دیکھا۔"یہ جو تمہاری بیوی ہے...یہ بالکل میری عزت نہیں کرتی۔"پھر اِشفا کو دیکھا۔"تم سے اچھا تمہارا شوہر ہے۔کچھ سبق سیکھو۔"

"سیف.."راحم کی پکار پر وہ متوجہ ہوا۔"تم ہماری سوسائٹی میں گھر کیوں نہیں لے لیتے؟"

اس نے کن اکھیوں سے اُسے دیکھا۔ "کرائے پر؟"

اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "خرید لو...اتنے مہنگے نہیں ہیں آج کل۔"

"ہوں...سوچوں گا۔"

وہ سب کچھ دیر مزید زیرِ گفتگو رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ دونوں خاموش طبع قدم لئے آگے پیچھے چل رہے تھے۔ایک کا ذہن ماؤف سا ہو رکھا تھا اور دوسرے کا دل اچٹ تھا۔جب وہ اُس کشادہ میدان جیسے کمرے میں داخل ہوا تو ٹھٹھک

کر رکا۔پلٹ کر مقابل کی آنکھوں سے آنکھیں ملائیں۔جیسے آگے بڑھنے کی اجازت چاہتا ہو۔

خلیل محمد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اُسے حوصلہ دیا۔اس کا چہرہ ایک مرتبہ پھر سے سامنے کی سمت تھا۔لمحے بعد ہی ہچکولے لیتی سانس اس کے حلق کے ایک بند تہہ خانے سے نکلی تھی۔

مختصر گام آگے لئے اور تب ہی اُسے وہ شیشے کے اُس پار بیٹھی نظر آئیں۔قدم لڑکھڑا رہے تھے جیسے پیروں میں زنجیروں ہوں یا سفر میں پتھر۔خود میں ذرا سی جان پیدا کرتے وہ شیشے کے اِس پار کچھ سمٹ کر بیٹھ گیا۔

اگر آئمہ خلیل نے اس سے ملنے کی ضد نہ کی ہوتی تو وہ ہر گز بھی یہاں کا رُخ نہ کرتا۔وہ اُسے تک رہی تھیں...ٹکٹکی باندھے۔جیسے اس کے چہرے پر تاثرات تلاش رہی ہوں۔پر وہ چہرہ کسی بھی قسم کے تاثر سے خالی تھا۔

وہ اب رابطے کے لئے ٹیلیفون اٹھا کر کان سے لگا چکی تھیں۔اور لب ہل بھی رہے تھے... جیسے کہہ رہی ہوں "کیسے ہو وہاج؟"

یہ بات تو وہ خود نہیں جانتا تھا۔چار ماہ سے اس سوال کا پھندا اس کے حلق میں اٹکا ہوا تھا۔روز صبح سنگھار میز کے آگے کھڑے ہوتے وہ سوچتا کہ وہاج خلیل ایسا تو نہ تھا۔وہاج خلیل کو کیا ہو گیا ہے؟

ہاتھ میں تھامے ٹیلیفون کو کان کے ساتھ لگاتے اس نے ایک پل کو آنکھیں بند کر لیں۔
"میں تمہیں کتنا مس کرتی ہوں.. تمہیں اپنی ماں کی یاد نہیں آتی؟"

وہ نظروں کو کسی غیر مرعئ نقطے پر لگائے بیٹھا تھا۔ان کی آواز پر اس نے انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھا۔اور دیکھتا ہی چلا گیا۔

"اس اندھیر میں مجھے تم بہت یاد آتے ہو، وہاج۔ کیا میں بھی تمہیں یاد آتی ہوں؟" وہ کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔زبان انکاری تھی اور لب ساتھ نہ دینے پر مجبور ہوئے بیٹھے تھے۔

" تمہیں تو میرے ہاتھ کا کھانا پسند ہے ناں...اب کیا کھاتے ہو؟ کون بناتا ہے کھانا؟"

اشکوں کا سمندر ایک پل کو باہر امنڈنے کو بے تاب سا لگنے لگا تو اس نے ایک گہر سانس اندر کو کھینچا۔"اچھا چھوڑو.. یہ بتاؤ سردی کی شاپنگ کر لی؟ پچھلی سردی میں بھی تمہارے پاس گرم کپڑے بہت کم تھے۔"

ایک سال میں کتنا کچھ ہو گیا تھا۔اُسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ انسان کو بدلنے کے لئے ایک سال نہیں بلکہ چند سیکنڈ بھی بہت ہوتے ہیں۔

"ابھی بھی تم نے پتلی سی شرٹ پہنی ہوئی ہے۔کیا کرتے ہو بیٹا؟ بیمار پڑ جاؤ گے۔"

یہ "بیٹا" لفظ آج کچھ زیادہ ہی اجنبی سا سنائی دیتا تھا۔جیسے اس سے جڑی یادیں وقت کے مقید سفر میں کہیں لاپتہ ہو گئی ہوں۔

"المیر خیال رکھتا ہے تمہارا؟ ٹھنڈ میں ٹھنڈی چیزیں تو نہیں کھاتے؟"

صرف ایک ماں ہی ایسے سوالات کر سکتی تھی۔ "بہت کمزور ہو گئے ہو، وہاج۔ خیال نہیں رکھتے اپنا؟"

اب ایسا رہ ہی کیا گیا تھا اس کی زندگی میں جس کی خاطر وہ خود کا خیال رکھتا؟ یہ مال و دولت... یہ عیش و عشرت... یہ سب کیا تھا؟ کچھ نہیں۔ ماں کے بغیر کچھ نہیں تھا۔ ماں تو ماں ہوتی ہے.. ماں کے جیسا کوئی نہیں ہوتا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کچھ کہتے کیوں نہیں ہو، وجی؟"

ان کی آنکھوں سے دو دو آنسو ٹوٹ کر چہرے پر پھسل گئے تھے۔ وہ جس کی آواز سننے کے لئے انھوں نے چار ماہ آنکھوں میں کاٹ دیئے تھے، وہ دم سادھ ہوا بیٹھا تھا۔ جیسے ان کے صبر کا کڑا امتحان لے رہا ہو۔

"کچھ کہو، وہاج...اپنی ماں کا حال نہیں پوچھو گے؟ یہ نہیں پوچھو گے کہ میں نے تمہارے بغیر کیسے اتنے ماہ نکالے؟"

رندھی ہوئی آواز ان کے حلق سے دب دب کر نکل رہی تھی۔ جیسے گردن کی نسوں میں اٹک رہی ہو۔"اگر تمہیں لگتا ہے میں تمہارے حق میں بھی بری تھی تو ایسا نہیں ہے...میں نے تمہیں کبھی نقصان پہنچانے کے بارے میں نہیں سوچا۔تم میری اولاد ہو، وہاج۔میری اکلوتی اولاد۔"وہ زور زور سے اپنی شہادت کی انگلی سینے پر مار رہی تھیں۔"وہ..وہ اِشفا مجھے کہہ کر گئی تھی کہ تم میرے نہیں ہو۔تم مجھ سے نفرت نہیں کرتے ناں، وجی؟ کہہ دو میرا بیٹا مجھ سے نفرت نہیں کر سکتا۔"

ہاں...یہ سچ تھا۔وہ ان سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔دونوں آنکھوں میں کب سے جمے ہوئے آنسو رفتہ رفتہ بہہ نکلے تھے۔

"خدا کے لیے کچھ بول لو، وہاج۔اپنی ماں کو اتنا مجبور نہ کرو...میں ویسے بھی مر رہی ہوں... کیوں ایک بار میں ہی مار دینا چاہتے ہو مجھے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بے بس۔بس یہی لفظ تھاان کی کیفیت کو بیان کرنے کے لائق۔وہ ان کی حالت پر ترس نہیں کھا سکتا تھا۔کیونکہ جیسے ہی اس سوچ کا گزر ہوتا تو اس کے ذہن کے ایک گوشے میں ان تمام بے بس لوگوں کی تصاویر چھپ جایا کرتی تھیں جو کبھی زندگی میں اس کی ماں کی وجہ سے بے بس رہ چکے تھے۔

وہ ان کو سزا دینا چاہتا تھا۔جلاد بن کر۔بیٹا بن کر۔انسان بن کر۔ٹیلیفون اس کے ہاتھ سے سڑک کر ہوا میں لہرانے لگ گیا۔وہ میز پر دونوں ہاتھ جماتے اٹھ کھڑا ہوا۔

Clubb of Quality Content!

یہی سزا تھی ان کی۔کہ وہ اب سے وہاج خلیل کی آواز کو ترسیں گی۔وہ وہاں سے مڑ گیا تھا۔وہ عقب سے آوازیں لگا رہی تھیں۔اُسے پکار رہی تھیں۔شیشے پر ہاتھ مار کر اُسے متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ان کی چیخ و پکار کی صدا چار سو بلند تھی۔

وہ کمرے سے نکلا اور آکر کچھ فاصلے پر ہو کر ایستادہ خلیل محمد کے سینے سے لگ گیا۔کب سے ضبط کیے ہوئے آنسو اب رفتار کھینچتے ہر حد پار کرتے بس آمد و رفت کو برقرار کر گئے تھے۔

اگلے دس منٹ تک وہ ان سے لگ کر روتا گیا تھا۔ کہ وہ اُسے لئے لئے بینچ پر آن بیٹھ گئے۔ جب وہ رو رو کر چپ ہوا تھا اس کے چہرے کو اوپر اٹھاتے اس کی پیشانی چومی۔ "تم اکیلے نہیں ہو، وہاج۔ میں ہوں تمہارے ساتھ۔ تمہارا باپ ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑا رہے گا۔ خود کو کبھی بھی تنہا مت سمجھنا... میں مر جاؤں تو میرا بیٹا المیر تمہاری زندگی میں میرا کردار ادا کرے گا۔"

وہ سرخ آنکھوں کو رگڑتے ان سے دور ہوا تھا۔ "مرنے کی باتیں مت کیا کریں، بابا... میں مزید اموات نہیں دیکھ پاؤں گا۔"

"موت تو برحق ہے ناں، وجی... ایک ناں ایک دن تو سب نے مرنا ہے۔ لیکن جتنی زندگی باقی ہے، اُس کو سکون سے گزارنا ہر انسان کا حق ہے۔ تمہارا بھی... میرا بھی.. آئمہ کا ہماری زندگی سے چلے جانا ہی بہتر تھا۔"

"بابا...لوگ کیوں ہمیں تب چھوڑ جاتے ہیں جب ہمیں ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے؟"

"کافی گہرا سوال ہے...آج تک میں بھی اس کے جواب کی تلاش میں ہوں۔مجھے لگتا ہے یہ دنیا اچھے انسانوں کی نہیں ہے۔اچھے انسان جانتے ہو کون ہوتے ہیں؟جو کسی کے ساتھ برا نہیں کرتے۔کسی کا بُرا نہیں چاہتے۔بحث نہیں کرتے۔بدتمیزی نہیں کرتے۔جب ایک ایسا انسان معاشرے میں سروائیو کرنے نکلتا ہے تو معاشرہ اس کا فائدہ اٹھاتا ہے۔اس کے صبر کا امتحان لیتا ہے۔اُس کو اپنی ضروریات کے مطابق استعمال کرتا ہے اور پھر اُسے چھوڑ دیتا ہے۔اُس معاشرے میں کسی بھی شخص کا شمار ہو سکتا ہے۔آپ کا بہت قریبی بھی کوئی آپ کو استعمال کر سکتا ہے،وہاج۔لیکن...یہ ان اچھے انسانوں پر مبنی ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں کیسے رہتے ہیں؟بلبل کی طرح یا بھیڑیے کی طرح۔مجھے لگتا ہے لوگوں کے لئے خود کو بدلنا نہیں چاہیے۔ان کے لیے تو بالکل نہیں جن سے آپ کو نقصان پہنچا ہو۔"

"میرے ساتھ جو بھی ہوا...میری ماما نے جو کیا...آپ کو لگتا ہے یہ مجھے برا انسان بنا دے گا؟ کیا میں کبھی مووآن کر پاؤں گا،بابا؟"

انھوں نے ایک پُراسرار سا تاثر لئے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ "برا یا اچھا بننا ایک چوائس ہوتی ہے، وہاج۔ انسان جتنا بھی ٹوٹا ہوا ہو اُسے خود کو بُرا نہیں بننے دینا چاہیے۔ کیونکہ منہ تو اللہ کو ہی دکھانا ہے ناں...زندگی سکون سے بھی جی جاسکتی ہے۔ برا بن کر اُسے تباہ کرنے سے بہتر ہے انسان اچھا بن کر صبر کرلے۔ صبر آسان نہیں ہوتا، پر مشکلات کا حل ضرور ہوتا ہے۔"

"رہی مووآن کرنے کی بات تو تم آہستہ آہستہ سب بھول جاوگے...جب ہم اپنے پیاروں میں زندگی گزارتے ہیں ناں...تو تلخ یادیں کہیں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ ہاں البتہ خود کو کبھی بھی زبردستی مووآن کرنے پر مجبور نہ کرنا۔ ہر چیز وقت مانگتی ہے۔ تم دیکھنا ایک دن تم ان مشکلات سے بہت دور نکل چکے ہوگے اور جب پیچھے پلٹ کر یادِ ماضی پر نظر ڈالوگے تو تمہیں وہ اتنی دل گرفتہ نہیں لگے گی جتنی ابھی لگ رہی ہے۔"

"کیا سچ مچ ایسا ہوگا؟"

"ہو گا... ضرور ہو گا۔ تم ثابت قدمی سے چلو گے تو نہ کبھی خود کو تنہا پاؤ گے اور نہ ہی تنہائی تمہارے قریب آئے گی۔ اب مجھ سے وعدہ کرو کہ تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی بھی پریشانی ہو گی تو تم مجھے آکر بتاؤ گے... چاہے معاملہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو.. "

"میں وعدہ کرتا ہوں، بابا، میں سب سے پہلے آپ کے پاس آؤں گا۔" وہ اب ان کے گرد بازو حائل کیے لگا بیٹھا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی بیٹھے رہے کہ پھر گھر جانے کا فیصلہ کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک مہینے بعد

اس نے دھیرے سے قدم اٹھاتے انتہائی احتیاط سے کمرے کا دروازہ بنا آواز کے کھولا تھا۔ آرام سے اپنی جیکٹ اتار کر دیوار پر لگی کیل کے ساتھ لگا ئی۔

کمرہ ہر طرح سے خاموشی اور اندھیرے سے گھرا ہوا تھا۔ جیب سے فون نکالتے اس کی اسکرین پر وقت دیکھا۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ خاموشی کے ساتھ اپنے بوٹ اتارے اور سائڈ پر رکھتے وہ فون کی روشنی جلاتے باتھروم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازے کے دستے پر ہاتھ جماتے ابھی اُسے گھمایا ہی تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ کوئی ٹائم ہے گھر آنے کا؟"

آواز پر آنکھیں میچتے وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ دروازے کو گھورتا گیا۔ پھر دھیرے سے پلٹا۔

"تم سوئی کیوں نہیں؟"

وہ بیڈ پر ہاتھ باندھے بیٹھی تھی۔آنکھوں میں غصے کا عکس اُسے اتنی دور سے بھی نمایاں طور پر دکھ رہا تھا۔

"میں سو ہی رہی تھی۔آپ کے بوٹ اتارنے کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ورنہ کسی خوش فہمی میں نہ رہیے گا۔میں عام بیویوں کی طرح آپ کا انتظار نہیں کر سکتی دیر رات تک۔"

"موڈ.. ٹھیک ہے؟"

وہ یہاں آنے سے پہلے ذہنی طور پر تیار تھا کہ آج جنگ ہو کر رہے گی۔لیکن اُسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ گھر جاتے ہی آغاز ہو جائے گا۔

"کیوں بتاؤں؟"

"کیونکہ.. کیونکہ میں پوچھ رہا ہوں۔"

قدم آگے لیتے آرام سے کمرے کی بتی روشن کی تھی۔دودھیار نگت پر شہد رنگ آنکھیں منظر پر ابھری تھیں۔چہرے پر غصہ اور غصے میں نہائی اِشفا۔

"آپ ہوتے کون ہیں پوچھنے والے؟"

تڑخ کر پوچھا تو المیر نے لب کاٹے۔موڈ تو حد سے زیادہ خراب معلوم ہو رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں تمہارا شوہر۔"

"شوہر؟!" اتنی سی بات تھی کہ وہ کمبل کو ہٹاتے اچھل کر بیڈ پر کھڑی ہو گئی۔بنا انتظار کیے جھکی اور کمبل بیڈ کے ایک حصے سے پورا ہٹایا اور اس کے نیچے رکھا ہینگر نکالا۔المیر نے تعجب سے اس کے ہاتھ کو اور پھر اُسے دیکھا۔

یہ میری درگت بنانے کے لیے ہینگر پاس رکھ کر سو رہی تھی؟

ایک سیکنڈ بھی نہ لگا تھا کہ وہ مکمل طور پر تقریباً اونچی چھلانگ مار کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ہینگر اس کے چہرے کے نزدیک لے کر آئی تو وہ چند قدم پیچھے لے گیا۔

"آپ خود کو میرا شوہر کہہ رہے ہیں؟ ایسے ہوتے ہیں شوہر؟"

ہینگر مزید ذرا سا چہرے کے قریب آیا تو اس نے دل ہی دل میں آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تو.. پھر تم ہی بتا دو کیسے ہوتے ہیں؟"

اپنی گھبراہٹ کو قابو کرتے وہ نہایت ہی دشواری کا سامنا کرتے اپنے لہجے کو برقرار رکھ پایا تھا۔

"جیسے بھی ہوتے ہیں کم سے کم آپ جیسے نہیں ہوتے۔! صبح آٹھ سے لے کر رات کے دو تک گھر سے باہر نہیں رہتے۔بیوی کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔بیوی کو ہر آدھے گھنٹے کے بعد کالز کرتے ہیں۔اُس سے کیا وعدہ پورا کرتے ہیں..!"

وعدہ؟ یا اللہ میں نے کون سا وعدہ کیا تھا اس سے؟

ذہن پر بھرپور زور ڈالا۔تب جا کر اُسے یاد آیا کہ اس نے اسے آج شاپنگ پر لے کر جانے کا وعدہ کیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"یار، بہت کام تھا آج تھانے میں۔ایک نیا کیس آگیا تھا اس لئے میں فراغت کے دو سیکنڈ بھی نہیں سکون سے بیٹھ سکا..."معصوم سا چہرہ بناتے ہوئے اُسے اپنے حالات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔"...کل ہفتہ ہے ناں...کل لے
جاؤں گا تمہیں شاپنگ پر۔"

"شاپنگ پر؟"وہ غصے سے آگے آئی تو وہ دیوار سے لگ گیا۔

تفیصلی تھوک نگھلتے بہت ڈرڈر کر ابرو بالا کی۔"ہاں..میں نے یہی وعدہ کیا-"

"نہیں..!آپ نے کہا تھا میں اور آپ جمعے کے روز باہر کھانا کھانے چلیں گے۔آپ بھول کیسے سکتے ہیں؟"

وہ مایوس سی ہوتی اس کے چہرے کے سامنے سے ہینگر ہٹا گئی۔چند قدم پیچھے لیتی بیڈ کی طرف بڑھی۔جب وہ اس کے پیچھے لپکا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اِشفا...میری بات سنو..."

"خبردار جو وضاحت سے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی..!پچھلے دو ہفتوں سے یہی کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ۔بیوی نہ ہو گئی گائے ہو گئی.."

"نہیں نہیں.. خود کو جانور سے کون ملاتا ہے...میں ایسا تھوڑی سوچتا ہوں تمہارے بارے میں۔"

مسکرا کر کہا لیکن مقابل نے نظریں پھیر لیں۔آج تو معاملہ بہت سنگین تھا۔

"میری بات کان کھول کر سن لیں...آج سے آپ کمرے سے باہر سوئیں گے۔"شہادت کی انگلی دکھاتے بیڈ کی دائیں طرف سے سرہانا اٹھایا اور اُسے تھما دیا۔

وہ حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔منہ پورا کھل گیا تھا۔یعنی نوبت یہاں تک آگئی تھی؟

"یار میں اتنی رات کو کہاں جا کر سوؤں گا؟"

پوری کوشش کی لہجے کو معصوم ظاہر کرنے کی۔پر روبرو ایستادہ لڑکی تو کان ہی نہیں دھر رہی تھی۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے! میری طرف سے تھانے جا کر سو جائیں یا بے شک باہر باگیچے میں۔"

کہہ کر اس کا بازو تھاما اور جسم کا سارا زور لگاتے اُسے کھینچتی ہوئی دروازہ تک گئی۔ دروازہ کھول کر اُسے باہر نکالا اور دروازے کو اس کے منہ پر بند کر دیا۔

دروازہ ٹھا کی آواز کرتے اُس کی ناک سے کچھ ہی فاصلے پر بند ہوا تو وہ فوری طور پر چہرہ پیچھے کر گیا۔ پچھلی بار بھی لڑائی میں سب سے زیادہ نقصان اس کی ناک کا ہی ہوا تھا۔

ناولز کلب

کندھے ڈھیلے پڑے۔ ہاتھ بڑھا کر بالوں میں پھیرا اور بے زاری سے اپنے حلیئے کو دیکھا۔ کتنا غصہ کرتی ہے۔ شادی سے پہلے تو ایسی نہیں تھی... بچوں کی طرح ہونٹ بناتے سوچا گیا۔

دھیرے دھیرے زینے اترتا وہ بنا کمبل کے بس سرہانے کو لئے صوفے پر جا بیٹھا۔ اُسے صوفے کی ایک طرف رکھتے اس نے ایک آخری نظر اپنے کمرے پر ڈالی۔ پھر چپ چاپ لیٹ گیا اور نا جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

"برو..؟"

کسی نے کان کے بہت نزدیک سرگوشی کی تھی۔وہ جھرجھری لیتا ہوا اٹھ بیٹھا۔دونوں آنکھوں کو باری باری مسلتے صوفے کے پاس زمین پر بیٹھے وہاج کو دیکھا۔جو اُسے خوشگوار حیرت میں ڈوبے تاثرات لئے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ٹائم ہوا ہے؟"جمائی لیتے ہوئے پوچھا گیا۔

"گیارہ بج رہے ہیں.."

"کیا؟"وہ بل کھاتے ہوئے سیدھا ہوا تھا۔"میں اتنی دیر کیسے سوتا رہا؟اور مجھے کسی نے جگایا کیوں نہیں؟"

"میں بھی ابھی اٹھا ہوں۔ بابا باہر ورزش کر رہے ہیں اور بھابھی ان سے باتیں کر رہی ہیں۔" دانت نکالتے ہوئے وضاحت دی گئی۔ "بھابھی نے میری تَوقع کے برعکس آپ کو بہت جلدی کمرے سے نکال دیا۔ میں تو سمجھا تھا مزید ایک مہینہ لگ جائے گا۔"

اس نے یہ سن کر ایک مضبوط تھپڑ اس کے کندھے پر جھڑا تھا۔ وہاج ہنستا ہوا پیچھے ہوا تھا۔ اپنے اوپر سے کمبل ہٹاتے وہ فرش پر قدم رکھ گیا۔

"کمبل کس نے دیا مجھ پر؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

دھیرے سے مسکان در آئی تھی۔ اِشفا نے ہی دیا ہو گا۔ میرا خیال کیے بنا رہ بھی نہیں سکتی۔

"بابا نے۔ بھابھی تو اتنا غصہ تھیں کہ آپ پر سے یہ بھی کھینچ کر اتارنے لگی تھیں۔ بابا نے بڑی مشکل سے انہیں کمبل نہ ہٹانے پر آمادہ کیا کہ پوچھیں ہی نہ.."

افسردگی سے وہاج کے جواب کو سنا اور ایک نظر گھر کے دروازے پر ڈالی۔ یا اللہ..! یعنی میری بیوی ایسے نہیں مانے گی۔

"بھائی ویسے..." آنکھیں چھوٹی کر کے اُسے دیکھا۔ "...کس بات پر پٹائی ہوئی ہے آپ کی؟"

المیر نے اُسے گھور کر دیکھا۔ "یار وعدہ پورا نہیں کر سکا۔"

"چچ چچ... بہت افسوس ہوا۔ اللہ آپ کو صبر دے اور آپ کے حوصلے بلند کرے۔ بھابھی تو شدید غصے میں ہیں۔ آج تو آپ کی خیر نہیں ہے۔ میری مانیں گھر سے بھاگ جائیں..!"

"گھر سے بھاگوں گا تو واپس ادھر ہی آنا پڑے گا۔ ایک نہیں تو دوسرے طریقے سے اس نے مجھ سے جنگ کرنی ہی ہے۔"

"بس پھر کچھ ایسا کریں کہ بھابھی ہتھیار ڈال دیں..."

"تم کوئی آئیڈیا دو ناں..." گہری نگاہ سے اُسے دیکھا۔ وہاج کی اس بات پر ہنسی نکلی۔

"میری تھوڑی سی شادی کروا دیں... پھر اپنی بیگم سے جھگڑ کر آپ کو خود پر آزمائے حربے بتاؤں گا۔" کھی کھی کی گئی۔

"یعنی تم نے بھی میری طرح ذلیل ہی ہونا ہے؟"

اس نے سر کو خم دیا۔ "آپ پر ہی جاؤں گا۔ اتنا پیار کرتا ہوں آپ سے۔"

Clubb of Quality Content!

"پیار بعد میں کر لینا پہلے میرے مسلے کا حل نکالو۔ کمرے کی تو خیر ہے، پوری زندگی فرش پر بھی سو سکتا ہوں۔ پر اس سے ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتا۔"

اس نے چہرے کے نیچے شہادت کی انگلی رکھ لی اور کسی گہرے خیال میں مبتلا ہو گیا۔ "سب سے پہلے تو نوکری سے چھٹی لیں۔"

المیر نے کچھ سوچتے ہوئے سرہانے کے نزدیک رکھا اپنا فون اٹھایا۔ایک نمبر ملاتے کان سے لگالیا۔"سلیم، آج تھانے نہیں آپاؤں گا۔تم اور قوی دیکھ لینا سب۔"

پھر فون پاور آف کر کے رکھ دیا۔

"اب؟"

"اب...اٹھ کر فریش ہو جائیں اور اچھے سے کپڑے پہن کر ناشتہ کریں۔پھر میں بتاتا ہوں آگے کیا کرنا ہے..."

وہ بات مان کر اٹھا اور زینے پھلانگ کر کمرے میں کہیں غائب ہو گیا۔وہاج نے ڈھیلی سے مسکان چہرے پر سجاتے سینے کے آگے ہاتھ باندھ لئے تھے۔

Clubb of Quality Content

وہ سیاہ پینٹ پر جامنی رنگ کی شرٹ پہنے ناشتے سے ابھی ابھی فارغ ہوا تھا۔زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے مخصوص رنگوں کے علاوہ کسی رنگ کی شرٹ پہنی تھی۔وہ بھی صرف اس لئے کیونکہ جسے منانے کا ارادہ رکھتا تھا، یہ اسی کا لایا ہوا تحفہ تھا۔

ناشتے کے برتن کچن کی شیلف پر رکھتے وہ پلٹ کر ہال میں واپس آگیا۔"وجی...!"

"جی بھائی؟"دوسری منزل سے آواز آئی۔

"اب کیا کروں؟"

"یہ بھی میں بتاؤں گا تو اِشفا آپی ناراض ہو جائیں گی۔میرے خیال سے آپ کو خود سے انہیں منانے کے طریقے سوچنے چاہئیں۔"

اس نے تو جیسے ذمے داری سے پلا جھاڑا تھا۔المیر ایک گہری آہ بھر کر رہ گیا۔کہہ تو وہ ٹھیک رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

کچھ لمحے وہیں ایستادہ رہا پھر نظریں آگے پیچھے گھمائیں۔لمحے بعد کچھ سوچ کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

باہر آیا تو خلیل محمد کو کرسی پر بیٹھے پایا۔اِشفا ان کے مقابل رکھی کرسی پر بیٹھی ان سے کسی موضوع پر زیرِ گفتگو تھی۔بے آواز قدم اٹھاتا آیا اور اس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اِشفا نے ایک بدمزہ نگاہ ساتھ آکر بیٹھے نفوس پر ڈالی اور واپس باتوں میں مصروف ہو گئی۔ خلیل محمّد نے ابرو اٹھاتے پہلے اُسے اور پھر المیر کو دیکھا۔جو معصوم سی شکل بنائے اپنے والد کو اشارے کر رہا تھا۔

"بابا...آپ کی بہو مجھ سے ناراض ہے۔اس سے کہیں مجھ سے بات کر لے۔"

اِشفا کی غصیلی نگاہ کو دیکھتے اُس نے پشت کو کرسی سے لگایا تھا۔"انکل،اپنے بڑے بیٹے سے کہیں مجھ سے بات مت کریں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بابا...اپنی بہو سے پوچھیں اگر میں اس سے بات نہیں کروں تو کس سے کروں؟"

"انکل،اپنے بڑے بیٹے سے کہیں جاکر ان لاشوں سے باتیں کریں جن کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔"

"بابا،اپنی بہو سے کہیں میں اپنی مرضی سے تو وقت نہیں گزارتا۔مجبوری ہے میری۔"

"انکل،اپنے بڑے بیٹے سے کہیں مجبوری وہ نہیں، مجبوری میں ہوں..تب ہی میرے ساتھ وقت نہیں گزارتے یہ۔"

"بابا،اپنی بہو سے کہیں خود کو اب میری مجبوری تو نہ کہے کم از کم۔مجھے برا لگتا ہے جب یہ خود کو ایسے القابات سے نوازتی ہے۔"

"انکل، اپنے بڑے بیٹے سے کہیں میں جان کر نہیں نوازتی خود کو ایسے القابات سے۔ یہ مجھے اتنا غیر ضروری محسوس کرواتے ہیں، اس لئے..."

"بابا، میری بیوی سے کہیں اگر کہتی ہے تو استعفیٰ دے دیتا ہوں۔ بس مجھ سے راضی ہو جائے۔"

"انکل، میرے شوہر سے کہیں اب تو چاہے چاند تارے توڑ کر لے آئیں، میں اس ناراضگی کو مرتے دم تک ختم نہیں کروں گی۔ آخر انہوں نے مجھے نظر انداز کیا تو کیا کیسے؟"

Clubb of Quality Content

خلیل محمد نے معاملے کی سنگینی کو پرکھتے وہاں سے اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا تھا۔ جب وہ منظر سے غائب ہو گئے تو المیر کرسی سے اٹھا اور زانوں پر اس کے سامنے گیلی گھاس پر بیٹھ گیا۔

اس کے دونوں ہاتھ تھامنے چاہے جب اس نے چہرہ پھیر لیا۔

"مرنے کی بات کر کے کیوں میری جان لینا چاہتی ہو؟"

اس نے آنکھیں گھمائیں پھر چہرے کے زاویے بگاڑے۔

"اچھا... میری طرف دیکھ لو، پلیز..." جب اگلے دس سیکنڈ تک بھی اس نے اپنا چہرہ اس کی سمت نہ کیا تو المیر کا ضبط ٹوٹا۔

"کیا کروں گا تو معافی ملے گی؟"

آنکھیں امید چھلک رہی تھیں۔ دل چاہتا تھا وہ بس کہے کہ اُسے کیا چاہیے اور وہ دوڑ کر جائے گا اور کہیں سے بھی لا کر دے گا۔

جب وہ کچھ نہ بولی تو وہ اٹھا اور کچھ فاصلے پر ہو گیا۔ پھر یکدم دونوں ہاتھ کانوں کی طرف گئے۔ انہیں پکڑ کر اُس نے دھیرے دھیرے اٹھک بیٹھک شروع کر دی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہ منظر ٹیرس پر کھڑا اوہاج اپنے فون کے کیمرے میں قید کر چکا تھا۔شرارتی مسکراہٹ نے چہرے کا احاطہ کیا۔اب برو کو بلیک میل کر کے اپنے کام نکلواؤں گا۔

جبکہ نیچے بیٹھی وہ لڑکی اپنے شوہر کی طرف نگاہیں پھیر گئی۔اسے کان پکڑ کر اٹھتے بیٹھتے دیکھا تو کرسی سے اٹھی اور گھر میں چلی گئی۔

پیچھے کھڑا المیر مایوسی میں سرتا پیر ڈوب چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شام کا وقت تھا۔سورج غروب ہو رہا تھا اور اس عمل سے پھیلتی نارنجی روشنی کھڑکی سے ہوتی سیدھا اس کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔کچھ سوچ کر اٹھا اور کچن میں کام کرتی اپنی بیوی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ سنک کے آگے کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ ہولے سے اس کے پیچھے جا کر جھک کر ہاتھ بڑھایا اور پانی کا نل بند کر دیا۔ وہ فوراً پیچھے مڑی۔

"کیا مسئلہ ہے؟"

"شام ہو گئی ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟"

"مجھ سے دوستی کر لو۔"

"جی نہیں.." کہہ کر پلٹی اور پھر سے برتن دھونے لگ گئی۔

"اچھا سنو؟" جب اس نے نہ سنا تو انگلی سے اس کے کندھے کو چھوتے اُسے اپنی طرف راغب کیا۔ "سنو پلیز.."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ایک عمیق سانس بھرتے وہ نل بند کرتی ایک دفعہ پھر سے پلٹی۔ "میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"تو دوا کھائیں.."

"ایک کپ چائے بنا دو..."

ناولز کلب

مقابل کو جبڑے بھینچتے دیکھ وہ چند قدم پیچھے ہوا۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں چھری دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"میرے ساتھ.. اب اگر.. آپ نے.. فضول گوئی.. کرنے کی.. کوشش کی.. تو میں آپ کے... ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گی..!" ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

چھری کی نوکیلی اور چمکتی دھات پر نظریں جماتے وہ چہرہ پیچھے کرنے لگا۔اِشفاامین کا یہ والا روپ تو وہ پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا۔وہ بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر۔

"دیکھو.."

"دیکھو نہیں...آپ دیکھیں۔میرا موڈ آپ کی بدولت سخت خراب ہے۔اب اگر مجھے مخاطب کرنے کی کوشش کی تو میں بھول جاؤں گی آپ میرے شوہر ہیں۔"

"میری بات تو سن لو۔"

"نہیں!"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

رات دیکھتے ہی دیکھتے ہر سو بسیرا کر چکی تھی۔ کمرے کی دیوار پر لگی گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی۔ وہ ڈر کر کمرے میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اُسے دیکھ کر غصہ کرنے لگے گی۔

دروازے کو کھولتے اُس کو سیاہ کمرے میں ڈھونڈنا چاہا جب وہ اُسے شیشے کی دیوار کے اُس پار ٹیرس پر کھڑی نظر آئی۔ اُس کے دونوں ہاتھ گرل پر جمے ہوئے تھے۔

وہ چلتا ہوا آیا اور الماری کھول کر اپنی شال نکالی اور خود کو صحیح سے اس میں لپٹتے دروازہ کھول کر ٹیرس میں داخل ہو گیا۔ عین اس کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا۔

Clubb of Quality Content!

اپنے بائیں کندھے سے شال کا پلو ہٹا کر اِشفا پر دیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے شانوں پر بازو رکھتے بہت ہی آرام سے ایسے کھڑا ہو گیا جیسے دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہی نہ تھا۔

"کوئی مجھے معاف کر دے اگر.." نظریں اس پر ڈالیں۔ "...تو پوری زندگی اس کا غلام بن کر رہوں گا۔"

"اتنے کام چور غلام کا میں کیا کروں گی؟" نگاہیں اب بھی باہر کے منظر کو سراہانے میں مصروف تھیں۔

"تم مجھے غلام بنالو گی تو کام چوری نہیں کروں گا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ تم مجھے کام دیتی ہوئی اچھی لگو گی اور میں نظریں جھکائے کام کرتا ہوا اچھا لگوں گا۔"

اس نے بیک وقت چہرہ موڑ کر المیر کو دیکھا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو المیر مسکرانے لگا۔

"تنخواہ نہیں دوں گی.."

"مت دینا۔"

Clubb of Quality Content

"پھر بھی میرے کام اچھے غلاموں کی طرح کریں گے؟"

"بدلے میں بس کمرے میں تھوڑی سے جگہ اور چہرے پر ذرا سی مسکراہٹ دکھا دینا۔"

"میں سب سمجھتی ہوں.. آپ کمرے میں واپس آنے کے لئے یہ سب کر رہے ہیں۔"

"نہیں.. میں دو چار سال مزید صوفے پر سو سکتا ہوں۔ اس عمل میں قباحت نہیں ہے۔ لیکن تمہارا مجھ سے نظریں پھیر لینا میری تکلیف میں اضافہ کر رہا ہے۔"

Clubb of Quality Content

اس کی شال کا پلو اپنے شانے سے ہٹاتے اس نے اپنا رکھا اب مکمل طور پر اس کی طرف کر لیا تھا۔ "کمرے میں سو سکتے ہیں۔ لیکن ہماری دوستی نہیں ہوئی۔ میں اب بھی ناراض ہوں آپ سے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ دل کو تھوڑا سا حوصلہ ہو گیا تھا۔

وہ باتھروم سے فریش ہو کر کمرے میں سونے کی غرض سے داخل ہوئی تھی۔ہاتھوں کو تولیے سے خشک کرتے اس نے قدم بستر کی طرف بڑھائے جب اس کی نظر زمین پر چادر بچھا کر لیٹے اپنے شوہر پر گئی۔

قدرے حیرت سے اُسے سر تا پیر دیکھنے کے بعد وہ اس کے پاس ہی نیچے بیٹھ گئی۔اس کے اوپر دی ہوئی چادر کو اس کے چہرے سے ہٹایا۔"آپ ادھر کیوں لیٹ گئے؟"

Clubb of Quality Content

سُرمئی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتیں کھلتی چلی گئیں۔"تم نے کہا تھا ہم دوست نہیں ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ آپ ادھر سوئیں..." وہ اپنی خوشی کو چھپاتا اٹھ بیٹھا۔چلو یہ حربہ تو کام آیا تھا۔

"اُٹھیں اور صوفے پر سو جائیں۔" کہہ کر بیڈ پر جا لیٹی تو المیر نے لب بھینچ لیئے۔ کتنی بے مروّت تھی اُس کی بیوی۔

اگلے مکمل دو روز سکون سے گزرے تھے۔ المیر کی بیوی اُسے جو جو کام کہتی وہ بنا لفظ کہے فوراً کر دیتا تھا۔ اِشفا سے شادی کے بعد اُس کے کمرے کی حالت کافی حد تک سنگین ہو گئی تھی۔ ہر وقت سمٹا رہنے والا اس کا خوبصورت کمرہ ہر طرح سے بے حال اور بکھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

Clubb of Quality Content!

گھاس کے ایک حصے کو کینچی سے کاٹ کر وہ اب باآسانی اُس قبر کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔ آج کی تاریخ اس کے انتقال پر ایک سال بیت جانے کی مہر ثبت کر چکی تھی۔ ایک پورا سال اس غم میں بیت گیا تھا۔ لیکن احساسات اتنے خالی اور دل اتنا اُچاٹ تھا کہ گویا کل ہی کی بات ہو۔

عالیہ خلیل اور اس کے نیچے بیس اکتوبر انیس سو ننانوے اور اس کے تلے تاریخ وفات... یہ نام کتنا ادھورا تھا۔ جیسے اسے کتنے ہی رنج اٹھانے پڑے ہوں۔

اس نام پر اس نے ہولے سے ہاتھ پھیرا۔

وہ سیاہ بال، وہ بھوری آنکھیں... سب کچھ اُسے ہر دن شدت سے یاد آنے لگا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی زندگی اور زندگی میں رونما ہونے والے واقعات میں الجھا ہوا تھا۔ پر راحم رضا احمد خود میں الجھا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کے خیالات ہر بڑھتے دن کے ساتھ اس کے دل پر ایک نوکیلی کیل ٹھوک رہے تھے۔ دل حصوں میں بکھر چکا تھا اور یادیں ریزہ ریزہ بن کر اس کی آنکھوں میں چھلکتی تھیں۔

دل و دماغ ہر وقت گہری شکستگی کا شکار رہتے۔ فراغت کے چند لمحات اُس کی سانسیں اس پر تنگ کرنے لگتے تھے۔ سوچ کا سفر اُس کے اور اپنے سفر سے ابتدائیت پکڑتا اور ایک جملے پر آن رکتا۔

"کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں..."

لفظوں کی گونج اور لہجے کا تاثر ہر وقت اس کے حواسوں پر چھایا رہتا۔کچھ پل آنکھوں کے آگے تھم سے جاتے اور وہ یادِ ماضی میں جا پہنچتا۔

وہ لڑکی...اس کے پیچیدہ الفاظ..اس کی شکوہ کناں نظریں۔ہر بات پر اُسے اس کی باتیں یاد آجاتیں۔یہاں تک کہ وہ سر ہاتھوں میں تھامے کئی کئی گھنٹوں بیٹھا رہتا۔

Clubb of Quality Content!

اگر اُس روز وہ ٹھہر کر اس سے جواب مانگ ہی لیتی تو وہ کیا کہتا؟یہی سوچ آنے پر اکثر اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ جایا کرتا تھا۔

عالیہ کے انتقال کے بعد کبھی شادی کرنے کا خیال اس کے ذہن سے گزرا ہی نہیں۔اس نے کبھی دوبارہ اپنے بارے میں سوچا ہی نہیں۔جب بھی نانی اس سے التجا کرتیں کہ اپنا گھر بسا لے تو یہ کہہ کر جھٹک دیتا کہ ابھی عمر پڑی ہے۔

لیکن اس کی زندگی اور پھر سوچوں میں مہوین کے قدم اُسے لاجواب کر گئے۔ اگر وہ یہ کہتا ہے فلحال شادی نہیں کر سکتا تو بھی نتائج ایسے ہی نکلتے جیسے ابھی نکلے۔

اس کی خاموشی اُسے کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ المیر اور اِشفا کی شادی پر بھی اُس کا مہوین سے آمنا سامنا بہت کم ہوا تھا۔ لیکن جب بھی وہ روبرو آتی تو ایسے نظرانداز کرتی کہ اُسے اپنی موجودگی پر شبہ ہونے لگتا۔

اُسے خود سے شکوے تھے اور اُس سے بھی۔ وہ دل نہیں توڑنا چاہتا تھا پر اس کے علاوہ اُس کے پاس کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اپنی پیدائش سے اب تک اس کے عزیز آہستہ آہستہ اس سے چھینے گئے تھے۔ اب کہ اس نے خوشیاں حاصل کرنے کی امید کو خود سے بہت دور کر دیا تھا۔

ہر چیز، ہر فیصلہ، ہر جملہ اُسے پچھتاوے کی یاد دلاتا تھا۔ کبھی دل دے کر تو کبھی دل لے کر وہ پچھتایا۔ کبھی فیصلہ کر کے تو کبھی نہ کر کے ندامت ہوئی۔

ناولز کلب

اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا،

جانے کیوں آج تیرے نام پہ رونا آیا

،یوں تو ہر شام امیدوں میں گزر جاتی تھی

آج کچھ بات ہے جو شام پہ رونا آیا

،کبھی تقدیر کا ماتم کبھی دنیا کا گلا

منزل عشق میں ہر گام پہ رونا آیا

،جب ہوا ذکر زمانے میں محبت کا شکیل

مجھ کو اپنے دل ناکام پہ رونا آیا

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"نانی کہتی ہیں... شادی کر لوں۔ پر.. پر میرا دل نہیں مانتا، عالیہ۔ میں بہت ٹوٹا ہوا ہوں۔ مجھے چین نہیں آتا۔ مجھے راہِ فرار نہیں مُیسر، مجھے تمہاری یادیں جینے نہیں دیتیں.."

آنسو زارو قطار اکھیوں کی کناریوں سے ٹپک رہے تھے۔ ہاتھ کپکپاہٹ کا شکار اور دل سینے میں لرز رہا تھا۔ عالیہ سے پہلے اُسے اپنے غم، رنج اور آزمائشوں پر رونا نہیں آتا تھا۔ اور عالیہ کے بعد اُسے رونے کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔

ہر طرف سے شکست خُردہ لوٹتا تو اتنا نہ ٹوٹتا، ایک عشق ہی تھا جس نے اُس سے اُس کی مسکراہٹ چھین لی۔ بس ایک کسر باقی تھی اُس کے دل کو، اور وہ بھی تباہ کن طریقے سے اُس کے سینے پر آن لگی۔

ساری خوشیاں ملا کر بھی اُس کے پیچھے چھوٹ جانے کا غم کئی زیادہ تھا۔ آج کے روز اُسے ہر اُس یاد کی یاددھانی ہو رہی تھی، جس کی یاد اُسے کبھی کبھی آیا کرتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُس کے والد۔ علیم رضا۔

اُس کی والدہ۔ نمرہ علیم رضا۔

ایک انسان ان میں سے وہ کھو چکا تھا اور ایک انسان اُسے چھوڑ چکا تھا۔ اُسے اکثر اپنی والدہ کی یاد ستاتی تھی۔ سوچا کرتا تھا کہ آج ماں ہوتیں تو کیا ہوتا؟

پر یہی جواب جلوہ گر ہوتا کہ ماں ہوتیں تو ناں.. اس کی ماں کو اُسے چھوڑے زمانے ہو گئے تھے۔زمانوں بعد بھی ان کی یاد شدت سے آتی تھی۔اور روح چبا جاتی تھی۔

اگر زندگی میں صرف ایک دفعہ وہ اُسے مڑ کر دیکھ لیتیں تو کیا وہ رک جاتیں؟ نہ وہ کبھی ملنے آئیں اور نہ ہی یہ کبھی ان کا ذکر کر پایا۔آج وہ کہاں ہوں گی؟ ان کے کتنے بچے ہوں گے؟ کتنی خوشیاں ہوں گی؟ کتنے غم ہوں گے؟

کیا ہو گا اگر وہ ان سے ملنے چلا جائے... کیا ہو گا اگر وہ ایک دفعہ اُسے سینے سے لگا کر اُس کی پریشانیاں مٹا دیں۔ کیا ہو گا اگر وہ چپ چاپ روتا جائے اور وہ پیار سے اس کے بالوں کو سلجھاتی جائیں۔۔۔ کیا ہو گا اگر یہ سب ہو گا؟

چہرہ سرخی چھلک رہا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر فون جیب سے نکالا۔ایک نمبر کھول کر اُسے ملایا گیا۔

"ہیلو؟"

دوسری طرف سے کسی کی آواز آئی۔ چند لمحوں کا توقف اور وہ بول ہی اٹھا۔ "نمرہ.. نمرہ ہیں؟"

چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ وہ جواب کا انتظار کرتا گیا اور وقت اس کے تاثرات کا۔ "آپ کون بات کر رہے ہیں؟" لڑکے کی آواز کسی مردانہ آواز سے بدل گئی تھی۔

وہ ٹھہر گیا، رک گیا۔ کیا اُسے اپنا تعارف کروانا چاہیے تھا؟

"میں... میں ان کا بیٹا.. راحم۔" نہیں آج اس نے رضا احمد نہیں لگایا تھا نام کے ساتھ۔ آج وہ صرف راحم تھا، ایک بھٹکا ہوا راہ گیر۔

"راحم... بیٹا، میں وحید دورانی بات کر رہا ہوں۔ نمرہ کا دوسرا شوہر..." وقفہ چھا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے کانوں پر اثرانداز کر دینے والا سکوت بھی۔ دل کو قابو میں کرتے اس نے کال کاٹنی چاہی۔ ".. نمرہ کا دو مہینے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کان سے دوری اختیار کرتا فون ہوا میں رک گیا۔ وہ آنکھیں فوراً بھر آئیں۔ فون کی اسکرین کو ایسے گھورا جیسے کتنا ہی بڑا خواب ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا ہو۔

ماں کا انتقال ہو گیا؟

وہ بھی مجھے چھوڑ گئیں؟

فون کو بند کرتے وہ اُسے غصے سے وہیں کہیں پھینک چکا تھا۔ رونے کی آواز میں اتنی اونچائی اور درد پوشیدہ تھا کہ وہ دھاریں مار مار کر پاگلوں کی طرح رو رہا تھا۔ زمین پر ہاتھ مار رہا تھا جیسے شکوے کر رہا ہو۔

اس نے دیر کر دی تھی۔ وہ دو مہینے لیٹ ہو گیا تھا۔

ناجانے کتنے ہی پل اس کی رونے کی آواز کی نظر ہو گئے۔ غم، رنج، تکلیف، قرب اور درد.. یہ الفاظ ناکافی تھے۔ اُسے اپنی حالت کے پیش خیمہ آج ایک کاتب کی ضرورت تھی۔ کہ وہ بنا الفاظ حالت بیان کر دے اور کاتب مکتوب میں بدل دے۔

یہ سب اس کے ساتھ ہونا تھا۔ یہ سب مکتوب تھا۔ یہ کیسے نصیب تھے اس کے؟

قریب سے اپنے فون کے بجنے کی آواز آئی تو اس نے اسکرین کو دیکھا۔ نمرہ علیم رضا کے سسرال کا نمبر تھا۔ ابھی اسی پر اس کی ان کے دوسرے شوہر سے بات ہوئی تھی۔ یہ نمبر اس نے پانچ سال پہلے کسی سے لیا تھا۔ یہی خیال کیا کہ کیا پتا کبھی.. زندگی میں وہ اُسے پکار لیں اور وہ ان کی کال نہ اٹھائے اور یہ سوچ کر جانے دے کہ ناجانے کس کا نمبر ہے۔

میچی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس نے آنسو چہرے سے رگڑ کر ہٹائے۔ پھر فون کو کان سے لگایا۔ "بیٹا.. میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

وحید دورانی کیا چاہتے تھے اس سے؟

"کیوں؟"

"نمرہ تم سے.. تم سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔میں اس کا پیغام تمہیں دینا چاہتا ہوں۔"اس نے حلق میں اٹھتی ایک ہچکی کو معدوم کیا۔"ہو سکے تو میرے گھر آ جانا۔"

اگلے ایک منٹ میں وہ زمین سے اٹھ چکا تھا۔وہ اس کے لئے پیغام چھوڑ کر گئی تھیں۔یہ انکشاف اُسے زندہ رکھنے کے لیے بہت تھا۔وہ بھاری قدموں کے ساتھ قبرستان سے باہر آیا۔اور اگلے چند لمحوں میں گاڑی چالو کر کے اُس مخصوص منزل کی طرف بڑھ گیا تھا۔

دروازے کی گھنٹی بجاتے وہ ایک قدم پیچھے ہو گیا۔گھر باہر سے کافی بڑا اور کشادہ نظر آتا تھا۔چند لمحے بعد ازاں اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی پڑی اور ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔

"راحم رضا احمد؟" گلے میں سرخ رنگ کا کپڑا ڈالے وہ شخص ہر زاویے سے نوکر معلوم ہوتا تھا۔اس نے سر اثبات میں ہلایا تو وہ اُسے لیے لیے ہال میں آگیا۔

گھر خوبصورت تھا۔

اُسے صوفے پر بیٹھنے کا کہتے وہ خود کہیں غائب ہو گیا۔چند پل بیت گئے۔اور تب وحید نے اُسے اور اُس نے وحید کو دیکھا تھا۔وہ دائیں طرف بنے ایک کمرے سے نکل رہے تھے۔

اونچا قد اور ٹھیک ٹھاک شخصیت۔

وہ آئے اور اس کے سامنے آن ٹھہرے۔وہ تعظیماً اُٹھا اور ان کا اس کے آگے کیا ہوا ہاتھ تھام کر ہلایا۔

"کیسے ہو، بیٹا؟"

اس کی سرخ مائل انکھیں دیکھ کر ہی شاید انھوں نے اتنی تاثیر کے ساتھ اس سے یہ سوال کیا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

وہ اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئے اور پھر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"زہرہ کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"نانی کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

انھوں نے ایک گہرا سانس لیا۔ "نمرہ تمہیں اور زہرہ کو زندگی کے ہر پل یاد کرتی تھی۔ اکثر میں اُسے کہتا تھا کہ اگر اتنا یاد کرتی ہے تو رابطہ کیوں نہیں کر لیتی؟ تو کہتی تھی میں ساری کشتیاں جلا آئی ہوں، وحید۔ میں واپس جاؤں گی تو ان کی نفرت میں اضافہ ہو جائے گا۔"

راحم اُسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ ہر یاد اُس کے صبر کو آزماتی تھی۔ ضبط ٹوٹنے کے دہانے پر کھڑا تھا۔

"نمرہ اور میری، ہماری اولاد نہیں ہوئی، راحم۔ ہماری شادی کے دو ہی سال بعد اُسے کینسر ہو گیا تھا۔ جگر کا۔ تب سے لے کر دو مہینے پہلے تک وہ ایسی جنگ لڑ رہی تھی، جسے وہ کب کا ہار چکی تھی۔ اپنے علاج کے دوران اُسے ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ ہر کام کر لیتی تھی بس بات نہیں کرتی تھی۔ جب بولتی تو صرف تمہارا اور زہرہ کا ذکر اس کی زبان پر ہوتا تھا۔"

آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر نکلا۔ "اپنی زندگی کے آخری ایام اس نے تمہیں دیکھتے ہوئے گزارے ہیں، راحم۔ بڑے فخر سے کہتی تھی کہ اس کا بیٹا اے ایس پی ہے۔ ایک خوبصورت اے ایس پی۔" ان کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کا عکس تھا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

کہہ کر اٹھ گئے اور کسی اور چل دیئے تو وہ بھی ان کے پیچھے لپکا۔ جس کمرے سے نکلے تھے اُسی کمرے کا دروازہ کھولتے اندر بڑھ گئے۔ بتی درخشاں ہوئی تو راحم کی آنکھوں کے سامنے کا منظر دھندلا گیا۔

اُس کمرے کی ہر دیوار پر راحم کے بچپن کی تصاویر ثبت تھیں۔ وہ اُس کمرے کے حصے حصے پر چھایا ہوا تھا۔ جیسے ان سے زیادہ یہ کمرہ اس کا ہو۔

"یہ کمرہ پچھلے پندرہ سالوں سے ایسا ہی ہے۔ کوئی اسے ہاتھ نہیں لگاتا۔ وہ لگانے ہی نہیں دیتی تھی۔ اس کے کونے کونے سے تمہارا عکس پھیلتا ہے اور مہک زہرہ کی آتی ہے، ایسا وہ کہتی تھی۔ وہ کہتی تھی تمہیں صبر نہیں آتا اور اُسے موت نہیں آتی۔ وہ روز تمہیں اپنے خواب میں دیکھا کرتی تھی۔ اور مجھے کہتی تھی کہ میرا بیٹا مجھے بہت یاد کرتا ہے۔"

راحم کے رونے میں شدت پیدا ہو گئی تھی۔ آج اشک بہانے کا دن تھا۔ آج کھوئے ہوئے لوگوں کے یاد آنے کا دن تھا۔

"مرنے سے پہلے اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر کبھی تم سے ملوں تو تمہیں بتاؤں کہ تمہاری یاد اس کے غموں کا مداوا کرتی تھی۔ وہ تم سے بہت محبت کرتی تھی، راحم۔" وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ ہر جگہ۔ "تمہاری ماں کی قبر باگیچے میں ہے۔ وہ راہیں دیکھتے اس جہاں سے چلی گئی کہ ایک دن تو تمہاری راہ اس کی ناہموار راہوں سے ٹکرائے گی۔"

"..تو..تو پھر انھوں نے مجھے پکارا.. کیوں نہیں؟ میں بھاگا ہوا چلا آتا.." اس نے روتے ہوئے وحید کو دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اُسے لگتا تھا وہ پکارے گی تو تم اس کی پکار کو ان سنا کر دو گے۔"

کتنے قرب میں مبتلا ہو کر انھوں نے یہ جملہ ادا کیا ہو گا؟ وہ رونے لگا۔ بے اختیار پلٹا اور وحید دورانی کے گلے سے لگ گیا۔ وہ بھی اب اونچا اونچا رو رہے تھے۔

جب رورو کر جی بھر گیا تو ان سے دور ہوا۔ "میں ماں کی قبر پر جانا چاہتا ہوں۔ مجھے لے چلیں گے آپ؟"

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ اُس قبر کے پاس بیٹھا تھا۔ جس کی تختی پر نمرہ اور اُس کے نیچے "راحم کی ماں" درج تھا۔ تعارف کے لئے کوئی دوسرا نام موجود نہیں تھا۔ بس یہ تین الفاظ سر بلند کھڑے اُسے گھور رہے تھے۔

وہ رورو کر خود کو ہلکان کر چکا تھا۔ اب کہ آنسو ذرا بھی باقی نہیں تھے۔ جب جی ہلکا ہو گیا تو بے وقت اس نے پلٹ کر کچھ فاصلے پر ایستادہ وحید دورانی کو دیکھا۔ پھر ان کے مقابل آن ٹھہرا۔

"بہت شکریہ آپ کا۔" سر کو خم دیا اور اس کے ساتھ ہی وہاں سے جانے کے لئے مڑ گیا۔

"سنو_"

ان کی پکار پر وہ بے ساختہ پلٹا تھا۔ "میں اکیلا ہو گیا ہوں۔ اگر تمہیں برا نہ لگے تو کیا ہم ہر چھ مہینوں میں صرف ایک مرتبہ مل سکتے ہیں؟"

لہجے میں حسرت تھی۔ جیسے پوری کائنات کی حسرتیں خود میں لئے بیٹھے ہوں۔ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اس لئے بس ان کی طرف پلٹا اور ان کے گلے سے لگ گیا۔ "میں ہر روز آپ سے ملنے آ سکتا ہوں۔ یہ تو کوئی بات نہیں۔" اتنے وقت میں وہ پہلی دفعہ کھل کر مسکرا رہا تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"سچ میں؟" وہ بے حد خوشی کے تحت سوال کر بیٹھے تو راحم نے دھیرے دھیرے سر ہلایا۔ "میں آپ کا مقروض ہوں، انکل۔ آپ نے میری ماں کا بہت خیال رکھا ہے۔"

"تمہاری ماں میری بیوی تھی، بیٹا۔ میرا اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔" وہ افسردہ سی مسکان لئے اُسے دیکھ رہے تھے۔ "ایک اور درخواست کر سکتا ہوں تم سے؟"

"جی کہیں۔"

"مجھے بابا کہہ سکتے ہو؟"اس کے تاثرات کو ساتھ ساتھ دیکھا۔"اگر نہیں کہنا چاہتے تو کوئی زبردستی نہیں ہے۔میں نے تو بس ایسے ہی کہہ دیا..." نظریں زمین پر جھکا دیں۔

وہ ہولے سے ہنسا۔"بابا.. آپ رشتے میں میرے بابا ہیں۔میں آپ کو بابا ہی کہوں گا۔"

وہ ہنستے ہنستے رونے لگے۔ محرومیت اور غموں سے دوچار اُس شخص نے آج بہت کچھ پالیا تھا۔ "میرے ساتھ چلیں.. میں آپ کو زہرہ اور نانی سے ملواؤں گا۔وہ دونوں آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

انہوں نے سر نفی میں ہلایا۔"وہ مجھ سے مل کر اچھا محسوس نہیں کریں گی۔"

"انہیں دکھ ہوا تو صرف ماں کے انتقال کا ہوگا۔آپ سے خفا نہیں ہیں وہ۔اس لئے چلیں میرے ساتھ۔"

علیم رضا کے گھر میں وحید دورانی کو وہی حیثیت دی گئی تھی جس کے وہ حقدار تھے۔ زہرہ نے انہیں تسلیم کر لیا تھا۔ اور ادا صاحبہ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی اور ان کی تمام شکایتیں دور کر دی تھیں۔

اگلے چند دنوں میں راحم کا ان کے ہاں آنا جانا روز کا معمول بن گیا تھا۔ وہ انہیں بابا کہتا تو وہ جی اٹھتے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اِشفا امین کی المیر خلیل سے شادی کو ایک سال مکمل ہو گیا تھا۔ اس ایک سال میں ان کی ان گنت لڑائیاں ہوئی تھیں۔ کبھی المیر منا لیتا تھا۔ اور کبھی.. نہیں نہیں ہمیشہ وہی مناتا تھا۔

وہ غصہ کرتی تھی اور وہ غصہ سہن کرتا تھا۔وہ مسکراتی تھی اور وہ مسکراہٹ کی وجہ بنتا تھا۔وہ روتی تھی اور وہ اس کے آنسوؤں کو صاف کرتا رہتا تھا۔وہ چڑتی تھی اور وہ اُسے چھیڑتا تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ الماری کے پٹ کھولے کسی چیز کو بڑی توجّہ سے دیکھ رہا تھا۔سنگھار میز کے سامنے اپنے بالوں کو سنوارتی ہوئی اِشفا پلٹی۔لیکن جب سامنے والے کے سوال کا مطلب سمجھ میں آیا تو فوراً رُخ پھیر گئی۔

"کیا کیا ہے؟"

انجان بن کر بالوں میں چلتے برش کی رفتار بڑھادی۔تاکہ فوراً اس کام سے چھٹکارا پاتے ہی یہاں سے بھاگ نکلے۔

"یہ۔"

الماری میں سے ہاتھ باہر نکلے اور دونوں میں ایک ایک ہینگر اٹھا رکھا تھا۔ جن میں سے ایک پر
سفید اور دوسرے پر
سیاہ رنگ کی شرٹ لگی ہوئی تھی۔

"لہنگے کی چولی ہے۔" کہہ کر آنکھیں گھمائیں تو وہ چند ثانیے اُسے بغور گھورتا گیا۔ "شرٹ ہے
ظاہر ہے۔"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ یہ دونوں شرٹیں ہیں۔ پر ان پر یہ کن ممالک کا نقشہ کھینچا ہے تم
نے؟"

اِشفا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے برش کو اس کی جگہ پر رکھا اور اُس کو طرف رُخ کر گئی۔
شہادت کی انگلی سیاہ شرٹ پر رکھی۔ "اس پر چین کا.." پھر سفید شرٹ پر رکھی۔ "..اور اس
پر برطانیہ کا نقشہ بنانے کی کوشش کی تھی میں نے۔ پر افسوس یہ تو پاکستان ہی بن گیا۔"

وہ اُسے خالی خالی نظروں سے دیکھے گیا۔اس ایک سال میں وہ اس کی پچیس سے زائد شرٹیں استری کی مدد سے جلا چکی تھی۔ بارہا کہنے پر بھی کپڑے خود ہی استری کرتی اور کسی اور کو کرنے بھی نہ دیتی تھی۔

"اگر تم سے کپڑے استری نہیں ہوتے تو مجھ سے کہہ دیتیں..."معصوم سے لہجے میں کہا گیا۔ پھر افسوس سے اپنی دونوں پسندیدہ شرٹوں کو دیکھا۔

"آہستہ آہستہ سیکھ جاؤں گی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پچھلے ایک سال سے بس وہ یہی سن رہا تھا۔ لیکن اس کو اس کی غلطیوں پر ڈانٹتا نہ تھا۔ کیا کرتا؟ دل کا معاملہ تھا۔پسندیدہ عورت کے آگے پسندیدہ چیزیں معنے نہیں رکھتی تھیں۔

"آئی ایم سوری..."

جب اُسے ایک ٹک شرٹ کو گھورتے پایا تو کہے بنا نہ رہ سکی۔اس ایک سال میں اس نے خلیل منزل کے لوگوں کا بہت پیسہ لگوایا تھا۔بہت سے ایسے نقصانوں سے انہیں دوچار کیا تھا کہ بس بندہ کانوں کو ہاتھ لگاتا جائے۔

"ارے... تم کیوں سوری بول رہی ہو؟ خیر ہے.. شرٹ ہی تو تھی۔نئ آجائے گی۔"

لیکن اب تک اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر اتر آیا تھا۔پوری کوشش کرتی تھی کہ کام ٹھیک سے پورا کرے۔لیکن کہیں ناں کہیں کوئی نہ کوئی کوتاہی ہو ہی جاتی تھی اس سے۔

"آپ ایک دن مجھ سے تنگ.. تنگ آجائیں گے۔"روتے ہوئے کہا تو المیر زور سے ہنسا۔

"نہیں آؤں گا تنگ۔"

ہینگر کو بیڈ پر رکھتے اُسے شانوں سے پکڑ پر سینے سے لگایا۔آج بھی اس کا سر اس کے دل کے مقام پر جگہ بنالیتا تھا۔آج بھی وہ ہر طرح سے دل پر قابض تھی۔

"ایک دن.. ایک دن اگر میں نے کوئی بہت بھاری نقصان کر دیا تو...؟"

اس نے ابرو بالا کی۔ "جیسے کہ؟"

"جیسے کہ... جیسے کہ گھر جلا دیا۔"

اس کا سر پھر سے اپنے سینے پر رکھتے وہ سُرمئی آنکھوں اور لبوں سے مسکرانے لگا تھا۔ "وہ اِشفا امین ہی کیسی جو الٹی حرکات کر کے میرا دماغ نہ گھمائے.." پھر اُس کا گال تھپتپایا۔ "میں بہت امیر ہوں، بیگم صاحبہ۔ نیا گھر خرید لوں گا۔"

الفاظ سنتے ہی اُس سے دور ہوئی تھی۔ پانی کی لپیٹ میں آئیں شہد رنگ آنکھوں سے المیر خلیل کو دیکھا۔ اور المیر خلیل کو لگا جیسے پہلی مرتبہ وہ اُسے دیکھ رہا ہو۔ وہ جب جب اُسے دیکھتا تھا، ہر دفعہ ہی وہ پچھلی دفعہ سے زیادہ اُسے اپنے عشق میں مبتلا کر دیتی تھی۔

"Je suis amoureux de toi."...

(میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔)...

ہاتھ بڑھا کر انگلیوں کے پوروں سے اس کے آنسو صاف کیے۔ "روتی ہو تو ٹماٹر لگتی ہو۔"

جھٹکے سے اس سے دور ہوئی اور کمر پر دونوں ہاتھ جماتے اُسے گھوری سے نوازا۔ "کتنی بار کہا ہے مجھے ٹماٹر نہ کہا کریں.."

اس کی آنکھوں کی سطح پر آتے اس کے گال زور سے کھینچے تو وہ پیشانی پر شکنیں ڈالے اُسے دیکھتی رہی۔ "اچھا ٹماٹر نہیں.. محبت تو کہہ سکتا ہوں ناں؟"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ "میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں، اِشفا...ہمیشہ کے لئے..."

"لیکن میں آپ کا مجھ پر پانی گرانا نہیں بھولی ابھی.."

چہرے کے زاویے بگاڑتے المیر پر نظریں اٹھائیں۔ پھر ناراض ہو کر پلٹنے لگی تو وہ بول اٹھا۔

"سنو..."

"سنائیں..."

"کہو المیر خلیل جیسا کوئی نہیں۔"

ایک تو نا جانے ایسے جملے اس سے بلوا کر اُسے کون سی تسکین ملتی ہے؟ سوچ کر رہ گئی۔

"نہیں کہوں گی..!" بضد سی ہوتی بولی پھر آگے بڑھ گئی۔ "میرا نام دوبارہ اب کب لو گی؟"

"کہانی کے اختتام پر۔"

"لیکن تم تو کہتی تھیں، ہماری کہانی نہیں داستان ہو گی۔" پیچھے سے قدرے اونچی آواز میں کہا گیا تا کہ وہ سن لے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کہانی کاتب لکھ رہا ہے، داستان مکتوب ہے۔آپ کی اور میری داستان میں ایک نہیں بہت سی کہانیاں ہیں۔"

"جیسے کہ شہزادہ اور شہزادی والی؟"

"نہیں..پری اور دیو والی۔" کہہ کر اُسے زبان دکھائی اور کھلکھلاتی ہوئی پلٹ گئی۔وہ لب بھینچتے اُس کے پیچھے بھاگا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پانچ سال بعد

"چونکہ آپ ایک ماہرِامراضِ نفسی ہیں، اس لئے آپ سے بہتر اس موضوع پر کوئی بات نہیں کر سکتا۔" وہ لڑکا مسکرایا تھا۔ اس کے رخسار سرخ تھے۔ جو کہ اس کے گرد کرسیوں پر نشست افراد کو بخوبی دکھ چکے تھے۔ "آپ کا پیار، محبت اور عشق کے بارے میں کیا کہنا ہے؟"

مائک کے گرد اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس سوال کی امید نہیں کر رہی تھی۔ مائک کو منہ کے آگے سے ہٹاتے اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"میں محبت، پیار یا عشق کے حوالے سے اِتنا کچھ تو نہیں جانتی پر اتنا ضرور کہوں گی کہ لازم نہیں ہے محبت ہر کسی کو ہو۔ محبت کرنا فرض نہیں ہے۔ جس کی ادائیگی نہیں ہو گی تو مشکلات سے سامنا ہو گا۔" اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح ایک دم سرد مہر تھا۔ "ضروری نہیں ہے آپ سے محبت ہر کسی کو ہو جائے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جسے آپ چاہتے ہیں وہ آپ کو چاہنے لگے۔"

"اور زندگی کیا ہے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اگر اس حوالے سے بات کریں تو زندگی ان تین لفظوں پر مشتمل نہیں ہوتی۔ زندگی کا مطلب ہوتا ہے آپ اڑو اور آپ کی اڑان کوئی آپ سے چھین نہ پائے۔ آپ چلو تو آپ کی راہ کوئی بدل نہ پائے۔ آپ ہارو تو آپ سے اگلی دفعہ کوئی جیت نہ پائے۔ زندگی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ بہت چھوٹی اور بہت محدود۔ انسانی فطرت ہوتی ہے، ہر معاملے کو پیچیدہ بنا دینا۔ جبکہ بنا خود کو ذہنی دباؤ میں ڈالے بھی معاملات کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ محبت انسان کو محدود نہیں کرتی، انسان خود ہی خود کو محدود کر دیتے ہیں۔"

پچھلے پانچ سالوں میں اس نے ایک دفعہ بھی محبت، پیار اور عشق کے حوالے سے کچھ نہیں سوچا تھا۔ اور تصور کرنا بھی اس کے لئے ناممکن تھا کہ جن تین لفظوں سے وہ بھاگتی آ رہی تھی، ان پر اُسے بات کرنی ہو گی۔

اس نے افراد کے جھمیلے کی ایک سمت سے نظر ہٹا کر دوسری سمت مرکوز کر لی۔ جیسے چاہتی ہو کہ کوئی اگلا سوال پوچھے اور موضوع بدل دیا جائے۔

"آپ کو لگتا ہے محبت سے زندگی خراب ہوتی ہے؟" وہ بنا پلک جھپکائے سوال کی نویت اور گہرائی پر ذہنی طور پر افسردگی کا اظہار کر رہی تھی۔

اس نے شانے اٹھائے۔ "میری والدہ کہا کرتی تھیں، جینے کے لئے جینا سیکھنا بہت ضروری ہے۔ مجھے کچھ برس پہلے تک اس جملے کا مطلب سمجھ نہیں آیا۔ میں بہت واقعات کو اس جملے سے جوڑنے کی کوشش کرتی۔ پر ناکام ٹھہرتی تھی۔ لیکن پھر کچھ ایسا ہوا کہ میری زندگی میں رونما ہونے والے حالات اس جملے سے گہری وبستگی رکھنے لگے۔ آپ کو جینا محبت سکھاتی ہے۔ پھر چاہے آپ کے دل میں وہ محبت آپ کے گھر والوں کے لئے ہو یا..."

وہ آگے کہہ نہیں پائی۔ جملے کو پورا کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

"آپ کے سوال کا جواب یہی ہے کہ محبت زندگی خراب نہیں کرتی۔ وہ آپ کو جینے دیتی ہے۔ کیونکہ نفرت کے ساتھ آپ سانس تو لیتے ہیں، پر اندرونی طور پر مردہ ہوتے ہیں۔"

Clubb of Quality Content

"آپ نے ابھی کہا کہ محبت انسان کو محدود نہیں کرتی، انسان خود کو خود ہی محدود کرلیتا ہے۔ اس بات سے آپ کی کیا مراد تھی؟" افراد کے بیچوں بیچ سے ایک لڑکی نے اس سے سوال کیا تھا۔

"بات کی شروعات ان تین الفاظ سے ہوئی تھی۔" اس نے دائیں ہاتھ کی آخری تین انگلیاں ہوا میں اٹھائیں۔ "محبت، پیار اور عشق..." عشق پر قدرے زور دیا گیا تھا۔ "نفسیات کی دنیا میں ان الفاظ کا ایک ہی مطلب ہے۔ جبکہ ایک عام انسان کی زندگی میں تینوں الفاظ کے علیحدہ معنی ہیں۔ جیسے اکثر پیار کو پہلا، محبت کو دوسرا اور عشق کو آخری مرحلہ کہا جاتا ہے..." دھیرے سے مسکرائی۔ "..اور جب آپ کو دوسری طرف سے ٹھیک یہی تین الفاظ نہیں مل پاتے۔ چاہے پھر رشتہ دوستی کا ہو یا چاہت کا۔ انسان خود کو اُس شخص سے دور کرلیتا ہے۔ ہار مان کر نفرت کو ترجیح دینے لگتا ہے۔"

"اور پھر وہ خود سے وعدہ کرتا ہے کہ اب دوبارہ اِس مرض کا مریض نہیں بنے گا۔ یعنی محبت نے آپ کو محدود نہیں کیا، نفرت نے کیا ہے۔ آپ خود کو محدود کرلیتے ہیں۔ جبکہ آگے بڑھنا بری بات نہیں ہوتی۔ پیچھے رہ جانا بری بات ہوتی ہے۔"

خدا اور وہ خود ہی جانتی تھی کہ یہ لفظ اُس کے دل پر پتھروں کی بوچھاڑ کی مانند لگ رہے تھے۔

"آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟"

"نہیں..."

جواب فوری طور پر آیا تھا۔ جیسے وقتاً نہیں بولے گی تو مکر جائے گی۔

محبت لفظ پر اُسے صرف ایک ہی چہرہ یاد آتا تھا۔ کم عمری میں اکثر وہ سوچا کرتی تھی کہ لوگ کیسے کسی سے محبت کر لیتے ہیں؟ کسی کے نام پر کیسے رو لیتے ہیں؟ ان کی آنکھیں کیسے بھر آتی ہیں؟ دل کیسے اکتا جاتے ہیں؟ کوئی کسی سے محبت کیسے کر سکتا ہے؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کے دل کو توڑنے کے لئے جہاں ہزاروں رنج کم تھے، وہیں صرف ایک شخص...بہت تھا۔

"ہمارے اس آخری سیشن میں میں آپ سب سے یہی کہنا چاہوں گی کہ مسکراتے رہیں۔ مسکراہٹ سے مشکلات ٹل جایا کرتی ہیں۔"

"آپ کیوں جا رہی ہیں، میڈم؟" اس کے مریضوں میں سے ایک مریض آخر کو اُس سوال کو آواز دے بیٹھا تھا، جسے پوچھنے کے لیے سب بے تاب تھے۔

وہ اُسے دیکھ کر ہنسی۔ "میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ مجھے فنلینڈ سے آفر آئی ہے۔ اگلے دس سال تک مجھے وہیں رہ کر آپ کے جیسے کئی اچھے اچھے انسانوں کا مددگار بننا ہو گا۔"

"آپ نہیں رکیں گی؟"

اس نے سر نفی میں ہلایا۔"سال میں دو دفعہ آیا کروں گی آپ سب سے ملنے۔"

"کسی کے بھی کہنے پر نہیں رکیں گی؟"

اس نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔

"اللہ کرے آپ کی فلائٹ کینسل ہو جائے۔"ایک مریض بولا تو سب ہنسنے لگے۔سب چاہتے تھے وہ رک جائے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ آفر مجھے تین سال پہلے بھی آئی تھی۔پر اُسے وقت میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔اب ہر طرح سے تیار ہوں۔"

"ہم سب آپ کو بہت مس کریں گے،ڈاکٹر۔اللہ آپ کا سفر آسان کرے۔"اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر شکریہ کہا۔

مزید کچھ منٹ زیرِ گفتگو رہنے کے بعد پھر آج کا وہ سیشن اختتام کو پہنچا تھا۔

"راحیل میرا بیگ پکڑو..."گاڑی سے نکلتے ہوئے وہ بولی تھی۔راحیل نے آگے آکر اس سے اس کا بیگ لے لیا تھا۔

راحیل امین تئیس سال کا خوبصورت نوجوان بن کر ابھرا تھا۔اس کی شخصیت آج بھی خاموشی اور سکون کی عکاسی کرتی تھی۔غیروں کے سامنے کم اور اپنوں کے سامنے بہت زیادہ بولتا تھا۔یہ سال صحافت کی پڑھائی میں اس کا آخری سال تھا۔

اِشفا کی شادی کے بعد وہ مہوین کے ساتھ راولپنڈی میں اسی کرائے کے مکان میں رہتا رہا۔ لیکن اب جب مہوین فنلینڈ جا رہی تھی تو خلیل محمد کے فیصلے کے تحت وہ خلیل منزل میں شفٹ ہو رہا تھا۔

گزرتے سالوں کی بدولت اس کی اور وہاج کی دوستی ہر دن کے ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہاج ہی اُسے یونیورسٹی کے لیے گھر سے اٹھاتا اور گھر چھوڑ کر جاتا تھا۔ دوسری طرف اگر وہاج کی زندگی کی سرگرمیوں کی بات کریں تو اس نے خود کو گھسیٹ گھسیٹ کر آخر کو اپنی پڑھائی پائے تکمیل تک پہنچا ہی دی تھی۔

آج کی تاریخ میں وہ ستائیس سالہ ایک قابل ڈیٹا سائنٹسٹ تھا۔ خلیل محمد کے توسط سے اُسے ایک بڑی اور ماہر کمپنی میں نوکری ملی تھی۔ جہاں سے اُس کی ماہانہ کمائی ایک لاکھ کے گرد تو ہو ہی جاتی تھی۔ اور پھر وہ ایک لاکھ ایک مہینے کے اندر اندر کہاں جاتا، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو پاتی۔

Clubb of Quality Content!

اتنے سالوں میں جہاں وہاج خلیل کی شخصیت کا ذرہ ذرہ خود کو بدل چکا تھا، وہیں اس کے کارنامے دینے کی عادت آج بھی قائم تھی۔ اب تک پچپن سے زائد مرتبہ جگہ جگہ گاڑی مارنے کے تحت سب نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ گدھا گاڑی خرید لے۔ لیکن المیر کہتا تھا صرف گدھے کے پیچھے لگنے والی گاڑی لے لے۔ کیونکہ گدھا تو خیر سے وہ خود تھا ہی۔

پچھلے چند مہینوں سے اس کی شادی کی بات بھی جاری تھی۔اسی لئے پھولے نہ سما پارہا تھا۔ لیکن خلیل محمد کا کہنا تھا وہ لڑکی کے قابل نہیں ہے۔وہاج کے لیے انہیں ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو اس کے حساب سے اس کے معیار پر پورا اترتی ہو۔ایسی نہیں جو وہاج سے شادی کر کے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

اگر خلیل محمد کی بات کریں تو پچھلے پانچ سالوں میں انھوں نے اپنا تمام تر اثاثہ اپنے دونوں بیٹوں کے حوالے کر دیا تھا۔اور خود کو مصروف رکھنے کے لئے روز صبح اٹھ کر جاگنگ کرتے اور پھر کبھی ایک تو کبھی دوسرے دوست کے ساتھ وقت گزارتے۔اگر یہ بھی نہ کر پائیں تو اپنے پوتے عالیار کو لے کر گاڑی پر کہیں گھومنے نکل جاتے تھے۔

عالیار خلیل اس سال کے مئی میں پورے تین سال کا ہو گیا تھا۔گہری سیاہ آنکھیں اور دودھیا رنگت ہر شخص کو اس کی اور کھینچتی تھی۔اور تضاد کہ ہونٹوں کے قریب جا بجا ایک ایک گڑھا اُس کی معصومیت کو نکھارتا تھا۔والد کی اور سے وراثت میں نخرہ، جبکہ والدہ کی اور سے تنگ کرنے کی صلاحیت پائی تھی۔

ہر وقت اِشفا کے ساتھ چپکا رہتا کہ المیر غصے میں آکر اُسے وہاج کے کمرے میں اُس کے پاس چھوڑ آتا۔ حالیہ منظر بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ عالیار اِشفا کے کندھے پر سر رکھے ائیر پورٹ کی ایک بینچ پر اُس کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھنے سے ہی صحت مند معلوم ہوتا تھا۔

المیر کی طرف سے ملنے والی گھوریوں کی بالکل بھی تاب نہ لاتے وہ اِشفا کے بالوں میں انگلیاں پھنسائے ہوئے تھا۔ جس طرح المیر اِشفا کو چاہتا تھا، ٹھیک اسی طرح ان کا بیٹا اس کا دیوانہ تھا۔ اِشفا میں تو جان تھی اُس کی۔ جیسے ہی المیر اِشفا کے ساتھ آکر بیٹھتا، وہ رونے لگ جاتا تھا۔

عالیار کی پیدائش پر ہر کسی نے مختلف طرز کے نام تجویز کیے تھے۔ ہر نام ہی بہت خوبصورت تھا۔ لیکن پھر راحیل نے ایک نام تجویز کیا۔ جو کہ عالیار تھا۔ عالیہ سے ملتا جُلتا۔

"بس بھی کر دو... اترو بھی اب۔" کہتے ہوئے ناراض سے المیر نے اُسے ماں کے ساتھ سے اتارنا چاہا۔ "نو!" کہہ کر رُخ موڑ گیا اور اِشفا کے کندھے سے ایسے چپک گیا جیسے اب کبھی الگ نہیں ہو گا۔ "یار میری بیوی ہے یہ..."

اس کے لہجے پر اِشفا کی ہنسی چھوٹی تھی۔ پچھلے تین سالوں سے المیر جلتا بھنتا آ رہا تھا۔اس کا بس نہیں چلتا تھا اِشفا کو لے کر بھاگ جائے۔

سُرمئی آنکھیں شہد رنگ آنکھوں سے ملیں۔ معصومیت سے ہونٹوں کو آپس میں پیوست کر کے اِشفا کو دیکھا گیا۔

"راحیل..!"

"جی آپی؟"

"اس کو پکڑو.." پھر عالیار کو اس کی طرف کیا تو سیاہ آنکھیں چھوٹی ہو کر پہلے اپنی والدہ اور پھر ماموں کو گھورنے لگیں۔ پھر اِشفا کی ہی طرح چہرے کے زاویے بگاڑتا ہوا راحیل کے پاس چلا گیا۔

اِشفا نے سکون کا سانس خارج کرتے بینچ پر اپنے پاس جگہ تھپتپائی تو المیر خلیل نے نشست سنبھال لی۔ اس کے بازو میں اپنا بازو ڈالتے اِشفا نے اُس کے کندھے پر سر رکھا۔

"تم مجھ سے زیادہ اس سے محبت کرتی ہو؟"

شکستہ لہجے میں سوال کیا گیا۔ مسکراہٹ کو ضبط کرتے ہوئے اس نے چہرہ المیر کی طرف کیا۔

"میں آپ جیسی محبت کسی سے نہیں کر سکتی۔ آپ ہمیشہ پہلے آتے ہیں۔"

"اور اگر کبھی تم نے مجھ سے زیادہ محبت ہماری اولاد سے کر لی تو..؟"

"تو.... آپ مجھے لے کر بھاگ جانا۔"

"کدھر جائیں گے بھاگ کر؟"

"پیرس... محبت کا شہر... سنا ہے وہاں جا کر محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔"

"تم سے محبت کرنے کے لئے مجھے شہر چننے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہر شہر، ہر خطے، ہر زمین اور ہر نظارے میں میری ہو۔" سیاہ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ اِشفا نے ہاتھ بڑھا کر انہیں ترتیب دی۔ "تمہیں ہر مرتبہ دیکھ کر مجھے تم سے پچھلی دفعہ سے زیادہ محبت ہو جاتی ہے۔"

اور یہی وقت تھا جب عالیار کے رونے کی آواز پورے ایئرپورٹ میں گونجی تھی۔ وہ آنسوؤں کے ساتھ نہایت غصے میں المیر کو دیکھ رہا تھا جس کے شانے پر اشفا نے اب تک سر رکھا ہوا تھا۔

بڑی دشواری کا مظاہرہ کرتے وہ اپنے موٹے موٹے پاؤں اٹھاتا اِشفا کی طرف بھاگتا ہوا آیا تھا۔ "ماما...!" اِشفا کو دیکھ کر ایک اُکتائی ہوئی نظر المیر پر ڈالی۔ "میلی ماما سے دور رہیں.."

المیر نے کن اکھیوں سے اُسے دیکھتے، اُس کی شرٹ سے اُسے پکڑ کر ہوا میں اٹھایا تو عالیار نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ اُسے ایک ہاتھ سے اٹھائے کھڑا تھا۔ اِشفا مسلسل کہہ رہی تھی کہ نیچے اتار دیں گر جائے گا۔

اس کو بازوؤں میں لیتے اُس کے گول مٹول چہرے کو ایک ہاتھ میں پکڑا اور پھر اُس کے گال پر بوسہ دیا۔ جس پر عالیار نے فوراً اپنا گال رگڑ کر صاف کیا تھا۔ اس کی حرکت پر ہنستے اس کا سر اپنے کندھے سے ٹکایا اور واپس بیٹھ گیا۔

پھر آنکھوں سے اِشفا کو مہوین کی طرف جانے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراتی ہوئی اُس کی طرف چلی دی۔

"ویسے دسمبر کے مہینے میں فنلینڈ کا موسم کیسا ہوتا ہے، وینی؟" اِشفا اُس کے ساتھ بینچ پر بیٹھی اب سینڈوچ نوش فرما رہی تھی۔ جبکہ مہوین نے بینچ کے ساتھ سر ٹکایا ہوا تھا۔

"آپی، سنو فال ہو رہی ہو گی اس وقت وہاں پر۔" چپس کا پیکٹ کھول کر چپس منہ میں ڈالا۔

"میں ابھی فون پر موسم کا حال دیکھ رہی تھی۔ایک دو گھنٹوں میں بجلی کڑکنے اور بارش برسنے کے امکانات ہیں۔"

"ایسا کچھ ہوا تو فلائٹ کینسل ہو جائے گی...ایک ہفتہ پہلے بھی دو فلائٹیں کینسل ہوئی تھیں۔"

"تمہاری فلائٹ رات دو بجے کی تھی تو ہم ساڑھے دس بجے کیوں آ گئے یہاں؟" سیفان یامین کی تھکی ماندی آواز سامنے سے ابھری تھی۔وہ مسلسل جمائیاں لیتا ہوا خود کو بڑی مشکل سے آنکھ لگنے سے روک پا رہا تھا۔

سیفان یامین آج کی تاریخ میں بھی ایک آرٹسٹ ہی تھا۔باقی تمام شعبوں کو اس نے چار سال پہلے ہی خیر آباد کہہ دیا تھا۔دو سال انگلینڈ میں گزارنے کے بعد وہ واپس پاکستان آیا تھا۔لیکن اکیلا نہیں۔بلکہ اپنے ساتھ اپنی بیوی کو بھی لایا تھا۔جس کا نام ماہرہ تھا۔

اس کی بیوی ایک وکیل تھی۔جو کہ اپنی پڑھائی انگلینڈ سے ختم کر کے ڈگری لے کر اس کے ساتھ ہی پاکستان آگئ تھی۔اور اس ملک کو اپنی وکالت کے ہنر سے روشناس کروا رہی تھی۔

ایک وکیل کو اس کی بیوی کے طور پر دیکھ کر سب ہی حیران تھے۔کیونکہ کہاں فراڈ سیفان یامین اور کہاں ایک قابل وکیل۔سوال کرنے پر جواب آیا کہ اسی لئے ایک وکیل سے بیاہ کیا تھا تاکہ اگر کبھی فراڈ کے کیس میں اندر ہو جائے تو اس کی بیوی اُس کو باعزت بری کروالے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ماہرہ اور سیفان کی دو سال کی ایک بیٹی بھی تھی۔

لیکن حالیہ منظر میں سیفان اکیلا ہی ائیر پورٹ پر موجود تھا۔

"المیر بھائی نے کہا تھا۔"

"تمہارے المیر کی بھائی کی تو.." نظریں اِشفا پر گئیں تو زبان کو بریک لگی۔

راحم،المیر اور سیفان تینوں کی دوستی ہر سال پچھلے سال سے زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ سیفان نے ان ہی کی وجہ سے پرانے محلے سے گھر چھوڑ دیا تھا اور اب ان کی ہی سوسائٹی میں رہتا تھا۔

اسی لئے سب نے مہوین کو بھی مشورہ دیا تھا کہ راحیل کو لے کر وہ بھی ادھر ہی رہائش پزیر ہو جائے پر وہ تھی کہ سنتی ہی نہیں تھی۔ اور اب جب دوسرے ملک جارہی تھی تو راحیل کو تنہا نہ چھوڑنے کی غرض سے اُسے اِشفا کے پاس چھوڑ رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

مہوین امین نفسیات میں مہارت کو ہر دن نئے قابلیت سے سربلند کرتی تھی۔ پچھلے کچھ سالوں میں تو اُسے کافی خطرناک مریضوں کا علاج کرنا پڑ گیا تھا۔ جن میں آئمہ ریحام شامل تھیں۔ انہیں عدالت نے عمر قید کی سزا سنائی تھی۔

اس خبر پر ان کا ذہنی توازن بگڑتا چلا گیا کہ آخر وہ چپ ہو گئیں۔ اکثر ایس پی صاحب المیر کو کہتے کہ انہیں کسی پاگل خانے میں بھرتی کروا دے۔ لیکن وہ نہیں مانتا تھا۔ کہتا تھا اب پوری

عمر جیل میں ہی رہیں گی۔اور اسی غرض سے ان کے ذہنی علاج کے لئے ایک دو دفعہ مہوین امین نے اس کام کا بیرہ اٹھایا تھا۔

"بھابی...آپ کو پوری دنیا میں ایک یہی ہٹلر ملے تھے شادی کرنے کے لئے ؟" جمائی لیتا ہوا وہاج سیفان کے ساتھ سامنے رکھی بینچ پر آرام سے بیٹھ گیا۔

"کیوں..اب کیا ہوا؟"

"بھابی میں کہہ بھی رہا ہوں ابھی فلائٹ میں وقت ہے۔اس لئے واپس گھر چلتے ہیں۔جا کر سو جائیں گے اور پھر ایک بجے واپس ائیر پورٹ آجائیں گے۔بھائی ہیں کہ سنتے ہی نہیں ہیں!"

"مطلب تمہارے خیال میں ہم پھر سے چالیس منٹ کا سفر طے کر کے گھر جائیں اور ایک گھنٹے بعد واپس یہاں آئیں؟" سیفان نے اس کے سر پر تھپڑ جھڑا تو اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"آپی..."

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مہوین کی آواز پر اس نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا۔"میں آپ کو بہت مس کروں گی۔"

اِشفا کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔"تم کیوں جارہی ہو وینی؟میں تو اب تک یہی نہیں سمجھ پارہی۔"

اس نے پہلو میں گرائے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ ہتھیلیوں پر لکیروں کو گھورا۔پھر ہاتھ کو زور سے بند کرتے مٹھیوں کی شکل دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میرا پاکستان میں دل نہیں لگتا۔مجھے پاکستان اب پسند نہیں ہے۔"

یہ کہنے کی دیر تھی کہ اپنا ہی کہا گیا جملہ اس کے کانوں میں گونجے۔"مختصراًیہ کہ سوال ملک کا نہیں،آپ کا تھا۔"آج بھی اس جملے میں اتنی ہی تاثیر تھی جتنی پانچ برس پہلے تھی۔آج بھی دل اتنا ہی دکھتا تھا۔

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی ملک چھوڑنے کی۔ ہمیں اکثر ہمارے رہن سہن کی چیزیں نہیں بھاتیں۔ پر ہم پھر بھی گزارا تو کرتے ہیں ناں، میری جان؟"اس کے چہرے کو ٹھوڑی سے تھام کر اپنی طرف کیا۔

"میرا دل نہیں لگتا کہیں بھی، آپی۔ مجھے لگتا ہے ماحول میں بدلاؤ مجھے جینا سکھائے گا۔"

مہوین امین کی برسوں پرانی عادت آج بھی دائم تھی۔ وہ مصیبتوں سے ایک مرتبہ پھر سے بھاگ رہی تھی۔ اِشفا نے اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملائیں۔

Clubb of Quality Content

"تم خود ہی تو کہتی ہو کہ ضروری نہیں ہے ہر کسی کو ہم سے محبت ہو جائے۔ لیکن جو تم سے محبت کرتے ہیں، تم ان سے بھی بھاگ رہی ہو۔ کیوں اپنی زندگی کو کٹھن بنانے کا سامان جمع کر رہی ہو، مہوین؟"

"تو آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

اِشفا گذشتہ پانچ سالوں سے جانتی تھی کہ مہوین راحم سے محبت کرتی ہے۔ لیکن اس بات کا احساس اُس نے کبھی بھی نہ اُسے اور نہ ہی راحم کو ہونے دیا تھا۔ اُسے راحم سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ اپنے فیصلے کرنے کا حق خود رکھتا تھا۔

"میں تمہیں جانے سے نہیں روکوں گی۔ تم جاؤ.. کھل کر جیو۔ کھل کر مسکراؤ۔ میں چاہتی ہوں تم اداکاری نہ کرو، اس دفعہ سچ میں خوش ہو۔ تمہارا چہرہ تمہاری خوشی کی عکاسی کرے۔ اور اگر یہ سب تمہیں باہر جاکر حاصل ہوتا ہے تو جاؤ، میری جان۔ جی لو اپنی زندگی۔"

وہ مسکرا کر اُسے بڑی محبت سے کہہ رہی تھی۔ "مجھے سمجھنے کے لئے شکریہ، آپی۔ آپ خفا تو نہیں ہیں ناں؟"

اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "تم سے خفا نہیں ہو سکتی۔ تم تو میری جان ہو۔"

مہوین نے تو جیسے بس یہی سننا تھا۔وہ اس سے لپٹ کر رونے لگی۔جبکہ سیفان کی ہنسی چھوٹی تھی۔وہ کب سے اندازہ لگا رہا تھا کہ اب روئے گی یا اب روئے گی۔اور آخر کار وہ رونے لگی تھی۔

・・—・ʚɞ・—・・

خلیل منزل کے سامنے شان و شوکت کا پیکر بنا علیم رضا احمد کا گھر رات کے گیارہ بجے بھی اندرون سے روشنی چھلک رہا تھا۔ہال کے بیچوں بیچ وہ تین افراد بیٹھے ہوئے تھے۔راحم،زہرہ اور وحید دورانی۔

زہرہ رضا احمد کو دو سال قبل ہی ایک نامی گرامی کمپنی سے جاب کی آفر آئی تھی۔جسے اس نے فوراً قبول کر لیا تھا۔اور پھر سال بعد ہی راحم نے وحید دورانی کے ساتھ مل کر اس کی شادی کر دی تھی۔اس کا شوہر منیب اسی کے ساتھ کمپنی میں کام کرتا تھا۔

Clubb of Quality Content

وہ ایک اچھا اور باکردار شخص تھا۔ لیکن شوہر کے طور پر اس کی مثال نہیں تھی۔ زہرہ کو آپ آپ کر کے پکارتا اور اُسے کسی بھی قسم کی کوئی تنگی محسوس نہیں ہونے دیتا تھا۔

راحم نے وعدے کے مطابق اپنی بہن کو ایک گھر بنا کر دیا تھا۔ نہیں.. اس نے خریدا نہیں تھا۔ ابتدا سے بنوایا تھا۔ جس کو تعمیر ہوئے آٹھ ماہ ہو گئے تھے۔ وہ گھر زہرہ کا تھا۔ صرف اس کا۔

جبکہ دو سال قبل ہی ادا صاحبہ اس جہاں سے کوچ کر گئی تھیں۔ ان کی بڑھتی عمران کی موت کا باعث بنی تھی۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ماہ میں باتیں اور چہرے بھولنے لگی تھیں۔ اس لئے راحم اور زہرہ نے پہلے سے ہی خود کو سمجھا لیا تھا کہ نانی کا آخری وقت قریب ہے۔ اس کے باوجود ان کا مکمل علاج کروایا گیا۔ پر افاقہ نہ ہونے کی صورت میں وہ انتقال کر گئیں۔

وحید دورانی نے پانچ سالوں میں راحم اور زہرہ کا بہت ساتھ دیا تھا۔ وہ ان کا ایک باپ ہی بن کر خیال رکھتے تھے۔

"بھائی..."

ٹی وی سے نظر ہٹاتے راحم نے اُسے دیکھا۔ "ہوں؟"

"بار بار گھڑی کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

راحم نے پہلے اُسے اور پھر وحید کو دیکھا۔ "نہیں تو... میں تو بس ایسے ہی۔"

"کوئی بات ہوئی ہے؟" اُس نے سر نفی میں ہلایا۔ وحید نے زہرہ اور زہرہ نے انہیں دیکھا۔
آج راحم کا برتاؤ معمول سے ہٹ کر تھا۔

"راحم.. کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟ کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ، میں حل کر دوں گا۔"

راحم بے اختیار مسکرا دیا۔ "نہیں، بابا، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

وحید نے آگے ہو کر اس کے شانوں پر اپنا بازو پھیلا یا تو راحم مسکراتا چلا گیا۔"کس نے میرے بیٹے کو آج چپ رہنے پر مجبور کر دیا ہے؟"

"میں اور چپ؟ صبح سے اتنا کچھ تو بول چکا ہوں۔"دونوں کو خفگی سے دیکھتے واپس ٹی وی کو تکنے لگا۔

"یہ جو تمہاری سبز آنکھیں ہیں ناں..."لفظوں پر اس نے چہرہ موڑا۔"..یہ آئینہ ہیں، راحم۔ تم جھوٹ کہتے ہو تو تمہاری آنکھیں سچ تو بیان نہیں کرتیں پر اتنا ضرور بیان کر دیتی ہیں کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔"

راحم پل میں سنجیدہ ہوا تھا۔"مجھے دس سال پہلے کسی سے ایسے ہی الفاظ سننے کو ملے تھے۔" میز پر سے ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی بند کر دیا۔

سیاہ اسکرین کو گھورتے ہوئے اس نے نظریں ذرا سی اوپر کیں اور سامنے کھڑی دیوار پر لگی سیاہ رنگ کی گھڑی پر وقت دیکھا۔ بارہ بجنے لگے تھے۔

Clubb of Quality Content

"پانچ برس پہلے کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے چاہتا ہے۔میں جواب دینے کو تیار نہیں تھا اور وہ جواب سننے کو۔"زہرہ نے نظروں میں تعجب لئے اُسے دیکھا۔"اور آج وہ انسان ملک چھوڑ رہا ہے۔"

زہرہ خوش گوار حیرت کا شکار ہوئی تھی۔جبکہ وحید نے سینے کے آگے ہاتھ باندھ لئے تھے۔معاملہ کافی سنگین معلوم ہوتا تھا۔

"اور وہ انسان مہوین آپی تھیں،ہے ناں؟"

راحم نے چونک کر اُسے دیکھا۔"تمہیں کیسے پتا؟"

"اور کس کی فلائٹ ہے آج جسے آپ جانتے ہیں؟"زور سے کھلکھلائی اور پھر وحید کو تالی ماری۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"جب تم اُسے پسند کرتے ہی نہیں ہو.. تو اداس ہونے کا کیا فائدہ، راحم؟" وحید صاحب سنجیدگی اختیار کرتے اب اُسے گہری نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

"بابا.. "ٹھہر گیا۔"... میں خود نہیں جانتا یہ سب میں کیوں محسوس کر رہا ہوں۔ آخر مجھے کیوں فرق پڑ رہا ہے، میں کچھ نہیں جانتا۔"

پھر وہ سر کو تھام کر گردن جھکائے بیٹھ گیا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے بس المیر کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ "مہوین فنلینڈ جا رہی ہیں۔ کہہ رہی تھی اگلے دس سال وہیں رہے گی۔"

Clubb of Quality Content

وہ ایسے کیسے جا سکتی ہے؟

سات روز اُسے نیند نہ آ پائی۔ بس سوچتا گیا کہ اُسے کیوں سوچ رہا ہوں؟ اپنے خیالات میں جکڑ کر اُس نے ہر طرح سے خود کو ان روزوں میں محدود کر دیا تھا۔ وہ اُسے نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اب فائدہ نہیں تھا سوچنے کا۔ وہ اس سے نفرت کرتی ہو گی۔

لیکن نانی کے وہ الفاظ... کہ خود کو محدود نہیں کرتے ورنہ دنیا آپ کو محدود کر دیتی ہے، اُسے سوچنے پر مجبور کر گئے۔ اور آج جب سوچوں کا تسلسل ٹوٹ نہ پایا تو راحم رضا احمد نے خاموشی اختیار کر لی۔

"میں اُسے روکوں گا تو..." ایک گہرا سانس لیا۔ "...وہ نہیں رکے گی۔"

"کیوں؟"

"وہ مجھ سے نفرت کرتی ہو گی۔"

"اور ایسا کیوں؟"

"کیونکہ میں نے اُسے بنا جواب کے لوٹا دیا تھا۔"

"جن سے ایک دفعہ محبت ہو جائے، ان سے نفرت کرنا آسان نہیں ہوتا، بھائی۔ وہ ایک بہت اچھی لڑکی ہیں۔ مجھے نہیں لگتا وہ آپ سے نفرت کرتی ہوں گی۔"

وحید دورانی نے اس کی بات پر سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ "تم جانتے ہو، بیٹا... تم سے ملنے سے پہلے میں نے بھی نتائج آخذ کر لئے تھے۔ میں سمجھتا تھا تم دونوں سے ملوں گا تو تم دونوں مجھ سے نفرت کرو گے۔" مسکاتی ہوئی نگاہ دونوں پر یکے بعد دیگرے ڈالی گئی۔ "لیکن پھر کیا ہوا؟ نتائج میری تَوقع کے برعکس نکلے۔ تم دونوں نے مجھے اپنا والد سمجھا۔ میری شکایات دور کر دیں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ جب تک آپ انہیں روکیں گے نہیں.. تب تک نتیجہ آخذ کرنا بے معنی ہے۔"

وہ ان کی طرف رُخ کر گیا تھا۔ "تو اب کیا کروں؟"

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے اور ایک ساتھ بولے۔ "بھاگو۔"

یہ سننے کی دیر تھی کہ راحم رضا احمد روشنی کی سی تیزی سے ایستادہ ہوا تھا۔ اس نے میز پر سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔ لیکن پھر کچھ یاد آنے پر ٹھہر گیا۔ "گاڑی میں تو پیٹرول نہیں ہے۔"

"میری بائیک لے جاؤ۔" قمیض کی جیب سے چابی نکال کر اس کی طرف اچھالی تو اس نے پکڑ لی۔ پھر بالوں کو ہاتھ مار کر سیٹ کرتے دروازے تک پہنچا۔ "بھائی...ایک بجے وہ گیٹ سے اندر چلی جائیں گی۔ ایئرپورٹ چالیس منٹ کی مسافت پر ہے۔ بائیک چلانی نہیں ہے...اڑانی ہے!"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ پلٹ کر کھل کر مسکرایا تھا۔ گال میں گڑھا نمایاں ہوا تو زہرہ نے اس کی خوشی کا اندازہ لگایا۔ وہ بے حد خوش تھا اس وقت۔

اس کا ائیر پورٹ میں داخلہ کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔وہ داخل ہوا تو دائرہ بنائے لوگوں کو کونیاں مارتے بہت مشکل سے ان کے بیچ سے نکلا تھا۔کسی کے بیگوں سے بھری ٹرالی بھی اس نے کہیں دور دھکیل دی تھی۔اتنی افرا تفری میں اُسے یہ تک نہ یاد تک کہ بائیک کہاں کھڑی کی اور اس کی چابی جیب میں ہے یا پیچھے ہی بائیک پر لگی رہ گئی۔

اس کی پینتیس سالہ زندگی میں کسی نے بھی راحم کو پاگلوں کی طرح بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

ہر قدم کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکنیں بھی رفتار پکڑ رہی تھیں۔دو لوگوں کو دونوں ہاتھ سے مخالف سمتوں میں کرتے وہ لوہے کے اسٹینڈ کے اوپر سے کود کر اُس میدان میں آن پہنچا جہاں سے مسافرین گیٹ سے اندر بڑھ رہے تھے۔آس پاس لوگوں کا ہجوم قائم تھا۔ہر طرف سے اٹھتا شور شُ اُسے کسی ایک آواز پر غور کرنے سے کاثر رکھے ہوئے تھا۔

اس نے وسط میں ٹھہر کر ہر سمت نظریں گھمائیں۔وہ سب کہاں تھے؟

ناولز کلب

مہوین امین کہاں تھی؟

ہجوم پر نظروں کو دوڑاتے،اس کے گرد گھومتا وقت تھم سا گیا۔ہر شخص میں وہ اُسے تلاش رہا تھا۔وہ کدھر تھی؟

کہیں چلی تو نہیں گئی؟

سفر کرتی اس کی نگاہیں ایک چہرے پر آن رکیں۔وہ اسی جانب چل دیا۔"المیر، مہوین کہاں ہے؟"وہ ایک طرف کر کے رکھی بینچ پر اپنے بیٹے کو لے کر بیٹھا ہوا تھا۔اس کے ساتھ وہاج بھی نشست تھا۔

"اُسے اندر گئے ہوئے بیس منٹ ہو گئے ہیں۔اب تک تو دوسرے گیٹ میں بھی داخل ہو گئی ہو گی۔تم نے اگر اُسے خداحافظ کہنا تھا تو جلدی آتے۔"عالیار کی کمر سہلاتے ہوئے کہا گیا تھا۔

مقابل بس اُسے تکتا گیا۔ایک مدت لگی تھی اُسے اس موضوع پر فیصلہ کرتے کرتے۔لیکن اب لگ رہا تھا کہ کئی مدتیں لگیں گی اُسے خود کو سمجھاتے سمجھاتے۔

وہ کیا تھا جو فوراًدر آیا تھا اس کی آنکھوں میں؟

ملال؟پچھتاوا؟کسی کے چھوٹ جانے کا غم؟

بیس منٹ۔وہ ہمیشہ دیر کر دیتا تھا۔نہ جانے وہ کیوں وقت پر نہیں پہنچ پاتا تھا۔اس حساب سے اُس کے نصیب اُسے مات دے دیتے تھے۔

المیر مزید کچھ کہہ رہا تھا پر وہ نہیں سن رہا تھا۔اس نے اپنے قدم اٹھائے اور وہ ایک گارڈ کی جانب بڑھ گیا۔"سر،آپ اندر نہیں جا سکتے۔اس دروازے سے صرف مسافر داخل ہو سکتے ہیں۔"

Clubb of Quality Content

اس نے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اُس کے قدموں پر قفل لگایا تھا۔ راحم نے اُس کا ہاتھ بڑے سکون سے سینے سے دور کیا۔ "پلیز مجھے اندر جانے دو..."

پلیز۔ وہ لفظ جس سے اُس کا دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا۔ آج بے اختیار زبان سے نکلا تھا۔ جیسے بنا ہی اس موقعے کے لئے ہو۔

"اب تک آپ کا من چاہا انسان بہت دور نکل گیا ہو گا۔ جہاز کے اڑنے میں صرف دس منٹ باقی ہیں۔" وہ افسوس سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تم.. تم کوئی اعلان نہیں کر سکتے؟ کہنا راحم اُسے پکار رہا ہے۔ کسی اور کے نام پر نہیں.. وہ میرے نام پر رکے گی۔ اُسے صرف میں روک سکتا ہوں۔" اپنے سینے پر شہادت کی انگلی زور سے رکھی گئی۔

"میں بوڑھا آدمی ہوں۔ دوسری منزل پر اعلانیہ کاؤنٹر تک پہنچنے میں ہی مجھے دس منٹ لگ جائیں گے۔ آپ خود ہی اس معاملے میں کچھ کر سکتے ہیں۔" لمحے بھر کے لیے مسکرایا۔

"لیکن مجھے نہیں لگتا اب کوئی فائدہ ہو گا آپ کی بھاگ دوڑ کا۔ اب تک وہ جہاز میں بیٹھ بھی چکی ہوں گی۔"

اس نے مایوسی سے راحم کو دیکھا تو وہ قرب سے آنکھیں میچ گیا۔ اب کیا کرے؟ مسافرین کے داخلی دروازے کے باہر وہ سب ایستادہ تھے۔ اِشفا کی نظر راحم پر پڑی۔ "بھائی، آپ یہاں؟"

راحم کا چہرہ اس کے پچھتاوے کی عکاسی کر رہا تھا۔ آنکھیں مایوسی اور الجھن چھلک رہی تھیں۔

اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔ جیسے کہنا نہ چاہتا ہو۔ اور چپ چاپ جا کر بینچ پر بیٹھ گیا۔ وہاج اور المیر سمیت اُس کے جان پہچان والے سب ہی افراد نے اُسے بہت غور سے دیکھا تھا۔

اِشفا جانتی تھی وہ کیوں آیا ہے۔ لیکن افسوس کے آمد میں وقت لگ گیا تھا۔

اس نے سر ہاتھوں میں بھینک رکھا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے اپنا فیصلہ بدلا تھا۔ خود کو بدلا تھا۔ اگر انکار ہو جاتا تو شاید اتنا بے حال نہ ہوتا۔ لیکن اب اُسے پوری زندگی اس ملال کے ساتھ کاٹنی تھی کہ وہ کہہ نہ پایا جو کہنے آیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں
ضروری بات کہنی ہو کوئی وعدہ نبھانا ہو
اسے آواز دینی ہو اسے واپس بلانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں

مدد کرنی ہواس کی یار کی ڈھارس بندھانا ہو

بہت دیرینہ رستوں پر کسی سے ملنے جانا ہو

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں

بدلتے موسموں کی سیر میں دل کو لگانا ہو

کسی کو یاد رکھنا ہو کسی کو بھول جانا ہو

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں

کسی کو موت سے پہلے کسی غم سے بچانا ہو

حقیقت اور تھی کچھ اس کو جا کے یہ بتانا ہو

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں

اگلے آدھے گھنٹے تک وہ سب وہیں موجود رہے تھے۔اِشفامہوین کے میسیج کا انتظار کر رہی تھی۔انہیں یقین تھا اب کسی بھی وقت مثبت جواب موصول ہو سکتا ہے۔

وہ اب تک سر گرائے بیٹھا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ سر میں طوفان کی مانند درد اٹھ رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں مدھم ہو گئی تھیں۔ جیسے جینے کی امید ٹوٹ گئی ہو۔ اس کے تاثر میں صرف نا امیدی تھی۔

"مہوین.. تم؟"

اِشفا کی آواز اطراف میں گونجی تھی۔ ہر کوئی ششدر سا ہو بیٹھا تھا۔ وہ بھوری آنکھوں اور سنہرے بالوں والی لڑکی دروازے سے باہر آگئی تھی۔

Clubb of Quality Content!

"آپی، پائلٹ کہہ رہا ہے اگلے پانچ گھنٹے موسم کی خرابی کی وجہ سے جہاز اڑانا خطرے سے خالی نہ ہو گا۔ اس لیے فلائٹ کینسل ہو گئی ہے۔ اب جہاز صبح سات بجے پرواز بھرے گا۔ ہم سب کب سے بورڈنگ کے لیے بیٹھے تھے کہ پھر ائیرپورٹ کا عملا پیغام دینے آیا۔"

ناجانے کس کی بددعا لگ گئی تھی اُسے۔ اپنے بیگ کو ایک طرف کر کے کھڑا کر دیا۔ یہ قدم اٹھانے کے لئے اس نے کتنی ہمت جٹائی تھی۔

وہ آواز۔اس آواز میں وہ نرم گوشہ۔راحم مجبور جذبات کے زیرِاثراپنے بے قابو ہوتے دل کو مدھم کرنے کی خاطر چہرہ اوپر کر گیا۔وہ سامنے موجود تھی۔اس سے چند قدموں کے فاصلے پر۔

دونوں کی نظریں بے ساختہ ملیں۔بھوری آنکھوں میں چھایا تاثراس کے دل کو روکنے کے لئے بہت تھا۔وہ عاجز آتا اٹھتا چلا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کیا یہ اس کا وہم تھا؟

یعنی راحم رضا جیسے بدنصیب انسان نے کسی کو روکنے کی چاہ کی اور وہ انسان رک گیا۔کیا وہ خواب کی کیفیت میں مبتلا تھا؟

ان دونوں کے درمیان چھایا گہرا سکوت ان کے عزیزوں میں سب کو خاموش کروا گیا۔ آس پاس سے آتیں آوازیں برقرار تھیں۔ اس کا دماغ چاہتا تو ارد گرد سے آتیں بے انتہا آوازوں میں سے کسی ایک میں الجھ جاتا۔ پر ایسا ناممکن تھا کیونکہ نظریں کسی سے الجھ چکی تھیں۔

ان کے گرد ایستادہ افراد ایک دوسرے کو شبے سے گھور رہے تھے۔ ایک سوال تھا سب کی نگاہ میں۔ سوائے دو انسانوں کے۔ اِشفا اور اُس کا شوہر، المیر۔ وہ دونوں ہی ان دونوں کو بہت اچھے سے جانتے تھے۔

المیر کے خیال میں راحم کو لگتا ہو گا کہ وہ بہت اچھا اداکار ہے۔ زبان سے نہیں کہے گا تو المیر اس کے حالات سے لاعلم رہے گا۔ جبکہ ایسا نہ تھا۔ اس کا دوست جو نہیں کہتا تھا وہ بھی سن لیتا تھا۔

پچھلے پانچ برس سے وہ کس اذیت سے دوچار تھا، المیر کو خبر تھی۔ اور آج بھی وہ سینے کے آگے ہاتھ باندھے اُس کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اسے دیکھنا تھا کہ اس کا دوست اس دفعہ محبت حاصل کرے گا یا ایک مرتبہ پھر سے قدم پیچھے لے جائے گا۔

راحم نے مختصر قدم اس کی اور لئے۔اور مخصوص فاصلے پر ٹھہر گیا۔اس کی آنکھوں کے کناروں پر آنسو کھڑے تھے۔ جیسے اگر وہ نہ آتی تو وہ رونے لگتا۔

"میں آپ کو روکوں تو آپ رک جائیں گی؟"

سادہ سے لہجے کو اپناتے سوال کیا گیا تھا۔اس کا دل خوف سے لرز رہا تھا۔انکار کا خوف۔ پیچھے چھوٹ جانے کا ڈر۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ بنا جواب کے اس کے سامنے اپنے لفظوں کو تلاش رہی تھی۔چار سال بعد راحم کو اپنے سامنے دیکھ کر،اس سے نظریں ملا کر، مہوین امین کے زخم تازہ ہو گئے تھے۔سینے میں چھپا آنسوؤں کا غبار پھولتا جا رہا تھا۔

اس نے سر نفی میں ہلایا۔ایک آنسو ٹوٹا اور رخسار پر پھسل گیا۔کیوں آیا تھا وہ اس کے غموں میں اضافہ کرنے؟اب کیوں آتا تھا؟

"آپ نے کہا تھا آپ کو پاکستان سے محبت ہے۔ کیونکہ یہاں میں ہوں۔ آپ پاکستان کو چھوڑ کر پھر کیسے جاسکتی ہیں؟"

وہ اُسے یاد دلوا رہا تھا۔ جسے بھول جانے میں اُسے ایک عمر لگی تھی۔

"حال نہیں.. ماضی تھا وہ۔ میں نے جو کہا تھا وہ آج نہیں کہوں گی۔"

آنسو نکل رہے تھے پر لہجے کی سرد مہری اور چہرے کی سنجیدگی قائم تھی۔

"یعنی اب آپ مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟"

"نہیں۔"

"یعنی اب آپ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہیں گی؟"

"نہیں۔"

"لیکن میں تو رہنا چاہتا ہوں۔مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔"

مہوین کے کانوں سے تمام تر آوازیں چھوٹ گئیں۔وہ اشکوں سے بھری اپنی نگاہوں سے اُسے وہ کہتا دیکھ رہی تھی جسے سننے کے لئے اُسے لگتا تھا اُسے جان دینی ہو گی۔اور جان گنوا بھی دے گی تو بھی وہ اظہار نہیں کرے گا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

روبرو ٹھہرے اُس شخص کے لفظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔وہ لفظوں کے اثر کو محسوس کرنے کے لئے آنکھیں بند کر گئی۔ایک ساتھ اشک بہہ نکلے۔

سیفان اِشفا کی طرف منہ کھول کر دیکھ رہا تھا۔پھر ذرا سا ہنسا۔اور ہاتھ ہوا میں ہلایا۔جیسے کہہ رہا ہو یہ سب میری آنکھوں سے اوجھل کیسے رہ گیا؟

جبکہ راحیل اور وہاج ابرو اٹھائے ایک دوسرے کو الجھ کر اور پھر ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔
عالیار اپنی چھوٹی چھوٹی انکھوں سے اپنے والد کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جو خوشی اور نا جانے کون سے کیفیت کا اظہار کر رہا تھا۔

اس کا جواب نہیں آیا۔ دوسری طرف سے خاموشی کا احساس ماحول میں پھیل گیا۔ اور وہی لمحہ تھا جب راحم نے خود کو بے بس پایا۔ اور اُسے احساس لاحق ہوا کہ پانچ برس پہلے ٹھیک اسی تکلیف اور قرب سے وہ لڑکی بھی گزری تھی۔

ایک عمر گزاری تھی اس نے اس رنج میں۔ وہ اس دوران اس کی اٹھائی ہوئی تکلیفوں کا مداوا کرنے کے لئے ہر طرح سے آمادہ تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ اُس سے ناراض ہو، شکایت کرے۔ اور راحم رضا اُس کی پریشانیاں دور کر دے۔

"میں نہیں.. مجھے.." وہ لفظ ڈھونڈ رہی تھی۔ "...مجھے آپ سے محبت نہیں ہے۔ میں زندگی میں آگے بڑھ گئی ہوں۔" سہل لہجے میں کہا۔ لیکن راحم کو یقین نہ آیا۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ اُسے پیار بھری نظروں سے تک رہا تھا۔ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ کیا وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ راحم رضا احمد سے جھوٹ نہیں بول سکتی؟

اس کی جھکی ہوئی نظروں کے جواب میں راحم خاموشی سے بس مُسکا رہا تھا۔ اس دفعہ وہ کسی کی مدد نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی محبت خود کو مضبوط ثابت کرے اور اپنے مالک تک رسائی حاصل کر لے۔

"مجھ سے شادی کریں گی؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کی مسکراہٹ کشادہ ہوئی تھی۔ لہجہ مبہوت اور لفظ دل کو تھما دینے والے تھے۔

مہوین کی ایک سمت مرکوز نظریں سوال پر اس کے چہرے پر آن رکیں۔ وہ جانتا تھا وہ اس سے کیا سوال کر رہا تھا؟ کیا وہ اس سوال کی نوعیت سے آگاہ تھا؟ کیا وہ جانتا تھا وہ رونے والی تھی؟

"میں نے.. "اس نے آنسور خسار سے ہٹائے تھے۔".. میں نے کہا مجھے آپ سے محبت نہیں ہے..!"

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟"

"مجھے آپ بالکل اچھے نہیں لگتے۔ میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔"

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آپ نے میرا دل توڑا۔ میں آپ کو نہیں چاہتی۔"

وہ روتے روتے ہر جملہ ادا کر رہی تھی۔

"کیا آپ مجھ سے نفرت کرتی ہیں؟"

وہ وہی جملے دوہرانے لگی جب ٹھہر گئی۔اُسے خاموش پاکر راحم چہرہ جھکا کر مسکایا۔وہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی تو نفرت بھی نہیں کرتی تھی۔یعنی ابھی امید باقی تھی۔ یعنی ابھی کوششیں شروع کرے تو ممکن ہے وہ مان جائے۔

"آپ مجھ سے نفرت نہیں کرتیں۔اس لئے مجھ سے شادی کرلیں۔آپ کے اور اپنے حصے کی محبت میں کرلوں گا آپ سے۔"

یہ تین جملے اس نے اتنے پیار سے بولے تھے کہ مہوین امین کے اشکوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ "آپ نے مجھے رلایا تھا..."وہ بڑی معصومیت سے کہہ گئی کہ راحم کے دل کی شریانوں میں خون کا سفر تیز ہو گیا تھا۔دھڑکنوں نے اسی لمحے رفتار پکڑی تھی۔

"یہ آخری دفعہ ہے کہ آپ رو رہی ہیں...اس کے بعد میں آپ کو کبھی رونے نہیں دوں گا۔"وہ اب اس سے بہت کم فاصلے پر کھڑا تھا۔"مجھ سے شادی کرلیں۔مجھے میری محبت کو ثابت کرنے کا ایک آخری موقع دے دیں۔"

وہ اس کے لہجے میں صدق تلاش رہی تھی۔ اس کی پسندیدہ آنکھوں میں آنسو راج کر رہے تھے۔ وہ زمرد رنگ خوبصورت آنکھیں پانی سے عیاں تھیں۔

اس نے اِشفا کو دیکھا۔ جو مسکراتے ہوئے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اُس نے باری باری نظر سب پر ڈالی۔ سب اُسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ وہ سب چاہتے تھے وہ ہاں کر دے۔

لیکن وہ کیا چاہتی تھی؟

صدق دس برس پہلے سے آج تک اسی راز میں پوشیدہ تھا، کہ مہوین امین راحم رضا احمد کو سال تو کیا صدیوں بعد بھی قبول کر سکتی تھی۔ سو اس نے وہی کیا۔

سر اثبات میں ہلایا۔ بہت ہی مدھم حرکت تھی۔ اتنی مدھم کہ اگر وہ غور سے نہ دیکھ رہا ہوتا تو جان نہ پاتا کہ وہ ہاں کر رہی تھی۔

وہ شادی کے لیے مان گئی تھی۔

دونوں طرف سے اشک بہنے لگے۔اِشفا نے آگے بڑھ کر مہوین کو خوشی سے گلے لگایا تھا۔ راحم مسکراتے ہوئے پلٹا اور ٹھیک اپنے پیچھے کھڑے المیر سے روبرو آیا۔

المیر نے دونوں بازو کھولے تو وہ اس کے گلے سے لگ گیا۔آہستہ آہستہ اس کی کمر سہلاتا گیا۔ اس کے دوست نے بہت رنج اٹھائے تھے۔لوگوں کی بھیڑ میں وہ اُسے تنہا لگتا تھا۔

لیکن اب.. وہ تنہا نہیں تھا۔اور اسی بنا پر المیر خلیل کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

Clubb of Quality Content!

جب سب سے مبارک باد مل گئی تو راحم ایک مرتبہ پھر سے اُس کے روبرو آیا تھا۔پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے اس نے ایک سیاہ رنگ کی ڈبی نکالی تھی۔اور اُسے کھول کر اس کے سامنے گھٹنوں پر بیٹھ گیا تھا۔

انگھوٹی بہت پتلی نازک پر خوبصورتی اور چمک سے بھرپور تھی۔اس پر بہت ننھا سا ہیرا آب و تاب سے لشکارے مار رہا تھا۔

یہ انگھوٹی اس نے ایک ہفتہ پہلے لی تھی۔ ٹھیک مہوین کے ملک چھوڑنے کی خبر کے دو گھنٹے بعد۔ یہ خبر سنتے ہی اس کے دل نے گواہی دی تھی کہ اُسے ایک آخری کوشش کرنی تھی۔ جس کے باعث اس نے اسے خریدا تھا۔ لیکن پھر دماغ نے جب کہا کہ وہ اُسے اب اپنے قابل نہیں سمجھتی ہو گی، تو اُس نے قدم پیچھے لے لئے۔

"میں نہیں جانتا یوں زانوں پر بیٹھ کر کیا کہتے ہیں..." ذرا گھبراتے ہوئے کہا تو مہوین کی آنکھیں چمکیں۔"..لیکن...اگر آپ یہ پہن لیتی ہیں تو آج سے ٹھیک ایک مہینے بعد آپ اور میں ایک دائم رہنے والے رشتے میں بندھ جائیں گے۔ اور آج کے بعد سے میں..." اپنے دل کے مقام پر انگلی رکھی۔"..راحم رضا احمد اپنے پورے ہوش و حواس میں آپ کا ہوں۔ آج، کل اور آئندہ آنے والے میرے تمام لمحات آپ کے یعنی مہوین امین کے نام ہیں۔"

اس نے اپنا کانپتا ہوا بایاں ہاتھ آگے کیا اور راحم نے ڈاکٹرنی صاحبہ کی چوتھی انگلی پر اپنے نام کی مہر ثبت کی تھی۔

اس کے ایستادہ ہوتے ہی دونوں سب سے ملے تھے۔وہاج راحیل کے ساتھ مل کر میٹھے کا انتظام کرنے بھاگ گیا تھااور سیفان اب تک شاک میں تھا۔"مجھ سے..یعنی سیفان سے اتنی بڑی حقیقت پوشیدہ رہ گئی۔"

مہوین بے اختیار کھلکھلائی تھی۔"بھائی آپ نے بھی شادی کرلی اور ہمیں نہیں بتایا۔"

"میری اور بات ہے...میں تو ہوں ہی میسنا۔لیکن یہ جو تم دونوں نے کیا ہے..."ان دونوں کے بیچ انگلی دوڑائی۔"..اس کو بالکل بھی نظرانداز نہیں کیا جائے گا۔"

Clubb of Quality Content!

"کیا کرلوگے تم؟"راحم ہنستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"میں اپنے بچوں کی شادی پر تم دونوں کو نہیں پوچھوں گا۔"

"ہم بھی تمہیں اپنے بچوں کی شادی پر نہیں پوچھیں گے۔"راحم نے مزے سے کہاتو سیفان نے منہ کے زاویے بگاڑے۔"میں ناراض ہوجاؤں گا۔پھر مناتے رہناپوری زندگی۔"

"کس نے کہا تمہیں کوئی منائے گا؟ اتنے اسپیشل نہیں ہو تم۔" اِشفا نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ "ٹھیک ہے، محترمہ۔ آئندہ اپنے شوہر کی بائیک پر تفریح کرنے نکلنا۔" منہ بنا کر رخ پھیر کر بیٹھ گیا۔

المیر ہنستا ہوا آیا اور اس کے کندھے پر بازو پھیلاتا نشست ہو گیا۔ "اچھا اب ناراض تو نہ ہو۔"

"آپ کیوں منا رہے ہیں اسے؟"

اپنی بیوی کی طرف خفگی سے دیکھا گیا۔ "اگر یہ نہ مانا تو تم میری بائیک لے کر نکل جاؤ گی۔ اور یہ رسک میں نہیں لینا چاہتا.." دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھا لئے تو اِشفا کا منہ کھل گیا۔

"المیر خلیل... آپ نے گھر ہی جانا ہے۔ کوشش کریں میرا موڈ خراب نہ ہو۔ ورنہ کمرے سے باہر سونے کے انتظامات کر لیجیے گا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تم نے میرا نام لیا؟"

شادی کے اتنے سالوں بعد جہاں اُس کی ہر عادت بدل گئی تھی۔ وہاں اُس کی زبان سے اپنا نام سننے کی چاہ ہمیشہ کی طرح برقرار تھی۔ وہ اس کے منہ سے اپنا نام کبھی کبھی سنتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی ہی سہی پر اُسے اپنے نام اور نام لینے والے سے عشق ہو جاتا تھا۔

"نہیں.. کب؟"

"ابھی تو لیا۔"

"آپ کے کان بج رہے ہیں۔"

"تم نے سنا اس نے میرا نام لیا۔" باری باری ہر ایک سے اس بات کی تصدیق کروائی تو اشفا نے ایک گہرا سانس لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"سب نے سنا ہے۔ تم نے میرا نام لیا ہے۔"

"میں نے غصے سے لیا تھا۔"

"لیا تو تھا ناں.."

سیفان نے آنکھیں گھماتے گلا صاف کیا تھا۔ دونوں کی توجّہ ایک دوسرے سے ہٹ کر اس پر مرکوز ہو چکی تھی۔ جب اس نے ان کی نظروں کی تپش محسوس کی تو جھر جھری لی۔ پھر "کیا تکلیف ہے؟" کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔

جبکہ وہ چاروں مسکرانے لگے اور ان سب کا فیورٹ عالیار نا جانے کس بات پر زور سے کھلکھلایا تھا۔

دو ماہ بعد

وہ دونوں ابھی ابھی ایک رشتے دار کے ہاں دعوت سے لوٹے تھے۔ مہوین نے سفید رنگ کی جالی کی فراک اور راحم نے سفید رنگ کی پینٹ پر بھورے رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

"بات نہ کریں مجھ سے..." وہ آگے بڑھتی گئی اور راحم اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جیب سے گاڑی کی چابی نکالتے صوفے پر اچھالی۔

"بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟ کسی نے کچھ کہہ دیا کیا؟" وہ جا کر آرام سے صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی تھی۔ ہاتھ کی مٹھی بنا کر ٹھوڑی کے نیچے رکھی۔

وہ آ کر اس کے ساتھ بیٹھا تو وہ رُخ پھیر گئی۔ لیکن جب جواب نہ آیا تو اس نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے سے اس کا ہاتھ نکال کر تھام لیا تھا۔ "کیا کیا ہے میں نے؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

روٹھی ہوئی نگاہوں سے اُسے دیکھا اور پھر اُس کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اُس نے بھی اپنی شرٹ کو گھورا اور پھر مہوین کو دیکھا۔ "تمہیں پہننی ہے؟"

جس پر اُس نے منہ بناتے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا میرا پسندیدہ رنگ یعنی سفید شرٹ پہنیں۔ تاکہ ہم دونوں کی میچنگ ہو سکے۔ آپ نے بھورا رنگ پہن لیا۔"

راحم نے اس کے ہاتھوں کی انگلیاں اپنے ہاتھ میں قید کی تھیں۔ "سفید رنگ کی شرٹ میں نے پہننے کی ہی غرض سے جب الماری سے نکالی تو اس پر چائے کا بڑا سا داغ لگا ہوا تھا۔ بس اسی لئے..." جملہ ادھورا چھوڑا۔ اس کی بیوی کا تو موڈ ہی ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے سر سے سفید رنگ کی ٹوپی اتاری اور اس کے سامنے کی۔

"تمہارا پسندیدہ رنگ میں نے سر پر پہن رکھا تھا۔" ٹوپی کو ایک طرف کر کے رکھتے، اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی جانب کیا۔ "کیونکہ تمہاری پسند میرے سر آنکھوں پر۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مہوین نے آنکھیں گھمائیں اور چہرہ موڑ لیا تو راحم پریشان ہوا۔ "آئی ایم سوسوری.. آئندہ تم جو کہو گی وہ پہنوں گا۔"

"زیادہ باتیں نہ بنائیں۔ سب پتا ہے مجھے۔ آپ مجھ سے کوئی محبت وہبت نہیں کرتے..."

نخرے سے کہا گیا تھا۔

راحم نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ لیا اور اپنے دل کے مقام پر رکھ لیا۔ "بات بات پر تمہارا ہاتھ تھام کر اپنے دل پر رکھ لیتا ہوں۔ اور تم کہتی ہو میں تم سے محبت نہیں کرتا؟"

مہوین نے نظریں اس کی سبز آنکھوں سے ملائی تھیں۔ "آپ کیوں میرا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لیتے ہیں؟" وہ نرمی سے سوال کر رہی تھی۔

"تا کہ تم جب جب میرے سینے پر ہاتھ رکھو، تمہیں اندازہ ہو جائے کہ یہ میرا دل تمہارے ارد گرد رفتار بڑھا کر میری تم سے محبت کی عکاسی کرنے لگتا ہے۔"

بس اتنی سی تھی بات تھی اور مہوین کی ساری ناراضگی دور ہو گئی تھی۔ایک تواس کا شوہر اُسے زیادہ دیر ناراض نہیں رہنے دیتا تھا۔دل تواس کا بہت چاہتا تھا کہ لڑائی کرے۔پر راحم سے شادی کرنے کا یہ واحد نقصان ہوا تھا کہ راحم اس کے لئے اپنے تمام تر کام تو چھوڑ سکتا تھا پر
اُسے ناراض حالت میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

Clubb of Quality Content!

"آپ ایسے کیوں ہیں؟"وہ اُلجھ کر پوچھ رہی تھی۔

"کیسا ہوں؟"

"اتنے اچھے..اتنے پیارے.."وہ مبہوت ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔"..جب آپ مسکراتے ہیں تو آپ کے لیے میری چاہت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔"

"اور جب نہیں مسکراتا تو..؟"

"آپ صرف تب نہیں مسکراتے جب آپ مجھے دیکھ رہے ہوتے ہیں...اپنی پیاری آنکھوں سے۔اور آپ کا ان سنجیدہ مگر محبت بھری نظروں سے دیکھنا مجھے ایسا محسوس کرواتا ہے جیسے میں ایک عام سی لڑکی نہیں ہوں۔"

"تم سے کس نے کہا تم عام ہو؟"وہ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی اور پشت کو اپنے ہاتھوں میں لے کر گرم کر رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کسی نے نہیں.. میں جانتی ہوں میں عام ہوں۔"

"تم...کم از کم تم عام نہیں ہو سکتیں۔"وہ بہت ہی اسیر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اور اگر ایک دن میں آپ کے لیے عام ہو گئی تو...؟"

"ڈاکٹرنی...میں ایسی عجیب باتیں تصور نہیں کر سکتا جن کا ہونا ناممکن ہو۔" وہ اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں آپ کے مل جانے کی تمنّا کروں گی اور آپ مجھے مل جائیں گے۔"

"ہمارا ملنا ہمارے مقدر میں لکھا تھا، مسز ڈاکٹرنی۔آپ سے مل کر مجھے یقین ہو گیا کہ میں کچھ بھی ہو سکتا ہوں..بدنصیب نہیں ہو سکتا۔"

"آپ کبھی بھی بدنصیب نہیں تھے، راحم۔اونچ نیچ زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔کوئی گر جاتا ہے تو کوئی سنبھل جاتا ہے۔لیکن یاد رکھیں کہ گرنے والا دوبارہ ضرور اٹھتا ہے۔اور اگر پھر سے گر جائے اور لگاتار گرتا جائے تو اُسے بدنصیب نہیں۔ناقابلِ شکست کہتے ہیں۔"

وہ فہم سے لہجہ اختیار کیے جب بھی اُس سے اسی طرح کی کوئی ذہین بات یا نصیحت کرتی تو وہ خود پر رشک کرنے لگتا تھا۔کہ اُس جیسے نالائق کو اللہ نے کتنی سمجھ دار بیوی عطا کی تھی۔

"جب تم اتنی پیاری باتیں کرتی ہو تو مجھے میرے دل کے اور بھی قریب لگتی ہو.."

"پہلے آپ اور تم میں سے کسی ایک کو اچھے سے چن لیں..."جب اُس کی بات کا مطلب سمجھ میں آیا تو راحم نے قہقہ لگایا۔

"میں تمہیں آپ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ تم میرے لئے قابلِ عزت ہو۔اور تم اس لئے کہتا ہوں کیونکہ تم مجھے اپنی لگتی ہو.."

اُسے یہ جملے ماضی میں کہیں پیچھے لے گئے تھے۔پانچ برس پہلے اس نے یہی الفاظ ذہنی طور پر کہے تھے۔

"آپ اگلی تمام عمر مجھ سے محبت کرتے رہیں گے ناں؟"وہ اکثر اس سے یہ سوال کیا کرتی تھی۔

"میں اگلی تمام عمر تمہاری عزت کرتا رہوں گا۔ کیونکہ عزت محبت کا آئینہ ہوتی ہے۔ جیسے میری آنکھیں تمہارے بقول میرا آئینہ ہیں.." وہ دھیرے سے مسکرائی۔

راحم کو جیسے اسی لمحے کچھ یاد آیا تو اس کے تاثرات بدلے۔ "دس سال پہلے تمہیں کسی کی آنکھیں پسند آگئی تھیں۔ تم نے کہا تھا اس کی آنکھیں حیا والی ہیں۔ وہ میری آنکھیں تھیں ناں؟"

وہ اُسے کچھ پل تکتی گئی۔ وہ اس کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کر ہنسی تھی۔ وہ یوں چہرہ بنائے بیٹھا تھا جیسے شک میں ہو کہ اس کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ "جی... دس برس پہلے مجھے آپ کی آنکھوں نے اپنا اسیر بنایا تھا۔ اور دس برس بعد بھی میں ان کی اسیر ہوں۔"

وہ تعجب سے اُسے دیکھتا رہا۔ یعنی وہ اُس روز اُس کی بات کر رہی تھی۔ خوشگوار حیرت اس کے ہر تاثر میں پھیل چکی تھی۔ "میں اتنا خوبصورت نہیں ہوں، جتنا تمہیں لگتا ہوں۔"

وہ اس کی آنکھوں کو حیا والی کہہ گئی تھی۔ راحم کے لیے یہ لفظ ایک اعزاز کی مانند تھا۔

"ٹھیک کہا..."دونوں کی نظریں ملیں۔"..آپ اس سے کئی زیادہ خوبصورت ہیں۔"وہ بے قابو ہوتا مسکرایا دیا تھا۔ایک مرتبہ پھر سے اس کا ہاتھ اپنے دل پر رکھا تھا۔"مجھے ایک موقع دینے اور مجھ پر اعتبار کرنے کے لئے شکریہ۔میں اس کے قابل نہیں تھا۔"

وہ مسکرادی۔"اگر میں اُس روز ہاں نہ کرتی تو؟آپ کو موقع نہ دیتی تو؟"

"میں قدم پیچھے لے لیتا۔اپنی محبت کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا تھا میں۔"

Clubb of Quality Content

اُسے یہی بات ہر مرد سے مختلف بناتی تھی۔وہ اتنی پیاری سوچ رکھتا تھا اور پھر اس سے پوچھتا تھا کہ وہ اس سے محبت کیوں کرتی تھی؟

"اسی لیے میں نے آپ کو قدم پیچھے نہیں لینے دیے.."ذرا سا آگے کو ہوئی اور اُس کے ہاتھ سے ٹوپی لے کر اُسے اپنے سر پر رکھ لیا۔"..میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں،راحم۔"

"جانتا ہوں۔" آگے کو ہوتے اُس نے اس کے گرد اپنے بازو حائل کیے تھے۔ وہ بہت ہی عقیدت سے اُسے اپنے حصار میں لے گیا۔ "میں تمہاری محبت کی قدر کرتا ہوں۔"

··—·⦿·—··

کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔ بیڈ پر لیٹا نفوس ہلا تو اس نے گردن موڑی۔ پھر چہرہ آگے کی سمت کر لیا۔ میز کے آگے رکھی کرسی پر
وہ پچھلے دس منٹ سے نشست تھا۔ میز پر لیمپ رکھا ہوا تھا اور اس کے نیچے کھلی ایک کتاب میں ایک کاغذ پڑا تھا۔

Clubb of Quality Content

وہ چند منٹ بیٹھا رہا۔ ساکت۔ شل ہوتے دماغ کے ساتھ۔ سب سے قرب ناک حقیقت تو یہ تھی کہ عالیہ جانتی تھی وہ مر جائے گی۔

اس نے خود میں ہمت پیدا کرتے اُس کاغذ کو دھیرے دھیرے کھولا۔ پھر اُسے روشنی کے نیچے کرتے وہ کرسی سے پشت ٹکا گیا۔ گردن پیچھے کر کے ایک گہرا سانس لیا۔ اس پر لکھی تحریر سیاہی سے لیز تھی۔ لکھائی دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ لکھاری عالیہ خلیل تھی۔

یہ وہ کاغذ تھا جو گیارہ اگست کے روز المیر نے لاکر میں رکھی یو ایس بی کے نیچے سے نکال لیا تھا۔

تحریر کا آغاز ہی اُسے آنکھیں میچنے پر مجبور کر گیا۔ ناجانے انجام کیسے عیاں ہوگا۔

"میری آخری تحریر اُس شخص کے لیے..." آگے ایک چھوٹا سا دل بنا ہوا تھا۔"... وہ جس نے مجھے ہمیشہ ضروری محسوس کروایا۔ میری خواہشات کا احترام کیا۔ مجھے اپنے قریب سب سے اعلیٰ رکھا۔"

المیر کی آنکھوں سے ایک ایک آنسو ٹوٹ کر گرا۔

"میری ہمت جواب دے رہی ہے، راحم۔ وہ وقت دور نہیں جب میں آپ سب کے درمیان موجود نہیں ہوں گی۔ یا تو میرا ذہنی توازن مجھے ہلاک کر ڈالے گا یا مجھ پر میری سانسیں تنگ کر دی جائیں گی۔ آپ مجھے جگہ جگہ تلاشیں گے اور کہیں نہ کہیں آپ کو لگنے لگے گا کہ میں آپ کو ناپسند کرتی تھی۔ تب ہی آپ کو سچائی سے بے نیاز رکھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں نے اول سے آپ کو دیکھا ہے۔ آپ کو سنا ہے۔ آپ کی وہ باتیں جو آپ مجھ سے مذاق میں کرتے تھے اور وہ بھی جنھیں آپ نہیں کر پاتے تھے۔"

اس نے آنکھیں پوری کھولتے اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہی۔ پر ناکام ٹھہرا۔

Clubb of Quality Content!

"آپ میرے قریب محبت کے عنوان میں افضل ترین ہیں۔ نہ آپ سے پہلے کوئی میرے ذہن میں داخل ہو سکا اور نہ ہی میرے بعد میں آپ کو بھول پاؤں گی۔ آپ نے کبھی مجھ پر غصہ نہیں کیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اظہار نہیں کرتی۔ ہماری ہر ملاقات پر میرے لئے لایا گیا آپ کا ایک ایک تحفہ میری الماری میں ایک اونچے مقام پر رکھا ہے۔ اور آپ کا ایک ایک لفظ میرے دل کے ایک اونچے منصب پر لکھا ہے۔ میری محبتیں، چاہتیں اور منزلیں

آپ کے لیے ہیں۔ میری ان کہی باتیں اور ناقابل بیان احترام آپ کے لیے ہے۔ میری زندگی کے ان چند لمحات میں میری عزت کرنے کا شکریہ۔ مجھے اپنی منکوحہ بنانے کا شکریہ۔ میرے بھائی کا ساتھ دینے کے لئے شکریہ۔ مجھ پر میری سانسیں تنگ نہ کرنے کا شکریہ۔"

اس نے کاغذ پلٹا تھا۔ "میری زندگی آپ کے نام ہے۔ جس میں صرف آپ ہیں اور آپ کے بعد کوئی نہیں۔ لیکن میرے بعد آپ صرف میرے نہیں رہ پائیں گے، میں جانتی ہوں۔ اور میں چاہتی بھی نہیں کہ آپ بقیہ زندگی تنہائی میں گزار دیں۔ پر میں یہ بھی چاہتی ہوں میری یادوں کا ایک حصہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔ آپ کے دل میں میرا ایک مخصوص خطہ درخشاں ہو۔ جس پر میرا نام اور جس میں میری پہچان ہو۔ مجھے جان سے جاتے جاتے اگر ایک عمر نہ لگتی تو میں آپ سے غیر آشنا رہ جاتی۔ مجھے محبت ہے اُس اذیت سے جس نے مجھے زندہ رکھا۔ مجھے آپ سے محبت ہے۔"

میں ایک دنیا میں ہوں اور دوسری دنیا کے خواب آتے ہیں آنکھوں میں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ پین چلاتی انگلیاں کاغذ پر رواں تھیں۔ بھوری آنکھیں سرخ اور آنسو بے ربط تھے۔ ٹپ ٹپ کر کے گرتے گئے۔ وہ مختصر سی یادیں...وہ ان کو قلم بند کرنا چاہتی تھی۔ لکھنا چاہتی تھی کہ راحم رضا احمد اس کے لئے کیا تھا۔ ایک جگنو یا تہہ خانے میں سورج کی نارنجی روشنی؟

ادھوری چاہتیں میری، ادھوری داستان میری

وہ خوبصورتی سے لکھا گیا ایک بند تھا۔ جس کے قافیے ایک جیسے تھے۔ جس میں چھپی کہانی ایک تھی۔ وہ محبت تھا۔ پیار لفظ کے ختم ہوتے ہی راحم کا نام ابتدا تھا۔ اقرار لفظ سے آگے کی کہانی راحم تھا۔ اس کے ہر باب کا عنوان راحم تھا۔ اور اختتام بھی راحم تھا۔

میرے جذبے ادھورے ہیں میری خواہش کے پیمانے ادھورے ہیں

وہ اُسے پاس بٹھا کر دو لمحے دیکھنا چاہتی تھی۔ اُس کی شکوہ کناں آنکھوں کو سچائی سے لیز ہوتے دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی وہ اُس سے نفرت کرنے لگے۔

محبت کے میرے ہونٹوں پر افسانے ادھورے ہیں

پر چاہت ؟ایک چھوٹا سا لفظ تھا۔اس لفظ نے کئی زندگیاں سنوار دیں اور کئی اجاڑ دیں۔

ادھورے پن کی دنیا میرے چاروں طرف ہے

اُسے حقیقت سے غیر آشنا رکھنا سب سے تکلیف دہ عمل تھا۔کئی راتیں یہی سوچتے آنکھوں میں کٹ گئیں کہ کیا ہوا گر وہ راحم کو اصلیت بتا دے ؟کیا وہ اُسے موت سے بچا لے گا؟

Clubb of Quality Content

پھر بھی اپنے دل کی سب گہرائیوں کے ساتھ اپنے دل کی سب سچائیوں کے ساتھ میں اقرار کرتا ہوں میں تم سے پیار کرتا ہوں

لیکن پھر وہ دل ڈوبا دینے والا خدشہ۔وہ اس کو اپنی وجہ سے نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔اس سے مر جانا بہتر تھا۔قربانی آسان نہیں ہوتی۔وہ جہان مانگتی ہے۔اور جہان قربان کرنا جان دینے سے لاکھ گنا قرب ناک ہوتا ہے۔

کہیں خواہش تھی کہ یہ کاغذ اُس تک کبھی نہ پہنچے۔اور کہیں وہ چاہتی تھی پہنچ جائے۔وہ صرف ایک دفعہ اپنی زندگی کے بعد خود غرض بننا چاہتی تھی۔خود غرضی مسائل کا حل نہیں تھی۔خود غرضی مسئلہ تھی۔جسے حل کرنے کے لئے اُس دل میں کہیں اس نے تمنّا جگائی کہ یہ تحریر اس تک کبھی نہ پہنچے۔

وہ زندگی کو جینے کا مستحق تھا۔اپنے طریقے سے۔خوشیوں کے تلے۔چھاؤں میں۔دھوپ سے پڑے۔

لیکن وہ اُسے ایک دفعہ دورانِ سفر روک کر کہنا چاہتی تھی۔کہ وہ محبت کے لائق ہے۔اور وہ اس سے وہی محبت کرنا چاہتی ہے جس کے لیے وہ تخلیق کیا گیا ہے۔پر کہہ دینا؟مشکل تھا۔ اور سہہ لینا عذاب۔

عذاب جھیل سکتی تھی پر اُسے عذاب جھیلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

کاغذ کے اختتامی حصے پر لکھا تھا۔ "عالیہ خلیل۔" نام کے آگے اس کے دستخط موجود تھے۔

کاغذ اشکوں سے تر ہو چکا تھا۔ اس نے اُسے ہاتھ میں جکڑ کر گردن کی پشت کرسی کے ساتھ ٹکا لی۔ آنسو زار و قطار نکل رہے تھے۔ اپنی حالت کے پیش نظر حلق میں امنڈتی ہچکی کہیں اندر ہی دھنس گئی تھی۔

وہ سانس لینے کی کوشش کرنے لگا۔ اندھیرے میں کرسی کو پیچھے سرکاتے وہ بیڈ کے ساتھ رکھی میز سے پانی اٹھانے کے لئے بڑھا۔ ایک ہاتھ دل کے مقام پر رکھتے اس کی چال لرزی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

قدم سانس کی بے ترتیبی کے باعث زنجیر ہوئے تو گرنے کا خدشہ لاحق ہوا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ گرتا، کسی نے اُسے بازو سے تھام لیا تھا۔ "المیر... کیا ہوا۔ اتنا پسینہ کیوں آ رہا ہے آپ کو؟" اس کا نرم ہاتھ اس کے چہرے سے جڑا ہوا تھا۔

وہ اُسے لئے لئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ پھر بتی جلانے کی غرض سے ایک طرف چل دی۔ "نہ.. نہیں۔ لائٹ بند رہنے دو۔ عالیار جاگ جائے گا۔" اس نے میز پر سے پانی سے بھرا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"خیر ہے۔" بتی جلاتے وہ اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دھیرے سے اس کی کمر سہلانے لگی۔ "کیا ہوا تھا، المیر؟ کیا آپ اچھا محسوس نہیں کر رہے... ہسپتال چلیں؟"

اس نے روندھی ہوئی آنکھوں سے اُسے دیکھا تھا۔ پھر خاموشی سے اس کے کندھے پر سر رکھ گیا۔ اس کے رونے کی آواز بڑھ گئی تھی۔ اِشفا کا دل ڈوب کر ابھرا۔ پیشانی پر شکنیں سجاتے وہ اُسے تھامے بیٹھی رہی۔

"میری لیا... میری بہن نے کتنی اذیت دیکھی ہوگی، اِشفا۔" وہ اس کے کندھے سے سر ہٹاتے اُسے تک کر بول رہا تھا۔ "جس روز ہمیں عالیہ کے لاکر سے یو ایس بی ملی تھی، اسی روز مجھے وہاں سے ایک کاغذ بھی ملا تھا۔ آج اتنے سالوں بعد الماری چھانتے ہوئے میری نظر اُس پر پڑی تو میں اُسے پڑھنے بیٹھ گیا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ اب اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اُسے دھیرے دھیرے دبا رہی تھی۔ "اُس کاغذ پر راحم کے لیے اُس نے کچھ لکھا تھا۔ وہ اُس سے محبت کرتی تھی۔ اتنی زیادہ کہ میں وہ سب پڑھ کر برداشت نہیں کر پا رہا۔" اِشفا سے نظریں ملائیں۔ "میری بہن کیوں مر گئی، اِشفا؟ وہ بھی تو خوشیاں ڈیزرو کرتی تھی۔ ہر deserving انسان کو خوشیاں کیوں نہیں ملتیں؟"

اِشفا نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔ "المیر... میرا ایک بھی لفظ آپ کو حوصلہ دینے کے لیے کافی نہ ہو گا۔ میں جانتی ہوں عالیہ کو کھو کر آپ نے بہت مشکل سے زندگی گزاری ہے۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ عالیہ ایک لمبی اور خوشیوں سے بھرپور زندگی ڈیزرو کرتی تھی۔ لیکن کچھ چیزیں ہمارے اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ اس نے آئمہ ریحام کا سچ سامنے لانے کے لئے اور اپنے گھر والوں کو ان کے شر سے بچانے کی خاطر اپنی جان دے دی۔ صرف آپ، وہاج، انکل اور راحم بھائی کی خاطر۔"

"لیکن... میں اگلی پوری زندگی اپنی بہن کے بغیر کیسے جیوں گا؟ ہر دن یہی سوچتے نکل جاتا ہے کہ میں اُسے نہیں بچا پایا۔"

"آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے،المیر۔آپ بے خبر تھے۔اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو مجھے بھی کبھی حقیقت سے آگاہی نہ ہو پاتی۔ایک دشمن آپ کے گھر میں تھااور دوسرا آپ کے قریب۔ایسے میں آپ کے لیے عالیہ کی حالت جاننااور اس کی مدد کرنا مشکل تھا۔ہم لاعلمی میں مارے جاتے ہیں،المیر۔"

اس نے رخسار پر گرتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔"عالیہ نے اپنی اُس تحریر میں راحم سے محبت کا ذکر کیا ہے۔لیکن تم جانتی ہو میں کتنا بے بس ہوں؟میں اپنی بہن کا آخری پیغام اپنے دوست کو نہیں دکھا سکتا۔"

Clubb of Quality Content

وہ الجھی۔"ایسا کیوں؟"

"راحم زندگی میں آگے بڑھ رہا ہے۔اگر اس نے عالیہ کے الفاظ پڑھ لئے تو وہ اپنے قدموں پر جم جائے گا۔اور آئندہ عمر اس کی یاد میں کاٹ دے گا۔میں نہیں چاہتا اس کی اور مہوین کی زندگی میں کوئی مسئلہ درپیش آئے۔ابھی ابھی تو وہ دونوں سنبھلے ہیں۔"

اِشفااُسے دیکھ کے مسکرائی تھی۔المیر خلیل آج بھی نہیں بدلا تھا۔اُسے چونیتس سالہ المیر میں دس سال کا بچہ نظر آنے لگا تھا۔ جس نے اپنے گھر والوں کی خاطر اِشفا کا دل توڑا تھا۔ماضی اور حال میں یہ فرق تھا کہ آج وہ اپنا دل توڑ رہا تھا۔

"لیکن اگر زندگی کے کسی موڑ پر آپ کو اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہونے لگا تو...؟"

اُس نے سر نفی میں ہلایا۔"نہیں ہوگا۔میں راحم کے معاملے میں غلط فیصلے نہیں لیتا۔اور اسی لئے بعد میں پچھتاتا بھی نہیں ہوں..."

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔"اور تحریر..اس کا کیا کریں گے؟"

"سنبھال کر رکھوں گا۔میری بہن کی آخری نشانی ہے۔"ہونٹ ایک سیدھے لکیر میں بند ہو چکے تھے۔"سوری میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔"

"کوئی بات نہیں... چلیں میں لائٹ بند کرتی ہوں۔" اس کی بات پر سرہاں میں ہلاتے وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ عالیاران دونوں کے بیچ میں سویا ہوا تھا۔ ایک تو اس شرارتی کو نا جانے کیا مسئلہ تھا اپنے باپ سے۔ کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اپنے نخریلی بیٹے کو بازوؤں میں لیا اور بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اِشفا اُس کی حرکت ملاحظہ فرماتے سوئچ بورڈ کے پاس ٹھہر کر اُسے تکنے لگی۔ وہ اب اُسے اُس کے ذاتی بیڈ پر لیٹا رہا تھا۔ جو کہ سائز میں ذرا سا چھوٹا تھا۔

پھر خوشی خوشی بیڈ کی طرف بڑھا اور اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گیا۔ اِشفا تاسف سے سر ہلاتے بتی بجھاتی بیڈ کی دوسری طرف جا کر لیٹ گئی۔ لمحے بعد ہی المیر نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

اس کی حرکت پر مسکراتے وہ ہولے ہولے نیند کی گہرائی میں جا رہی تھی۔

بھورے بالوں سے پسینہ ٹپک کر چہرے پر گرا تو اس نے بازو سے اُسے صاف کیا۔ دھوپ کی شدت گزشتہ روزوں کے مقابلے میں کم تھی پر تھی صحیح۔ وہ دونوں سولہ منٹ پہلے عالیہ خلیل کی قبر سے ہو کر آئے تھے۔ اپنی منہمک سی زندگی میں وہ کچھ ایام اس کے نام کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک روز خفیف سی مسکراہٹ لئے اس کے سفید مدفن کے قریب بیٹھ جاتا اور پورے ہفتے میں کیا کیا پیش آیا، بیان کرنے لگتا۔

موتیے کے مہکتے پھول اُس کے مدفن پر کسی بارش کی مانند اس کے جانے کے بعد برس رہے ہوتے تھے۔ فضا میں ایک کھلی اور خوش آئند خوشبو ایک ایک سو کو جگا کر رکھ دیتی تھی۔

زندگی میں آگے بڑھ جانا آسان ہوتا ہے پر دوران سفر ہاتھوں سے ہاتھ چھڑوا لینے والوں کو اپنے ہمراہ لیے چلنا بہت کڑا امتحان ہوتا ہے۔

کچھ لوگ ویسے ہی ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں سفر سے زیادہ آپ کی غلطیوں میں دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ آپ کے ہر گام پر آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ آپ نے غلط کیا۔ جبکہ بعض لوگ بنا کچھ

کہ آپ کی زندگی میں ایک گہرے سکوت کے سوا کچھ بھی چھوڑ کر نہیں جاتے۔ چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ ان کی یادیں تکلیف دہ تو ہوتی ہیں پر فرار کا ذریعہ بھی ہوتی ہیں۔ عالیہ کی یاد اس کے لیے کچھ ایسی ہی تھی...

خوبصورت مگر صدمہ خیز۔

گھاس سے لتپت زمین اس کے پیروں تلے تھی۔ پر نور آسمان اس کے سر کے اوپر تھا۔ آج سے کچھ برس پہلے اگر کوئی آ کر اُسے کہتا کہ ایک دن وہ خوبصورت اور خوشنما لوگوں کے بیچ زندگی گزارے گا تو وہ اُس کے منہ پر ہنس دیتا۔

کہاں راحم رضا احمد کی ادھوری مختصر سی خوشیاں اور کہاں آج کا یہ روز۔

غم میں رو دینا سہن کرنے سے بہتر حل لگتا تھا۔ سو وہ رو دینے کا عادی ہو گیا تھا۔ المیر کی نصیحت کام آ گئی تھی کہ رونے سے انسان کمزور نہیں ہو جاتا۔ کبھی کبھی رو دینا بہتر ہوتا ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لیکن آج کی تاریخ میں اس کا رونے جیسے لفظ سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ مہوین امین اُسے رونے نہیں دیتی تھی۔ تھوڑی سی اکھڑ مزاج کی مالک تھی۔ باتوں کو کھینچتی نہیں تھی۔ فوراً رد عمل بھی نہیں دیتی تھی۔ اظہار بھی مشکل سے کرتی تھی۔ روتی بھی بہت کم تھی۔ ہنستی بس اس کے سامنے اُس کے لطیفوں پر تھی۔ زیادہ لوگ بھی اُسے سکھاتے نہیں تھے۔ اکثر لوگوں کے ہجوم میں وہ اُسے مہر بہ لب پاتا تھا۔

چند ایک مہینے تو اس کی کیفیت سمجھنے میں لگ گئے۔ ایک ماہرِ امراضِ نفسی ہو کر اُس کا یوں ہجوم میں پُر سکوت ہو جانا قدرے عجیب تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ سب کچھ ذہن میں محفوظ ہونے لگا۔ وہ اس کی ایک ایک حرکت، لفظ اور جملوں کو غور سے سن کر ان کا جائزہ لینے لگا۔ اور تب اس پر حقیقت آشکار ہوئی کہ مہوین امین introvert تھی۔ اور extrovert بھی تھی۔ اپنے مریضوں کے سامنے۔ یا ڈیوٹی کے دوران۔

چند متعین افراد کے آگے وہ اتنا بول لیتی تھی جتنا اُسے ٹھیک لگتا تھا۔ حد سے بڑھ کر اپنا آپ ظاہر نہیں کرتی تھی۔ اپنی ذات سے وابستہ کوئی بھی بات کھلم کھلا نہیں کیا کرتی تھی۔ جوابی

کروائی بھی نہیں کرتی تھی۔ہاں البتہ راحم رضا احمد کے سامنے وہ سمٹی سی نہیں رہتی تھی۔ بہت بولتی تھی۔اپنی پسند اور ناپسندیدگی کا اظہار بس اسی کے سامنے کرتی تھی۔

وہ اپنی زندگی میں بہت کم introverts سے ملا تھا۔المیر کہنے کو تو گم سم ہی تھا پر لوگوں کی محفلیں اُسے بھی کرنے آتی تھیں۔اس کے علاوہ اس کی بہن زہرہ بھی خاموشی پر مبنی زندگی گزارتی آئی تھی پر بولنے میں دشواری کا سامنا اُسے بھی نہیں ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ راحیل بھی کہنے کو introvert ہی تھا۔پر وہ بھی حالات وواقعات کے مطابق ماحول میں ڈھل جاتا تھا۔بس پیچھے مہوین ہی باقی تھی۔وہ ان سب سے متنوع تھی۔بہت الگ، بہت حساس۔

وہ اُسے بہت پیار سے رکھتا تھا۔غصہ تو کرتا ہی نہیں تھا اور اگر کوئی بات سمجھانی ہوتی تھی تو سب سے پہلے اُس کے ہاتھ کو اپنے دل پر رکھتا اور پھر دھیمے اور ملائم لہجے میں بہت ہی مختصر بات کرکے اپنا مدعا اس کے آگے پیش کرتا۔

وہ اٹھتے بیٹھتے اُسے چاند کہہ جاتی تھی اور وہ اُسے دیکھتے سوچا کرتا تھا کہ میں صرف چاند اور تم پورا آسمان؟ پورا آسمان ہی تھی وہ۔ کبھی تاروں کی طرح ٹمٹمانے لگتی۔ یعنی کھلکھلانے لگتی۔ کبھی سورج کی طرح تپش کا بوچھاڑ کرتی۔ اس کے رویوں کی ایک فہرست بنانے کے بعد اُسے سمجھ میں آیا تھا کہ اس کا نام مہوین کیوں رکھا تھا... سورج کی روشنی ہی تو تھی وہ۔

لیکن وقتاً فوقتاً عام ستارے سے سیارچہ یا شہابِ ثاقب بننے میں بھی اُسے پل ہی لگتا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی زندگی کبھی چین سے لدی ہوا تو کبھی طوفان کے مترادف ثابت ہوتی تھی۔ عام سے راحم نے اُس سے مل کر بہت کچھ پایا تھا۔ بہت کچھ سمجھا تھا۔ وہ سمجھاتی بہت اچھا تھی۔

Clubb of Quality Content!

وہ بہت بولتا تھا... اور وہ سنتی تھی۔ کبھی چپ چاپ اور کبھی مسکراتے ہوئے۔

آج بھی وہ مسکرا رہی تھی۔ راحم کی ٹیم فتح کے بہت نزدیک تھی۔ ٹیم کے کھلاڑی سولہ سے سترہ سال کے لڑکے تھے۔ جو کہ راحم نے اپنی ہی قائم کی ہوئی اکیڈمی سے لئے تھے۔ یہ بھی ان کی شادی کے تین ماہ بعد ہوا تھا۔

راحم کو بچپن میں فٹبال کھیلنے میں دلچسپی حد سے زیادہ تھی۔ لیکن پیسے اور پھر ذرائع نہ ہونے کی بدولت وہ اس شعبے میں آگے نہ بڑھ پایا تھا۔اکیڈمی کھولنے کی حاصلِ وجہ بھی یہی بنی تھی۔ غریب اور امیر، ہر قسم کا بچہ اس کے ہاں داخلہ لیتا تھا۔اپنے علاوہ بھی اس نے کوچ رکھے تھے۔ جن میں وہاج شامل تھا۔وہ دس سے بارہ سال کے بچوں کی تربیت میں پیش پیش رہتا تھا۔ جبکہ بارہ سے زائد برس کے لڑکے راحم کی نگرانی میں رہتے تھے۔

بال جالی کو چیر کر آر پار ہوئی تو سیٹوں پر بیٹھے تماشائی خوشی سے سرشار ہوتے دیوانوں کی طرح اچھل پڑے تھے۔وہ آج بھی سب کا فیورٹ تھا۔فیورٹ بھائی، فیورٹ دوست، فیورٹ بیٹا، فیورٹ کوچ اور فیورٹ باس۔

لیکن ان سب سے بڑھ کر وہ ایک بہترین انسان تھا۔

وہ اُسے اپنے کھلاڑیوں کی طرف بھاگتا دیکھ رہی تھی۔ تماشائیوں میں بیٹھی وہ المیر کے ساتھ آج کا یہ سنگین میچ دیکھنے آئی تھی۔ المیر انسانوں کی بھیڑ سے نکلنے لگا تو اس نے پلٹ کر مہوین کو بھی ساتھ آنے کا کہا۔

پہلے گراؤنڈ میں ابھر تارش دیکھا اور پھر خوش باش راحم کو۔ اپنی عادت کے خلاف محض صرف اس کے لئے وہ جا سکتی تھی۔ تو وہ المیر کے پیچھے پیچھے اونچائی سے پستی پر آئی۔ گھاس اس کی کینیچی والی جوتیوں سے نکلتی جلد پر اپنا لمس چھوڑ رہی تھی۔

وہ دونوں بڑی مشکل سے راحم کے نزدیک پہنچ پائے تھے۔ لیکن پھر اس کے گرد جمع ہوتا ہجوم المیر کو تو نہیں پر مہوین کو روک گیا تھا۔ سراہنے والوں میں صرف لڑکے ہی نہیں بلکہ لڑکیاں بھی شامل تھیں۔

اس نے قدم پیچھے لے لئے۔

سب اس کو فتح پر پذیرائی سے نواز رہے تھے۔ ظاہر تھا وہ کوچ تھا ان کا۔ دو سالوں کی انتھک محنت لوٹائی تھی اس نے۔ تعریفوں کی زد میں ذہن اور پھر کانوں نے ایک آواز سنی۔ وہ افراد کے درمیان گھوم کر اپنے وجود کو ایک سمت لے جا رہا تھا۔

مہوین کی اور۔

چند قدم لیتے وہ اس سے ذرا فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ وہ اُسے کچھ کہہ رہی تھی پر وہ نہیں سن پا رہا تھا۔ ہاتھ سے کچھ اشارہ بھی کیا جا رہا تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ آپ یہ سب دیکھ لیں، پھر آپ آ جانا میرے پاس۔ اور حقیقتاً اُس کا اندازہ ٹھیک تھا۔ وہ ایک قدم پیچھے لے رہی تھی۔

وہ یہی کرتی تھی۔ جہاں بھی غیر ضروری ہونے کا احساس ہوا میں گھل جائے وہ وہاں سے ہٹ جاتی تھی۔ اتنا تو وہ اُسے جان ہی گیا تھا۔

اس نے دو گام اس تک لئے...

ان کے بیچ یہی معمول تھا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹتی تو وہ دو قدم لیتا اس تک جا پہنچتا تھا۔

مزید کچھ فاصلے طے کیا گیا۔ اکیڈمی کھولنے میں اور پھر اُس پر امید کی کرن ابھارنے میں سب سے زیادہ ہاتھ مہوین کا تھا۔ راحم نہیں جانتا تھا یہ سب کیسے ہوگا... لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ اس کا حوصلہ بن کر۔

"تھینک یو..." وہ ہونٹ ان لفظوں کی شکل میں ہلا پایا تھا۔ جس پر مہوین مسکرادی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو راحم کبھی اس فتح کا مستحق قرار نہ پایا ہوتا۔

Clubb of Quality Content

اچانک ہی رش بڑھتا چلا گیا۔ کھلاڑی راحم کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ وہ اب مہوین کی طرف سے رُخ موڑ کر اپنے تربیت کردہ لڑکوں اور المیر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خوشی سے جھوم رہے تھے۔ مہوین بھی پلٹ گئی۔

ایک ہاتھ آ کر اس کے ہاتھ میں گم ہوا۔ وہ دونوں پیٹھ کیے کھڑے تھے۔ اُس لمحے میں لاتعلقی رچی بسی تھی۔ پر تعلق قائم بھی تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے جانے سے روک رہا تھا۔ وہ ہر

محفل چھوڑ دینے کی عادی تھی... وہ اُسے محفل میں نگاہوں کا مرکز رکھتا تھا۔ جہاں وہ کسی کو نہیں دکھتی تھی، پر راحم کی نظر اسی پر عیاں وبیاں رہتی تھی۔

وہ اُسے باور کرواتا تھا کہ وہ ضروری ہے۔

وہ اُس کی گرفت کے زیرِ اثر پلٹی اور پھر اُس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ وہ اُسے کہیں لے جا رہا تھا۔ وہ اُس کے ساتھ کھینچی چلی جا رہی تھی۔

ہجوم اب بھی برقرار تھا۔ پر اس کے درمیان راحم کے ساتھ اس کی بیوی کھڑی تھی۔ شرمائی سی... بوکھلائی سی... اُسے کہاں عادت تھی نمایاں رہنے کی؟

سر کی بیوی کے احترام میں سب لڑکے قدم قدم پیچھے ہوئے تھے۔ تالیاں اب صرف سر کے لئے نہیں بلکہ ان کی بیوی کے لئے بھی بج رہی تھیں۔ مہوین کی contribution اکیڈمی کے افراد سے مخفی ہر گز نہیں رہی تھی۔ راحم روز ہی سب کے سامنے ذکر کرتا تھا کہ میری بیوی نہ ہوتی تو شاید تم سب آج یہاں نہ ہوتے۔

وہ سب مہوین کے احسان مند تھے۔ باری باری ہر کوئی اُس کی تعریف کر رہا تھا۔اور وہ بس روہانسی سی ہوتی راحم کو آنکھوں سے اشارے کر رہی تھی۔

وہ خاموشی کی پابند اس کی خاطر شورش میں کسی کٹی پتنگ کی طرح چلی جایا کرتی تھی۔

راحم اُسے اڑان بھرنا سکھا رہا تھا اور وہ اُسے ڈور کی طرح خود سے جوڑے رکھتی تھی۔اور وہ مسکراتے ہوئے اُس کی محبت میں اُس کے لیے مضبوطی سے اُسے تھامے رکھتا تھا۔

Clubb of Quality Content!

وہ دونوں اب وہاں سے ہٹ چکے تھے۔راحم نے المیر کو وہیں رکنے کا کہا تھا۔فلوقت اُسے اپنی بیوی کو گھر چھوڑ کر آنا تھا۔

دونوں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔راحم گاڑی چلاتا ہوا بار بار ایک نگاہ اس پر ڈالتا جو نا جانے کون سے خواب دیکھ رہی تھی۔

"تمہاری خاموشی سے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" تین منٹ کی ڈرائیو میں اس نے یہی ایک جملہ کہا تھا۔

وہ کھڑکی سے باہر تنگڑے درختوں سے نظر ہٹا کر اس پر مرکوز کر گئی۔ "کل تک تو آپ کہہ رہے تھے آپ کو میری آنکھوں سے ڈر لگتا ہے۔"

"سوال یہ نہیں اٹھتا کہ میں ڈرتا کس سے ہوں.. سوال یہ اٹھتا ہے کہ تم اتنا ڈراتی کیوں ہو؟ میں کتنا بھولا سا انسان ہوں...اتنے ظلم ڈھا کر تمہیں کیا ملے گا؟"

Clubb of Quality Content

"پتا ہے میرے مریض بھی یہی کہتے ہیں کہ انہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے۔" آسان الفاظ میں وہ اُسے اپنے مریضوں سے ملا گئی تھی۔ وہ خفت کے مارے آنکھیں چھوٹی کیے سڑک کو گھورتا گیا۔

"یعنی میں پاگل ہوں؟"

"مطلب؟"

"تم نے کہا تمہارے مریض تم سے ڈرتے ہیں اور ابھی کچھ ہی منٹ پہلے میں نے بھی یہی بولا تھا۔ تو مطلب میں پاگل ہوں.. تمہارے مریضوں کی طرح؟"

لیکن اس کی غصیلی نگاہ دیکھ کر وہ چپ ہوا تھا۔ "میرے مریض پاگل نہیں ہیں۔ بس ذہنی تناؤ ان کی زندگی کے ایام کھا رہا ہے۔"

ناولز کلب
Club of Quality Content

"ایسے اپنے شوہر کو بھی کبھی ڈیفینڈ کر لیا کرو..." ذرا عاجزی اپنائے لہجے میں کہتا وہ اُس کے اعصاب ڈھیلے کر گیا تھا۔

"میں صرف ان کو ڈیفینڈ کرتی ہوں جنھیں ضرورت ہوتی ہے ڈیفنس کی۔" جس پر راحم نے چہرے کے زاویے بگاڑے تھے۔

"یعنی تمہیں لگتا ہے مجھے ڈیفنس کی ضرورت نہیں ہے؟"

اس نے نفی میں سر کو دھیرے سے ہلایا۔" بالکل۔"

"کوئی شک نہیں کہ اگر تم وکیل ہوتیں اور قاتل کوئی اور ہوتا تو تم مقدمہ گھما پھرا کر مجھ پر چلا دیتیں..." یہی بات تو اُس کا چھوٹا سا دل دکھاتی تھی کہ خاتون کھل کر اظہار کرتی ہیں نہ انکار۔

"میں آپ کو قیدی بنتے ہوئے تصور نہیں کر پا رہی... آپ کا جیل میں جانا ناممکن سا لگتا تھا۔" چہرہ بتا رہا تھا وہ فلوقت اُسے قیدی کی طور پر تصورات کے گھیرے میں رکھے ہوئے تھی۔

"جا بھی سکتا ہوں جیل۔ حد سے زیادہ ہینڈ سم ہونے کے جرم میں..." سبز آنکھیں ٹمٹمانے لگیں تو وہ ہنستے ہوئے سر دائیں بائیں ہلاتی گئی۔

"اگلے ہفتے خلیل انکل نے دعوت رکھی ہے۔ ہم سب مدعو ہیں۔ تم نے شاپنگ کرنی ہے تو کر لو..."

اِشفا نے ذکر تو کیا تھا اس دعوت کا۔ لیکن مہینے کا آخر ہونے کی وجہ سے اُس نے خود کو پیسے خرچنے سے باز رکھا ہوا تھا۔ شادی کے اتنے ماہ بعد بھی وہ راحم کا پیسہ بہت کم خود پر لگنے دیتی تھی۔ اسی لئے اپنی سیلری وقت سے پہلے ہی اختتام کو پہنچتی تو وہ ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ جاتی تھی۔

اس مہینے بھی اپنے مریضوں کے ساتھ دو دفعہ لنچ کرنے کے باعث سیلری کا کافی حصہ اہتمام پر لگ چکا تھا۔ اب جو پیسے باقی تھے اس نے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروا دیئے تھے۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں اُسے اپنے نام کی پکار سنائی دی تو وہ باقی تمام معاملات سے روحجان ہٹا گئی۔ "جی؟"

"میں نے کہا کل ہی شاپنگ پر چلتے ہیں۔" آنکھیں بتا رہی تھیں ذہن میں کچھ چل رہا ہے۔
"منع مت کرنا... کبھی مجھے تم پر پیسے لگانے بھی دے دیا کرو۔"

"فضول خرچی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اتنے زیادہ کپڑے ہیں تو سہی میرے پاس۔ پنک، گرین، وائٹ اور بلیک ایک دم نئے لائے ہوئے کپڑے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک پہن لوں گی۔"

"یار تم نے اپنے تمام کپڑے کم سے کم چار چار دفعہ پہنے ہوئے ہیں۔ وائٹ والا تم پچھلے ہفتے ہسپتال پہن کر گئی تھیں۔ گرین تم نے دو دفعہ گھر پر پہنا ہے۔ پنک کی شلوار استری کرتے ہوئے جل گئی تھی۔ اور بلیک تو تم ہر فنکشن پر پہنتی ہو..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"پنک کی شلوار کب جلی؟"

"دو ماہ پہلے.. تم نے خود ہی تو فون کر کے بتایا تھا۔ بھول گئیں؟"

اس نے یاد آنے پر ماتھا پیٹا۔ "میں تو سچ میں بھول کر بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ کو کیسے یاد ہے؟"

"میں نظر رکھتا ہوں تم پر...اسٹالک کرتا ہوں تمہیں۔" مسکرانے لگا تو رخسار میں پڑتا گڑھا لمحے بھر کے لئے روشن ہوا۔

"اسٹالکنگ جرم ہے...میں آپ پر کیس کر سکتی ہوں۔" ایک ادا سے کہا تو راحم لب واکیے اُسے تکنے لگا۔

"دیکھا...یہی بات اگر تمہیں تمہارے کسی مریض نے کہی ہوتی تو تم کہتیں کہ وہ اسٹالکنگ نہیں کرتا...ذہنی توازن خراب ہے اس کا۔اُسے علاج کی ضرورت ہے۔ لیکن میں تو ٹھہرا تمہارا بہترین اور معصوم شوہر۔ مجھے لگتا ہے تمہارے دل میں جگہ بنانے کے لئے مجھے اپنا ذہنی توازن خراب کروانا پڑے گا۔"

"معصوم تک تو ٹھیک تھا پر بہترین... یہ کب ہوا؟" اب کہ وہ مکمل اس کی طرف راغب ہوئے بیٹھی تھی۔

"ہفتے میں ایک مرتبہ تمہارا سر دُباتا ہوں۔ مہینے میں ایک دفعہ پیر بھی دبا دیتا ہوں۔ ویکینڈ پر ناشتہ بناتا ہوں۔ تمہارا لیب کوٹ روز استری کرتا ہوں۔ بنا کسی تردّد کے تمہیں اپنا فون تھما دیتا ہوں۔ اٹھتے بیٹھتے تمہیں ہنساتا ہوں۔" ایک ہی سانس میں اُس نے یہ سب کہا تھا۔ "اور پھر تمہاری ڈانٹ بھی تو چپ کر کے سن لیتا ہوں۔ اب بتاؤ ہوا ناں میں بہترین شوہر؟"

"باقی سب تو ٹھیک ہے پر میں نے کب ڈانٹ لگائی؟" اُسے انجان بنتا دیکھ وہ دل پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو اتنا بڑا جھوٹ سن کر میرے دل میں درد اٹھ رہا ہے۔

"گنوا نے بیٹھا تو تم شرمندہ ہو جاؤ گی..." وہ اُسے دیکھ کر کہہ رہا تھا اور وہ اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر مسکرائی۔ "گنوائیں..."

"ہماری شادی کے ایک ہفتہ بعد تم نے مجھے کال پر اپنے سپاہی پر غصہ کرنے پر ڈانٹا تھا۔ ایک ماہ بعد تم نے مجھے دیر رات تک مووی دیکھنے پر ڈانٹا تھا۔ دو ماہ بعد تم نے مجھے سردی میں نہانے پر ڈانٹا تھا۔ پھر ٹھیک اس سے اگلے دن تم نے مجھے بالوں پر پانی گرا کر کنگی کرنے پر ڈانٹا تھا۔ دو تین ماہ بعد تم نے مجھے جوتوں سمیت بیڈ پر چڑھنے پر ڈانٹا تھا۔ پانچ ماہ بعد تم نے مجھے دو آئس

کریم سے بھرے باؤل کھا جانے پر ڈانٹا تھا۔ چھ ماہ بعد تم نے ڈانٹ لگا کر مجھ سے میری وردی دھلوائی تھی جب میں نے اس پر جوس گرا دیا تھا۔ سات ماہ بعد میرے بائیک سے گرنے پر جب مجھے بے تحاشا چوٹیں آئی تھیں تب بھی تم نے مجھے ڈانٹا تھا۔ آٹھ ماہ بعد تم نے مجھے دھلی ہوئی کارپیٹ پر شوز رکھنے پر ڈانٹا تھا۔ نو ماہ بعد تم نے مجھے دکان دار سے جھگڑا کرنے پر ڈانٹا۔"

"آئی ایم سوری...پتا نہیں میں نے اتنی دفعہ کیسے ڈانٹ دیا آپ کو۔" وہ ذرا خجل سی ہوتی کہہ رہی تھی۔" حالانکہ میں اتنا غصہ تو کبھی نہیں کرتی۔ جب جب میں نے آپ کی ڈانٹا ہو گا تب تب آپ کا دل مجھ سے برا ہو گیا ہو گا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا..."

اس کو ندامت کے سمندر میں تیرتی کشتی کا سوار بنتے دیکھ وہ ثانیے بھر کے لئے مبہوت ہوا۔ شاید اُسے خود ہی اندازہ نہیں تھا کہ وہ ڈانٹتی نہیں تھی۔ سمجھاتی تھی جسے وہ ڈانٹ کا نام اُسے تنگ کرنے کے لیے دے رہا تھا۔ گاڑی کو سڑک پار لگاتے وہ سٹیرنگ وہیل پر کونی رکھ کر ہاتھ پر اپنا چہرہ رکھ چکا تھا۔ اس کا چہرہ ابھی بھی شرمندگی سے لال بھبھو کا ہو رکھا تھا۔

"لیکن...مجھے یہ بھی یاد ہے کہ تم نے کب کب میری پرواہ کی۔ مجھے سب پر فوقیت دی۔ اپنے کام پر بھی۔" یہ بات اس کے لئے فخر کا باعث تھی کہ ڈاکٹر مہوین امین اس کے لئے کام چھوڑ دیتی تھی۔ کیوں کہ انگلینڈ کرکٹ ٹیم کے میچز کے علاوہ وہ کسی بھی موقعے پر کام نہیں چھوڑتی تھی۔

"کب کب؟"

"یاد ہے جب ہماری ریسیپشن کے دو دن بعد میں بیمار پڑ گیا تھا؟" وہ وقت کی قید میں پیچھے جا چکی تھی۔ واقعہ فوراً ذہن نشین ہوا تھا۔ سر کو اثبات میں ہلایا۔ "تمہیں لگا میں ادویات کے اثر تلے غنودگی میں ہوں۔ جبکہ ایسا نہیں تھا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ تم میرا ہاتھ پکڑ کر میرے ماتھے پر گیلی پٹیاں رکھ رہی تھیں۔ ایسے میں میں ہوش سے بیگانہ رہ سکتا تھا بھلا؟"

وہ اس کی بات پر اتنی تبسم مسکراہٹ مسکرا دی۔ ایک تو یہ انسان۔ جب دیکھو مسکرانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ "پھر جب میں بائیک سے گرا تھا تو تم نے میری چوٹوں پر دوا لگائی تھی۔ اپنی تکلیف کو نظر انداز کرتے ہوئے..."

"میری تکلیف؟"

"ہوں... اس واقعے سے دو گھنٹے پہلے ہی تم نے پیاز کاٹتے ہوئے اپنی انگلی زخمی کر لی تھی۔ اُس زخمی انگلی کے ساتھ تم نے میری مرہم پٹی کی تھی۔ وہ دوا جتنی شدت سے میرے زخموں پر لگ رہی تھی اُتنی ہی شدت سے تمہاری گھائل انگلی کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ پر تم نے ایک سسکی تک نہیں بھری۔"

اُسے تو ٹھیک سے اپنی تکلیف یاد ہی نہیں تھی۔

"اور ایک بار تم گروسری کر کے چائنہ والا نمک اور اسی سے ملتی جلتی چینی لے کر آئی تھیں۔ مجھے ان میں فرق کچھ خاص معلوم نہیں تھا۔ میں اگلے ہی روز ضد کرنے لگ گیا تھا کہ ناشتہ

میں بناؤں گا۔اور وہ بھی لیوش سا۔اسی غرض سے میں چائے بنانے کھڑا ہو گیا۔جب چائے بن گئی تو مجھے قوی نے عجلت میں گھر سے باہر ملنے بلایا تھا۔اور اُس دورانیے میں تم نے میرے ہاتھ کی بنی ہوئی نمک والی چائے پی تھی۔جب میں واپس آیا تو میں نے تمہیں چائے پیتے پایا تو مجھے اتنا افسوس ہوا تھا کہ میں جانے سے پہلے تمہیں چائے پینے سے منع کر کے تو گیا ہی نہیں۔ تم نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔میں بھی وہی چائے کپ میں انڈیل کر پینے لگا تو احساس ہوا کہ وہ میٹھی تھی۔میں حیران تھا کیونکہ جو چائے میں نے بنائی تھی وہ نمک والی تھی۔تم نے مجھ سے کہا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔جب تم برتن سمیٹنے اٹھ گئیں تو میں نے تمہارے کپ میں بچی چائے پی تھی۔وہ نمکین ہی تھی۔تم نے خود وہ بدمزہ چائے پی کر مجھے جلدی جلدی میں دوسری بنادی تھی۔"

Clubb of Quality Content!

یہ والا واقعہ اُسے اچھے یاد تھا۔وہ راحم کو شرمندگی سے بچانے کے لئے روشنی کی سی تیزی سے نئی چائے بنا گئی تھی۔

"پھر مئی کے مہینے کی کوئی تاریخ تھی۔میں تھکن کے باعث بیمار پڑ گیا تھا۔ایک تو میں بیمار بہت ہو جاتا ہوں۔تو تم نے ساری رات جاگ کر آدھے آدھے گھنٹے بعد میرا بخار چیک کیا

تھا۔ طبیعت اتنی خراب تھی کہ تم نے ایک دو دفعہ میری ناک کے نیچے انگلی رکھ کر بھی پرکھا تھا کہ کہیں میں مر مرا تو نہیں گیا.. "وہ ہنس کر گویا ہوا تھا۔ وہ بھی اُس یاد پر ہنس دی۔

اُس دن وہ واقعی بہت علیل پڑ گیا تھا۔ اُس کی سانسیں پوری رات اتنی مدھم تھیں کہ رات کے ہر پہر مہوین جاگ کر گزار گئی تھی۔ علاج کے لیے ڈاکٹر بلایا تھا پر اس کی دوائی سے بھی کچھ خاص افاقہ نہ ہوا تھا۔

"اور کچھ ہی دنوں بعد جب میرے خواب میں عالیہ آئی تھی اور میں گھبرا گیا تھا نیند میں تو تم صبح تک ترچھے طریقے سے سوئی بس میرا ہاتھ پکڑے لیٹی رہی تھی۔" وہ رات بھی طوفاں کے مانند تھی۔ راحم کا اچانک اتنا بوکھلا جانا اُسے پریشانی میں ڈال گیا تھا۔

"اور پھر عمران کے گھر دعوت پر جب میں نے عمران کی وائف آئنہ کو عمران کے پچھلے ایک عدد افیئر کا بتا دیا تھا تو بھی تم نے بات سنبھال لی تھی۔ ورنہ عمران اس دن میری ایسی حوصلہ افزائی کرتا کہ میری اگلی سات پشتیں یاد رکھتیں۔"

عمران راحم کا یونیورسٹی کا دوست تھا۔اس نے ان کی شادی کے چھ ماہ بعد اسپین سے اپنی واپسی پر ان کی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔

"لیکن ان سب سے بڑھ کر.. تم میری سب سے زیادہ پرواہ تب کرتی ہو جب میری بچکانی سے بچکانی باتیں چپ چاپ سن کر ان پر میری ڈانٹ نہیں لگاتیں۔میری غلطیوں کو میرے خلاف استعمال نہیں کرتیں۔مجھ پر میرے ماضی کو بھول جانے پر دباؤ نہیں ڈالتیں۔تم نے مجھے تب قبول کیا جب کسی بھی لڑکی کے لیے مجھ جیسے انسان کو قبول کرنا سو دفعہ سوچ کر انکار کرنے کے برابر ہوتا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے ایک دو دفعہ خود کے لئے اس کے سامنے "رنڈوا" لفظ کا استعمال کیا تھا جس پر مہوین نے اُسے سختی سے تلقین کی تھی کہ آئندہ ایسی کوئی بات نہ کرے جس میں یہ لفظ استعمال ہو۔

"آپ جیسے سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

اُسے سینے کے آگے ہاتھ باندھتے پا کر وہ تھوک نگھلتے ہوئے سیدھا ہوا تھا۔"یعنی.. یعنی جیسا میں ہوں... مطلب سمجھو ناں۔۔۔"

"سمجھائیں مجھے..."

لب کاٹتے وہ اس کے سامنے اپنی بات رکھنے کے لئے لفظ تلاش رہا تھا۔"یار... کوئی بھی لڑکی جس کی پہلے کبھی شادی نہیں ہوئی...اس کے لئے مجھ سے شادی کرنا بہت بڑی قربانی دینے کے برابر ہوتا۔میری پہلے شادی-"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اگر آپ کی جگہ میں ہوتی تو بھی آپ یہی کہتے؟یعنی اگر میں بیوہ ہوتی اور آپ کو مجھ سے شادی کرنا پڑ جاتی...تو آپ خود کو لے کر ایسا ہی سوچتے؟"

وہ اس کے سوال کر سر کھجانے لگا۔"نہیں... بالکل نہیں۔"

"آپ مجھ سے شادی اس لئے کرتے کیونکہ میں آپ کو رحم کے قابل لگتی؟"

وہ بات کی نفی کرتا گیا۔

"بالکل اسی طرح میں نے آپ سے شادی اس لئے نہیں کی تھی کیونکہ مجھے آپ پر رحم آیا تھا۔ یا میں نے آپ سے شادی کر کے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے آپ خاص نہیں ہیں؟ دنیا والوں کی تو خبر نہیں پر میرے لئے آپ بہت خاص ہیں۔ آپ سے شادی میں نے اس لئے کی کیونکہ آپ... صرف آپ مجھے میرے قابل لگے۔ آپ کو تو آپ کے معیار کی کوئی بھی مل جاتی، راحم... میرے لئے آپ جیسا ڈھونڈنا خواب سے جاگنے کے مترادف تھا۔"

Clubb of Quality Content

وہ اب اس کے ہاتھ تھامنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ لیکن وہ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ کر اُسے غصے سے دیکھ رہی تھی۔ "بارہا کہہ چکی ہوں میرے سامنے خود کے لئے ایسے جملے استعمال کرنے سے اجتناب کیا کریں۔ آپ کو سمجھ میں کیوں نہیں آتا؟"

راحم نے باری باری دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔ "یار کیا کروں... منہ سے نکل جاتا ہے۔"

"اگر آئندہ آپ کے منہ سے اپنے لئے کوئی بھی ایسی بات نکلی تو میں ناراض ہو کر چلی جاؤں گی۔"شہادت کی انگلی اٹھا کر دھمکا رہی تھی۔اے ایس پی صاحب کی سیٹی اسی لمحے گم ہوئی تھی۔دھمکی تو خیر سے خاصی دل ڈبو دینے والی تھی۔

"کہاں جاؤ گی؟"

"اِشفا آپی کے گھر..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تمہاری اِشفا آپی کا گھر ہمارے گھر کے سامنے ہے۔میں فوراً منانے آجاؤں گا تمہیں۔"

"میں نہیں مانوں گی۔"ضدی سی ہوتی کہہ گئی تو راحم ہنس دیا۔

"یار... تمہیں منانا خاصا مشکل کام ہے۔سات سال پہلے جب تم میرے،ڈاکٹر ثمر اور دیگر ڈاکٹرز کے ہمراہ سوات وغیرہ گئی تھیں۔تو بھی ناراض تھیں۔میں تمہیں دیکھ دیکھ کے بس

یہی سوچتا تھا کہ آخر میں نے ایسی کون سی غلطی کر دی جس پر یہ لڑکی مجھ سے اس قدر متنفر ہے۔اس لئے تمہاری ناراضگی میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ تمہیں منانے کے لئے اگر سب کے سامنے منت سماجت بھی کرنا پڑ گئی تو میں کروں گا۔"

"ایک بات پوچھوں آپ سے...؟" وہ اب بھی اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کی انگلیاں تھامنا چاہ رہا تھا پر وہ تھی کہ دور دور ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔اجازت ملنے پر وہ اُسے دیکھنے لگی۔"آپ کو مجھ سے محبت کب ہوئی؟"

ہاں یہ وہ واحد سوال تھا جو اُسے ہسپتال میں اپنے اُس کمرے میں بیٹھ کر ہر دو گھنٹے بعد خیالات کے سیارے پر لے اُترتا تھا۔

وہ اُس کے سوال پر کھل کر مسکرایا تھا جیسے کئی یادیں ذہن کی اسکرین پر درخشان ہو گئی تھیں۔

"سچ بتاؤں تو ہماری پہلی ملاقات کے اُس پورے سال جب جب میں تم سے ملا... میں نے تمہیں لے کر کبھی ایسا کچھ سوچا ہی نہیں تھا۔ تھوڑا سا فکر مند رہتا تھا تمہارے رویے کو لے کر۔یعنی وسوسے سے میرے ارد گرد جاگنے لگتے تھے کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی غلطی تو نہیں

ہو گئی جس نے تمہیں ایسا برتاؤ کرنے پر مجبور کر دیا؟ جس طرح میں باقی عورت ذات کی عزت کرتا ہوں ٹھیک ویسے تمہاری بھی کرتا تھا۔اب بھی کرتا ہوں۔ پر اُس وقت احساسات مختلف تھے۔ تم مجھے پُر وقار اور کامیاب انسان لگتی تھیں۔ جسے دیکھ کر میری زبان سے آپ کے سوا کچھ نہیں نکلتا تھا۔ لیکن جب تم نے اظہار کیا تو میں کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔ تمہارے جذبات کی قدر تھی مجھے...پر میں نے...میں نے تمہیں اُس نظریے سے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جیسے تم چاہتی تھی۔ ہماری بول چال بند ہو گئی۔ میں تمہارے خود کو نظر انداز کرنے پر اکثر خود کو کوستا تھا۔ تم نظریں پھیر لیتی تھیں اور میں سوچتا تھا کہ میری وجہ سے تمہارا دل ٹوٹ گیا۔ تین سال گزر گئے۔اُس دورانیے میں میں نے پچاس سے زائد مرتبہ تمہیں اپنے روبرو پایا تھا..."

Clubb of Quality Content!

اُس نے تنگ سا سانس اپنے اندر کھینچا۔

"....ہم کسی تقریب پر...شاید.. شاید وہاج کی برتھ ڈے پر آمنے سامنے آئے تھے۔ تمہارے دوپٹے پر میرا بوٹ آگیا تھا۔ تم نے پلٹ کر ایک غصیلی نگاہ مجھ پر ڈالی تھی۔ میں ڈر کر پیچھے ہوا تھا۔اور تب مجھے احساس ہوا کہ سالوں پہلے والی مہوین کی نگاہیں اُس وقت کی

نگاہوں سے میل نہیں کھاتی تھیں۔ تم بدل گئی تھیں۔ اس حد تک کہ میرا چہرہ زرد ہو گیا تھا تمہیں اپنے سامنے پاکر تم بے تاثر کھڑی تھیں۔ میں اُس دن واقعی بہت خوف زدہ ہوا تھا۔ گھر آکر سو دفعہ ماتھا پیٹا تھا کہ کیا ضرورت تھی تمہارے دوپٹے پر بوٹ رکھنے کی۔ لیکن تمہاری وہ غصیلی نظر میرے ذہن میں نقش ہو گئی۔ وہ نفرت سے لیز رویہ۔ وہ مجھے مزید دو سالوں تک ستاتا رہا۔ اور پھر المیر نے اچانک ذکر کیا کہ تم ملک چھوڑ کر جا رہی ہو۔ اور اُس لمحے مجھے تمہارا وہ.. وہ جملہ یاد آگیا۔ کہ تم اس ملک میں میری وجہ سے تھیں۔ اُس وقت... اُس لمحے میرا دل زور سے دھڑکا تھا۔ میں بس یہی سوچتا رہ گیا کہ وہ محبت... وہ ختم ہو گئی؟ یعنی اب میرا دل پوری زندگی جلتا رہے گا؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اس کے لہجے میں ایک عجیب سی اداسی تھی۔ سحر انگیز اور مرجھائی ہوئی۔

"وہی پل تھا جب مجھے اندازہ ہوا کہ میں تو تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ان پانچ سالوں نے مجھے مختلف طرح سے آزمایا تھا۔ لیکن آخر کے دو سال مجھے احساس دلا رہے تھے کہ کچھ چھوٹ رہا ہے۔ وہ تم تھیں... تم چھوٹ رہی تھیں مجھ سے۔"

دس سال کے انتظار کے بعد اُسے وہ مل گیا تھا جسے پانے کی دعا اُس نے کبھی نہیں کی تھی۔ بس ایک تمنّا سی دل کے کسی کونے میں خود کو دبائے بیٹھی رہتی تھی۔ اور آخر کار آج وہ انسان اس کے سامنے بیٹھا اپنی صالحہ سبز آنکھوں میں اشک لئے اُسے اس سے محبت کی کہانی سنا رہا تھا۔

"تم نے مجھے غصے سے کیوں دیکھا تھا؟" زبان سے شکوہ ادا ہوا تھا۔ لہجہ نرم اور رندھا ہوا تھا۔ جیسے اس کی اُس حرکت نے اس کے جذبات کو کتنی ہی ٹھیس پہنچائی ہو۔

اُسے تین سال بعد کی اپنی وہ ملاقات ہلکی سی جھلک کے مانند یاد تھی۔ راحم نے تیز سبز رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ مہوین نے شاید سفید یا خاکی رنگ کا کوئی سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔

لوگوں سے بھری خلیل منزل میں سانس لینے تک کی جگہ باقی نہ تھی۔ وہ کچھ گھبرا بھی رہی تھی اور کچھ گھٹن کے باعث اس نے سوچ رکھا تھا کہ چھت پر چلی جائے گی۔ لیکن لوگوں کے درمیان سے نکلنا کٹھن عمل تھا۔ اس کا دوپٹہ زمین پر لہرا رہا تھا۔ جو کہ شیفوں کا تھا۔ ڈھلک ڈھلک کر کندھے سے نیچے کھسکنے لگتا تھا ہر آدھ منٹ بعد۔ وہ تھک گئی تھی اُسے

سنبھالتے سنبھالتے...تب ہی راہ بننے پر اُس نے آگے کی طرف قدم بڑھانے کی کی..جب اچانک دوپٹے کو عقب سے کھینچا گیا۔اتنی زور سے کہ وہ جان گئی تھی کہ کوئی اپنا بوٹ اس پر رکھے کھڑا تھا۔

وہ غصے میں پیچھے مڑی۔ بھوری آنکھیں جو کہ سرمے سے لیز تھیں، مقابل کے بوٹ پر مرکوز ہو گئیں۔سیاہ رنگ کے بوٹ تھے۔وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔لیکن فون کی اسکرین پر لگائی آنکھوں کے اس پر سفر کرنے کے دوران وہ قدم بھی آگے لے رہا تھا۔جس کے نتیجے میں اس کا بوٹ ناجانے کب اس کے دوپٹے پر پڑ گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مہوین نے دوپٹہ زور سے کھینچا تھا۔روبرو آیا شخص بوکھلا کر پیچھے ہوا۔تب ہی مہوین کو اس کا چہرہ دکھا تھا۔وہ زمرد عکس دیتیں آنکھیں۔وہ اڑا ہوا رنگ۔

دل اُس وقت بھی چلنا بھول گیا تھا۔سانسیں تب بھی تھم گئی تھیں۔احساسات جنھیں وہ دبائے بیٹھی تھی...وہ جیسے اسی پل کے انتظار میں تھے۔اپنی آخری ملاقات کی تکلیف ذہن

کے حصے حصے میں دوڑ گئی۔کانپتا ہوا سانس خارج کرنا چاہا پر اُس کے سامنے سانس اُسے آتا ہی کہاں تھا؟

ہزار کرچیوں میں بٹ کر واپس سے خود کو حصہ حصہ کر کے جوڑنے والا دل پھر سے کرچی کرچی ہونے لگا۔اس نے غصیلی نگاہ اس پر ڈالی۔جیسے کہنا چاہ رہی ہو کہ کیوں آئے ہیں میرے سامنے؟

اور تب ہی مہوین نے فیصلہ لے لیا تھا کہ وہ اس کے سامنے رہ کر کبھی بھی اس شخص سے آگے نہیں بڑھ پائے گی۔وہ جتنی دفعہ اُسے دیکھے گی،اُتنی دفعہ رنج اٹھائے گی۔اُس دن کے بعد سے مہوین کی ملک چھوڑنے کی کوششیں جاری ہو گئی تھیں۔

وہ اُس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جس کی انگلیاں وہ ماضی کی قید میں بند ہوتے چٹخا رہی تھی۔"ظاہر ہے میں غصہ تھی آپ پر...حق تھا میرا آپ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنا۔"

"یعنی ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں سوچا گیا کہ سامنے والے کا دل نازک بھی ہو سکتا ہے؟"

جس پر اُس نے آنکھیں گھمائیں۔"اتنی بھی بڑی بات نہیں تھی ویسے۔اتنی سی بات پر کسی کا دل نہیں ٹوٹتا۔"

"ہاں... صحیح کہہ رہی ہو۔اصل میں تو میرا دل تب ٹوٹا تھا جب میں نے تمہیں اپنی جیکٹ آفر کی تھی اور تم نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔اور تب بھی جب تم نے مجھ سے مجھے لے کر اپنی نا گواری کا ذکر کیا تھا۔"

یااللہ اس انسان کو اب تک وہ سب یاد تھا؟ وہ یادِ ماضی پر مسکرانے لگی۔ذرا تکلیف دیتی تھیں یہ یادیں...پر یادیں ہی انسان کو زندہ رکھتی ہیں۔جب کچھ بھی پلے نہیں ہوتا، تب وہ ذرا فرصت میں انہیں دوہرا لیتا ہے۔

"میں نے آپ کی جیکٹ اس لئے نہیں لی تھی.. کیونکہ میری زندگی کا ایک اصول تھا۔کہ میں صرف اپنے ہسبنڈ کی شرٹس، جیکٹس وغیرہ پہنوں گی۔"

"لیکن...اپنے ہسبنڈ کی شرٹس یا جیکٹس تو تم ابھی بھی نہیں پہنتیں..." ابرو بالا کی گئی۔

"میرے ہسبنڈ مجھے دیتے ہی نہیں اپنی شرٹس..."

"اچھا؟ ویسے تو اگر وہ نہ دے کچھ تو تم چھین لیتی ہو۔ شرٹس بھی چھین لو۔ وہ معصوم کیا کرلے گا آگے سے؟" مہوین نے اُسے نظریں تنگ کر کے دیکھا تھا۔

"میں نے کب چھینا آپ سے کچھ؟ کتنے الزام لگاتے ہیں آپ مجھ پر..." منہ بسورا گیا۔

Clubb of Quality Content

"الزام؟ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ... کتنی سفاکی سے جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔۔۔ یاد کریں آپ نے چیزیں جھپٹنے کی شروعات بارہ سال پہلے ہماری سب سے پہلی ملاقات میں میرا فون مکمل کھینچ کر کی تھی۔ پھر شادی کے بعد آپ نے کمبل کھینچا تھا میرے اوپر سے۔ وہ بھی اتنی زور سے کہ میرا دل ہی بند ہو گیا تھا۔ پھر جب آپ مجھ سے ناراض تھیں اور اسی ناراضگی میں پیاز کاٹ رہی تھیں تو میں نے آپ سے چھری لینے کی کی تھی۔ آپ نے اُس وقت تو میری ایسی جان

نکالی تھی چھری باقاعدہ چھین کر۔اور پھر انہی دنوں میں آپ نے ٹی وی کا ریموٹ بھی میرے ہاتھ سے جھپٹا تھا۔"

وہ چہرے کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُسے بڑی توجّہ سے سن رہی تھی۔"ایک بات بتائیں...ہر چھوٹی چھوٹی بات آپ کو یاد کیسے رہ جاتی ہے؟"

"اتنا کم کم تو تم مجھ سے جھگڑتی ہو۔ان جھگڑوں کو ذہن میں محفوظ کر کے ذرا فرصت میں مسکرا لیتا ہوں۔"وہ مسکرایا تو مہوین سر ہلاتے ہوئے ہنس دی۔

Clubb of Quality Content!

راحم کا فون بجنے لگا تو وہ اس سے نظریں ہٹا گیا۔"ہاں المیر...بولو؟"

دوسری طرف سے اس نے کچھ کہا تھا جس پر راحم نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔"ہاں بس... پانچ منٹ تک آرہا ہوں۔رش بہت تھا بس اس لئے لیٹ ہو گیا۔"جبکہ ابھی تک کا سٹیڈیم سے طے شدہ فاصلہ کل پانچ ہی منٹ کا تھا۔

کال بند کی تو مہوین کو خود کو گھورتے پایا۔ "کیا؟ میری کوئی غلطی نہیں ہے۔ تم مجھے باتوں میں الجھا لیتی ہو۔"

"چلتی گاڑی سے نیچے پھینک دوں گی۔ چپ چاپ گاڑی چلائیں۔" جس پر راحم "اللہ معاف کرے" کہتا ہوا گاڑی چالو کر گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ اُسے گھر اتار کر واپس اسٹیڈیم میں قدم جما چکا تھا۔ سب جا چکے تھے بس ایک نفوس گھاس پر گراؤنڈ کے بیچوں بیچ بیٹھا ٹانگوں کے گرد ہاتھ باندھ کر اس کا منتظر تھا۔

وہ نرمی سے چلتے ہوئے آیا اور اس کے ساتھ اسی کی طرح بیٹھ گیا۔ المیر کی نگاہیں اس پر پڑیں۔ لمحے بعد ہاتھ بڑھا کر پانی کی بوتل اُسے تھمائی گئی۔ وہ گزشتہ ماہ سے یہی کر رہا تھا۔ روز اکیڈمی کے باہر راحم کا انتظار کرتا تھا اور پانی کی بوتل بھی ہاتھ میں اٹھائے رکھتا تھا۔

ڈھکن کھولتے وہ اُسے ہونٹوں سے لگا گیا۔ پھر منہ سے پانی صاف کرتے اس نے اس کو ذرا فاصلے پر رکھا اور خود گھاس پر لیٹ گیا۔ دونوں ہاتھ باری باری سر کے پیچھے رکھے۔

اس کا دوست بھی اس کی دیکھا دیکھی لیٹ چکا تھا۔

Clubb of Quality Content!

"ٹو کلاس میں ارحم تھا۔ فائیو میں بلال تھا۔ سیون میں احسن تھا۔ نائنتھ میں فاخر تھا۔ اور کالج میں علی تھا۔ جب جب دوست بناتا تھا تو سوچتا تھا اس دفعہ کی دوستی لمبی جائے گی۔" مخفی مسکراہٹ لبوں پر پھیل گئی۔ "وہ غلط نہیں تھے۔ غلط میں تھا شاید۔ مجھے بات تک ٹھیک سے کرنے نہیں آتی تھی۔ ان کی طرح بہت امیر بھی نہیں تھا۔ ماں باپ بھی نہیں تھے۔ نتیجتاً میری کبھی بہت پکی والی دوستی کسی سے نہیں ہوئی۔"

"ان تمام سالوں میں ہر انسان میرے ہاتھ سے نکلتا چلا گیا۔ میں رشتے سمیٹنے میں کچا تھا اور وہ ٹھہر جانے میں اناڑی تھے۔ ان سب جھنجھٹوں میں کہیں تم تھے۔ کہیں میں تھا۔ ہمارے رشتے میں میں نے کبھی بہت زیادہ محنت نہیں کی۔ مجھے تو یہ تک یاد نہیں آخری دفعہ تمہیں تحفہ کب دیا تھا میں نے... ہر سال کے بعد جب نیا سال آتا تو میں ڈر جایا کرتا تھا۔ کہ گزرے سالوں میں جیسے سب سے بات چیت ختم ہو گئی... ویسے تم سے بھی نہ ہو جائے۔ میں نے کبھی بھی تمہیں خود سے باندھ کر نہیں رکھا۔ لیکن تم پھر بھی مجھ سے جڑے رہے۔ میری پرواہ کی۔ میرے ساتھ کھڑے رہے۔ بنا جتلائے میرے کام آئے۔ خراب موڈ کے ساتھ بھی مجھ سے بات کی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

نظریں آسمان پر تھیں۔ رفتار پکڑتے بادلوں کی سمت۔ "مجھے کبھی بھی تم نے بدلنے کا نہیں کہا۔ میں سوچتا تھا کہ دوست کیا ہوتے ہیں؟ کیسے ہوتے ہیں؟ اور پھر جواب آیا کہ دوست وہ ہوتا ہے جو آپ کی غلطی پر آپ کی اصلاح بھی کرے اور کرنے کے بعد بھول جائے۔ دوبارہ کبھی بھی آپ کی گزشتہ کوتاہیوں کو آپ کے خلاف استعمال نہ کرے۔ تم ہو وہ دوست۔ وہ جسے مجھے سمیٹ کر رکھنا نہیں پڑا۔ ہر روز سوچتا ہوں کہ تمہارا شکریہ ادا کیسے کروں؟ تحفہ لے

جاؤں یا کچھ کھلا پلا دوں۔ لیکن پھر خیال آتا ہے کہ المیر خلیل کبھی materialistic تھا ہی نہیں۔ وہ تو لفظوں کا قائل ہے۔ کہہ دیتا ہے، سن لیتا ہے۔"

اشک بہت دنوں بعد اکھیوں میں اتر آئے تھے۔ "آج جب موقع بھی بن گیا اور تم ہاتھ بھی آگئے تو سوچا تمہارا شکریہ ادا کروں۔ بہت احسان مند ہوں تمہارا میں۔ کبھی بھائی تو کبھی دوست، ہر روپ دیکھا ہے تمہارا۔ اور تمہارا ایک ایک روپ تمہیں باقی سب پر فوقیت دیتا ہے۔" اب وہ سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر رُخ اس کی جانب کیے اُسے سن رہا تھا۔

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، المیر خلیل۔" المیر خفت سے آنکھیں گھما گیا۔ پل بھر میں مسکرا بھی دیا۔ راحم کہاں اس کی شان میں اتنی لمبی تقریریں کرنے کا عادی تھا؟ اٹھتے بیٹھتے بس اس کے سامنے مذاق کر دیتا اور بس۔

آج اچانک اتنا سب کچھ کہنے کی اُسے یاد کیسے آگئی؟

"میں جانتا ہوں میں اظہار کرنے میں ذرا نا تجربہ کار ہوں۔ کہنے میں ہمیشہ سے ذرا دشواری پیش آتی تھی۔ پھر تم آگئے اور تم سے میں سب کہنے لگا۔ میرے زیادہ دوست نہیں بن پاتے تھے۔ ایک دو بنا لیتا تھا اور بس ٹائم پاس ہو جاتا تھا۔ کبھی دوستیاں کرنے کی طرف توجّہ نہیں دے پایا۔ اس دوران کب تم سے دوستی ہو گئی، سمجھ ہی نہیں پایا۔ جب بھی کسی نئی جگہ جاتا تو ایک ڈر سا لگتا تھا۔ کہ نئے لوگوں میں، نئے ماحول میں ایڈ جسٹ کیسے کر پاؤں گا؟ اور پھر تمہیں کال کرتا اور تمہارے وہ دو چار لفظ کہ المیر تم نے شادی نہیں کرنی وہاں پر کسی سے، بس وقت گزارنا ہے۔ یہ جملہ مجھے ہنسا دیتا تھا اور میں نارمل ہو جاتا تھا۔ کندھوں پر سے بوجھ ذرا چلکھنے لگتا تھا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"رہی بات تحفوں کی تو... تمہارا میری ایک آواز پر مجھ سے ملنے چلے آنا کافی رہتا ہے۔ تحفوں کا میں کیا کروں گا، راحم؟ یہ سب تو عارضی ہے، آج ہے کل نہیں۔ لیکن تم.. تم سے میری دوستی.. میری محبت تمہارے لیے ہمیشہ کے لیے ہے۔ لا محدود مدت تک۔ لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم ملکہ جذبات بن کر کیوں اتنے لمبے جملے گڑھ رہے ہو؟"

بات کر بھی دی تھی اور موضوع بدلنے کی کوشش بھی جاری تھی۔ راحم اس کی ہمیشہ کی سی حرکت پر ہنس دیا۔

"تمہیں لگتا ہے تم کسی کے کام نہیں آتے۔ تم نے کسی کی مدد نہیں کی۔ تم ہر کسی کا دل توڑتے ہو۔" المیر کا چہرہ فوراً سپاٹ ہوا تھا۔ "مجھے رشتوں کو باندھ کر رکھنا تم نے سکھایا ہے۔ مجھے انہیں وقت دینا تم نے سکھایا ہے۔ مجھے ان سے حسنِ سلوک کرنا تم نے سکھایا ہے۔ المیر خلیل لاکھ برا سہی.. پر بے وفا نہیں ہو سکتا۔ تم نے مجھ سے تب تب وفا نبھائی ہے جب جب مجھے لگتا تھا آج تو بس میں ختم ہوں۔ آج ٹوٹ جاؤں گا۔"

Clubb of Quality Content!

"کہیں تم خفیہ طور پر ہماری گفتگو کی ریکارڈنگ کر کے اِشفا کو تو نہیں سنانے لگے؟"

اس کے غیر متوقع سوال پر راحم نے ماتھا پیٹا۔ "بندہ یہاں بیٹھا آپ کی شان میں قصیدے لکھ لکھ کر مصر کی ممی بن جائے، آپ نقص نکال نکال کر اگلے کا خون ہی چوستے رہیے گا۔ بدمزہ انسان۔"

تاسّف سے سر ہلانے لگا تو المیر دانت نکالتا اس کے پیروں کے قریب سر رکھ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ "ویسے کتنے سال ہو گئے ہماری یاری کو؟"

راحم ہوا میں انگلیاں اٹھائے چند لمحے گننے میں لگا گیا۔ "پتا نہیں... میتھس خراب ہے میری..."

جس پر وہ ہنس دیا۔ گیارہ سال کی عمر میں راحم کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا شروع ہوا تھا۔ آج کی تاریخ میں وہ پینتیس سال کا تھا۔ ویسے ہی لیٹے لیٹے جیب سے فون نکال کر اس پر کیلکولیٹر کھولا۔ پینتیس میں سے گیارہ گئے تو...

Clubb of Quality Content

چوبیس سال۔

"چوبیس سال ہو گئے یار... یا اللہ.." وہ بے یقینی کی کیفیت میں ڈوبا انداز لئے اس سے کہہ رہا تھا۔

المیر اٹھ بیٹھا اور پھر قدم جماتے ایستادہ ہو گیا۔ دایاں ہاتھ راحم کی جانب کیا۔ اس کے سہارے اب وہ بھی اس کے مقابل کھڑا تھا۔ "میرے لوگ، میری ڈیوٹی ایک طرف... اور تم سے میری دوستی ایک طرف۔"

راحم سن کر اس کے گلے سے آن لگا تھا۔ ایسا کبھی کبھی تو ہوتا تھا کہ المیر خلیل اُس کی شان میں چند خوبصورت کلمات کہے۔

وہ دونوں مسکرا کر ایک دوسرے کو گلے سے لگائے کھڑے تھے۔ ان دونوں نے طوفان جھیلے تھے۔ مشکلات سے بھرے پہاڑ توڑے تھے۔ لیکن دوستی میں پھوٹ کبھی نہیں پڑی تھی۔ دونوں نے آدھا آدھا حصہ ڈالا تھا دوستی جیسے صاف شفاف رشتے میں۔ ایک دوسرے کو برے حالات اور بری سے بری حالت میں دیکھا تھا۔ پر ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

ان دونوں میں سے کسی نے بھی دوستی میں سو فیصد efforts نہیں ڈالی تھیں۔ پچاس فیصد ایک تو پچاس فیصد دوسرا ڈال لیتا تھا۔ ہر کوئی اپنی تمام جان ویسے بھی دوستیوں میں نہیں لگاتا۔ اس لئے اگر سامنے والا آدھی جان بھی لگا دے تو کافی رہنا چاہیے۔ کیوں کہ کچھ تو آدھا

حق بھی ادا نہیں کرتے۔ جیسے قطرہ قطرہ سمندر بنتا تھا... بالکل ویسے کبھی راحم تو کبھی المیر دوستی میں جھک جاتا تھا۔

بلاشبہ دوستیوں میں انا توڑنا اور جھک جانا کافی رہتا ہے۔ اگر المیر بھی اس کے باقی دوستوں کی طرح اس رشتے کو نبھانے میں کوتاہی برتتا۔ یا اس رشتے میں سارا حق راحم کو ادا کرنا پڑتا، تو وہ کب کا المیر سے یہ رشتہ توڑ دیتا۔ کیونکہ دوستیوں میں خود کو دھاگوں کی طرح الجھا کر رکھنا.. دوست کو چھوٹ جانے کے ڈر سے باندھ کر رکھنا آخر میں رائیگاں ہی جاتا۔ جلد یا بدیر حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ان گنت کاوشیں بے وقعت ٹھہریں۔

دوستی بیڑی نہیں ہوتی... آزادی ہوتی ہے۔

گُھنگریالے بھورے بال کھل کر اس کے بائیں شانے پر بے ترتیب دکھائی دیتے تھے۔ان میں چلتی اس کی انگلیاں گھڑی پر بیان لمحوں کی چاپ پر تھمی تھیں۔شہد سے بنیں وہ سورج کی کرنوں کی سی آنکھیں شیشے سے ہوتیں سیدھا اوندھے منہ لیٹے انسان پر گئیں۔

سیاہ اور سرخ رنگ کی آٹھ آٹھ چوڑیاں سنگھار میز پر رکھنے کے بعد وہ پلٹی۔بے صدا چال چلتی وہ اس کے سامنے کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔"آفیسر،اٹھ جائیں۔شام کے سات بج رہے ہیں۔"

جب آگے سے ہوں ہاں نہ ہوئی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے اوپر سے کمبل کھینچ اتارا۔"یار نہیں کرو اِشفا...اِتنی مشکل سے چھٹی ملی ہے۔کچھ دیر سو لینے دو.."کمبل کو واپس سے منہ پر چڑھاتے وہ سیاہ گھنگرِیالے بال پسینے میں لتپت،ذرا سے باہر کو کھسک رہے تھے۔

"کچھ ہی دیر میں مہمان آنے لگیں گے۔اٹھ جائیں ورنہ دو دو ہاتھ کرنے لگ جاؤں گی اور پھر آپ کہیں گے میری ناک توڑ دی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں کیا کروں گا اٹھ کر؟ مہمان آٹھ بجے آئیں گے۔ آٹھ بجنے سے پانچ منٹ پہلے جگا دینا۔" کمبل میں سے دبی دبی آواز آئی تھی۔

"آپ سوتے رہیں گے تو میرے ساتھ کھانا کون بنوائے گا؟" صوفے کے پاس جا کر اب وہ اس کی وردی تہہ لگا کر رکھ رہی تھی۔

"یار کھانا تم پکا لو۔ برتن میں دھو دوں۔" اب کہ وہ کمبل سے باہر چہرہ نکال کر گویا ہوا تھا۔ سُرمئی آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ دودھیا رنگت پر ہلکا ہلکا سرخی چھلکتا میک اپ۔ گھنگریالے بال لہراتے ہوئے۔

نیند ایسے غائب ہوئی تھی جیسے اُس کے ذہن پر دستک دیتی آئی ہی نہیں تھی۔

اپنی سیاہ شرٹ کو وہ ترتیب دے کر سینے کے آگے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ "کیوں اٹھ گئے؟ سو جائیں۔ میں آپ کو آٹھ کے قریب جگا دوں گی۔"

وہ ہوا میں ہاتھ اٹھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جیسے کہہ رہا ہو ایک منٹ ٹھہرو۔ بستر سے اٹھتے اس نے کمبل تہہ کر کے ترتیب سے رکھا تھا۔ کندھوں سے شرٹ پکڑتے پیچھے کی تھی اور آگے بڑھ کر اِشفا کا ہاتھ پکڑا تھا۔ "چلو آؤ کھانا پکاتا ہوں۔"

"آپ صرف پیاز کاٹ دیں باقی میں دیکھ لوں گی۔" پیاز اور اِشفا کی لو سٹوری برسوں پرانی تھی۔ ہر کام کر لیتی تھی بس پیاز نہیں کاٹتی تھی۔ "ہاتھ چھوڑیں مجھے بال باندھ لینے دیں۔"

"نہیں۔ بال مت باندھو۔" اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے وہ اُسے زینوں سے نیچے لے جا رہا تھا۔

"کیوں؟ بال نہ باندھے تو کھانے میں گر جائیں گے۔"

وہ دونوں اب باورچی خانے کے باہر کھڑے تھے۔ اِشفا الجھتے ہوئے اُس کے جواب کے انتظار میں تھی۔ "مجھے بتاتی جاؤ کھانا میں بناؤں گا۔"

"کیوں؟"

"میں نہیں چاہتا ان گُھنگریالے بالوں کو تمہیں سمیٹنے کی ضرورت پڑے۔"اُسے کچن کے شیلف کے آگے کھڑا کرتے اب وہ ایپرن پہن رہا تھا۔اس کی ڈوریوں کو کمر کے پیچھے باندھتے اس نے اپنے آپ کو اس کی طرف موڑ لیا۔

"نہاری بنانی ہے۔کافی مشکل ریسپی ہے۔آپ نہیں بنا پائیں گے۔بال سمیٹ لینے دیں، اس میں کون سا بڑی بات ہے؟"

"یار اب میں تم سے کام کرواتا اچھا لگوں؟وہ بھی تب جب تم مجھے اپنے کھلے بالوں میں الجھا چکی ہو۔"

"میرے بالوں میں اُلجھ کر آپ کھانا کیسے پکائیں گے؟"وہ بالوں کو کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

"ضروری تو نہیں کھانا بناتے ہوئے سارا دھیان ہانڈی پر ہو۔ تھوڑا تم پر، تھوڑا تمہارے بالوں پر اور تھوڑا سا کھانے پر..."

وہ اُس کی باتوں پر ہنس دی تھی۔"المیر خلیل آپ کی باتیں آپ کی طرح مجھے آج بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔"

انگشتِ شہادت کے گرد اُس نے اُس کی بھوری لٹ لپیٹی تھی۔"پر مجھے تو تمھارا حرف حرف با معنی لگتا ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں آپ کی پرسوں والی حرکت بھولی نہیں ہوں ابھی۔" مسکرا مسکرا کر کہا گیا اور پھر اپنی لٹ اس کی گرفت سے آزاد کروائی۔

"پرسوں... کیا ہوا تھا پرسوں؟"

ہائے یہ اس کی انجان بننے کی ناکام کوششیں اور صداقت چھلکتی طوفانی آنکھیں۔

"آپ نے مجھ پر پانی گرا کر مجھے نیند سے اٹھایا تھا۔ بھلا ایسے بھی کوئی کرتا ہے کیا؟" منہ بسورا تو المیر ہنسا۔ "تم سیدھے طریقے سے اٹھ جاتیں تو میں ایسے ہتھکنڈے نہ آزماتا۔ تمہیں مزہ آتا ہے ناں روز مجھے تنگ کر کے؟"

وہ روز کیا کرتی تھی؟ المیر کے کام پر جانے سے پانچ منٹ پہلے اُس کی ہزار منتوں کے بعد بہت ہی مشکل سے سر اٹھاتی تھی۔ لیکن یہاں بھی اس کی ایک معصوم حرکت سامنے آجاتی تھی۔ المیر پانچ منٹ تک ہاتھ ہوا میں اٹھائے رکھتا تھا۔ اور وہ اس پر اپنا سر رکھے آہستہ آہستہ ہوش کی دنیا میں واپس آتی تھی۔

ناشتہ اُسے کام والی بنا کر دیتی تھی۔ شادی سے پہلے صرف چائے پی کر کام پر جانے کی اس کی بری عادت کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔ اِشفا نے اُسے باقاعدہ دھمکایا تھا اس حوالے سے۔

لیکن پرسوں تو حد ہی ہو گئی۔اس نے ایک کیس کے سلسلے میں جلدی کام پر جانا تھا اور اِشفا نے اُسے رات میں ہی خاص تلقین کی تھی کہ اُسے بھی لائیو رپورٹنگ کے لیے جلدی یونیوز پہنچنا ہے۔اس باعث اُسے جلدی اٹھانا نہ بھولے۔

وہ یہی سوچتے ہوئے جاگتے ہی اُسے جگانے لگ گیا تھا۔اسی واسطے ہاتھ ہوا میں تھا اور اِشفا کا چہرہ اُس پر۔وہ جانتا تھا وہ اُس کے ہاتھ پر سر رکھے بنا نہیں اٹھنے والی۔پانچ منٹ گزر گئے اور تب پتا چلا کہ میڈم پھر سے سو گئی تھیں۔وہ اُسے جگانے لگا۔اور جگاتا ہی چلا گیا پر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔یہاں تک کہ بیس منٹ بیت گئے اور المیر کے بازو میں درد اٹھنے لگا۔اور مجبوراً اُسے پاس رکھا پانی سے بھرا گلاس اٹھا کر اس کے چہرے پر انڈیلنا پڑ گیا۔

جس سے وہ چیختی ہوئی اٹھ بیٹھی۔دھاڑتی ہوئی شیرنی کی مانند المیر پر لپکی پر وہ اس کی کلائیاں تھامتے اُسے قابو میں کرنے لگ گیا۔خود بھی لیٹ ہو گئی تھی اور اُسے بھی دیر کروا رہی تھی۔ اب ایسے میں دونوں دو دو ہاتھ کرنے لگ جاتے تو پورا دن اسی میں نکل جاتا۔

ان کی لڑائی تو روز کا معمول تھی۔ کبھی اِشفا تو کبھی وہ خود ہی اُسے الجھانے کے لیے لڑنے لگ جاتا تھا۔اِشفا کہتی تھی وہ لڑنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔وہ سہی کہتی تھی۔یعنی اُس کی غصے سے سرخی چھلکتی صورت دیکھنے کے لئے وہ اتنا تو کر ہی سکتا تھا۔اور اس دوران اس کی سرخ چھوٹی سی ناک بہت کیوٹ لگتی تھی۔اس کی ناک کو بات بات پر چھیڑتا تو وہ مزید غصہ کرنے لگتی تھی۔

لیکن اختتام یہاں طے پاتا کہ اِشفا نہایت ہی غلط موقعے پر نہایت ہی ناگوار بات کر بیٹھتی تھی جس پر المیر ہنسنے لگ جاتا تھا اور اِشفا جھگڑے کو بھول بھال کر اُسے ہنستے ہوئے دیکھتی رہتی تھی۔

"اپنی بیوی کی خاطر تھوڑا سا تنگ نہیں ہو سکتے آپ؟" ابرو بالا کر کے ذرا تنک کر پوچھا۔

"تھوڑا؟ یہ جو تم صبح سے رات تک کرتی ہو یہ تھوڑا تنگ ہے؟ یااللہ! تو پھر زیادہ تنگ کیا ہوتا ہے، خاتون؟" اس کا سر تھپتھپایا پھر کچھ سوچ کر سوال کر بیٹھا۔"آج پورا دن کیا کیا کرتی رہیں؟"

Clubb of Quality Content!

وہ روز کام سے آکر اس سے یہ سوال کرتا تھا۔ہاتھ بڑھا کر پیاز کے پچھڑے سے اس نے پیاز نکالے اور ان کا چھلکا اتارتے وہ انہیں کاٹنے لگ گیا۔

"آپ کے جانے کے بعد فریش ہو کر میں نے ناشتہ کیا۔پھر عالیار کو ناشتہ کروایا۔اس کے کپڑے چینج کیے۔بال بنائے۔پھر وہاج اُسے لے کر پارک چلا گیا۔میں نے بیگ تیار کیا اور راحیل کے ساتھ کام پر چلی گئی۔وہاں سے مومن کے ساتھ فیلڈ رپورٹنگ کے لئے گئی۔پھر مومن اور راحیل کے ساتھ لنچ کیا۔پھر جلدی چھٹی لے کر گھر آگئی۔کپڑے چینج کر کے میں نے کھیر بنائی۔کسٹرڈ بنایا۔وہاج سے کیک منگوایا۔راحیل سے جوس منگوائے۔پھر تھوڑی دیر آرام کیا۔پھر آپ کے سوتے ہوئے اپنے بال کرل کیے۔وہاج اور راحیل کے کپڑے استری کیے۔عالیار کو نہلایا۔اور اپنی جیولری نکال کر باہر رکھی۔پھر آپ کو جگانے آگئی۔"

"اس سب میں میں کہاں ہوں؟" سینے کے آگے ہاتھ باندھے تھے۔

"آپ..." ٹھوڑی کے نیچے انگلی رکھ لی۔یہ حرکت اس کے گہری سوچ میں ہونے کی عکاسی کررہی تھی۔

"مجھ سے لڑائی کرتی ہو... شکوے بھی مجھ سے کرتی ہو۔پلو مجھے زور زور سے مارتی ہو۔نوڈلز میرے ہاتھ کے کھاتی ہو۔بال مجھ سے بنواتی ہو۔سر میری گود میں رکھ کر میرے اچھے بھلے سیٹ ہوئے بالوں کو خراب کرتی ہو۔اور پورے دن کی داستان میں میں ہی نہیں؟"

پلو مارنے والا واقعہ تقریباً روز ہی پیش آتا تھا۔یہ منظر تھا ان کے بیڈروم کا۔عالیار کاٹ میں سو رہا تھا۔المیر تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے باتھروم سے نکل رہا تھا۔اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے تولیہ صوفے پر رکھا۔ایک نظرِ اشفا پر ڈالی جو کہ پوری کمبل کے اندر گھس کر شاید سو چکی تھی۔

اُسے سونے سے قبل ایک دو دستاویز دیکھنے تھے اسی غرض سے وہ بنا بتی بجھائے اُس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا۔پانچ منٹ مسلسل ورقوں کو توجّہ بخشنے میں گزری تو اچانک نظر کے حصار میں ایک جملہ آیا۔ابجھتے دماغ کے ساتھ اس نے فون کی تلاش میں آگے پیچھے ہاتھ مارا۔

لیکن یہ کیا... وہ کہاں گیا؟ جب اطراف میں ہر جگہ نظر ثانی کر لی تو نگاہیں کمبل میں لیٹے اُس نفوس پر گئیں۔ جو کہ اُسے کچھ حرکت کرتا محسوس ہوا۔ دماغ میں شبہ ابھرا۔ ہاتھ سفر کرتا کمبل کے کونے کو تھام گیا اور ایک ہی جھٹکے میں اس نے اُسے اُس پر سے اتارا۔

ہاتھ بڑھا کر اپنی بیوی کے ہاتھوں میں تھاما اپنا فون کھینچ نکالا۔ اس اچانک افتاد پر وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ ہاتھ مار کر اپنے بال سیٹ کیے۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"یہ بدتمیزی ہے؟ تو جو تم کر رہی ہو وہ کیا ہے؟"

"میں کیا کر رہی ہوں؟"

"میرا فون کھنگال رہی ہو۔ کسی کی اجازت کے بغیر اس کا فون نہیں اٹھاتے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کسی..؟"وہ آنکھیں پھاڑ کر لب وا کیے اُسے دیکھنے لگی۔کمبل کہیں دور جا گرا تھا۔ہاتھ بڑھا کر پلو کو انگلیوں میں دبوچا۔دوسرے ہاتھ میں اس کی شرٹ کے کالر کو جکڑا اور ایک جھٹکے میں ہی اُسے بیڈ پر گرایا۔المیر گنگ سا ہوتا اُسے اپنے اوپر پلو سے تشدد کرتا دیکھنے لگا۔

یہ میں نے کس سے شادی کر لی؟ شاید ظالم کو اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ہاتھ کا پلو بھی لوہے کی طرح پٹاخ سے لگتا تھا۔

وہ اب پلو کو تھامنے کے لئے ہاتھ ہوا میں بلند کر رہا تھا۔کہ کسی طرح اُسے جکڑ لے۔پر وہ تھی کہ زور زور سے اُسے پلو مارے جا رہی تھی۔

ایک دو دفعہ ناکامی کا شکار ہوتے اس نے آخری کوشش کی تو پلو اس کی مضبوط گرفت میں آ گیا۔اُسے جھٹ سے کھینچتے اس نے اُسے زمین پر پھینکا۔اِشفا کی آنکھیں خوف سے کھل گئیں۔وہ دھیرے دھیرے اب پیچھے ہو رہی تھی اور المیر اٹھ کر بیٹھ رہا تھا۔

وہ پھرتی دکھاتی قدم فرش پر رکھ گئی جب سخت گرفت میں آتی اس کی کونی اُسے ایک جگہ بیٹھنے پر مجبور کر گئی۔المیر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے اب وہ اپنی کونی آزاد کروانے کی رائگاں تگودو میں حصہ دار تھی۔

وہ اُسے بازو سے کھینچتا بیڈ پر گرا کر اس کے پیروں پر گدگدی کرنے لگا جس پر وہ زور زور سے ہنس رہی تھی۔

وہ یاد پر مسکرادی۔وہ اکثر اُسے دور سے چھوڑ کر پلو یا کُشن دے مارتی تھی پر جوابی کروائی کے طور پر وہ محفوظ طریقہ کار اپناتے اپنا بدلہ لے لیتا تھا۔تاکہ اس کی بیوی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

"آپ پورا دن اپنا چہرہ نہیں دکھاتے۔اب تو مجھے آپ کے نقشے بھی بھولنے لگ گئے ہیں۔" انگلیوں کو چٹخاتے ہوئے کہا تھا۔کہہ بھی درست رہی تھی۔وہ ہر دن صبح نو سے رات ایک یا دو بجے تک ڈیوٹی کرتا تھا۔ایسے میں اِشفا کے لیے کیا وہ تو خود کے لیے بھی ٹائم نہیں نکال پاتا تھا۔

"ریٹائرمنٹ لے لوں؟" ہانڈی میں چلتا چمچہ ہلاتے وہ ساتھ ساتھ نگاہ اس پر ڈال رہا تھا۔

"نہیں... یعنی پتا نہیں... "

چولہے کی آنچ دھیمی کرتے وہ اس کے سامنے آیا اور اس کا ہاتھ بہت ہی احتیاط سے تھاما۔
"ناراض مت ہوا کرو... میں کوشش کرتا ہوں وقت نکالنے کی... پر پھر پھنس کر رہ جاتا ہوں کام میں۔ لیکن اگر تم چاہو تو میں ریٹائرمنٹ لے لیتا ہوں۔ ویسے بھی کتنے ہی سال ڈیوٹی کے لئے وقف کر چکا ہوں۔ اب باقی کے تمہیں دینا چاہتا ہوں۔"

"لیکن... آپ کی نوکری تو آپ کی جان ہے ناں؟ اس کے بغیر آپ کے لئے رہنا مشکل ہے۔ میں جانتی ہوں۔" وہ چہرہ جھکا کر استفسار کر رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نوکری جان ہے تو تم جہان ہوں۔" دھیمے سے کہا گیا تھا۔وہ نظریں اس کے چہرے پر اٹھا گئی۔"ایک ماہ تک عالیار بھی سکول جانے لگ جائے گا۔میں اگر ریٹائرمنٹ لے لوں تو ہمارا بہت سا وقت ساتھ گزر سکتا ہے۔"

"لیکن...آپ...رہنے دیں۔میری عادتیں بہت خراب ہیں۔آپ دن رات میری شکل دیکھ دیکھ کر تھک جائیں گے۔اور پھر میری چپڑ چپڑ سن سن کر آپ کا واپس کام پر جانے کا دل کرنے لگے گا۔"

معصومیت سے کہہ کر ہانڈی کی طرف اشارہ کیا تو وہ واپس سے چمچے کو گھمانے لگ گیا۔"میں اس چہرہ کو دیکھنے کے لئے روز کام کے دوران فون کے home screen wallpaper کو دیکھ کر مسکراتا ہوں اور تم کہہ رہی ہو میں تمہارا چہرہ دیکھ دیکھ کر تھک جاؤں گا؟"

ناولز کلب
novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ابھی کی بات اور ہے۔تب کی بات اور ہو گی۔میں اٹھتے بیٹھتے آپ سے پنگے لوں گی۔الٹی سیدھی حرکتیں کروں گی۔کام بگاڑوں گی۔ظاہر ہے ایسے میں آپ کو غصہ تو آئے گا ہی ناں..."

وہ اس کی بات پر چونکا۔کہہ تو ایسے رہی تھی جیسے پچھلے سات سال انہوں نے ساتھ نہیں گزارے تھے۔

"تم میری طرف سے بے فکر رہو۔میں تمہیں اپنے سامنے رکھنے کے بہانے ڈھونڈتا ہوں۔تمہارے ساتھ ایک ایک پل گزارنا مجھے ہر حال میں قبول ہے۔اپنی بات کرو... برداشت کر لو گی مجھے صبح سے رات تک...؟وہ کیا کہتی ہو... مسٹر ہٹلر خلیل صاحب کو..."

وہ اُس نام پر خفت کا شکار ہوئی۔آخری دفعہ اس نے اُسے اس لقب سے شاید سات سال پہلے پکارا تھا۔وہ بھی جب غلطی سے بے دھیانی میں اس نے المیر کو کال کر دی تھی۔

"اگر آپ نے مجھے زیادہ تنگ کیا تو کمرے سے باہر نکال دوں گی۔" اس کے لیے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اب تک کتنی دفعہ کمرے سے نکالا جا چکا تھا۔ اکثر تو ڈیوٹی سے تھکا ماندہ آتا تو آگے کمرے کا دروازہ بند ملتا تھا۔

کچھ پل بنا پلک جھپکائے وہ دماغ پر زور ڈالنے لگتا کہ اب کیا کر دیا میں نے؟ پھر فون نکال کر کال کرتا تو دو تین دفعہ کال جاتی رہتی اور آگے سے جواب موصول نہ ہوتا۔ مزید کچھ منٹ کوششیں کرنے کے بعد دروازے پر دستک دیتا تھا۔ اور آخر کار وہ دشمن جان دروازہ کھول ہی دیتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ناراضگی کی وجہ پوچھنے پر پتا چلتا کہ کبھی سببِ کار شاپنگ تو کبھی ٹائم پر گھر نہ آنا تو کبھی کام کے وقت میسج نہ کرنا تو کبھی بس اِشفا کا دل کر جاتا تھا۔ بیوی کے روپ میں اُسے ہر ٹائم ہنسانے والی پر لڑنے والی آفت سونپی گئی تھی۔

وہ اُسے مختلف ناموں سے پکارنے کی عادت ڈال چکا تھا۔ صاحبہ، آفت کی پرکالا، خاتون، پاگل خانے کی انچارج، کام چور، روٹھنے کی مشین، مالکن، صحافی صاحبہ، بیگم، شہد کی مکھی، عشق، انڈیا کی جاسوسہ، ٹرانسفار مر وغیرہ شامل تھے۔

وہ بھی کوئی کم نہ تھی۔ اُسے ایسے القابات سے نوازتی کہ اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگتا۔ جن میں مسٹر ہٹلر خلیل، ایس ایچ او صاحب، آفیسر، سُرمئی آنکھوں والا طوفان، مرچیں چبانے والے، ہسبنڈ ڈیریسٹ، فراڈ پولیس والے، سیف گارڈ وغیرہ شامل تھے۔

"اب تو مجھے عادت سی ہوگئی ہے ہال کے صوفے پر سونی کی۔ کچھ نیا کرو... جھگڑنے میں مزہ تو آئے..." چمچے کی مدد سے وہ اب ذرا سا شوربا ہاتھ پر ڈال کر چکھ رہا تھا۔

"کیسا ہے؟"

سر کو دھیرے دھیرے اثبات میں ہلایا۔"کچھ کم لگ رہا ہے۔ تم چکھ کر دیکھو۔"شیلف پر رکھے چمچوں کے ریک سے وہ ایک چمچ لیتا شوربے کو اس پر ڈالتے چمچ اس کے منہ کے قریب لے گیا۔ جس سے وہ چکھ کر آنکھیں چھوٹی کرتے اسے دیکھ رہی تھی۔

" صحیح تو ہے..." جس پر المیر حیران سا ہوتا چمچ کو منہ میں ڈال گیا۔اس کا چھوڑا ہوا شوربہ پی کر اب وہ "ہوں۔۔ ٹھیک ہے" کہہ رہا تھا۔

" چلیں اب آپ جائیں میں روٹیاں بنالوں گی۔آپ جاکر ریڈی ہو جائیں۔"اس کے بالوں کو سیٹ کرتے وہ نرمی سے بولی تھی۔

وہ دھیرے سے مسکرا دیا...اُسے اس کی یہ حرکت آج بھی بہت کیوٹ لگتی تھی۔اپنے بالوں میں پھنسے اس کے ہاتھ کو تھامتے وہ اُسے اب اپنے ساتھ لئے کچن سے باہر آچکا تھا۔"روٹیاں وجی لے آئے گا۔ہر وقت کام نہ کیا کرو..."

وہ دونوں اب زینے چڑھ چکے تھے۔اوپر والی سیڑھی پر پہنچتے وہ بے اختیار رک گیا۔روزان زینوں سے اوپر نیچے ہوتے اُسے اپنی بیوی کا اس کی ناک توڑنا یاد آجاتا تھا۔اس کے گرل پر چڑھ کر نیچے چھلانگ دے مارنے کا منظر آنکھوں میں چمکنے لگتا تھا۔

ایجنٹ ایلیون کا باب المیر خلیل نے دوبارہ کبھی بھی نہیں کھولا تھا۔وہ اُسے اس کا ماضی یاد نہیں دلاتا تھا۔دوبارہ کبھی بھی اس نے اس سے اس کے ایجنٹ بننے سے مُتعلّق گفتگو نہیں کی تھی۔

وہ خوش تھا کہ وہ اُس کے ساتھ خوش تھی۔وہ ہنساتی تھی اور وہ ہنستا چلا جاتا تھا۔اس کی زندگی میں سنجیدگی کہیں بہت دور، کسی کونے میں چھپ کر رہ گئی تھی۔وہ المیر جسے اپنے آپ کو ایک کھلی کتاب کی طرح ظاہر کرنا زہر لگتا تھا اب بِلا جھجھک اِشفا سے کوئی بھی بات کر لیتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد وہ نہا کر نکل رہا تھا۔سیاہ بالوں میں تولیہ مارتے اس کی نظر ایک سمت ٹھہر گئی۔

خود باخود۔بے ساختہ۔

اس کی بیوی ان کی اولاد کے بال بنا رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے۔ نظر اس پر پھیلتی چلی گئی۔اس نے سیاہ رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی جس میں سرخ رنگ کا ہلکا ہلکا پرنٹ تھا۔کناریوں پر اسی رنگ کی لیس سے وہ رنگ ہمیشہ کی طرح اُس پر ایک الگ سا سحر طاری کر دیتا تھا۔

بال دائیں طرف سے لہرا لہرا کر ہوا میں جھول رہے تھے۔کانوں میں پہنے سیاہ جُھمکے حرکت کرتے اُس کے بازوؤں کے حساب سے ایک سمت تو کبھی دوسری سمت جاتے۔

وہ اپنے گول مٹول سے بیٹے کو اٹھا کر سنگھار میز پر بٹھا چکی تھی۔جو کہ اب ہو بہو المیر کی طرح دکھتا تھا۔اس کے جسم پر خوشبو والا پاؤڈر گراتی اب اُسے سیاہ قمیض پہنا رہی تھی۔ایک شہد میں ڈوبی نظر اٹھائی اور باتھروم کے باہر خاموش سے کھڑے اپنے شوہر کو دیکھا۔

سیاہ بکھرے بال، سیاہ شلوار قمیض...اور پھر تضاد کہ یک ٹک اُسے ہی تکتیں سُرمئی آنکھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے اُس پر سے نظریں ہٹا گئی۔

المیر نے تولیہ کرسی پر رکھا اور اِشفا کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔ آگے کو جھکتے عالیار کا گول سا چہرہ ہاتھ میں پکڑا اور چوما۔ جس پر وہ کھی کھی کرتا ہنسا۔ پچھلے دو سالوں میں کچھ ہوا ہو نہ ہوا ہو المیر اور عالیار کی دوستی ہو گئی تھی۔

ایک سرسری سی نگاہ خود پر ڈالتے اس نے سنگھار میز پر رکھی چوریاں اٹھائیں۔ اِشفا کا ہاتھ پکڑتے اب وہ اُس کی کلائی چوڑیوں سے سجا رہا تھا۔ اب وہ اُس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر چوریاں ان میں ڈال رہا تھا۔

پیچھے ایک انگھوٹی، ہار اور پائل باقی تھی۔ اس نے سونے کی انگھوٹی اٹھائی جو اب وہ اس کے بائیں ہاتھ کی چوتھی انگلی میں پہنا چکا تھا۔ کان کے پاس ذرا سا جھکا۔ "ہماری منگنی ہو گئی ہے۔" جس پر اِشفا سر ہلا کر مسکائی۔

عالیار کبھی اپنی ماں تو کبھی باپ کی حرکتوں کو ملاحظہ فرما رہا تھا۔ بالوں کو پکڑتے ایک شانے پر چھوڑے کہ اب وہ لہرا رہے تھے۔ میز پر سے ہار اٹھاتے وہ اُسے پہنا چکا تھا۔ شیشے میں دونوں

کی نظریں ملی تھیں...اس سے یوں آنکھیں ملانے سے اُسے سات سال پہلے ہوئی اپنی ملاقات یاد آجاتی تھی۔

اُس مخصوص سیاہ قمیض پر سے کافی کا وہ داغ آج تک نہیں گیا تھا۔ گھر میں نظر آئے نہ آئے دھوپ میں اُس پر کھینچا گیا نقشہ بخوبی پرکھ لیتا تھا وہ۔

پائل۔ ہر سال وہ اُسے ان کی شادی کی سالگرہ پر نئی سے نئی پائل تحفے میں دیتا پر وہ تھی کہ سالوں پرانی اُس فیروزی پائل کو نہیں بھولتی تھی۔ اور آج بھی اُس نے وہی نکال کر رکھی تھی۔

اپنی قمیض اٹھاتے وہ اُسے لئے لئے نیچے بیٹھ گیا۔ پاؤں سے اوپری حصے پر اس کی چمکتی دھات سے گول دائرہ بناتے وہ اب اُسے بند کر چکا تھا۔ سیدھا ہوا تو عالیار کو خود کی طرف لپکتے پایا۔

"بابا کریں گے..." وہ جوتوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

اِشفا اُس کا گال تھپتپا کر ہٹ گئی تھی۔ المیر نے اُسے آگے بڑھ کر بازوؤں میں بھرا اور اُس کے جوتے پکڑے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اُس کو ٹھیک سے گود میں بٹھاتے وہ اُس کے پیروں پر جوتے چڑھا رہا تھا۔ جب عمل اختتام کو پہنچا تو وہ اُس کے چہرے کو اوپر کر گیا۔ عالیار مبہوت سا ہوتا اپنے والد کو گھور رہا تھا۔ المیر کے ہاتھ کا سہارا لیتے اب وہ کھڑا ہو کر اس کے گال چوم رہا تھا۔ وہ جب بھی المیر کو دیکھتا تو یہ حرکت دوہرانے لگ جاتا۔

اِشفا آنکھیں سکور کر دونوں باپ بیٹے کو لاڈ کرتے دیکھ رہی تھی۔ کمر پر ہاتھ جماتے اس نے پیر زور سے زمین پر مارا۔ "حد ہوتی ہے بے وفائی کی۔ باپ نہ بیٹا، دونوں ہی اب مجھے اگنور کرتے ہیں۔"

عالیار اس کے ناراض ہونے پر ہنسنے لگا اور پھر واپس سے گود میں بیٹھتے والد کے ساتھ والی جگہ بستر پر تھپتپائی تو وہ روٹھی سی ان دونوں کے بغل میں آن بیٹھی۔ "آئی لو یو سو مچ۔" المیر سے کچھ سیکھا ہو نہ سیکھا ہو وہ یہ پانچ لفظ بخوبی سیکھ گیا تھا۔

Clubb of Quality Content!

"اوئے... یہ میری لائن ہے۔" اس کے گال کو پکڑا تو بیٹا باپ کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ سے پہلے ماما میری ہیں۔" حق جتایا تو المیر آنکھیں سکیڑتے اس کے چہرے کے قریب اپنا چہرہ کرتے اس کے رخساروں سے اپنا گال مس کر گیا تھا۔ "میں آپ کی ماما کا ہوں اور آپ کی ماما میری ہیں۔"

"نو! ماما میری ہیں اور بابا بھی میرے ہیں۔ آپ دونوں ایک دوسرے کے نہیں ہیں..." وہ ضدی سا ہوا تھا۔ المیر اس کے جواب پر ہنسا پھر اس کے منہ کو اپنے ہاتھ میں پکڑا۔ "کھا جاؤں گا میں تمہیں، بابا کی جان۔" پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تو وہ کھلکھلایا۔

Clubb of Quality Content!

"میں آپ کی جان ہوں تو ماما کیا ہیں آپ کی؟" وہ اس کے گلے میں اپنے ننھے بازوؤں سے حصار باندھتے اس سے چپک چکا تھا۔

المیر کی نظر ساتھ بیٹھی اِشفا پر پڑی جو شاید اس منظر کو آنکھوں میں قید کر کے اندر ہی اندر خوش ہو رہی تھی۔ "آپ کی ماما میرا جہان ہیں۔ میری مکمل کائنات۔"

اِشفا نظریں جھکائے سرخ چہرہ لیا ہاتھوں کو تکنے لگی۔ آج بھی اُس کی شرمانے کی عادت وہیں قائم تھی۔

"ماما کہتی ہیں آپ ان کے aesteriod ہیں۔ یہ کیا ہوتا ہے بابا؟" اِشفا خفت سے اُسے دیکھتی اُس کے منہ کے آگے ہاتھ رکھنے لگی۔ یہ تو ساری پول کھولنے بیٹھ گیا تھا۔ گول گپا نہ ہو تو!

"اچھا آپ کی ماما مجھے asteriod کہتی ہیں... کیوں مس جاسوسہ؟" ابرو اٹھائی تو اِشفا کھسیانی سے مسکرائی۔

"وہ.. دراصل.." باقی کے لفظ کھا کر فوراً بیڈ سے دور ہوئی تھی۔ المیراب اپنے بیٹے کو بیڈ پر ڈال رہا تھا۔ عالیار جانتا تھا اب کیا ہونے والا ہے۔

اِشفا نے ایک قدم پیچھے لیا اور المیر اٹھ کر اُس کے روبرو آیا۔ اس سے پہلے کے وہ اُسے پکڑتا وہ اُس سے مزید دوری اختیار کرتے اب کمرے میں بھاگ رہی تھی۔ کبھی بیڈ کے اوپر چڑھتی تو کبھی بیڈ سے نیچے اتر کر ہنستے ہوئے بھاگنے لگتی۔

اس کے پیچھے بھاگنا المیر خلیل کی زندگی کا محفوظ اور مخصوص حصہ بن چکا تھا۔ وہ اُسے جان کر دیر سے پکڑتا تاکہ وہ کھلکھلاتے ہوئے آگے آگے بھاگتی رہے۔

رات کا یہ منظر قہقہوں اور شرارتوں سے بھرپور تھا۔ خلیل منزل کے باگیچے میں نشست وہ تمام لوگ ڈینر کر کے اب چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ باربی کیو سے اٹھتا دھواں ابھی بھی فضا میں محسوس کیا جاسکتا تھا۔

راحیل اور وہاج ایک طرف نیٹ لگا کر بیڈ منٹن کھیل رہے تھے۔ جبکہ مومن ان میں سے کسی ایک کے ہارنے کے انتظار میں آنکھیں لگائے بیٹھا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مومن علی کو خلیل منزل کی ہر دعوت پر مدعو کیا جاتا۔ان سات سالوں میں وہ ان سب افراد کی زندگیوں کا خاص اور اہم حصہ بن گیا تھا۔اس نے چند ماہ پہلے ہی اپنی خالہ زاد سے نکاح کیا تھا اور دو ماہ بعد رخصتی تھی۔خالہ زاد کا نام ماہین تھا۔ جس کو وہ بچپن سے پسند کرتا تھا۔اسی غرض سے اِشفا اور المیر اس کے گھر رشتہ لے کر گئے تھے۔

خلیل محمد اور وحید دورانی،احمد مرزا کی کسی بات پر ہنس رہے تھے۔راحم کے توسط سے ان دونوں کی دوستی وحید دورانی سے گہری ہو گئی تھی۔

Clubb of Quality Content!

زہرہ رضا احمد آج کی اس دعوت میں شامل نہیں تھی۔کیونکہ وہ تین ماہ پہلے اپنے شوہر کے ساتھ بیرونِ ملک جاچکی تھی۔

سیفان اپنی بیٹی رمیشہ کو ہاتھ سے پکڑ کر گول گول گھما رہا تھا۔اور یہ منظر ماہرہ اپنے فون کی آنکھ میں قید کر رہی تھی۔جب وہ گھوم گھوم کر تھک گئی تو سیفان کے سینے پر سر رکھتے ایک جگہ ٹھہر گئی۔

"پاپا... مومن.." اُسے نگاہ کے حصار میں رکھتے اداس سے مومن کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں موجود ہر شخص جانتا تھا کہ مومن علی رمیشہ یامین کا پیدائشی کرش تھا۔ اگر وہ رو رہی ہو اور اُسے مومن دکھ جائے تو وہ مسکرانے لگتی تھی۔

سیفان نے آنکھیں گھمائیں... ایک تو اس کی بیٹی پتا نہیں اس ایجنٹ سیون میں کیا دیکھتی تھی جو ہر وقت "مومن مومن" کرتی رہتی تھی۔

وہ اُسے بازوؤں میں بھرتا کھڑا ہو گیا۔ چند قدم بڑھائے اور وہاج کے سر پر آن ٹھہرا۔ ایک ہاتھ بڑھا کر اُس کے ہاتھ سے ریکٹ لیا اور اپنی بیٹی کو تھما دیا۔ وہاج میچ کے دوران ریکٹ چھینے جانے پر لبوں کو کھولے کھڑا تھا۔ "یار سیف برو... یہ کیا کیا؟"

راحیل خوشی سے پاگل ہوتا ان کے پاس آیا تھا۔ ظاہر ہے وہ میچ جیت گیا تھا۔ پھر رمیشہ کے گال پکڑ کر زور سے کھینچے تو وہ اُسے آنکھیں دکھاتی خاموش چال چلتی مومن کے آگے جا کھڑی ہوئی۔ سرخ رخسار لئے ایک ہاتھ آگے بڑھایا جس میں ریکٹ موجود تھا۔

مومن اس کی حرکت پر حیران ہوا اور پھر ہنس دیا۔ ریکٹ کو گھاس پر رکھتے اب وہ اُسے اپنی گود میں بٹھا چکا تھا۔ وہ اُسے "رمیشہ... نیلی آنکھوں والی خوبصورت بچی..." کہتا تھا اور وہ مسکراتی جاتی تھی۔

ابھی بھی وہ اُس کے نقش نقش کو بہت غور سے تک رہی تھی۔ مومن اور ماہین کے نکاح کے روز رمیشہ نے مومن سے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہا تھا کہ وہ اس اپنے بابا کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ کیونکہ وہ مومن کو غصے سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے مومن اُسے اپنے ساتھ لے جائے۔ اور معصوم سا تاثر دیتے مزید بولی تھی کہ ماہین کو تنگ بھی نہیں کرے گی۔ دونوں کے ساتھ آرام سے رہ لے گی۔

جس پر مومن نے جواب دیا کہ ماہین ابھی اس کے گھر نہیں آئی۔ جب آئے گی تو وہ سیفان یامین کے گھر سے رمیشہ کو لے جائے گا۔ دونوں نے پنکی پرومیس کیا تھا۔

بہت کم عرصے میں ان لوگوں نے اُسے بہت جلدی قبول کر لیا تھا۔ ہر کوئی اُس کا بھر بھر کر خیال کرتا۔ اُس کی ماں کا بھی مکمل علاج جاری تھا۔ اور چونکہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے رمیشہ سے اس کی ایک حسرت پوری ہو گئی تھی۔ ہمیشہ سے دل میں ایک خواہش تھی کہ ایک چھوٹی سی بہن ہوتی تو اس کے ناز نخرے اٹھالیتا۔ اور سببِ کار وہ اس کی ہر چیز پوری کرتا تھا۔

راحم رضا احمد سفید رنگ ملبوس کیے کرسی پر نشست تھا۔ ساتھ ساتھ کیک کھاتا اور المیر کو چھیڑتا جاتا۔ المیر اب اس کی کسی بات پر تاسف سے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔ تاریخ گواہ تھی دنیا اِدھر سے ادھر ہو جائے، راحم المیر کو تنگ کرنے کی اپنی اس عادت سے فراموش نہیں ہو سکتا تھا۔

تب ہی چھوٹے چھوٹے قدموں کی بھاگم بھاگ اس تک بڑھنے کی آہٹ گونجی۔ کوئی سیاہ شلوار قمیض میں بنا ٹھنا سا اسی کی جانب آ رہا تھا۔ حسبِ معمول راحم نے بازو کھولے اور عالیار خلیل اس کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گیا۔ "کیسا ہے میرے نخریلے دوست کا بیٹا؟"

"ابو، بابا ماما دونوں مجھے اگنور کرتے ہیں۔" وہ اداسی سے کہہ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ اِشفا المیر کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ دونوں ایک ہی پلیٹ سے کیک کھا رہے تھے۔

"ان کی اتنی جرات.. ! کہ یہ میرے چھوٹے سے آلو کو اگنور کریں؟" پھر اس کا گال زور سے چوما تو عالیار نے آستین سے گال کو زور سے رگڑا۔

"مجھے آلو نہ کہا کریں، ابو... ماما مجھے گول گپا کہتی ہیں۔ بابا مجھے گول مٹول کہتے ہیں۔ آپ کی وائف مجھے واٹر میلن کہتی ہیں..." وائف کے ذکر پر اس نے ایک طائرانہ نگاہ اپنی بیوی پر ڈالی جو سفید ہی کپڑوں میں اپنے سنہرے بالوں کو کیچر میں قید کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میری وائف آپ کی آنی ہیں... موٹو۔ اُسے آنی کیوں نہیں بلاتے تم؟"

"مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔ ماما کتنا مسکراتی ہیں... آنی نہیں مسکراتیں۔" وہ خفت سے کہہ رہا تھا۔ بات تو سولہ آنے درست تھی۔

"ڈر تو مجھے بھی ان کی آنکھوں سے بہت لگتا ہے۔ بات کچھ یوں ہے کہ میں ان کے اور اپنے حصے کا مسکرا دیتا ہوں۔ وہ ڈاکٹرنی ہیں نا...ڈاکٹر ایسے ہی ہوتے ہیں..."

"آپ ان کو آپ کیوں کہتے ہیں، ابو؟ وہ آپ سے بڑی ہیں کیا؟"

ایک تو یہ بچہ پتا نہیں اتنی کم عمر میں اتنی مخصوص باتیں کیسے جانچ لیتا تھا۔ پھر نظر اِشفا پر پڑی... تو سارے سوالات دور ہو گئے۔ ظاہر ہے اولاد کس کی ہے...

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں...وہ مجھ سے پانچ سال چھوٹی ہیں۔"

"تو پھر آپ "آپ" کیوں کہتے ہیں؟"

"کیونکہ جب ہماری دوسری ملاقات ہوئی تھی تو میں نے انہیں آپ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اور اس کے بعد جب جب میں ان سے ملا میں کچھ اور کہہ ہی نہ سکا...مجھے لگا اب میں انہیں تم

نہیں کہہ پاؤں گا۔ان کی شخصیت ہے ہی اتنی رعب دار سی... لیکن جب میری ان سے شادی ہو گئی تو میں انہیں "تم" کہنے لگا۔تم کہتا ہوں تو وہ مجھے میری لگتی ہیں۔"

"بابا بھی آپ کی طرح ہیں...وہ کہتے ہیں ماما ان کو rule کرتی ہیں۔حالانکہ rule تو سلطنت پر کیا جاتا ہے ناں..."

راحم کی اگلی نگاہ مہوین پر پڑی جو اپنے بالوں سے کیچر نکال چکی تھی۔کیونکہ اس میں اس کے بال سمٹ نہیں پا رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"کس نے کہا rule صرف سلطنت پر کیا جاتا ہے؟کچھ لوگ دل پر بھی rule کرتے ہیں۔"
وہ اس کے بالوں کو دائیں طرف سیٹ کر رہا تھا۔

"میں کرتا ہوں آپ کے دل پر rule؟"

جس پر راحم زور سے ہنسا... پھر آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ سر کو اثبات میں ہلاتے وہ اس کو نیچے اتار گیا تھا۔

قدم اٹھے اور مہوین کی کرسی کے پیچھے رکے۔اس کے ہاتھ سے کیچر لیتا اب وہ انہیں دانتوں میں پھنسائے اس کے بالوں کو گول گول گھما کر ان میں کیچر لگا چکا تھا۔"مجھے کہہ دیتیں تو میں کر دیتا.."جھک کر کہا جس پر مہوین چہرہ اس کی سمت کر کے اُسے دیکھنے لگی۔

آج بھی اس کی زمرد آنکھیں سب سے خوبصورت تھیں۔آج بھی چہرہ چاند کی مانند سب سے الگ لگتا تھا۔

"تھینک یو..."ہاتھ بڑھایا تو وہ اُسے پکڑے پکڑے اس کے ساتھ نشست سنبھال گیا۔

اب کہ سب نشستوں پر براجمان تھے۔

Clubb of Quality Content!

"خیر سے وہاج کے لئے بھی رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں..." خلیل محمد نے بلند آواز میں کہا۔ان کی نگاہ کا مرکز وہاج تھا اور وہ خود سب کی آنکھوں کا مرکز بنے تھے۔"میں سوچ رہا تھا کیوں ناں لگے ہاتھ راحیل کا بھی رشتہ کر دیں..."

نزدیک ہی بیٹھے راحیل کی پیٹھ تھپکی تو وہ لال بھبوکا چہرہ لئے نیچے دیکھنے لگا۔"کیوں راحیل... تم کیا کہتے ہو؟"

جس پر اس نے ہاں کی نہ انکار کیا۔بس جھکی ہوئی گردن کے ساتھ نجانے گھاس میں کیا تلاش رہا تھا۔

"کیوں بھئی سالے صاحب؟"راحم نے ابرو اچکا کر مخاطب کیا...چہرے کو ذرا سا ترچھا کیا۔گال میں پڑتا چاند نمایاں ہوا تھا۔"مت تنگ کریں میرے بھائی کو..."مہوین نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔وہ بہن کی بات کی تائید کرتا سر اثبات میں ہلا گیا۔"...اتنا کیوٹ ہے.."اس کے ہاتھ کی پشت کو چوم رہی تھی اب وہ۔

Clubb of Quality Content!

"جس طرح میرا دو سال سے رشتہ ڈھونڈا جا رہا ہے، ویسے تمہارا ابھی ڈھونڈ ہی لیں گے۔ اگلے دس سال تو کہیں نہیں گئے..." دن رات بس یہی کہتا رہتا تھا کہ اس کی شادی نہیں کرواتے گھر والے۔

"جب ہمیں تمہارے قابل لڑکی مل جائے گی تو تمہاری شادی کریں گے ناں، وجی..." خلیل محمّد نے استفسار کیا تھا۔

"لیں...اتنی لڑکیاں ہیں آج کل۔ قابل بھی اور سمجھدار بھی ہیں۔ آپ سب کو ابھی تک کوئی کیسے پسند نہیں آئی؟"

Clubb of Quality Content

"وجی...ہم نے صرف یہ نہیں دیکھنا کہ لڑکی تمہارے قابل ہے یا نہیں...یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم اس کے قابل ہو بھی یا....اب کسی کی بیٹی کے ساتھ زیادتی تو نہیں کر سکتے۔"

جس پر وہاج خلیل کا منہ کھل گیا تھا۔ "بابا پہلے بھائی مجھے اٹھتے بیٹھتے روسٹ کرتے تھے۔ اب آپ نے بھی ان کے ساتھ حصہ داری کر لی...میں تو ذلیل ہونے کے لئے رہ گیا ہوں بس.."

وہاج کے ساتھ چھیڑ چھاڑ مزید جاری رہی تھی۔

آگے پیچھے کی باتوں میں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ راحم کی نگاہ گاہے بگاہے اُس ٹیرس کی اور اُٹھی۔ جہاں کبھی کوئی کھڑا ہوتا تھا۔

اُس کے کمرے کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ الماری کے پٹ کھول کر اگر اندر جھانکیں تو کپڑے اب کہیں نہیں تھے۔ انہیں ضرورت مندوں میں دے دیا تھا۔ اُس میں بس ایک بھورے غلاف والی کتاب رکھی تھی۔ جس پر نووے آؤٹ لکھا تھا۔

اس پر بنے پنجرے میں وہ بلبل اب قید نہیں لگتی تھی۔ اب ہر ورق خاموش سیاہی کی جگہ گونج گونج کر اپنی شناخت ظاہر کرتا تھا۔

زمانہ بدل رہا تھا۔

لوگ بدل رہے تھے۔

وقت بیت رہا تھا۔

لمحے انگلیوں کے بیچ سے پھسل رہے تھے۔

اس کے ذہن نے ایک نقشہ کھینچا۔ شادی کے بعد جب پہلی دفعہ وہ عالیہ کے کمرے میں گئ تو اس نے دیواروں پر نصب تصاویر کو ہر زاویے سے پرکھا تھا۔ اور آج اسی کے تحت وہ گمان کرنے لگ گئ تھی کہ سامنے بیٹھے افراد میں عالیہ ہوتی تو اس کے سیاہ بال بکھر رہے ہوتے۔ ہاتھ میں ایک پین موجود ہوتا اور وہ بھورے غلاف والی ڈائری بھی۔

اس کا راحم کے نام لکھے جانے والا پیغام آج بھی اس کے اور المیر کے کمرے کی الماری کے لاکر میں رکھا تھا۔ کئ دفعہ دل کیا کہ راحم کو وہ کاغذ دے دے۔ لیکن المیر کی باتیں اُسے روک لیتی تھیں۔

اُسے لگتا تھا کبھی کبھی کچھ باتوں کا پوشیدہ رہ جانا ہی ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔اُسے صحیح لگتا تھا۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں سیفان یامین اُسے ماہرہ محمود کے کان میں موجود جُھمکے کو ہلاتا نظر آیا۔وہ خوش تھا۔اپنی ماں کے غم کے ساتھ زندگی گزار تو رہا تھا...پر آنکھوں سے خوش گواری بھی اکثر چھلکتی تھی۔

وہاج نے ایک ماہ قبل ہی اپنی کمپنی کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک بڑا پروجیکٹ تیار کیا تھا۔جو کہ کامیاب ثابت ہوا تھا۔اس کی سیلری اب قدرے بڑھ گئی تھی۔

راحیل اب اکیلا بھی فیلڈ رپورٹنگ اور لائیو رپورٹنگ کر لیا کرتا تھا۔اپنے کام کو لے کر وہ بہت سیریس تھا۔سالوں کی تنہائی سات سال اور چند ماہ کی خوشیوں کے آڑے نہیں آپائی تھی۔

مہوین کی نظریں راحم سے ملیں جو اسی کو گفتگو کا مرکز بنائے اس کی ہی کسی حرکت پر اُسے سرہا رہا تھا۔جب وہ سر جھکاتی سرخ ہوئی تو راحم نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔وہ اُس کے ساتھ رہتے رہتے social anxiety سے آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔وہ ان دونوں کے لیے بہت خوش تھی۔

مومن نکاح کے بعد سے مزید خوش مزاج ہو گیا تھا۔اُسے دیکھ کے اِشفا کو سالوں پہلے بند ھی اُس کی آنکھوں سے ویرانی کی ڈور یاد آتی تھی۔پر اب وہ آنکھیں روشن تھیں۔جیسے کوئی بہت بھاری بوجھ دل سے ہٹ گیا ہو۔وہ اپنی ماں کے ساتھ اب بہت سا وقت گزارتا تھا۔باپ کی غیر موجودگی کی وجہ سے جو کمیاں باقی تھیں اب وہ ا نہیں اپنی ماں سے لاڈ کر کے پوری کرتا تھا۔

خلیل محمد پُر سکون زندگی گزر بسر کر رہے تھے۔ویسی ہی زندگی جیسی وہ چاہتے تھے۔

اور رہی بات المیر کی... تو وہ ہر طرح سے اس کا تھا۔ قریب آٹھ سال ہونے کو تھے کہ اس نے آج تک اِشفا پر اپنی آواز اونچی نہیں کی تھی۔ وہ ہر طرح سے ایک اچھا لائف پارٹنر اور باپ تھا۔

عالیار اس کے سینے پر سر رکھے گہری نیند میں تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے بال پیشانی سے پیچھے کیے۔ پھر اس نے المیر کے بازو سے اپنا ہاتھ گزارا اور اُسے مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ زیرِ گفتگو تھا۔ چہرے کو موڑا اور مسکراتی سُرمئی آنکھوں سے اِشفا کو دیکھا۔ نگاہوں کا تصادم ہوا... کسی زمانے میں اکھڑے اعصاب رکھنے والا المیر خلیل اب دوسرے ہاتھ کی مدد سے اس کا سر اپنے کندھے پر رکھ کر واپس باتوں میں مشغول ہو گیا تھا۔

اس کے کندھے سے سر اٹھایا تو وہ متوجہ ہوا۔ "المیر خلیل..."

"جی حکم کریں.."

"میں نے کہا تھا ناں کہانی کے اختتام پر آپ کا نام لوں گی۔ بس اسی لئے پکارا آپ کو..."

وہ اُسے کچھ پل دیکھتا رہا۔ پھر جھک کر بولا۔ "میں تم سے عشق میں مبتلا ہوں۔ آج، کل اور ہمیشہ کے لئے۔"

بس یہی تو سننا تھا اُسے۔ ذرا مان سے اُس کے بازو پر اپنی گرفت کو مضبوط کرتی وہ پھر سے اُس کے کندھے پر سر ٹکا گئی تھی۔

وہاں نشست وہ تمام افراد اپنی اپنی کہانیوں پر غالب تھے۔ کچھ نے اپنی کہانی کا قلم خود تھاما تھا اور کچھ نے کہانی میں آئے راستوں کو ویسے ہی قبول کیا تھا جیسے انہیں خدا کی طرف سے دیئے گئے تھے۔

اور جہاں تک اس کا اپنا تعلق تھا تو وہ اپنی داستان کی ناقابلِ تسخیر کردار تھی۔ جس کے جیسا کوئی دوسرا نہیں تھا۔

اختتام حصہ چہارم

ختم شد

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842